ایمانی، قرآنی، نورانی، حقانی، عرفانی

اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریریں

مؤلف:
حضرت علامہ مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
اکبر بک سیلرز لاہور

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

ایمانی تقریریں

تصنیف

حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب	———	ایمانی تقریریں
مصنف	———	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہٗ
اشاعت	———	اکتوبر ۲۰۰۳ء
تعداد	———	۶۰۰
کمپوزنگ	———	عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور
قیمت	———	-/600 روپے

ملنے کا پتہ

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اس پیش کش کو حضرت والد ماجد

جناب حافظ عبدالرحیم صاحب قبلہ اشرفی

رحمۃ اللہ علیہ کے

نام سے معنون کرتا ہوں جو ۲۰ صفر ۱۳۸۷ھ کو رحلت فرما گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ناظرین کرام! ایصالِ ثواب فرما کر ممنون فرمائیں۔

عرضِ حال

ایک مدتِ دراز سے احبابِ اہل سنت خصوصاً مخلصین تلامذہ کا شدید اصرار تھا کہ میں چند مواعظ نہایت ہی عام فہم وسلیس زبان میں تحریر کردوں' تاکہ علماء وطلبہ وعوام بھی ان سے مستفید ہوسکیں مگر مشاغل درس ومواعظ وفتاویٰ ودیگر تصانیف کی مصروفیات سے اتنی مہلت ہی نہیں ملی کہ ارشادِ احباء کی تعمیل کروں۔ لیکن بالآخر احباب کے پیہم تقاضوں سے مجبور ہو کر فی الحال سات تقریروں کا مجموعہ

ایمانی تقریریں

ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں جو حسب ذیل عنوانوں پر مشتمل ہے۔
رب العالمین' رحمۃ للعالمین' سید المرسلین' محبوب العارفین' حضور العاشقین' قرآن مبین اور بشارۃ المومنین۔ امیدوار ہوں کہ احباب میری کوتاہیوں سے درگزر اور غلطیوں کی تصحیح فرما کر مجھے اپنی دعائے صلاح وفلاح سے سرفراز فرماتے رہیں گے اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر احباب نے اس سلسلے کو پسند فرمایا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے دوسرے حصے بھی بہت جلد تحریر کر کے نذرِ ناظرین کردوں گا کیونکہ ابھی بہت سے ضروری مضامین دماغ کی کوٹھری سے نوکِ قلم وصفحۂ قرطاس پر آنے کے لئے بے قرار ہیں' قدردانوں کی دعوتِ کرم کا انتظار ہے۔

اگرچہ سلسلہ نطق گذشت اما چہ گویم ایں کہ ہنوزم چہ آرزو باقی است
ورق تمام شد و قصہء ناتمام بماند شب آخر آمد وصد گونہ گفتگو باقی است

نیازمند

عبدالمصطفیٰ عفی عنہ

گھوسی-۲۶ رمضان ۱۳۸۷ھ

فہرست ایمانی تقریریں

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
پہلا واعظ		لطیفہ	۳۴
رب العالمین	۹	دیوبندی دلیل کا رد	۳۵
گنگا کا جواب	۱۲	کلمہ طیبہ	۳۷
ہمالیہ کا وعظ	۱۲	دوسرا وعظ	
پودوں کی تقریر	۱۳	رحمة للعالمين	۳۸
درختوں کا نعرہ	۱۴	محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۴۴
چاند اور سورج کا خطبہ	۱۶	گلدستہ نعت	۴۵
مخلوق دلیل خالق	۱۷	گرونانک کی چوپائی	۴۶
دانشمند اعرابی	۱۸	ایک نکتہ	۴۷
امام ابوحنیفہ کا مناظرہ	۲۰	جنتی ربیعہ	۴۸
لطیفہ	۲۱	ہوشیار لونڈی	۵۱
امام مالک کا استدلال	۲۱	بہلول دانا	۵۲
امام شافعی کی دلیل	۲۲	فرماں بردار زمین	۵۴
عالم اکبر عالم اصغر	۲۴	زمین کی ٹھکرائی ہوئی لاش	۵۵
نماز افضل العبادات کیوں ہے؟	۲۶	پانی دودھ بن گیا	۵۵
ایک منکر خدا کا انجام	۲۷	حضرت انس کا دستر خوان	۵۶
لطیفہ	۲۸	خوفناک آندھی	۵۷
حاضر جواب بڑھیا	۳۱	لکڑی کی تلوار	۵۸
اسلامی توحید	۳۲	ٹہنی کی ٹارچ	۵۸
شرک کیا ہے؟	۳۳	حضرت ابوہریرہ کی تھیلی	۵۸

عنوان	صفحہ
ترکیب نحوی	۵۹
حیات النبی	۶۲
عالم ما کان وما یکون	۶۳
حضرت جبرئیل پر رحمت	۶۴
مومنین پر رحمت	۶۵
کفار پر رحمت	۶۶
غلاموں پر رحمت	۶۶
زید بن حارثہ	۶۷
عورتوں پر رحمت	۶۸
بوڑھوں اور کمزوروں پر رحمت	۶۸
جانوروں اور درختوں پر رحمت	۶۹
تعلیم رحمت	۶۹
اسلام ایک وسیع مذہب ہے	۷۰
حرف آخر	۷۰
تیسرا وعظ	
سید المرسلین	۷۲
ایک بدعقیدہ کٹھ ملا	۷۵
رسول	۷۷
معراج موسوی	۸۰
معراج محمدی	۸۱
موسیٰ علیہ السلام کی نظر	۸۲
ایک دیوبندی طالب علم	۸۴
کتنے جنتی، کتنے دوزخی	۸۴
نبی	۸۶
جنتی بلال	۸۷
سراپا شفاخانہ	۹۰
سو برس کا جوان	۹۰
جوان بڑھیا	۹۰
سو بچوں کا باپ	۹۰
قتادہ کی آنکھ	۹۰
نبی اور علم غیب	۹۲
مغلوب غالب ہوگا	۹۲
کون کب اور کہاں مرے گا؟	۹۳
ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟	۹۳
کون پہلے اور کون بعد کو مرے گا؟	۹۳
ابوذر کا کفن	۹۴
حضرت علی کی شہادت	۹۴
اُمّی	۹۴
مبشر توراۃ وانجیل	۹۵
امر و نواہی	۹۶
اچھائی اور برائی کی کسوٹی	۹۶
انسانیت کا محسن اعظم	۹۷
نافع الخلائق، دافع البلاء	۹۸
لطیفہ	۹۸
صاحب النور	۹۹
فلاح کی چار شرطیں	۱۰۰

عنوان	صفحہ
ایمان	۱۰۰
تعظیم رسول	۱۰۲
نصرتِ رسول	۱۰۵
قرآن کی پیروی	۱۰۶
چوتھا وعظ	
محبوب العارفین	۱۰۹
لیلیٰ مجنوں کی کہانی	۱۱۱
قیامت کی تیاری	۱۱۷
انصار کا ایثار	۱۱۸
حضرت بلال کا استقلال	۱۱۹
حضرت عمار آگ کے کوئلوں پر	۱۲۰
حضرت خباب کی جلی ہوئی پیٹھ	۱۲۰
بی بی سمیہ کا خون	۱۲۱
حضرت زید بن دثنہ کی شہادت	۱۲۱
حضرت خبیب سولی پر	۱۲۲
حضرت انس بن نضر کے اسی زخم	۱۲۵
قدم رسول پر شہادت	۱۲۵
بیٹے کی تلوار باپ کا سر	۱۲۶
ناپاک باپ، پاک بستر	۱۲۷
شمشیر صدیق نور نظر پر	۱۲۷
حضرت ابوسلمہ کے زن و فرزند	۱۲۸
مدینے کی ایک ضعیفہ	۱۲۰
شمشیر عمر اور ماموں کا سر	۱۲۹
جہاد فی سبیل اللہ	۱۳۱
انصار کی جاں نثارانہ تقریر	۱۳۲
ابوجہل کے قاتل	۱۳۳
جہادِ نفس	۱۳۳
لطیفہ	۱۳۶
دوسرا لطیفہ	۱۳۶
بزرگوں کی نماز	۱۳۷
پانچواں وعظ	
حضور العاشقین	۱۴۰
حضور کا جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی	۱۴۲
ایک عجیب نکتہ	۱۴۳
خدا کی پھینکی ہوئی کنکریاں	۱۴۴
عبد اور عبدہٗ کا فرق	۱۴۵
بیعۃ الرضوان	۱۴۶
رسول کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے	۱۴۷
زینب بنت جحش کا نکاح	۱۴۹
غسیل الملائکہ	۱۵۳
حضرت عبیدہ کی سرفروشی	۱۵۵
زخمیوں کا جوشِ جہاد	۱۵۵
جنگ حنین	۱۵۸
غزوۂ احزاب کا دل بادل	۱۶۰
ثعلبہ بن حاطب کا انجام	۱۶۲
سخی اور بخیل	۱۶۳

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
بی بی فاطمہ کا روزہ	۱۶۴	نیم حکیم خطرۂ جان	۱۹۸
چھٹا وعظ		شرابی صاحب کرامت بن گیا	۲۰۰
قرآن مبین	۱۶۷	بسطام کی ایک طوائف	۲۰۲
حضرت صالح کی اونٹنی	۱۶۹	سرکارِ کونین کی عبادت	۲۰۴
عصاءِ موسیٰ اور جادو کے سانپ	۱۶۹	بی بی فاطمہ کی نماز	۲۰۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات	۱۷۰	لطیفہ	۲۰۶
قرآن شریف معجزہ ہے	۱۷۱	مسجد میں بیل	۲۰۷
خدا اور انسان کی بنائی ہوئی چیزیں	۱۷۲	روزے کی فضیلت	۲۰۹
فصحائے عرب پر قرآن کی تاثیر	۱۷۴	روزہ خور نواب	۲۰۹
قرآن تمام علوم کا خزانہ ہے	۱۷۶	حضرت ابوبکر کا ایک دن اور	
مدرسۃ الرسول کا کورس	۱۷۶	ایک رات	۲۱۵
شیر کا بچہ اور بکری کی خصلت	۱۷۸	امام اوزاعی ایک ظالم کے دربار میں	۲۱۷
سلف کا قرآن سے شغف	۱۷۹	مولانا شمس الدین رومی اور بادشاہ	۲۱۸
بی بی شرف النساء	۱۸۰	دریا میں گھوڑے	۲۱۹
چند تفسیریں	۱۸۲	حضرت سیفنہ اور شیر	۲۲۰
تلاوتِ قرآن کا ثواب	۱۸۳	شیر سوار	۲۲۱
حافظ رمضانی	۱۸۴	سفیر روم	۲۲۲
نواب صاحب کی اُردو	۱۸۶	جنت کیا ہے؟	۲۲۵
حافظ جی کا سجدۂ سہو	۱۹۰	جنت کا شوق	۲۲۶
ریل گاڑی کی دو پڑیاں	۱۹۱	مکڑی کا گھر	۲۲۶
رات میں صدقہ دینے والا	۱۹۲	سلام	۲۲۹
ساتواں وعظ		دعا	۲۳۰
بشارۃ المومنین	۱۹۵		
ایک سو خون ناحق کرنے والا	۱۹۸		

پہلا وعظ

رَبُّ الْعَالَمِینَ

جَلَّ جَلَالُہٗ

☆

حمد باری تعالیٰ

حمد بے حد مر خدائے پاک را آں کہ ایماں داد مشت خاک را
ہست سلطانی مسلم مراد را نیست کس را زہرۂ چون و چرا
از زمین خشک رویا ندگیاہ آسماں را بے ستون دارونگاہ
ہیچ کس در ملک او انبا نے قول او را لحن نے آواز نے

نعت شریف

جاں فدائے تو یارسول اللہ دل گدائے تو یارسول اللہ
گر بیا بم بجائے سرمہ کشم خاک پائے تو یارسول اللہ
ارحم الراحمین نہ بخشاید بے رضائے تو یارسول اللہ

سر نہادہ است بردرت سعدی
بے نوائے تو یارسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہٖ وسلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الحنان المنان والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیب الرحمن ط
محمد ن المصطفیٰ صاحب القراٰن ط واشھدان لا الہ الا ھو اللہ الملک
الدیان ط واشھدان سیدنا ومولانا محمدا عبدہٗ ورسولہٗ المبعوث فی
اٰخرالزمان ط صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ مادام النیران ط
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

حضرات گرامی! سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ تمام صاحبان نہایت جذبہ ومحبت و جوشِ عقیدت کے ساتھ اپنے آقا ومولیٰ حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں بہ آواز بلند درودو سلام کا ہدیہ پیش کریں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَامُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم ۔

بزرگانِ محترم وبرادرانِ اسلام! میں نے اس وقت خطبے کے بعد سورۂ اخلاص کی تلاوت کی ہے اور میں اس وقت توحید باری تعالیٰ کے متعلق آپ بزرگوں اور بھائیوں کے سامنے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

حاضرین محترم! ایک سوال اور نہایت ہی اہم سوال ہے کہ کیا خدا موجود ہے؟

یہ وہ سوال ہے جو ہر دور اور ہر زمانے میں پوچھا گیا اور ہمیشہ طرح طرح سے اس کا جواب بھی دیا گیا لیکن میں آج کی مجلس میں چاہتا ہوں کہ اس کا جواب بجائے انسانوں کے کائنات عالم کی دوسری چیزوں سے حاصل کیا جائے' کیونکہ انسان تو کبھی کبھی جھوٹ بھی بول دیتا ہے۔ اس لئے آیئے۔ اس سوال کو ہم زمین وآسمان کی ان چیزوں سے دریافت کریں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتیں اور کبھی کسی کو فریب نہیں دیتی ہیں۔ آیئے! ہم اس سوال کو ان بے زبان چیزوں سے پوچھیں جو زبان قال سے نہیں' بلکہ زبانِ حال سے اتنا اطمینان بخش جواب دیتی ہیں کہ عقل انسانی حیران اور بڑے بڑے زبان دراز ان بے زبانوں کے جواب سے

لا جواب ہو جاتے ہیں۔

اچھا! آیئے چلئے! ہم ہندوستان کی مشہور ندی گنگا سے یہ سوال کریں کہ اے گنگا! تو بول۔''

''کیا خدا موجود ہے؟

گنگا کا جواب

تو برادرانِ اسلام! گنگا ندی یقیناً یہی جواب دے گی کہ اے انسان! تو کتنا بھولا اور کس قدر ناداں ہے مجھے دیکھ! میں اتنی طاقتور ہوں کہ جوش میں آ جاؤں تو میرا سیلاب بڑے بڑے صحراؤں کو غرق کر دے۔ میں غضب ناک ہو جاؤں تو میری موجوں کے تھپیڑے بڑے بڑے شہروں کی اینٹ بجا دیں' ہمیشہ سینکڑوں گاؤں' ہزاروں بستیاں' لاکھوں انسان اور جانور' میرے خوفناک سیلاب کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ میری طاقت' میری قوت' دنیا کو مسلم ہے اور تمام انسان میری منبے پناہ طاقتوں اور توانائیوں کا لوہا مانتے ہیں لیکن اے انسان! میری مجبوری و لاچاری کا یہ عالم ہے کہ میں جب سے پہاڑ کے چشمے سے نکلی ہوں' ہزاروں برس ہو گئے۔ برابر میرا سفر جاری ہے۔ مجھے ایک لمحے کے لئے بھی سکون و قرار نصیب نہیں ہے۔ میں برسہا برس سے رواں دواں چلی جا رہی ہوں۔ دنیا کا ہر مسافر چلتے چلتے کچھ دیر ٹھہر کر آرام کر لیتا ہے اور اپنی تکان دور کر لیتا ہے مگر میں وہ مسافر ہوں کہ سینکڑوں برس سفر کرنے کے بعد بھی مجھے ایک سیکنڈ ٹھہرنے کی فرصت و مہلت نہیں ہے۔ میں بہت چاہتی ہوں کہ تھوڑی دیر ٹھہر جاؤں' آرام کر لوں' کچھ تکان دور کر لوں' مگر میں بالکل مجبور ہوں۔ لاچار ہوں' بے بس ہوں کہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی میرے لئے ٹھہرنا اور آرام کرنا محال ہے۔ اے انسان! تو ذرا سوچ تو سہی کہ کوئی زبردست طاقت ہی تو ہے جو مجھ جیسی طاقتور ہستی کو اتنا مجبور اور اس قدر بے بس بنائے ہوئے ہے۔ اے انسان! اے غافل انسان! سن! وہی زبردست و عظیم طاقت جس کی غالب و قاہر حکومت نے مجھے مجبور و لاچار و محکوم بنا رکھا ہے جو مجھے ایک سیکنڈ کے لئے ٹھہرنے اور آرام کرنے نہیں دیتی' اسی عظیم طاقت و قوت اور اسی قاہر و غالب قدرت والے کا نام خدا ہے اور وہ بے شک موجود ہے' یقیناً موجود ہے۔ بلاشبہ موجود ہے!

ہمالیہ کا وعظ

برادرانِ اسلام! گنگا ندی کا جواب تو آپ سن چکے' اچھا اب چلئے! دنیا کے سب سے

بڑے اور مشہور پہاڑ ہمالیہ سے ملاقات کریں اور اس سے سوال کریں۔

اے ہمالیہ ! اے فصیل کشور ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں !
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیاں
اے ہمالیہ !اے ہندوستان کی عظمت کے نشان !تو بتا اور بول !

کیا خدا موجود ہے؟

تو یقین کیجئے کہ ہمالیہ بھی اپنی خاموش مگر صحیح زبان حال سے یہی جواب دے گا کہ اے غافل انسان! تجھے معلوم ہے کہ میں کتنا طاقتور' کتنا بڑا اور کس قدر سر بلند ہوں؟ میرے دامن میں قسم قسم کے ہزاروں تناور درخت اور طرح طرح کے بے شمار گل بوٹے ہیں۔ سینکڑوں ندیاں میرے چشموں سے جاری ہیں اور لاتعداد عجائب قدرت کے خزانے میری جیبوں میں ہیں۔ میری سربلندی کو آسمان بھی جھک کر سلام کرتا ہے اور ہزاروں لاکھوں انسان دنیا بھر سے ہر سال میرے دیدار اور درشن کے لئے آتے ہیں۔ میری طاقت' میری قوت' میری سربلندی' میری عظمت کا سکہ تمام عالم کے قلوب پر بیٹھا ہوا ہے' لیکن اس کے باوجود اے انسان! میری مجبوری اور لاچاری کا یہ حال ہے کہ میں ہزاروں برس سے ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ سیر و سیاحت کے لئے میرا دل بھی بے چین و بے قرار ہے۔ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ میں بھی چل پھر کر عالم کی سیر کروں' کم سے کم ہندوستان کی جنوبی سرحدوں اور موجیں مارتے ہوئے سمندروں کا نظارہ کرلوں۔ ہندوستان کے چند بڑے بڑے شہروں کو دیکھ سکوں لیکن کسی زبردست طاقت نے مجھ کو اس قدر مجبور و بے بس کر رکھا ہے کہ مین بال برابر بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتا' کروٹ نہیں لے سکتا' پہلو نہیں بدل سکتا۔ اے انسان! وہی زبردست اور عظیم طاقت جو گنگا کو ایک سیکنڈ کے لئے ٹھہرنے نہیں دیتی' وہی لامحدود و بے انتہا قدرت مجھ جیسے طاقتور پہاڑ کو جگہ سے ٹلنے نہیں دیتی۔ اسی لامحدود طاقت اور لازوال قدرت والے کا نام خدا ہے اور وہ یقیناً موجود ہے۔ بلاشک موجود ہے' بلاشبہ موجود ہے۔

پودوں کی تقریر

اسی طرح اگر ہم زمین کی گھاسوں اور پودوں سے پوچھیں کہ اے سخت اور پتھریلی زمینوں

پر اگنے والے نرم و نازک پودو! تم بولو اور بتاؤ۔

کیا خدا موجود ہے؟

تو یقیناً گھاس اور پودے یہی جواب دیں گے کہ اے انسان! تو کتنا بے وقوف ہے' ذرا دیکھ تو سہی! کہ ہم اتنے نرم و نازک پودے ہیں کہ تو اگر اپنی چٹکی سے ہمیں مسل دے تو ہم پاش پاش ہو کر فنا ہو جائیں گے لیکن ہم سخت اور پتھریلی زمینوں کو پھاڑ کر باہر نکلتے ہیں۔ وہ سخت زمین جس کو لوہے کے پھاوڑے بھی بہ مشکل کھود سکتے ہیں۔ ہم اپنے نرم و نازک سروں سے اس زمین کا کلیجا پھاڑ کر باہر نکلتے ہیں اور زمین سے غذا حاصل کر کے بڑھتے اور پھولتے پھلتے ہیں۔ اے انسان! کیا تو اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ ہم جیسے نرم و نازک اور کمزور پودوں کو اتنی طاقت اور توانائی بخشنے والا ضرور کوئی موجود ہے کہ ہم اپنی کمزوری و نزاکت کے باوجود پتھریلی اور سخت زمین کو پھاڑ کر نکل آتے ہیں۔ اے انسان! سن اسی طاقت والے وجود اور اسی قدرت والی ہستی کا نام خدا ہے جو یقیناً موجود ہے۔ بلاشبہ موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ والے' جن کی آنکھوں میں نور بصارت کے ساتھ نور بصیرت بھی موجود ہے وہ ہم گھاسوں اور پودوں کو دیکھ کر بہ آواز بلند پکار اٹھتے ہیں کہ

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہ ' لاشریک لہٗ گوید

یعنی جو گھاس زمین سے اُگتی ہے وہ خدا کی ہستی کا اعلان کرتی ہے اور وحدہ' لاشریک لہٗ کا نعرۂ حق بلند کرتی ہے؟

درختوں کا نعرہ

برادرانِ ملت! اسی طرح اگر ہم لمبے لمبے پھل دار درختوں سے سوال کریں کہ اے درختو! تم اس سوال کا جواب دو! اور بتاؤ!

کیا خدا موجود ہے؟

تو تمام درخت اپنی بے زبانی کے باوجود یک زبان ہو کر یہی کہیں گے کہ اے دانا ہو کر نادان بننے والے انسان! تو نے اتنا بھی نہیں سوچا کہ تو کڑوے کھٹے میٹھے' پھل دار درختوں کو ایک ہی زمین میں بوتا ہے اور سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کرتا ہے لیکن اس کے باوجود سب درختوں میں طرح طرح کے مختلف شکل و مقدار والے' قسم قسم کے مزوں والے پھل لگتے ہیں تو اے انسان! وہی علیم و خبیر ذات جو ایک ہی پانی سے ایک ہی زمین میں ہر درخت کے پھلوں میں کڑوے' کھٹے' میٹھے مختلف مزے پیدا کرتی ہے اسی قدرت والی' حکمت والی ذات پاک کا

نام خدا ہے جو یقیناً موجود ہے بلا شک موجود ہے۔ بلا شبہ موجود ہے۔"

برادرانِ اسلام! یہی وہ مضمون ہے جس کو خداوند قدوس نے کتنے موثر اور دلکش انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ (رعد)

سبحان اللہ! مسلمانو! سنو! رب العالمین نے ارشاد فرمایا کہ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ یعنی ایک ہی زمین کے چند ٹکڑے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ۔ زمین کے ایک ہی ٹکڑے میں انگوروں کے باغ بھی ہیں اور قسم قسم کی کھیتیاں بھی ہیں اور طرح طرح کی کھجوروں کے درخت بھی ہیں۔ کچھ درختوں کی جڑیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ کچھ درختوں کی جڑیں الگ الگ ہیں۔ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ان سب درختوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے۔ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ لیکن اس کے باوجود کہ یہ سب درخت ایک ہی باغ میں ہیں اور ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں' پھر بھی ایک کا مزہ دوسرے سے مختلف ہے۔ پھر ایک ہی مزے والے درختوں کے پھل مزے میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۔ اے انسان ان درختوں اور ان کے پھلوں کے اس عجیب وغریب نظام قدرت میں عقل رکھنے والی قوموں کے لئے یقیناً بہت بڑی بڑی اور بے شمار نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر انسان خدا کو پہچان سکتا ہے کیوں نہ ہو! کہ درختوں کی کلیوں' پھولوں' پھلوں' بلکہ پتے پتے میں خالق کائنات کے وجود' اس کی ہستی' اس کی قدرت' اس کی حکمت کی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں جو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر انسان کو ہوشیار و خبردار کر رہی ہیں کہ اے غافل انسان! دیکھ خدا موجود ہے یقیناً موجود۔ بلا شک موجود ہے۔ بلا شبہ موجود ہے۔

کسی عارف باللہ نے اس مضمون کو کتنے حسین پیرائے میں بیان فرمایا ہے۔

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار !
ہر ورقے دفترے است از معرفت کردگار

یعنی درختوں کے یہ ہرے ہرے پتے اگر انسان بصیرت کی نگاہوں سے ان پر نظر ڈالے تو یہ پتے نہیں ہیں' بلکہ درحقیقت ہر ہر پتہ خدا کی معرفت اور اس کی حکمت وقدرت کا پتا بتانے

والی ایک کھلی ہوئی کتاب اور مفصل دفتر ہے مگر شرط یہ ہے کہ

آنکھ والا ترے جلووں کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر' کیا دیکھے؟

چاند' سورج کا خطبہ

برادرانِ اسلام! یہ تو زمین کی چند مخلوقات تھیں جن کا جواب آپ نے سن لیا۔ اچھا! اب آیئے اور عالم بالا کی کائنات مثلاً چاند' سورج اور ستاروں سے ہم یہ سوال کریں کہ اے چاند' سورج! اور اے آسمان کے ستارو! تم بتاؤ اور بولو!

کیا خدا موجود ہے؟

تو یقین رکھیے کہ چاند' سورج اور ستارے یہی جواب دیں گے کہ اے انسان! تو روزانہ دیکھتا ہے کہ شہروں میں گاڑیوں' سواریوں اور ٹریفک کے ایکسیڈنٹ اور ٹکراؤ کو روکنے کے لئے طرح طرح کے سینکڑوں انتظام کئے جاتے ہیں۔ چوراہوں پر پولیس' سگنل' بتی' سبھی طرح کا انتظام ہوتا ہے مگر پھر بھی روزانہ سینکڑوں ایکسیڈنٹ تصادم اور ٹکراؤ ہوتے رہتے ہیں مگر چاند اور سورج اور ستاروں کی ٹریفک ہزاروں برس سے چل رہی ہے اور لاتعداد ستارے آسمانوں میں چل پھر رہے ہیں' مگر کبھی بھی سیاروں کی اس ٹریفک میں کوئی تصادم ٹکراؤ اور ایکسیڈنٹ نہیں ہوا اور ایک خاص نظام کے ماتحت عالم بالا کا ہر سیارہ اور آسمانوں کا ہر ستارہ کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ کے کنٹرول کے مطابق اپنے اپنے آسمانوں میں اور اپنی اپنی خاص لائنوں پر سفر کر رہا ہے اور سَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کے ٹائم ٹیبل کے موافق' چاند' سورج اور ستاروں کی ٹریفک ہزاروں برس سے بغیر کسی ایکسیڈنٹ اور ٹکراؤ کے بالکل ٹھیک ٹائم اور وقت پر چل رہی ہے نہ کبھی اس ٹریفک میں کوئی ٹکراؤ ہوتا ہے' نہ یہ کبھی لیٹ ہوتی ہے' نہ اس میں کمی بیشی ہوتی ہے' نہ یہ کبھی اپنے ٹائم ٹیبل سے ایک سیکنڈ آگے بڑھتی ہے نہ اس کے نظام میں کوئی خلل پڑتا ہے' نہ ان کی رفتاروں میں کم زیادہ کا فرق پڑتا ہے تو اے انسان! وہی قاہر و غالب طاقت والا اور وہی فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔ ذات اور وہی علیم و خبیر ہستی خدا ہے اور اسی کا نام اللہ ہے اور وہ یقیناً موجود ہے۔ بے شک موجود ہے۔ بلاشبہ موجود ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

مخلوق دلیل خالق

برادرانِ اسلام! الغرض! زمین و آسمان کی جن جن چیزوں سے بھی آپ یہ سوال کریں گے کہ

کیا خدا موجود ہے؟

تو یقیناً ہر ہر چیز اپنی زبانِ حال سے یہی اعلان کرے گی کہ بیشک خدا موجود ہے کیونکہ مخلوق کا وجود ہی خالق کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس لئے انسان کائناتِ عالم کے ذرے ذرے کو دیکھ کر خلاق عالم کو پہچان سکتا ہے کیونکہ ہر چیز میں اس کے وجود' اس کی قدرت' اس کی حکمت کی بے شمار دلیلیں اور لاتعداد نشانیاں موجود ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہم ایسے اہل نظر کو ثبوت حق کیلئے
اگر رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

یہی وجہ ہے کہ جن خوش نصیب انسانوں نے زمین و آسمان کی مخلوقات کو بصیرت کی نگاہوں سے دیکھا تو روز روشن کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے اس حقیقت کی تجلی ہوگئی کہ یقیناً صانع عالم و خالق کائنات موجود ہے اور وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ

اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ۝

یعنی یقیناً ان تمام مخلوقات کا ایک خالق ہے جس کا نام اللہ ہے جو واحد حقیقی اور بے پناہ قدرت و غلبہ والا ہے۔ حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرّے میں جلوہ آشکار
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

یعنی خداوند قدوس کی ذات اس قدر بے پردہ و بے نقاب ہے کہ اس کو جاننے اور پہچاننے کے ہر ذرے میں اس کے جلوؤں کی تجلیاں چمک رہی ہیں کہ تم جس ذرے میں چاہو اس کے وجود کا مشاہدہ کر سکتے ہو' لیکن اس بے حجابی کے باوجود اس کمال ظہور پر کمال بطون کا ایسا پردہ پڑا ہوا ہے کہ عام انسانوں کے لئے اس کا دیدار و نظارہ غیب بلکہ غیب الغیب بنا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ عوام تو عوام بڑے بڑے خواص اور بحر معرفت کے غواص بھی پکار اٹھے کہ۔

دریں ورطہء کشتی فروشد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہء برکنار

یعنی معرفت الٰہی کے سمندر میں ہزاروں کشتیاں اس طرح غرق ہوگئیں کہ ان کا ایک تختہ بھی ساحل مراد تک نہ پہنچ سکا۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کو بھی باوجودیکہ ان کی عمریں فنا ہوگئیں اور وہ بحر معرفت میں غرق ہوگئے مگر معرفت الٰہی کا گوہر مراد حاصل نہ ہوسکا۔ اسی مضمون کو کسی دوسرے صاحب ذوق نے کیا خوب کہا ہے۔

آنکھ نے دیکھا ہے جلوہ اس میں گویائی نہیں
اور زباں گویا ہے لیکن اس میں بینائی نہیں
ایسی حالت میں بھلا ہو کس طرح تیری ثناء
اس میں گویائی نہیں ہے اس میں بینائی نہیں

دانشمند اعرابی

بزرگو اور بھائیو! عرب کے ایک دانشمند اعرابی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے اونٹ پر سوار ہوکر صحرائے عرب میں سینکڑوں میل دور چلا گیا۔ ایک جگہ اونٹ سے اتر کر وہ اپنے دل ہی دل میں فخر کرنے لگا کہ میں صحرائے عرب میں ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ آج تک دنیا کا کوئی انسان اس لق ودق سنسان بیابان میں نہیں پہنچا ہوگا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اس کارنامے کو سوچ سوچ کر خوش ہو رہا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہے کہ ریت پر اونٹ کی چند مینگنیاں ہیں اور کسی انسان کے قدموں کے نشان پڑے ہوئے ہیں وہ فوراً چونکا اور بول اٹھا کہ افسوس میرا خیال غلط تھا۔ اس مقام پر تو مجھ سے پہلے بھی کوئی شتر سوار آچکا ہے وہ زور زور سے کہنے لگا کہ گو میں نے یہاں آنے والے اونٹ اور انسان کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، لیکن اونٹ کی یہ مینگنیاں پتا دے رہی ہیں اور پیروں کے یہ نشان اعلان کر رہے ہیں کہ اس مقام پر مجھ سے پہلے کوئی اونٹ اور کوئی انسان ضرور آچکا ہے۔ پھر اس اعرابی کے قلب میں اچانک خدا کی معرفت کا نور چمک اٹھا اور وہ چلا چلا کر زور زور سے یہ اعلان کرنے لگا کہ

اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ
وَاَثَرُ الْقَدَمِ عَلَى الْمَسِيْرِ
فَالسَّمَآءُ ذَاتُ اَبْرَاجٍ
وَالْاَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ

یعنی جب اونٹ کی مینگنیاں اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ اس راستے سے اونٹ گیا ہے اور قدم کا نشان دیکھ کر یہ یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی انسان یہاں سے گزرا ہے تو پھر یہ برجوں والا آسمان اور یہ

وَالْبِحَارُ ذَاتُ اَمْوَاجٍ كَيْفَ لَاتَدُلُّ عَلَى الْعَلِيْمِ الْخَبِيْرِ
راستوں والی زمین اور یہ موجیں مارنے والے سمندر کیونکر ایک علیم وخبیر ذات کے موجود ہونے پر دلالت نہ کریں گے۔

جب ہم نے مینگنی کو دیکھ کر اونٹ کو جان لیا۔ نشان قدم دیکھ کر انسان کو جان لیا تو ہم آسمانوں اور زمینوں اور سمندروں کو دیکھ کر یقیناً پہچان سکتے ہیں کہ ضرور ان مخلوقات کا کوئی خالق ہے یقیناً ان مصنوعات کا کوئی صانع ہے جو طاقت وقدرت والا علم وحکمت والا سبوح وقدوس اور حی وقیوم ہے اور اسی کا نام اللہ ہے۔

برادرانِ اسلام! اسی مضمون کو قرآن مجید نے بار بار اپنے حکیمانہ انداز میں ارشاد فرمایا کہ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (آل عمران) یعنی زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اور دن رات کے ادل بدل ہونے میں عقل والوں اور نگاہ بصیرت رکھنے والوں کے لئے معرفت الٰہی کی بڑی بڑی نشانیاں اور عظیم الشان دلائل موجود ہیں۔

عزیزانِ ملت! کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ سمندر میں اگر ایک نیا پیسہ ڈال دیا جائے تو وہ فوراً غرق ہو جاتا ہے مگر لاکھوں ٹن کے لوہے اور تانبے کا بنا ہوا جہاز جس پر ہزاروں لاکھوں ٹن کا بوجھ لدا ہوا ہے۔ وہ سمندر کی سطح پر ایک ہلکے پھلکے تنکے کی طرح تیرتا ہوا چلا جاتا ہے اور اتنا وزنی ہونے کے باوجود غرق نہیں ہوتا کیا یہ خداوند قدوس کی قدرتِ کاملہ کا بے مثال نمونہ اور روشن جلوہ نہیں ہے۔

یہی وہ منظر ہے جس کی تصویر کشی قرآن مجید نے ان پرکشش جملوں میں فرمائی کہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (لقمان)
یعنی اے آنکھ والے! کیا تو نہیں دیکھتا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے چل رہی ہیں تاکہ اللہ تم لوگوں کو اپنی کچھ نشانیاں دکھلائے یقیناً ان کشتیوں میں صبر وشکر ادا کرنے والے بندوں کے لئے بہت زیادہ اور بہت بڑی بڑی نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک عربی شاعر نے بھی کیا خوب کہا ہے۔

سَمَآءٌ وَّاَرْضٌ وَّ شُمُّ الْجِبَالِ | كَذٰلِكَ الْبِحَارُ لَهٗ شَاهِدٌ
وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَّهٗ اٰیَةٌ | تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی یہ آسمان' یہ زمین' یہ اونچے اونچے پہاڑ' یہ سمندر' غرض تمام چیزیں خدا کے وجود اور اس کی وحدانیت پر گواہ ہیں اور کائناتِ عالم کی ہر ہر چیز میں خدا کے وجود و ہستی کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور اہل زبان و بے زبان سب یک زبان ہو کر اعلان کر رہے ہیں کہ خلاق عالم' صانع خلائق جو واحد حقیقی و معبودِ حقیقی ہے۔ یقیناً موجود ہے اور اسی کا نام اللہ ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک مناظرہ

برادرانِ اسلام! منقول ہے کہ ایک مرتبہ خدا کے منکروں نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو گھیر لیا اور مطالبہ کیا کہ آپ کسی عقلی دلیل سے خدا کے وجود کو ثابت کیجئے ورنہ ہم آپ کو قتل کر دیں گے۔ امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اچھا! پہلے تم لوگ میری ایک بات سنو! پھر جو تمہارا جی چاہے کر سکتے ہو آپ نے فرمایا کہ میں نے آج دریا میں ایک ایسی کشتی دیکھی ہے جو مال و سامان سے لدی ہوئی تھی اور طوفان کی موجوں میں سلامتی کے ساتھ چلی جا رہی تھی' اس پر کوئی ملاح نہیں تھا' وہ کشتی خود بخود ہر گھاٹ پر ٹھہرتی تھی اور مالکوں کا سامان اتار دیتی تھی اور پھر طوفان کی موجوں سے بچتی ہوئی آگے چلی جاتی تھی۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ منکرین خدا کی جماعت شور مچانے لگی کہ غلط' غلط بالکل غلط! یہ سراسر جھوٹ ہے اور بالکل عقل کے خلاف ہے۔ امام نے فرمایا کیوں؟ کیوں؟ کیا غلط بات ہے؟ میری بات کیوں عقل کے خلاف ہے؟ تو منکرین کہنے لگے کہ اے امام! ہماری عقل کبھی اس کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ کوئی کشتی بغیر ملاح کے اس طرح طوفان کی موجوں میں سلامتی کے ساتھ چلی جائے۔ امام نے مسکرا کر فرمایا کہ سبحان اللہ! جب ایک کشتی عقل کے نزدیک بغیر ملاح کے نہیں چل سکتی تو یہ زمین و آسمان کا سارا نظام بغیر کسی چلانے والے کے کس طرح چل سکتا ہے؟ کیا یہ بات تمہاری عقل میں آ سکتی ہے؟ راوی کا بیان ہے کہ حضرت امام کی اس نورانی تقریر سے منکرین کے دلوں میں معرفت الٰہی کا ایسا نور چمک اٹھا کہ ان کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں توحید الٰہی کا آفتاب و ماہتاب طلوع ہو گیا۔ سب کے سب رو پڑے اور بولے کہ اے امام! افسوس ہم آج تک غافل و جاہل رہے۔ آپ کی ملاقات ہمارے لئے خضر راہ بن گئی اور آپ کے یہ چند کلمات طیبات ہمارے لئے معرفت الٰہی کا دفتر بن گئے۔ سب کے سب بے

اختیار پکار اٹھے کہ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے کلمہ حق سے فضائے آسمانی گونجنے لگی اور تمام منکرین مشرف بہ اسلام ہو کر نعمت کونین سے سرفراز اور دولتِ دارین سے مالا مال ہو گئے۔

لطیفہ

حضرات! مجھے اس وقت ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک خدا کے منکر مغرور و متکبر نے کسی اللہ والے فقیر سے کہا کہ اگر خدا موجود ہے تو وہ ہم کو نظر کیوں نہیں آتا؟ ہم تو اس وقت تک خدا کو موجود نہیں مانیں گے جب تک ہم خدا کو آنکھ سے نہ دیکھ لیں۔ مستِ مولیٰ فقیر نے ایک پتھر اٹھا کر اس مغرور کے سر پر دے مارا۔ خدا کا منکر پتھر کھا کر درد سے چیخ پڑا اور فقیر کو گھسیٹ کر قاضی کی کچہری میں لے گیا۔ قاضی نے پوچھا! کیوں میاں صاحب! تم نے اس کو پتھر کیوں مارا؟ فقیر بولا' حضور! میرے پتھر مارنے سے انہیں کیا ہو گیا۔ منکر خدا چلا کر بولا' اے فقیر میں درد سے بے چین ہو گیا اور کیا ہوا۔ فقیر نے جواب دیا۔ میں تو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ تمہارے سر میں درد ہے اگر واقعی درد موجود ہے تو مجھے دکھا دو! میں جب تک آنکھ سے درد کو نہ دیکھ لوں گا۔ ہرگز ہرگز تسلیم نہیں کروں گا کہ درد موجود ہے۔ پھر فقیر قاضی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ عزت مآب واقعہ یہ ہے کہ اس مغرور نے مجھ سے کہا کہ اگر خدا موجود ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ میں تو جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لوں کبھی نہیں مان سکتا کہ خدا موجود ہے۔ اسی مسئلے کو سمجھانے کے لئے میں نے اس کے سر پر پتھر مارا اگر اس کے سر میں درد موجود ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ میں تو جب تک درد کو آنکھ سے نہ دیکھ لوں ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ اس کے سر میں درد ہے۔ یہ مجھے اپنا درد دکھا دے تو میں بھی اس کو اپنے خدا کا دیدار کرا دوں گا۔ فقیر کا جواب سن کر منکر خدا حیران رہ گیا۔ قاضی صاحب بھی ہنس کر کہنے لگے کہ واقعی ایسے سرپھروں کا علاج پتھر ہی ہے۔

حضرت امام مالک کا استدلال

حاضرین محترم! اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ بغداد ہارون رشید نے آپ سے سوال کیا کہ آپ کوئی ایسی مختصر اور سیدھی سادھی دلیل بیان کیجئے جس سے آسانی کے ساتھ ہر شخص کی سمجھ میں آ جائے کہ خدا موجود ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! ہر انسان کی پیدائش نطفے سے ہوئی ہر انسان کے جسم سے میں

آنکھ، ناک، کان، پیشانی، رخسار اور ٹھوڑی ہے اور یہی سب سامان ہر انسان کے چہرے میں ہیں اور ہر انسان کا چہرہ بھی ایک ہی طرح کا ہے لیکن اس کے باوجود مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر انسان کا چہرہ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ ہے ناچیز نطفے سے پیکر جمیل انسان کا پیدا ہونا پھر سب کے چہروں کی بناوٹ یکساں اور سب کے چہروں میں ایک ہی سامان ہونے کے باوجود ہر انسان کا چہرہ ایک دوسرے سے ممتاز و مختلف ہے تو کیا یہ بلا کسی علم و حکمت والے صانع و خالق کی صنعت کے بغیر ہو سکتا ہے؟ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بلا کسی بنانے والے کے خود بخود بن جائے، نہیں ہرگز نہیں تو بس سمجھ لو وہی حکمت والا اور وہی طاقت و قدرت والا خالق و صانع خدا ہے اور اسی کا نام ''اللہ'' ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستان میں حمد الٰہی کا ترانہ گاتے ہوئے اسی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ۔

دہد نطفہ را صورتے چوں پری
کہ کرد است برآب صورت گری

یعنی خدا وہ صانع مطلق ہے کہ نطفے کو پری جیسی حسین و جمیل صورت عطا فرماتا ہے۔ خدا کے سوا کون ہے جو پانی پر کوئی صورت بنا دے؟

برادرانِ اسلام! یہی وہ مضمون ہے جس کو رب العالمین جل جلالہ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرما کر بندوں کو اپنی معرفت کی دعوت دی کہ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ یعنی اے بندو! تم یوں پہچانو کہ اللہ وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہتا ہے۔ تمہاری صورتیں بنا دیتا ہے۔

پڑھئے درود شریف!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ
سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرت امام شافعی کی دلیل

اچھا! اب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی قسم کا ایک واقعہ سن لیجئے۔ آپ ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ ستر منکرین نے آپ کو گھیر لیا اور کہنے لگے کہ خدا موجود ہے آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شہتوت کے درخت کی طرف اشارہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! یہی شہتوت کا پتہ اگر تاتار کا ہرن کھا لے تو یہ

مشک بن جاتا ہے اور اگر بکری اس پتے کو کھالے تو یہ پتہ مینگنی بن جائے گا اور اگر ریشم کا کیڑا اس پتے کو کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے اور اگر شہد کی مکھی اس کا رس چوس لے تو وہ شہد اُگلتی ہے۔ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ جَعَلَ هٰذِهِ الْاَشْیَآءَ مَعَ اَنَّ الطَّبْعَ وَاحِدٌ۔ یعنی تم بتاؤ! کہ وہ کون ہے؟ جو ان تمام چیزوں کو بناتا ہے باوجود یکہ شہتوت کے پتے کی طبیعت ایک ہی ہے۔ پھر بھی اسی ایک پتے سے اتنی مختلف الطبائع چیزیں بنا دینے والا کون ہے؟ بس سمجھ لو! کہ وہی قدرت و حکمت والا جس نے ایک ہی پتے کو کہیں مشک بنا دیا' کہیں مینگنی بنا دیا' کہیں اس کو ریشم کا روپ بخشا' کہیں اس کو شہد کی صورت عطا فرما دی۔ پھر مشک و شہد کی بھی مختلف قسمیں بنا دیں وہی علیم و قدیر ذات خدا ہے اور اسی کا نام اللہ ہے۔ حضرت امام شافعی کی یہ نورانی تقریر سن کر منکرین کے سینوں میں پتھر سے زیادہ سخت دل ایک دم موم سے زیادہ نرم ہو گئے اور سب کے سب لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ زمین و آسمان کی تمام کائنات' نباتات و جمادات و حیوانات' غرض ہر ہر چیز خداوند قدوس کے وجود ہستی کی کھلی ہوئی نشانی اور روشن دلیل ہے۔ ہاں مگر شرط یہ ہے کہ انسان عقل کی روشنی میں فہم و تدبر کے ساتھ کائنات عالم پر نظر ڈالے۔ یہی وجہ ہے کہ رب العالمین نے کہیں لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ٥ فرمایا اور کہیں لِاُولِی الْاَلْبَابِ فرمایا یعنی زمین و آسمان میں خدا کے وجود کی نشانیوں کو دیکھ لیا۔ یہ صرف عقل و سمجھ والوں ہی کا حصہ ہے اور اس دولت لازوال سے صرف وہی لوگ مالا مال ہو سکتے ہیں جو اپنی عقلوں کو غور و فکر اور فہم و تدبر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پروردگار عالم جل جلالہ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ٥

یعنی زمین و آسمان میں خدا کے وجود کی بے شمار ایسی نشانیاں ہیں کہ لوگ ان نشانیوں کے پاس سے لیکن ان نشانیوں سے منہ موڑے ہوئے چلے جاتے ہیں اور عقل کی روشنی میں نور بصیرت سے ان آیات بینات کو نہیں دیکھتے۔

بزرگان ملت! خداوند عالم ایک دوسری آیت میں کتنے کریمانہ انداز تخاطب کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ یعنی آسمان وزمین کے کناروں میں اور خود ان کی ذاتوں میں ہم اپنی نشانیاں لوگوں کو دکھائیں گے یہاں تک کہ حق ظاہر ہو جائے۔

اللہ اکبر! سچ فرمایا معبود حقیقی نے کہ خود ہر انسان کی ذات میں خدا کے وجود اور اس کے عجائبات قدرت کی ان گنت نشانیاں موجود ہیں مگر افسوس! کہ انسان اس قدر غافل اور اپنی نفسانی خواہشات میں اتنا منہمک ہے کہ خداوند قدوس کی ان آیات بینات اور روشن دلیلوں سے منہ موڑے ہوئے ہے اور آفتاب و ماہتاب سے زیادہ تابناک دلائل توحید سے آنکھ میچے ہوئے ہے۔

حضرات! انسان کیا ہے؟ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک شعر یاد آ گیا اسد اللہ الغالب نے حقیقت انسانی کی نقاب کشائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَتَحْسَبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ
وَفِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ

یعنی اے انسان! کیا تیرا خیال ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے؟ نہیں، نہیں بلا اے غافل و نادان انسان! ارے تیرے اندر تو ایک بہت بڑا عالم سمٹا ہوا ہے۔

عالم اکبر' عالم اصغر

برادران اسلام! شیر خدا کا ارشاد ہے کہ یہ زمین و آسمان کا عالم' یہ نباتات و جمادات و حیوانات کی دنیا یہ تو عالم اکبر یعنی ایک بڑی دنیا ہے اور انسان عالم اصغر یعنی چھوٹی دنیا ہے۔ اسی لئے خالق کائنات کا فرمان ہے کہ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ یعنی وجود باری تعالیٰ کی نشانیاں عالم اکبر میں بھی ہیں جو زمین و آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک بکھری اور پھیلی ہوئی ہیں اور خداوند قدوس کے شواہد قدرت و دلائل وجود عالم اصغر میں بھی ہیں۔ یعنی انسان کے جسم میں سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ایک ایک بوٹی' ایک ایک ذرے ایک ایک رونگٹے اور بال بال میں خداوند لم یزل ولا یزال کے بے مثل و بے مثال' شواہد و دلائل موجود ہیں۔ پھر اے انسانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ نہ تم عالم اکبر کی نشانیوں کو دیکھتے ہو' نہ عالم اصغر کی روشن دلیلوں پر نظر ڈالتے ہو' اگر تم زمین و آسمان کی نشانیوں کو نہیں دیکھتے تو کم از

کم اپنے وجود و ہستی اور اپنے جسم و جان ہی کی نشانیوں میں غور و فکر کے ساتھ نظر ڈالو اور خدا کے وجود و توحید اور اس کی قدرت و حکمت پر ایمان لاؤ۔ قرآن مجید کی مقدس آیتوں نے بار بار عقل انسانی کو جھنجھوڑ کر متنبہ کیا اور بتایا کہ اے نادان انسان!

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

یعنی اے انسانو! بھلا کس طرح تم اللہ کا انکار کر سکتے ہو؟ حالانکہ اس نے تم کو ایک بے جان نطفے سے جاندار انسان بنایا' پھر وہ تمہیں موت دے گا۔ پھر موت کے بعد وہ دوبارہ تمہیں زندگی بخشے گا' پھر تم اس کے دربار میں دوبارہ حاضر کئے جاؤ گے۔

برادرانِ اسلام! درحقیقت انسان کی ذات ایک عالم اصغر ہے اور انسان اگر اپنے وجود و ہستی کو غور و فکر کی نظر سے دیکھ لے تو اس کو اپنی ذات میں اس قدر عجائبات قدرت و شواہد وحدانیت نظر آئیں گے کہ یقیناً اس پر معرفت الٰہی کا دروازہ کھل جائے گا۔ اسی لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ۔

یعنی جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا درحقیقت اس نے اپنے خدا کو پہچان لیا۔

کیونکہ انسان کی ذات میں خداوند قدوس کی معرفت کی ایسی ایسی نشانیاں اور روشن دلیلیں ہیں کہ جس طرح انسان چمکتی ہوئی تیز دھوپ کو دیکھ کر سورج کے وجود کا اقرار کرنے پر مجبور ہے۔ اسی طرح انسان اپنی ذات میں لاتعداد آیات بینات اور بے شمار شواہد قدرت کا مشاہدہ کرنے کے بعد خالق کائنات کے وجود کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان اگر آفاق آیات' یعنی زمین و آسمان کی نشانیوں میں نظر کرے تو اس کو یہی اعتراف کرنا پڑے گا

ردائے لالہ و گل پردۂ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

اور اگر انسان انفسی آیات' یعنی اپنی ذات میں پائی جانے والی نشانیوں میں غور و فکر کرے گا تو بھی اسے یہی کہنا پڑے گا

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو

نزدیک رگ جاں سے اس پہ یہ بعد
اللہ اللہ ! کس قدر دور ہے تو

پڑھئے درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

حضرات! آپ نے کبھی غور کیا؟ کہ آپ کے جسم میں زمین و آسمان کی تمام کائنات کے نمونے موجود ہیں۔ مثلاً انسان کے بال یہ عالم نباتات یعنی درختوں اور گھاسوں کا نمونہ ہیں اور انسان کے سر کی بناوٹ پہاڑوں اور آسمانوں کی بناوٹ کا نقشہ ہے۔ اسی طرح انسان کے جسم کے سوراخ' زمین کے غاروں اور پہاڑوں کی کھائیوں کا منظر ہیں۔ آنکھیں چشموں کی روانی اور آنکھوں کی چمک میں ستاروں کی جگمگاہٹ کی عکاسی ہے' یوں ہی انسان کا چکنا بدن زمین کے ہموار صحراؤں اور ریگستانوں کا خاکہ پیش کر رہا ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ انسان کے جسم کی بناوٹ میں عالم اکبر یعنی زمین و آسمان کی مخلوقات کے تمام نمونے موجود ہیں لہٰذا اگر انسان اپنے انہیں اعضاء اپنی کھال' رگوں پٹھوں اور گوشت' ہڈیوں کی ساخت اور ہر عضو میں چھپی ہوئی طاقتوں اور قوتوں اور ان کے عجیب و غریب نظام عمل' ان کے اعتدال' ان کی یکسانی ان کے کمال' ان کے حسن و جمال پر ایک لمحہ کے لئے بھی عبرت کی نگاہ ڈالے اور فہم و تدبر سے کام لے تو نہ صرف انسان کی زبان' بلکہ اس کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال پکار اٹھے گا کہ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔ یعنی بہت ہی برکت والا ہے۔ تمام مخلوقات کا بہترین خالق۔ جس کا نام ''اللہ'' ہے۔

نماز افضل العبادات کیوں ہے

حضرات: میں نے عرض کیا کہ انسان عالم اصغر ہے یعنی زمین و آسمان کی تمام کائنات کا نمونہ انسان میں ہے اور کائنات زمین و آسمان کے تمام عجائب قدرت' انسان کی ذات میں پنہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبادتوں میں افضل عبادت نماز ہے کیوں؟ اس لئے کہ دوسری عبادتوں میں پورا جسم انسانی کام نہیں کرتا۔ دیکھئے! روزہ بھی عبادت ہے مگر روزہ کیا ہے؟ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے نیت کے ساتھ رک جانا' یہی روزہ ہے آپ نے غور کیا؟ روزہ رکھنے میں صرف منہ اور شرم گاہ عبادت کرتے ہیں۔ باقی اعضاء کو روزہ رکھنے میں کچھ بھی عمل کرنا نہیں پڑتا۔ اسی طرح تلاوت قرآن مجید صرف منہ سے ہوتی

ہے۔ ہاتھ پیر وغیرہ اعضاء جسمانی کچھ نہیں کرتے۔ زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے۔ اس میں جسم کا کوئی عمل ہی نہیں۔ حج میں بھی رکن صرف دو ہی ہیں۔ ایک میدان عرفات میں ٹھہرنا' دوسرے طوافِ کعبہ اس میں بھی تمام اعضائے انسانی کا مصروف عمل ہونا ضروری نہیں ہے مگر نماز وہ عبادت ہے کہ اس کو ادا کرنے میں پورا بدن بلکہ جسم کا جوڑ جوڑ عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے۔ قرات' تسبیح اور دعائیں پڑھنے میں منہ' زبان' ہونٹ مشغول ہوتے ہیں۔ قیام' رکوع' سجود' قومہ' جلسہ' قعود وغیرہ میں سارا جسم' بدن کی بوٹی بوٹی' رگ پٹھا' جوڑ جوڑ مصروفِ عبادت ہوجاتا ہے۔ گویا ایک نمازی جب نماز پڑھتا ہے تو کائنات عالم کی ہر چیز عبادت میں مشغول ہوجاتی ہے اور عالم اصغر و عالم اکبر دونوں ایک ساتھ عبادت میں مصروف ہوجاتے ہیں اس لئے نماز تمام عبادتوں میں افضل و اعلیٰ ہے۔

بہرکیف یہ تو ضمناً ایک بات نماز کے بارے میں بھی آپ نے سن لی۔ میں شروع سے یہ عرض کررہا تھا کہ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ خدا کے وجود کی دلیل ہے اور بلاشبہ عالم کا بنانے والا موجود ہے اور وہی ''اللہ'' ہے۔

برادرانِ اسلام! خدا کا وجود ایک ایسی کھلی ہوئی روشن حقیقت ہے کہ ہر عقل والا جس طرح یہ یقین رکھتا ہے کہ دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں۔ سورج چمک دار ہے۔ آگ گرم ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر ایک عاقل کو اس بات کا حق الیقین حاصل ہے کہ خلاقِ عالم یعنی اللہ موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوائے ان چند دہریوں کے جو علم کا نام لے کر جہالت کے گھوڑے پر سوار ہیں بلکہ خود جہالت و گمراہی کی سواری بنے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ذی عقل خدا کے وجود کا منکر نہیں ہے مگر یاد رکھئے کہ یہ دہریئے اور منکرین خدا بھی جب ان کو قدرت کی قہاری کا تھپڑ لگ جاتا ہے تو پھر یہ بیچارے بھی اللہ' اللہ پکارنے لگتے ہیں۔

ایک منکر خدا کا انجام

چنانچہ مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مغرور منکر خدا کا واقعہ مثنوی شریف میں تحریر کیا ہے کہ وہ متکبر کہیں سے گزر رہا تھا کہ ناگہاں ایک قاری نے سورۂ ملک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۔ (ملک)

یعنی اگر تمہارا پانی زمین میں دھنس کر خشک ہوجائے تو خدا کے سوا اور کون ہے جو پھر تمہارے سامنے بہتا ہوا پانی لاسکتا ہے۔

آیت سن کر یہ مغرور گھمنڈ سے بولا کہ

ما بزخم بیل و تیزی بتر
آب را آریم از پستی زبر

یعنی اس پانی کو ہم اپنے تیز اور دھاردار آلات کے ذریعے اوپر لائیں گے یہ کونسی مشکل بات ہے؟ مگر انجام کیا ہوا؟ مولانا فرماتے ہیں۔

شب بخفت و دید آں یک شیر مرد
زد طمانچہ ہر دو چشمش کور کرد

فلسفی صاحب اپنے غرور میں فلسفہ بگھار کر جورات میں سوئے تو کیا دیکھا کہ خواب میں ایک نہایت ہی طاقتور شخص آیا اور اس مغرور کے گال پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ گال ٹماٹر کی طرح لال ہو گیا اور دونوں آنکھیں پھوٹ کر بہہ گئیں اور آنکھوں میں جو نور کا ایک ایک قطرہ پانی تھا وہ زمین پر گر کر خشک ہو گیا۔

گفت ایں دو چشمہ چشم شقی
باتبر نورے بیار ! ار صادقی

طمانچہ مار کر خواب ہی میں یہ شخص کہنے لگا کہ اے بدنصیب! اگر واقعی تو سچا ہے کہ اپنے کدال، پھاوڑے سے زمین میں جذب ہو جانے والے پانی کو بغیر خدا کی مدد کے باہر نکال سکتا ہے تو پہلے اپنی آنکھوں کے دو قطرے پانی کو واپس لا کر دکھا؟

مغرور منکر خدا جس کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھا کرتی تھی جب صبح کو اٹھا تو ایک دم بالکل اندھا تھا چاروں طرف ٹٹولنے لگا۔ سائنس کا گھمنڈ خاک میں مل گیا اور اللہ اللہ کرنے لگا۔

لطیفہ

اسی طرح ایک لطیفہ یاد آ گیا جو سننے کے قابل ہے ایک سیٹھ صاحب بہت ہی مغرور تھے۔ پھر کریلا اور نیم چڑھا۔ لندن سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر آ گئے۔ بس پوچھئے مت، ہر وقت ڈارون کی تھیوری بنے پھرتے تھے اور دن رات سائنس اور فلسفہ بگھارا کرتے تھے۔ ایک دن پچیس ہزار روپے پتلون کی جیب میں رکھ کر موٹر خریدنے کے لئے بمبئی چلے، گھر سے نکلتے ہی ایک مولانا صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ مولانا صاحب نے فرمایا، کہئے سیٹھ صاحب! کہاں چلے؟ سیٹھ جی اکڑ کر بولے، ہم بمبئی جاتا ہے، موٹر خرید کر لائے گا۔ مولانا صاحب نے کہا کہ بھائی اس طرح کہو کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں موٹر خریدوں گا۔ ایک دم سیٹھ جی

کی رگ غرور پھڑک اٹھی اور سائنس کا بخار آ گیا۔ تیوری چڑھا کر' منہ بگاڑ کر بولے کہ میں تم مولویوں کی انشاء اللہ کو نہیں مانتا۔ اجی اس میں انشاء اللہ کی کیا ضرورت ہے؟ روپیہ جیب میں ہے۔ موٹر کمپنی میں ہے۔ خدا چاہے یا نہ چاہے میں تو موٹر خرید ہی لوں گا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ سیٹھ جی توبہ کرو اور ایمان رکھو کہ بغیر خدا کی مرضی کے کوئی کام ہو نہیں سکتا۔ اس لئے کسی کام کا بھی ارادہ کرو تو پہلے انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔ اس کی برکت سے خداوند کریم تمہارا ہر کام پورا کردے گا مگر گھمنڈ کا پتلا سیٹھ' ناک پھلا کر چل دیا اور ایک مرتبہ بھی انشاء اللہ نہیں کہا مگر خدا کی شان جیسے ہی سیٹھ جی بمبئی کے سٹیشن پر اترے کسی گرہ کٹ نے سیٹھ جی کی جیب کا صفایا کردیا اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔ موٹر کی کمپنی میں پہنچے اور جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب کٹی ہوئی اور نوٹ غائب تھے۔ ہاتھ پاؤں پھول گئے' دل دھڑکنے لگا اور لمبا لمبا سانس لینے لگے۔ پسینہ پونچھتے ہوئے موٹر کمپنی سے باہر نکلے۔ اب خیال آیا کہ واقعی مولانا نے سچ فرمایا تھا کہ بغیر خدا کی مرضی کے ذرہ نہیں ہل سکتا اور ہر کام کا ارادہ کرتے وقت انشاء اللہ کہہ لینے سے کام بخیر وخوبی ہو جاتا ہے۔ سیٹھ جی پچھتانے لگے اور دل ہی دل میں توبہ کرنے لگے اور دل میں ٹھان لیا کہ اب بغیر انشاء اللہ کہے ہوئے کوئی بات زبان سے نہیں نکالوں گا۔ غمگین منہ لٹکائے' گھر پہنچے تو سیدھے مولانا صاحب کے پاس پہنچے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کیوں سیٹھ جی! موٹر لے کر آ گئے؟ سیٹھ جی ہکلاتے ہوئے بولے کہ نہیں حضور مولانا نے فرمایا کیوں؟ سیٹھ جی کہنے لگے کہ حضرت کیا بتاؤں؟ عجیب معاملہ ہوا کہ میں انشاء اللہ بمبئی پہنچا تو انشاء اللہ ایک گرہ کٹ نے میری جیب کاٹ لی۔ پھر انشاء اللہ میں موٹر کمپنی میں گیا۔ پھر انشاء اللہ بڑا صدمہ ہوا۔ پھر انشاء اللہ میں گھر چلا آیا۔ حضرت! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ انشاء اللہ اب ہمیشہ کہا کروں گا۔ انشاء اللہ! حضرت معاف کر دیجئے۔ انشاء اللہ! میرے حق میں دعا کیجئے۔ انشاء اللہ! دیکھا آپ نے غریب مولانا نے کہا کہ انشاء اللہ کہو!'' تو سیٹھ جی اُرد کے آٹے کی طرح اکڑ گئے مگر جب قہر الٰہی کا تھپیڑ منہ پر پڑا تو ہر سانس میں انشاء اللہ کہنے لگے۔

بزرگو اور بھائیو! بس یہی حال منکرین خدا کا ہے کہ مصیبت پڑنے پر ان کو بھی خدا یاد آ جاتا ہے۔ روسی کمیونسٹ ہر سال خدا کا جنازہ نکالتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ خدا اور مذہب دونوں کو مٹا دو! کیونکہ یہی دونوں چیزیں ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں مگر جب ۱۹۴۰ء میں ہٹلر کے بم قہر خداوندی بن کر ماسکو اور لینن گراڈ کی کھوپڑی پر دمادم پڑنے لگے تو اسٹالین جی نے اپنی مونچھوں کے ساتھ خدا کو یاد کیا اور گرجا گھروں میں عیسائیوں سے اور

مسجدوں میں مسلمانوں سے دعائیں کروانے لگے۔ سچ ہے!

پڑا چندا پہ جب جوتا تو قول حافظ کا یاد آیا!
کہ عشق آساں نمود اوّل مگر افتاد مشکلہا

بہرحال! برادرانِ ملت! ہر صاحبِ عقل خدا کے وجود کا قائل ہے یہاں تک کہ کفارِ مکہ بھی اللہ کے وجود پر ایمان لاتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

یعنی اے پیغمبر! اگر آپ ان کافروں سے یہ سوال کریں گے کہ بتاؤ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو کافر بھی یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے! مگر ہاں! فرق یہ ہے کہ خدا کا وجود ماننے والوں میں سے کچھ نادانوں نے یہ ظلم کیا کہ وہ دو اور تین تین خداؤں کے قائل ہو گئے یہاں تک کہ بعض مشرکین نے تو چھتیس کروڑ دیوتاؤں کو خدا مان کر پوجنا شروع کر دیا۔ عرب کے مشرکین کا یہ حال تھا کہ ۔

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا' کسی کا صفا تھا؟

یہ عزیٰ پہ' وہ نائلہ پر فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

اسی پر بس نہیں! بلکہ ان ظالموں نے تو یہاں تک ظلم کیا کہ سفر میں ستو اور مٹھائیوں کے بت بنا کر ساتھ لے جاتے تھے جب پوجا کا وقت ہوتا تو ان بتوں کے سامنے خوب بھجن گا گا کر ان کی عبادت کرتے اور بھجن سے فارغ ہو کر جب بھوک لگتی تو انہیں دیوتاؤں کا بھوجن کر لیتے تھے۔

مگر اسلام نے ایسی خدا پرستی کو شرک ٹھہرا کر باطل قرار دیا اور اعلان کر دیا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی اللہ موجود ہے اور وہ صرف ایک ہی ہے' یاد رکھئے! اسلام کے نزدیک توحید کے بغیر خدا کا وجود مان لینا یہ گمراہی میں خدا کو نہ ماننے ہی کے برابر ہے۔ خدا کے وجود کا سچا ماننے والا وہی ہے جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ایک اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے وجود کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے اور تمام معبودان باطلہ کی نفی کر کے شرک سے اظہار بیزاری کرے۔ یہی وہ برحق خدا پرستی ہے جس کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

مقدس تعلیم نے دنیا کے سامنے پیش کیا۔

حضرات! خوب سمجھ لیجئے کہ جس طرح عجائبات قدرت کی نشانیوں میں غور وفکر کرنے سے ایک صحیح العقل انسان کو خدا کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کائنات عالم پر تدبر کرنے سے یہ یقین بھی حاصل ہو جاتا ہے کہ خدا ایک ہی ہے' یہ نظام عالم کی یکسانیت' یہ کائنات عالم کا نظام محکم' یہ زمین' یہ آسمان' یہ سارا جہان' بہ بانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ اے غافل انسان! یقیناً خدا موجود ہے اور بلاشبہ ایک ہی ہے۔

حاضر جواب بڑھیا

حضرات! مجھے ایک بڑھیا کی کہانی یاد آ گئی۔ یہ غریب چرخہ کات رہی تھی کہ ایک فلسفی آن پہنچا اور پوچھا کہ اے بڑھیا! تو یہ بتا کیا خدا موجود ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہاں' ہاں! بے شک خدا موجود ہے۔ فلسفی نے کہا کوئی دلیل بھی ہے؟ بڑھیا کہنے لگی! ہاں' ہاں! یہی میرا چرخہ دلیل ہے کہ خدا موجود ہے کیونکہ میرا یہ چرخہ جب تک میں اس کو چلاتی رہتی ہوں' یہ چلتا رہتا ہے اور جب چھوڑ دیتی ہوں تو یہ رک جاتا ہے تو جب میرا یہ ننھا سا چرخہ بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو بھلا زمین وآسمان کا اتنا بڑا نظام بغیر کسی چلانے والے کے کس طرح چل سکتا ہے؟ پھر فلسفی نے سوال کیا کہ اچھا! اے بڑھیا! یہ تو بتا کہ خدا ایک ہے یا دو؟ بڑھیا جذبہ ایمانی کے ساتھ تڑپ کر بولی کہ خدا صرف ایک ہے اور اس کی دلیل بھی میرا یہی چرخہ ہے کیونکہ اگر میرے اس چرخے کو دو عورتیں مل کر چلائیں تو دو حال سے خالی نہیں اگر میں اور وہ دونوں ایک ہی طرف چرخے کو گھمائیں تو چرخے کی رفتار تیز ہو کر میرے دھاگے کو توڑ ڈالے گی اور اگر میں ایک جانب چرخے کو گھماؤں اور وہ دوسری جانب چرخے کو چلائے تو ظاہر ہے کہ چرخہ چلنے کے بجائے ٹوٹ پھوٹ کر لکڑیوں کا ڈھیر بن جائے گا تو اسی طرح اگر اس نظام عالم میں دو خداؤں کا عمل دخل ہوتا تو ہرگز یہ نظام عالم اس خوبی وسلامتی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا بلکہ سارا نظامِ عالم تہ وبالا ہو کر تمام کائنات برباد ہو جاتی۔

سبحان اللہ مسلمانو! یہ وہ ایمانی عقل ہے جس پر فلاسفروں اور سائنسدانوں کی عقلیں قربان ہیں۔ ایک بے علم چرخہ کاتنے والی بڑھیا نے وجودِ باری اور توحید الٰہی کے مسائل کو اس طرح حل کر دیا کہ اس طرزِ استدلال پر ہزاروں رازی اور غزالی سر دھنتے رہ جائیں۔ یہی وہ مضمون وحکیمانہ طرزِ استدلال ہے جس کو قرآن مجید نے اپنے داعیانہ انداز میں پیش کر دیا کہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۔

یعنی اگر زمین وآسمان میں چند خدا ہوتے تو زمین وآسمان دونوں برباد ہو جاتے۔

اسلامی توحید

بہر حال برادرانِ ملت! اسلام میں خدا کے وجود پر ایمان لانا اسی وقت معتبر ہے جب عقیدہ توحید کے ساتھ ہو اور اسلامی توحید یہ ہے کہ خدا ایک ہے اور اپنی ذات وصفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کی ذات وصفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ یاد رکھئے کہ جس طرح خدا کی ذات پر ایمان لانا فرض ہے۔ اسی طرح اس کی تمام صفتوں پر بھی ایمان لانا فرض ہے جس طرح خدا کی ذات کا انکار کرنے والا کافر ہے اسی طرح خدا کی کسی ایک صفت کا بھی انکار کرنے والا کافر ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ اخلاص جس کو میں نے خطبے کے بعد تلاوت کیا تھا۔ اس سورۂ مبارکہ میں خداوند کریم کی توحید اور اس کی چند صفتوں کا بیان ہے۔ اب آپ اس مقدس سورہ کا ترجمہ سنیئے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ o اَللّٰهُ الصَّمَدُ o لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ o وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ o (سورۂ اخلاص)	اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اللہ ایک ہے اللہ کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ وہ کسی کا باپ ہے، نہ وہ کسی کا بیٹا اور اس کا کوئی جوڑا بھی نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! یہ اس سورۂ مقدسہ کا ترجمہ ہوا۔ پہلی آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق　　زباں اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق　　اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اپنی اس سے لگاؤ!

جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ! (حالی)

دوسری آیت اَللّٰهُ الصَّمَدُ میں خداوند قدوس کی صفت صمدیت کا بیان ہے کہ وہ ایسا بے نیاز ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ سارا عالم، تمام جہان اپنے وجود، اپنی ہستی اور اپنی بقاء میں خدا کا محتاج ہے اس کو کسی کی عبادت کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سارا عالم اس کی عبادت کرے یا نہ کرے، بہر حال! وہ معبود برحق ہے۔ تیسری آیت لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کی ذات رشتہء ولادت اور باپ بیٹا ہونے سے پاک ہے۔ اس آیت میں یہود و

نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا رد بلیغ ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ یعنی یہودیوں کا یہ عقیدہ ہوا کہ حضرت عزیز علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ اسی طرح یہود کہا کرتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کہ ہم لوگ تو (معاذ اللہ) خدا کے بیٹے اور خدا کے دوست ہیں تو قرآن کریم کی اس آیت نے ان باطل پرستوں کے اس غلط عقیدے کا رد کر دیا کہ خدا نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا۔ چوتھی آیت وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ میں بھی عیسائیوں کا رد ہے۔ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام معاذ اللہ خدا کی بیوی ہیں۔ اس آیت میں اس باطل عقیدے کے بھی پرخچے اڑا دیئے گئے کہ خداوند قدوس کا کوئی جوڑا نہیں۔

برادرانِ اسلام! سورۂ اخلاص کا ترجمہ اور اس کا خلاصہ مطلب آپ سن چکے۔ اب اس سلسلے میں ایک بات اور بھی عرض کر دیتا ہوں اس کو بھی بغور سن لیجئے۔

یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ خدا کی صفتوں میں سے کسی ایک صفت کا انکار بھی کفر ہے۔ اسی طرح خدا کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے جو اکبرالکبائر یعنی تمام بڑے بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے جو ہرگز ہرگز کبھی معاف نہ کیا جائے گا اور مشرک کی کبھی ہرگز ہرگز مغفرت نہیں ہوگی۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ شرک کو کبھی نہیں بخشے گا ہاں شرک کے علاوہ دوسرے گناہ کرنے والوں میں سے جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

شرک کیا ہے؟

مگر برادرانِ اسلام! شرک کیا ہے؟ اس حقیقت کو بھی سمجھ لینا بہت ضروری ہے آجکل فضلائے دیوبند بڑی کثرت سے شرک کی ڈگری لوگوں میں تقسیم کرتے پھرتے ہیں اور بات بات پر مسلمانوں کو مشرک بناتے رہتے ہیں۔ ان کا فتویٰ ہے کہ انبیاء واولیاء کی قبروں پر دور دور سے قصد کر کے جانا شرک' قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا شرک' قبر پر چادر یا غلاف ڈالنا شرک' یارسول اللہ کہنا شرک' میلاد شریف میں قیام کرنا شرک' دولہا کو سہرا باندھنا شرک' غرض تقویۃ الایمان اور بہشتی زیور کے شرکیات کو پڑھ کر تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ اٹھنا شرک

بیٹھنا شرک، چلنا شرک، کھڑا رہنا شرک، گویا روئے زمین پر کوئی مسلمان ہی باقی نہ رہا۔ سب مشرک ہی ہوگئے۔ توبہ! نعوذ باللہ۔ کس قدر ان لوگوں کے یہاں شرک کا ڈھیر لگا ہوا ہے کہ دن رات یہ لوگ شرک کا فتویٰ تقسیم کرتے رہتے ہیں مگر ان لوگوں کے شرک کا ٹوکرا ختم ہی نہیں ہوتا۔ روزانہ نئے نئے شرک ان لوگوں کے یہاں جنم لیتے رہتے ہیں۔

لطیفہ

وہی بات ہوئی کہ ایک مرتبہ ایک رافضی ایک سنی سے کہنے لگا کہ بھائی ہم لوگوں کے یہاں لعنت کا بڑا خرچ ہے کیوں کہ ہم لوگوں کو تبرا بکتے وقت تمام صحابہ اور کروڑوں سنیوں پر لعنت بھیجنی پڑتی ہے۔ سنی نے جواب دیا کہ ہاں صاحب! ہونا بھی چاہئے۔ جیسی آمدنی ویسا خرچ۔ آخر آپ لوگوں کے یہاں لعنت کی آمدنی بھی تو بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ یعنی آپ جیسے بدعقیدہ لوگوں پر اللہ کی لعنت اور تمام فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ آخر سوچئے تو سہی کہ آپ لوگوں کے یہاں کہیں شمار ہے؟ کہ کس قدر لعنت کی آمدنی ہے؟

خیر! بہر حال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ شرک کے معنی کیا ہیں؟ یہ جان لینا بہت ضروری ہے تاکہ ہر قدم پر آپ خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ کونسا عمل شرک ہے اور کونسا نہیں۔ لہٰذا غور سے سنئے!

علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے شرح عقائد نسفیہ ص ۶۱ پر شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

اَلْاِشْرَاكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِي الْاُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنٰى وَجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمَجُوْسِ اَوْ بِمَعْنٰى اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ۔

یعنی شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی الوہیت میں کسی کو شریک کرنا یا تو اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود مان لینا جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں یا اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حقدار مان لینا جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔

برادرانِ ملت! دیکھئے علامہ تفتازانی نے فیصلہ کر دیا کہ شرک کی دو ہی صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کو خدا کے سوا واجب الوجود مانا جائے۔ دوسری یہ کہ خدا کے سوا کسی کو عبادت کے لائق مان لیا جائے۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیا کوئی بھی مسلمان انبیاء و اولیاء کو واجب الوجود یا لائق عبادت مانتا ہے نہیں ہرگز نہیں تو پھر تقویۃ الایمان و بہشتی زیور کے شرکیات کو بجز اس کے کہ یہ ان لوگوں کا افتراء ہے جو امت رسول کے موحد مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک بنا رہے

ہیں اور کیا کہا جا سکتا ہے۔کون کہہ سکتا ہے کہ جوش محبت وکمال اشتیاق میں یا رسول اللہ کہنے والا' رسول اللہ کو واجب الوجود یا لائق عبادت مانتا ہے۔ پھر بلا وجہ اس پر شرک کا فتویٰ لگا کر ایک موحد سنی مسلمان کو مشرک ٹھہرانا' اس کو دین وایمان سے کیا تعلق ہے؟ اس کو ہر مسلمان بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ایک مسلمان کو بلا وجہ کافر ومشرک بتانا کتنا بڑا جرم وظلم عظیم ہے۔ کاش علمائے دیوبند اس پر نظر رکھتے اور خداوند قدوس کی وعید شدید سے ڈرتے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے کہ اللہ نے جس چیز کو شرک نہیں فرمایا خواہ مخواہ یہ لوگ اس کو شرک بتاتے ہیں۔

دیوبندی دلیل کا رد

جہاں کسی سنی نے کہا رسول غیب جانتے ہیں یا علی مشکل کشا ہیں۔ یا غوث اعظم مدد فرماتے ہیں۔بس دیوبندی دارالافتاء گرجنے اور برسنے لگتا ہے کہ تم نے شرک کا کلمہ بول دیا۔ اللہ غیب جاننے والا ہے' یا علی کو مشکل کشا یا غوث اعظم کو مدد کرنے والا کہا گیا تو یہ شرک ہو جائے گا تو سنی بھائیو! اگر دیوبندی لوگ یہیں کہیں تو تم فوراً ان لوگوں سے سوال کرو کہ بتاؤ اللہ موجود ہے یا نہیں؟ اللہ زندہ ہے یا نہیں؟ تو وہ یقیناً کہیں گے اللہ موجود ہے اللہ زندہ ہے تو پھر تم یہ سوال کرو کہ اچھا بتاؤ؟ تم موجود ہو یا نہیں؟ تم زندہ ہو یا نہیں؟ تو جھک مار کر وہ کہیں گے کہ ہم موجود ہیں' ہم زندہ ہیں تو پھر ان لوگوں سے پوچھو کہ کیوں جناب! اللہ بھی موجود ہے اور تم بھی موجود ہو' اللہ بھی زندہ اور تم بھی زندہ۔ یہ تو شرک ہو گیا کہ تم نے اللہ کی صفت کو اپنے اندر بتایا تو دیکھنا کس قدر چمک کر جواب دیتے ہیں کہ موجود اللہ کی صفت بھی ہے اور ہماری صفت بھی۔ حیات اللہ کی صفت بھی ہے اور ہماری بھی' مگر ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اللہ کا وجود اور حیات دونوں ازلی ابدی ہیں' ذاتی اور حقیقی ہیں اور ہمارا وجود وحیات یہ حادث وفانی اور عطائی ہیں۔ خدا واجب الوجود ہے اور ہم ممکن الوجود ہیں۔ کہاں واجب کہاں ممکن' کہاں ذاتی کہاں عطائی؟ تو برادران اہل سنت! تم بھی سینہ تان کر جواب دو کہ بس مسئلہ حل ہو گیا اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا غیب جاننے والا ہے اور رسول بھی غیب جاننے والے ہیں۔ خدا بھی مشکل کشا ہے اور علی بھی مشکل کشا ہیں۔ خدا بھی مدد فرمانے والا ہے اور غوث اعظم بھی مدد کرتے ہیں مگر خدا کا علم غیب اور اس کی مشکل کشائی وامداد ذاتی ہے اور ازلی ابدی ہے اور رسول کا علم غیب' علی کی مشکل کشائی غوث اعظم کی امداد؟ حادث وفانی اور عطائی ہے کہاں قدیم کہاں حادث؟

کہاں ذاتی کہاں عطائی؟ لہٰذا اگر تم اپنے کو موجود اور زندہ مان کر مشرک نہیں ہوئے تو ہم رسول کے علم غیب اور علی کی مشکل کشائی اور غوث کی فریادرسی مان کر کس طرح مشرک ہو سکتے ہیں۔

بزرگو اور بھائیو! ان خودساختہ موحدین کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ اکثر سنیوں کو دیکھ کر محض ایذارسانی کے لئے یہ لوگ اپنے کریہہ اور بھدے نغموں میں یہ شعر گنگنانے لگتے ہیں کہ

خدا فرما چکا قرآں کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر و پیغمبر
وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

تو آپ لوگوں کو چاہئے کہ آپ لوگ بھی فوراً یہ شعر پڑھنا شروع کر دیجئے۔ پھر یقین فرمایئے کہ یہ لوگ منہ لٹکا کر ایک طرف بیٹھ جائیں گے اور داڑھی کھجانے لگیں گے۔

خدا فرما چکا قرآں کے اندر — مرے محتاج ہیں سیٹھ اور منسٹر
یہ چندہ کیا نہیں ملتا خدا سے — جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

ذرا سوچئے تو سہی کہ یہ لوگ بیماریوں میں ڈاکٹروں سے امداد طلب کرتے ہیں۔ مدرسوں، مسجدوں اور تبلیغ کے نام پر اپنی تن پروری کے لئے مالداروں اور سیٹھوں سے مالی امداد مانگتے ہیں۔ منسٹروں اور غنیاؤں سے دن رات ''المدد المدد'' ان کا شعار بن چکا ہے۔ بات بات پر ''الغیاث الغیاث'' یا پولیس ان کا وظیفہ ہے مگر ذرا بھی ان کی توحید کے شیشے کو ان پتھروں سے ٹھیس نہیں لگتی مگر ہم غریب سنی اگر کسی مزار پر بوقت مراقبہ اپنے باطن کی ترقی کے لئے استمداد کریں یا جذبۂ عقیدت و جوش محبت میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیأ للہ پکار دیں تو ان کی توحید پر شرک کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ یہ ہزاروں مرتبہ غیر اللہ سے ہزاروں قسم کی امداد طلب کریں پھر بھی موحد اور ہم مقبولان بارگاہ الٰہی سے باذن اللہ ذرا استعانت کریں تو مشرک؟ افسوس!

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا؟

سچ فرمایا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے۔

مانگیں گے مانگے جائیں منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

حاکم، حکیم دارو دوا دیں، یہ کچھ نہ دیں
مردود ! یہ مراد کس آیت، خبر کی ہے

کلمہ طیبہ

بہرحال، برادرانِ ملت! میں یہ عرض کررہا تھا کہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ مگر میں یہ عرض کرچکا کہ توحید اسی وقت مکمل ہوسکتی ہے جب خدا کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کی تمام صفات پر بھی ایمان لایا جائے اور یاد رکھئے کہ جس طرح رحمٰن ورحیم اور خبیر وعلیم وغیرہ اس کے صفات ہیں۔ اسی طرح اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ تمام رسولوں کا مرسل اور ان کا بھیجنے والا ہے، اس لئے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لانا بھی توحید کے لئے ضروری ہے۔ جس طرح کوئی شخص اگر خدا کی صفت رحمٰن یا رحیم کا انکار کردے تو وہ کافر ہوجائے گا اسی طرح اگر کوئی رسولوں اور نبیوں کا انکار کردے تو درحقیقت اس نے خدا کی صفت مرسل کا انکار کردیا لہٰذا وہ بھی کافر ہوجائے گا اور چونکہ خدا کے آخری پیغمبر شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں کے مصدق ومصدق ہیں اس لئے جس نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان لیا۔ اس نے تمام رسولوں کو مان لیا اور خدا کی صفت مرسل پر پوری طرح ایمان لایا اس لئے وہ سچا موحد ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس پورے کلمے پر ایمان لانا ضروری ہے جب تک کوئی شخص اس پورے کلمے پر ایمان نہیں لائے گا وہ ہرگز ہرگز نہ مسلمان ہوگا نہ موحد اور جو اس پورے کلمے پر ایمان لایا وہ گویا تمام ضروریاتِ دین پر ایمان لایا اور سچا مسلمان اور پکا موحد بن گیا۔

برادرانِ اسلام! پڑھئے بہ آواز بلند ایک مرتبہ کلمہ طیبہ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

دوسرا وعظ

رحمۃٌ للّعالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمینo والصلوۃ والسلام علیٰ سید المرسلینo
وعلیٰ الہ الطیبین الطاھرینo واصحبہ المکرمین المعظمینo وعلیٰ
من تبعھم بالاحسان الیٰ یوم الدین
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم
بسم اللہ الرحمن الرحیم
وَمَا اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَo

حاضرین محترم! و برادرانِ اسلام! آپ صاحبان انتہائی اخلاص و محبت اور جوش عقیدت کے ساتھ ایک ایک بار بہ آوازِ بلند درود شریف پڑھیں۔
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ ۔
محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! خداوند قدوس جل جلالہ نے اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے دنیا میں بہت سے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا اور ہر نبی و رسول کو پروردگار عالم جل جلالہٗ نے نئے نئے انوکھے اور نرالے کمالات اور عجیب و غریب معجزات عطا فرمائے۔ کسی نبی کو حسن و جمال دیا تو کسی نبی کو جاہ و جلال' کسی کو سلطنت اور ملک و مال بخشا تو کسی کو جود و نوال' کسی کو علم و حکمت کا کمال عطا فرمایا تو کسی کو رفعت و عظمت کی دولت لازوال سے مالا مال کر دیا لیکن نبی آخر الزمان' خاتم پیغمبراں' سرورِ عالم' تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اس خاک دامن عالم میں بھیجا تو ایسی انوکھی شان اور نرالی آن بان کے ساتھ بھیجا کہ تمام انبیاء و مرسلین کے کمالات و معجزات کو ایک ذات بابرکات میں جمع فرما دیا۔ سبحان اللہ! کسی نے خوب کہا ہے

خدا نے ایک محمد میں دے دیا سب کچھ
کریم کا کرم بے حساب کیا کہنا؟

بلکہ بے شمار فضائل و محاسن ایسے عطا فرمائے کہ جن کی عظمت و رفعت تک کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حسن و جمال' جاہ و جلال' ملک و مال' جود و نوال' غرض ہر ایک کمال ان کو بخش دیا۔ پھر لطف یہ کہ ہر کمال میں انہیں بے مثل و بے مثال بنا کر بھیجا وہ سید المرسلین بھی ہیں اور رحمۃ للعالمین بھی۔ وہ مدثر و مزمل بھی ہیں اور طٰہٰ و یٰسین بھی وہ بشیر و نذیر بھی ہیں اور سراج منیر بھی۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ؟
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

ان کی ہر ادا‘ ان کی صورت وسیرت‘ ان کی ذات وصفات‘ ان کے جسم پاک کا رونگٹا رونگٹا اور بدن اقدس کا بال بال سراپا کمال ہے اور ان کا ہر کمال خدا کی قسم بے مثل و بے مثال ہے۔ اللہ اللہ! نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یکتائی کا کیا کہنا؟ روز ازل ہی میں خداوند قدوس نے تمام انبیاء ومرسلین سے یہ عہد و پیمان لے لیا کہ تم سب تمام زندگی نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا خطبہ پڑھتے رہنا اور ان کی نصرت و رفاقت کے لئے ہر دم کمر بستہ رہنا اور ان پر ایمان لاکر اپنے سینوں کو ان کی محبت کا مدینہ بنائے رکھنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا!

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ۔

یعنی خداوند قدوس نے تمام نبیوں سے یہ عہد لے لیا کہ جب میرا آخری پیغمبر‘ شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہو تو تم سب کے سب ان پر ایمان لانا اور ان کی حمایت ونصرت کرنا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین اپنی زندگی بھر نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا خطبہ پڑھتے رہے اور ان کی مدح وثناء کے گیت گاتے رہے۔ بستی بستی‘ جنگل جنگل بڑے بڑے ریگستانوں میں اونچے اونچے پہاڑوں کی چٹانوں پر‘ ان کی شان رحمت اور بشارت کا وعظ کہتے رہے اور ان کے حسن و جمال اور ادائے بے مثال کے گن گاتے رہے۔ حفیظ جالندھری نے کیا خوب کہا ہے؟

خلیل اللہ نے جس کے لئے حق سے دعائیں کیں
ذبیح اللہ نے وقت ذبح جس کی التجائیں کیں؟
جو بن کر روشنی پھر دیدۂ یعقوب میں آیا
جسے یوسف نے اپنے حسن کے نیرنگ میں پایا
وہ جس کی یاد میں داؤد نے نغمہ سرائی کی ؟
وہ جس کے نام پر شاہ سلیماں نے گدائی کی
دل یحییٰ میں ارماں رہ گئے جس کی زیارت کے
لب عیسیٰ پہ آئے وعظ جس کی شان رحمت کے

غرض ہر نبی ورسول ان کی مدح وثناء کا خطیب اوران کی عظمت کا نقیب رہا اور ہر پیغمبران کی الفت ومحبت سے خوش نصیب رہا۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

ندانم آں گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
کہ مرغ ہر چمنے آرزوئے او دارد

یعنی میں کچھ نہیں جانتا اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ وہ کھلتا اور ہنستا ہوا پھول کتنا عجیب رنگ اور کیسی انوکھی خوشبو رکھتا ہے کہ چمن رسالت کا ہر ہر پرندہ اس کی آرزو اور تمنا میں چہچہا رہا ہے اور اس کی الفت ومحبت کا دم بھر رہا ہے۔

پڑھئے درودشریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

برادرانِ ملت! سبحان اللہ! سرکار دوجہاں کی شان بے مثالی کا کیا کہنا۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سلطانِ کونین کے دربار پرعظمت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ اے جبرائیل آپ نے پوری دنیا کی سیر کی' تمام پیغمبروں کا دربار دیکھا' ہر نبی ورسول کے جمال کا دیدار کیا' بڑے بڑے سلاطین حسن و جمال کی شان جمال دیکھی' یہ تو بتایئے کہ میرا مثل ومثال بھی کہیں آپ کی نظروں سے کبھی گزرا؟ اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے طبقات زمین کو الٹ پلٹ کر دیکھا' مشرق ومغرب کا کونہ کونہ اور شمال وجنوب کا گوشہ گوشہ دیکھا' بڑے بڑے حسن وجمال والوں کی شان جمال کے جلوے دیکھے مگر واقعہ یہ ہے کہ ۔

آفاقہا گر دیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کو کتنے انوکھے اور دلکش انداز میں نظم فرمایا ہے اور وہ ارشاد فرماتے ہیں ۔

وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ وَاَکْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ کَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

یعنی اے حسن وجمال کے تاجدار' احمد مختار! آپ سے بڑھ کر کوئی حسن وجمال والا میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا اور آپ سے بڑا صاحب کمال تمام جہان کی عورتوں کی آغوش میں کبھی کوئی نہیں پیدا ہوا۔ خالق حسن وجمال نے آپ کو ہر عیب سے بری اور پاک پیدا فرمایا ہے' گویا

آپ کی مشیت ہی کے مطابق خلاق عالم نے آپ کی تخلیق فرمائی۔

برادرانِ ملت! درحقیقت آپ کی شان بے مثال کا بیان ماوشما تو کس گنتی میں ہیں' بڑے بڑے بادشاہانِ زبان قلم بھی آپ کی شانِ جمالی و بے مثالی کی منظر کشی نہیں کر سکے۔ حضرت بلبل شیراز جناب سعدی علیہ الرحمۃ نے میدان نعت میں طبع آزمائی کی تو یہ کہہ کے خاموش ہو گئے۔

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ　　مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ

لَايُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی اے حسن و جمال کے مالک اور اے نوع انسانی کے سردار! آپ کے روئے منیر سے چاند بھی نور کی بھیک مانگتا ہے اور بلاشبہ چاند کو بھی آپ ہی کے نور سے روشنی ملی ہے ورنہ چاند کی حقیقت ہی کیا ہے؟ اور نور جمال محمدی سے چاند کو کیا نسبت؟

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کیاانصاف ہے
چاند میں تو داغ ہیں اور ان کا چہرہ صاف ہے

لَايُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی آپ کی مدح وثناء کما حقہ' تو ممکن ہی نہیں ہے بس مختصر بات یہ ہے کہ خدا کے بعد سب سے زیادہ عزت وعظمت والے' بزرگی اور تقدس والے اعزاز و اکرام والے یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہیں۔

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ بردہ شریف میں فرمایا۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰى فِيْ نَبِيِّهِمْ
وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِيْهِ وَاحْتَكِمِ

یعنی اے مسلمانو! تو اپنے نبی کے بارے میں وہ بات تو مت کہنا جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہی۔ باقی اس کے سوا تو اپنے نبی کی مدح وثناء میں جو کچھ بھی چاہے کہہ ڈال اور نہایت عزم اور یقین کامل کے ساتھ کہتا چلا جا۔ مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا تو مسلمان کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نبی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے لیکن اس کے سوا بڑی سے بڑی تعریف وتوصیف اور اونچی سے اونچی مدح وثناء جو کچھ کر سکتا ہے انہیں خلیفۃ اللہ الاعظم کہو' مالک رقاب الامم کہو' ساقی کوثر' شافع محشر'

مالک کونین، سلطان دارین، قاسم نعمت، مختار جنت جو کچھ بھی کہا جائے سب جائز و درست ہے بلکہ ان کے درجات رفیعہ و مراتب جلیلہ کے لحاظ سے یہ سب کچھ کم ہی ہے۔

برادرانِ اسلام! درحقیقت سچی بات تو یہ ہے کہ خدا کے محبوب تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کسی بشر سے کما حقہٗ ممکن ہی نہیں ہے اور یہ حق الیقین رکھیے کہ رحمۃ للعالمین کی مدح و ثناء سوائے رب العالمین کے کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

محمد سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھئے شان محمد

کسی نے اس مضمون کو کتنے اچھے عنوان سے بیان کیا ہے۔

فرشتوں میں یہ چرچا تھا کہ نعت سرور عالم　　دبیر چرخ لکھتا یا کہ خود روح الامیں لکھتے
ندا یہ بارگاہ حضرتِ قدوس سے آئی　　کہ یہ تو اور ہی شے ہے اگر لکھتے ہمیں لکھتے

بڑے بڑے عارفین و بزرگان دین نے نعت میں سخن گستری اور طبع آزمائی کی لیکن اپنے عجز و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے قلم رکھ دیا اور دم بخود ہو گئے۔ سلطنت شاعری کے مسلم الثبوت بادشاہ حضرت جامی جو عشق رسول کی ایک بلند منزل پر ہیں کہ اس منزل رفیع کا نظارہ کرنے میں بڑے بڑے صاحبان رفعت کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی ہیں۔ بارگاہ رسول کی پرعظمت جناب میں مدح و ثناء کا ہدیہ پیش کرنے کے لئے ہمت کی تو اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است!

یعنی میں اگر ہزاروں مرتبہ مشک و گلاب سے کلیاں کر کے اپنا منہ صاف کرلوں پھر بھی میرا یہ منہ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ تعریف تو کجا؟ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی اپنی زبان پر لاسکوں۔ اسی طرح ایک دوسرے عاشق رسول نے کتنے والہانہ انداز میں عرض کیا ہے کہ۔

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

یعنی میں نے بہت کچھ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی اور تعریف و توصیف میں لکھا اور کہا لیکن میرا یہ اعتقاد و یقین ہے کہ میں نے اپنے ان کلمات سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذرہ برابر بھی نہ مدح کی ہے نہ کر سکتا ہوں بلکہ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کا نام نامی واسم گرامی لے لے کر میں اپنے کام کو اس قابل بنالوں کہ وہ لائق تعریف وتحسین بن جائے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

برادرانِ اسلام! پروردگارِ عالم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ہی محمد رکھا۔ محمد کے کیا معنی ہیں؟ سنئے! مُحَمَّدٌ، حَمَّدَ، یُحَمِّدُ تَحْمِیْدًا ۔ باب تفعیل کا اسم مفعول ہے اس کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا ہوا۔ مفسرین کرام نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''محمد'' اس لئے رکھا گیا۔ لِمَا حَمِدَهُ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ یعنی تمام اگلوں اور پچھلوں نے آپ کی مدح وثناء کی اور ازل سے ابد تک ہمیشہ ہر دم آپ کی تعریف وتوصیف ہوتی رہے گی، چنانچہ آپ سن چکے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا دو لاکھ چوبیس ہزار تقریباً انبیاء ومرسلین دنیا میں تشریف لائے اور یہ سب کے سب نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبراں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور مدح وثناء کا خطبہ پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور ان تمام انبیاء کی امتوں نے بھی خدا کے آخری پیغمبر، شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل اور ان کی ثناء وصفت میں رطب اللسان رہ کر خدا کی خدائی میں پیارے محمد کی مصطفائی کا ڈنکا بجایا اور دونوں جہان میں حامد ومحمود ہونے کی سعادت حاصل کی۔

اللہ اللہ! آپ کا رتبہ، صلی اللہ علیہ وسلم
پڑھتی ہے دنیا رتبے کا خطبہ، صلی اللہ علیہ وسلم

صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ میدان حشر میں بھی جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ کے بلند مقام پر رونق افروز ہوں گے تو تمام اولین وآخرین بلکہ انبیاء ومرسلین آپ کی محبوبیت کبریٰ اور شفاعت عظمیٰ کو دیکھ کر آپ کی مدح وثناء اور تعریف وتوصیف کا ایسا ولولہ انگیز خطبہ پڑھیں گے کہ تمام میدان محشر میں پیارے رسول کی شان مصطفائی کا ڈنکا بج جائے گا۔ یہی وہ مقام ہے جس کو قرآن مجید میں رب العالمین نے ارشاد فرمایا۔ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ یعنی اے پیغمبر! وہ وقت قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایسے مقام پر جلوہ گر فرمائے گا کہ تمام اگلے اور پچھلے یک زبان ہو کر آپ کی محبوبیت کی شان کا بیان کرتے ہوں گے اور سارا میدان محشر آپ کی مدح وثناء کے کیف آور وجد آفریں نغمات قدس سے گونج رہا ہوگا اور ہر طرف یا شفیع المذنبین یا شفیع المذنبین کی پکار ہوگی اور

یارسول اللہ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ ۔ کا غلغلہ ہو رہا ہوگا' سچ فرمایا مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمۃ نے۔

فقط اتنی غرض ہے انعقاد بزم محشر سے
کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

سبحان اللہ! آپ دنیا میں بھی محمد ہیں اور آخرت میں بھی محمد ہیں۔ آپ اس جہان میں بھی محمد ہیں اور اس جہان میں بھی محمد ہیں۔ آپ خالق کے بھی محمد ہیں اور مخلوق کے بھی محمد ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ آپ کا نام ہی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

پڑھیے درود شریف!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ۔

گلدستہ نعت

محترم سامعین! میں عرض کر رہا تھا کہ تمام انبیاء و مرسلین حضور رحمۃ للعالمین کی مدح و ثناء کے خطیب و نقیب بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ اب یہ بھی سن لیجئے کہ تمام آسمانی کتابیں بھی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے اس طرح مالا مال ہیں کہ گویا ہر آسمانی کتاب نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جامع مجموعہ ہے۔ خود قرآن مجید کو اگر ایمانی نظروں اور محبت رسول کی نگاہوں سے مطالعہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ ہر ہر آیت نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خوشنما و خوشبودار پھول ہے اور پورا قرآن مجید گویا نعت شریف کے گلہائے رنگارنگ کا ایک حسین و خوبصورت گلدستہ ہے چنانچہ اس گلدستہ نعت یعنی قرآن مجید کے انہیں خوشنما پھولوں میں سے ایک حسین و خوشنما اور رنگین پھول سورۂ انبیاء کی وہ آیت کریمہ بھی ہے جو میں نے خطبہ کے بعد آپ بزرگوں اور بھائیوں کے سامنے تلاوت کی ہے یعنی۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔

بزرگانِ قوم و برادرانِ ملت! اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اے پیغمبر! ہم نے آپ کو سارے جہان کیلئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! غور کرنے کا مقام ہے کہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں جب اپنا تعارف فرمایا تو فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اے بندو تمہارا اللہ وہ ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے "رب" کے معنی پالنے والا اور العلمین کے معنی یہ ہوئے کہ

زمین و آسمان' مکان و لامکان' سارے عالم' تمام جہان کا پروردگار اور کل سنسار کا پالنہار اللہ ہے اور جب خداوندقدوس نے اپنے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی اے میرے بندو! تم میرے رسول کو اس طرح پہچانو کہ وہ رحمۃ للعالمین یعنی سارے جہان کے لئے رحمت ہے۔

اللہ اکبر! قرآن مجید نے فرمادیا کہ خدا رب العالمین ہے اور رسول رحمۃ للعالمین ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ خدا سارے جہان کا پالنے والا ہے اور رسول سارے جہان کے لئے رحمت ہیں۔ خدا جن جن چیزوں کو پالتا ہے۔ رسول ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہیں۔ اس کا ماحصل یہ ہوا کہ جہاں جہاں خدا کی ربوبیت و کبریائی ہے بلاشبہ وہاں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصطفائی بھی ہے اور جو جو چیزیں خدا کی خدائی میں داخل ہیں یقیناً وہ سب چیزیں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پناہ لینے والی ہیں۔ اب آپ بتادیجئے کہ کونسی چیز ایسی ہے جو خدا کی ربوبیت اور پرورش میں داخل نہیں ہے۔ زمین و آسمان' مکان و لامکان' کل عالم' سارا جہان خدا کی پرورش میں ہے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اگنے والا ننھا سا پودا ہو یا سمندروں کی گہرائیوں میں رہنے والا بغیر ہاتھ پاؤں کا کیڑا ہو' عالم جن وانس ہو یا عالم ملائکہ' نباتات' جمادات' حیوانات کا عالم ہو' یا کائناتِ فضا کی مخلوقات' عالم دنیا ہو' یا عالم آخرت سب کے سب خدا کی ربوبیت و پرورش میں ہیں۔ اس لئے یہ سب کے سب رحمۃ للعالمین کی رحمت کے بھی بھکاری ہیں کیوں نہ ہو؟ کہ خدا رب العالمین ہے اور رسول رحمۃ للعالمین جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے ہر جگہ محمد کی مصطفائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرش مجید کی چوٹی پر' حورانِ بہشت کی پتلیوں پر' انبیاء و مرسلین اور ملائکہ و مومنین کے دلوں اور زبانوں پر' جنت کے درختوں' پتوں' پھولوں' پھلوں پر۔ ہر جگہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی تحریر ہے۔ سچ فرمایا کسی مداحِ رسول نے۔

سلطان جہاں محبوبِ خدا تری شان و شوکت کیا کہنا
ہر شے پہ لکھا ہے نام ترا' تیرے ذکر کی رفعت کیا کہنا

کیونکہ خدا رب العالمین ہے اور رسول رحمۃ للعالمین جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے ہر جگہ محمد کی مصطفائی ہے۔

گرونانک کی چوپائی

برادرانِ اسلام! اس مضمون پر کہ ہر ہر شے میں نامِ محمد کی مصطفائی موجود ہے۔

گرونانک جی کی ایک چوپائی یاد آئی وہ لکھتے ہیں کہ
نام جس دستو کا کرو تم چوگنے داؤ ؟ دو ملا کے پچگن کیجئے بیسے بھاگ لگاؤ
باقی بچے تو نوگن کیجئے پیچھے دوئی ملاؤ
نانک اس بدھ ہر شے میں تم نام محمد پاؤ

مطلب یہ ہے کہ تم دنیا میں کسی چیز کے نام کا عدد نکال کر اس کو چار سے ضرب دو۔ پھر اس میں دو ملا کر پانچ سے ضرب دو۔ پھر اس پورے عدد کو بیس سے تقسیم کردو۔ پھر تقسیم کے بعد جو عدد بچ رہے۔ اس کو نو سے ضرب دے کر دو ملا دو تو بانوے کا عدد نکل پڑے گا جو محمد کا عدد ہے۔ اے نانک! اس طرح تم ہر شے میں محمد کا نام پاؤ گے مثلاً جدید ایک لفظ ہے جس کا عدد (۲۱) ہے اس کو (۴) سے ضرب دو تو ۸۴ ہوا۔ پھر اس میں (۲) ملا دیا تو (۸۶) ہو گیا۔ پھر اس کو پانچ سے ضرب دیا تو ۴۳۰ ہو گیا۔ اب (۴۳۰) کو (۲۰) سے تقسیم کیا تو (۱۰) بچ رہا۔ اب اس کو (۹) سے ضرب دیا تو (۹۰) ہو گیا۔ پھر اس میں (۲) ملا دیا تو (۹۲) ہو گیا اور یہی محمد کے نام کا عدد ہے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ

رحمت رسول پاک کی ہر شی پہ عام ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نام ہے
(صلی اللہ علیہ وسلم)

ایک نکتہ

حضرات اس مضمون سے ایک نکتہ یاد آیا کہ ہر شے پر جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تحریر کا جلوہ نظر آ رہا تھا اور خداوند کریم نے ہر چیز پر اپنے نام کے ساتھ اپنے حبیب کا نام بھی نقش فرما دیا ہے تو اس سے یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس طرح ہم اپنے سامانوں پر اپنا نام کندہ کراتے ہیں مثلاً آپ نے اپنی گھڑی پر اپنا نام محمد علی لکھوایا اور اسی گھڑی پر سوئٹزرلینڈ کی کمپنی کا نام بھی لکھا ہوا ہے اب اس گھڑی کو دیکھنے والا پہلی نظر میں جان لے گا اور پہچان لے گا کہ اس گھڑی کا بنانے والا تو سوئٹزرلینڈ کی کمپنی والا ہے مگر اس وقت اس گھڑی کا مالک محمد علی ہے۔ بلاتشبیہ اسی طرح ہر چیز پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تحریری تجلی فرما کر پروردگار عالم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اے دنیا و آخرت کی نعمتوں کو دیکھنے والو! اور اے جنت النعیم کے جمالستان کا نظارہ کرنے والو! تم ہر چیز پر لا الٰہ الا اللہ لکھا دیکھ کر یہ سمجھ لو کہ اس چیز کا خالق تو اللہ ہے اور محمد رسول اللہ پڑھ کر یہ یقین کر لو کہ خدا کی عطا سے اس وقت اس چیز کے

مالک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم
رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں

خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں عالم کا مختار بنا دیا ہے جس کو جو چاہیں عطا فرمائیں اور جس کو چاہیں نعمت کونین سے سرفراز اور دولت دارین سے مالا مال فرمائیں۔

برادرانِ ملت! پروردگارِ عالم جل جلالہٗ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے کیسے ''تصرفات کی قدرت عطا فرمائی ہے'' اس کا کچھ اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے قلوب خدا کی توحید کا خزینہ اور جن کے سینے محبوبِ خدا کی محبت کا مدینہ ہیں۔وہ آنکھیں جو نور بصارت کے ساتھ ساتھ نور بصیرت سے بھی جگمگا رہی ہیں۔ان سے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات و تصرفات کا حال پوچھو! چودھویں صدی کے وہ نام نہاد مسلمان کہلانے والے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر اور بڑا بھائی کہنے کو اسلام کی بنیاد قرار دیے ہوئے ہیں۔انہیں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کی کیا خبر؟ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیارات و تصرفات کا جلوہ دیکھنا ہو تو شمع نبوت کے پروانے صحابہ کرام کی حق بیں و حق آگاہ نگاہوں سے دیکھو!

اللہ اللہ! صحابہ؟ کون صحابہ؟ صحابہ وہ خوش نصیب مسلمان جنہوں نے اپنی ایمانی نگاہوں سے رحمۃ للعالمین کے جلال و جمالِ نبوت کو دیکھا اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔وہ صحابہ جن کے سامنے' جن کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا اور جنہوں نے قرآن کو صاحب قرآن سے پڑھا' سنا اور سمجھا۔وہ صحابہ جن کی مدح و ثناء کا خطبہ قرآن مجید نے پڑھا اور ارشاد فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ۔یعنی اسلام کی حمایت و نصرت اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری و خدمت گزاری میں سب سے اول اور سب سے آگے قدم بڑھانے والے مہاجرین و انصار آپ بارگاہِ رسالت کے ان مقربین اور سچے موحدین سے پوچھے کہ جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات و اختیارات کا کیا عالم ہے۔

جنتی ربیعہ

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں۔یہ تہجد کے وقت اکثر

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی اور مسواک پیش کیا کرتے تھے۔ ایک دن ان کے جذبہ عقیدت پر رحمت عالم کے دریائے رحمت کو جوش آ گیا اور ارشاد فرمایا کہ سل (مسلم ج ۱ص ۱۹۳ و مشکوۃ ص ۸۴) یعنی اے ربیعہ! تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو! اللہ اکبر! مسلمانوں! غور کرو! یہ بات کون کہہ سکتا ہے کہ تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو! یقیناً یہ بات وہی شخص کہنے کی ہمت کرسکتا ہے جس کے قبضہ اقتدار میں سب کچھ ہو۔ کیونکہ جو خود کسی چیز کا مالک ومختار نہ ہو بھلا۔ وہ کس طرح دوسرے سے کہہ سکتا ہے کہ تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو! ربیعہ نے رحمتِ عالم کا ارشاد سنا اگر ربیعہ کی جگہ کوئی چودھویں صدی کا مسلمان کہلانے والا۔ بدمذہب ہوتا تو کہہ دیتا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ سے کس طرح مانگ سکتا ہوں غیر اللہ سے تو کسی چیز کا مانگنا شرک ہے۔ میں تو بس اللہ سے مانگوں گا مگر۔

برادرانِ ملت! حضرت ربیعہ صحابی تھے۔ وہابی نہیں تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا سے شرک مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے اگر غیر اللہ خصوصاً محبوبانِ خدا سے کسی چیز کو مانگنا شرک ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح فرماتے کہ تم جو چاہو مجھ سے مانگ لو! کیا توبہ نعوذ باللہ بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں؟ حضرت ربیعہ کا ایمان تھا کہ یہ محبوب خدا ہیں۔ یہ باذنِ اللہ مالکِ ملک خدا و قاسم جملہ عطا ہیں' اس لئے بے دھڑک عرض کر دیا کہ اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ یعنی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حضور سے جنت میں حضور کی خدمت گزاری وجاں نثاری کا سوال کرتا ہوں۔

سبحان اللہ! مسلمانوں! آپ نے غور کیا؟ کہ ربیعہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا چیز مانگی؟ کیا جنت مانگی! جی نہیں! جنتیں تو آٹھ ہیں' اعلیٰ بھی اور ادنیٰ بھی ربیعہ نے صرف جنت نہیں مانگی بلکہ بہشت اعلیٰ جنت الفردوس کا وہ محل مانگا جو رب العالمین نے خاص رحمت للعالمین کیلئے تیار فرمایا ہے کیونکہ ربیعہ بہشت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتگاری طلب کررہے ہیں اور ظاہر ہے کہ میں بمبئی میں رہوں اور میرا خادم کلکتہ میں رہے تو وہ بھلا میری کس طرح خدمت کرسکتا ہے؟ خدمت گزاری تو جبھی ہوسکتی ہے کہ آقا جس محل میں ہو غلام بھی اسی محل میں رہے۔ ربیعہ جب جنت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی وخدمت کا سوال کررہے ہیں تو اس کا صاف وصریح مطلب یہی ہوا کہ وہ حضور علیہ السلام سے اسی محل کا سوال کررہے ہیں جو خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

برادرانِ ملت! دیکھئے! حضرت ربیعہ کتنی بڑی چیز مانگ رہے ہیں اللہ اکبر! سلطان دو

جہاں کا فردوسی محل اپنی سکونت کے لئے طلب کر رہے ہیں۔
مسلمانو! اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ بھی اختیار نہ ہوتا تو آپ صاف صاف فرمادیتے کہ اے ربیعہ! میری اتنی قدرت کہاں؟ کہ میں تجھے جنت کا یہ محل عطا کردوں مگر مسلمانو! جس طرح آسمان میں ستارے چمک رہے ہیں۔ اسی طرح کتابوں میں یہ حدیث چمک دمک رہی ہے۔ آنکھ سے دیکھ لو جان لو! پہچان لو! کہ محبوب خدا نے حضرت ربیعہ کو نہ ڈانٹا' نہ جھڑکا' نہ اپنی عاجزی وتہیدستی کا اظہار کیا بلکہ انتہائی سنجیدگی اور پورے اطمینان کے ساتھ ارشاد فرمایا اَوْ غَیْرَ ذٰلِکَ یعنی اے ربیعہ! تیری یہ مراد تو میں تجھے عطا کر چکا۔ بول! کیا اور بھی کوئی تیری تمنا ہے؟ تو میں تیری آرزو بھی پوری کردوں! سبحان اللہ! اپنے ایک ادنیٰ غلام کو سرکار دو جہاں نے بہشت بریں کا اعلیٰ محل عطا فرمادیا اور ابھی دریائے رحمت اس قدر جوش میں ہے کہ فرمارہے ہیں کہ اے ربیعہ اس کے سوا اگر اور بھی تجھ کو مانگنا ہے تو مانگ لے! سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ خدا کی خدائی میں کون سی وہ نعمت ہے جو رحمۃ للعالمین کی کالی کالی رحمت والی کملی میں موجود نہیں ہے؟ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب ارشاد فرمایا۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

حضور کا ارشادِ گرامی سن کر حضرت ربیعہ نے عرض کیا کہ ھُوَ ذٰلِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا اور کوئی میری تمنا نہیں ہے کہ جنت الفردوس میں حضور والا کی غلامی اور خدمت کا شرف حاصل ہو جائے۔ حضور کی غلامی مل گئی تو سارا جہان مل گیا۔ آپ کے در کی گدائی مل گئی تو کونین کی بادشاہی وشہنشاہی مل گئی ہے۔

دونوں عالم میرے اک حرف دعا میں غرق تھے
جب خدا سے کررہا تھا میں سوال مصطفیٰ!

برادرانِ اسلام! شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ حضرت ربیعہ سے بڑی غلطی ہوگئی کہ انہوں نے اور کچھ نہیں مانگا۔ جنت میں مصطفائی محل تو مل ہی گیا تھا۔ دنیا کی بادشاہی بھی مانگ لیتے تو دنیاء وآخرت کی سلطنت کے تاجدار بن جاتے مگر نہیں نہیں! میرے عزیزو اور دوستو! حضرت ربیعہ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی وہ نہایت ہی دانا اور نہایت ہی ہوشیار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اَللّٰہُ یُعْطِیْ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ یعنی اللہ ہر نعمت کا عطا فرمانے والا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا

قرب خاص پالیا تو ان کا ایمان تھا کہ جب مجھے پیارے مصطفیٰ کی مصطفائی مل گئی تو پھر خدا کی ساری خدائی مل گئی کیونکہ ہر نعمت اسی در سے تقسیم ہونے والی ہے تو پھر اب کسی دوسری نعمت کو طلب کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر !
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

ہوشیار لونڈی

حاضرین محترم! مجھے اس وقت بغداد شریف کی ایک حکایت یاد آ گئی۔ ایک مرتبہ ہارون رشید خلیفہ بغداد نے ایک نمائش منعقد کرائی جس میں سلطنت بھر کے نوادرات و عجائب نمائش کے لئے رکھے گئے جب نمائش ختم ہوگئی تو بادشاہ نے اعلان کرا دیا کہ میرے خدام اور غلاموں میں سے جو شخص جس چیز پر ہاتھ رکھ دے گا۔ وہی اس کا مالک ہے۔ یہ اعلان سنتے ہی پیٹو اور حریص لوگ تو لذیذ و خوش ذائقہ مٹھائیوں کی طرف دوڑ پڑے۔ فرنیچروں اور سامانوں کے دلدادہ اپنی اپنی پسند کے فرنیچروں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔ سونے چاندی کے طلبگاروں نے درہم و دینار اور زیورات پر چھاپہ مارا۔ غرض تمام لونڈی و غلام اپنی اپنی پسندیدہ چیزوں پر ٹوٹ پڑے مگر ایک لونڈی ساری نمائش گاہ کا چکر لگاتی رہی اور کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا۔ بلکہ ہر طرف سے گھوم پھر کر آئی اور ہارون رشید بادشاہ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ اے نادان لونڈی! اتنی بڑی نمائش گاہ میں تو نے کسی چیز پر ہاتھ نہیں رکھا اور میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ لونڈی نے جواب دیا کہ اے بادشاہ! آپ کا قول ہے کہ جو شخص جس چیز پر ہاتھ رکھ دے وہی اس چیز کا مالک ہے۔ اے بادشاہ! میں نے پوری نمائش گاہ میں گشت کیا مگر میں نے غور کیا کہ اگر میں سونے چاندی پر ہاتھ رکھتی ہوں تو مجھے صرف سونا چاندی ہی ملے گا اور میں لباس یا فرنیچروں پر ہاتھ رکھتی ہوں تو صرف لباس و فرنیچر ہی میرے ہاتھ آئے گا۔ غرض جس چیز پر ہاتھ رکھوں گی۔ صرف وہی چیز مجھے ملے گی تو میری عقل نے یہ فیصلہ کیا کہ کیوں نہ میں اس پر ہاتھ رکھ دوں کہ وہ اگر مجھے مل گیا تو ساری نمائش کیا چیز ہے؟ پوری سلطنت کا سارا سامان مجھے مل جائے گا' اس لئے میں نے اے بادشاہ! آپ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا کہ آپ میرے ہو گئے تو پوری عباسی سلطنت کا جاہ و جلال میری مٹھی میں ہو گا اور ایسی ایسی سینکڑوں نمائشوں کے نوادرات میرے قدموں کی ٹھوکر کا فٹ بال بنے ہوں گے۔ ہارون

رشید نے یہ فیصلہ کر دیا کہ سب سے زیادہ عقلمند یہی لونڈی ہے؟

تو برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اے ربیعہ! تم کچھ اور بھی مانگ لو تو ربیعہ نے یہی جواب دیا کہ هُوَ ذٰلِكَ یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب حضور کا در دولت مجھے مل گیا تو دولت دارین کا سارا سامان بلکہ دونوں جہاں مجھے مل گئے۔ لہٰذا اب کسی دوسری نعمت کے طلب کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جناب ربیعہ کے اس حسنِ عقیدت واخلاص کو دیکھ کر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ

فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ۔ (مشکوٰۃ ص۸۴)

یعنی اے ربیعہ! تم کثرت سے نماز پڑھ کر اپنی ذات پر میری اعانت کرو تا کہ میں اپنے وعدے کے مطابق جنت الفردوس کے مصطفائی محل میں تم کو اپنی خدمت کے لئے معین کر کے تمہیں اپنی نوازشوں کی دولتوں سے مالا مال کر کے بازار آخرت کا سب سے نرالا پونجی پتی' سب سے بڑھ کر مالدار بلکہ سلطنت آخرت کا ایک خاص تاجدار بنا دوں۔

حضرات! کیوں نہ ہو! اجی یہ تو سلطانِ دارین و تاجدارِ کونین ہیں۔ یہ اگر اپنے کسی غلام کو جنت بخش دیں تو اس میں کونسا تعجب کا مقام ہے؟ ان کے غلامان غلام کو رب العالمین نے اپنی محبوبیت اور ایسے ایسے تصرفات کی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ وہ اپنے نیازمندوں کو باذن الٰہی جنت کا محل عطا فرما دیتے ہیں؟

بہلول دانا

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت بہلول دانا مجذوب شہر بغداد سے باہر ریتلے میدان میں ریت کے گھروندے بنا رہے تھے۔ ملکہ بغداد زبیدہ وہاں سے گزری اور عرض کرنے لگی کہ حضرت یہاں میدان میں آپ کیا بنا رہے ہیں؟ بہلول دانا نے نہایت لاپروائی سے جواب دیا کہ میں یہاں جنتی محل بنا رہا ہوں۔ زبیدہ نے کہا کہ کیا آپ کوئی محل میرے ہاتھ فروخت بھی کریں گے؟ بہلول دانا کہنے لگے۔ ہاں! ہاں! میں بناتا بھی ہوں اور بیچتا بھی ہوں۔ زبیدہ بولی کہ اچھا! تو پھر ایک محل آپ مجھے دے دیجئے جو قیمت آپ فرمائیں۔ میں دینے کو تیار ہوں۔ بہلول دانا نے فرمایا کہ جاؤ! تیس درہم میں ایک محل میں نے تمہارے ہاتھ بیچ دیا۔ خوش عقیدہ ملکہ زبیدہ تیس درہم اس مجذوب درویش کے قدموں پر ڈال کر روانہ ہوگئی۔ گھر جا کر اپنے شوہر ہارون رشید بادشاہِ بغداد سے یہ ماجرا بیان کیا تو بادشاہ زبیدہ کے بھولے پن پر ہنس دیا مگر جب

رات میں سویا تو خواب میں دیکھا کہ میدانِ محشر قائم ہے اور جنتی محلات نظروں کے سامنے ہیں۔ اچانک اس نے دیکھا کہ ایک محل پر ملکہ زبیدہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ مردوں کی تو عادت ہی ہوتی ہے کہ بیوی کی ہر چیز کو وہ اپنی ہی سمجھتے ہیں۔ ہارون رشید یہ سمجھ کر محل میں داخل ہونے لگا کہ یہ میری بیوی زبیدہ ہی کا محل ہے مگر فرشتوں نے دھکا دے کر بیک بنی و دو گوش باہر نکال دیا اور کہا کہ میاں یہ دنیا نہیں ہے کہ شوہر بیوی کی ہر چیز پر اپنا قبضہ جمالیتا ہے۔ یہ عالم آخرت ہے۔ یہاں دنیا کا دستور نہیں چلے گا یہاں تو چیز جس کی ہے وہی اس پر قابض ہو سکتا ہے۔ ہارون رشید منہ لٹکائے چلے آئے مگر جب آنکھ کھلی تو ایک سناٹا چھا گیا اور زبیدہ کے جنتی محل خریدنے اور پھر اس پر اپنے ہنس دینے کا واقعہ یاد آ گیا مارے افسوس و ندامت کے پریشان دماغ ہو گیا اور رات کاٹنا دوبھر ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی اپنا خواب زبیدہ سے بیان کیا اور کہا کہ جلد مجھے بہلول دانا کی خدمت میں لے چل۔ میں بھی ایک محل خریدوں گا۔ چنانچہ میاں بیوی دونوں بہلول دانا کے درویشی دربار میں پہنچے اور دیکھا کہ آپ بدستور ریت کے گھروندے نہایت انہماک کے ساتھ بنائے جا رہے ہیں۔ ہارون رشید بولا کہ حضور میں بھی ایک جنتی محل خریدوں گا۔ بہلول دانا نے جواب دیا کہ ہاں ہاں تم بھی خرید لو! ہارون رشید نے کہا کہ حضور کتنی قیمت دوں؟ فرمایا کہ ایک محل کی قیمت تیس ہزار درہم ہیں۔ ہارون رشید کہنے لگا کہ حضور آپ نے میری بیوی زبیدہ کو تیس درہم میں ایک محل دیا ہے اور آج مجھ سے تیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ بہلول دانا نے نہایت اطمینان کے ساتھ جواب دیا کہ بھائی تمہاری بیوی نے بغیر دیکھے ہوئے محل خریدا تھا اور تم تو دیکھ بھال کر خرید رہے ہو اس لئے دام بڑھ گئے۔ ہارون رشید کے دل پر چوٹ لگی۔ انتہائی شرمندہ ہوا۔ سبحان اللہ! محبوبانِ خدا کے اختیارات و تصرفات کا کیا کہنا سچ کہا ہے کسی خوش عقیدہ شاعر نے۔

اس در کے گدا بھر دیتے ہیں شاہانِ جہاں کی جھولی کو
محتاج کا جب یہ عالم ہے' مختار کا عالم کیا ہو گا!

پڑھیے درود شریف: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ اسلام! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خدا رب العالمین ہے اور رسول رحمۃ للعالمین یعنی جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے ہر جگہ مصطفیٰ کی مصطفائی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین و آسمان بلکہ سارے جہاں کی ہر ہر چیز جس طرح خدا کو جانتی پہچانتی اور مانتی ہے۔ اس طرح ہر چیز پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی جانتی پہچانتی اور مانتی ہے۔ چنانچہ حضور سید عالم صلی

اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ

كُلُّ شَيْءٍ يَعْلَمُ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا كَفَرَةَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ ۝ یعنی ان انسانوں اور جنوں کے سوا جو کافر ہیں ہر ہر چیز مجھے اللہ کا رسول مانتی ہے۔

چنانچہ معجزات نبوت کی روایات بتا رہی ہیں کہ زمین' پانی' آگ' ہوا' چاروں عناصر اور ان کے سوا تمام کائنات عالم مدنی تاجدار کی فرماں بردار ہیں۔

فرماں بردار زمین

کون نہیں جانتا؟ کہ وقت ہجرت جب سراقہ بن مالک نے سو اونٹ کے انعام کا لالچ دل میں لئے ہوئے رحمۃ للعالمین کو قتل کرنے کی غرض سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے مدینہ منورہ کے راستے میں مقدس اونٹنی کے بالکل قریب پہنچ کر حملہ آور ہونا چاہا تو سرکار دو جہاں نے شاہانہ کروفر اور سلطانی وقار کے ساتھ یہ حکم صادر فرمایا یَا اَرْضُ خُذِيْهِ اے زمین اس کو پکڑ لے اس فرمان شاہی کا صادر ہونا تھا کہ فوراً زمین نے تعمیل حکم کی اور سراقہ کا گھوڑا گھٹنوں تک پتھریلی زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ انتہائی لاچاری کے عالم میں شہنشاہ دو جہاں سے پناہ و امان کی بھیک مانگنے لگا۔ رحمۃ للعالمین جن کے سینے میں ایسا رحیم و کریم دل تھا جس میں ساری خدائی کا درد بھرا ہوا تھا۔ سراقہ کی لاچاری و گریہ زاری پر آپ کو رحم آ گیا اور زمین کو حکم دے دیا کہ یَا اَرْضُ اُتْرُكِيْهِ اے زمین سراقہ کو چھوڑ دے۔ چنانچہ زمین نے چھوڑ دیا اور سراقہ کا گھوڑا زمین پر چلنے لگا لیکن حرص و ہوس کا برا ہو کہ پھر سراقہ کی نیت بدل گئی اور دوبارہ جوں ہی حملہ کا ارادہ کیا۔ پھر دربار رسالت سے زمین کو حکم ہوا۔ یَا اَرْضُ خُذِيْهِ اے زمین اس کو پکڑ لے چنانچہ سراقہ کا گھوڑا ران یا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا اور سراقہ پہلے سے بھی زیادہ گڑگڑا کر امان طلب کرنے لگا اور پھر سرکار نے اپنا سلطانی حکم صادر فرمایا کہ یَا اَرْضُ اُتْرُكِيْهِ سراقہ کا گھوڑا زمین سے باہر نکل گیا لیکن سراقہ خوف و دہشت سے کانپ رہا تھا۔ اس کو رحمۃ للعالمین کی خداداد قوت اور نبوت کا یقین ہو چکا تھا اور اس نے سمجھ لیا کہ آج مکہ سے ہجرت کرنے والا یہ مسافر عنقریب فاتح مکہ ہوگا۔ اس وقت میری اس بے ادبی کو شمع رسالت کے پروانے بھلا کس طرح معاف کریں گے؟ عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے امن کا پروانہ تحریر فرما دیں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر دوسرا کوئی شخص آپ کی تلاش میں آتا ہوگا تو میں اس کو واپس لوٹا دوں گا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انہوں نے امن کا پروانہ تحریر کر کے سراقہ کو دے دیا۔ (کتب سیر)

حضرات! یہ واقعہ دلیل روشن ہے کہ زمین جس طرح رب العالمین کو جانتی پہچانتی اور مانتی ہے۔اسی طرح وہ رحمۃ للعالمین کو بھی جانتی پہچانتی اور مانتی ہے' کیوں نہ ہو کہ خدا رب العالمین ہے اور رسول رحمۃ للعالمین جہاں جہاں خدا کی خدائی ہے ہر جگہ مصطفیٰ کی مصطفائی بھی ہے۔

زمین کی ٹھکرائی ہوئی لاش

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وحی لکھتا تھا۔اچانک یہ بدنصیب مرتد ہو کر مشرکین سے جاملا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے حق میں فرمادیا کہ زمین اس کو قبول نہیں کرے گی۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ میں خود اس زمین پر پہنچا اور بہ چشم خود دیکھا کہ اس کی لاش زمین پر پڑی ہوئی تھی اور لوگوں نے بتایا کہ ہم نے اس کو بار بار دفن کیا مگر زمین اس کو قبول نہیں کرتی اور اس کی لاش کو باہر نکال پھینکتی ہے۔(الکلام المبین)
حضرات! یہ دونوں واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ زمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابع فرمان ہے اور زمین پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تصرف کی قدرت من جانب اللہ حاصل ہے۔
حضرات! یہ تو عنصر خاک پر تصرف ہے۔اب آیئے پانی پر تصرف کا بھی ایک جلوہ آپ کو دکھادوں!

پانی دودھ بن گیا

ابن سعد سالم بن ابی الجعد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مشک پانی بھر صحابہ کی ایک جماعت کو عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس مشک کو لے لو! یہ تمہارے راستے کا توشہ ہے۔صحابہ نے ایک منزل پر پہنچ کر جب بھوک سے بیتاب ہو گئے تو اس مشک کا منہ کھول کر دیکھا تو کیا نظر آیا؟ کہ پوری مشک دودھ سے بھری ہوئی ہے اور مشک کے منہ پر مکھن جما ہوا ہے۔صحابہ نے مکھن کھایا اور دودھ نوش فرما کر سیراب ہو گئے۔(الکلام المبین)۔
سبحان اللہ! پانی بھی حضور کی نبوت کا مصدق اور تابع فرمان ہے۔آپ پانی کو دودھ بن جانے کا حکم دیں تو پانی دودھ بن جاتا ہے۔حضرات! مٹی اور پانی پر تصرف تو آپ نے سن لیا۔اب آگ اور ہوا پر تصرف کی بھی ایک ایک مثال سن لیجئے!

حضرت انس کا دسترخوان

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ وتابعین کو دعوت کھلائی اور جب دسترخوان میں داغ دھبے پڑ گئے تو آپ نے اس دسترخوان کو آگ سے بھرے ہوئے تنور میں ڈال دیا۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

جملہ مہماناں ازیں حیراں شدند
انتظارِ دود کندوری بدند

یعنی تمام مہمان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور سب لوگ اسی انتظار میں تھے کہ جب دسترخوان جلے گا اور دھواں نکلے گا۔ مگر ہوا یہ کہ ؎

بعد یک ساعت بر آورد از تنور
پاک و اسپید و ازاں او ساخ دور

یعنی تھوڑی دیر کے بعد اس دسترخوان کو تنور سے نکالا تو صاف وسفید اور تمام میل کچیل سے صاف ہو گیا تھا ؎

قوم گفتند اے صحابیِ عزیز
چوں نسوزید و منقیٰ گشت نیز

یعنی قوم نے پوچھا کہ اے پیارے صحابی! کیا وجہ ہے؟ کہ یہ دسترخوان آگ میں نہیں جلا بلکہ صاف وسپید ہو گیا ؎

گفت زانکہ مصطفیٰ دست و دہاں
بس بمالید اندریں دستار خواں

یعنی حضرت انس نے فرمایا کہ اس کے نہ جلنے کی وجہ یہ ہے کہ اس دسترخواں میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اپنے دست مبارک و دہن شریف کو صاف فرمایا ہے' اس لئے احتراماً آگ اس کو نہیں جلاتی ہے بلکہ صاف وستھرا کر دیتی ہے۔

مولانا روم علیہ الرحمہ اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد انتہائی جوشِ محبت وجذبہ عقیدت کے ساتھ اپنے والہانہ انداز میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

اے دل ترسندہ از نار و عذاب — باچنیں دست و لبے کن اقتراب
چوں جمادے راچنیں تشریف داد — جانِ عاشق راچہا خواہد کشاد

یعنی اے جہنم کی آگ اور عذاب سے ڈرنے والے دل! تو بھی اس مقدس ہاتھ اور مبارک ہونٹ سے نزدیکی حاصل کر! ارے! جب ایک بے جان کپڑے کو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور لب مبارک کے قرب نے یہ شرف واعزاز بخش دیا تو اگر کوئی شخص عاشق رسول ہو جائے اور اس کا سینہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مدینہ بن جائے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ اس پر کیسے کیسے شرف واعزاز کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کی عزت وعظمت کا مقام کتنا بلند سے بلند تر ہو جائے گا؟

سبحان اللہ! آگ اس درجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مطیع وتابع فرمان ہے کہ جن کپڑوں کو سرکار دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اور منہ لگا دیا ان کپڑوں کو بھی احتراماً آگ نہیں جلاتی۔ برادرانِ اسلام! آگ پر مصطفائی تصرف کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے؟

خوف ناک آندھی

غزوۂ احزاب میں جب کفار کے لشکر جرار نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا تھا۔ ایک دن سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آج رات میں ایک ایسی خطرناک آندھی آئے گی کہ جو شخص کھڑا ہوگا۔ وہ اڑ جائے گا اور یہی آندھی ان کفار کے خیموں کو اکھاڑ پھینکے گی اور ان کے گھوڑوں کو آپس میں ٹکرا دے گی۔ چنانچہ فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق یہ ہلاکت خیز آندھی آئی جس نے لشکر کفار کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور سالار لشکر اس خوفناک آندھی کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلا۔ برادرانِ اسلام یہی وہ آندھی ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں رب العالمین نے اس طرح فرمایا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم پر بہت سے لشکر حملہ آور ہوئے تھے تو ہم نے ان کے اوپر ایک آندھی اور ایسے لشکروں کو بھیج دیا جنہیں تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور اللہ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

حدیث میں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس آندھی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔

یعنی پروائی ہوا میری مددگار بنائی گئی اور پچھمی ہوا سے قوم عاد ہلاک کی گئی۔

برادرانِ ملت! ابھی ابھی آپ نے سنا کہ مٹی' پانی' آگ' ہوا' سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرماں بردار ہیں۔ مٹی' پانی' آگ' ہوا۔ یہ اربعہ عناصر کہلاتے ہیں اور یہ مشہور بات ہے کہ تمام کائنات زمین و جمادات' نباتات' حیوانات سب کے سب انہیں چار عناصر سے بنے ہوئے ہیں جب یہ چاروں عناصر پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہیں اور چاروں پر تصرفاتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حکومت ہے تو ثابت ہو گیا کہ تمام کائنات شہنشاہِ مدینہ کی فرماں بردار ہیں اور سب پر باذن اللہ پیارے محبوب کا تصرف و اختیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ درخت آپ کے اشارے پر زمین چیرتے ہوئے چلے آئے اور حکم پاتے ہی پھر اپنی جگہ چلے گئے۔ اونٹوں نے' ہرنیوں نے' پرندوں نے آپ سے فریاد کی۔ پتھروں نے کلمہ پڑھا اور سلام کیا۔ پہاڑ اپنی پشت پر آپ کا قدم چوم کر مسرت سے جھوم اٹھا!

لکڑی کی تلوار

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ کو ایک خشک لکڑی دی اور اشارہ فرمادیا تو وہ چمکتی ہوئی برق بار تلوار بن گئی۔ حضرت عکاشہ عمر بھر تلوار سے جہاد کرتے رہے یہاں تک کہ صدیق اکبر کی خلافت میں مرتدین سے جہاد فرماتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اسی طرح غزوۂ احد میں عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کھجور کی شاخ ان کے ہاتھ میں دے دی جو فوراً تلوار بن گئی۔ یہ تلوار عبداللہ بن جحش کے پاس آخری دم تک رہی اور ان کی وفات کے بعد دو سو دینار میں فروخت ہوئی۔ (الکلام المبین)

ٹہنی کی ٹارچ

قتادہ بن نعمان اندھیری رات میں مسجد نبوی سے گھر جانے لگے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک درخت کی شاخ عطا فرمائی اور فرمایا کہ جاؤ یہ شاخ ایسی روشن ہو جائے گی کہ دس آدمی تمہارے آگے اور دس تمہارے پیچھے چلیں گے اور ساتھ ہی یہ غیب کی خبر دی کہ تم گھر میں پہنچو گے تو ایک کالی چیز نظر پڑے گی اسے مار کر نکال دینا۔ چنانچہ اُن کے گھر تک یہ شاخ ٹارچ کی طرح روشن رہی اور گھر میں ایک کالی چیز نظر آئی جس کو قتادہ نے مار کر پھینک دیا۔ (الکلام المبین)

حضرت ابو ہریرہ کی تھیلی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ السلام نے تھوڑے سے چھوہارے عطا

فرمائے اور حکم دیا کہ اس کو اپنی تھیلی میں رکھ لو اور جب تمہارا جی چاہے اس میں سے ہاتھ ڈال کر نکالو! خود کھاؤ! دوسروں کو کھلاؤ! مگر خبردار اس تھیلی کو کبھی جھاڑنا مت۔ یہ چھوہارے کبھی ختم نہ ہوں گے۔ سبحان اللہ! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم پا کر یہ چھوہارے ایسے بابرکت ہو گئے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیس برس تک ان چھوہاروں کو کھاتے اور کھلاتے رہے بلکہ کئی من اس میں سے خیرات بھی کر چکے مگر وہ ختم نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن وہ تھیلی کمر سے کٹ کر کہیں گر پڑی جس کا عمر بھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدمہ رہا اور وہ نہایت رقت انگیز اور درد بھرے لہجے میں یہ شعر پڑھتے پھرتے تھے

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَّلِیْ فِی الْیَوْمِ هَمَّان   فَقْدُ الْجِرَابِ وَقَتْلُ الشَّیْخِ عُثْمَان

یعنی سب کو تو آج ایک غم ہے مگر مجھے دو دو غم ہیں۔ ایک تھیلی گم ہونے کا' دوسرے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا۔

عزیزانِ محترم! یہ نورانی واقعات چمکتے ہوئے سورج کی طرح اعلان کر رہے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام کائنات رحمۃ للعالمین کو جانتی' پہچانتی اور مانتی ہے اور سب آپ کے فرمان پر قربان اور ان سب پر آپ کا تصرف علی الاعلان ہے اور ان ساری مخلوقات الٰہیہ میں خدا کی خدائی کے ساتھ ساتھ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مصطفائی کا بھی جلوہ نظر آ رہا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں نہ ہو کہ خدا رب العالمین ہے اور حضور رحمۃ للعالمین۔

ترکیب نحوی

حاضرین محترم! وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر عرض کر رہا تھا۔ اس آیت میں رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ترکیب نحوی کے اعتبار سے کیا واقع ہوا ہے؟ یہ ایک علمی اور اہم سوال ہے تو برادرانِ ملت! مفسرین کرام کے اس بارے میں دو قول زیادہ مشہور ہیں۔ اول یہ کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اَرْسَلْنَا فعل کا مفعول لہ ہے۔ دوم یہ کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ک ضمیر حاضر سے حال ہے۔ پہلی صورت میں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے محبوب! ہم نے آپ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے ہم سارے جہان پر رحمت کریں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ خدا کی ہر ایک رحمت کا سبب ہیں۔ زمین و آسمان کی تخلیق ساری کائنات کو خلعت وجود بخشنا' دنیا و آخرت کی تمام نعمتوں کو پیدا کرنا' انبیاء و مرسلین کو مراتب جلیلہ و معجزات کثیرہ عطا فرمانا' تمام کتب سماویہ کا نازل کرنا' اولیاءِ کاملین اور شہداء و صالحین کو عظیم المرتبت منازل پر فائز کرنا۔ یہ سب خدا کی رحمتیں ہیں مگر ان سب رحمتوں کا سبب حضور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات والا صفات ہی ہے۔ یہ آیتِ کریمہ جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کررہی ہے کہ اے قرآن پر ایمان لانے والو! اس نکتہ سے غافل مت رہنا کہ خدا کی ساری رحمتیں محبوبِ خدا ہی کی وجہ سے ہیں کیونکہ خداوند عالم نے آپ کو تمام رحمتوں کا سبب بتایا ہے اگر آپ نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی نہ آسمان ہوتا نہ سارا جہاں ہوتا جس کو جو نعمت ملی اور جہاں جہاں رحمت الٰہی کا ظہور ہوا۔ یقین رکھئے اور ایمان لائیے کہ یہ سب کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے طفیل میں ہے کیونکہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ ''اے محبوب'' ہم نے آپ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ کی وجہ سے ہم سارے جہان پر اپنی رحمت فرمائیں گے تو اس سے ثابت ہوا کہ ہر رحمت خداوندی کا دروازہ رسول ہی کا درِ پاک ہے۔ یہی وہ ایمان افروز مضمون ہے جس کی طرف اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے نہایت ہی لطیف اشارہ فرمایا ہے

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر !!
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

اہل علم اس مضمون کو یوں سمجھ سکتے ہیں کہ نحو پڑھنے والا مبتدی بچہ بھی اس مسئلہ کو جانتا ہے کہ مفعول لہ اور فعل معلل بہ کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے اور مفعول لہٗ فعل معلل بہ کا سبب ہوا کرتا ہے تو اس آیت میں جب رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اَرْسَلْنَا فعل کا مفعول لہ ٹھہرا تو اَرْسَلْنَا وَرَحْمَةً دونوں کا فاعل خداوند عالم ہی ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارسال اسی لئے ہوا کہ خداوند قدوس آپ کی وجہ سے سارے جہاں پر رحمت فرمائے۔

مقصود ذاتِ اوست دگر جملگی طفیل
مقصود نور اوست دگر جملگی ظلام

دوسرا قول یہ ہے کہ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کَ ضمیر حاضر سے حال واقع ہوا ہے۔ اب اس صورت میں آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محبوب ہم نے آپ کو اس حال میں بھیجا ہے کہ آپ تمام جہان کے لئے رحمت ہیں۔

برادرانِ ملت! ''رحمت'' مصدر ہے جب یہ کَ ضمیر حاضر سے حال واقع ہو تو یہ مصدر یقیناً اسم فاعل راحماً یعنی رحمت کرنے والے کے معنی میں ہوگا مگر بجائے راحماً کے رحمۃً مصدرٗ مبالغہ کے طور پر لایا گیا۔ اب اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام راحم یعنی سارے جہاں پر رحمت فرمانے والے ہیں اور سارا جہان آپ کا مرحوم یعنی آپ کی رحمت سے نوازا ہوا ہے۔

یاد رکھئے! کہ ہر مرحوم اپنے راحم کا محتاج ہوتا ہے۔ یعنی رحمت پانے والا رحمت عطا

کرنے والے کا محتاج ہوتا ہے۔ رحمت عطا کرنے والا، رحمت پانے والے کا محتاج نہیں ہوتا۔ آیت کریمہ نے صاف صاف بتا دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رحمت عطا فرمانے والے ہیں اور سارا جہان ان کی رحمت پانے والا ہے لہٰذا اس آیت کریمہ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ سارا عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا محتاج ہے اور آپ عالم میں سے کسی چیز کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ صرف خدا کے محتاج ہیں اور ساری خدائی آپ کی محتاج ہے۔ اسی مضمون کو عارف رومی نے اپنے عارفانہ انداز میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے ؎

زیں سبب فرمود حق صلوا علیہ ۔۔۔ کہ محمد بود محتاجٌ الیہ

یعنی خداوند عالم نے اسی وجہ سے سارے عالم کو دربار رسالت میں صلاۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے حکم فرمایا کہ سارا عالم شہنشاہ رسالت کا محتاج ہے۔

حاضرین کرام! اب غور کیجئے اور انصاف فرمائیے کہ قرآن تو محبوب خدا کو سارے عالم پر رحمت فرمانے والا اور سارے عالم کو ان کی رحمت کا محتاج بتا رہا ہے اور عارف رومی اعلان کر رہے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم میں سے کسی کے محتاج نہیں ہیں بلکہ مختار ہیں اور سارا عالم ان کا محتاج ہے مگر دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں کہیں یہ لکھتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں'' کہیں لکھتے ہیں کہ وہ مجبور ہیں' کہیں لکھتے ہیں کہ ان کا مرتبہ قوم کے چودھری اور گاؤں کے زمیندار جیسا ہے۔ (معاذ اللہ)

سامعین کرام! اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ قرآن کا فرمان اور عارف رومی کا اعلان عقیدۂ ایمان ہوگا یا صاحب تقویۃ الایمان کا ہذیان؟

بہرکیف اب جبکہ قرآن سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم پر رحمت فرمانے والے ہیں اور سارا عالم آپ کی رحمت کا محتاج ہے تو پھر یہ نکتہ ذہن میں رکھئے کہ قرآن کریم نے کوئی زمانہ معین نہیں کیا کہ فلاں وقت اور فلاں زمانے میں سارا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرحوم ومحتاج ہے اور فلاں وقت اور فلاں زمانے میں نہیں بلکہ قرآن نے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کو مطلق رکھا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جب سے عالم ہے اور جب تک رہے گا ہر زمانے اور ہر وقت میں سارا عالم آپ کا مرحوم ومحتاج ہے اور رہے گا اور یاد رکھئے کہ کوئی رحمت پانے والا اس وقت تک رحمت نہیں پا سکتا جب تک رحمت عطا کرنے والا موجود نہ ہو اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ سارا عالم ابھی تک موجود و باقی ہے اور رحمت پا رہا ہے تو ثابت ہو گیا کہ اس عالم کو رحمت عطا کرنے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی یقیناً موجود، زندہ اور باقی

ہیں۔اسی طرح اسی آیت سے حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اب بھی اپنی قبر شریف میں تمام لوازم حیات کے ساتھ موجود زندہ اور باقی ہیں۔

حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

برادرانِ اسلام! میں ایک مرتبہ بوستان کا مطالعہ کر رہا تھا کہ نعت میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر نظر سے گزرا۔

تو اصل وجود آمدی از نخست　　　　گر ہر چہ موجود شد فرع تست

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ وجود کی جڑ بن کر سب سے پہلے تشریف لائے اور دوسری تمام موجودات آپ کی شاخیں ہیں۔فوراً یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا کہ اس شعر میں جناب سعدی مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر روشنی ڈال رہے ہیں کیونکہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سارے عالم کی جڑ بتایا اور سارے عالم کو آپ کی شاخ فرمایا اور ایک بچہ بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جڑ پہلے موجود ہوتی ہے اور شاخیں بعد کو یہی وجہ ہے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند قدوس نے سب سے پہلے موجود فرمایا۔پھر جس طرح جڑ سے شاخیں نکلتی ہیں اسی طرح نور محمدی سے سارے جہان کو پیدا فرمایا اور یہ بات بھی ہر عاقل و نادان جانتا ہے کہ اگر کسی درخت کی جڑ کٹ جائے تو شاخیں فوراً مرجھا کر فنا ہو جاتی ہیں تو اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مردہ اور مٹی میں مل جانے والا مان لیا جائے تو گویا سارے عالم کی جڑ کٹ گئی۔پھر سارا عالم کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ لہٰذا عالم جب شاخ ہے تو اس کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ اس کی جڑ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی زندہ و موجود اور باقی رہیں تو گویا حضرت سعدی کے اس شعر کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہوئے تو سارا عالم موجود ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر موجود نہ رہیں تو سارا عالم بھی موجود نہیں رہے گا کیونکہ جڑ کے وجود سے شاخوں کا وجود ہے اور جڑ کے فنا ہونے سے شاخیں بھی فنا ہو جاتی ہیں۔اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا' وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہاں کی' جان ہے تو جہان ہے

برادرانِ اسلام! بہر حال حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسئلہ اہلسنت کا عقیدہ ہے اور تمام اہل حق کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تمام لوازم حیات کے ساتھ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی حیات جسمانی حیات ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کی طرف

سے رزق دیئے جاتے ہیں۔ اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں اور قسم قسم کی نعمتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں' دیکھتے سنتے ہیں۔ کلام فرماتے ہیں اور سلام کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں اپنی امتوں کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور طرح طرح کے تصرفات فرماتے ہیں اور فیوض و برکات پہنچاتے ہیں اور دنیا میں بہت سے خوش نصیبوں کو اپنی زیارت و دیدار سے مشرف بھی فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ فرماتے ہیں ۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے ۔۔۔ لیکن اتنی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات ۔۔۔ مثل سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا
جسم پر نور بھی روحانی ہے

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مبارک اجسام قبروں میں سلامت رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ جمعہ کے دن بکثرت درود شریف پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود شریف میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا درود شریف آپ کے سامنے کس طرح پیش کیا جائے گا۔ قبر میں تو آپ کا جسم شریف بکھر چکا ہوگا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ (مشکوٰۃ ص ۱۱۰) اور دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ (مشکوٰۃ ص ۱۱۱) یعنی تم یقین رکھو! کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرما دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسم کو کھائے کیونکہ اللہ کا نبی زندہ ہے اور اس کو روزی بھی ملتی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اَلْاَنْبِیَآءُ اَحْیَآءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ (تفریح الاذکیاء) یعنی انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہاں نمازیں پڑھتے ہیں۔

سبحان اللہ! کیسی کیسی کھلی ہوئی دلیلیں ہیں کہ وفات کے بعد تمام حضرات انبیاء بالخصوص حضور سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی جسمانی حیات کے ساتھ مع تمام لوازم حیات کے زندہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ ۔۔۔ مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

عالم ما کان وما یکون

برادران ملت! اب آپ اس مضمون پر سیر حاصل تقریر سن چکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے جہان کو رحمت عطا فرمانے والے ہیں اور سارا عالم آپ کی رحمت سے فیض یاب ہے اور

یہ بھی میں عرض کر چکا کہ سارا عالم ازل سے ابد تک مصطفائی رحمت سے فیض پاتا رہا ہے اور پاتا رہے گا۔ اب یہ نکتہ بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ رحمت فرمانے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جن پر رحمت فرماتا ہے ان کا علم بھی رکھتا ہو کیونکہ رحمت فرمانے والا جن چیزوں کو جانتا ہی نہیں ہوگا۔ ان پر رحمت کس طرح فرمائے گا؟ تو اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازل سے ابد تک ساری کائنات عالم اور تمام مخلوقاتِ الٰہیہ کو جانتے اور پہچانتے ہیں کیونکہ اگر وہ سارے جہان کو نہ جانیں تو پھر سارے جہان پر رحمت کس طرح فرمائیں گے؟ لہٰذا جب یہ ایمان ہے کہ آپ رحمۃ العالمین ہیں تو اس بات کا بھی یقین کرنا پڑے گا کہ آپ عالم العالمین بھی ہیں۔ یعنی آپ سارے عالم کو جانتے ہیں اور سب کو اپنی رحمت سے سرفراز فرماتے ہیں کیوں نہ ہو کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا۔ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا یعنی اے محبوب! اللہ نے آپ کو ان تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہے جن کو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا فضل آپ کے اوپر بہت ہی بڑا ہے۔

برادرانِ ملت! اب اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمۃ للعالمین تو تسلیم کرے اور عالم ما کان و ما یکون نہ مانے تو وہ ایسا ہی ہے کہ دھوپ اور دن کی روشنی کو تو تسلیم کرتا ہے مگر سورج کے وجود کا انکار کر رہا ہے۔

پڑھیے درود شریف: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ بہرکیف! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ قرآن مجید میں وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فرما کر یہ بتا دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کو اپنی رحمت کا فیض پہنچا رہے ہیں اور ہر دور اور ہر زمانے میں سارا عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا محتاج و مرہونِ منت ہے۔ عالم ملک ہو یا عالم ملکوت، عالم ملائکہ ہو یا عالم جن و انس، جمادات و نباتات کی دنیا ہو یا حیوانات کا عالم، غرض سارے عالم آپ کی رحمت سے فیض یاب ہوئے۔ اب آیئے! چند مثالیں بھی عرض کرتا چلوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت سے عالم کو کس کس طرح حصہ مل رہا ہے؟

حضرت جبرائیل پر رحمت

حضرت جبرائیل سردار ملائکہ ہیں مگر یہ بھی مصطفائی رحمت سے فیضیاب ہوئے۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا کہ اے جبرائیل آپ کو میری رحمت سے کیا خاص حصہ ملا؟ تو حضرت جبرائیل عرض کرنے لگے کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لے کر جاتا رہا اور تمام زندگی خدا کی بندگی کرتا رہا ہوں مگر میں شیطان کا انجام دیکھ کر اپنے خاتمہ کی طرف سے مطمئن نہیں تھا لیکن اے رحمتِ عالم! میں جب آپ کی خدمت میں وحی لانے لگا تو ربِ کریم نے میرے بارے میں یہ فرمایا کہ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ۔

یعنی جبرائیل دربارالٰہی میں صاحب مرتبہ ہیں۔ مقتداء ہیں امین ہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد مجھے اپنے خاتمہ بالخیر کا یقین ہوگیا آپ کی رحمتوں میں سے مجھے جو یہ رحمت عطا کی گئی یہ سب رحمتوں اور نعمتوں سے میرے نزدیک بڑھ کر ہے۔

مومنین پر رحمت

برادرانِ ملت! مومنین پر تو مصطفائی رحمت کا کیا کہنا؟ قرآن مجید نے فرمایا۔

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ یعنی آپ مومنین پر انتہائی مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اہل ایمان کی ذرا سی تکلیف رحمۃ للعالمین کو بے چین و بے قرار کردیتی ہیں۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ گواہ ہے کہ امت پر ذرا سی مشقت بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے ناقابل برداشت۔ آخرت میں نہایت ہی بلند درجات جو اہل ایمان کو عطا ہوئے۔ یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب رحمۃ للعالمین ہی کا صدقہ ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ امت سب امتوں سے کمزور، عمریں کوتاہ، اعمال کم، پھر بھی کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ کا شرف اور خَیْرُ الامم کا خطاب ملا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی رحمت کا صدقہ ہے اور آخرت کے بارے میں تو کیا پوچھنا؟ روایت ہے کہ جس وقت قیامت میں سب اگلی امتیں اور اگلے انبیاء کے ساتھ ساتھ دو دو نور ہوں گے مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت مومنہ کا گزر ہوگا تو اس شان سے کہ ہر مومن کے آگے آگے دو دو نور چل رہے ہوں گے۔ قرآن مجید فرماتا ہے نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔ یعنی اس امت کے مومنین کے آگے اور دائیں دو دو نور دوڑتے ہوں گے۔ سب سے پہلے یہی امت دیدارالٰہی سے مشرف ہوگی۔ سب سے پہلے یہی امت جنت میں داخل ہوگی اور ملائکہ ان کا استقبال فرماتے ہوئے تحفہ مبارکباد پیش کریں گے۔

اللہ اکبر! رحمت عالم کی رحمت پر قربان جاؤں۔ ان کی رحمت کا کیا کہنا۔

ٹوپی جن کے نہ جوتی جن کے ۔ تاج و براق دلاتے یہ ہیں!

کفار پر رحمت

حضرات! ملائکہ و مومنین ہی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت محدود نہیں۔ کفار بھی آپ کی رحمت سے محروم نہیں رہے۔ کون نہیں جانتا کہ اگلی امتوں پر ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے دنیا ہی میں عذاب آ جاتا تھا اور وہ بالکل برباد کر دی جاتی تھیں۔ قوم عاد کو ہوا اڑا لے گئی۔ قومِ ثمود زلزلہ سے برباد کر دی گئی۔ قومِ لوط کی بستیاں الٹ پلٹ کر دی گئیں۔ قومِ نوح طوفان میں غرق کر دی گئی۔ بنی اسرائیل کے مجرمین خنزیر و بندر بنا کر ہلاک کر دیے گئے۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ (انبیاء)

یعنی بہت سی وہ بستیاں جن کے باشندے ظالم تھے ہم نے انہیں کچل کر چور چور کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کو ان کی جگہ پیدا کر دیا۔

مگر اے برادرانِ ملت! آؤ اور رحمۃ للعالمین کی رحمت کا جلوہ دیکھو! کفار مکہ نے کیسے کیسے ظلم کے پہاڑ توڑے، شرک و بت پرستی کرتے رہے۔ اللہ و رسول پر غلط اور گندی تہمتیں لگاتے رہے اور ایسے ایسے ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان کا مظاہرہ کیا کہ زمین ان کی بداعمالیوں سے لرزہ براندام ہو گئی مگر ان گناہوں اور جرموں کے باوجود نہ ان پر آسمان سے پتھر برسائے گئے، نہ ان کی بستیاں الٹ پلٹ کی گئیں، نہ ان کی صورتیں مسخ ہوئیں بلکہ حد ہو گئی کہ کفار مکہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر قرآن حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے مگر پھر بھی رحمۃ للعالمین کی رحمت نے ان کافروں کو بچا لیا اور خداوند عالم نے اعلان فرما دیا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ یعنی چونکہ یہ کفار رحمۃ للعالمین کے زیر سایہ رہتے بستے ہیں۔ اس لئے اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا۔

نجدی اس نے تجھ کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے
کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی

غلاموں پر رحمت

حضرات! اچھی اچھی باتیں کرنی اور دل فریب مضامین لکھ دینا اور بہتر سے بہتر قانون بنا دینا۔ یہ تو بہت آسان ہے مگر ان پر عمل کر کے دنیا کو دکھا دینا یہ بڑا مشکل ہے لیکن رحمۃ للعالمین کی سیرت مقدسہ کا یہ بڑا ہی نادر و نایاب اور انتہائی روشن و تابناک پہلو ہے کہ آپ نے مجمع عام

میں جس بات کا حکم دیا۔ اس پر نہ صرف بازار و میدان ہی ہیں بلکہ اپنے مکان کی بند کوٹھڑی میں بھی عمل کر کے دکھایا۔ حضرات! کون نہیں جانتا کہ عرب بلکہ ساری دنیا میں لونڈی غلاموں کو جانوروں سے بھی کمتر اور بدتر سمجھا جاتا تھا مگر آؤ! آؤ! رحمۃ للعالمین کی تعلیم رحمت پر ایک نظر ڈالو! آپ فرماتے ہیں کہ اے لوگو! یہ تمہارے لونڈی غلام تمہارے بھائی ہی ہیں جن کو خدا نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے۔ لہٰذا خبردار! تم ان کے حقوق کا خیال رکھو! جو تم خود کھاتے ہو اسی میں سے انہیں بھی کھلاؤ! اور جو لباس تم خود پہنتے ہو اسی قسم کا لباس انہیں بھی پہناؤ اور ان سے کسی ایسے کام کی فرمائش نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہو! اور اگر تم ایسے مشکل کاموں کی فرمائش کرو تو خود بھی ان کی مدد میں لگ جاؤ اور ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری ج ا ص ۹)

زید بن حارثہ

حضرات! زید بن حارثہ کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے۔ برسہا برس سے ان کے والد ان کے فراق میں رویا کرتے تھے اور تلاش کرتے پھرتے تھے۔ آخر مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی۔ باپ بیٹے ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر خوب روئے مہربان باپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا کہ آپ میرے نورِ نظر زید کو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ جتنی قیمت طلب کریں میں ادا کرنے کو تیار ہوں۔ رحمتِ عالم نے فرمایا کہ مجھے قیمت کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بخوشی زید کو اختیار دیتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو تم اس کو اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو مگر جب زید کے والد نے اپنے ساتھ لے جانا چاہا تو زید نے رحمت عالم کے جمالِ نبوت کو ایک نظر دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسنِ اخلاق اور نیک سلوک کی پرانی یادیں دل میں چٹکیاں لینے لگیں اور زبانِ حال سے عرض کرنے لگے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا
تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے ٹکڑا تیرا

زید نے اپنے باپ سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اپنے اس رحیم و کریم آقا کی غلامی پر ہزاروں آزادیوں کو قربان کرتا ہوں اور اے میرے شفیق باپ! میں کسی حال میں بھی اپنے اس آقا کی چوکھٹ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حارثہ نے اپنے بیٹے زید کی اس والہانہ محبت رسول پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ لختِ جگر!

مجھ سے نہ پوچھو میرا حال' سن میرا حال کچھ نہیں
تیری خوشی میں خوش ہوں میں تجھ سے سوال کچھ نہیں

جب حارثہ چلے گئے تو رحمۃ للعالمین نے زید کو آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا اور آخری دم تک اپنے اس فرزند معنوی کو ایسا نوازا کہ ان کے بیٹے اسامہ کو جو غلام زادے تھے اور اپنے نواسے حسنین کو جو امام زادے تھے۔ دونوں کو اپنے دوش نبوت پر بٹھا کر مجمع عام میں تشریف لاتے تھے۔ شفیق جونپوری مرحوم نے انوکھے تاریخی واقعہ کو دو شعروں میں اس طرح سمویا ہے۔

جس جگہ تذکرۂ فخر انام آتا ہے
جلی حرفوں میں اسامہ کا بھی نام آتا ہے
ایک کاندھے پہ ہے لخت جگر شیر خدا
دوسرے کاندھے پہ فرزند غلام آتا ہے

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے غلاموں پر رحمۃ للعالمین کی رحمت ایک کندھے پر غلام زادے اور دوسرے کندھے پر امام زادے کو بٹھا کر اپنی امت کو یہ تعلیم فرما رہے ہیں کہ دنیا والو دیکھ لو! رحمۃ للعالمین کی نگاہِ رحمت میں غلام کا بیٹا اور نبی کا بیٹا دونوں برابر ہیں۔

عورتوں اور بچوں پر رحمت

برادرانِ اسلام! عرب بلکہ ساری دنیا میں عورتیں اس قدر بے وقعت تھیں کہ سماج میں ان کا کوئی مقام ہی نہیں تھا اور بے گناہ بچیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم رحمت سے ایسا انقلاب عظیم پیدا فرمایا کہ دنیا کی ٹھکرائی ہوئی عورت مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہو گئی اور اس کے حقوق قیامت تک کے لئے قائم و محفوظ ہو گئے اور زندہ درگور کی جانے والی بچیاں ساری دنیا کی نگاہ محبت و شفقت کا مرکز بن گئیں۔ اللہ۔ اللہ۔ عورتوں اور بچوں پر رحمت کا یہ عالم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ بسا اوقات میں نماز شروع کرتا ہوں اور یہ ارادہ کرتا ہوں کہ نماز لمبی پڑھاؤں گا مگر کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کانوں میں آجاتی ہے تو میں نماز کو مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ بچے کے رونے اور اس کی ماں کی بے چینی پر جو نماز میں شامل ہے مجھے رحم آجاتا ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۸۸)

بوڑھوں اور کمزوروں پر رحمت

بوڑھوں اور کمزوروں پر رحمت کا یہ عالم ہے کہ فرماتے ہیں۔

لَوْ لَا ضَعْفُ الضَّعِیفِ وَسَقَمُ السَّقِیمِ لَاَخَّرْتُ الْعَتَمَةَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ ۔ یعنی اگر بوڑھوں کے بڑھاپے اور بیماروں کی بیماری کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز تہائی رات تک موخر کر دیتا۔

اسی طرح جب اسلامی لشکروں کو روانہ فرماتے تو نہایت سختی کے ساتھ یہ ہدایت فرماتے کہ خبردار! گرجاؤں اور عبادت خانوں کے راہبوں اور بوڑھوں' عورتوں اور بچوں کو کبھی ہرگز ہرگز قتل مت کرنا اور جنگی سپاہیوں کو قتل کے بعد ان کے ہونٹ ناک' کان' وغیرہ مت کاٹنا اور ضعیفوں' کمزوروں' بیماروں کے ساتھ نہایت ہی رحم و کرم کا برتاؤ کرنا۔

جانوروں اور درختوں پر رحمت

میرے بزرگو اور بھائیو! رحمتِ عالم نے صرف انسانوں ہی پر رحم کا حکم نہیں فرمایا بلکہ جانوروں اور درختوں پر بھی آپ اس قدر مہربان تھے کہ اپنی امت کو جانوروں اور درختوں پر بھی رحمت کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ''خبردار! بے زبان جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادو! اور نہ بلا ضرورت انہیں مارو! اور اگر مارنے ہی کی ضرورت پڑ جائے تو ہرگز ہرگز جانوروں کے چہروں پر نہ مارو! اور ان جانوروں کے گھاس' چارہ اور دانہ' پانی میں ہرگز کمی و کوتاہی نہ کرو۔ کسی جانور کو بھوکا پیاسا ذبح مت کرو اور نہ کند چھری سے ذبح کرو' بلکہ ہر طرح ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ اور درختوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ بلا ضرورت ہرے بھرے درختوں خصوصاً پھل والے درختوں کو ہرگز ہرگز مت کاٹو اور ان درختوں کو بھی مت کاٹو جو سر راہ ہیں اور مسافر جن کے نیچے سایہ حاصل کرتے ہیں۔

تعلیم رحمت

برادرانِ ملت! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا کہاں تک شمار کیا جائے۔ اب ایک حدیث سن لیجئے جس سے آپ کو رحمۃ للعالمین کی تعلیم رحمت کا جلوہ نظر آ جائے گا۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ یعنی۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اور ایک حدیث میں تو یہاں تک ارشاد فرمایا کہ ''لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ'' (مشکوٰۃ ص ۴۱۲) یعنی جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا اللہ اس پر رحم نہیں فرمائے گا؟

اسلام وسیع مذہب ہے

برادرانِ اسلام! قربان جایئے کہ ہمارا خدا رب العالمین ہے اور ہمارے رسول رحمۃ للعالمین سبحان اللہ! اسلام کا دامن کتنا وسیع ہے؟ ارے سوچو تو سہی! کہ جس دین کا خدا رب العالمین اور جس دین کے رسول رحمۃ للعالمین ہوں وہ دین کتنا وسیع ہوگا اور کیونکر نہ وہ دین ساری خدائی کا دین ہوگا؟ کہاں ہیں وہ لوگ؟ جو کہا کرتے ہیں کہ اسلام بہت ہی تنگ نظر مذہب ہے' للہ انصاف! ارے جس دین نے رسول کا تعارف ان لفظوں میں کرایا کہ وہ سارے عالم کے لئے رحمت ہیں کیا وہ دین تنگ نظر ہو سکتا ہے۔ اسلام خدا کو رب المسلمین ہی نہیں مانتا بلکہ اسلام خدا کو رب العالمین مانتا ہے یعنی مسلمان اس خدا کی پرستش کرتا ہے جو صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ مسلم' غیر مسلم ایشیائی' امریکی' آسٹریلین' افریقی بلکہ جمادات' نباتات' حیوانات بلکہ تمام عالم اور سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ اسی طرح اسلام اپنے رسول کو صرف رحمۃ للمومنین ہی نہیں مانتا' بلکہ رحمۃ للعالمین مانتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی رسول کی رحمت صرف مومنین ہی تک محدود نہیں بلکہ ان کی رحمت مسلم' غیر مسلم' انسان' جن ملائکہ زمین آسمان بلکہ ساری دنیا اور تمام جہان پر ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے؟ نہیں! بلکہ اگر دنیا انصاف کی نظروں سے دیکھے تو اسلام کے سوا کوئی دین ایسا ہو ہی نہیں سکتا جو نہ صرف ساری انسانیت بلکہ تمام کائنات عالم کا دین ہو سکے۔ اسی لئے قرآن مجید نے فرمادیا کہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامِ یعنی دین تو خدا کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے۔

حرفِ آخر

بہر کیف! برادرانِ اسلام! آپ اچھی طرح سمجھ چکے کہ ہمارے رسول سارے جہان کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے اور تمام عالم کو اپنی رحمت کی دولتوں سے مالا مال فرمادیا اور اپنی انمول تعلیم رحمت کے ساتھ ساتھ رحمت عامہ کے بے شمار عملی نمونے بھی دنیا کے سامنے پیش فرما دیئے۔ لہٰذا اے برادرانِ اسلام! تم اس بات کو کبھی نہ بھولو کہ تم رحمۃ للعالمین کے دامن رحمت سے وابستہ ہو' لہٰذا تم پر لازم ہے کہ تم اپنے رسول کے دامن رحمت کی لاج رکھو! اور ہر دم ہر قدم پر خدا کی مخلوق کے لئے اپنے دلوں میں رحم و کرم کا جذبہ رکھو! اور خود بھی اپنے عمل سے دنیا کو بتا دو کہ ہم رحمۃ للعالمین کے غلام ہیں اور دنیا والوں کے سامنے رحم و کرم کے ایسے ایسے نمونے پیش کرو کہ تمہارے دشمنوں کے سینوں میں پتھروں سے زیادہ سخت دل بھی تمہاری

رحمتوں کو دیکھ کر موم سے زیادہ نرم بن جائیں۔

برادرانِ اسلام! کبھی تم نے سوچا کہ تمہارے رسول تو غریبوں، مفلسوں، یتیموں، بیواؤں، پڑوسیوں یہاں تک کہ چرندوں اور پرندوں پر بھی سراپا رحمت تھے مگر آج تمہارا عمل و کردار کیا ہے؟ سچ کہنا! کیا جب تم اپنے دسترخوانوں پر عمدہ عمدہ اور نفیس ولذیذ غذائیں کھانے کے لئے بیٹھتے ہو تو کیا تمہیں امتِ رسول کے ان بھوکے غریبوں یتیموں اور بیواؤں کی یاد آتی ہے جنہیں کئی کئی دنوں سے خشک روٹی کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ملا ہے؟

ایمان والو! ایمان سے کہنا جب تم دسمبر اور جنوری کی کڑکڑاتی ہوئی سردیوں میں اپنے نرم نرم گدوں اور گرم گرم لحافوں میں سکھ اور چین کی نیند سوتے ہو تو کیا تمہیں اس وقت اپنی ملت کی وہ غریب بیوائیں بھی یاد آتی ہیں؟ جو اپنے پھونس کے جھونپڑوں میں صرف ایک پھٹی پرانی چادر میں لپٹ کر پاؤں سکوڑے ساری رات جاگ کر بسر کر دیتی ہیں۔

اے اولاد والو! تمہیں تمہاری پیاری اولاد کا واسطہ! سچ سچ بتاؤ! جب تم عید کے دن اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر اچھے اچھے کپڑے پہنا کر ان کی انگلی پکڑے ہوئے خوش خوش عیدگاہ کو جاتے ہو! تو کیا تمہیں امتِ رسول کے وہ یتیم بھی یاد آتے ہیں جن کے ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے اور وہ اپنے میلے کچیلے کپڑوں میں حسرت سے سب کا منہ تک رہا ہے اور دل ہی دل میں کڑھ رہا ہے کہ کاش آج میرا بھی باپ زندہ ہوتا تو وہ بھی آج مجھے اسی طرح انگلی پکڑے عیدگاہ لے جاتا مگر ہائے کوئی نہیں! جو مجھ یتیم کی خبر گیری کرے!

آہ! برادرانِ اسلام! افسوس! ہم نے اپنے رسول رحمۃ للعالمین کے اسوۂ حسنہ کو چھوڑ دیا۔ ان کے مقدس راستے سے دور ہو گئے۔ ہمارے دلوں سے ایمانی رحمت اور اسلامی اخوت فنا ہو گئی۔ آج نہ ہمیں غریبوں کی پرواہ ہے نہ بیواؤں اور یتیموں کا خیال ہے۔ نہ بھوکے پڑوسیوں کا غم ہے پھر ہم بھلا کس منہ سے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم رحمۃ للعالمین کے فرمانبردار امتی ہیں۔

للہ! اے برادرانِ اسلام! بہت سو چکے اب جاگو! اور اٹھو اور اپنے دلوں کی دنیا میں ایمانی انقلاب پیدا کرو اور رحمۃ للعالمین کی سچی اطاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین اور حیات کا شعار بناؤ اور رحم و کرم، الفت و محبت، مہربانی واخوت کے چراغوں سے اندھیری دنیا کو روشن کرو اور ساری دنیا کو رحمۃ للعالمین کا یہ پیغام سنادو۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تیسرا وعظ

سیّدالمُرسلین

صَلَّی اللہُ تعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمۡ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ خالق الارض والسماء والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والہ الشرفاء واصحابہ النجباہ وعلیٰ من اتبعھم بالاحسان الی یوم الجزاء اَمَّا بَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (سورۂ اعراف)

بزرگانِ ملت! و برادرانِ اسلام! سورۂ اعراف کی ایک آیت کریمہ میں نے آپ بزرگوں اور بھائیوں کے سامنے تلاوت کی ہے۔

معزز حاضرین! یوں تو قرآن مجید کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی صاحبِ ایمان اس کا ایمانی نظروں اور محبت کی نگاہوں سے مطالعہ کرے تو اس کو ایسا محسوس ہوگا کہ قرآن کی ہر ہر آیت حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثناء کا ایک خوش رنگ وخوش نما پھول ہے اور پورا قرآن مجید گویا نعت پاک کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین وجمیل گلدستہ ہے۔ ہر آیت میں رحمۃ للعالمین کی ثناء وصفت کی تجلیاں نئے نئے رنگ میں جلوہ گر ہیں' لیکن سورۂ اعراف کی یہ آیت کریمہ جو میں نے ابھی ابھی تلاوت کی ہے۔ اس میں خداوند قدوس نے نعتِ رسول کے ایسے دس ستارے روشن فرما دیئے ہیں کہ جن کی چمک دمک سے مومنین کی دنیائے ایمان میں اجالا ہو جاتا ہے مگر برادرانِ ملت! میں نے پہلے ہی عرض کر دیا کہ جو شخص ایمانی نظر اور محبت رسول کی نگاہ سے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا۔ اسی کو قرآن مجید کی ہر ہر آیت میں مدح رسول کے جلوے نظر آئیں گے۔ بھائیو! بات یہ ہے کہ سب کے سر میں آنکھیں ہیں اور سب کی آنکھوں میں نظر بھی ہے مگر نظر نظر میں بڑا فرق ہے۔ محبت کی نظر اور ہے اور عداوت کی نظر اور

ہے جناب سعدی فرماتے ہیں ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے ست
گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

یعنی عداوت کی نظر سے اگر تم کسی کے ہنر کو دیکھو گے تو وہ ہنر تمہیں بہت بڑا عیب نظر آئے گا۔ دیکھو! سعدی پھول ہے مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا نظر آتا ہے کیونکہ وہ محبت کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ عداوت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

بزرگانِ ملت! دیکھئے قرآن ایک ہی ہے مگر رب العالمین کا فرمان ہے کہ یُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا یعنی اسی قرآن سے بہت لوگ گمراہ ہوں گے اور بہت سے لوگ ہدایت پائیں گے۔ دیکھئے ایک ہی قرآن کچھ لوگوں کے لئے گمراہی کا نشان اور کچھ لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے یہ کیوں؟ اسی لئے کہ کچھ لوگ اس قرآن کو عداوت کی نظر سے دیکھیں گے اور کچھ لوگ نگاہ محبت سے اس کا مطالعہ کریں گے۔ اسی طرح حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ایک ہی تو تھا مگر عبداللہ بن سلام نے زندگی میں پہلی مرتبہ جمالِ نبوت کا نظارہ کیا تو عمر بھر فرماتے رہے کہ وَاللهِ لَقَدْ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ ٥ یعنی خدا کی قسم! میں نے ایک ہی نظر میں جان لیا' پہچان لیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رُخِ انور کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے اور ابوجہل نے ہزاروں مرتبہ اسی چہرہ پرنور کا دیدار کیا۔ دن میں دیکھا' رات میں دیکھا' تنہائی میں دیکھا' مجمع میں دیکھا' بار بار دیکھا' ہزاروں بار دیکھا' مگر افسوس!

مریض کفر پر لعنت خدا کی؟
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

یہ کیوں؟ اس لئے اور صرف اسی لئے کہ عبداللہ بن سلام نے محبت کی نگاہوں سے جمالِ محمدی کا نظارہ کیا اور ابوجہل نے عداوت کی نظروں سے جمالِ رسول دیکھا۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ محبت کی نظر اور ہے عداوت کی نظر اور

لہٰذا جو شخص محبت رسول کی نظر سے قرآن کریم کا مطالعہ کرے گا۔ اس کو یقیناً ہر ہر آیت میں رحمۃ للعالمین کی مدح و ثناء کے جگمگاتے ہوئے جلوے نظر آئیں گے اور جو بدنصیب عداوت رسول کی عینک لگا کر قرآن پڑھیں گے۔ وہ آیاتِ قرآنیہ میں نعت رسول کے ایمان افروز نظاروں سے محروم ہی رہیں گے کہ ؎

نظریں بدل گئیں تو نظارہ بدل گیا

ایک بدعقیدہ کٹھ ملا

برادرانِ اسلام! چند سال پہلے دہلی وغیرہ کی اکثر مساجد میں ترجمۃ القرآن کا رواج پڑ گیا تھا اور ہر بدھو خیرا چند آدمیوں کو لے کر قرآن مجید کا ترجمہ سنایا کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک بدعقیدہ کٹھ ملا سورۃ فاتحہ کا ترجمہ سنانے لگا اور پہلی ہی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا ترجمہ اس طرح سنایا کہ "تمامی تعریف اللہ ہی کے لئے خاص ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے ترجمہ تو ٹھیک ہی کیا مگر جب تفسیر شروع کی تو بڑی گرج دار آواز میں داڑھی کھجلا کھجلا کر اس طرح چہکنے لگا کہ "دیکھو بھائیو! پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ تعریف تو بس صرف خدا ہی کی ہے۔ اللہ صاحب کے سوا کوئی تعریف کے لائق ہی نہیں' بس اللہ صاحب کے سوا کسی کی تعریف کرنی ہی نہیں چاہئے کوئی کتنا ہی بزرگ کتنا ہی بڑا ہو ولی' ہو نبی ہو وہ تعریف کے لائق ہی نہیں۔ نہ اس کی تعریف کرنی چاہئے۔ بدعتی لوگ کبھی پیغمبر صاحب کی تعریف کرتے ہیں' کبھی غوث پاک کی تعریف کرتے ہیں مگر تم لوگ اے بھائیو! دیکھ لو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ قرآن میں ہے کہ سوا اللہ صاحب کے کوئی تعریف کے قابل ہی نہیں ہے۔ تعریف تو بس اللہ صاحب کی ہے' اس لئے اللہ صاحب کے علاوہ کسی کی تعریف مت کرو! ورنہ شرک ہو جائے گا۔ مسلمان بھائیو! شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ شرک سے بچو! ڈرو! سر پر پیر رکھ کر بھاگو! ایک غریب سنی بھی اس مجلس میں پہنچ گیا تھا' وہ اس بے سر پیر کی بے تکی باتوں کو سنتے سنتے پک گیا تھا جب کٹھ ملا کی تفسیر ختم ہوگئی تو سنی نے بھرے مجمع میں سوال کیا کہ مولوی صاحب! ہمارے نبی کا کیا نام ہے؟ کٹھ ملا ڈانٹ کر بولا کہ تم بالکل ہی جاہل ہو' اتنا بھی نہیں جانتے کہ نبی صاحب کا نام "محمد" ہے۔ سنی نے کہا کہ اچھا یہ بتا دیجئے کہ "محمد" کے کیا معنی ہیں؟ کٹھ ملا ذرا ہکلا کر بولا کہ محمد کے معنی بہت زیادہ تعریف کیا ہوا" سنی نے کہا کہ جناب آپ نے تو ابھی ابھی اتنا زور مارا کہ اللہ صاحب کے سوا کسی کی تعریف ہی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے تو خود ہی اپنے محبوب کا نام "محمد" رکھا جس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کے محبوب بہت زیادہ تعریف کئے ہوئے ہیں یعنی زمین و آسمان والے' فرش و عرش والے ساری خدائی اور خود خدا ان کی تعریف کر چکا اور کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعریف کرنا شرک ہے۔ کٹھ ملا سنی کی پکڑ میں آ چکا تھا۔ تفسیر بیان کرتے وقت تو منہ سے تھوک کی پھوار جھڑتی تھی' مگر اب تھوک گلے میں خشک ہو چکا تھا۔ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا اور لاجواب ہو کر بھاگ نکلا۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے یہ کٹھ ملا قرآن پڑھتا تھا مگر محبتِ رسول کی نگاہ سے محروم تھا' اس لئے اس کو قرآن میں رسولِ پاک کی تعریف ہی نہیں ملی اور یہ سنی گو کم علم تھا مگر اس کی آنکھوں میں محبتِ رسول کی نظر تھی تو اس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک ہی میں نعت پاک کے ہزاروں جلوے نظر آ گئے' اس لئے میں نے عرض کیا کہ محبت کی نظر اور ہے عداوت کی نظر اور۔

افسوس! یہ کٹھ ملا اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ اگر کوئی شخص میری اس چھڑی کی تعریف کرے کہ بہت سبک' نہایت ہی حسین' بہت ہی خوبصورت ہے تو عزیزو! میری چھڑی کی جس قدر بھی تعریف کی جائے گی۔ درحقیقت یہ چھڑی بنانے والے ہی کی تعریف ہوگی کیونکہ اسی نے اس چھڑی کو اتنی خوبصورت اور حسین بنایا ہے تو اسی طرح ہم حضور آقائے نامدار' احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر بھی تعریف کریں۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے کیونکہ اسی خلاقِ ذوالجلال نے اس نبی جمال کو پیدا فرمایا اور اسی نے اپنے محبوب کے حسن و جمال اور ہر کمال میں بے مثال بنایا'' لہٰذا جس قدر بھی رحمۃ للعالمین کی تعریف کی جائے گی۔ وہ درحقیقت رب العالمین ہی کی تعریف ہوگی ؎

یادِ محمد یادِ خدا ہے
کس کی شان گھٹاتے یہ ہیں

بہرکیف برادرانِ ملت! میں نے عرض کیا کہ سورۂ اعراف کی اس ایک آیت میں خداوند قدوس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دس اوصافِ جمیلہ و فضائل جلیلہ کا بیان فرمایا ہے۔ پہلے آپ اس آیت کریمہ کا ترجمہ سنئے۔ پھر میں انشاء اللہ تعالیٰ ان دس صفتوں کی تشریح اور ان کا مفصل بیان بھی عرض کر دوں گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

یعنی وہ لوگ جو غلامی کریں گے اس رسول کی جو غیب کی خبریں دینے والے امی ہیں جس کو لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت و انجیل میں وہ رسول انہیں بھلائی کا حکم دے گا اور برائی سے منع کرے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا تو وہ جو اس پر ایمان لائیں۔

اَلنُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

برادرانِ ملت! یہ پوری آیت مبارکہ کا بامحاورہ و سلیس ترجمہ تھا جو آپ سن چکے۔ اب غور فرمائیے کہ آیت پاک کا پہلا ٹکڑا یعنی اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ۔ یہاں تک تین صفتوں کا ذکر ہے۔ رسول، نبی، امی۔

رسول

برادرانِ ملت! رسول کے کیا معنی ہیں؟ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول کے معنی قاصد اور پیغام لے جانے والا مگر یاد رکھئے کہ یہ رسول کے لغوی معنی ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں رسول اس برگزیدہ اور منتخب خدا کے پیغام بر کا نام ہے جو خدا کی طرف سے نئی کتاب و شریعت کے ساتھ ہدایت کے لئے دنیا میں مبعوث کیا جاتا ہے۔

عزیزانِ ملت! مرتبہ رسالت وہ باعظمت و بلند مقام ہے کہ انسانیت کے لئے اس سے بلند و بالا مقام ممکن ہی نہیں۔ قرآن مجید میں رب العالمین ارشاد فرماتا ہے۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۔ (سورۂ حج)

یعنی اللہ تعالیٰ ملائکہ اور انسانوں میں سے رسولوں کو چن لیتا ہے۔ بے شک اللہ بہت زیادہ سننے والا بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول وہی ہوتا ہے جس کو اللہ عالم الغیب والشہادہ تمام فرشتوں یا تمام انسانوں میں سے چن کر منصبِ رسالت کے لئے انتخاب فرمالیتا ہے۔ دوسری جگہ قرآنِ کریم میں یوں ارشاد فرمایا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ یعنی منصب رسالت کے قابل کون ہے؟ اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ حاضرین محترم! ان دونوں آیتوں کے مضمون سے پتا چلا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق تمام ملائکہ یا تمام انسانوں میں سے ان ہستیوں کو جو منصب رسالت کے قابل ہیں۔ چن چن کر اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمالیتا ہے۔

برادرانِ ملت! اب آپ سوچئے کہ کسی شخص کو کسی منصب کے لئے چن لینے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ دیکھئے؟ ہم اپنی لڑکیوں کے لئے داماد چنتے ہیں، ہم اپنے لڑکوں کے لئے دلہن چنتے ہیں، ہم اپنے تجارتی فرم کے لئے منیجر چن کر منتخب کرتے ہیں۔ آپ بتائیے! اس چن لینے کا کیا

مطلب ہوتا ہے؟ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم اپنی طاقت بھر اپنے علم کے مطابق سو دو سو لڑکوں یا لڑکیوں یا تجارتی ماہروں کو اچھی طرح دیکھ بھال کر' چھان بین کر' پوری تحقیقات کے بعد چنتے اور منتخب کرتے ہیں اور چنتے وقت پوری پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے داماد یا ہماری بہو یا ہمارے مینجر میں کمال ہی کمال ہو۔ ذرہ برابر بھی کوئی عیب نہ ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ چونکہ ہماری نظر محدود' ہمارا علم کوتاہ' ہمارا ماحول مختصر ہے' اس لئے ہمارا چنا ہوا گو ساری دنیا سے اچھا تو نہیں ہوتا مگر پھر بھی وہ سو دو سو سے تو اعلیٰ و افضل اور اچھا ہی ہوتا ہے لیکن سوچئے تو سہی کہ اللہ تعالیٰ جو خلاق عالم ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے جو ساری دنیا کا سمیع و بصیر' جو سارے جہان کا علیم و خبیر ہے' جب وہ اپنے علم و قدرت و ارادہ کے مطابق کسی کو چنے گا' پھر دس' بیس' ہزار' دو ہزار میں سے نہیں بلکہ تمام انسانوں میں سے جس کو چنے گا' پھر کسی معمولی عہدے کے لئے نہیں بلکہ عہدۂ نبوت و رسالت اور اپنی خلافت و نیابت کے لئے جس برگزیدہ و معظم شخص کو چنے گا وہ شخص کتنا بلند درجہ اور کس قدر عظیم المرتبت اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کا با کمال بلکہ سراپا کمال شخص ہوگا اور لہٰذا سمجھ لو! کہ ایک رسول کا مرتبہ کتنا بلند و بالا اور کس قدر عظمت والا ہوگا اور یہ بھی یقین کر لو! کہ رسول جب خدا کا برگزیدہ اور چنا ہوا ہوتا ہے تو رسول یقیناً وہی شخص ہوگا جو تمام نقائص و عیوب سے پاک ہو اور اس میں کمال ہی کمال ہو کیونکہ رسول جب خدا کا برگزیدہ اور چنا ہوا شخص ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ بے عیب خدا اپنی خلافت و نیابت کے لئے ہرگز ہرگز کسی عیب دار شخص کو نہیں چن سکتا۔ سبحان اللہ! یہ تو عام رسولوں کی شان ہے مگر خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ان چنے ہوئے رسولوں میں سے پھر جس کو چاہتا ہے۔ خاص طور پر سے چن لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ تمام ملائکہ اور تمام انسانوں میں سے تو اللہ تعالیٰ رسولوں کی مکرم و معظم ہستیوں کا انتخاب فرماتا ہے۔ پھر اپنے ان چنے ہوئے رسولوں میں سے بھی اس نے چن کر ایک خاص رسول کو منتخب فرما لیا ہے۔

برادرانِ ملت! ان چنے ہوئے عظیم المرتبت رسولوں کی جماعت میں سے منتخب خاص رسول کون ہے؟ تو آپ یقین کیجئے کہ وہ رسول اعظم و خلیفۃ اللہ الاکرم وہی رسول مکرم ہیں جنہیں اس آیت میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِىَّ یاد رکھئے! کہ الرسول پر ''الف لام'' عہد خارجی کا ہے یعنی اس رسول سے ایک خاص الخاص رسول مراد ہیں اور وہ وہی رسول ہیں جو سب رسولوں میں سے خاص طور پر چنے ہوئے رسول ہیں۔ یعنی گلشن رسالت کے سب سے حسین پھول' جناب رسول مقبول' ہادی السبل' سید الرسل' خاتم

النبیین، رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

برادرانِ ملت! اب غور کیجئے اور سوچئے! کہ بے شمار ملائکہ اور لاتعداد انسانوں میں سے کچھ بے عیب و باکمال ہستیوں کو خداوند قدوس نے اپنی رسالت و نیابت کے لئے چنا۔ پھر ان چنے ہوئے رسولوں میں سے اس نے اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاص طور پر چن لیا تو پھر سردار انبیاء محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاہ و جلال، ان کے فضل و کمال، ان کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا اور ان کے مراتب جلیلہ و فضائل جمیلہ کی شان بے مثال کی کیا انتہاء ہوگی۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی	سب سے بالا و والا ہمارا نبی
خلق سے اولیاء، اولیاء سے رسل	اور رسولوں سے اعلیٰ ہمارا نبی
سارے اچھوں میں اچھا سمجھئے جسے	ہے اس اچھے سے اچھا ہمارا نبی
جس کو شایاں ہے عرش خدا پر جلوس	ہے وہ سلطان والا ہمارا نبی
ملک کونین میں انبیاء تاجدار	تاجداروں کا آقا ہمارا نبی

پڑھئے درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

بزرگانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو خداوند عالم نے ارشاد فرمایا

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔

یعنی یہ رسولوں کی جماعت ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے چنانچہ ان میں سے کچھ ایسے بھی رسول ہیں جن سے خداوند قدوس نے کلام فرمایا اور کچھ تو ایسے عظیم الشان ہیں کہ رب العزت نے ان کے بے شمار درجات بلند فرما دیئے ہیں۔

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں وہ رسول جن سے خداوند عالم نے کلام فرمایا۔ وہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور وہ رسول جن کے درجات عالیہ بے شمار ہیں وہ محبوب کردگار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

برادرانِ اسلام! خداوند قدوس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے شرف ہم کلامی کی معراج سے سرفراز فرمایا اور اپنے حبیب صاحب لولاک سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی

معراج دَنَا فَتَدَلّٰی میں فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی کے انداز خطاب کے ساتھ اپنے شرف کلام سے نواز کر سلطنت عزت واکرام کا تاجدار بنایا مگر آیئے معراج موسوی و معراج محمد اور کلام موسوی و کلام محمدی کا فرق دیکھئے اور کلیم اللہ و حبیب اللہ کے تفاوت درجات کی منزل کا نظارہ کیجئے۔

معراج موسوی

بزرگانِ ملت! حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معراج ہم کلامی کا مقام کوہ طور ہے جو زمین پر ہے اور معراج محمدی کی منزل بالائے عرش ہے جو آسمانوں کے اوپر ہے گویا ان دونوں معراجوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند قدوس نے حکم فرمایا کہ وہ خود چل کر کوہ طور پر تشریف لائیں اور چالیس دن روزہ رکھیں اور چالیس راتوں میں عبادت کریں چنانچہ جب چلہ پورا ہو گیا تو خداوند عالم نے ان کو اپنے شرف ہم کلامی سے نواز کر اپنی ایک تجلی کا جلوہ دکھا دیا' چنانچہ رب العزت جل جلالہ خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَلَمَّا جَاءَ مُوْسٰی لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۔

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر آ گئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے پروردگار تو مجھے اپنا دیدار عطا فرما میں تجھ کو دیکھوں گا۔

خداوند ذوالجلال نے جواب میں فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام تمہاری آنکھوں میں ہمارے جمال و جلال باکمال کے دیکھنے کی تاب و طاقت نہیں ہے۔ اس لئے تم ہرگز ہرگز ہمارا دیدار نہیں کر سکتے مگر پھر بھی حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے پیغمبر اولوالعزم کا دل نہیں توڑا اور ارشاد فرمایا کہ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آپ پہاڑ کی طرف نظر جمایئے' اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تقریباً آپ کو ہمارا دیدار حاصل ہو جائے گا لیکن پھر کیا ہوا؟ اس کو قرآن ہی کی زبان سے سنئے فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا یعنی جب رب تبارک وتعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی تو پہاڑ اس تجلی کی تاب نہ لا کر چور چور ہو کر زمین پر بکھر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایسی والہانہ کیفیت طاری ہو گئی کہ وہ دنیائے ہوش وخرد سے بے نیاز ہو کر اور اپنے کیف و حال میں مستغرق ہو کر کھڑے نہ رہ سکے اور زمین پر لیٹ گئے' پھر جب

کیفیت استغراق میں افاقہ ہوا تو کیا بولے۔ قرآن فرماتا ہے۔

فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (اعراف)

یعنی عرض کیا کہ اے اللہ! تو پاک ہے اور میں اب کبھی بھی تیرے دیدار کا سوال کرنے سے تیرے دربار میں توبہ کرتا ہوں۔

معراج محمدی

برادرانِ ملت! یہ تھی کلامِ موسوی و معراجِ کلیم کی ایک جھلک جو آپ نے ملاحظہ کیا؟ اچھا اب آیئے اور کلامِ محمدی و معراجِ حبیب کا بھی ایک جلوہ دیکھئے اور یہ شعر وردِ زبان کیجئے۔

ہیں کلیم طور موسیٰ ہے شرف یہ بھی ! مگر
دم میں سیر لامکان معراج اسریٰ اور ہے

اللہ اکبر! مہمان عرشِ عظیم خود سے نہیں جاتے بلکہ رب العرش مکین سدرۃ المنتہیٰ کو بھیج کر انہیں بلاتا ہے اور بے شمار اعزاز و اکرام کے ساتھ اپنی بارگاہِ قدس میں مہمان بنا کر اپنے قربِ خاص میں مقرب بارگاہ بنا کر شرف ہم کلامی سے مشرف فرماتا ہے اور اپنے دیدار کی دولت سے مالا مال فرماتا ہے۔ سبحان اللہ! کلامِ حبیب کی منظر کشی قرآن سے پوچھو۔ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی یعنی محبوبِ خدا بارگاہِ کبریا' میں اس قدر قریب سے قریب تر ہوئے کہ دو کمانوں کا فرق رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے اور دیدار کا یہ عالم ہے کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی ○ کہ نہ نگاہ جھپکی' نہ نظر بھٹکی اور خدا کی آیات کبریٰ کا دیدار و نظارہ فرمالیا۔ حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو جمال
تو عین ذات می نگری در تبسمی

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف جمال الٰہی کی ایک تجلی دیکھی' ایک لائٹ اور روشنی ہی دیکھی تھی مگر وہ دنیائے ہوش و خرد سے اس طرح بے نیاز ہو کر کیفیت دیدار میں غرق ہو گئے کہ

میں کس کی لوں خبر؟ مجھے اپنی خبر نہیں !

لیکن اے پیارے حبیب! آپ نے صرف تجلی اور روشنی ہی نہیں دیکھی بلکہ آپ نے تو

عین ذاتِ الٰہی کا اپنے سر کی آنکھوں سے دیدار فرمایا مگر نہ آپ کی آنکھ جھپکی نہ نظر بہکی' نہ کیفیت سے مغلوب ہوئے بلکہ پورے ہوش و حواس کی درستگی کے ساتھ لذت دیدار سے لطف اندوز ہو کر مسکراتے ہی رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی نظر

برادرانِ اسلام! لیکن یاد رکھئے کہ گو موسیٰ علیہ السلام نے صرف تجلی الٰہی کا مشاہدہ فرمایا مگر پھر بھی اس دیدار تجلی سے ان کی آنکھوں کو کس قدر نورانی کمال حاصل ہوا؟ یہ سننے کے قابل ہے۔ شفاء قاضی عیاض میں ایک حدیث ہے کہ

كَانَ يُبْصِرُ النَّمْلَةَ السَّوْدَآءَ فِي اللَّيْلَةِ الظَّلْمَاءِ مِنْ عَشَرَةِ فَرَاسِخَ ۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بصارت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ وہ کالی چیونٹی کو اندھیری رات میں تیس میل کی دوری سے دیکھ لیا کرتے تھے۔

اللہ اکبر! جس آنکھ نے صرف نور الٰہی کی تجلی دیکھی جب اس آنکھ کی نورانیت و بصارت کا یہ عالم ہے کہ اس کو ایک کالی چیونٹی گھٹا ٹوپ اندھیری رات میں تیس میل کی دوری سے نظر آ جائے تو پھر اس آنکھ کی نورانیت و بصارت کا کیا عالم ہو گا؟ جس نے خدا کی عین ذات کو دیکھا اور اس طرح دیکھا کہ "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" نہ نگاہ کج ہوئی نہ نظر بہکی۔

برادرانِ ملت! حق تو یہ ہے کہ جس آنکھ سے خدا نہیں چھپا۔ اس آنکھ سے خدا کی خدائی کب چھپ سکتی ہے؟ اس لئے سبز گنبد کے مکین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اگر عرش و فرش' مکان ولامکان' سارے عالم' تمام جہان کو بیک وقت اپنی نگاہوں سے دیکھ لیں تو اس میں کونسا تعجب کا مقام ہے؟

برادرانِ ملت! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کا مسئلہ آج گاؤں گاؤں میں اس پر سر پھٹول ہو رہی ہے اور ہر بدھو' خیراتی اور کٹھ ملے' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے انکار کا گلا پھاڑ پھاڑ کر اعلان کرتے پھرتے ہیں مگر ان کج فہموں کو کون سمجھائے کہ بھائی! غیب کے کیا معنی ہیں؟ غیب کے معنی چھپا ہوا ہر چھپی ہوئی چیز غیب ہے اور آپ جانتے ہیں کہ سب سے وہ چھپی ہوئی چیز کیا ہے؟ اجی سب سے زیادہ چھپی ہوئی چیز خدا کی ذات ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام خدا کی ذات کو غیب الغیب کہتے ہیں یعنی وہ تمام چھپی ہوئی چیزوں میں سب سے زیادہ چھپا ہوا ہے اور ایسا چھپا ہوا ہے کہ بڑے بڑے ارباب بصیرت بھی اس کے ادراک و

دیدار سے محروم ومجبور ہی رہے۔ایک مرتبہ کسی شاعر نے خداوند قدوس کی شکایت کرتے ہوئے لکھ مارا کہ ؎

تیرے چھپنے سے پڑے دیر و حرم کے جھگڑے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہوجائے

شاعر صاحب! جھوم جھوم کر یہ شعر گنگنا رہے تھے اور خداوند قدوس کی شکایت کر رہے تھے کہ خداوندا! تیرے چھپنے ہی کی وجہ سے یہ مسجد و مندر کے جھگڑے کھڑے ہوگئے اگر تو پردہ اٹھا کر اپنا جمال دکھا دے تو مسجد کا ملا اور مندر کا پجاری دونوں تیرے ہی آگے سر بسجود ہوجائیں اور مسجد و مندر کا جھگڑا ہی ختم ہوجائے۔کسی صاحب حال صوفی نے سنا تو اس کو جلال آ گیا کہ اے بےادب وال کے ''بودم'' چپ! کیا بکتا ہے؟ ؎

یہی بہتر ہے کہ پردہ میں وہ روپوش رہے
وہ اگر پردہ اٹھا دے تو کسے ہوش رہے

ارے خدا کی ذات غیب الغیب ہے،وہ سب چھپے ہوؤں میں سب سے بڑھ کر چھپا ہے۔ ؎

اسے کون دیکھ سکتا !وہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا

مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس کی ذات غیب الغیب ہے اور سب کی آنکھیں اس کے دیدار پرانوار سے عاجز ولاچار ہیں مگر سبحان اللہ! محبوبِ خدا کی آنکھ وہ بے مثل و بے مثال آنکھ ہے کہ اس آنکھ سے غیب الغیب یعنی خدا بھی پوشیدہ نہ رہا تو جس آنکھ سے غیب الغیب پنہاں نہ رہا۔ برادرانِ ملت! اس آنکھ سے خدائی بھر کا کونسا ایسا غیب ہے جو پوشیدہ رہ سکتا ہے۔اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ

یعنی خدا ہر غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا لیکن اپنے پسندیدہ رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فَوَضَعَ کَفَّهُ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔

یعنی شب معراج میں اللہ عزوجل نے اپنا دست کرم میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی' پھر ہر چیز میرے لئے روشن ہوگئی اور میں نے پہچان بھی لیا۔

ایک حدیث میں بھی وارد ہوا کہ

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰی لِیَ الْاَرْضَ فَرَاَیْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَهَا۔

یعنی اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے زمین کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔

ایک دیوبندی طالب علم

حضرات! مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہر امتی اور ہر جنتی و دوزخی کا علم رکھتے ہیں اور سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔ رات میں تقریر ہوئی اور صبح کو دیوبندیوں میں ایک ہل چل مچ گئی۔ یاروں نے ایک منچلے طالب علم کو سکھا پڑھا کر میرے پاس بھیج دیا۔ طالب علم نے آتے ہی نہایت بے باکی کے ساتھ مجھ سے سوال کیا کہ آپ نے رات میں یہ کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر دوزخی و جنتی کو پہچانتے ہیں تو کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں؟ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہندوستان کے تمام بھنگیوں کا علم تھا؟ اس بے ادبانہ سوال پر میری رگوں میں ایمانی خون کھولنے لگا اور میں نے کہا کہ تم اس سوال کو اس طرح بھی پوچھ سکتے تھے کہ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہندوستان کے تمام سیدوں کا علم تھا؟ مگر خواہ مخواہ تمہارا دماغ سنڈاس ہی میں کیوں پہنچ گیا؟ اور تمہیں بھنگی ہی کی فکر کیوں پڑ گئی۔ طالب علم نے شرمندہ ہوکر کہا کہ بہرحال میرا سوال یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر جنتی و دوزخی کو پہچانتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا صاحبزادے! تم پڑھتے کیا ہو؟ کہنے لگا۔ مشکوٰۃ شریف وغیرہ میں نے کہا واہ واہ! جب تو یار تم قریب المولوی ہو۔ میں نے فوراً مشکوٰۃ شریف منگائی اور باب الایمان بالقدر کی فصل ثانی میں تیسری حدیث نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا کہ یہاں سے پڑھو! حدیث یہ تھی کہ

کتنے جنتی' کتنے دوزخی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور آپ کے دونوں

ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ؟ یہ دونوں کتابیں کونسی ہیں؟ حاضرین صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر حضور کے بتائے ہم کچھ بھی نہیں بتا سکتے۔

فَقَالَ لِلَّذِیْ فِیْ یَدِهِ الْیُمْنٰی هٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْهِ اَسْمَآءُ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَسْمَآءُ اٰبَآئِهِمْ وَقَبَآئِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِهِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْهِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ یہ رب العالمین کی طرف سے آئی ہوئی ایک کتاب ہے جس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں اور آخر میں میزانی کل اور پوری فہرست کا ٹوٹل بھی لکھا ہوا ہے لہٰذا اب اس میں نہ کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی۔

ثُمَّ قَالَ لِلَّذِیْ فِیْ شِمَالِهٖ هٰذَا کِتَابٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ فِیْهِ اَسْمَآءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَآءُ اٰبَآئِهِمْ وَقَبَآئِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلَ عَلٰی اٰخِرِهِمْ فَلَا یُزَادُ فِیْهِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْهُمْ اَبَدًا۔

یعنی پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے لئے فرمایا کہ یہ رب العالمین کی جانب سے آئی ہوئی ایک کتاب ہے جس میں تمام دوزخیوں کے نام اور ان کے باپوں اور ان کے قبیلوں کا نام لکھا ہوا ہے اور آخر میں سب ناموں کی میزان کل اور پوری تعداد کا ٹوٹل بھی تحریر ہے لہٰذا اب اس میں لکھے ہوئے ناموں سے کم یا زیادہ ایک شخص بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

طالب علم نے جب پوری حدیث پڑھ لی تو میں نے کہا کہ تم نے دیکھا؟ تمام جنتیوں اور جہنمیوں کی فہرست مع ان کی ولدیت اور خاندان کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کا علم ہے۔ بہر حال اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو ہر جنتی اور ہر دوزخی کا علم ہے۔ میری یہ تقریر سن کر طالب علم حیران رہ گیا اور کہنے لگا کہ حضور ہم نے یہ حدیث پڑھی مگر ہمارے اساتذہ نے اس حدیث کی ایسی توضیح نہیں کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسی وسیع علم کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں کیا۔ میں نے جواب دیا کہ میاں! یہ کونسی نئی بات ہے؟ قرآن مجید میں کتنی جگہ تم نے پڑھا کہ وَیَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی علمائے یہود نبی آخر الزمان کی ان نشانیوں کو جو توریت میں ستاروں کی طرح جگمگا رہی تھیں اپنی قوم سے ہمیشہ چھپاتے

رہے۔اسی طرح آج بھی جن بدنصیبوں کے دلوں میں عظمت مصطفیٰ کا چراغ گل ہو چکا ہے۔ وہ فضائل رسول کی آیتوں اور حدیثوں کو کہاں بیان کرتے ہیں؟ مگر یاد رکھو!

کیسے چھپیں انوارِ رسول
چاند پہ کس نے ڈالی دھول

دشمنانِ رسول فضائل وکمالات نبوت پر لاکھ پردہ ڈالیں۔ ہزار بار ان کی شان گھٹائیں مگر زمین وآسمان زبان حال سے بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ اے اہل ایمان! تم دشمنان رسول سے کہہ دو! کہ تم ہرگز ہرگز نبی مکرم و رسول معظم کی شان نہیں گھٹا سکتے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب فرمایا۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
مِٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا؟

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العزت نے الرسول فرما کر یہ اعلان فرما دیا کہ میرا حبیب تمام رسولوں میں ایک خاص الخاص رسول ہے جس کو تمام رسولوں میں سے چن کر خداوند عالم نے بھیجا ہے۔ پھر اس رسول کی عظمت شان کا بیان کس زبان میں طاقت ہے کہ ذکر کر سکے۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

پڑھئے درود شریف! اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

نبی

برادرانِ ملت! آگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ "الرسول" کی طرح "النبی" پر بھی "الف لام" عہد خارجی لاکر مولیٰ عزوجل نے اعلان فرما دیا کہ پیارے حبیب خاص الخاص رسول بھی ہیں اور خاص الخاص نبی بھی ہیں۔ یعنی جس طرح ان کی رسالت بے نظیر ہے۔ اس طرح ان کی نبوت بھی بے مثال ہے۔

"النبی" اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری صفت ہے لیکن بہت سے

لوگ نبی کے معنی بھی نہیں جانتے۔ لہٰذا آیئے میں آپ کو اس مجلس میں ''نبی'' کے لغوی واصطلاحی معنی بھی بتا دوں تا کہ آپ کو مرتبہ نبوت کی عظمت و جلالت کا کچھ حال معلوم ہو جائے۔ دیکھئے اصطلاح شریعت میں ''نبی'' وہ برگزیدہ ہستی ہے جس کو خداوند عالم نے اپنی جانب سے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا ہے کہ یہ لفظ یا تو نبو سے مشتق ہے یا نباء سے۔ نبو سے مشتق مانیں اور فعیل کو اسم فاعل کے معنی میں لیں تو نبی کا ترجمہ ہوا۔ ''بلند مرتبہ والا اور اگر ہم اسم مفعول کے معنی میں لیں تو نبی کا ترجمہ یہ ہوا کہ ''بلند مرتبہ دیا ہوا'' سبحان اللہ لفظ نبی کے مفہوم ہی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ نبی وہی شخص ہوتا ہے جو خود بھی بلند مرتبہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی بلند مراتب عطا فرماتا ہے۔ پھر اللہ اکبر وہ خاص الخاص نبی جو سب نبیوں کا بھی نبی ہے اور سب رسولوں کا بھی رسول جو سید الانبیاء بھی ہے اور امام الرسل بھی۔ بھلا وہ کتنے بڑے بڑے مراتب والا ہوگا اور وہ دوسروں کو کیسے درجات عطا فرمانے والا ہوگا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

ہے شاہوں کو بھی وجہ نیک نامی
شہ خوباں ترے در کی غلامی

برادرانِ ملت! دربار رسول سے غلامان سرکار کو کیسے کیسے بلند رتبے ملے۔ سرکار دو جہاں نے اپنی شمع نبوت کے پروانوں کو دین و دنیا کی کیسی کیسی نعمتوں سربلندیوں اور کتنی بڑی بڑی دولتوں سے مالا مال فرما دیا۔ اس کا کچھ اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے تاریخ صحابہ کا مطالعہ کیا ہے۔

جنتی بلال

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حبشی غلام تھے نہ کوئی عزت تھی نہ وقار۔ مکہ کی گلیوں میں ذلیل وخوار پھرتے تھے۔ مگر جب غلامی رسول کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر مسلمان بن گئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس قدر نوازا کہ بڑے بڑے مراتب و درجات ان کے قدموں کی ٹھوکر پر قربان ہونے لگے۔ ایک دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَالِیْ یَا بِلَالُ قَدْ وَجَدْتُ خَشْخَشَتَکَ اَمَامِیْ فِی الْجَنَّۃِ

یعنی کیا معاملہ ہے اے بلال! کہ میں جب جنت کی سیر کو گیا تو میں نے تیرے قدموں کی آہٹ اپنے آگے آگے پائی۔

یعنی جس طرح چوب دار خادم بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہیں۔ اے بلال! میں نے دیکھا کہ تو جنت میں خادم و چوبدار کی حیثیت سے میرے آگے آگے چل رہا ہے۔ بلال عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تو میرا کوئی خاص عمل نہیں ہے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت تحیۃ الوضو ضرور پڑھ لیتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ اے بلال! یہ تمہارے اسی عمل کی برکت ہے۔ سبحان اللہ! بلال جیسے ایک حبشی غلام کو اتنا بلند مرتبہ مل گیا جو جبرائیل و میکائیل علیہما السلام کو بھی نہیں دیا گیا کہ وہ جنت الفردوس میں حضور سلطان کونین کے چوبدار بن کر آگے آگے چل رہے ہیں۔ یہ صرف غلامی رسول ہی کا صدقہ ہے اور در پاک مصطفیٰ ہی کا عطیہ ہے ورنہ کہاں بلال اور کہاں جنت الفردوس میں سلطان کونین کی چوبداری کا اعزاز؟ حضرت بلال اسی نوازش رسول ہی کی بدولت اتنے معظم و مکرم ہو گئے کہ بڑے بڑے صحابہ اور مہاجرین و انصار سیدنا بلال کہا کرتے تھے اور جب بلال مدینہ کی گلیوں میں چلتے پھرتے تھے تو وہ اکابر صحابہ جن کی آنکھوں میں نور بصارت کے ساتھ ساتھ نور بصیرت بھی تھا۔ بلال کا چہرہ دیکھ کر زبان حال سے پکار اٹھتے تھے ؎

بدر اچھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے بلال اچھا ہے

کسی شاعر نے ایک مرتبہ بلال بن عبداللہ رئیس کی مدح میں یہ کہہ دیا کہ

بِلَالُ بْـــنُ عَبْـــدِ اللّٰهِ خَيْـــرُ بِلَالٍ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ مصرع سن کر آپے سے باہر ہو گئے اور انتہائی جلال میں فرمایا کہ کَذَبْتَ يَاعَدُوَّ اللّٰهِ یعنی اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے

بَلَالُ رَسُـــوْلِ اللّٰهِ خَيْـــرُ بِلَالٍ

یعنی بلال بن عبداللہ سب سے اچھا بلال نہیں ہے بلکہ خدا کی اس زمین پر اور خدا کے اس آسمان کے نیچے سب سے اچھا بلال رسول اللہ کا بلال ہے۔

حضرات!

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ حضرت بلال کو مسجد نبوی کے موذن ہونے کا اعزاز حاصل تھا مگر چونکہ یہ حبشی تھے اس لئے عربی حروف کو صحیح مخارج سے کما حقہ ادا نہیں کر سکتے تھے ''ح'' کی جگہ ''ہ'' ادا کرتے تھے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

آں بلال صدق در بانگ نماز   حی راہی ھی خواند از نیاز

یعنی حضرت بلال اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ کی جگہ ھَیَ عَلَی الصَّلٰوۃ کہتے تھے

تا بگفتند اے پیمبر نیست راست
ایں خطا اکنوں کہ آغاز بنا است

صحابہ نے عرض کیا کہ اے پیغمبر! یہ ٹھیک بات نہیں ہے کہ ابھی اسلام کی ابتداء ہے۔ ایسے وقت میں اتنی غلط اذان دینے والا موذن مناسب نہیں ہے۔

اے نبی واے رسول کردگار
یک موذن کہ بود افصح بیار

اے نبی اور اے خدا کے رسول! ایک ایسا موذن مقرر فرمائیے جو بہت زیادہ فصیح ہوتا کہ اس کی اذان میں بہت زیادہ کشش ہو۔

خشم پیغمبر بجوشید و بگفت　　یک دو رمزے از عنایاتِ نہفت

کاے خساں! نزد خدا ھـــــــی بلال
بہتر از صد حـــــی و حـــــی و قیل وقال

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا غیظ وغضب جوش میں آ گیا اور انتہائی غصہ میں اپنی عنایات خاص سے دو ایک راز کی بات فرما کر یہ فرما دیا کہ اے کم ہمتو! تمہیں کیا خبر کہ بلال کا ھَیَ عَلَی الصَّلٰوۃ تمہارے سینکڑوں حی حی اور قیل وقال سے خدا کے نزدیک بہتر ہے اور زندگی بھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو موذن ہونے کے اعزاز پر برقرار رکھا۔ سبحان اللہ! رسول کے در پاک سے کونسی وہ نعمت ہے جو نہیں ملتی؟ سچ ہے۔ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار سے دونوں جہان کی نعمتیں اور دولتیں ملتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

لا ورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا　　بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

ہم بھکاری وہ کریم انکا خدا ان سے فزوں　　اور "نا" کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

برادرانِ ملت! دربار رسول کے عطیات کا ذکر آ گیا ہے تو آئیے! اس کے اور بھی چند

نمونے ملاحظہ فرمالیجئے! کہ در کریم سے غلاموں کو کیسی کیسی نعمتیں عطا ہوئیں!

سراپا شفاخانہ

حنظلہ بن حزیم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دریائے رحمت جوش میں تھا۔ سرکار دو جہاں نے اپنا دست مبارک ان کے سر پر رکھ دیا اور دعائے برکت فرمادی۔ اب حنظلہ کا یہ حال تھا کہ آدمی ہو یا جانور کسی کو پھوڑا ہو یا ورم حضرت حنظلہ صرف اپنا سر اس مریض کے جسم پر لگا دیتے تھے اور مریض کو فی الفور شفا حاصل ہو جاتی تھی۔ (الکلام المبین)

سو برس کا جوان

عمرو بن ثعلبہ جہنی مقام سیالہ میں مسلمان ہوئے۔ یہ بڑے بہادر اور جان نثار شخص تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر پیار آ گیا اور ان کے سر اور داڑھی پر اپنا دست مبارک پھیر دیا۔ عمرو بن ثعلبہ سو برس کی عمر پا کر دنیا سے گئے مگر ان کے سر یا داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا اور آخری دم تک شباب قائم رہا۔ (الکلام المبین)

جوان بڑھیا

اسی طرح زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چہرے پر ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی چھڑک دیا۔ اس کی برکت سے عمر بھر جوانی کی رونق ان کے چہرے پر برقرار رہی۔ نہایت ہی ضعیفہ ہو چکی تھی مگر چہرے پر جوانی کا جمال بدستور رہا۔ (الکلام المبین)

سو بچوں کا باپ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مال و اولاد کی دعا فرمادی تو ان کا باغ سال میں دو مرتبہ پھلتا تھا اور کثرت اولاد کا یہ عالم تھا کہ خود حضرت انس فرماتے ہیں کہ میری اولاد کا شمار ایک سو سے زائد ہے۔ (الکلام المبین)

قتادہ کی آنکھ

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ جنگ احد میں لڑتے تھے۔ اچانک ان کی آنکھ میں ایک تیر لگا اور آنکھ بہہ کر رخسار پر آ گئی۔ سرکار دو عالم نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھ کو حلقہ چشم میں رکھ دیا اور دست مبارک پھیر دیا۔ وہ آنکھ بالکل اچھی ہو گئی بلکہ دوسری آنکھ سے

بھی زیادہ خوبصورت اور روشن رہی۔ (الکلام المبین)

برادرانِ ملت! مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ جب قتادہ بن نعمان کے پوتے عاصم بن عمر بن قتادہ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دربار میں پہنچے اور امیر المومنین نے ان کا حسب و نسب دریافت فرمایا تو آپ نے تڑپ کر فخریہ لہجے میں اپنے تعارف کے لئے یہ دو شعر پڑھ دیئے۔

اَنَا ابْنُ الَّذِیْ سَالَتْ عَلَی الْخَدِّ عَیْنُہٗ　　فَرُدَّتْ بِکَفِّ الْمُصْطَفٰی اَیَّمَا رَدِّ

فَعَادَتْ کَمَا کَانَتْ لِاَوَّلِ اَمْرِھَا　　فَیَا حُسْنَ مَا عَیْنٍ وَّ یَا حُسْنَ مَارَدِّ

یعنی میں اس شخص کا فرزند ہوں کہ جس کی آنکھ (جنگ اُحد میں) بہہ کر رخسار پر چلی آئی تھی تو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو اس کی جگہ پر واپس لوٹا دیا تو وہ آنکھ پہلے ہی جیسی ہوگئی تو واہ رے! اس آنکھ کا حسن اور واہ رے! حضور کا آنکھ کو لوٹا دینا۔" امیر المومنین یہ سن کر بے حد متاثر ہوئے اور عاصم بن عمر بن قتادہ کا بہت زیادہ اعزاز و اکرام کیا۔ (الکلام المبین)

الغرض! بلند مرتبہ والے نبی نے اپنے غلاموں کو ایسے ایسے بلند مراتب عطا فرما دیئے کہ عقل انسانی حیران ہے۔ ہر صاحب مراد کی مراد پوری فرما دی' کسی کو جنت بخش دی۔ کسی کو جہنم سے نجات کا پروانہ عطا فرما دیا۔ کسی کو رضائے الٰہی کا تمغہ عنایت فرمایا۔ کسی کو مال و اولاد کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ کسی کو عزت دارین کا تاج پہنا دیا' کسی کو صدیق بنا دیا۔ کسی کو فاروق بنا دیا' کسی کو غنی کر دیا' کسی کو مشکل کشائی کا منصب بخش دیا مگر بھائی صحیح ڈھنگ سے مانگنے والا چاہئے۔ سچ ہے ؎

در رسول سے اے راز کیا نہیں ملتا
کوئی پلٹ کے نہ خالی گیا مدینے سے

برادرانِ ملت! میں عرض کر چکا کہ نبی میں ایک قول تو یہ ہے کہ یہ نبو سے مشتق ہے۔ یہ آپ سن چکے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لفظ "نبی" نباء" سے مشتق ہے۔ اس بناء پر نبی کا ترجمہ ہوا "خبر دینے والا خبر دیا ہوا" اب سوال یہ ہے کہ نبی کن چیزوں کی خبر دیتا ہے کیا نبی اپنے زمانے میں ہونے والے واقعات کی خبریں دیتا ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ یہ تو نامہ نگاروں اور خبر رساں ایجنسیوں کا کام ہے۔ ایسی خبروں کے لئے نبی کی کیا ضرورت ہے؟ اچھا تو کیا نبی اس بات کی خبر دیتا ہے؟ کہ شکر میٹھی ہے اور مرچ کڑوی ہے۔ عطر خوشبودار ہے اور کول تار بدبودار' کوا کالا ہے اور بگلا سفید ڈھول کی آواز بھدی ہے اور سارنگی کی آواز سریلی' لوہا سخت ہے اور موم نرم'

آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی ہرگز نہیں ان چیزوں کی خبر دینا یہ نبی کا کام نہیں' کیونکہ ان چیزوں کو تو ہم اپنے پانچوں حواس' زبان' ناک' آنکھ' کان' ہاتھ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ ان خبروں کے لئے نبی کی کیا ضرورت ہے؟ اچھا تو کیا نبی اس بات کی خبر دینے آتا ہے؟ کہ دو اور دو مل کر چار ہوتے ہیں۔ ہرگز نہیں! کیونکہ اتنی بات تو ہم اپنی بداہت عقل سے جان سکتے ہیں۔ پتا چلا کہ نبی ایسی باتوں کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں جن کو نہ تو ہم اپنے حواس سے جان سکتے ہیں نہ وہاں عقل کی رسائی ہو سکتی ہے' اسی لئے صاحب مدارک التنزیل نے فرمایا کہ وَالنَّبِیُّ مِنَ النَّبَاِ لِاَنَّہٗ یُخْبِرُ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی ''یعنی نبی' نباء'' سے مشتق ہے اور نبی کو اسی لئے نبی کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں خبر دیتا ہے جو غیب الغیب ہے جہاں نہ حواس کی پہنچ ہے نہ عقل کی رسائی ہے۔ پتا چلا کہ نبی غیب کی خبریں دینے کے لئے آتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید میں رب العزت نے فرمایا تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْھَا اِلَیْکَ یعنی اے پیغمبر! یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی ہم تمہاری جانب بھیجتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ترجمہ القرآن میں یایھا النبی کا ترجمہ اس طرح فرمایا کہ اے غیب کی خبریں دینے والے' اور مولوی عبدالحفیظ بلیاوی فاضل دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی کتاب مصباح اللغات میں نبی کا یہی ترجمہ لکھا کہ ''اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانے والا (مصباح اللغات صفحہ ۸۳۵)

نبی اور علم الغیب

برادرانِ اسلام! معلوم ہوا کہ غیب کی خبر دینا نبی کے مفہوم میں داخل ہے لہٰذا جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی مانتا ہے اس کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ وہ غائب جانتے ہیں اور وہ غیب کی خبر بھی دیتے ہیں اور اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نبی تو مانتا ہے مگر ان کی غیب دانی کا انکار کرتا ہے تو وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص آگ کو آگ تو مانتا ہے مگر اس کے گرم ہونے کا انکار کرتا ہے مگر یاد رکھئے کہ آگ کی حرارت کا انکار کرنے والا در حقیقت آگ ہی کا منکر ہے اسی طرح علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منکر در حقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ہی کا انکار کرتا ہے۔

برادرانِ ملت! غیب کی خبروں کا ذکر آ گیا تو چند مثالیں بھی سن لیجئے!

مغلوب غالب ہوگا

بادشاہ فارس اور بادشاہ روم کی لڑائی میں بادشاہ روم مغلوب ہو گیا۔ کوئی نہیں کہتا تھا کہ

رومی دوبارہ غالب ہوسکیں گے مگر غیب داں نبی نے قرآنی زبان میں اعلان فرمادیا!

الٓمّٓ o غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ

یعنی رومی مغلوب تو ہو گئے مگر وہ چند ہی برس میں عنقریب غالب ہو جائیں گے چنانچہ نو برس کے اندر ہی رومی غالب ہو گئے۔

کون کب اور کہاں مرے گا

جنگ بدر میں لڑائی سے ایک دن پہلے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چھڑی سے میدان جنگ میں لکیریں کھینچ کھینچ کر فرمادیا کہ کل ابوجہل اس جگہ مرا پڑا ہوگا اور امیہ کی لاش اس لکیر کے پاس ہوگی۔ اسی طرح تمام صنادید قریش جو جنگ میں مقتول ہونے والے تھے۔ ایک دن پہلے ہی ان کی موت کی خبر دی اور مرنے کی جگہ بھی بتادی۔

ماں کے پیٹ میں کیا ہے

حضور کی چچی ام الفضل ایک دن سامنے سے گزریں۔ سرکار دوجہاں نے فرمایا کہ چچی جان! تمہارے اس حمل سے بیٹا پیدا ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس پیدا ہوئے اور ام الفضل ان کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچے کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھی اور اپنا لعاب دہن بچے کے منہ میں ڈالا اور عبداللہ نام رکھا اور فرمایا کہ لے جاؤ! یہ خلفاء کے باپ ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ہوا کہ خلفائے بنی عباس سب کے سب عبداللہ بن عباس ہی کی اولاد میں ہیں اور پانچ سو برس سے زیادہ آپ کی اولاد نے سلطنت کی۔ (الکلام المبین)

کون پہلے اور کون بعد کو مرے گا؟

جنگ موتہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لشکر کا امیر زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی کو امیر چن لیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا کہ یہ تینوں صاحبان اس لڑائی میں شہید ہوئے۔ پھر لوگوں نے حضرت خالد بن الولید کو سردار چن لیا اور ان کے ہاتھ پر فتح ہوئی۔ موتہ میں یہ جنگ جاری تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینے میں بیٹھے ہوئے ان لوگوں کی شہادت

کی خبر دیتے رہے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (الکلام المبین)

ابوذر کا کفن

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات قریب ہوئی تو ان کی بیوی رونے لگیں۔ آپ نے پوچھا کہ روتی کیوں ہو؟ بیوی نے جواب دیا۔ میں کیوں نہ روؤں؟ تمہاری وفات جنگل میں ہو رہی ہے اور ہمارے پاس نہ کفن ہے' نہ کوئی آدمی۔ ابوذر نے فرمایا مت روؤ! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ میرے صحابہ میں سے ایک شخص جنگل میں مرے گا اور اس کے جنازے پر مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جنگل میں مرنے والا شخص میں ہی ہوں' اس لئے تم فکر نہ کرو اور انتظار کرو! یہ کہہ کر حضرت ابوذر انتقال فرما گئے' ان کی بیوی کہتی ہیں کہ اچانک کچھ سوار آگئے اور ایک نوجوان نے اپنی گٹھڑی میں سے ایک نیا کفن نکالا اور حضرت ابوذر کو اسی کفن میں آنے والے مسلمانوں نے دفن کیا۔

حضرت علی کی شہادت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اگلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی وہ سرخ رنگ کا آدمی تھا جس کا نام قدار بن ثعلب تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کر ڈالا تھا اور اس امت کا سب سے بڑا بد بخت وہ شخص ہے جو تمہارے سر پر تلوار مارے گا۔ یہاں تک کہ تمہاری داڑھی خون سے رنگین ہو جائے گی اور تم شہید ہو جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی نے آپ کی پیشانی پر تلوار ماری اور آپ کا خون بہہ کر داڑھی پر آ گیا اور اسی زخم سے آپ شہید ہو گئے۔ (الکلام المبین)

اُمیّ

حضرات اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ۔ میں رسول اور نبی کے معنی تو آپ ایک حد تک سمجھ چکے۔ اب تیسری صفت امی ہے۔ امی کے یہاں دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ''ام القریٰ'' یعنی مکہ مکرمہ کی طرف نسبت ہے۔ نبی آخرالزمان امی ہیں یعنی ام القریٰ مکہ مکرمہ کے رہنے والے ہیں۔ دوسرے معنی ''امی'' کے یہ ہیں کہ آپ نے دنیا میں کسی استاذ سے نہیں پڑھا بلکہ چونکہ آپ محبوب کبریا ہیں اس لئے غیرت خداوندی نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ میرا محبوب کسی استاذ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرے اور خود رب العالمین ہی نے آپ کو

تمام علوم اولین و آخرین کا عالم بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے جب عرض کیا کہ مَنْ اَدَّبَکَ یَا رَسُوْلَ اللہِ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ یعنی میری تعلیم و تربیت تو میرے رب نے فرمائی ہے اور بہترین تعلیم و تربیت فرمائی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ رحمۃ للعالمین کا استاذ رب العالمین کے سوا کوئی نہیں ہے اور جس کا استاذ رب العالمین ہوا سے پھر دنیا میں کسی استاد سے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا۔

ایسا امی کس لئے منت کش استاذ ہو؟ کیا کفایت اسکو اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَم نہیں

سبحان اللہ! کسی مدرسہ میں نہیں پڑھا۔ مگر اعلم الخلق ہیں۔ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ یعنی سارے جہان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت جامی اس نکتہ کو کتنے حسین پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ سبق آموز صد مدرس شد

یعنی میرے محبوب نہ کبھی کسی مکتب میں گئے نہ کبھی کوئی تحریر لکھی مگر اپنے چشم و ابرو کے ایک اشارے سے سینکڑوں مدرسوں کو سبق پڑھا دیا۔

مبشر توریت و انجیل

حضرات! پروردگار عالم نے اپنے محبوب کی چوتھی صفت کو اس طرح بیان فرمایا۔

اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یعنی نبی آخر الزمان کا ذکر جمیل لوگ توریت و انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔

نبی آخر الزمان کی نشانیاں یوں تو تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہیں مگر خاص توریت و انجیل میں ایسے ایسے فضائل و کمالات مذکور ہیں کہ اہل کتاب کا بچہ بچہ آپ کی بعثت سے پہلے ہی آپ کو جانتا پہچانتا تھا۔ قرآن گواہ ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ ھُمْ۔ یعنی اہل کتاب رسول کو اس طرح جانتے پہچانتے ہیں یہی نہیں بلکہ آپ کی بعثت سے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ پہلے ہی آپ کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ قرآن میں ہے۔ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی اہل کتاب کفار سے جنگ کے وقت اس طرح دعائیں مانگتے تھے کہ

اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِیْ نَجِدُ نَعْتَہٗ فِی التَّوْرٰۃِ ۔ یعنی اے اللہ! نبی آخرالزمان کے وسیلہ سے ہماری مدد فرما جن کی صفت ہم توریت میں پاتے ہیں۔(مدارک)

امر ونواہی

پروردگار عالم نے حضور کی پانچویں اور چھٹی صفت کا تذکرہ اس طرح فرمایا کہ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ۔
رسول اعظم خدا کے بندوں کو ہر اچھی چیز کا حکم دیں گے اور ہر بری چیز سے منع فرمائیں گے اور ساتویں اور آٹھویں صفت کا ذکر فرماتے ہوئے رب العالمین نے ارشاد فرمایا۔
وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ ۝ یعنی وہ رسول تمام ستھری چیزوں کو حلال ٹھہرائیں گے اور تمام گندی چیزوں کو حرام فرمائیں گے۔

اچھائی اور برائی کی کسوٹی

سبحان اللہ! اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟ کون چیز اچھی اور کون چیز بری ہے؟ تو خوب سمجھ لو! کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کا حکم دے دیا یا جس چیز کو حلال فرمادیا وہ یقیناً اچھی ہے اور جس کو منع فرمایا یا حرام فرمادیا وہ بلاشبہ بری ہے اگر خدانخواستہ کسی چیز کی اچھائی یا برائی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی ہے تو تم یقین کرلو کہ یہ تمہاری عقل کی کوتاہی اور سمجھ کا قصور ہے۔ یادرکھو! تمہاری عقل و سمجھ ہزار بار غلطی کرسکتی ہے مگر فرمان مصطفیٰ ہرگز ہرگز کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ زمین پھٹ سکتی ہے اور ایک دن پھٹ جائے گی۔ آسمان ٹوٹ سکتا ہے اور ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ سارا جہان مٹ سکتا ہے اور ایک دن مٹ جائے گا مگر خدا کی قسم! فرمان مصطفیٰ نہ مٹا ہے نہ مٹ سکتا ہے ؂

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی
نبی کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

دیکھ لو! اسلام نے شراب کو حرام ٹھہرایا تو یورپ اور امریکہ کے مدعیان عقل ہنستے تھے کہ نبی اسلام نے شراب جیسی پرلطف و کیف آور چیز کو حرام ٹھہرا کر انسانیت پر بڑا ظلم کیا مگر جب یورپ و امریکہ کی عقلیں حد بلوغ کو پہنچیں تو انہیں سورج کی طرح نظر آ گیا کہ واقعی پونے چودہ سو برس پہلے جو نبی رحمت نے شراب کو ''ام الخبائث'' تمام برائیوں کی جڑ بتا کر حرام فرمایا تھا وہ

انتہائی حکیمانہ فیصلہ تھا۔اب سارا یورپ پورا امریکہ تمام ایشیاء خصوصاً بلبلا رہا ہے اور چیخ رہا ہے کہ شراب بندی کرو! اور انسانیت کو اس ام الخبائث کی بلائے عظیم سے نجات دو!

دیکھا آپ نے؟ آج جب عقل انسانی ترقی کی منزل پر پہنچی تو اس کو اچھا کہا جس کو رسولِ عربی نے اچھا کہا تھا اور اسی کو برا کہا جس کو رسولِ عربی نے برا کہا تھا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اچھائی اور برائی کا صحیح معیار اور سچی کسوٹی فرمانِ رسول ہی ہے۔

انسانیت کا محسن اعظم

برادرانِ ملت! اچھا اب آیئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نویں صفت کا جلوہ دیکھئے۔ ارشادِ ربانی ہے۔ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ یعنی وہ رسول انسانوں کے بوجھ اور گلے کے پھندوں کو اتار دیں گے!

بزرگانِ ملت! نبی آخر الزمان کی بعثت وتشریف آوری سے قبل دنیا طرح طرح کے غلط رسم و رواج کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی اور مذہب کے نام پر ایسی ایسی بھاری بھرکم پابندیاں انسان پر لادی گئی تھیں کہ انسانیت ان کے بوجھ سے دب کر بلبلا رہی تھی۔ مشرکانہ مراسم کی جکڑ بندیاں اور یہودیوں کی محرف شریعت کی مشکلات اور کٹھنائیاں انسانیت کے نازک گلے کا طوق اور پشت کا ناقابل برداشت بوجھ بنی ہوئی تھیں مگر نبی آخر الزمان نے تشریف لا کر مشرکانہ رسوم اور ننگ انسانیت جکڑ بندیوں کا جوا انسانیت کی گردن سے اتار پھینکا اور برسوں کی روندی اور کچلی ہوئی انسانیت کو سربلند کر کے معراج ترقی پر پہنچا دیا اور انسانیت کو اس کی فطری حریت کا تخت وتاج دوبارہ بخش دیا اور انسان کو اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی لعنت سے نجات دلائی اور پادریوں' راہبوں کی مصنوعی خدائی کے بتوں کو پاش پاش کر کے انسان کو صرف ایک خدائے واحد کا پرستار بنا دیا' جاہلوں اور گنواروں کو کتاب وحکمت کا معلم اور کنکریوں' پتھروں کو ہیرے اور موتی سے زیادہ قیمتی اور ذروں کو رشک آفتاب بنا دیا جن کے ہاتھوں میں اونٹوں کی مہار تھی۔ ان کے ہاتھوں میں قوموں اور ملکوں کی قسمت کی باگ ڈور عطا فرما دی۔ ظلم وعدوان کی اندھیری دنیا میں عدل وانصاف کے چراغوں سے چراغاں کر دیا۔ اندھوں کو آنکھیں ملیں۔ بہروں کو سماعت نصیب ہوئی۔ گونگے اعلان حق کے نقیب بن گئے۔ مورتیوں' پتھروں' درختوں' دریاؤں سے ڈر ڈر کر ان کے آگے جبین عبودیت ٹیک دینے والے انسان کو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا کلمہ عطا فرما کر تمام جھوٹے

خداؤں کے خوف و ہراس سے نڈر بنا دیا اور انسان کو اس نعرۂ حق کا علمبردار بنا دیا کہ اے انسان! تو صرف خدا کے لئے ہے اور ساری خدائی تیرے لئے ہے۔

عرب کے لوگ بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے۔ عورتوں پر ظلم ڈھاتے تھے۔ لونڈیوں اور غلاموں پر ستم کا پہاڑ توڑتے تھے اور ان جرائم کو اپنے لئے سرمایہ افتخار سمجھتے تھے مگر رحمتِ عالم نے ان کا مزاج بدل دیا کہ وہ یتیم بچوں کی پرورش اور عورتوں پر رحم و کرم اور لونڈیوں غلاموں پر ترس کھانے کو شرافتِ انسانیت کا اعلیٰ معیار سمجھنے لگے۔

نافع الخلائق و دافع البلاء

برادرانِ ملت! اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "نافع الخلائق" بھی ہیں اور دفاع البلاء" بھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "دافعالبلاء" کہنا شرک قرار دیتے ہیں کیا تکلیفوں کے بوجھ کو اتار دینا اور مصیبتوں کے پھندوں کو گلے سے جدا کر دینا۔ یہ نفع پہنچانا اور بلاؤں کا دفع کرنا نہیں ہے؟ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نافع الخلائق اور دافع البلاء کہنا کس طرح شرک ہو سکتا ہے۔ بھائیو! ہمارا تو قرآن پر ایمان ہے اس لئے ہم تو آخری سانس تک یہی عقیدہ رکھیں گے کہ ۔

رافع، دافع، نافع، شافع کیا کیا رتبے پاتے یہ ہیں
شافع امت، نافع خلقت رافع رتبے بڑھاتے یہ ہیں
دافع یعنی حافظ و حامی
دفع بلا فرماتے یہ ہیں

لطیفہ

مگر بھائیو! بات یہ ہے کہ وہابی ملا اہل علم کی ملاقات سے بہت کتراتے ہیں۔ یہ تو صرف بھولے بھالے بے علم مسلمانوں کا شکار کرتے ہیں۔ آپ نے مرغ، بھیڑیا اور شیر کا قصہ تو سنا ہی ہوگا۔ صاحبو! ایک مرغ تھا وہ روزانہ کھانی کر ایک درخت کی اونچی شاخ پر بیٹھ کر بانگ دیا کرتا تھا۔ ایک بھیڑیے نے مرغ کو دیکھا تو منہ میں پانی آ گیا مگر بھیڑیا درخت پر چڑھ نہیں سکتا تھا۔ سوچا کہ کسی اور طریقے سے تو یہ شکار ہاتھ آ نہیں سکتا لہٰذا اس بھولے مرغ کو دین کے نام پر بلانا چاہئے۔ چنانچہ بھیڑیا درخت کے نیچے کھڑا ہو گیا اور بولا کہ مرغ میاں! ماشاء اللہ تم نے اذان بہت اچھی دی۔ اچھا اب اترو! ہم تم ایک ساتھ نماز پڑھ لیں۔ مرغ بھیڑیے کی

نیت کو سمجھ گیا کہ یہ نماز کے نام پر بلا کر مجھے چٹ کر جائے گا۔ مرغ درخت پر سے دیکھ رہا تھا کہ ایک شیر چشمے پر پانی پی رہا ہے اور وہ یقیناً پانی پی کر اسی درخت کے نیچے آرام کے لئے آئے گا۔ مرغ نے بھیڑیئے کو جواب دیا کہ بہت اچھا ملا جی! ذرا ٹھہریئے! اذان ہو چکی ہے اور امام صاحب وضو کر رہے ہیں۔ امام صاحب کو آ جانے دیجئے۔ پھر جماعت سے نماز ہوگی۔ بھیڑیا کھڑا رہا اتنے میں شیر آ پہنچا اب بھیڑیے نے جو شیر کی صورت دیکھی تو بھاگ نکلا۔ مرغ بولا۔ ارے' ارے ملا جی کہاں چلے؟ آیئے! نماز پڑھ لیجئے! امام صاحب آ گئے۔ بھیڑیا بھاگتے ہوئے بولا کہ بھائی میرا وضو ٹوٹ گیا ہے۔ وضو کرنے جا رہا ہوں۔

دیکھا آپ نے بھیڑیا مرغ کے سامنے تو نماز کی تبلیغ کرتا ہے مگر جب شیر سامنے آ جاتا ہے تو اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بس یہی حال وہابی ملاؤں کا ہے کہ جاہلوں کو نماز و کلمہ کے نام پر بلا کر وہابیت کا انجکشن دے کر گمراہ کرتے پھرتے ہیں مگر جب کسی اہل علم سے ان کا مقابلہ ہو جاتا ہے' تو ان کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہ کہہ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں کہ ہم اختلافی مسائل پر بحث نہیں کرتے۔ ہم تو صرف کلمہ اور نماز کی تبلیغ کرتے ہیں۔

صاحب النور

خیر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نو صفتوں کا ذکر تو آپ سن چکے۔ اب دسویں صفت کا بیان فرماتے ہوئے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ	یعنی جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم و
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ	نصرت کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان پر نازل کیا
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝	گیا ہے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔

حضرات! اس آیت میں فرمایا گیا کہ قرآن نور ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب نور ہیں اور دوسری آیت میں ہے کہ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ — یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نور ہیں۔

اس میں ایک بڑا لطیف نکتہ ہے۔ دیکھئے نور کے معنی ہیں۔

اَلظَّاهِرُ بِنَفْسِهٖ وَالْمُظْهِرُ لِغَيْرِهٖ ۔ — یعنی نور وہ شے ہے کہ خود تو روشن ہو اور دوسروں کو روشن کر دے۔

رب العزت جل جلالہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور کا خطاب دے کر بتا دیا کہ اگر تم

قرآن کو سمجھنا چاہتے ہو تو قرآن کو نورِ مصطفیٰ یعنی حدیثِ رسول کی روشنی میں پڑھو اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالاتِ نبوت کا جلوہ دیکھنا ہو تو نورِ قرآن کی روشنی میں ذاتِ پاکِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھو۔ یاد رکھو! اگر نورِ نبوت یعنی احادیث کریمہ کی روشنی سے الگ ہو کر قرآن کو سمجھنا چاہو گے تو تم ہرگز ہرگز قرآن کو نہیں سمجھ سکتے اور اسی طرح اگر نورِ قرآن کی روشنی کو چھوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک کو سمجھنا چاہو گے تو ہرگز ہرگز کمالاتِ نبوت کے جلوے تمہیں نظر نہیں آ سکتے۔ سچ کہا ہے کسی نے ۔

رسول اللہ کی مدحت کلام اللہ سے پوچھو
کلام اللہ کی عظمت رسول اللہ سے پوچھو

فلاح کی چار شرطیں

عزیزانِ ملت! مومن کی فلاح اور کامیابی دارین کیلئے خداوند کریم نے اس آیت میں چار شرطیں رکھی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس نبی پر ایمان لائیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس نبی کی تعظیم کریں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس نبی کی نصرت کریں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ قرآن پر عمل کریں۔

ایمان

پہلی شرط ایمان ہے۔ ایمان کے کیا معنی ہیں؟ حضرات ایمان عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ہے ''مان لینا'' یعنی خدا اور رسول کو سچے دل سے مان لینا یہ ایمان ہے۔ برادرانِ اسلام! آپ نے غور کیا؟ ایمان نام ہے۔ مان لینے کا۔ دیکھئے ایک تو ہے کسی کو جان لینا اور پہچان لینا۔ یہ اور بات ہے اور مان لینا یہ اور بات ہے۔ یاد رکھئے کہ رسول کو صرف جان لینے اور پہچان لینے سے کوئی شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا۔ مومن جبھی ہو سکتا ہے کہ رسول کو جان پہچان کر دل سے مان بھی لے۔ قرآن مجید میں ہے یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ یعنی توراۃ وانجیل پڑھنے والے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے کہ نبی آخرالزمان، خاتم پیغمبراں یہی ہیں مگر یہ اہل کتاب مومن کیوں نہیں کہلائے؟ اس لئے یہ لوگ رسول کو صرف جانتے پہچانتے تھے۔ دل سے مانتے نہیں تھے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ یہ جاننا اور چیز ہے اور ماننا اور چیز ہے۔ میاں ماننے والے کی تو شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ ماننے والا جب کسی کو مان گیا تو پھر مان گیا ماننے والے کو دنیا کی کوئی طاقت برگشتہ نہیں کر سکتی۔ ننھا سا کیڑا پروانہ بلب کی روشنی کو مان گیا ہے۔ اب یہ روشنی مکان میں ہو یا دکان میں، سڑک پر ہو یا میدان میں۔ شادی

کی مجلس میں ہو یا غمی کی۔ پروانہ اڑتا' گرتا' پڑتا فوراً اس روشنی پر دوڑ پڑتا ہے اور اس بلب سے سر ٹکرا ٹکرا کر اپنے عشق و محبت کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اب تم اس پروانے کے سامنے وعظ کہو' ڈراؤ' دھمکاؤ' توپ بندوق سے فائرنگ کرو' بم گراؤ یا ایٹم بم برساؤ۔ یہ پروانہ اپنے محبوب بلب کو چھوڑ کر ہرگز ہرگز فرار نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ہر حال میں ڈٹا رہے گا اور سر ٹکرا ٹکرا کر اپنی زندگی کی آخری سانس اپنے محبوب پر قربان کر دے گا اور صبح کو اس کی ننھی سی لاش بے گور و کفن پڑی ہوئی زبان حال سے اعلان کر رہی ہوگی کہ دنیا والو! ماننے والے کی یہی شان ہوتی ہے ۔

فلک ٹوٹے زمین پھٹ جائے موت آئے کہ دم نکلے
مگر ہرگز نہ ہادی کی اطاعت سے قدم نکلے !

مسلمانو! پروانے کی لاش ایک پیغام دیتی ہے کہ دنیا والو! اگر تم کسی کو مان لینے کا دعویٰ رکھتے ہو تو میرے جیسا جگر پیدا کرو۔ اگر واقعی تمہارے سر میں کسی کا سودا ہے تو میرے جیسا سر پیدا کرو۔ اپنے محبوب پر مر مٹو! کٹ مرو! ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ! مٹ جاؤ! مگر کسی کو مان لیا ہے تو پھر مان لیا ہے ۔

تیر کھانا ہے جگر پر تو جگر پیدا کر
سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

برادرانِ ملت! ایمان اور رسول کے ماننے کا دعویٰ تو سبھی کرتے ہیں مگر رسول کا سچا ماننے والا وہی ہے جو رسول کو اس طرح مان لے جس طرح پروانہ روشن بلب کو مانتا ہے کہ کیسی بھی مصیبت آئے' آفتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں' آسمان پھٹ پڑے' زمین دھنس جائے' موت آجائے' دم نکل جائے۔ مگر ۔

فلک ٹوٹے' زمیں پھٹ جائے' موت آئے کہ دم نکلے
مگر ہرگز نہ ہادی کی اطاعت سے قدم نکلے

رسول کا ماننے والا اس پر کتنی ہی بڑی سے بڑی مصیبت کیوں نہ آ جائے مگر جب تک اس کی رگوں میں خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس باقی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے سینے کے صندوق اور دل کی تجوری سے ایمان کی دولت کو نہیں چھین سکتی۔ تمام دنیا کی طاغوتی طاقتیں اس کے مقابل کھڑی ہو جائیں وہ محصور ہو جائے' اس کی دولت لٹ جائے' اس کا گھر جل جائے اس کی گود کے پالے بچے اس کی نظروں کے سامنے خاک و خون میں تڑپنے لگیں۔ اس کا جسم زخموں سے چھلنی ہو جائے مگر جب تک اس کے دم میں دم ہے اس کا یہی نعرہ

ہوگا کہ ؎

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر نہ ہوگا یہ ہم سے ہرگز نبی کا جاہ و جلال دیں گے

رسول کا ماننے والا خود خاک و خون میں تڑپے گا مگر اپنے رسول کے دامن عظمت پر دھبہ نہیں لگنے دے گا' وہ اپنا سر کٹا کر زمین پر گرتا ہوا دیکھنا قبول کرے گا مگر عظمت رسول کے پرچم کو سرنگوں ہوتے دیکھنا برداشت نہیں کرے گا' وہ خود کٹ جائے گا مگر فرمان مصطفیٰ کا ایک حرف کٹنے نہیں دے گا وہ خود مٹ جائے گا مگر جلالت رسول کے کسی نشان کو مٹنے نہیں دے گا' بلکہ وقت آجانے پر عزت و ناموس رسول کے لئے وہ اپنے خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس قربان کردے گا اور اس کے گرم گرم خون کے قطرات زمین پر بہتے ہوئے بھی آنے والی مسلم نسلوں کو یہ پیغام ایمان دیتے ہوں گے کہ ؎

خوں میں نہاؤ ' زخم سہو' سر فدا کرو
جب وقت آئے دین پر یوں حق ادا کرو

برادرانِ اسلام! یہ ہے ایمان اور یہ ہے رسول کے مان لینے کا مطلب جس کو قرآن کریم نے فرمایا کہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ خداوند کریم ہمیں اور تمہیں یہ ایمان حقیقی نصیب فرمائے۔ (آمین)

بھائیو! دنیا ایمان۔ ایمان چلاتی پھرتی ہے مگر تمہیں کیا خبر؟ کہ ایمان کیا ہے؟ ایمان بڑی کٹھن چیز ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

تعظیم رسول

بہرکیف میں عرض کر رہا تھا کہ فلاح دارین کے لئے خداوند قدوس نے چار شرطیں رکھی ہیں جن میں سے پہلی شرط خدا کے رسول پر ایمان لانا ہے جو آپ سن چکے۔ اب دوسری شرط کیا ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ دوسری شرط تعظیم رسول ہے یعنی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا ایسا آفتاب و ماہتاب سینے میں چمکنے لگے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات' ان کی صفات' ان کے دن' ان کی راتیں' ان کے عمل' ان کی بات' غرض ان کی

ہر ہر چیز کی ساری کائنات سے بڑھ کر تعظیم وتوقیر کرے۔ اجی! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات وصفات کا تو کیا کہنا؟ یہ تو ان کی ذات وصفات ہیں۔ میاں! شرط ایمان تو یہ ہے کہ جن جن چیزوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت وتعلق ہے ان کی بھی تعظیم وتوقیر کرے۔ یعنی ان کی آل' ان کے اصحاب' ان کی ازواج مطہرات' ان کے شہر' ان کے محراب ومنبر' دیوار و در' غرض ان کی ہر ہر چیز کے اعزاز واکرام کا سکہ اپنے قلب پر اس طرح بٹھائے جیسا کہ کسی عاشق رسول نے کہا کہ ۔

بہ زمینے کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ گہ صاحب نظر اں خواہد بود

یعنی یا رسول اللہ! جس جس زمین پر آپ کے پائے مبارک کا نشان ہوگا برسہا برس آنکھ والے اس زمین پر خدا کا سجدہ کرتے رہیں گے!

عزیزان ملت! آج میں تمہیں تعظیم رسول کے نمونے کہاں سے دکھاؤں! آج تو بے ادبیوں کا دور ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ چھوٹوں میں بڑوں کا ادب نہیں رہا۔ شاگردوں میں استاد کا ادب نہیں رہا۔ جاہلوں میں عالموں کا ادب نہیں رہا۔ مریدوں میں پیران کبار کا ادب نہیں رہا اور خدا کا قہر وغضب یہ ہے کہ آج امتیوں میں اپنے نبیوں کا بھی ادب نہیں رہا تو آج میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ کس طرح تعظیم رسول کرنی چاہئے؟ مگر ہاں آؤ! میں تمہیں دور صحابہ کی سیر کراؤں اور بتاؤں کہ صحابہ کرام جو سب سے اعلیٰ درجے کے مسلمان اور صاحب ایمان تھے وہ کس طرح رسول کی تعظیم کرتے تھے؟ ۶ ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرہ کا احرام باندھ کر چودہ سو صحابیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے آپ کا راستہ روک لیا اور آپ میدان حدیبیہ میں اتر پڑے۔ عروہ بن مسعود ثقفی جو کفار میں سب سے زیادہ معمر ومعزز شخص تھا۔ مکہ مکرمہ سے میدان حدیبیہ میں آتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ گفتگو کر کے پھر مکہ مکرمہ میں جا کر حرم کعبہ میں کفار کو جمع کر کے اپنا چشم دید حال بیان کرتا ہے جو سننے کے قابل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے مکہ والو! تم محمد سے مت ٹکراؤ۔ میں میدان حدیبیہ سے یہ منظر دیکھ کر آ رہا ہوں کہ

۔ فَوَاللّٰہِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُخَامَۃً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ یعنی خدا کی قسم جب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھنکھار کر تھوکتے ہیں تو آپ کے لعاب دہن کو صحابہ زمین پر نہیں پڑنے دیتے ہیں بلکہ وہ کسی نہ

کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑتا ہے اور وہ صحابی اس کو بطور تبرک اپنے چہرے اور بدن میں مل لیتا ہے۔ وَاِذَا اَمَرَهُمِ ابْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ اور وہ جب کسی کو کسی بات کا حکم فرماتے ہیں تو سب کے سب ان کے حکم کی تعمیل کے لئے جھپٹ پڑتے ہیں اور ہر ایک یہی کوشش کرتا ہے کہ میں سب سے پہلے حکم کی تعمیل کروں۔ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلٰى وَضُوْئِهٖ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو صحابہ ان کے وضو کے دھوون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ اس طرح والہانہ جذبات وعقیدت و جوش محبت کے ساتھ غسالہ وضو کو لوٹتے ہیں کہ گویا ان میں تلوار چل پڑے گی اور وہ کٹ مریں گے۔ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ اور جب وہ کوئی کلام فرماتے ہیں تو چودہ سو انسانوں کا لشکر ہے مگر سب ایک دم خاموش اور ہمہ تن گوش ہو کر ان کا کلام سنتے ہیں وَمَا يَحِدُّوْنَ اِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهٗ یعنی کوئی بھی آنکھ بھر کر ان کی طرف نظر نہیں ڈالتا' بلکہ کمال تعظیم کی وجہ سے نیچی نیچی نظروں اور کنکھیوں سے ان کے جمال نبوت کا نظارہ کرتے ہیں۔

اَیْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُ عَلٰى قَيْصَرَ وَكِسْرٰى وَالنَّجَاشِیْ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُ اَصْحَابُهٗ كَمَا يُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا

(بخاری ج ا ص ۳۷۹)

یعنی اے میری قوم! خدا کی قسم میں بہت سے بادشاہوں کے درباروں میں باریاب ہو چکا ہوں اور میں وہ شخص ہوں کہ قیصر بادشاہ روم اور کسریٰ بادشاہ ایران اور نجاشی بادشاہ حبشہ کا دربار دیکھ چکا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اپنے بادشاہ کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم محمد کے صحابہ محمد کی کرتے ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

مسلمانو! آپ نے عروہ بن مسعود ثقفی کی تقریر سن لی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اے اہل مکہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ مت کرو کیونکہ ان کے ساتھ ایسے جانثاروں کا لشکر ہے کہ جو ان کے تھوک اور وضو کے پانی کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تو بھلا ان کے خون کو کس طرح زمین پر گرنے دیں گے؟

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے تعظیم رسول کا ایک منظر؟ یہ صحابہ ہیں۔ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا اور ان لوگوں نے قرآن کو خود صاحب قرآن سے پڑھا۔ ان سے زیادہ قرآن کو کون سمجھ سکتا تھا؟ یہ صحابہ بھی قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی آیت تلاوت کرتے تھے مگر کبھی ان صحابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر نہیں سمجھا کیونکہ اگر صحابہ حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ہی جیسا ایک بشر سمجھتے تو ان کے تھوک اور وضو کے دھوون کو لوٹ لوٹ کر اپنی آنکھوں اور چہروں پر نہ ملتے اور ایسی تعظیم و تکریم نہ کرتے کہ شاہان عجم کے درباری بھی اپنے بادشاہوں کی ایسی تعظیم نہیں کرسکتے تھے مگر آج کل کے کٹھ ملا بات بات پر قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ پڑھتے رہتے ہیں اور یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رتبہ تو بڑے بھائی کے برابر ہے کیونکہ وہ بھی بشر ہے ہم بھی بشر ہیں۔ ان کو خدا نے بڑائی دی تو وہ بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ توبہ' معاذ اللہ! کہاں صحابہ کی وہ تعظیم رسول اور کہاں آج کل کے بے ادبوں کی یہ بے ادبی؟

نصرتِ رسول

بہرحال! اب فلاح کی تیسری شرط بھی سن لیجئے۔ ارشاد ہوا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ یعنی ایمان و تعظیم کے ساتھ رسول کی نصرت بھی کی۔ مطلب یہ ہے کہ فلاح و نجات کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مومن' اپنی جان' اپنے مال' اپنے تن' من' دھن سے ہردم ہر قدم پر رسول کی نصرت و حمایت بھی کرے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے جیسا کہ آپ سن چکے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ادنیٰ اشارے پر جان و مال سب کچھ قربان کر دیا۔ مکہ مکرمہ میں ہزاروں کی دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کر گئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جب تیر و ترکش لے کر ہجرت کے لئے روانہ ہوئے تو اہل مکہ نے گھیر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ مکہ والو! تمہیں معلوم ہے کہ میرا نشانہ خطا نہیں کرتا دیکھو! میرے ترکش میں جتنے تیر ہیں جب تک میں ایک ایک تیر تمہارے جسموں میں پیوست نہ کرلوں گا تم مجھے گرفتار نہیں کرسکتے مگر میں اس وقت لڑنا نہیں چاہتا ہوں' بلکہ میں فراق رسول میں بے قرار ہو کر مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں۔ میری ہزاروں کی دولت میرے گھر کے فلاں فلاں کونے میں دفن ہے جاؤ! اس کو لے لو مگر میرا راستہ مت روکو۔ یہ سن کر لالچی راستہ سے ہٹ گئے اور اس پروانہ رسول نے شمع نبوت کے پاس پہنچ کر زندگی کی آخری سانس خدمت و نصرت رسول میں قربان کر کے دم لیا۔ ایک مرتبہ سرکار مدینہ نے صحابہ سے نصرت اسلام کے لئے مال طلب کیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ ؎

اک دن رسول پاک نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرط طرب میں عمر اٹھے — اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
لائے غرض کہ مال رسول خدا کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر' ابتدائے کار

بولے حضور سرور عالمؐ کہ اے عمر! اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار
چھوڑا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے مال مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
بولے کہ نصف مال ہے فرزند وزن کا حق باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفاشعار ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہے اعتبار
بولے حضور چاہئے فکر عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

اسی طرح ہجرت کی رات میں یارِ غار صدیق جاں نثار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی پشت پر لے کر نوکیلے پتھروں کی چٹانوں اور ناہموار وادیوں کو روندتے ہوئے پنجوں کے بل چل کر غار ثور تک پہنچتے ہیں اور غار میں پہنچ کر سرکار نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو اپنی ران پر رکھ کر سلا دیتے ہیں اور خود سانپ کے بل پر اپنی ایڑی لگا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ سانپ بار بار رفیق غار کے پاؤں میں ڈس رہا ہے مگر واہ رے نصرت رسول و جاں نثاری مصطفیٰ کا شاہکار کہ ایڑی کو سانپ چبا رہا ہے مگر پاؤں نہیں ہلاتے کہ محبوب پروردگار کی نیند میں خلل پڑ جائے گا۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ یہ ہیں نصرت و جاں نثاری رسول کے وہ جلوے کہ جن کو آفتاب و ماہتاب کی آنکھوں نے نہ کبھی پہلے دیکھا ہوگا نہ قیامت تک دیکھیں گے۔ پڑھئے درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔

قرآن کی پیروی

برادران گرامی! فلاح و کامیابی کی چوتھی شرط بھی سن لیجئے۔ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ یعنی قرآن مجید کے احکام کی پوری پوری اتباع و پابندی بھی فلاح و نجات کے لئے ضروری ہے۔ مومن کا ہر قول، ہر عمل قرآن مجید کے مطابق ہو اور بال برابر بھی کبھی قرآن مجید کی خلاف ورزی نہ ہو تو ارشاد ربانی ہے کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ یعنی ان مومنین کے سروں پر فلاح دارین کا تاج رکھا جائے گا۔ یہ لوگ خداوند قدوس کے غفران و رضوان کی دولتوں سے مالا مال کر دیئے جائیں گے؟

برادرانِ اسلام! حقیقت تو یہی ہے کہ ہم مسلمانوں کی تباہی و بربادی اور ذلت و خواری کا سبب ہی یہی ہے کہ ہم تارک قرآن ہو گئے۔ ہم نے قرآن پاک کی مقدس تعلیمات کو ٹھکرا دیا اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے طریقوں پر چل پڑے ورنہ کیا وجہ ہے؟ کہ ہمارے بزرگ و اسلاف یہی کلمہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر سارے عالم میں معزز و مکرم تھے۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی ٹھوکروں سے پامال ہوتے تھے اور سارے جہان پر ان کی شوکت و سطوت کا پرچم لہراتا تھا۔ ان کے نعرۂ تکبیر سے پہاڑوں کے دل لرز جاتے تھے۔ یہ جدھر رخ کرتے تھے۔ آسمان سے نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ اتر کر ان کے قدموں کا بوسہ لیا کرتی تھی۔ عزت و عظمت ان کی لونڈی غلام تھی اور بادشاہی و سلطنت ان کے قدموں کی ٹھوکر کا نام تھا مگر آہ! آہ! برادران عزیز! آج ہم ذلیل و خوار ہیں۔ بے یار و مددگار ہیں۔ غلامی و بے چارگی کی بلا اور ذلت و نکبت کا عفریت ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ آج ہم در بدر ذلیل ترین مخلوق کفار و مشرکین سے امان و حفاظت کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں مگر ہر جگہ سے ٹھکرائے جاتے ہیں اور کوئی ہمارے کاسۂ گدائی میں ایک ٹکڑا بھی نہیں ڈالتا۔ یہ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ کس لئے ہوا؟ سن لو اس لئے اور صرف اس لئے کہ ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

برادرانِ اسلام! قرآن کریم خداوند قدوس کی وہ آخری مقدس کتاب ہے جس میں قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے ایک ایسا مکمل ضابطۂ حیات ہے کہ اس پر عمل کر کے انسان دونوں جہان میں کامیاب و بامراد ہو سکتا ہے اس لئے میرے بزرگو اور بھائیو! اللہ! آپ قرآن مجید کو اپنے اسلاف کی طرح پھر سینے سے لگائیے اور اس کی مقدس تعلیمات پر عمل کر کے اپنی سیرت اپنے عمل اپنے کردار میں سچے مسلمان بن جائیے۔ پھر دیکھئے کہ یہی آسمان آپ پر رحمت کی بارش برسائے گا اور یہی زمین آپ کے لئے خیر و برکت کے خزانے اگل دے گی اور اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر رب العزت آپ کو وہ عزت و شوکت عطا فرمائے گا کہ روئے زمین کے سلاطین آپ کی غلامی پر فخر کریں گے!

برادرانِ ملت! ہم سنیں یا نہ سنیں مگر حقیقت یہ ہے کہ زمین و آسمان بلکہ سارا جہان زبان حال سے ہر آن ہم کو یہ لرزہ براندام کرنے والی صدا سنا رہا ہے کہ اے مسلمان! تیری ہلاکت تیری بربادی کا فقط ایک ہی سبب ہے کہ ۔

تو غلام بشہ امم نہ رہا
چشم عالم میں محترم نہ رہا

لیکن زمین و آسمان سے دن رات، صبح و شام خدا کا یہ پیغام نشر ہو رہا ہے کہ اے مسلمان! تو مایوس نہ ہو تو بیمار ضرور ہے مگر قرآنی شفاخانہ میں تیرا بہترین علاج موجود ہے تو برباد ضرور ہو چکا ہے مگر تیری آبادی کی تدبیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اے مسلمان! بس تو صاحب ایمان بن جا۔ سچا مسلمان بن جا اور محبت و عظمت رسول کا چراغ اپنے دل میں روشن کر لے اور قرآن کی پیروی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لے۔ پھر یقین رکھ! کہ تیرے لئے خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کی آیت قرآن میں اس طرح چمک رہی ہے جس طرح آسمان میں ستارے چمکتے ہیں کہ عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین ہی کے لئے ہے!

برادرانِ محترم! اگر آج بھی ہم دولت ایمان کے دھنی بن جائیں تو یقیناً خداوند قدوس کائنات عالم کو ہمارے لئے مسخر فرما دے گا اور ہم کو عزت و اقتدار کا تاجدار بنا دے گا۔

مسلمانو! یقین رکھو کہ یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہے کہ۔

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

چوتھا وعظ

محبوبُ العارفین

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ خالق الارض والسماء والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمدن المصطفیٰ خاتم الانبیاء وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ الاصفیاء اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَاؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَایَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۔ (توبہ)

برادرانِ ملت! سورۂ توبہ کی آیت کریمہ جو ابھی ابھی میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے۔ یہ ہم مسلمانوں کے لئے ایمان کا امتحان لینے کے لئے ایک اعلیٰ معیار اور بہترین کسوٹی ہے۔

حضرات! ایک مرتبہ بہت سے لوگ اپنے ہاتھوں میں سونا لئے ہوئے سنار کی دکان پر چلا رہے تھے کہ میرا سونا سب سے اچھا' میرا سونا سب سے کھرا۔ سنار بولا کہ ٹھہرو! شور مت کرو۔ میں ابھی ابھی صندوقچی میں سے سنگ کسوٹی نکالتا ہوں۔ یہ کالا پتھر فوراً فیصلہ کردے گا کہ کس کا سونا کھرا ہے اور کس کا سونا کھوٹا اور فیصلہ بھی اتنا سچا اور قطعی کہ دنیا کی کسی عدالت میں بھی اس کی اپیل نہیں کی جاسکتی' چنانچہ سنار نے کسوٹی کا پتھر نکالا اور ہر ایک کے سونے کو کسوٹی پر کس کر بتادیا کہ تمہارا سونا کھرا ہے اور تمہارا کھوٹا۔

حضرات! بالکل یہی مثال ہے کہ آج کروڑوں انسان سینہ تان تان کر اعلان کررہے ہیں کہ میں سچا مسلمان' میں سچا مسلمان! لیکن سورۂ توبہ کی یہ آیت کھرے کھوٹے ایمان کی پہچان کے لئے بہترین کسوٹی ہے جو فیصلہ کردیتی ہے کہ کس کے ایمان کا سونا کھرا ہے اور کس کے ایمان کا سونا کھوٹا! کون سچا مسلمان ہے اور کون جھوٹا؟

برادرانِ ملت! اس مجمع میں جتنے لوگ حاضر ہیں جس سے بھی سوال کروں کہ تم کون ہو؟

اور تمہارا دین کیا ہے؟ تو یقیناً سب یہی کہیں گے کہ میں مسلمان ہوں اور میرا دین اسلام ہے۔ میں خود بھی اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہوں اور میرا پڑوسی بھی مجھ کو مسلمان ہی کہتا ہے۔ میں حکومت کے نزدیک بھی مسلمان ہی ہوں۔ چنانچہ مردم شماری کے دفتروں میں میونسپلٹی کے پیدائش اور موت والے رجسٹروں میں غرض ہر جگہ میں مسلمان ہی لکھا جاتا ہوں۔

لیکن برادرانِ ملت! کبھی ہم نے اس پر غور نہیں کیا کہ ساری دنیا تو' میں مسلمان کہتی ہے مگر خدا اور رسول بھی ہمیں مسلمان کہتے ہیں یا نہیں؟ تمام دنیاوی رجسٹروں اور دفتروں میں تو ہم مسلمان لکھے ہوئے ہیں مگر خدائی اور مصطفائی دفتروں میں بھی ہم مسلمان لکھے ہوئے ہیں یا نہیں؟ یاد رکھئے کہ ساری دنیا ہمیں مسلمان کہے یا نہ کہے لیکن اگر خدا کہہ دے کہ تو مسلمان ہے اور رسول کہہ دیں کہ تو مسلمان ہے تو ہم بلاشبہ مسلمان ہیں اور اگر خدا اور رسول کے نزدیک ہم مسلمان نہیں تو پھر گویا ساری دنیا ہمیں مسلمان کہے' مگر ہم مسلمان نہیں۔

میرے بزرگو اور بھائیو! اس موقع پر مجھے ایک کہانی یاد آ گئی۔ ذرا غور سے سنئے!

لیلیٰ مجنوں کی کہانی

جس زمانے میں لیلیٰ مجنوں کا بڑا چرچا تھا۔ ایک دن غریب مجنوں مصیبت کا مارا لیلیٰ کے دروازے پر آ گیا۔ ہزاروں تماشائیوں کا ہجوم لگ گیا۔ اتنے میں لیلیٰ کی کسی سہیلی نے لیلیٰ سے کہا کہ اے لیلیٰ! تیرا عاشق مجنوں بھوکا پیاسا تیرے دروازے پر آ گیا ہے تو نے اپنے عاشق کی کوئی خاطر تواضع نہیں کی؟ لیلیٰ کو رحم آ گیا۔ اس نے ایک تھالی میں سرپوش سے چھپا کر اپنے مجنوں کے لئے حلوہ بھیجا۔ لونڈی جو تھالی لے کر مکان سے باہر نکلی تو کیا دیکھا؟ کہ ہزاروں کا مجمع ہے۔ وہ غریب بھیڑ میں پہچان نہ سکی کہ مجنوں کون ہے؟ لونڈی نے پکارا کہ مجنوں کون؟ مجنوں کون؟ کسی منچلے نے پوچھا کہ بی بی! کیا کام ہے مجنوں سے' لونڈی بولی کہ لیلیٰ نے اپنے مجنوں کے لئے حلوہ بھیجا ہے۔ حلوے کا نام سنتے ہی سب کے منہ میں پانی آ گیا۔ بھائیو! حلوہ چیز ہی ایسی ہے کہ اس کا نام سنتے ہی چاہے شب برات کا حلوہ پکانے والے ہوں یا حلوے کے منکر' سب ہی ریشہ خطمی ہو جاتے ہیں۔ سب گردن اٹھا اٹھا کر بلکہ بہت سے تو پنجوں پر کھڑے ہو کر للچائی نظروں سے حلوے کی تھالی کو گھورنے لگے اور آخر ایک شخص بول پڑا کہ میں ہوں مجنوں! ادھر لاؤ حلوہ! دوسرا بولا میں مجنوں' تیسرا بولا میں مجنوں' پھر تو ہر طرف سے یہی آواز آنے لگی کہ میں مجنوں' میں مجنوں! گویا مجمع میں مجنوں کا ہیضہ پھوٹ پڑا اور دھوتی' لنگوٹی'

پائے جامہ، پتلون، ہر لباس میں مجنوں ہی مجنون نظر آنے لگے۔ غریب لونڈی حیران رہ گئی اور تھوڑا تھوڑا حلوہ سب مصنوعی مجنوؤں کے ہاتھ پر رکھ دیا اور اندر جا کر بولی کہ اے لیلیٰ! ہم تو سمجھتے تھے کہ تیرا ایک ہی مجنون ہے مگر آج پتا چلا کہ تیرے سینکڑوں بلکہ ہزاروں مجنوں ہیں۔ لیلیٰ نے کہا! غلط بالکل غلط! میری پیاری لونڈی! افسوس تو نے مجنوں کو نہیں پہچانا۔ میرا مجنون تو صرف ایک ہی ہے۔ اچھا! اے لونڈی۔ اب تو اس تھالی میں ایک چھری رکھ کر پھر جا اور اعلان کر کہ جو مجنوں ہو وہ آگے بڑھے۔ آج لیلیٰ نے اپنے مجنوں کے بدن سے ایک بوٹی کا گوشت مانگا ہے۔ لونڈی تھالی میں چھری رکھ کر سرپوش سے چھپا کر باہر نکلی۔ یار لوگ حلوہ کھا کر ابھی ہونٹ چاٹ ہی رہے تھے کہ دوسرا تھال دیکھ کر سب کی باچھیں کھل گئیں اور دل ہی دل میں خوش ہونے لگے کہ اب میٹھے کے بعد ذائقہ بدلنے کے لئے نمکین آیا ہوگا۔ لونڈی نے پکارا کہ مجنوں کون؟ آپ جانتے ہی ہیں کہ بگڑی ہوئی عادت بری چیز ہے، پھر سب نے سارس کی طرح گردن لمبی کر دی اور چونچ پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے کہ میں مجنوں میں مجنوں۔ لونڈی نے بڑی متانت سے کہا کہ اچھا! جو صاحب مجنوں ہوں وہ آگے بڑھیں۔ یہ تھالی ہے اور یہ چھری! آج لیلیٰ نے مجنوں کے بدن سے ایک بوٹی گوشت طلب کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کوئی سر کھجلانے لگا۔ کوئی ٹوپی درست کرنے لگا۔ کوئی بغلیں جھانکنے لگا، کوئی اوپر دیکھنے لگا۔ کوئی نیچے گھورنے لگا، سب کھسکنے لگے تو چل میں آیا۔ میں چلا تم بھی آؤ۔ غرض چند منٹ میں تمام حلوہ خور مجنوں رفو چکر ہو گئے مگر ایک دبلا پتلا انسان! چہرہ زرد، بال الجھے، غبار میں اٹا ہوا آگے بڑھا اور چھری ہاتھ میں لے کر بولا کہ اے لونڈی! اتنا اور بتا دے کہ میری پیاری لیلیٰ نے میرے بدن کے کس حصے کی بوٹی طلب کی ہے؟ لونڈی خاموش رہی تو یہ جاں باز کہنے لگا کہ اچھا! لے۔ میں اپنے بدن کے ہر حصے کی ایک ایک بوٹی کاٹ کر رکھ دیتا ہوں نہ معلوم میری لیلیٰ نے کہاں کی بوٹی طلب کی ہے؟ یہ کہا اور اپنی ایک بوٹی کاٹ کر تھالی میں رکھ دی۔ لونڈی گھبرا کر تھالی لے کر بھاگی اور لیلیٰ کے سامنے تھالی رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ لیلیٰ نے بڑے ناز و انداز کے ساتھ فخریہ لہجے میں کہا کہ اے لونڈی لے دیکھ لے! یہ ہے میرا مجنوں، یہ ہے میرا مجنوں!

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے ایک ہزار انسانوں نے مجنوں ہونے کا دعویٰ کیا مگر سچا مجنوں، واقعی مجنوں، حقیقی مجنوں، وہی ٹھہرا جس کو لیلیٰ نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ یہ ہے میرا مجنوں۔ تو بزرگو اور بھائیو! اسی طرح آج لاکھوں کروڑوں انسان مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر خدا کی قسم! سچا مسلمان، واقعی مسلمان وہی ہوگا جس کو خدا کہہ دے کہ تو مسلمان ہے جس کو

رسول کہہ دیں کہ تو مسلمان ہے۔

توحید تو جب ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

برادرانِ اسلام! آج کی مجلس میں مجھے یہی عرض کرنا ہے کہ سچا مسلمان کون ہے؟ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت کھرے اور کھوٹے مسلمان کی پہچان کے لئے ایک اعلیٰ معیار اور بہترین کسوٹی ہے۔ اس کسوٹی پر جس مسلمان کا اسلام پورا اترا تو سمجھ لو کہ وہ خدا اور رسول کے نزدیک مسلمان ہے اور جس کا اسلام اس کسوٹی پر فیل ہو گیا تو یقین کر لو کہ اگرچہ ساری دنیا اس کو مسلمان کہتی رہے مگر وہ خدا اور رسول کے نزدیک مسلمان نہیں!

برادرانِ گرامی! اب آپ اس آیت مبارکہ کا ترجمہ سنئے۔ رب العزت جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔

یعنی اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور تمہاری وہ تجارت جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسندیدہ مکان یہ چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں فرماتا۔

عزیزانِ گرامی! اس آیت میں ایسی آٹھ چیزوں کی فہرست ہے کہ جن سے انسان کو فطری محبت اور قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ یہ آٹھوں چیزیں یعنی باپ' بیٹا' بھائی' بیوی' کنبہ' مال' دکان' مکان ایک طرف ہیں اور دوسری طرف تین چیزیں ہیں۔ یعنی اللہ رسول' راہ خدا میں جہاد' اب ارشاد ربانی ہے کہ اے مسلمانو! اگر ان آٹھ چیزوں کی محبت تمہارے دلوں میں' ان تین چیزوں کی محبت سے زیادہ اور بڑھ کر ہے تو پھر تم سمجھ لو کہ تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ رحمت الٰہی و نعمت خداوندی کا کوئی حصہ تمہیں نصیب ہو' بلکہ تم اتنے سنگین مجرم و خطا کار ہو کہ تمہیں قہر قہار و غضب جبار کا انتظار کرنا چاہئے جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ گویا تمہارا ایمان' تمہارے طغیان و عصیان کی وجہ سے برباد و غارت ہو چکا ہے اور تم اس قابل ہو چکے کہ تم پر قہر الٰہی کی بجلیاں گر

پڑیں اور تم دنیا میں ذلیل وخوار اور آخرت میں عذاب نار کے حق دار بن جاؤ! اور اگر ان تین چیزوں کی محبت پر قربان کر دیا تو پھر اس کی جزاء میں خداوند سبحان تمہیں دنیا میں اپنے فضل و رضوان اور آخرت میں دار الجنان کی دولتوں سے ضرور مالا مال کر دے گا۔

برادرانِ ملت! بہر حال عشق ومحبت کی ترازو میں ان آٹھ چیزوں کو ایک پلڑے میں اور تین چیزوں کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر یہ دیکھنا ہے کہ کونسا پلہ جھکا ہوا اور بھاری ہے؟ اگر ان آٹھ چیزوں کی محبت کا پلہ بھاری ہے تو تمہارا ایمان کھوٹا اور جھوٹا ہے اور اگر ان تین چیزوں کی محبت کا پلہ بھاری ہے تو تمہارا ایمان کھرا اور سچا ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت کھرے اور کھوٹے ایمان کی پہچان کے لئے بہترین کسوٹی ہے۔ اب اسی کسوٹی پر ہمیں اپنے اپنے ایمانوں کے سونے کو کس کر دیکھنا ہے کہ ہمارے ایمان کا سونا کھرا ہے یا کھوٹا؟

برادرانِ ملت! باپ، بیٹے، بھائی، کنبہ وغیرہ سے محبت کرنے کو اسلام نے منع نہیں کیا ہے بلکہ حکم دیا کہ صِلُوا الْاَرْحَامَ یعنی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور ان سے الفت ومحبت رکھو مگر سوال اس وقت کا ہے کہ جب اللہ ورسول کی محبت کا ان چیزوں کی محبت سے ٹکراؤ ہو تو اس وقت اسلام کا کیا حکم ہے؟ تو برادرانِ ملت! اس وقت اسلام کا حکم یہی ہے کہ ان تمام چیزوں کی محبت کو اللہ ورسول کی محبت پر قربان کر دیا جائے، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ.

یعنی اس وقت تک کوئی تم میں سے مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی اولاد اپنے ماں باپ بلکہ تمام جہان کے انسانوں سے بڑھ کر محبوب خدا کے ساتھ محبت نہ کرے۔ (مشکوٰۃ ص۱۲)

محمد کی محبت دین حق کی شرط اول ہے؟ اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے اعلیٰ ہے
محمد ہے متاعِ عالم ایجاد سے پیارا زن وفرزند سے، ماں باپ سے اولاد سے پیارا

برادرانِ ملت! درحقیقت محبت رسول ہی مدار ایمان ہے۔ اسلامی احکام کا لاکھ پابند ہو نمازی بھی ہو، حاجی بھی ہو، غازی بھی ہو لیکن اگر اس کا سینہ محبت رسول کا مدینہ نہیں ہے تو ہرگز ہرگز وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ دیکھئے منافقین غازی بھی تھے۔ حاجی بھی تھے، میدان جہاد کے غازی بھی تھے۔ میاں ہم لوگ تو بہت معمولی اماموں کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں مگر یہ منافقین تو

امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پنج وقتہ مسجد نبوی کے اندر نماز ادا کرتے تھے مگر کیا وجہ ہے؟ کہ قرآن کریم نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یعنی یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ برادرانِ ملت! منافقین کیوں مومن نہیں کہلائے؟ بس یہی وجہ تھی کہ ان کے دلوں میں محبت رسول کی روشنی نہیں تھی' اس لئے یہ لوگ عمر بھر دولت ایمان سے محروم ہی رہے اور ان لوگوں کے روزہ و نماز' حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال صالحہ غارت و اکارت ہو گئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

یعنی اے مسلمان! تو اپنے کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عظمت و محبت تک پہنچا دے اور یقین رکھ کہ دین نام ہی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی کا۔ یاد رکھ! کہ اگر تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار عظمت و محبت تک نہ پہنچ سکا اور غلام مصطفیٰ نہ بن سکا تو پھر تجھ میں اور ابولہب میں کچھ فرق نہیں رہے گا' اسی مضمون کو کسی دوسرے شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے۔

نماز اچھی' حج اچھا' روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی؟
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہء بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایمان ہو نہیں سکتا

برادرانِ اسلام! اسی مضمون کو قرآن مجید نے اس آیت میں پیش فرمایا ہے کہ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ یعنی اللہ کی محبت' رسول کی محبت' جہاد کی محبت' ان تینوں کی محبت کو سارے جہان کی محبت سے بڑھ کر ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کے لئے واجب الاعتقاد اور لازم العمل قرار دے دیا ہے مگر برادرانِ ملت! ان تینوں محبتوں میں اگر غور کیجئے تو محبت رسول ایسی ہے کہ تینوں محبتوں کی جامع اور اصل الاصول ہے۔ دیکھئے اگر کوئی شخص صرف اللہ سے محبت کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رسول اور جہاد سے بھی محبت کرے کیونکہ اللہ سے تو کفار و مشرکین بھی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں مگر رسول اور جہاد کی محبت ان کے دلوں میں کہاں ہے؟ اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ سے محبت کرنے والے کے لئے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ رسول سے بھی محبت کرے' مگر یاد رکھئے کہ جو شخص رسول سے محبت کرے گا وہ یقیناً اللہ

سے بھی محبت کرے گا تو جہاد فی سبیل اللہ سے بھی ضرور محبت کرے گا۔ اس طرح ثابت ہوا کہ محبت رسول تینوں محبتوں کی جامع اور اصل الاصول ہے!

برادرانِ ملت! ایک خاص بات سن لیجئے۔ یہ تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت مومن پر فرض ہے مگر قرآن میں ارشاد ہوا کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ۔ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کرلی۔ اس نے خدا کی اطاعت کرلی! یہ نہیں فرمایا گیا کہ جس نے خدا کی اطاعت کرلی۔ اس نے رسول کی اطاعت کرلی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کتنے نفیس انداز میں اس مضمون کو ادا فرمایا کہ ۔

صدیق بلکہ غار میں جاں ان پہ دے چکے ۔۔۔ اور حفظ جاں تو جاں فروض غرر کی ہے
مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز ۔۔۔ اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
ہاں تو نے ان کو جان' انہیں پھیر دی نماز ۔۔۔ پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں ۔۔۔ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

دیکھئے اپنی جان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر فرض فرمایا ہے مگر یار غار رسول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت و اطاعت رسول میں اس فرض کو ترک فرما دیا۔ سانپ غار ثور میں انہیں ڈستا رہا مگر انہوں نے اپنا پاؤں نہیں ہٹایا کہ محبوب خدا کی نیند میں خلل پڑ جائے گا' اسی طرح فاتح خیبر علی حیدر نے منزل صہبا میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی زان پر اپنا سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے تو سورج غروب ہو گیا اور نماز عصر قضا ہو گئی مگر آپ نے پاؤں نہیں اٹھایا اور محبوب خدا کی نیند میں خلل نہیں پڑنے دیا۔ اللہ اکبر! صدیق اکبر نے محبت و اطاعت رسول میں جان بچانے کا فرض چھوڑ دیا اور علی حیدر نے محبت و اطاعت رسول میں نماز عصر خدا کے فرض کو ترک کر دیا مگر ان دونوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا' بلکہ صدیق اکبر کے زخم پر لعاب دہن لگا کر رحمۃ للعالمین شفاء عطا فرماتے ہیں اور خداوند قدوس سکینہ نازل فرماتا ہے اور مولائے کائنات کے لئے لب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں کہ اِنَّ عَلِیًّا کَانَ فِیْ طَاعَۃِ اللہِ وَطَاعَۃِ رَسُوْلَہٗ یعنی علی اللہ اور رسول کی فرماں برداری میں تھے۔ پھر اشارہ فرماتے تھے تو ڈوبا سورج پلٹ آتا ہے اور شیر خدا نماز عصر ادا فرماتے ہیں۔ برادرانِ ملت! حضرت صدیق اکبر اور علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل اعلان کر رہا ہے کہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی' اسی لئے اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں؟
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

برادرانِ ملت! یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کی مقدس زندگی اور ان کے طرزِ عمل سے پتا چلتا ہے کہ یہ پاکباز مومنین سب اعمال سے زیادہ محبت رسول ہی کو اہمیت دیتے تھے۔

قیامت کی تیاری

حضرات! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی۔ ایک مرتبہ ایک بھولے بھالے دیہاتی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! متی الساعۃ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ ارشاد فرمایا کہ مَا اَعْدَدْتَّ لَهَا تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ صحابی نے عرض کی مَا اَعْدَدْتُّ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (مشکوٰۃ ص۴۲۶) یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس کے سوا اور کوئی تیاری نہیں ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔

نہ طاعت پر نہ تقویٰ پر نہ زہد و اتقاء پر ہے
ہمارا ناز جو کچھ ہے محمد مصطفیٰ پر ہے

سرکار دوعالم جہاں نے یہ سن کر فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی تم اطمینان رکھو کہ تم جس کے ساتھ محبت رکھتے ہو۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ رہو گے۔ صحابہ کرام نے یہ سن کر نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کو اسلامی زندگی میں کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی جتنی اس وقت ہوئی جب سرکار مدینہ نے یہ خوشخبری سنائی کہ جو دنیا میں رسول پاک سے محبت کرے گا وہ قیامت میں رسول کی کالی کالی رحمت والی کملی کے زیرسایہ رہے گا۔ بخاری شریف کی روایت میں حضرت انس کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ آپ نے یہ بشارت سن کر فرمایا:

فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبَابَکْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِمِثْلِ اَعْمَالِهِمْ

(بخاری ج۱ص۵۲۱)

یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر سے محبت رکھتا ہوں لہٰذا میں یہ امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میں ان لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گا اگرچہ میرا عمل کبھی بھی ان حضرات کے اعمال کے برابر نہیں ہوسکتا۔

بہرحال برادرانِ ملت! محبت رسول وہ دولت بے بہا ہے کہ ایک مومن کے لئے زمین و

آسمان کے خزانوں میں اس سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے مگر آج جبکہ مال وزر اور متاع دنیا کی محبت عفریت بن کر مومنین کے قلب و دماغ پر مسلط ہو چکی ہے۔ میں کس طرح تمہیں سمجھاؤں؟ کہ محبت رسول سے بڑھ کر کوئی انمول دولت نہیں لیکن ہاں! صفحات تاریخ پر ستاروں کی طرح چمکنے والے صحابہ کرام کی محبت رسول کے چند نمونے تمہارے سامنے پیش کر دوں تو امید ہے کہ ان کی نورانیت سے تمہارے دلوں کی دنیا میں کچھ اجالا ہو جائے گا اور تمہیں بھی یہ نظر آ جائے گا کہ دونوں جہان کی ساری دولتیں اسی لئے ہیں کہ ان کو ایک محبت رسول کی دولت پر قربان کر دیا جائے!

انصار کا ایثار

برادرانِ اسلام! جنگ حنین میں بہت زیادہ مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اور اس دن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین اسلام کو اس قدر کثیر مال غنیمت عطا فرمایا کہ سب کو مالا مال فرما دیا۔ ایک ایک مجاہد کو سو سو اونٹوں کی قطار عنایت فرما دی لیکن یہ عجیب بات ہوئی کہ اس جہاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب جگہوں کے مجاہدین کو تو مالا مال فرما دیا مگر شمع نبوت کے خاص پروانوں یعنی جماعت انصار کو ایک چھوٹی کوڑی بھی نہیں دی' یہ منظر دیکھ کر کچھ نوجوان انصاریوں کے منہ سے نکل گیا کہ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِىْ قُرَيْشًا وَّيَدَعُنَا وَسُيُوْفُنَا تَقْطُرُ مِنْ دِمَآئِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائے کہ آپ قریشیوں کو عطا فرماتے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں دیتے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے کفار کا خون ٹپک رہا ہے۔ نوجوان انصاریوں کا یہ جملہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گوش مبارک تک پہنچ گیا۔ اس وقت آپ نے قاصد بھیج کر تمام انصاریوں کو بلایا اور فرمایا کہ حَدِيْثٌ بَلَغَنِىْ عَنْكُمْ اے انصاریو! یہ کیسی بات ہے جو تمہاری طرف سے میرے کان میں آئی ہے تو انصار کے سمجھدار بڑے بوڑھوں نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے جو صاحبان فہم و فراست ہیں۔ انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا مگر چند نوخیز لڑکوں نے ضرور کچھ کہہ دیا ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَّذْهَبَ النَّاسُ بِالْاَمْوَالِ وَاَنْتُمْ تَرْجِعُوْنَ اِلٰى رِحَالِكُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	یعنی اے گروہ انصار! کیا تم اس بات پر رضامند نہیں ہو کہ سب لوگ تو اپنے اپنے گھر مال و دولت لے کر جائیں گے اور تم جب اپنے گھر جاؤ گے تو

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ رَضِيْنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لیکر جاؤ گے کیونکہ میں مکہ والوں یا دوسرے لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا' بلکہ میں تمہارے ساتھ مدینہ چلوں گا۔

(مشکوٰۃ ص ۲۶۱)

تو تم بتاؤ! اور جواب دو! کہ تمہیں مال و دولت لے کر گھر جانے میں زیادہ مسرت حاصل ہوگی؟ یا رسول اللہ کو ساتھ لے کر گھر جانے میں زیادہ خوش رہو گے؟ یہ سن کر محبت رسول کا سیلاب انصار کے دلوں سے امنڈ کر آنکھوں میں آ گیا۔ سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور سب کا یہی جواب تھا کہ

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ۔ انصار کیلئے ہے خدا کا رسول بس

یارسول اللہ ﷺ! صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اونٹ' یہ بکریاں' یہ سونا چاندی' یہ سارا مال آپ دوسروں کو دے دیجئے' ہمیں تو اللہ کا رسول چاہئے کیونکہ یہ وہ دولت ہے کہ اس سے بڑھ کر زمین و آسمان کے خزانوں میں کوئی دولت نہیں۔

پڑھئے درود شریف:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات! یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم اجمعین نے اپنا تن' من' دھن' سب قربان کر دیا مگر رحمۃ للعالمین کے دامن رحمت کو نہیں چھوڑا۔ مارے گئے۔ آگ میں جلائے گئے' قتل کئے گئے' سولی پر لٹکائے گئے اور ان پر ایسی ایسی مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے بھی قدم اکھڑ جاتے' ہمالیہ ہوتا تو اس کے بھی پائے استقامت میں لغزش آ جاتی مگر عاشقان رسول کے سینوں میں وہ دل تھا کہ تمام آلام و مصائب کو برداشت کر لیا اور ہنستے کھیلتے آگ کے انگاروں پر لیٹ گئے اور پھانسیوں کے تختوں پر چڑھ گئے۔ اپنے خون کا آخری قطرہ بہا دیا اور اپنی زندگی کی آخری سانس قربان کر دی مگر محبت رسول کی دولت کو اپنے سینے کے صندوق اور دل کی تجوری سے لٹانا گوارا نہیں کیا!

حضرت بلال کا استقلال

اللہ اللہ! حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کون نہیں جانتا۔ ان کے گلے میں ظالموں نے رسی کا پھندا ڈالا۔ ان کی مقدس پیٹھ پر اس قدر کوڑے برسائے کہ پشت مبارک لہولہان ہو گئی۔ ان کے اس سینے پر جس کے نیچے وہ نورانی دل تھا جس میں محبت رسول کے ہزاروں دیپک جل

رہے تھے۔ کافروں نے اتنا وزنی پتھر رکھ دیا تھا کہ ان کی زبان باہر نکل پڑی۔ پھر چلچلاتی دھوپ میں گرم گرم ریت پر زخمی پیٹھ کے بل لٹا دیا مگر زمین گواہ ہے۔ آسمان گواہ ہے' خدائی گواہ ہے' خدا گواہ ہے کہ اس بے کسی و بے بسی کی حالت میں بھی وہ کلمہ حق لا الـہ الا اللہ محـمد رسول اللہ بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے اور زبان حال سے اعلان کرتے جاتے تھے کہ ۔

میں مصطفےٰ کے جام محبت کا مست ہوں
یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

حضرت عمار آگ کے کوئلوں پر

اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پہلے چوب اور کوڑوں کی مار سے کفار نے نڈھال کر دیا۔ پھر آگ کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا مگر یہ استقامت کا پہاڑ بن کر اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اسی حالت میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب سے گزرے تو عمار نے یارسول اللہ! کہہ کر آپ کو پکارا' عمار کی یہ مصیبت دیکھ کر رحمت عالم کے سینے میں شیشے سے زیادہ نازک دل صدموں سے چور چور ہو گیا اور فرمایا۔

يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

یعنی اے آگ! تو عمار پر اسی طرح ٹھنڈک اور سلامتی بن جا جس طرح تو حضرت ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی تھی۔

رحمت عالم' حضرت عمار کے زخموں پر اپنا دست شفقت پھیرتے تھے کہ عمار طیب ومطیب یعنی پاکیزہ وخوشبودار ہے۔ (اکمال)

حضرت خباب کی جلی ہوئی پیٹھ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مرتبہ حضرت خباب صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیٹھ نظر آ گئی۔ آپ نے دیکھا کہ پوری پشت مبارک میں سفید سفید زخموں کے نشان ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اے خباب! یہ تمہاری پیٹھ میں زخموں کے نشان کیسے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ امیر المومنین! آپ کو ان زخموں کی کیا خبر؟ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آپ ننگی تلوار لے کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹنے کے لئے دوڑتے پھرتے تھے۔ اس وقت ہم نے محبت رسول کا چراغ اپنے دل میں جلایا اور مسلمان ہوئے' اس وقت کفار مکہ نے مجھ کو آگ کے جلتے ہوئے کوئلوں پر پیٹھ کے بل لٹا دیا۔ میری پیٹھ سے اتنی چربی پگھلی کہ کوئلے

بجھ گئے اور میں گھنٹوں بے ہوش رہا مگر رب کعبہ کی قسم! کہ جب مجھے ہوش آیا تو سب سے پہلے میری زبان سے کلمہ لا الــه الا الله مـحـمـد رسول اللہ نکلا۔ امیر المومنین حضرت خباب کی مصیبت سن کر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اے خباب! کرتا اٹھاؤ! میں تمہاری اس پیٹھ کی زیارت کروں گا۔ اللہ! اللہ! یہ پیٹھ کتنی مبارک و مقدس ہے؟ جو محبت رسول کی بدولت آگ میں جلائی گئی ہے۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ تذکرۂ خباب)

بی بی سمیہ کا خون ناحق

عمار بن یاسر کی ماں بی بی سمیہ ایک مسکین عورت تھیں لیکن محبت رسول کی دولت سے مالا مال تھیں۔ ایک دن ابوجہل زہر میں بجھایا ہوا نیزہ لے کر آیا اور دھمکایا کہ سمیہ! تو کلمہ اسلام چھوڑ دے۔ یہ پیکر ایمان! ایک ظالم و سفاک انسان کے سامنے سینہ تان کر کھڑی ہو گئی اور زور زور سے لا الــه الا الله مـحـمـد رسول الله پڑھنے لگی۔ ابوجہل لعین نے اس مومنہ کی ناف کی نیچے ایسا نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور بی بی سمیہ خون میں لت پت ہو کر زمین پر پڑیں اور شہید ہو گئیں۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا ایک عورت کا خون ناحق ہے جو کافروں نے حرم کی مقدس زمین پر بہایا۔ (ابن الاثیر ذکر تعذیب المستضعفین)

حضرت زید بن دشنہ کی شہادت

حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار نے دھوکہ دے کر گرفتار کر لیا اور مکہ لے جا کر صفوان بن امیہ کے ہاتھ بیچ دیا۔ صفوان کا باپ امیہ جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ اس کے دل میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی۔ اس نے حرم کے باہر لے جا کر حضرت زید کو قتل کرایا' ہزاروں تماشائی جمع تھے۔ عین شہادت کے وقت ابوسفیان نے پوچھا کہ اے زید! خدا کی قسم سچ کہنا! کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ ہم تم کو سولی سے اتار لیں؟ اور تمہارے بدلے تمہارے رسول محمد کو سولی پر لٹکا دیں؟ یہ سن کر عاشق رسول کے سینے میں دل پھٹ گیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں مگر آپ نے نہایت جرات کے ساتھ یہ جواب دیا کہ

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد پر یہ سر کٹ جائے اور تیرا سراپا اسکو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا

کہ ان کے پاؤں کے تلوے میں اک کانٹا بھی چبھ جائے

حضرت زید کا جواب سن کر ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے بہت سے محبت کرنے والوں کو دیکھا

ہے مگر خدا کی قسم! جیسی محبت محمد کے ساتھیوں کو محمد سے ہے اس کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔ صفوان کے غلاموں نے تلوار مار مار کر حضرت زید کو شہید کر ڈالا۔ آخری سانس تک حضرت زید نے اپنے ماں باپ اور بچوں کو یاد نہیں کیا اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا ۔

یہ حالت ہے اب سانس لینا گراں ہے
مگر آپ کا نام وردِ زباں ہے

حضرت خبیب سولی پر!

حضرت خبیب بن عدی مدینہ منورہ کے رہنے والے جانباز انصاری تھے اور جنگ بدر میں حارث بن عامر کافر کو قتل کر چکے تھے۔ یہ بھی دھوکے سے گرفتار کر کے لائے گئے۔ حارث بن عامر کے بیٹوں نے ان کو اندھیری کوٹھڑی میں قید کر کے دانہ پانی بند کر دیا مگر حارث کی بیٹی نے بار بار یہ کرامت دیکھی کہ خبیب انگور کے خوشے ہاتھ میں لئے کھا رہے ہیں' حالانکہ اس وقت مکہ تو کیا؟ پورے جزیرۃ العرب میں کہیں انگور کا موسم نہ تھا' ان کو بھی اہل مکہ نے حرم کے باہر سولی پر چڑھایا۔ ہزاروں تماشائی اس عاشق رسول کے خاک وخون میں تڑپنے کا منظر دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ سولی پر لٹکانے کے وقت آخری تمنا کے طور پر پوچھا گیا کہ خبیب! تمہارا آخری وقت ہے اگر کوئی تمنا ہو تو کہہ دو؟ آپ نے فرمایا کہ اس کے سوا کوئی تمنا نہیں ہے کہ تم لوگ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت دے دو۔ آپ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی مگر بہت ہی مختصر' کسی کافر نے پوچھا کہ اے خبیب! یہ تمہاری زندگی کی آخری نماز تھی۔ تم نے اتنی مختصر کیوں ادا کی؟ فرمایا کہ ظالمو! میرا دل تو یہی چاہتا تھا کہ یہ میری زندگی کا آخری سجدہ ہے اس لئے گھنٹوں سجدے سے سر نہ اٹھاؤں مگر مجھے خیال آ گیا کہ تم کہیں یہ نہ سمجھ لو کہ میں جان کے ڈر سے لمبی نماز پڑھ رہا ہوں اور تم یہ طعنہ نہ دو کہ عاشقان رسول جان کے ڈر سے لمبی نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس نماز کو مختصر ادا کیا۔ کفار آپ کو گھسیٹتے ہوئے لائے اور سولی پر لٹکا کر دونوں ہاتھوں میں لوہے کی کیل ٹھونک دی۔ آپ نے اس وقت یہ دعا مانگی کہ یا اللہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو تیرے رسول کو میرا آخری سلام پہنچا دیتا۔ خداوند قدوس نے آپ کی تمنا پوری فرما دی کہ بذریعہ وحی سرکار مدینہ کو خبیب کا آخری سلام پہنچا دیا چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعلیک السلام یا خبیب! کہہ کر جواب دیا اور صحابہ کرام کو حضرت خبیب کی شہادت سے مطلع فرمایا۔

حضرت خبیب سولی پر لٹکے ہوئے رحمۃ للعالمین کی یاد میں گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔

بجرم عشق تو ام می کشد غوغا ئیست   تو نیز بر سر بام آ! کہ خوش تماشائیست

یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے سوا اور میرا کوئی جرم نہیں ہے کہ میں آپ سے محبت رکھتا ہوں اور اسی جرم محبت میں آج میں قتل کیا جارہا ہوں مگر مجھے موت کا غم نہیں ہے ہاں! یہ تمنا ضرور ہے کہ کاش۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے سامنے اس وقت تشریف فرما ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ آپ کی شمع نبوت کا پروانہ کس طرح والہانہ شان کے ساتھ اپنی جان قربان کررہا ہے۔ کفار نے یہ دیکھ کر کہ آخری وقت میں بھی یہ عاشق جانباز اپنے محبوب ہی کے عشق ومحبت کا گیت گارہا ہے۔ جل بھن کر حضرت خبیب کا منہ سولی سے ایک طرف کو پھیر دیا۔ خبیب نڈھال ہو چکے تھے مگر تڑپ گئے اور بلند آواز سے یہ اشعار پڑھنے گئے۔

لَقَدْ جَمَعَ الْاَحْزَابُ حَوْلِیْ وَالَّبُوْا !
قَبَائِلَهُمْ وَاسْتَجْمَعُوْا كُلَّ مَجْمَعِ

یعنی کفار کی تمام جماعتیں میرے گرد جمع ہو گئی ہیں اور ان لوگوں نے اپنے اپنے قبیلوں کو بھی جمع کر کے پورا پورا مجمع اکٹھا کر لیا ہے۔

وَقَدْ قَرَّبُوْا اَبْنَآءَهُمْ وَنِسَاءَهُمْ
وَقُرِّبْتُ مِنْ جِذْعٍ طَوِيْلٍ مُمَنَّعِ
وَكُلُّهُمْ يُبْدِيْ الْعَدَاوَةَ جَاهِدًا
عَلَيَّ لِاَنِّيْ وَثَاقٍ بِمَضِيْعِ

یہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو بھی تماشا دیکھنے کے لئے میرے قریب لائے ہیں اور مجھ کو کھجور کے لمبے اور مضبوط تنے پر لٹکا چکے ہیں۔

اور سب کے سب بھرپور دشمن ہو کر میرے قتل میں کوشاں ہیں اس لئے کہ میں مقتل میں رسیوں سے جکڑا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ کاش میں بندھا ہوا نہ ہوتا' بلکہ میرے ہاتھ میں شمشیر ہوتی ہیں۔ ان دشمنان رسول سے لڑتا ہوا جام شہادت نوش کرتا۔

اِلَى اللّٰهِ اَشْكُوْ كُرْبَتِیْ بَعْدَ غُرْبَتِیْ
وَمَا جَمَعَ الْاَحْزَابُ لِیْ عِنْدَ مَصْرَعِیْ

اپنی مصیبت غریب الوطنی اور ان جماعتوں کے ظلم وستم کی شکایت میں اپنے پروردگار

کے سوااور کہیں پیش کرنا نہیں چاہتا۔

وَلَسْتُ اُبَالِیْ حِیْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰی اَیِّ شَقٍّ کَانَ فِی اللّٰہِ مَصْرَعِیْ

اے کافرو! سن لو میں جب مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروانہیں ہے کہ میں کس کروٹ پر مررہا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم میرا منہ جدھر چاہو پھیر دو۔ میرا منہ اتر کی طرف پھیر دو یا دکھن کی طرف' پچھم طرف پھیر دو یا پورب کی طرف مگر یادرکھو کہ تم میرے منہ کو جدھر چاہو پھیر سکتے ہو لیکن میرے سینے میں جو دل ہے۔ تم اس کو مدینے سے کبھی نہیں پھیر سکتے۔

وَذَالِكَ فِیْ ذَاتِ الْاِلٰـہِ وَاِنْ یَّشَأْ
یُبَارِكْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٍ

یادرکھو! کہ یہ میری شہادت خدا کی راہ میں ہے اس لئے اگر خدا چاہے گا تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے بدن کے جوڑ جوڑ کو اپنی برکتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمادے گا۔

آپ ان اشعار کو پردرد آواز مگر جرات وجلال کے لہجے میں پڑھ رہے تھے کہ کفار نے ہر چہار طرف سے تیر مار مار کر آپ کے جسم کو چھلنی بنا دیا اور آپ جام شہادت سے سیراب ہو گئے۔ اللہ اکبر!

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یعنی ان پاک باز عاشقوں پر خدا اپنی رحمت کی بارش فرمائے کہ ان لوگوں نے محبوب کی یاد میں خاک وخون کے اندر تڑپ تڑپ کر مرنے کی کتنی اچھی رسم جاری کردی ہے۔

بہر حال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ کفار کے یہ روح فرسا مظالم' یہ جلادانہ بے رحمیاں یہ عبرت خیز سفاکیاں بھی ان عاشقان رسول کے قدموں کو متزلزل نہ کرسکیں اور یہ عشاق مصطفیٰ صبر واستقامت کا پہاڑ بن کر ان ظالموں کے آگے سینہ سپر بن کر ڈٹے رہے۔ اپنا مال وسامان بلکہ جان بھی قربان کردی مگر محبت رسول کے گوہر آبدار کو داغ دار نہیں ہونے دیا اور آخری دم تک ان کا یہی نعرہ رہا کہ

جو جان مانگو تو جان دیں گے' جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر نہ ہوگا یہ ہم سے ہرگز نبی کا جاہ وجلال دیں گے

برادرانِ ملت! محبت رسول کے جان نثاروں کی کون کونسی داستانیں آپ کو سناؤں؟
جنگ اُحد میں جب گھمسان کا رن پڑا اور جنگ کا نقشہ بگڑ گیا۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اسی طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اسی درمیان میں غل مچ گیا کہ رسول شہید ہو گئے' اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس ہل چل اور اضطراب میں اکثروں نے تو ہمت ہار دی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتا نہیں چلتا تھا کہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ مجاہدین اسلام نہایت بے جگری کے ساتھ لڑتے جا رہے تھے۔ حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے چلے جا رہے تھے مگر کعبہء مقصود کا کہیں پتا نہیں چلتا تھا۔

حضرت انس بن نضر کے اسی زخم

حضرت انس بن نضر جو حضرت انس بن مالک کے چچا تھے۔ لڑتے بھڑتے بہت آگے نکل گئے۔ دیکھا کہ کچھ لوگوں نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ انس بن نضر نے پوچھا کہ یہاں تم لوگ کیا کرتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ لوگوں نے کہا ''اب لڑ کر کیا کریں گے؟ جن کے لئے لڑتے تھے وہی نہیں رہے۔ ہم نے سنا ہے کہ رحمت عالم شہید ہو گئے۔ انس بن نضر یہ سن کر تڑپ گئے اور فرمایا کہ پھر ہم ان کے بعد زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ یہ کہہ کر دشمن کی فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ جنگ کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر' تلوار اور نیزہ کے زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر لاش کو پہچانا۔ (بخاری غزوۂ احد صفحہ ۵۷۸ مسلم ج ۲ ص ۱۳۸)

قدم رسول پر شہادت

جنگ اُحد کی اسی ہل چل اور بدحواسی میں جب مہر رسالت کو ہجوم کفار کے دل بادل نے گھیر لیا اور اس وقت سید المحبوبین نے پکارا کہ ''کون مجھ پر جان دیتا ہے تو حضرت زیاد بن سکن چند انصاریوں کو لے کر یہ خدمت ادا کرنے کے لئے بڑھے۔ ہر ایک نے جاں بازی سے لڑتے ہوئے اپنی جان فدا کر دی مگر ایک زخم بھی رحمت عالم کو لگنے نہیں دیا اور زیاد بن سکن کو تو یہ شرف حاصل ہوا کہ زخموں سے چور چور ہو کر دم توڑ رہے تھے۔ رحمت عالم نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ میرے قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے۔ ابھی کچھ کچھ جان باقی تھی۔ آپ نے زمین پر گھسٹ کر اپنا منہ محبوب خدا کے قدموں پر رکھ دیا اور اسی حالت میں آپ کی روح پرواز کر گئی۔

(مسلم غزوۂ احد) سبحان اللہ! اس موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ۔

ترے قدموں پہ سر ہو اور تار زندگی ٹوٹے
یہی انجام الفت ہے یہی مرنے کا حاصل ہے

اللہ اللہ! اس موت کا لطف و مزا تو عاشقان رسول ہی سے پوچھو۔ ہم تو بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ۔

بچہ ناز رفتہ باشد جہاں نیاز مند ے
کہ بوقت جاں سپر دن بسرش رسیدہ باشی

یعنی وہ نیاز مند کتنے ناز کے ساتھ دنیا سے گیا ہوگا؟ کہ بوقت وفات جس کے سرہانے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تشریف فرما ہو گئے ہوں گے۔

برادرانِ اسلام! بہرکیف میں نے سورہ توبہ کی آیت تلاوت کی اور ترجمہ بھی آپ کو سنا چکا کہ آٹھ چیزوں کی محبت کو جو شخص اللہ و رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت پر قربان کر دے گا وہی در حقیقت سچا مسلمان ہے اور اگر ان آٹھ چیزوں کی محبت اللہ و رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت پر غالب ہو گئی تو پھر سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا دل ایمان کی روشنی سے محروم ہے اور وہ ہرگز ہرگز سچا مسلمان نہیں ہو سکتا۔

برادرانِ ملت! دیکھئے ان آٹھ چیزوں میں سب سے پہلی چیز باپ داداؤں کی محبت ہے جس کو ارشاد فرمایا کہ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ۔ یعنی سچا مسلمان وہ ہے کہ باپ داداؤں کی محبت کو اللہ و رسول اور جہاد کی محبت پر قربان کر دے۔

بیٹے کی تلوار، باپ کا سر!

اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو سورۂ منافقین پڑھئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول تمام منافقوں کا سردار تھا۔ ایک مرتبہ اس نے کہہ دیا کہ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ یعنی اگر ہم لوگ مدینہ واپس لوٹے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو مدینہ سے نکال باہر کر دیں گے۔ معاذ اللہ! اس منافق نے اپنے عزت دار اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کو ذلیل کہا جس وقت اس کے بیٹے عبداللہ کو اس کی خبر ہوئی تو یہ مومن صادق الایمان آپ سے باہر ہو گئے اور ننگی شمشیر لے کر آئے اور باپ کے سر پر تلوار رکھ کر کہا کہ تم زور زور سے اعلان کرو کہ میں ذلیل ہوں اور رسول عزت والے ہیں ورنہ میں اسی تلوار سے تمہارا سر قلم کر دوں گا' چنانچہ

جب تک اس منافق نے یہ اعلان نہیں کیا۔ حضرت عبداللہ نے باپ کے سر سے تلوار نہیں اٹھائی۔
اسی طرح جنگ بدر میں کفار کا سپہ سالار عتبہ بن ربیعہ جب میدان میں نکلا تو اس کے فرزند حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر اس کے مقابلے کو نکلے مگر رحمت عالم نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ بیٹے کی تلوار باپ کے خون سے رنگین ہو۔ اس لئے ابو حذیفہ مقابلہ سے ہٹا دیئے گئے اور عتبہ بن ربیعہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار سے قتل ہوا۔ (سیرت ابن ہشام)

باپ ناپاک، بستر پاک

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو سفیان صلح حدیبیہ کے زمانے میں مدینہ آئے۔ اپنی بیٹی سے ملنے گئے اور بستر پر بیٹھنے لگے تو بی بی ام حبیبہ نے بستر الٹ دیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کے حبیب کا پاک بستر ہے اور تم مشرک ہونے کی وجہ سے ناپاک ہو اس لئے تم اس بستر نبوت پر نہیں بیٹھ سکتے۔ ابو سفیان کو اس سے بڑا رنج ہوا مگر حضرت ام حبیبہ کے دل میں جو عظمت و محبت رسول تھی۔ اس کے لحاظ سے وہ کب برداشت کر سکتی تھیں کہ بستر نبوت پر ایک مشرک بیٹھے۔ اللہ اکبر! حضرت ام حبیبہ نے اپنے باپ کی عظمت و محبت کو محبت رسول پر قربان کر دیا کیونکہ یہی ایمان کی شان ہے کہ باپ چھوٹ جائے تو چھوٹ جائے مگر عظمت مصطفیٰ اور محبت رسول کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔

برادران اسلام! آگے ارشاد فرمایا کہ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ یعنی باپ دادا کی طرف بیٹے، بھائی، بیوی، خاندان کی محبت کو بھی اللہ و رسول اور جہاد کی محبت پر نچھاور کر دینا ضروری ہے۔

شمشیر صدیق نور نظر پر

آپ نے سنا ہوگا کہ جنگ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند عبدالرحمن، ابو جہل کے جھنڈے کے نیچے کھڑے تھے جب میدان جنگ میں عبدالرحمن نکلے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر مقابلے کے لئے جھپٹے۔ عبدالرحمن سامنے سے اگر نہ نکل بھاگتے تو شمشیر صدیق بیٹے کا سر اڑا دیتی۔

برادران ملت! یہ ہے محبت رسول کا سچا جذبہ! کہ بیٹے کے سر میں رسول کی دشمنی کا سودا سما گیا ہے تو شفیق باپ کی تلوار اپنے نور نظر کی گردن کاٹنے کے لئے بے تاب ہے کیوں نہ ہو؟ کہ ایمان کی یہی شان ہے کہ محبت رسول پر باپ بیٹا سب کچھ قربان ہے۔

حضرت ابوسلمہ کے زن وفرزند

میرے بزرگو اور بھائیو! آپ نے حضرت ابوسلمہ کا نام سنا ہوگا۔ یہ صاحب الہجرتین ہیں یعنی پہلے حبشہ کو ہجرت کی۔ پھر وہاں سے واپس ہوکر مدینہ ہجرت کر گئے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے وقت انہوں نے اپنی بیوی ام سلمہ اور اکلوتے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھایا اور خود نکیل پکڑ کر چلے۔ دفعتۃً ام سلمہ کے میکے والے خاندان بنو مغیرہ کے لوگ آ گئے اور کہا کہ خبردار! اے ابوسلمہ! تم خود جاسکتے ہو مگر ہم اپنی لڑکی ام سلمہ کو ہرگز ہرگز تمہارے ساتھ مدینہ نہیں جانے دیں گے اور زبردستی ظالموں نے ام سلمہ اور بچے سلمہ کو اونٹ سے اتار لیا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ بیوی اور بچے کی محبت ابوسلمہ کو ہجرت سے روک لے گی مگر واہ رے محبت رسول کا جذبہ کہ گو بیوی اور بچے کی جدائی سے کلیجہ شق ہو رہا تھا مگر قدم نہیں ڈگمگائے اور بیوی بچے کو خدا حافظ کہہ کر اکیلے مدینے چلے گئے۔ پھر ابوسلمہ کے خاندان والے بنی عبدالاسد نے بچے سلمہ کو یہ کہہ کر بنی مغیرہ سے چھین لیا کہ لڑکی تمہاری ہے مگر بچہ ہمارے خاندان کا ہے۔ اس طرح بی بی ام سلمہ اپنے شوہر اور لخت جگر دونوں سے جدا ہو گئیں اور ایک سال تک شوہر اور بچے کے فراق میں روتی رہیں بالآخر ان کے چچازاد بھائی نے سب کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا کہ ام سلمہ اپنے بچے کو لے کر ابوسلمہ کے پاس مدینہ چلی جائے۔ بی بی ام سلمہ کا جذبہ ہجرت دیکھو کہ بچے کو لے کر تنہا مدینہ منورہ روانہ ہو گئیں مگر تنعیم کے پاس عثمان بن طلحہ ملے جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر نہایت شریف انسان اور ابوسلمہ کے دوست تھے۔ پوچھا! تم اکیلی کہاں جا رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ مدینہ! پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟ بی بی ام سلمہ نے کہا کہ ہمارے ساتھ اللہ کی ذات کے سوا کوئی بھی نہیں؟ عثمان بن طلحہ کی رگ شرافت پھڑک اٹھی کہنے لگے کہ یہ غیر ممکن ہے کہ تم ایک شریف کی بیوی ہو کر تنہا اتنا لمبا سفر کرو خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر بی بی ام سلمہ کو مدینہ منورہ تک پہنچا دیا۔ راستے میں اونٹ پر سامان لاد کر اونٹ کو بٹھا دیتے اور خود کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے جب ام سلمہ سوار ہو جاتی تھیں تو یہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دیتے تھے۔ اس طرح بی بی ام سلمہ مدینہ منورہ اپنے شوہر ابوسلمہ کے پاس پہنچ گئیں۔ پھر جب ۴ھ میں حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنگ میں زخمی ہو کر شہید ہو گئے تو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی ام سلمہ سے نکاح فرما لیا اور ان کو امت مسلمہ کی مادر مقدس ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی اور اکلوتے نورِ نظر کو چھوڑ دیا مگر فراقِ رسول برداشت نہ کر سکے۔ یہ ہے اَبۡنَـآؤُکُمۡ وَاَزۡوَاجُکُمۡ بیٹے اور بیوی کی محبت کو محبت رسول پر قربان کر دینے کا ایک بے مثل نمونہ پڑھیے۔

درود شریف: اللھم صل علٰی محمد وعلٰی ال محمد وبارك وسلم۔

مدینہ کی ایک ضعیفہ

برادرانِ ملت! جنگِ اُحد میں جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضور رحمتِ عالم شہید ہو گئے تو مدینہ کی ایک ضعیفہ عورت دریافت حال کے لئے میدانِ جنگ کی طرف دوڑ پڑی۔ یہ بڑھیا وہ ہے کہ ۔

گئے تھے جنگ میں اس کے برادر اور شوہر بھی
نچھاور کر دیئے تھے اس نے فرزندوں کے گوہر بھی

راستہ میں ایک مجاہد ملا جو فتح مبین کی خوشخبری لے کر مدینے آ رہا تھا۔ بڑھیا نے اس کو دیکھا تو ۔

نہ بھائی کا نہ شوہر کا نہ بیٹے کا خیال آیا
رسول اللہ کیسے ہیں؟ یہی لب پر سوال آیا

یہ ضعیفہ چلتے چلتے احد کی پہاڑی تک پہنچ گئی اور جب اس نے بچشم خود رحمتِ عالم کا دیدار کر لیا تو جوشِ مسرت میں اس بڑھیا نے کیا کہا؟ سنئے! ۔

نظر آیا کہ ہاں! جلوہ فگن طور تجلی ہے پکار اٹھی کہ بس میری تسلی ہی تسلی ہے
تسلی ہے' پناہ بیکساں' زندہ سلامت ہے
کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

اللہ اکبر! بھائی' شوہر' بیٹے کی لاش خون میں نہائی ہوئی نظر کے سامنے پڑی ہوئی ہے مگر یہ پیکرِ ایمان' جب اپنی آنکھوں سے جانِ ایمان کا نظارہ کر لیتی ہے تو بے اختیار پکار اٹھتی ہے کہ ۔

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی بردار بھی فدا
اے شہ دیں' تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شمشیر عمر اور ماموں کا سر!

حضرات! جنگ بدر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن

مغیرہ غصے میں بپھرا ہوا جنگ کیلئے میدان میں نکلا۔ حضرت فاروق اعظم نے بڑھ کر مقابلہ کیا اور بھانجے نے ماموں کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک اتر گئی اور فاروق اعظم نے قیامت تک کے لئے یہ نظیر قائم کر دی کہ کنبہ قبیلہ اور رشتہ داری سب کچھ محبت رسول پر قربان ہے!

برادران گرامی! آگے ارشاد ربانی ہے

وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا یعنی مال، مکان بھی رحمت عالم کی محبت پر قربان کر دینا شان ایمان کا تقاضا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنا مال، دکان، مکان سب کچھ چھوڑ دیا اور رحمت عالم کے دامن رحمت میں پناہ لینے کے لئے خالی ہاتھ مدینے کو ہجرت کر گئے۔ روایت ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی ہجرت کا ارادہ کیا تو قریش نے کہا کہ اپنا سارا مال و سامان چھوڑ جاؤ تو مدینے جاسکتے ہو، چنانچہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنا مال، دکان، مکان سب چھوڑ کر حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ چلے گئے!

برادران اسلام! خلاصہ یہ ہے کہ ایک طرف آٹھ چیزیں ہیں یعنی باپ، بیٹا، بھائی، بیوی، قبیلہ، مال، دکان، مکان اور دوسری طرف تین چیزیں ہیں۔ اللہ رسول، جہاد فی سبیل اللہ اب ہر مسلمان کو یہ سوچنا ہے کہ میرے دل میں ان آٹھ چیزوں کی محبت زیادہ ہے یا ان تین چیزوں کی؟ بس یہی ایمان کی پہچان کا صحیح معیار اور قابل اعتبار کسوٹی ہے کہ اگر ان آٹھ چیزوں کی محبت ان تین چیزوں کی محبت سے زیادہ ہے تو سمجھ لو! کہ تمہارا ایمان ناقص ہے اور تم ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ رحمت خداوندی تم پر کرم فرمائے بلکہ تم قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار اور عذاب نار میں گرفتار ہو اور اگر ان تین چیزوں کی محبت ان آٹھ چیزوں کی محبت پر غالب ہے اور تمہارے قلب کا یہ حال ہے کہ اللہ و رسول اور جہاد کی محبت اس طرح تمہارے دل میں رچی بسی ہے کہ ان تین کے مقابلے میں آٹھ چیزیں تو کیا؟ اٹھارہ ہزار عالم ہیچ ہیں تو یقین کر لو کہ تمہارا ایمان کامل ہے اور تم صادق الاسلام مسلمان ہو اور بلا شبہ تم دونوں جہان میں رحمت خداوندی کے حق دار اور فلاح دارین کے تاجدار ہو۔ تم جدھر رخ کرو گے خدا کی رحمت تمہارا استقبال کرے گی اور فتح و نصرت تمہارے قدموں کا بوسہ لے گی تمہارے ہر قدم پر جنت نثار اور تمہاری سجدہ گاہ کے بوسہ کے لئے ملائکہ بے قرار نظر آئیں گے۔ تمہاری دعاؤں کے استقبال کے لئے عرش الٰہی وجد کرے گا اور تمہاری مرادیں اور تمنائیں تمہاری تلاش میں دوڑتی پھریں گی۔

تمہارے قدموں کی ٹھوکر سے کائنات زیروزبر ہوگی اور تم جدھر نگاہ اٹھا کر دیکھو گے زمین و آسمان بلکہ سارا جہان تمہیں یہ پکارتا ہوا نظر آئے گا کہ ۔

نعمتیں دونوں جہاں کی ہیں تمہارے در پر
تم خدا کے ہو خدائی ہے تمہاری ساری

برادرانِ ملت! اللہ و رسول کی محبت کو تو ایک حد تک آپ سمجھ چکے۔ اب میں جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں بھی کچھ تشریح کیے دیتا ہوں اس کو بھی ذرا غور سے سن لیجئے!

جہاد فی سبیل اللہ!

مسلمان بھائیو! جہاد فی سبیل اللہ کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی دوسرے اصطلاحی۔ لغوی معنی تو ہیں۔ ''اللہ کی راہ میں کوشش کرنا'' اور جہاد اصطلاحی کے معنی ہیں'' جان و مال سے خدا کی راہ میں جنگ'' پھر جہاد اصطلاحی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک جہاد کفار۔ دوسرے جہاد نفس۔ جہاد کفار یہ ہے کہ اللہ و رسول کے ان باغیوں سے لڑنا جو زمین میں فساد کرتے ہیں اور اسلام کے نظام کو برباد کر کے کفر و عصیان اور شرک و طغیان کے طوفان سے جہان کو ویران کر دینا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے ظالموں اور فسادیوں سے جو اپنے ظلم و عدوان سے امن عالم کو غارت کر رہے ہوں۔ جنگ کرنا اور لڑنا ہر نیک و صالح بندے کا فطری و پیدائشی حق بلکہ انسانی فریضہ ہے اور اسی مقدس جنگ کا نام ''جہاد کفار'' ہے۔ جنگ بدر ہو یا جنگ احد' جنگ خندق ہو یا جنگ خیبر یہ ساری اسلامی لڑائیاں' جہاد کفار ہیں جن میں جانباز مجاہدین اسلام نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ کون نہیں جانتا کہ جنگ بدر' جنگ اُحد' جنگ خندق میں قریشی کفار ہزاروں کا لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے اور یہ ناپاک عزائم لے کر چلے تھے کہ مدینہ کے گوشہ عافیت میں خدا کی عبادت کرنے والے پاک باز عابدوں زاہدوں کو ہلاک کر دیں۔ بے گناہ بچوں کو ذبح کر دیں' عفت مآب خواتین اسلام کی بے حرمتی کریں اور غریبوں فقیروں کے مسکن شہر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں! برادرانِ ملت! جہاد کفار میں صحابہ کرام نے کتنے جوش اور ولولے کا مظاہرہ کیا۔ میں اس کے متعلق صرف جنگ بدر کی چند جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کر دیتا ہوں۔ ایک ہزار کفار کا لشکر سیلاب کی طرح بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ رحمت عالم نے اس نازک گھڑی میں جب مومنین کا اجتماع کر کے جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان فرمایا تو صرف تین سو تیرہ نہتے اور بے سروسامان مجاہدین نے جس جذبے اور ولولے کے ساتھ اس حق و

باطل کی جنگ میں حصہ لیا ہے' شاید آفتاب و ماہتاب کی نگاہوں نے روئے زمین پر ایسی جاں بازی و سرفروشی کا منظر نہ دیکھا ہوگا۔

انصار کی جاں نثارانہ تقریر

بدر کی روانگی سے قبل حضرات ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بڑی پرجوش تقریریں لیکن رحمۃ للعالمین انصار کا جواب سننے کے لئے بےقرار تھے۔ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا۔ کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ عرض کیا۔

معاذ اللہ! یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا　　پیا ہے دودھ ہم نے اپنی غیرت والی ماؤں کا
نبی کا حکم ہو تو کود جائیں ہم سمندر میں　　جہاں کو غرق کر دیں نعرہ اللہ اکبر میں
سنان نیزہ بن کر سینہ دشمن میں گڑ جائیں　　قریش مکہ ہیں کیا چیز؟ ہم دیووں سے لڑ جائیں

ہمارا مرنا جینا آپ کے احکام پر ہوگا
کسی میدان میں ہو خاتمہ اسلام پر ہو گا

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت مقداد بن اسود نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یوں نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں بلکہ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے۔

انصار کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک فرط مسرت سے چمک اٹھا۔

آخر ساٹھ مہاجرین اور دو سو ترپن انصار کل تین سو تیرہ جاں نثاروں کا لشکر بدر کی جانب چل پڑا۔ جوش جہاد کا یہ عالم تھا کہ بوڑھے اور جوانوں کے ساتھ عمیر بن ابی وقاص چودہ برس کے کمسن بچے بھی اس لشکر میں شامل ہوگئے۔ آخر رحمت عالم نے ان کو اجازت دے دی اور ان کے بھائی سعد بن ابی وقاص نے اس کمسن سپاہی کے گلے میں بھی ایک تلوار حمائل کر دی۔

برادرانِ اسلام! مجاہدین بدر کی بے سروسامانی کا بھی حال سن لیجئے۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں؟؟
یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواج الٰہی کا؟
جسے اعلان کرنا تھا خدا کی بادشاہی کا

مجاہدین کی یہ مختصری جماعت قریش کے جم غفیر سے ٹکر لینے کے لئے میدان بدر میں صف آراء

ہوگئی اور ایسی جاں نثاری کا مظاہرہ کیا کہ آسمان سے ان کی مدد کے لئے فرشتوں کی فوج اتر پڑی!

ابو جہل کے قاتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا اور میرے دائیں بائیں دو کمسن نوجوان معاذ و معوذ کھڑے تھے۔ دونوں نے مجھ سے پوچھا کہ اے چچا! ابو جہل کون ہے؟ میں نے کہا بھتیجے! ابو جہل کو پوچھ کر کیا کرو گے؟ تو دونوں نے جواب دیا کہ۔

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

اتنے میں ابو جہل سامنے آ گیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے اشارہ کر دیا کہ ابو جہل وہ ہے صورت دیکھتے ہی دونوں نوجوان باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے معاذ کے بائیں شانے پر ایسی تلوار ماری جس سے ان کا بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر بھاگ نکلا۔ معاذ اسی حالت میں لڑتے رہے لیکن کٹے ہوئے ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہو رہی تھی اس لئے ہاتھ کو پاؤں سے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا اور اب وہ آزاد تھے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! یہ ہیں جہاد فی سبیل اللہ سے محبت کے چند عملی نمونے اللہ اکبر! یہ نمازیوں کی فوج' یہ غازیوں کی جماعت' اے آسمان بول! اے زمین بتا! کیا تو نے کبھی ایسا جذباتی لشکر دیکھا ہے؟ جس کی رگ رگ میں جوش جہاد کا آتش فشاں پنہا ہو۔ افسوس! یہ مسجدوں کے نمازی اور میدان جنگ کے غازی دنیا سے چلے گئے۔ آہ۔ آہ! یہ رات کے عابد شب زندہ دار اور دن کے شہسوار آج دنیا میں نہ رہے۔ مسلمانو!

اک طرف تیغ بکف ایک طرف سر بہ سجود
پھر ضرورت ہے انہیں بے سروسامانوں کی

برادرانِ ملت! ''خیر'' تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جہاد کفار دوسرا جہاد نفس' جہاد کفار کا حال تو آپ سن چکے۔ اب جہاد نفس کی حقیقت کو بھی سمجھئے اور عمل کی کوشش کیجئے!

جہاد نفس

میرے بزرگو اور بھائیو! جہاد نفس کیا ہے؟ اجی یہ جہاد کی اعلیٰ ترین قسم ہے یہاں تک کہ

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (مشکوٰۃ ص ۳۴۳) یعنی مجاہد کامل تو وہی ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے بلکہ ایک غزوہ سے واپس ہوتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ یعنی اب ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے۔ آپ نے غور کیا۔ میدان جنگ میں تیر و تلوار کی لڑائی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹا جہاد فرمایا اور جہاد نفس کو بڑا جہاد قرار دیا۔ ایسا کیوں؟ بات یہ ہے کہ واقعی جہاد نفس بہت کٹھن چیز ہے' تیر و تلوار کا جہاد تو چند دنوں بلکہ چند گھنٹوں تک رہتا ہے مگر جہاد نفس تو ہر دم ہر قدم پر آخری سانس تک جاری رہتا ہے۔ جہاد نفس کیا ہے؟ سنئے! تمام گناہ والی لذتوں اور شہوتوں سے نفس کو روک لینا اور تمام عبادتوں کی مشقتوں پر ثابت قدم رہنا یہ ہے۔ جہاد نفس۔ غور فرمائیے کہ دنیا بے شمار گناہ والی لذتوں اور شہوتوں سے بھری پڑی ہے۔ شراب و منشیات سینما و موسیقی' رقص و سرور' حسن و جمال کے عریاں نظارے یہ گناہوں کے وہ دلکش و دل فریب سامان ہیں کہ نفس انسانی بار باران کی طرف لپکتا ہے مگر مجاہد نفس کی یہ شان ہے کہ وہ نفس کی لگام کو بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہمیشہ نفس کو ان گناہوں کی طرف بڑھنے سے روکے رہتا ہے۔ اسی طرح غور تو کیجئے! کہ کڑکڑاتا جاڑا' صبح کا وقت ٹھنڈے پانی سے وضو' مسجد کی حاضری' کس قدر نفس پر شاق ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ جون کی گرمی' گرم گرم لو کے تھپیڑے' ناقابل برداشت پیاس اور سامنے ٹھنڈا ٹھنڈا برف کا پانی' میٹھا میٹھا برف کا شربت' سوچئے تو سہی کہ نفس کس قدر بے قرار ہو کر پانی اور شربت کی طرف لپکتا ہو گا؟ مگر نمازی اور روزہ دار وہ مجاہد نفس ہیں کہ اپنے نفس سے لڑتے اور جہاد کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے! وقت فجر کا نمازی اپنے نرم نرم بستر اور گرم گرم لحاف کی میٹھی نیند کو ٹھوکر مار کر' کڑکڑاتے ہوئے جاڑے میں وضو کر کے' مسجد میں اپنے معبود حقیقی کے سامنے سربسجود ہو کر نفس سے جہاد کر کے اس جہاد میں فتح پاتا ہے۔ اسی طرح روزہ دار پیاس کی شدت میں ٹھنڈے میٹھے شربت کو حقارت کی نظروں سے دیکھ کر نفس پر فتح مبین حاصل کر کے مجاہد فی سبیل اللہ کے شرف سے سرفراز ہوتا ہے۔

برادران اسلام! یہی وجہ ہے کہ گلشن نبوت کے سب سے زیادہ حسین پھول یعنی پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا یعنی اے لوگو! کیا میں تم لوگوں کے ایسے اعمال کی طرف رہنمائی نہ کروں جن کے سبب سے خداوند کریم گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ اور بڑے بڑے بلند درجے عطا

فرماتا ہے۔قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔لوگوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ یارسول اللہ! ضرور ہماری رہنمائی فرمایئے۔

قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَی الْمَکَارِہِ وَکَثْرَۃُ الْخُطَاءِ اِلَی الْمَسَاجِدَ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوۃِ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ فَذٰلِکُمْ الرِّبَاطُ (مشکوٰۃ ص ۳۸)

ارشاد فرمایا کہ تکلیفوں کے باوجود وضو کو مکمل طریقے سے کرنا اور کثرت سے مسجدوں کی طرف آمدورفت رکھنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ جہاد ہے۔

اور امام مالک کی روایت میں ہے کہ دو مرتبہ ارشاد فرمایا کہ

فَذٰلِکُمْ الرِّبَاطُ فَذٰلِکُمْ الرِّبَاطُ۔ یعنی یہ جہاد ہے یہ جہاد ہے۔

اسی طرح حج وعمرہ کے بارے میں حضور شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

وَفْدُ اللّٰہِ ثَلٰثَۃٌ اَلْغَازِیْ وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ (مشکوٰۃ ص ۲۲۲)

یعنی دربارالٰہی کے معزز مہمان تین ہیں۔ میدان جنگ میں لڑنے والا اور حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا۔

آپ نے دیکھا۔غازی جہاد کفار کرتا ہے اور حج وعمرہ کرنے والا جہاد نفس کرتا ہے۔ سرکار دو جہاں نے ان سب کو مہمان خدا کے لقب سے سرفراز فرمایا۔یوں ہی زکوٰۃ دینے والا بھی مجاہد نفس ہے کیونکہ اپنی کمائی اور محبوب مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً نفس پر بہت شاق گزرتا ہے غرض میں عرض کر چکا کہ ہر گناہ سے بچنے والا مجاہد نفس ہے اور ہر نیکی پر ثابت قدم رہنے والا مجاہد نفس ہے' لہٰذا اے برادران ملت اگر ایمان حقیقی کا لطف اور دنیا وآخرت میں خداوند قدوس کی رضا اور مغفرت چاہتے ہو تو اللہ ورسول کی محبت کی طرح جہاد فی سبیل اللہ سے بھی محبت کرو اور جب جہاد کفار کا وقت آجائے تو تن من دھن کے ساتھ جہاد کفار بھی کرو اور ہر دم ہر قدم پر جہاد نفس کرتے رہو یعنی گناہوں سے بچتے رہو اور نماز' روزہ' حج وزکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال صالحہ کرتے رہو۔

مگر بھائیو! چاہئے تو یہ تھا کہ ہم باپ' بیٹا' بھائی' کنبہ' مکان' دکان' مال ہر چیز کو جہاد نفس کے وقت فراموش کر دیتے مگر افسوس! کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ ہم مسجد میں بھی جاتے ہیں تو دکان وتجارت کا خیال بھوت بن کر ہمارے سروں پر سوار رہتا ہے بلکہ نماز میں بھی سر سجدے میں اور دل بازار میں لگا رہتا ہے جہاں اللہ اکبر کہا اور نیت باندھ کر کھڑے ہوئے سبحانک اللھم کی جگہ پوری دکان کا سامان یاد آ گیا اور بلیک کے سہارے بہی کھاتے نظروں کے سامنے

آ گئے۔ دو رکعت ہوگئی؟ چار رکعت کی باندھی تھی تو دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا اور پھر الو کی طرح سوچ رہے ہیں دو ہوئی کہ چار۔

برادرانِ ملت! مجھے اس وقت ایک لطیفہ یاد آ گیا جو ہمارے حال کے بالکل مطابق ہے۔

ایک لطیفہ

مشہور ہے کہ ایک کنجوس، مکھی چوس، بخیل اپنے مکان میں روپیہ دفن کر کے جگہ بھول گیا۔ روتا ہوا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میں نے اپنے مکان میں روپیہ دفن کیا تھا مگر جگہ بھول گیا ہوں۔ حضور بتا دیں کہ میں نے کس جگہ روپیہ دفن کیا تھا؟ امام اعظم نے فرمایا کہ بھائی! کوئی مسئلہ ہو تو مجھ سے پوچھو، خزانہ کہاں دفن ہے؟ یہ بتانا میرا کام نہیں ہے مگر یہ شخص گڑگڑا کر انتہائی اصرار کرتا رہا تو امام اعظم نے فرمایا کہ اچھا میں تجھے ایک عمل بتاتا ہوں اگر تو نے یہ عمل کر لیا تو امید ہے کہ تیرا مدفون خزانہ تجھ کو یاد آ جائے گا تم جاؤ! آج رات میں ایک سو رکعت نفل نماز پڑھ کر دعا مانگو مگر شاید تم یہ عمل نہ کر سکو گے۔ بخیل بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ نہیں حضور! میں ضرور یہ عمل کروں گا گھر آیا اور رات میں مصلیٰ بچھا کر بڑے حضور قلب کے ساتھ نماز نفل شروع کر دی۔ ادھر شیطان کے پیٹ میں درد اٹھا کہ اگر اس مسلمان نے رات میں سو رکعت پڑھ لی تو یہ مقبول بارگاہ الٰہی ہو جائے گا۔ شیطان دوڑ کر آیا اور پہلی ہی رکعت میں ایسا وسوسہ ڈالا کہ اس کو خزانے کی جگہ یاد آ گئی۔ پھر کیا ہوا؟ بس پوچھئے مت، نماز ہی میں دل دھک پھک کرنے لگا۔ سٹاسٹ۔ کھٹا کھٹ، جلدی جلدی نماز پوری کی اور کہاں کا مصلیٰ؟ کیسی نماز؟ جلدی جلدی بھاگا اور کدال پھاوڑا ڈھونڈنے لگا اور کھودتے کھودتے خزانہ مل گیا اور اس کو گنتے سنبھالتے میں صبح ہوگئی اور دوسے تیسری رکعت نہ پڑھ سکا، صبح امام کے سلام کو حاضر ہوا اور بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ امام نے پوچھا کہ رات میں سو رکعت نماز پڑھ لی تھی۔ بولا کہ حضور نہیں! پہلی ہی رکعت میں خزانہ یاد آ گیا۔ پھر کھودنے، گننے، رکھنے میں صبح ہوگئی۔ امام نے فرمایا کہ بھائی! کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہیں سو رکعت پڑھنے نہیں دے گا ویسا ہی ہوا۔ بھائیو! یہی حال ہمارا ہے کہ نماز میں بھی مکان، سامان، دکان کا خیال لگا رہتا ہے۔

دوسرا لطیفہ

سنا ہے کہ ایک مرتبہ چند نمازی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ بھائیو نماز سے دنیا و

آخرت کے بڑے بڑے فائدے ہیں لہٰذا خبردار ہرگز ہرگز نماز نہ چھوٹنے پائے۔ ایک بلیک سے تیل بیچنے والا بیوپاری یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے کہا کہ ہاں! بھائی۔ ہاں! خدا کی قسم تم لوگ سچ کہتے ہو میں تو صرف عشاء کی نماز پڑھتا ہوں مگر اللہ اکبر! اس کا کتنا بڑا فائدہ ہے؟ اس کو بس میں ہی جانتا ہوں' بے شک نماز سے بہت بڑا فائدہ ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ اچھا! صاحب بتایئے تو کہ عشاء کی نماز میں آپ کو کون کونسا فائدہ نظر آیا؟ بیوپاری! ڈٹ کر بولا کہ واہ صاحب۔ واہ! آپ کو کیا خبر؟ دن بھر لوگ میرے یہاں سے ادھار تیل لے جاتے ہیں اور بھیڑ بھاڑ میں مجھے یاد نہیں رہتا کہ کون کون؟ کتنا کتنا تیل لے گیا ہے؟ مگر جب میں عشاء کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو مجھ کو گھورہو۔ بھکیلو' گتوارو' ڈومن' سب کا خیال آ جاتا ہے کہ کون کون؟ کتنا کتنا تیل لے گیا ہے؟ کیا یہ کوئی معمولی فائدہ ہے؟ جو آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو نماز عشاء سے کیا فائدہ ہے۔

برادرانِ ملت! ذرا سوچیے تو سہی! کہ یہ بھی کوئی نماز ہے؟ اجی نماز! اللہ اکبر کیا چیز ہے نماز؟

نماز وہ ہے جو سینوں میں بجلیاں بھر دے
نہ وہ کہ صرف رکوع و قیام بن کے رہی

بزرگوں کی نماز

دوستو! اور بزرگو! نماز دیکھنی ہو تو حضرت فضیل و ابوسعید اور خواجہ جنید بغدادی و بایزید بسطامی کی نماز دیکھو! جاوید نامہ میں کیا خوب لکھا ہے؟

پاک مرداں چو فضیل و بوسعید
عارفاں مثل جنید و بایزید؟
قراء تے کز وے خلیل آید بوجد
روح پاک جبرائیل آید بوجد

یعنی حضرت فضیل و ابوسعید اور خواجہ جنید و بایزید جیسے پاک باز عارفوں اور اللہ والوں کی نماز یہ تھی کہ ان کی قرأت کے سوز و گداز سے حضرت ابراہیم خدا کے خلیل اور روح الامین جبرائیل کو وجد آتا تھا!

دل ازو در سینہ گرد و ناصبور　　شور الا اللہ خیزد از قبور
ان کی قرأت سے سینوں میں دل بے قرار ہو جاتا تھا بلکہ قبرستان کی قبروں سے بھی الا

اللہ کا نعرہ بلند ہو جاتا تھا۔

سجدہ کزوے زمیں لرزیدہ است
برمرادش مہرومہ گردیدہ است

وہ ایسا سجدہ کرتے تھے کہ ان کی پیشانی کی روحانی ہیبت سے زمین کانپ جاتی تھی اور ان کی تمنائیں پوری کرنے کے لئے چاند وسورج گردش کیا کرتے تھے۔

ایں زماں جز سربزیرے ہیچ نیست
اندروں جز ضعف پیرے ہیچ نیست

آج کل سر جھکانے کے سوا سجدوں میں کچھ بھی نہیں ہے اور دلوں میں بڑھاپے کی کمزوری کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

لا الہ اندر نمازش بود و نیست
نازہا اندر نیازش بودو نیست !

اللہ والوں کی نمازوں میں لا الہ الا اللہ کا جلال تھا جو آج نہیں رہا۔ ان کے نیاز میں ہزاروں ناز پوشیدہ تھے جو آج ناپید ہو گئے۔

سینہ ہا از گرمی قرآن تہی
از چنیں مرداں چہ امید بہی
صاحب قرآں اوبے ذوق طلب
العجب ' ثم العجب' ثم العجب

آج مسلمانوں کے سینے قرآن کی گرمی سے خالی ہو چکے۔ پھر بھلا ایسے لوگوں سے کیا فلاح و بہبود کی امید کی جاسکتی ہے؟ اجی صاحب قرآن ہو کر رضائے مولیٰ کی طلب سے بے ذوق ہو۔ یہ تعجب کی بات ہے۔ بہت ہی تعجب کی بات ہے۔ نہایت ہی تعجب کی بات ہے۔

کاش! اے برادرانِ ملت! ہمیں خدا کے ان پاک بندوں جیسی نماز پڑھنے کی توفیق نصیب ہوتی جس کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (مشکوٰۃ ص۱۱)

یعنی تم اس طرح خدا کی عبادت کرو گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر تمہیں اتنی حضوری نہیں حاصل ہو سکتی تو کم سے کم اتنا دھیان تو رکھو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔ مسلمانو! بس رونا تو یہی ہے کہ ۔

نہیں ہے جوش بلالی و حیدری تجھ میں
ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے
خودی کو چھوڑ کے محو نماز یوں ہو جا!
کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

پانچواں وعظ

حُضُورُالْعَاشِقِیْن

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ ○ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ ○ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهِ الَّذِیْ لَانَبِیَّ بَعْدَهٗ ○ کُلَّمَا حَمِدَ لِلّٰهِ حَامِدٌ حَمْدَهٗ ○ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ط وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ (انفال)

❁

آواز ہو بلند درود و سلام کی
محفل ہے یارو ! سیرت خیرالانام کی
اللہ کا وظیفہ ہے اور قدسیوں کا بھی
کیا شان ہے رسول علیہ السلام کی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

حضراتِ گرامی! میں نے اس وقت سورۂ انفال کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی پکار پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمہیں ایسی چیز کے لئے پکاریں جو تمہیں زندگی بخشتی ہے اور تم لوگ یقین کرلو کہ اللہ کا ارادہ آدمی اور اس کے دلی ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تم سب لوگ اسی کے دربار میں جمع کئے جاؤ گے۔

برادرانِ ملت! خداوند قدوس نے اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو یہ حکم فرمایا کہ مومن کہیں بھی ہو اور کسی حال میں بھی ہو مگر جب اللہ و رسول کی پکار اس کے کان میں پڑ جائے تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ و رسول کی پکار پر لبیک کہہ کر دوڑ پڑے اور ایک لمحے کے لئے بھی دیر نہ کرے اگر اللہ و رسول کی پکار پر حاضری میں ایک لمحہ بھی تاخیر کرے گا تو وہ یقیناً اللہ و رسول کی بارگاہِ عظمت کا مجرم قرار پائے گا' چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوسعید بن

معلیٰ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ عین حالتِ نماز میں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا مگر میں نے نماز کی مشغولیت کی وجہ سے جواب نہیں دیا اور نماز پوری کر کے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور اپنی حاضری کی تاخیر کا یہ عذر کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز میں تھا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ حکم نہیں فرمایا ہے کہ اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ یعنی اللہ و رسول جب اور جس حال میں بھی تمہیں پکاریں تو تم ان کی پکار پر فوراً حاضر ہو جاؤ (مشکوٰۃ ص ۱۸۴)

اسی طرح ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور حالتِ نماز ہی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار ان کے کان میں آئی۔ یہ سوچ میں پڑ گئے کہ نماز کی حالت میں کس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب دوں؟ بالآخر جب نماز پوری کر کے حاضر بارگاہ عالی ہوئے اور عذر کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز میں تھا تو فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱)

حضرات! ان دونوں روایات سے پتا چلا کہ اللہ و رسول کی پکار پر فوراً ہی حاضر ہو جانا فرض ہے۔ اتنی مہلت بھی نہیں کہ نمازی نماز پوری کر کے آئے بلکہ عین حالتِ نماز میں دوڑ کر حاضر ہو جانا ضروری ہے کیونکہ ابوسعید بن معلیٰ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہما نماز کے بعد فوراً ہی حاضر ہو گئے تھے مگر پھر بھی معتوب ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی

برادرانِ ملت! اسی لئے فقہاء کرام کا فتویٰ ہے کہ نماز میں اگر کسی شخص کی بھی پکار کا جواب دیا جائے تو نماز باطل ہو جائے گی لیکن اگر کسی خوش نصیب کو عین حالتِ نماز میں رحمتِ عالم پکاریں تو اس پر فرض لازم ہے کہ فوراً نماز چھوڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پکار کا جواب دے اور بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سلام و کلام کرے۔ ان کے حکم کی تعمیل کرے، چلے پھرے خدمت انجام دے لیکن بارگاہ نبوت سے واپس لوٹ کر پھر وہیں سے نماز پڑھے جہاں سے چھوڑ کر گیا تھا کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پکار کا جواب دینے اور ان کی بارگاہ عظمت میں حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی' چنانچہ مرقاۃ میں ہے کہ

دَلَّ الْحَدِیْثُ عَلٰی اَنَّ اِجَابَةَ یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی

الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُبْطِلُ الصَّلٰوةَ كَمَا اَنَّ خِطَابَهٗ بِقَوْلِكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ لَا يُبْطِلُهَا ۔	اللہ علیہ وسلم کی پکار کا جواب دینے سے نماز باطل نہیں ہوتی جس طرح کہ آپ کو مخاطب کر کے ''السلام علیک ایھا النبی'' کہنے سے نماز باطل نہیں ہوتی (حاشیہ مشکوٰۃ ص۱۸۴)

یہی مضمون بخاری شریف کے حواشی ص ۱۶۱، ص ۶۴۲، ص ۶۶۹ پر بھی ہے اور خازن وغیرہ تفسیر کی کتابیں بھی اس نورانی مضمون سے منور ہیں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس مضمون سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شان بے مثالی آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جاتی ہے کہ نماز میں اگر کسی کو زبان سے تو کیا؟ اگر اشارہ سے بھی کوئی سلام کر دے تو اس شخص کی نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر رحمت عالم خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان بے مثالی ہے کہ ان کی پکار پر نمازی نماز چھوڑ کر دوڑ پڑے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ ان سے سلام وکلام کرے وہ جہاں بھیجیں چلا جائے ان کی خدمت بجالائے۔ سب کچھ کرے مگر اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟ جو مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب ''صراط مستقیم'' پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہ نماز میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال لانا بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدر جہا برا ہے۔ معاذ اللہ! توبہ! توبہ! نعوذ باللہ! کاش یہ لوگ ان نورانی عبارتوں کو ایمانی نگاہوں سے دیکھتے تاکہ ان کی آنکھیں کھل جاتیں اور انہیں عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا چمکتا ہوا آفتاب نظر آجاتا۔ سچ فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے

یادِ محمد یادِ خدا ہے   کس کو خر سے گھٹاتے یہ ہیں

ایک عجیب نکتہ

میرے بزرگو اور بھائیو! یہاں ایک عجیب نکتہ اور بھی قابل غور ہے کہ ابو سعید بن معلیٰ اور ابی بن کعب کو خدا نے نہیں پکارا تھا بلکہ ان دونوں کو محبوب خدا نے پکارا تھا مگر محبوب خدا کی پکار کو اللہ و رسول کی پکار فرمایا گیا۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پکار خدا ہی کی پکار ہے۔ قرآن مجید کی آیات گواہ ہیں کہ رب العزت جل جلالہٗ کا اپنے حبیب پر اتنا کرم عظیم ہے کہ وہ اپنے حبیب کے فعل کو اپنا فعل فرماتا ہے اور اپنے حبیب کے حکم کو اپنا حکم اور اپنے حبیب کے فرمان کو اپنا فرمان بتاتا ہے۔

برادرانِ ملت! روایت ہے کہ کفار مکہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے کاشانہ نبوت کو گھیر لیا تو جبرائیل امین نے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور بستر نبوت پر شہنشاہ ولایت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلا کر خود باہر تشریف لائے اور ایک مٹھی کنکری کفار کے جم غفیر کی طرف پھینکی۔ یہ کنکریاں کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئیں۔ وہ آنکھیں ملتے ہی رہے اور سلطانِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان سے ہو کر سلامتی کے ساتھ حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔

خدا کی پھینکی ہوئی کنکریاں!

حضرات! ان کنکریوں کو کس نے پھینکا تھا؟ کفار سے پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ ان کنکریوں کو پھینکنے والے رسول ہیں اور خود کنکریوں سے بھی اگر پوچھا جائے کہ اے کنکریو! بتاؤ تمہیں کس نے پھینکا؟ تو وہ یہی جواب دیں گی کہ ہم کو رسول نے پھینکا مگر جب خدا سے پوچھو گے تو یہ جواب ملے گا کہ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ اے پیغمبر! جب آپ نے ان کنکریوں کو پھینکا تھا تو آپ نے نہیں پھینکا تھا بلکہ ان کنکریوں کو تو خدا نے پھینکا تھا۔

اللہ اکبر! کنکری پھینکنے والے محبوب خدا ہیں۔ مگر قرآن گواہ ہے کہ کنکری پھینکنے والا خدا ہے۔ دیکھ لو، رسول کے عمل کو خدا اپنا عمل فرما رہا ہے۔ برادرانِ ملت! اس آیت میں رسول کی عظمت شان و رفعت مکان کا عظیم الشان نشان دیکھ لو! رحمۃ للعالمین کا کام رب العالمین کا کام ہے۔ رسول کریم کا فرمان خداوند کریم کا فرمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اللہ کی رضا ہے۔ محبوب خدا کی ناراضگی خدا کی ناراضگی ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ رسول خدا کی پکار خدا کی پکار ہے سبحان اللہ! خوب فرمایا ہے۔ کسی نے ؎

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است

یعنی رسول کی عظمت شان کے آگے زمین اپنی پیشانی رگڑ رہی ہے مگر واہ رے اس رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کہ اس جلالت شان کے باوجود آپ ہمیشہ اپنے کو عبدہٗ یعنی خدا کا بندہ فرماتے رہے۔ مگر حضرات! سن لیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو خالی عبد نہیں کیا بلکہ عبدہٗ کہا اور خداوند عالم نے بھی سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ میں رسول کو عبدہٗ فرمایا

ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر
ایں سراپا انتظار او منتظر !

عبد اور عبدہ کا فرق

جی! خالی عبد یعنی بندہ ہونا اور چیز ہے اور عبدہ یعنی خدا کا بندہ ہونا اور چیز ہے۔ دیکھو! ہم عبد ہیں تو ہمارا یہ حال ہے کہ ہم سراپا انتظار بنے ہوئے ہیں کہ کاش رحمت خداوندی کی کوئی تجلی ہم پر پڑ جاتی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عبدہ ہیں تو ان کی یہ شان ہے کہ خداوند کریم شب معراج میں ان کو مہمان بلا کر ان کے انتظار میں ہے۔

میاں! یہ تو سبھی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے بندے ہیں مگر خدا کی قسم اس بندے کی معراج ہوگئی جس کو ایک مرتبہ خدا کہہ دے کہ تو میرا بندہ ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

ہر جفا' ہر ستم گوارا ہے
اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند قدوس نے بار بار فرمایا کہ میرا محبوب میرا عبد ہے۔ پھر رسول کی شانِ عبدیت کا کیا کہنا؟ خدا کی قسم! جس طرح میرے رسول کی رسالت بے مثال' نبوت بے مثال' شفاعت بے مثال' امامت بے مثال' اسی طرح ان کی شان عبدیت بھی بے مثل و بے مثال ہے' سن لیجئے۔

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت
تانہ بینی از مقام مارمیت

یعنی ان دو شعروں سے مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک کہ تم مـا رمیت اذ رمیت والی آیت کا مطلب غور سے نہیں سمجھو گے۔ اس وقت تک تم کو رسول کی عبدیت کا جاہ وجلال نظر نہیں آ سکتا۔ مسلمانو! بار بار پڑھو او مارمیت اذ رمیت اور خود دیکھ لو اور دنیا کو دکھا دو کہ رسول کی یہ شان بندگی ہے کہ رسول کوئی کام کرتے ہیں یا کچھ فرماتے ہیں تو خداوند قدوس ان کے کام کو اپنا کام اور ان کے فرمان کو اپنا فرمان بتاتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی رسول اپنی خواہش سے تو کچھ فرماتے ہی نہیں بلکہ ان کا فرمان تو فرمان خدا ہوتا ہے۔

بیعۃ الرضوان

بزرگانِ ملت! آپ نے بیعۃ الرضوان کا حال نہیں سنا؟ ۶ ہجری میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدینہ طیبہ سے چودہ سو صحابہ کرام کی جماعت کو ہمراہ لے کر عمرہ کرنے کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف احرام باندھ کر روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے آپ کا راستہ روک لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم محبوب خدا کو خدا کے گھر کا طواف نہیں کرنے دیں گے۔ رحمت عالم بحالت احرام میدان حدیبیہ میں اتر پڑے اور صلح کی گفتگو کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا۔ کفار مکہ نے کہا کہ اے عثمان! تم اکیلے کعبہ کا طواف کر لو مگر ہم تمہارے رسول کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بغیر محبوب خدا کو ساتھ لئے ہوئے تنہا خدا کے گھر کا طواف نہیں کر سکتا بات بڑھ گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لوٹنے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ببول کے درخت کے نیچے رونق افروز ہوگئے اور اعلان فرما دیا کہ کون کون میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرتا ہے؟ کہ جب تک اس کی جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے وہ خدا کی راہ میں جنگ کرتا رہے گا چنانچہ چودہ سو جاں نثار دوڑ پڑے اور سب نے رحمت عالم کا دست مبارک اپنے ہاتھ کے اوپر رکھ کر بیعت کر لی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے وہ کیسے بیعت کرتے؟ مگر رحمت عالم کا کرم دیکھو کہ آپ نے اس وقت فرمایا کہ اِنَّ عُثْمَانَ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اللّٰہِ وَحَاجَۃِ رَسُوْلِہٖ (مشکوٰۃ ص ۵۶۱) یعنی حضرت عثمانؓ اس وقت اللہ کے رسول کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ پھر سرکار دو عالم نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور اپنے بائیں ہاتھ کو فرمایا کہ یہ رسول کا ہاتھ ہے اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ ھٰذِہٖ لِعُثْمَانَ (مشکوٰۃ ص ۵۶۲) یہ حضرت عثمان کی بیعت ہے!

عزیزانِ گرامی! آپ نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کام کے لئے بھیجا تھا مگر فرما رہے ہیں کہ حضرت عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ صاف صاف اس بات کا اعلان ہے کہ رسول کا کام خدا ہی کا کام ہے اور رسول کی خدمت خدا ہی کی خدمت ہے۔ مسلمانو! یہی تو وجہ ہے کہ حالت نماز میں محبوب خدا کی پکار پر دوڑ پڑنے والے کی نماز باطل نہیں ہوتی کیونکہ محبوب خدا کا خدمت گزار درحقیقت خدا ہی کا پرستار و فرماں بردار ہے۔

رسول کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے

برادرانِ ملت! یہاں بھی یہ نکتہ یاد رکھیے کہ صحابہ کی بیعت رسول کے ہاتھ پر ہوئی تھی اور صحابہ کے ہاتھوں پر رسول کا ہاتھ تھا مگر قرآن میں رب العالمین کا فرمان ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی جن لوگوں نے اے محبوب! آپ سے بیعت کی انہوں نے خدا سے بیعت کی بلکہ یہاں تک فرمایا کہ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ یعنی صحابہ کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ تھا۔ اللہ اکبر یہ ہے۔ محبوبیت کبریٰ کا جلوہ! کہ رسول کی بیعت کو خدا نے اپنی بیعت قرار دیا اور خداوند سبوح وقدوس جو ہاتھ سے پاک ہے۔ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے۔

برادرانِ ملت! اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جب پروردگار عالم اپنے محبوب کی بیعت کو اپنی بیعت اور اپنے محبوب کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرما رہا ہے تو پھر محبوب کی پکار کیونکر نہ خدا کی پکار ہوگی؟ اس لئے حضرت ابوسعید بن معلیٰ اور حضرت ابی بن کعب نے اگرچہ رسول کی پکار پر دوڑنے میں تاخیر کی تھی مگر وہ اس لفظ کے ساتھ موردِ عتاب ہوئے کہ کیا تم نے یہ آیت نہیں سنی تھی؟

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ — کہ اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر فوراً حاضر ہو جاؤ۔

زینب بنت جحش کا نکاح

حضرات! زینب بنت جحش خاندان قریش کی دختر نیک اختر تھیں۔ صاحب مال اور حسن و جمال والی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم فرمایا کہ تم میرے غلام زید بن حارثہ سے نکاح کرلو! زینب بنت جحش کے بھائی عبداللہ بن جحش کی رگِ قریشیت بھڑک اٹھی اور انہوں نے انکار کردیا کہ ایک قریشی صاحب زادی ہرگز ایک غلام کے نکاح میں نہیں دی جاسکتی۔ رحمۃ للعالمین کی یہ حکم عدولی رب العالمین کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ فوراً جبرائیل امین احکم الحاکمین کا حکم لےکر فرش زمین پر اتر پڑے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا (احزاب)

یعنی اللہ و رسول جب کسی مومن بندے یا مومن بندی کو کسی بات کا حکم فرمادیں تو پھر انہیں اپنے معاملہ کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو شخص اللہ و رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں گمراہ ہو جائے گا۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! زینب بنت جحش کو خدا نے نکاح کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ محبوب کبریا نے حکم دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فرماتا ہے یعنی رسول کے حکم کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خدا کا حکم تھا اور عبداللہ بن جحش نے خدا ورسول دونوں کی نافرمانی کی چنانچہ وَمَن یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول کا حکم خدا کا حکم ہے اور رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اسی لئے میں نے عرض کیا کہ رسول کی پکار پر دوڑنے والا چونکہ خدا کی پکار پر دوڑنے والا ہے۔ اس لئے حالت نماز میں اگر کوئی شخص رسول کی پکار پر دوڑے گا تو ہرگز اس کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ وہ خدا کی نماز میں ہے اور وہ خدا ہی کے حکم پر دوڑا ہے اس لئے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی خدا کی عبادت سے جدا نہیں ہوا' پڑھیے درود شریف اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد وبارك وسلم۔

بہر کیف! میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ سورۂ انفال کی اس آیت نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ مومن کہیں بھی ہو' کسی حال میں بھی ہو مگر جب اللہ ورسول اس کو پکاریں تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ ورسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو جائے اور ایک سیکنڈ کی بھی دیر نہ کرے!

بزرگان ملت! اس الحاد و بے دینی کے دور میں تو اللہ ورسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہونے والوں کی مثال میں کہاں سے پیش کر سکتا ہوں۔

اس دور میں تو ہر چیز جس طرح مصنوعی ہو چکی ہے اسی طرح مسلمان بھی مصنوعی ہو گئے ہیں' افسوس! اب تو وہ بدترین دور آ چکا ہے جس کے لئے خدا کے محبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے پونے چودہ سو برس پہلے فرما دیا تھا کہ

سَیَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ ۔ یعنی عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گے کہ اسلام کا صرف نام ہی نام باقی رہ جائیگا۔

آج کل وہی منحوس دور شروع ہو چکا ہے کہ نام کا اسلام اور نام کے مسلمان باقی رہ گئے ہیں۔ اسلام کی روح فنا ہوگئی اور حقیقی مسلمانوں سے دنیا تقریباً خالی ہوگئی۔ مسلماناں در گور و مسلمانی در کتاب والا زمانہ آ گیا ہے۔ سچ کہا شاعر مشرق نے ؎

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ✿ برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی ✿ فلسفہ رہ گیا' تلقین غزالی نہ رہی

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

شور ہے ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود　　ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
تم ہو صورت میں نصاریٰ تو تمدن میں ہنود　　یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغاں بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

برادرانِ اسلام! آج تو میں ایسے نمونے تمہیں نہیں دکھا سکتا جو اللہ و رسول کی پکار پر اپنا سب کچھ چھوڑ کر دوڑ پڑیں مگر ہاں! آؤ! اس دور کی سیر کرو! جو خیر القرون یعنی تمام زمانوں میں بہتر زمانہ ہے۔ خیر القرون کون؟ خیر القرون وہ مقدس دور ہے جو دور صحابہ کہلاتا ہے۔ صحابہ کون؟ صحابہ وہ خوش نصیب مسلمان جنہوں نے ایمانی نگاہوں سے نبی بے مثال کا جلوۂ جمال و جلال دیکھا اور آخری دم تک اسلام کی نصرت و حمایت میں کمر بستہ رہ کر رحمتہ للعالمین کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پہنچ گئے۔ ان حقیقی مسلمانوں کی مقدس زندگی کا مطالعہ کرو تو پتا چل جائے گا کہ واقعی اللہ و رسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو جانے والوں کے کیسے کیسے انمول و بے مثال نمونے گزر چکے ہیں۔

غسیل الملائکہ

عزیزانِ ملت! حضرت حنظلہ بن ابی عامر صحابی کا لقب "غسیل الملائکہ" ہے۔ یعنی فرشتوں کے نہلائے ہوئے یہ غسیل الملائکہ کیوں کہلاتے ہیں؟ ان کا واقعہ تاریخ اسلام کا ایک بہت ہی رنگین و عبرت خیز واقعہ ہے۔ عین جنگ احد کی رات کو یہ اپنی دلہن کے پاس سو رہے تھے۔ دولہا دلہن ایک دوسرے سے پیار و محبت میں مصروف تھے کہ ناگہاں مدینہ کی گلیوں میں منادی رسول کی یہ صدا بلند ہوئی کہ الرحیل ۔ الرحیل یعنی خدا کے دین کی امداد و نصرت اور توحید الٰہی و ناموس رسالت پناہی کی حمایت و نصرت کے لئے میدان جنگ میں چلو۔ میدان جنگ میں چلو! یہ آواز سن کر جناب حنظلہ دلہن کے بستر سے اٹھ بیٹھے اور اپنی نئی نویلی دلہن سے کہہ دیا کہ میری پیاری دلہن! دیکھ! اور سن! میرے پیارے رسول مجھے میدان جنگ کے لئے پکار رہے ہیں۔ اب میرے لئے یہ بستر عروسی کانٹوں کا بستر ہے۔ اب ایک لمحہ کے لئے میں

یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ میرے رب کا فرمان ہے اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ...... یعنی اے ایمان والو! تم جہاں بھی رہو اور جس حال میں بھی رہو جب اللہ و رسول تمہیں پکاریں تو ان کی پکار پر فوراً حاضر ہو جاؤ! میری پیاری دلہن خدا جانتا ہے کہ تیری محبت میرے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں جلوہ گر ہے مگر میں اس وقت تیری محبت کو اللہ و رسول کی محبت پر قربان کرتا ہوں۔

دولہا کی طرح دلہن بھی پیکر ایمان ہے۔ گو محبت کا سیلاب دل کی گہرائی سے امنڈ کر آنکھوں سے بہ نکلا مگر اس خاتون اسلام نے جواب دیا کہ میرے سرتاج! خدا علیم ہے کہ میرے سینے میں تیری محبت کے سینکڑوں چراغ جل رہے ہیں' تیرے دم سے میرا سہاگ قائم ہے۔ تیرا وجود میری تمام تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز حیات و قبلہ حاجات ہے۔ میں نے اپنے ماں باپ' عزیز و اقرباء بھائی بہنوں کو تیرے لئے چھوڑا۔ میں نے تیری چوکھٹ پر اس گھر کی محبت کو نچھاور کر دیا جس گھر کے اندر میں پیدا ہوئی' پلی بڑھی' پروان چڑھی' مجھے یہ غم ہے کہ میں ایک پردہ نشین خاتون ہونے کی وجہ سے اس جہاد میں تیرے دوش بدوش لڑ نہیں سکتی۔ میری بھی یہی تمنا ہے کہ میرے پیارے شوہر جلدی کرو اور جاؤ' کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ و رسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو جانے میں کچھ دیر ہو جائے۔ میرے سرتاج! تم جاؤ' جلدی جاؤ اور خدا اور رسول کی راہ میں جاں نثارانہ جنگ کرو۔ میری کوئی فکر نہ کرنا! اگر تم خدا کی راہ میں سر کٹا کر شہید ہو گئے تو اطمینان رکھو کہ میں تمہارا کوئی غم نہیں مناؤں گی بلکہ مجھے اس بات کی خوشی ہوگی کہ میدان محشر میں جب میں حنظلہ شہید کی بیوہ کہہ کر پکاری جاؤں گی تو فخر سے میرا سر اونچا ہو جائے گا کہ میں اس جان باز مسلمان کی بیوہ ہوں جو میرے بستر سے اٹھ کر اللہ و رسول کی راہ میں لڑتے ہوئے زخمی ہوا اور خون میں نہا کر رنگین لباس پہن کر دولہا بنا اور شہادت کی دلہن نے آگے بڑھ کر اس کو اپنے آغوش میں لا کر سلا دیا۔

مسلمانو! دنیا سے سفر کرنے والا یہ مسافر گھر سے روانہ ہو رہا ہے اور دلہن آنسوؤں میں ڈبڈبائی آنکھوں سے آخری مرتبہ اس جنتی دولہا کا دیدار کرتی ہے۔ حنظلہ جوش جہاد میں بھرے ہوئے احد کے میدان جنگ میں پہنچے اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح کفار پر جھپٹ پڑے اور ایسی دلیری و جاں بازی کے ساتھ لڑے کہ لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر نڈھال ہو گئے یہاں تک

کہ گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑے اور تڑپتے ہوئے شہید ہوگئے۔ کئی گھنٹے تک یہ حق و باطل کا معرکہ گرم رہا۔ یہاں تک کہ آسمان سے فتح مبین نے اتر کر رحمۃ للعالمین کے قدموں کا بوسہ لیا اور کفار میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہوگئے۔

رحمت عالم نے فرمایا کہ تمام شہدائے کرام کی مقدس لاشوں کو میرے سامنے جمع کرو۔ میں قیامت کے دن دربار خداوندی میں ان کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا کہ اے میرے رب کریم! یہ تیرے وہ وفادار بندے ہیں جنہوں نے میری نظروں کے سامنے تیری راہ میں اپنا گلا کٹا کر جام شہادت نوش کیا۔ صحابہ نے مقدس شہیدوں کی لاشوں کو میدان جنگ سے اٹھا اٹھا کر رحمت عالم کے سامنے جمع کر دیا۔ اس جنگ میں ۷۰ صحابہ کرام اعزاز شہادت سے سرفراز ہوئے تھے۔ انہتر لاشیں دستیاب ہوئیں مگر حنظلہ کی لاش نہیں ملی۔ ایک صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ! میں نے حنظلہ کو گھوڑے سے گرتے ہوئے دیکھا۔ کسی نے کہاں فلاں جگہ میں نے حنظلہ کی لاش دیکھی۔ غرض مختلف گواہیوں سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ حنظلہ شہید ہوئے مگر لاش نہیں ملتی تھی۔ آخر کچھ دیر میں کچھ دور پر ایک لاش نظر آئی جب صحابہ نے جا کر دیکھا تو حضرت حنظلہ کی لاش تھی اور ان کے جسم اور بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

برادران ملت! روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حنظلہ کی دلہن سے پوچھا مَا کَانَ شَانُہٗ جنگ کے لئے جاتے وقت حنظلہ کا کیا حال تھا؟

قَالَتْ کَانَ جُنُبًا فَلَمَّا سَمِعَ الْھَیْعَۃَ خَرَجَ فَقُتِلَ۔

دلہن نے جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ میرے بستر سے اٹھ کر گئے تھے اور ان کو نہانے کی حاجت تھی لیکن جب انہوں نے دعوت جنگ اور لڑائی کا شور و غوغا سنا تو فوراً بلاغسل کئے وہ گھر سے نکل گئے اور اسی حالت میں شہید ہوگئے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ الْمَلٰئِکَۃَ تَغْسِلُہٗ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں۔

برادرانِ اسلام! اسی دن سے حضرت حنظلہ صحابی کا لقب غسیل الملائکہ ہو گیا۔ حاضرین کرام مسئلہ یہ ہے کہ شہید کو دفن کے وقت غسل نہیں دیا جائے گا بلکہ خون میں لت پت ہی اس کو دفن کر دیا جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہید جب قیامت کے دن خداوند قہار و جبار کے دربار میں جائے گا تو اس طرح جائے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہو گا مگر اَللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ وَالرِّيْحُ رِيْحُ الْمِسْكِ یعنی رنگ تو خون کا ہو گا مگر اس سے مشک جیسی خوشبو آ رہی ہو گی! لیکن ہاں! اگر کوئی ناپاکی کی حالت میں شہید ہو گا تو اس کو ضرور غسل دیا جائے گا۔ حضرت حنظلہ چونکہ جنابت کی حالت میں شہید ہوئے تھے لہٰذا ان کو دفن کے وقت غسل دینا ضروری تھا مگر اس خوش نصیب شہید کی خوش قسمتی تو دیکھو! کہ اللہ کی غیرت ستاری و غفاری نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ حضرت حنظلہ کو کوئی انسان غسل دے بلکہ آسمان کے فرشتوں کو حکم دے دیا کہ تم حضرت حنظلہ کو غسل دو۔ اس طرح حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکۃ ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مسلمانو! مقام عبرت ہے کہ ایک وہ مسلمان تھے جو اپنی دلہن کے بستر پر عیش و عشرت میں مشغول تھے مگر جب اللہ و رسول نے انہیں سر کٹانے کے لئے پکارا تو وہ بستر عروسی کو لات مار کر میدان جنگ کی طرف دوڑ پڑے اور اللہ و رسول کی راہ میں اپنا سر کٹا کر قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کی نسلوں کو زبان حال سے یہ پیغام دیتے ہوئے شہید ہو گئے کہ ؎

خون میں نہاؤ' زخم سہو' سر فدا کرو
جب وقت آئے دین پہ' یوں حق ادا کرو

مسلمانو! سوچو تو سہی کہ ایک ہم آجکل کے مسلمان ہیں کہ روزانہ نماز فجر کے وقت ہمارے کانوں میں اللہ و رسول کی پکار آتی ہے اور اللہ و رسول کا منادی مسجد کا موذن زور زور سے پکارتا ہے۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ نماز کے لئے آؤ! نجات کی طرف آؤ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ' اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔ اے سونے والو۔ نماز تیری نیند سے بہت اچھی ہے۔ اے سونے والے! نماز تیری نیند سے بہت اچھی ہے! مسلمانو ہم کو سر کٹانے کے لئے نہیں بلایا جاتا بلکہ پکی مسجد میں چٹائی کے فرش پر بجلی کے پنکھے کے نیچے اپنے خالق و مالک کے سجدے کے لئے بلائے جاتے ہیں مگر اللہ و رسول کی یہ پکار سن کر بھی ہم اپنے نرم نرم بستر اور گرم

گرم رضائی کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ مسلمانو اللہ! انصاف کرو! کہاں حضرت حنظلہ جیسے کامل الایمان مسلمان؟ اور کہاں ہم جیسے کاہل الوجود مسلمان؟ سچ کہا ڈاکٹر اقبال نے

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے ہم سے کب پیار ہے؟ ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبع آزاد پہ قید رمضاں بھاری ہے تمہیں کہہ دو! یہی آئین وفاداری ہے
قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں، محفل انجم بھی نہیں

حضرت عبیدہ کی سرفروشی

برادرانِ ملت! جنگ بدر میں سب سے پہلے لشکر کفار کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ سپہ سالار لشکر اپنے بھائی شیبہ اور فرزند ولید کو لے کر میدان میں نکلا اور پکارنے لگا کہ یَا مُحَمَّدُ هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ۔ اے محمد! کوئی ہمارا مقابلہ کرنے والا ہو تو اس کو بھیجو۔ رحمت عالم نے حضرت عوف اور حضرت معاذ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کو پکارا۔ یہ تینوں فرط مسرت سے اچھلتے ہوئے مقابلہ کے لئے نکلے۔ عتبہ نے ان تینوں کا نام ونسب پوچھا اور جب معلوم ہوا کہ یہ لوگ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا کہ ہم کو تم لوگوں سے کوئی غرض نہیں۔ پھر عتبہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے کہا کہ اے محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں۔ آپ ہمارے مقابلہ میں ان لوگوں کو بھیجئے جن کی رگوں میں ہماری ہی طرح قریشی خون دوڑ رہا ہو۔ جاں نثاران نبوت سر اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں اور منتظر ہیں کہ رحمت عالم! اب کن کن خوش نصیبوں کو پکارتے ہیں؟ سرکار دو عالم نے حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت عبیدہ بن الحارث کو پکارا۔ یہ تینوں رسول کی پکار پر دوڑ پڑے۔ چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی۔ اس لئے عتبہ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ تینوں نے جب اپنے نام ونسب بتائے تو عتبہ بولا! کہ ہاں! اب ہمارا جوڑ ہے۔ عتبہ حضرت حمزہ سے لڑا اور لگاتار کئی وار کئے لیکن جناب حمزہ کی کمال ہنرمندی سے عتبہ کا ہر وار خالی گیا۔ پھر جناب حمزہ نے پینترہ بدل کر عتبہ کی گردن پر ایسی تلوار ماری کہ کھیرے کی طرح گردن کٹ گئی اور عتبہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ ولید حضرت علی سے مقابل ہوا۔ شمشیر کے دو دو ہاتھ ہوئے تھے کہ اچانک فاتح خیبر نے ولید پر ذوالفقار کا ایسا وار کیا کہ وہ قتل ہو کر خاک پر تڑپنے لگا اور [حض]رت پکار اٹھی! کہ

شاہ مراں ' شیر یزداں ' قوت پروردگار
لَافَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَاسَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ

مگر شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا اور وہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے۔ فوراً علی حیدر نے جھپٹ کر شیبہ کی گردن اڑا دی اور حضرت عبیدہ کو اپنی پشت پر سوار کر کے رحمت عالم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے سرکار نبوت کے قدموں کے پاس لیٹے ہوئے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجھے شہادت نصیب ہوگئی؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں! ہاں! بے شک تم شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ حضرت عبیدہ نے جمال نبوت کا آخری نظارہ کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں ؎

وَنُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ
وَنَذْهَلُ عَنْ اَبْنَآئِنَا وَالْحَلَائِلِ

یعنی ہم ہرگز ہرگز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ ہم ان کے اردگرد لڑتے لڑتے خون میں لت پت ہو جائیں گے اور ان کی حفاظت کے جوش میں ہم اپنے بچوں اور بیویوں کو بھی فراموش کر دیں گے؟ حضرت عبیدہ نے یہ شعر پڑھا اور روح پرواز کر گئی!

حضرات! یہ شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کا ہے۔ قریش نے ایک مرتبہ ابو طالب سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ محمد کو ہمارے حوالے کر دیں ورنہ ہم آپ کا ادب و احترام بالائے طاق رکھ کر آپ کا بائیکاٹ کر دیں گے۔ اس وقت ابو طالب نے یہ شعر کہا تھا۔

برادرانِ ملت! یہ ہیں اللہ و رسول کی پکار پر دوڑنے والوں کے بے مثال نمونے کہ حضرت عبیدہ اگرچہ شیبہ سے کمزور تھے مگر جب رسول خدا نے پکارا تو حضرت عبیدہ بلا پس و پیش دوڑ پڑے اور آخری دم تک لڑتے رہے اور شہادت کے وقت نہ بیوی بچوں کو یاد کیا' نہ عزیز و اقارب کو' نہ کوئی تمنا ظاہر کی' نہ کسی خواہش کا اظہار کیا۔ فکر ہے تو یہ اور تمنا ہے تو یہ! کہ مجھے شہادت نصیب ہوئی یا نہیں؟ اللہ اللہ! یہ اخلاص کے پیکر' یہ للّٰہیت کے مجسمے! کیا اس دور میں بھی کہیں دیکھے جا سکتے ہیں؟ سچ ہے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی ؟

برادرانِ ملت! شہادت کا کیا کہنا؟ شہادت کی موت دیکھنے میں تو موت ہے مگر ایسی موت ہے کہ اس موت میں مرنے والے کی موت کو موت آ جاتی ہے اور شہید کو حیات جاودانی نصیب ہو جاتی ہے!۔

زندہ جاوید ہیں ملت کے شہیدان کرام — نوجوانو! تمہیں معلوم بھی ہے؟ ان کا مقام
یہ وہ مرحوم ہیں جن کیلئے خود رحمت حق — لے کے آتی ہے حیات ابدی کا پیغام!

ان کی لاشوں پہ فرشتوں کی صفیں ہوتی ہیں
لے کر اتری ہیں جو خوشنودی حق کا پیغام

یہ وہ ارباب بقا ہیں کہ لہو سے اپنے — کھینچتے صفحہ ایام پہ ہیں نقش دوام

دی ہے جن کے دم جاں بخش نے ملت کو حیات
ان کی روحوں پہ ہو سو بار درود اور سلام

زخمیوں کا جوش جہاد

برادرانِ اسلام! جنگ احد میں باوجودیکہ مسلمان شہید ہو چکے تھے اور بہت سے لوگ زخمی تھے مگر جب ابوسفیان نے دوبارہ پلٹ کر حملہ کا ارادہ کیا اور حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو لشکر ابوسفیان کے مقابلہ کے لئے پکارا تو صحابہ کرام اسی حالت میں جنگ کے لئے دوڑ پڑے اور میلوں دور تک ابوسفیان کے تعاقب میں بڑھتے چلے گئے جس کا تذکرہ خداوند قدوس نے ان شاندار لفظوں میں فرمایا کہ

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝ یعنی وہ لوگ جو زخمی ہونے کے باوجود اللہ و رسول کی پکار پر حاضر ہو گئے۔ ان نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کیلئے بہت بڑا ثواب ہے۔

جنگ حنین

برادرانِ اسلام! فتح مکہ کے بعد شوال ۸ھ میں جنگ حنین ہوئی۔ ''حنین'' مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ تاریخ اسلام میں حق و باطل کا یہ معرکہ بھی بڑا ہی عجیب اور

عبرت خیز ہے۔اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور کفار صرف چار ہزار تھے۔ بعض صحابہ کی زبان سے یہ نکل گیا کہ جب جنگ بدر و اُحد میں باوجود اقلیت اور بے سروسامانی کے ہم فتح یاب ہو گئے تو آج جبکہ ہم اکثریت میں ہیں اور ہتھیار و سامان کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ بھلا کون پھر ہم پر غالب ہو سکتا ہے؟ آج تو ہماری فتح یقینی ہے۔ خداوند کریم کو مسلمانوں کا اپنی اکثریت پر گھمنڈ کرنا پسند نہیں آیا اور مسلمانوں کو یہ سبق دینے کے لئے کہ مسلمان تعداد اور ہتھیار و سامان کی کثرت سے فتح نہیں پاتا بلکہ مسلمان ہمیشہ خداوند قدوس کی امداد و نصرت سے فتح یاب ہوتا ہے۔ اچانک خداوند عالم نے کچھ ایسے اسباب پیدا فرما دیئے کہ لشکر اسلام کو شکست فاش ہو گئی اور بارہ ہزار اسلامی فوجیں قبیلہ ہوازن کی تیراندازی و ناگہانی حملوں کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلیں۔ قرآن مجید نے لشکر اسلام کی بدحواسی اور بھگدڑ کا نقشہ ان لفظوں میں کھینچا ہے۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ

یعنی تم لوگ جنگ حنین کے دن کو یاد کرو جبکہ تمہاری کثرت تعداد نے تم لوگوں کو گھمنڈ میں ڈال دیا تھا لیکن تمہاری اکثریت نے تم کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچایا اور چوڑی زمین تمہارے لئے تنگ ہو گئی اور تم لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔“

برادرانِ ملت! جنگ حنین میں تیروں کا مینہ برس رہا ہے اور بارہ ہزار فوجیں فرار ہو چکی ہیں لیکن اس حالت میں بھی ایک پیکر مقدس ثابت قدم ہے جو تنہا ایک فوج‘ ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات ہے۔ آپ عین میدان جنگ میں اپنے سفید خچر پر سوار ہیں اور عباس بن عبدالمطلب خچر کی لگام مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ برابر آگے بڑھ رہے ہیں اور زبان مبارک پر رجز کا یہ شعر جاری ہے

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

یعنی میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے

میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

عین اسی حالت میں سرکار دو جہاں نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو حکم دیا کہ تم

انصار و مہاجرین کو آواز دو۔ حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے۔ انہوں نے نعرہ مارا کہ ''یَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اے گروہ انصار یَا اَصْحٰبَ الشَّجَرَةِ اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو'' اس پکار کا کانوں میں پڑنا تھا کہ بھاگی ہوئی تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی اور رسول کی اس پکار پر لوگ اس تیزی سے واپس پلٹے کہ جن لوگوں کے گھوڑے کش مکش کی وجہ سے نہ دوڑ سکے وہ زرہوں کو اتار کر پھینکتے ہوئے اتنی تیزی سے دوڑے کہ جس طرح نیل گائے اپنے بچے کی آواز پر بے قرار ہو کر دوڑ پڑتی ہے۔ دم زدن میں بارہ ہزار کا بھاگا ہوا لشکر ماہ رسالت کے گرد ہالہ کی طرح پرے جما کر کھڑا ہو گیا اور ایسی جاں نثاری کے ساتھ جم کر لڑنے لگا کہ چشم زدن میں لڑائی کا رنگ بدل گیا اور آسمان سے فرشتوں کی فوج فتح مبین کا تحفہ لے کر اتر پڑی' بہت سے کفار قتل ہوئے کچھ بھاگ نکلے جو رہ گئے گرفتار کر کے رسیوں میں جکڑ دیئے گئے جس کا منظر قرآن کریم نے ان لفظوں میں پیش فرمایا

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ)

یعنی شکست کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سکون قلب کا سامان اپنے رسول پر اور مومنین پر نازل فرما دیا اور ایسے لشکروں کو اتار دیا جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور یہی کافروں کا بدلہ ہے۔

برادران اسلام! غور کیجئے کہ بارہ ہزار کا لشکر جبکہ دشمنوں کی تیر اندازی اور اچانک حملوں سے پیاسا ہو کر انتہائی بے ترتیبی کے ساتھ بھاگ نکلا اور ایسی بھگدڑ مچ گئی تھی کہ چوڑی زمین تنگ ہو چکی تھی اور کسی کو بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تھا؟ پریشانی و بدحواسی میں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں تھی مگر اس بدحواسی اور بھگدڑ کی حالت میں بھی جب خدا کے رسول کی پکار ان کے کانوں میں پڑی تو بغیر ایک لمحہ تاخیر کئے ہوئے دفعۃً بارہ ہزار کا لشکر اس تیزی کے ساتھ پلٹ پڑا کہ گھوڑے سے اتر کر پیدل دوڑے یہاں تک کہ ہلکے بدن ہونے کے لئے زرہ اور سامان جنگ کو بھی پھینک دیا تا کہ رسول کی پکار پر دوڑ پڑنے میں ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر نہ ہونے پائے کیونکہ خدا کے اس فرمان پر ان کا ایمان تھا کہ

يَـا اَيُّهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَـنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ ۔

یعنی اے ایمان والو! تم جہاں بھی رہو اور جس حال میں بھی رہو لیکن جب اللہ و رسول تمہیں پکاریں تو تم دوڑ پڑو اور حاضر ہو جاؤ۔

غزوۂ احزاب کا دل بادل

بزرگانِ محترم! بات پر بات یاد آتی ہے۔ جنگ حنین میں رسول کی پکار پر صحابہ کس طرح دوڑ پڑے۔ یہ تو آپ سن چکے۔ اب ذرا جنگ احزاب میں صحابہ کی حاضری کا منظر بھی دیکھ لیجئے۔ غزوۂ احزاب کا دوسرا نام جنگ خندق بھی ہے۔ ۵ھ میں جبکہ شدید سردی کا موسم تھا اور مسلمانوں کے افلاس و غربت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودتے وقت صحابہ پر کئی کئی دن فاقے گزر جاتے تھے۔ ایک دن صحابہ نے بھوک سے بے تاب ہو کر اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ ایک ایک پتھر بندھا ہے۔ جواب میں رحمت عالم نے بھی اپنا شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ شہنشاہ دو عالم کے شکم مبارک پر دو پتھر دیکھ کر صحابہ آبدیدہ ہو کر خاموش ہو گئے۔ ایسے وقت میں قریش، یہود اور قبائل عرب کی تقریباً دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینے کے تین طرف اس زور و شور کے ساتھ حملہ آور ہوئیں کہ مدینے کی زمین دہل گئی۔ اس معرکہ کی تصویر قرآن کریم نے ان لفظوں میں کھینچی ہے۔

اِذْ جَـاءُ وْكُـمْ مِّـنْ فَـوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِـنْـكُـمْ وَاِذْ زَاغَـتِ الْاَبْـصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُـنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِيْدًا ۔ (احزاب)

جبکہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آ پڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی جانچ کا ٹائم آ گیا تھا اور وہ زور زور سے جھنجھوڑ دیئے گئے تھے۔

برادرانِ ملت! مومنین کے لئے یہ نہایت کٹھن گھڑی تھی جو تعداد میں کم، غربت و افلاس سے پریشان، ہتھیار اور سامان جنگ سے مجبور اور نہایت ہی سخت محاصرہ میں محصور تھے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے بہادر ایسی افتاد پر لرزہ براندام ہو کر بھاگ جاتے مگر جاں نثاران اسلام ایسے نازک وقت میں بھی جب خدا کے رسول نے انہیں سرفروشی کے لئے بلایا تو بچہ بچہ

پیکر استقامت اور صبر و استقلال کا پہاڑ بن کر لشکر کفار کے سیلاب کے مقابل ڈٹ گیا۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کامل الایمان مسلمانوں کے استقلال و جرات اور اللہ و رسول کی پکار پر دوڑ پڑنے کی تصویر کشی جن لفظوں میں پیش فرمائی ہے۔ اس کو پڑھ کر بزدل سے بزدل مسلمان کی بھی رگ ایمان پھڑک اٹھتی ہے۔ سنئے ارشاد قرآنی ہے۔

وَلَـمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰـذَا مَـا وَعَـدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُـوْلُـهٗ وَمَـا زَادَهُـمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (احزاب)

اور جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجوں کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور رسول دونوں سچے ہیں اور اس نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بڑھا دیا۔

برادرانِ ملت! تقریباً بیس یا بائیس دنوں تک یہ دس ہزار کا لشکر مدینے کا محاصر کئے ہوئے تھا۔ خندق کو پار نہیں کر سکتے تھے مگر باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے لیکن ایک دن تمام فوجیں اکٹھا ہو کر اس جگہ سے جہاں خندق کی چوڑائی بہت ہی کم تھی۔ خندق کے اس پار آ کر حملہ آور ہو گئیں اور عرب کے مشہور بہادر ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبدود نے گھوڑے دوڑا کر خندق کے اس پار آ گئے ان میں سب سے زیادہ مشہور عبدود تھا۔ یہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر بھاگ نکلا تھا اور اس ظالم نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مسلمانوں سے جنگ بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا۔ بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا۔ سب سے آگے یہی بڑھا اور مقابل طلب کیا۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے رحمت عالم سے اجازت لی اور اس کے مقابلہ کے لئے سامنے کھڑے ہو گئے۔ عمرو بن عبدود نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ میں تم جیسے کم سن لڑکے سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا نام علی بن ابی طالب ہے اور میں تم کو چھوڑ نہیں سکتا۔ عمرو بن عبدود مارے غصہ سے سرخ ہو گیا اور تلوار سے آپ پر اس زور کا وار کیا کہ جب شیر خدا نے ڈھال پر روکا تو تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی آپ کی پیشانی پر لگی۔ یہ زخم اگرچہ بہت گہرا نہ تھا تاہم یہ طغریٰ آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا جواب میں اسد اللہ غالب نے ایسی تلوار ماری کہ ذوالفقار کی دھار دشمن کے شانہ کو کاٹتی ہوئی پار ہو گئی اور شیر خدا نے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگا کر فتح کا اعلان فرما دیا۔ عمرو بن ود کے بعد ضرار اور جبیرہ آگے بڑھے لیکن جب

ذوالفقار کا ہاتھ آگے بڑھا تو دونوں فرار ہو گئے۔نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا۔صحابہ تیر مارنے لگے۔یہ مغرور بولا کہ مسلمانو! تم مجھے تلوار سے قتل کردیں۔شریفانہ موت مرنا چاہتا ہوں۔اسداللہ الغالب خندق میں کود پڑے اور ذوالفقار نے اس بدنصیب کا بھی خاتمہ کردیا۔
اسی طرح محاصرہ اور جنگ کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک رات ایسی طوفانی آندھی چلی کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور بڑے بڑے دیگ چولہوں پر سے الٹ پلٹ گئے۔شدید سردی اور اس آندھی کی تباہی نے دس ہزار کے لشکر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔پھر قریش اور یہودیوں میں پھوٹ بھی پڑ گئی یہاں تک کہ قریش کے پاؤں اکھڑ گئے اور ابوسفیان اپنے لشکروں کے ساتھ بھاگ نکلا اور مدینہ کا افق بیس بائیس دن تک غبار آلود رہ کر صاف ہو گیا۔

برادرانِ اسلام! صحابہ کرام نے ہر موقع پر اللہ ورسول کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو گئے۔وہ دولت ایمان کے ایسے پونجی پتی تھے جن کے قدموں پر دونوں جہان کی دولتیں قربان ہیں۔ان نیک بختوں کو اللہ ورسول کی بارگاہ عظمت سے ایسے بلند درجات عطا ہوئے کہ ان کے مراتب کی بلندیوں پر نگاہ ڈالنے سے بڑے بڑے سربلندوں کے سروں سے ٹوپیاں گر پڑتی ہیں اور جن بدبختوں نے اللہ ورسول کی پکار پر لبیک نہیں کہا وہ ذلت وخواری اور تباہی وبربادی کے ایسے غار میں گر پڑے کہ اسفل السافلین بھی اس کی گہرائی پر انگشت بدنداں ہے۔

ثعلبہ بن حاطب کا انجام

برادرانِ ملت! ایک نہایت ہی عبرت خیز روایت سن لیجئے۔ثعلبہ بن حاطب ایک بہت ہی مفلس مسلمان تھے۔یہ نماز پڑھ کر سب سے پہلے مسجد نبوی سے نکل کر اپنے مکان پر چلے جاتے تھے۔ایک دن رحمت عالم نے دریافت فرمایا کہ اے ثعلبہ تم مسجد سے نکلنے میں اس قدر جلدی کیوں کرتے ہو؟ عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں بس یہی ایک لباس ہے جس کو پہن کر میں مسجد میں آتا ہوں جب میں گھر جا کر یہی لباس بیوی کو دیتا ہوں تو وہ غریب نماز پڑھتی ہے۔پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے مالداری کی دعا فرمایئے۔حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ ثعلبہ! تم صبر کرو! تمہارے لئے غریبی ہی بہتر ہے مگر ثعلبہ نے بار بار اس قدر اصرار کیا کہ بالآخر حضور رحمت عالم نے فرمایا کہ اچھا! یہ بتاؤ تمہیں کونسا مال پسند ہے؟ ثعلبہ نے عرض کی۔حضور! ''بکریاں'' آپ نے دعا فرمادی کہ

خداوند کریم تیری بکریوں میں برکت عطا فرمائے۔ سبحان اللہ! محبوب کبریا کی دعا نے یہ جلوہ دکھایا کہ ثعلبہ کی بکریوں میں اتنی برکت ہوئی کہ چند ماہ میں بکریوں کی تعداد اس قدر زیادہ بڑھ گئی کہ شہر مدینہ میں ان بکریوں کا رکھنا دشوار ہو گیا۔ ثعلبہ نے مدینے سے کچھ دور جا کر میدان میں گھر بنا کر رہنا شروع کر دیا اور اب بجائے پنج وقتہ مسجد میں حاضر ہونے کے صرف فجر و عشاء میں آنے لگے۔ پھر چند دنوں میں جب بکریوں کی تعداد اور بھی زیادہ بڑھ گئی تو ثعلبہ کو مدینے سے بہت دور ایک جنگل میں آباد ہونا پڑا اور اب صرف جمعہ جمعہ کو مسجد نبوی میں آنے لگے۔ اتنے میں زکوٰۃ کی آیت نازل ہوئی اور جب اللہ و رسول نے زکوٰۃ کا حکم دیا تو تمام صحابہ نے اپنے اپنے مالوں کی زکوٰۃ بارگاہ نبوی میں حاضر کر دی مگر جب ثعلبہ کے پاس سلطان کونین کا قاصد پہنچا تو ثعلبہ نے یہ دیکھ کر کہ بہت زیادہ بکریاں زکوٰۃ میں نکل جائیں گی۔ کہہ دیا کہ یہ تو ایک قسم کا تاوان معلوم ہوتا ہے۔ میں پھر سوچوں گا اور زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ قاصد نے جب ثعلبہ کی حرکت بارگاہ رسالت میں عرض کی تو رحمت عالم نے فرمایا کہ افسوس! میں ثعلبہ سے کہتا تھا کہ غریبی تیرے لئے بہتر ہے مگر وہ نہیں مانا۔ آج مال کی محبت نے اس کے ایمان کو برباد کر دیا۔ ثعلبہ کے جواب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب نازک پر صدمہ گزرا اور ناراض ہو گئے۔ چند دنوں کے بعد ثعلبہ اپنے کرتوت پر شرمندہ ہوا اور بکریوں کی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا' اور شرمندگی کا اظہار کرنے لگا' مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کہہ کر اس کی زکوٰۃ کو واپس فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری زکوٰۃ کو مردود فرما دیا ہے اس لئے میں تیری زکوٰۃ کو قبول نہیں کر سکتا۔ (صاوی)

اللہ اکبر! غضب ہو گیا۔ پیارے مصطفےٰ کی مصطفائی کیا روٹھ گئی کہ ثعلبہ سے خدا کی خدائی روٹھ گئی۔ ثعلبہ تمام صحابہ کی نظروں میں ذلیل ہو گئے۔ ثعلبہ سے زمین روٹھ گئی۔ آسمان روٹھ گیا۔ سارا جہان روٹھ گیا۔ ثعلبہ دونوں جہان میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ پھر خلافت صدیق اکبر میں ثعلبہ اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ حاضر ہوئے تو جانشین پیغمبر نے فرمایا کہ میری کیا مجال؟ کہ میں اس شخص کی زکوٰۃ جس کی زکوٰۃ کو اللہ و رسول نے مردود فرما دیا۔ پھر فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں ثعلبہ اپنی زکوٰۃ لے کر آئے تو آپ نے بھی یہی جواب دیا اور زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔

تو آپ نے بھی اس کی زکوٰۃ کو ٹھکرا دیا۔ پھر حضرت عثمان غنی کی بارگاہ خلافت میں بھی ثعلبہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ نے بھی یہی جواب دیا اور زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی۔ ثعلبہ روتا ہوا واپس لوٹ گیا اور مدینے سے باہر میدان میں جا کر خاک سر پر ڈالتا تھا اور زار زار روتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ سچ فرمایا تھا اللہ کے رسول نے اے ثعلبہ! غریبی تیرے لئے بہتر ہے مگر افسوس میں نہیں مانا اور آج مالداری نے مجھے یہ روز بد دکھایا کہ مجھ سے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم روٹھ گئے۔ خدا روٹھ گیا۔ ساری خدائی روٹھ گئی۔ ہائے! میری دولت ایمان لٹ گئی اور میں تباہ و برباد ہو گیا۔ اسی رنج و افسوس میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ سچ ہے جس سے مصطفیٰ کی مصطفائی روٹھ گئی۔ اس سے خدا کی ساری خدائی روٹھ گئی۔ سچ ہے یا رسول اللہ!

جس سے تم روٹھو وہ سرگشتہ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

برادرانِ اسلام! آپ نے دیکھا؟ ثعلبہ نے اللہ و رسول کی پکار پر دوڑ کر حاضری نہیں دی تو کیا انجام ہوا۔ اس لئے عزیزان گرامی! ڈرو! ڈرو! خداوند قہار و جبار کے قہر و جلال سے ڈرو! اور اللہ و رسول کی ہر پکار پر لبیک کہہ کر دوڑو اور اللہ و رسول کی پکار سن کر غافل مت بنو ورنہ ثعلبہ کا عبرت خیز انجام تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔

بھائیو! آج کل نماز، روزہ اور حج کا تو ماشاء اللہ! کچھ شوق و جذبہ نظر آتا ہے مگر زکوٰۃ و صدقات کے معاملہ میں تو مسلمانوں میں ایسے ایسے کنجوس بلکہ مکھی چوس پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر چیونٹی ان کے گھر سے ایک دانہ شکر لے کر بل میں گھسنے لگے تو یہ چیونٹی کی بھی پونچھ اکھاڑ لیں، مکھی اگر گھی میں پڑ پڑے تو مکھی کو چوس کر گھی پی جائیں بلکہ اس مکھی کو نگل جائیں کہ اس کے پیٹ میں ایک بوند گھی رہ گیا ہے۔

لطیفہ

اور اب تو بابا آدم علیہ السلام کے بیٹوں سے بڑھ کر مائی حوا کی بیٹیوں میں کنجوسی آ گئی ہے۔ سنا ہے کسی گاؤں کی مسجد میں ایک ملاجی رہا کرتے تھے۔ سب گھروں سے ماں بہنیں کچھ نہ کچھ مسجد میں بھیجا کرتی تھیں مگر ایک مائی کا گھر ایسا تھا کہ کبھی اس کے گھر سے کچھ نہیں آیا تھا۔ ایک دن اچانک اس گھر کا ایک بچہ بہت بڑے مٹی کے کونڈے میں کھیر لے کر آیا؟ ملاجی کھیر

دیکھ کر کھل گئے اور خوب مسواک وغرغرہ کر کے آئے اور کھانے کے لئے چونچ پھاڑا تو ایک دم خیال آ گیا کہ یار! اس گھر سے تو کبھی نمک کی ایک کنکری بھی نہیں آئی تھی۔ آج ایک دم سے اس گھر کی مائی نے کیسے حاتم کی قبر پر لات ماردی۔ بچے سے پوچھا! کیوں بیٹا! یہ کھیر کیسی ہے؟ آپ جانتے ہی ہیں کہ بچے جھوٹ نہیں بولتے۔ جھوٹ تو بچوں کے باپ دادا بولا کرتے ہیں۔ بچے نے سچ سچ کہہ دیا کہ اجی ملا جی! بات یہ ہوئی کہ اماں نے آج کھیر کو جیسے ہی چولہے سے اتار کر رکھا ایک کتا آیا اور پتیلی میں منہ ڈال دیا۔ ابا جان! اماں پر بڑے زور سے خفا ہوئے کہ کم بخت! اب اس کھیر کو کون کھائے گا؟ اماں بولی! گھبرائیے نہیں۔ میں اس کو مسجد میں بھیجے دیتی ہوں۔ ملا جی کھا ڈالیں گے! یہ سن کر ملا جی مارے غصے کے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گئے اور کونڈا اٹھا کر گلی میں پھینک دیا اور زور زور سے لاحول پڑھنے لگے کہ شیطان تو کیا؟ بھلے آدمی بھی ڈر کر بھاگ جائیں! بچہ رونے لگا۔ ملا جی گرج کر بولے ابے روتا کیوں ہے؟ بچہ بولا! اجی حضور! آپ نے کونڈا پھوڑ دیا۔ اماں جی مجھے ماریں گی۔ ملا جی بولے' ماریں گی کیوں؟ بچہ کہنے لگا کہ سارے گھر کا کوڑا اسی کونڈے میں پھینکا جاتا تھا۔ ملا جی نے سر پیٹ لیا اور آپے سے باہر ہو گئے اور چلا چلا کر بولے کہ خدا کی ماران مردوں پر! کتے کا جھوٹا اور کوڑا پھینکنے کے برتن میں رکھ کر مسجد میں بھیجا ہے۔ استغفر اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ابے نکل جا۔ باہر ہو مسجد سے بچے کو نکالا اور مسجد کا کواڑ بند کر کے ہزاروں بددعائیں دینے لگے؟

سخی اور بخیل

توبہ نعوذ باللہ! بخیلی بھی کیا بری بلا ہے؟ اللہ کے حبیب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ ۔	یعنی سخی اللہ سے قریب ہے۔ جنت سے قریب ہے۔ انسانوں سے قریب ہے لیکن جہنم سے دور ہے۔
وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِّنَ اللہِ بَعِیْدٌ مِّنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ ۔	یعنی بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے۔ انسانوں سے دور ہے لیکن جہنم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۶۴)

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

بخیل ارچہ بود زاہد بحر و بر
بہشتی نباشد بحکم خبر !

یعنی بخیل اگرچہ دریا اور خشکی کا عابد وزاہد بن جائے مگر حدیث شریف کا مضمون یہ ہے کہ وہ جنتی نہیں ہوگا۔

بی بی فاطمہ کا روزہ

برادرانِ اسلام! آپ نے سورۂ دہر کا مضمون کبھی نہیں سنا اللہ اکبر! اس سورۂ مبارک میں رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لاڈلی بیٹی' خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سخاوت کا ایسا شاہکار مذکور ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تین روزوں کی منت مانی تھی جب خاتون جنت نے روزے کی نیت کی تو حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی روزے کی نیت کرلی۔ گھر کی لونڈی بی بی فضہ نے جب دیکھا کہ خاتون جنت اور شیر خدا دونوں نے روزہ رکھا ہے تو بی بی فضہ نے بھی روزے کی نیت کرلی۔ آج خاتون جنت کا پورا گھر روزہ دار ہے۔ شیر خدا بازار سے جو لائے' یہ جو گھر کی چکی میں پیسا گیا اور شام کو تین روٹیاں پکائی گئیں۔ تینوں روزے دار افطار کے انتظار میں ہیں کہ دروازے پر ایک مسکین نے بلبلا کر روٹی کا سوال کیا۔ خاتون جنت نے امت رسول کے ایک مسکین کی آواز سنی تو دل بھر آیا۔ آپ نے اپنی روٹی مسکین کو دے دی اور پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ حضرت شیر خدا اور بی بی فضہ نے بھی اپنی اپنی روٹیاں مسکین سائل کو دے کر پانی سے افطار کرلیا۔ پھر سحری کے وقت بھی چند گھونٹ پانی پی لیا۔ اسی طرح دوسرے دن بھی تین روٹیاں پکیں۔ پھر افطار کا وقت آیا تو دروازے پر ایک یتیم نے روٹی کا سوال کردیا اور کل کی طرح آج بھی تینوں نے اپنی اپنی روٹیاں یتیم کو دے دیں اور پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ پھر تیسرا روزہ ہوا۔ پھر تین روٹیاں پکائی گئیں پھر افطار کا وقت ہوا تو ایک قیدی کی آواز کان میں آئی کہ وہ دروازے پر روٹی طلب کر رہا ہے۔ پھر تینوں اپنے اپنے سامنے سے روٹیاں اٹھا کر غریب قیدی کو دے دیتے ہیں اور خود پانی سے روزہ افطار کر لیتے ہیں۔ تینوں روزے اس طرح ادا ہوئے کہ سحری بھی پانی سے اور افطار بھی پانی سے۔ اللہ اکبر!

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد کے گھرانے والے

برادرانِ ملت! مدینے کی زمین پر یہ واقعہ ہوا مگر عرش بریں تک اس کی دھوم مچ گئی۔ جبرائیل امین سورۂ دہر لے کر نازل ہوئے اور یہ مقدس آیتیں نازل ہوئیں۔ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا یعنی یہ اہل بیت نبوت کھانے کی محبت کے باوجود اپنا کھانا مسکین کو اور یتیم کو اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں اور یہ بھی کس طرح؟ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا

یعنی کھانا کھلاتے وقت یوں کہتے ہیں کہ ہم تم کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے بلکہ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو۔

مسلمانو! اللہ اکبر! یہ اہل بیت نبوت کی سخاوت کا ایک منظر ہے جو آپ نے سنا۔ آج ہمارا کیا حال ہے؟ کہ چمڑی جائے تو جائے مگر دمڑی نہ جائے اور کبھی کسی کو کچھ دے دیا تو پھر عمر بھر اس کا احسان جتاتے رہتے ہیں۔ بزرگو اور بھائیو! خدا کے لئے اپنی روش کو بدلو۔ احسان جتا دینے سے صدقے کا ثواب جاتا ہے۔ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے۔ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى یعنی اے ایمان والو! احسان جتا کر اور سائل کو دکھ دے کر اپنے صدقوں کو برباد مت کرو!

بہرحال! اب آیت کا اگلا جملہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ یعنی تم لوگ یقین رکھو کہ خدا کا ارادہ آدمی اور اس کے دلی ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی ہزاروں ارادے کرتا ہے مگر اللہ کا ارادہ غالب ہے بغیر اس کے ارادہ کے آدمی کا کوئی ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ۔

یعنی میں نے اپنے رب کی اس طرح بھی معرفت حاصل کی کہ میرے ارادے فسخ ہو جاتے ہیں یعنی انسان بڑے بڑے عزم کے ساتھ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے مگر اپنی تمام کوششوں کے باوجود انسان کا ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ یہ دلیل ہے کہ کوئی ایسی زبردست طاقت ہے

جو ہمارے ارادوں کی چٹانوں کو پاش پاش کر دیتی ہے اور یقیناً یہ طاقت وہی ہے جس کا نام اللہ ہے! آیت کا آخری جملہ یہ ہے کہ وَاَنَّهٗ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ یعنی تم یہ بھی یقین رکھو! کہ تم اچھا ارادہ کرو یا برا۔ نیک عمل کرو یا بد۔ بہرحال تم کو ایک دن واحد قہار کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے تمام اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت پر ایمان رکھو اور دربار خداوندی میں حاضر ہو کر حساب و کتاب کا ہر وقت دھیان رکھو!

میرے بزرگو اور بھائیو یاد رکھو! کہ آخرت سے بے خوفی اور خدا سے سرکشی یہ اہل جہنم کی نشانی ہے اور دربار خداوندی کی حاضری کا ڈر' یہ اہل جنت کی نشانی ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا o فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی o یعنی جو شخص خدا سے سرکشی کرے گا اور دنیا کی زندگی کو آخرت سے بڑھ کر سمجھے گا۔ یقیناً اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی o فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی o

یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو نفسانی خواہشات سے روک لیا تو یقین کر لو کہ اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔

برادرانِ ملت! بس میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین۔

چھٹا وعظ

قرآنِ مبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذی انزل القرآن٥ والصلوٰة والسلام علیٰ حبیب
الرحمن وعلٰی اله وصحبه مادام النیران ٥

اما بعد!

فاعوذبالله من الشیطن الرجیم ٥

بسم الله الرحمن الرحیم٥

الٓمٓ ٥ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ ۛ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ٥الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ٥ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ٥
اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥ (بقرہ)

برادرانِ گرامی! سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں۔ قرآن مجید کی عظمت شان اور اس کے معجزانہ اندازِ بیان کی کچھ جھلکیاں دکھا کر آپ کو اس کتاب مقدس کی ربانی تعلیمات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میرا ایمان ہے کہ قرآن پر عمل کیے بغیر مسلمان دونوں جہان کی ترقی سے محروم ہی رہیں گے۔

برادرانِ اسلام! سب سے پہلی چیز تو آپ یہ ذہن نشین کرلیں کہ قرآن مجید خداوند قدوس کی نوہ کتاب مبین ہے جو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک بہت بڑا معجزہ ہے! حضرات! معجزہ تو ہر نبی کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے چنانچہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو پروردگارِ عالم نے کچھ خاص خاص معجزات کے ساتھ نوازا جن کو انبیاء کرام نے امتوں کے سامنے نبوت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا لیکن معجزات میں یہ چیز خاص طور پر قابل غور ہے کہ عموماً جس دور میں جو چیز انتہائی عروج وکمال کی بلندی پر پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ اس زمانے کے نبی کا معجزہ بھی اسی قسم کا ہوتا ہے جو تمام باکمالوں کے کمالات پر غالب ہوکر اور خصوصی امتیاز کے

ساتھ ممتاز ہو کر' نبی کا اعجاز بن جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

دیکھئے! قوم ثمود کے زمانے میں پتھروں کی صنعت انتہائی عروج پر تھی۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر' بہترین محلات' حسین مورتیاں' خوبصورت مجسمے بنایا کرتے تھے اور اپنے اس فن کے کمال پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا۔ اس لئے اس قوم کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو خداوند عالم نے یہ معجزہ عطا فرمایا کہ ایک پتھر کی چٹان آپ کے حکم سے پھٹ گئی اور آپ نے اس میں سے ایک زندہ اونٹنی نکالی۔ آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر قوم ثمود آپ پر ایمان لائی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جس دور میں منصب رسالت پر سرفراز کئے گئے یہ وہ زمانہ تھا کہ سحر و جادوگری کا فن اپنے عروج و کمال کی انتہائی منزل پر پہنچا ہوا تھا اور ہر چہار طرف نظر بندیوں اور شعبدہ بازیوں کا دور دورہ تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا کیا گیا جو تمام سحر و جادوگری کے طلسمات پر غالب ہو کر معجزۂ نبوت کا اعلیٰ نشان بن گیا اور تمام جادوگر اس کی شان اعجاز کے آگے سربسجود ہو کر خداوند قدوس کی خدائی پر ایمان لائے اور فرعون کی باطل خدائی کا جنازہ نکل گیا۔

عصاء موسوی اور جادو کے سانپ

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کے دربار میں پہنچ کر اس کی باطل خدائی کو چیلنج کیا اور عصا و ید بیضا کا معجزہ دکھا کر اس کو معبود حقیقی کی عبادت کے لئے دعوت دی تو اس مغرور و سرکش نے آپ کو جادوگر کہا اور اپنی پوری سلطنت کے جادوگروں کو آپ کے مقابلے کے لئے جمع کیا اور ان کو بڑے بڑے اعزاز و اکرام کا لالچ دیا۔ چنانچہ تمام جادوگر اپنی اپنی تومڑی' کمنڈل' جنتر منتر' رسی لاٹھی وغیرہ پورے جادو کا سامان لے کر آن پہنچے۔ ادھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس حق و باطل کے معرکے میں اپنا عصا لے کر تشریف لائے۔ جادوگروں نے اپنی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو پھینکا تو ان کے جادو کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا محسوس ہوا کہ وہ سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں سارا میدان سانپوں سے بھر گیا اور تمام دیکھنے والے حاضرین اس نظر بندی سے مسحور ہو کر حیران رہ گئے۔

اس وقت رب العالمین کا ارشاد ہوا کہ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○

یعنی اے موسیٰ (علیہ السلام) تم بالکل مت ڈرو! اور یقین رکھو کہ تمہیں غالب رہو گے۔

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰى ○

اے موسیٰ علیہ السلام تمہارے داہنے ہاتھ میں جو عصا ہے اس کو زمین پر ڈال دو۔ وہ ان کی ساری بناوٹوں کو نگل جائے گا۔

ان کی ساری بناوٹیں جادو کا فریب ہیں اور جادوگر کہیں سے بھی آئے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا! چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا جو زمین پر ڈالا تو وہ ایک غضبناک اژدھا بن کر منہ پھاڑتا ہوا آگے بڑھا اور تمام جادو کے سانپوں کو آنِ واحد میں نگل گیا۔ جادوگروں نے جب اس منظر کو دیکھا تو ان کی چشم بصیرت کھل گئی اور انہیں یقین کامل ہوگیا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہے وہ ہرگز ہرگز جادو نہیں ہوسکتا' بلکہ پیغمبر صادق کا معجزہ ہے۔ قرآنِ مجید فرماتا ہے۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۔ (طٰہٰ پ۱۶ رکوع نمبر۱۱)

یعنی تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور بولے کہ ہم حضرت ہارون و موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے۔

غرض اعجاز موسیٰ کے سامنے سحر و جادوگری کے طلسمات کی دھجیاں بکھر گئیں اور فرعون کی باطل خدائی کا بت پاش پاش ہوگیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے۔ یہ وہ دور تھا کہ فن طب اور حکمت کا کمال انتہائی عروج و ترقی پر تھا۔ بڑے بڑے حکماء و اطباء موجود تھے جو قسم قسم کی بیماریوں کا حیرت انگیز علاج کرتے تھے۔ اس لئے خداوند قدوس نے اسی ماحول کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ عطا فرمایا چنانچہ آپ نے بنی اسرائیل کے ان حکماء اور اطباء کے سامنے یہ اعلان فرمایا کہ

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّیْ

یعنی اے بنی اسرائیل! میں تمہارے رب کی جانب

اَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ (آل عمران)

سے یہ معجزہ لے کر آیا ہوں کہ تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت بناتا ہوں' پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرند بن جاتی ہے اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا دیتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں۔

بنی اسرائیل کے حکماء اور اطباء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان کارناموں کو دیکھ کر حیران رہ گئے اور ایمان لائے کہ یقیناً یہ کارنامے ایک نبی برحق کے معجزات ہیں۔

قرآن شریف معجزہ ہے

اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو یہ وہ دور تھا کہ سارا عرب آتش فصاحت و بلاغت سے تنور بنا ہوا تھا۔ شعرائے عرب کے قصائد کعبہ معظمہ کی دیواروں پر معلق ہو کر سارے عالم کو چیلنج کر رہے تھے کہ اس سے بڑھ کر فصیح و بلیغ کلام ممکن نہیں' اسی لئے رب العزت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی فصیح و بلیغ کتاب مقدس کا معجزہ عطا فرمایا کہ تمام فصحاء عرب و عجم' حل وحرم اس کے مقابلے سے عاجز ہو گئے اور اعجاز قرآنی کے حضور سب نے اپنی عاجزی کا اعتراف کر لیا۔ شروع شروع میں تو عرب کے ارباب فصاحت و بلاغت نے اپنی زبان دانی کے جوش میں یہ کہہ دیا کہ لَوْنَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا؟ یعنی اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام ہم بھی بنا کر بول سکتے ہیں مگر جب قرآن مقدس نے انہیں پہلی مرتبہ چیلنج دیا اور اس طرح للکارا کہ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ یعنی اگر یہ لوگ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو قرآن جیسی کوئی ایک بات لائیں قرآن کا یہ چیلنج سن کر فصحائے عرب نے انتہائی کوشش کی مگر عاجز رہے۔ پھر قرآن نے دوبارہ اس طرح چیلنج کیا کہ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ۔ اچھا! اگر تم پورے قرآن کا مثل نہیں لا سکتے تو تم اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ مگر انتہائی جدوجہد کے باوجود یہ بھی نہ ہو سکا۔ پھر قرآن مجید نے تیسری بار اس طرح للکارا کہ

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

یعنی اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہیں اس میں کچھ شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا ہے تو

وَادْعُوْا شُهَدَآءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ — تم اس جیسی ایک ہی سورہ لے آؤ! اور اللہ کے سوا اپنے تمام حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔

اللہ اکبر! العظمۃ للہ! قرآن کی عظمت شان کا بول بالا تو دیکھو! کہ عرب کے مدعیان فصاحت و بلاغت باوجود انتہائی کوششوں کے ایک سورہ بھی قرآن کے مثل نہ بنا سکے۔ اس کے بعد چوتھی مرتبہ خداوند عالم نے یہ اعلان فرمادیا کہ

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل) — یعنی اے محبوب! آپ اعلان فرمادیجئے کہ خالی فصحائے عرب تو کیا چیز ہیں؟ اگر تمام انسان و جن جمع ہو کر ایک دوسرے کی مدد کریں، پھر بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے

برادران ملت! چار چار مرتبہ قرآن کریم نے فصحاء عرب کو للکارا چیلنج دیا جھنجھوڑا اور یہاں تک فرمادیا کہ

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ — یعنی اگر تم قرآن کا مثل نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز ہرگز تم کبھی نہ لاسکو گے تو تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔

مسلمانو! ایسے ولولہ انگیز چیلنج اور اتنی وعید شدید کے باوجود تاریخ شاہد ہے کہ چودہ سو برس کا طویل عرصہ گزر گیا مگر قرآن نے جو لَنْ تَفْعَلُوْا کہہ کر غیب کی خبر دی کہ قیامت تک بھی کوئی قرآن کی ایک سورہ کا مثل نہیں لاسکتا۔ واقعی آج تک بھی کوئی شخص اس چیلنج کو قبول نہیں کرسکا اور قرآن جیسی ایک سورہ بھی بنا کر نہ لاسکا۔ یہ آفتاب سے زیادہ روشن دلیل ہے کہ قرآن مجید کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے، بلکہ یقیناً یہ کلام ربانی اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لاثانی معجزہ ہے۔

خدا اور انسان کی بنائی چیزوں کی پہچان

برادران ملت! میں اپنے اس دعوے کے ثبوت کے لئے کہ قرآن کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی کتاب ہے۔ آپ کے سامنے اس بات کی پہچان کے لئے کہ

کونسی چیز خدا کی بنائی ہوئی ہے؟ اور کونسی چیز انسان کی بنائی ہوئی ہے؟ ایک بہترین معیار اور اعلیٰ درجے کی کسوٹی پیش کرتا ہوں اس معیار پر آپ نہایت آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کون سی چیز خدا کی بنائی ہوئی ہے اور کون سی چیز انسان کی بنائی ہوئی ہے۔

دیکھئے! خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی بنائی ہوئی چیزوں میں کھلا ہوا یہ فرق ہے کہ جو چیز انسان کی بنائی ہوئی ہوگی اس کی نقل اور مثال بنائی جاسکتی ہے مگر خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی نقل اور مثال ہرگز ہرگز نہیں بنائی جاسکتی۔ غور کیجئے! آج روس چاند تک سفر کرنے کیلئے ایک راکٹ تیار کرتا ہے تو کل امریکہ اسی جیسا دوسرا راکٹ بنالیتا ہے۔ امریکہ آج ایک ایٹم بم یا ہائیڈروجن بم بناتا ہے تو کل روس اس جیسا بم بنالیتا ہے۔ آج امریکہ ایک بہترین ہوائی جہاز بناتا ہے تو کل روس اس کی نقل و مثال پیش کردیتا ہے لیکن اگر کسی مچھر کا ایک پر ٹوٹ جائے تو خدا کی قسم امریکہ اور روس تو کیا؟ تمام دنیا کے سائنسدان بھی مچھر کا یہ پر نہیں بناسکتے۔ ہزاروں ٹن وزنی ہوائی جہاز کو فضا میں اڑانے والے' مچھر کا ایک ٹوٹا ہوا پر بنا کر اس مچھر کو نہیں اڑا سکتے۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے اور صرف اس لئے! کہ راکٹ' بم' ہوائی جہاز' یہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں اس لئے ان کے مثل دوسرا بنایا جاسکتا ہے مگر مچھر کا پر چوں کہ خدا کا بنایا ہوا ہے اس لئے کوئی انسان اس پر کے مثل دوسرا پر نہیں بناسکتا۔

برادرانِ اسلام! اس مثال سے ثابت ہوگیا کہ انسان کی بنائی ہوئی چیزوں کا تو مثل ہوسکتا ہے مگر خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کی مثال نہیں بنائی جاسکتی۔ اب آپ اس معیار اور کسوٹی پر جانچ کر دیکھئے کہ دنیا کی ہر کتاب کی مثال تو بنائی جاسکتی ہے۔ مگر آج تک قرآنِ کریم کی ایک سورہ کی مثال بھی نہ لائی جاسکی' لہٰذا آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہوگیا کہ دنیا کی تمام کتابیں تو انسان کی بنائی ہوئی ہیں مگر قرآنِ کریم خدا کی کتاب ہے اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا کہ **ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ** یعنی قرآن وہ کتاب ہے کہ اس کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! تو میں یہی عرض کررہا تھا کہ قرآن کریم خداوند قدوس کا کلام اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ دیکھئے معجزے کی یہی شان ہوتی ہے کہ اس کی مثال لانے سے دنیا عاجز رہتی ہے۔ ابھی آپ نے سنا کہ عصائے موسیٰ معجزہ تھا کیونکہ تمام جادوگر اس کے

مقابلے سے عاجز رہ گئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا معجزہ تھا کیونکہ تمام دنیا کے اطباء اور حکماء اس سے عاجز ہیں اسی طرح قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔

بہرحال میری تقریر سے دونوں مسئلے ثابت ہو گئے۔ایک تو یہ کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے۔دوسرا یہ کہ قرآن کریم معجزہ ہے اور دونوں مسئلوں کی دلیل یہی ہے کہ قرآن مجید کی مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

فصحائے عرب پر تاثیر قرآنی

حضرات! یہی وجہ ہے کہ فصحائے عرب' قرآن مجید سن کر اس کی فصاحت و بلاغت سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ قرآن کا مقابلہ تو کیا کرتے؟ لرزہ براندام ہو کر یا تو قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا اقرار کر کے مشرف باسلام ہو جاتے تھے یا قرآن کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کا اعتراف کر کے اپنی عاجزی کا اعلان کر دیتے تھے۔حضرت جبیر بن مطعم جو فصحائے عرب میں شمار کئے جاتے تھے۔ایک مرتبہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر میں سورہ''الطور'' کی تلاوت فرما رہے تھے۔جبیر بن مطعم قرآن کی آیتوں کو بغور سنتے رہے جب اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ مَالَهٗ مِنْ دَافِعٍ کی آیت کان میں پڑی تو جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا عذاب خداوندی میری طرف لپک رہا ہے۔خوف الٰہی سے بدن کی بوٹی بوٹی اور جسم کا بال بال لرزنے اور کانپنے لگا۔فوراً قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا اقرار کر کے مشرف باسلام ہوئے۔(اعجاز القرآن ابوبکر باقلانی ص ۴۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام دشمنی مشہور تھی۔رحمت عالم کا سر کاٹنے کے لئے ننگی تلوار لے گھر سے چل پڑے تھے مگر بہن اور بہنوئی کی زبان سے جب سورہ''طٰہٰ'' کی تلاوت سنی تو کلام الٰہی کی تاثیر سے دل کی دنیا میں ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ اسلام قبول کر لیا اور جن کا سر کاٹنے چلے تھے۔ان کے قدموں پر سر فدا کرنے کا زندگی بھر کے لئے عہد کر لیا۔عتبہ بن ربیعہ خطیب قریش اور بڑا ہی ساحر البیان و فصیح اللسان انسان تھا مگر جب رحمت عالم کی زبان سے سورہ حم ۴۱ کی ابتدائی آیتیں اس نے سنیں تو مارے دہشت کے اچھل پڑا۔لرزہ براندام ہو کر ہانپتا کانپتا ہوا

واپس لوٹ کر ضماد یدقریش سے کہنے لگا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ پڑھتے ہیں خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے نہ کہانت ہے ان کے لفظ لفظ میں ایک ایسی پر تاثیر لذت اور لرزہ براندام کردینے والی ہیبت ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے اور قلوب میں خوف الٰہی کا سیلاب لاتی ہے اور خدا کی قسم ان کے کسی لفظ کا بھی جواب ہمارے دامن فصاحت و بلاغت میں نہیں ہے۔

(اعجاز القرآن ص ۴۱)

ضماد بن ثعلبہ ازد کے قبیلہ سے تھے۔ زمانہ نبوت میں یہ مکہ آئے۔ طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ راستے میں جارہے تھے اور پیچھے لڑکوں کا غول ہے۔ کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہا کرتے تھے۔ لڑکوں کا غول دیکھ کر ضماد بن ثعلبہ نے بھی یہی قیاس کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہا کہ اے محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ آپ نے حمد و ثناء کے بعد قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ ضماد بن ثعلبہ پر اتنا اثر ہوا کہ ان کے سینے میں دل دہل گیا اور اسی وقت وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (مسند امام احمد ج ا ص ۳۰۲)

نجاشی بادشاہ حبشہ کے دربار میں جب حضرت جعفر نے سورۂ مریم کی چند آیتیں پڑھیں تو نجاشی پر رقت طاری ہوئی کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

برادران ملت! الغرض مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عرب کے فصحاء و بلغاء قرآن کو سن کر اگر ان میں مقابلہ کی تاب و طاقت ہوتی تو وہ ضرور قرآن کا چیلنج قبول کر کے قرآن کے مقابلہ میں ایسا ہی فصیح و بلیغ کلام بنا کر پیش کرتے مگر کسی نے بھی اس کی جرات نہیں کی بلکہ بعض تو اس کو کلام الٰہی تسلیم کر کے مسلمان ہو گئے اور دوسرے لوگ اگرچہ اپنے عناد کی وجہ سے آغوش اسلام میں تو نہیں آئے مگر قرآن کے مقابلہ کی جرات وہ بھی نہ کر سکے۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی! حد ہو گئی کہ اہل حرب بار بار پیغمبر اسلام سے جنگ کرتے رہے۔ سینکڑوں مقتول ہوئے۔ سینکڑوں گرفتار ہوئے۔ بار بار کی لڑائیوں نے انہیں تباہ و برباد کردیا۔ اسلام کو مٹانے کی کوششوں میں خود مٹ گئے۔ اس سے تو بہت آسان تھا کہ قرآن کے مقابلہ میں ایک سورہ پیش کر کے بانی اسلام کی نبوت کا خاتمہ کر دیتے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرنے کی ان لوگوں نے کبھی بھی جرات نہیں کی۔ یہ کھلی ہوئی دلیل ہے کہ قرآن خدا کا کلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جس کی مثال پیش کرنا قیامت تک

غیر ممکن ہے۔

قرآن تمام علوم کا خزانہ ہے

برادرانِ ملت! قرآن مجید کی عظمت کو ہم نے تم نے کیا سمجھا؟ قرآن درحقیقت تمام علوم کا خزانہ ہے۔ خود قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ یعنی اے محبوب! ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ہم نے قرآن میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا۔ سید المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لَوْ ضَاعَ لِي عِقَالُ بَعِيْرٍ لَوَجَدْتُهٗ فِي كِتَابِ اللّٰهِ یعنی اگر میرے اونٹ کے پاؤں کی رسی گم ہو جائے تو میں اس کو قرآن میں تلاش کر کے پالوں گا۔ (اتقان ج نمبر ۲ ص ۱۲۶)

ابوبکر بن مجاہد نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ اس عالم میں جو کچھ ہے۔ ہر چیز کا قرآن میں بیان ہے تو کسی نے سوال کیا کہ اچھا! بتائیے ان سراؤں کا ذکر قرآن میں کہاں ہے؟ تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہاں ہاں! سراؤں کا ذکر اس آیت میں ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ۔ دیکھو وہ گھر جس میں کسی کی مستقل سکونت نہیں ہے اور اس میں تم اپنا سامان رکھتے ہو وہ گھر سرائے کے سوا اور کون ہے؟ سائل یہ مسکت و تسلی بخش جواب سن کر قائل ہو گیا۔ (اتقان ج ۲ ص ۱۲۶)

اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا خوب فرمایا کہ ۔

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ
تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

یعنی تمام علوم قرآن کے اندر موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ لوگوں کی کوتاہ عقلیں ان کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

مدرسۃ الرسول کا کورس

حضرات گرامی! آج کل کالجوں اور یونیورسٹیوں کی بڑی کثرت ہے اور طرح طرح کے علوم و فنون کے کورس کی کتابوں کا انبار لگا ہوا ہے مگر آپ کو خبر ہے؟ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مدرسہ کھولا تھا اس کے نظام تعلیم کی نوعیت کیا تھی؟ سنئے! اس مدرسہ کی نہ کوئی

عمارت تھی نہ کوئی فرنیچر' بس آسمان کی چھت تھی اور زمین کا فرش اور اس میں پڑھنے والے طلبہ کے لئے عمر کی بھی کوئی قید نہیں تھی۔ بارہ بارہ برس کے بچے اور اسی اسی برس کے بوڑھے بھی اس سکول کے طالب علم تھے۔ طلبہ کے ساتھ طالبات بھی اس سکول میں تعلیم حاصل کرتی تھیں مگر اس سکول کے لئے ایک قرآن کے سوا کورس کی کوئی دوسری کتاب نہ تھی اور خدا کے محبوب اعلم الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس سکول کا کوئی مدرس نہیں تھا۔ پورے ۲۳ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے طلبہ و طالبات کو صرف قرآن مجید کا کورس پڑھایا مگر دنیا کی امتحان گاہ میں جب ان طلبہ و طالبات کا امتحان لیا گیا تو ان طلبہ و طالبات میں تاریخ گواہ ہے کہ کیسے کیسے مدبر' سیاسی قانون داں' جج' ماہرین اقتصادیات و دانشمندان معاشیات و تجارت جنرل فیلڈ مارشل' موجدین صنعت و حرفت' بے مثال و باکمال' ماہرین پیدا ہوئے۔ برادرانِ ملت! آپ بتائیے کہ اگر قرآن میں تمام علوم کا خزانہ موجود نہ ہوتا تو صرف ایک قرآن پڑھ کر ایسے ایسے علوم و فنون کے ماہرین کیسے اور کہاں سے پیدا ہوتے ہیں؟

صاحبو! فاروق اعظم جیسا جہاں گیری و جہاں بانی کرنے والا سلطان خالد بن الولید' ابوعبیدہ بن الجراح' سعد بن ابی وقاص جیسے فیلڈ مارشل' علی مرتضی جیسا جج' ابوبکر صدیق جیسا مدبر سیاست و موسس سلطنت' عثمان غنی جیسا ماہر تجارت و اقتصادیات' ذرا بتاؤ تو سہی کہ آسمان علم و حکمت کے یہ روشن ستارے کون سے کالج و یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے؟ اس کے سوا کیا کہو گے؟ کہ یہ سب مدرسۃ الرسول کے سند یافتہ اور صرف قرآن مجید کا کورس پڑھنے والے تھے۔

برادرانِ اسلام! لیکن افسوس کہ ہم مسلمانوں نے قرآن مجید کی کوئی قدر نہیں کی۔ اپنے گھر میں ایسی نعمت بے بہا ہوتے ہوئے آج ہم یورپ و امریکہ کے کتب خانوں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ہماری مثال بالکل اس نادان انسان کی سی ہے کہ جس کی جیبوں میں لعل و یاقوت وغیرہ جواہرات پڑے ہوئے تھے مگر وہ ان کی قیمت و قدر سے ناواقف تھا اور شیشے کے چمکتے ہوئے ٹکڑوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہی حال ہمارا ہے کہ قرآن جیسی کتاب ہمارے پاس ہے مگر ہم اپنی کم علمی سے دوسروں کی ناقص کتابوں پر پروانوں کی طرح ٹوٹے پڑتے ہیں۔

شیر کا بچہ اور بکری کی خصلت

برادرانِ ملت! برا نہ مانئے میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ آج ہمارا گریجویٹ نوجوان انگریزی تعلیم وتربیت کی وجہ سے اپنی ہستی کی عظمت کو بھول گیا ہے۔ عزیزو اور دوستو! مجھے ایک کہانی یاد آ گئی۔ ایک شیر کے بچے کو بکریوں کا ایک چرواہا اٹھالایا اور بکریوں کا دودھ پلا پلا کر اس کو پالا یہاں تک کہ شیر کا بچہ جوان ہوگیا۔ یہ جوان شیر بکریوں کے ساتھ جنگل میں گھومتا پھرتا تھا۔ بکریاں، اس کو سینگ مارا کرتی تھیں اور یہ سینگ نہ ہونے کی وجہ سے بکریوں کی لڑائی سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے اس کی ایک بوڑھے شیر سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے کہا کہ یار! تم بکریوں کے درمیان رہتے ہوئے کبھی کسی بکری کا شکار کر کے کیوں نہیں کھاتے آخر تم کیسے شیر ہو؟ یہ تمہارے پنجے' یہ تیز ناخن' یہ نوکیلے دانت آخر قدرت نے تمہیں کس لئے عطا کئے ہیں؟ نوجوان شیر بکریوں کی صحبت سے اس قدر اپنی ہستی کو فراموش کر چکا تھا کہ اس نے بوڑھے شیر سے کہہ دیا کہ میں شیر کب ہوں؟ میں تو بکری ہوں۔ شکار کرنا میرا کام نہیں۔ بوڑھے شیر کو اس کی غفلت پر رحم آ گیا۔ اس نے کہا کہ اچھا! آؤ ہم تم اس چٹان پر بیٹھ کر ندی کے صاف وشفاف پانی کا نظارہ کر لیں۔ اس طرح بوڑھے شیر نے نوجوان شیر کو پہلو میں بٹھایا۔ دونوں نے جب ندی کو جھانک کر دیکھا تو پانی میں دونوں کی تصویر نظر آئی۔ بوڑھے شیر نے کہا کہ اے شیر کے بچے! آج تو نے اپنی اصلی صورت دیکھ لی! اب تو مجھے بتا؟ کہ تو ان بکریوں کی طرح ایک بکری ہے یا میری طرح ایک شیر ہے؟ نوجوان شیر نے جوں ہی اپنی اصلی صورت پانی میں دیکھی۔ اس کو اپنے شیر ہونے کا یقین ہوگیا اور فوراً ہی اس کے ناخن اور پنجوں میں شجاعت کا کرنٹ دوڑنے لگا اور وہ ایک دم سامنے آنے والے ہر شکار پر جھپٹنے لگا۔

نوجوانانِ اسلام! بالکل یہی مثال تمہاری ہے کہ تم مسلمانوں کے بچے ہو لیکن انگریزوں نے تمہیں لارڈ میکالے کی تعلیمی اسکیم کا دودھ پلا پلا کر تمہیں بالکل انگریز بنا ڈالا اور تمہیں خبر ہی نہ رہی کہ تم محمدی کچھار کے شیر یعنی مسلمان ہو تمہیں پتا ہی نہیں کہ تمہارے اسلاف! ابوبکر وعمر و عثمان وحیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے تم کو یاد ہی نہیں رہا کہ محمد بن قاسم اور طارق تمہارے ہم قوم تھے۔ تم بھول گئے کہ محمود غزنوی شہاب الدین غوری' سلطان صلاح الدین ایوبی' شاہ جہاں' عالمگیر' یہ سب تمہارے ہی بزرگوں کے نام ہیں۔ کاش! اے مسلم نوجوانو! کبھی تم اپنی اصلی

صورت دیکھ لیتے۔ میری دعا ہے کہ کوئی بوڑھا مسلمان اسلامی آئینے میں تم کو تمہاری اصلی صورت دکھادے اور تم کو یقین ہو جائے کہ تم انگریز نہیں ہو بلکہ تم مسلمان ہو۔ تم تو توحید الٰہی کے پرستار اور رسالت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جاں نثار ہو۔ خدا کی قسم! جس دن تم اپنی اصلی تصویر دیکھ لو گے اور تمہارا شاندار ماضی تمہاری نظروں کے سامنے آجائے گا تو اس وقت تمہارے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال اسلامی کردار کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا اور تم جب سڑکوں پر چلو گے یا بازاروں میں نکلو گے تو اسلام کے دشمن بھی تمہاری صورت وسیرت کو دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ۔

کشتی حق کا زمانہ میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے

برادرانِ ملت! وہ اسلامی آئینہ جس میں مسلم نوجوانوں کو ان کی اصلی صورت دکھائی جائے کون ہے؟ اور کہاں ہے؟ تو میرے بزرگو اور بھائیو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ اسلامی آئینہ قرآن ہے۔ تم قرآن کو سینے سے لگاؤ اس کو پڑھو اور پڑھاؤ اور اس کی مقدس تعلیمات پر عمل کرو تو انشاء اللہ تعالیٰ تم دونوں جہان میں ترقی کی اعلیٰ منزل پر پہنچ جاؤ گے اور اگر تم نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑ لیا اور صورت وسیرت میں اسی طرح انگریز بہادر بنے رہے تو پھر یاد رکھو کہ ذلت و رسوائی اور تباہی و بربادی کے غار میں گر پڑنے کے سوا تمہارا کوئی مستقبل نہیں۔ مسلمانو! تم مانو یا نہ مانو! مگر یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہی یہ ہے کہ ہم قرآنی تعلیم کے صراطِ مستقیم سے ہٹ کر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی ڈگر پر چل پڑے۔ سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے — تم مسلمان ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے
حیدری فقر ہے نے دولت عثمانی ہے — تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

سلف کا قرآن سے شغف

برادران گرامی! ہمارے اسلاف اور بزرگوں کو قرآن سے کتنا شغف اور عشق تھا؟ اس

کی چند مثالیں سن لیجئے۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں قرآن مجید کے جمع وترتیب کا انتہائی خاص اہتمام فرمایا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوری سلطنت میں چار ہزار مسجدیں اور قرآن کے مدارس تعمیر کرائے۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوقتِ شہادت بھی تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول تھے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلاوت قرآن کریم میں یکتائے صحابہ تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چالیس برس تک عشاء کے وضو سے نماز فجر ادا کی اور ہر رات دو رکعتوں میں پورا قرآن مجید پڑھ لیا کرتے تھے اور جیل خانہ کی جس کوٹھڑی میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس میں آپ نے سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھا تھا۔ ابوبکر بن محمد انصاری بھی چالیس برس تک عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھتے رہے اور ساری رات نفلوں میں قرآن پڑھا کرتے تھے۔ مشہور محدث ابوبکر بن عیاش کوفی کے انتقال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگیں تو ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! تم روتی کیوں ہو؟ کیا تم ڈرتی ہو کہ تمہارے باپ کو عذاب دیا جائے گا۔

نورِ نظر! تمہیں کیا خبر؟ کہ میں نے اپنے مکان کے صرف اس ایک کونے میں چوبیس ہزار ختم قرآن مجید پڑھا ہے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی چالیس برس تک عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی اور پندرہ برس تک مسلسل رات کو دو رکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرماتے رہے۔ (تفصیل کے لئے میری کتاب اولیاء رجال الحدیث پڑھو)

بی بی شرف النساء

حضرات! یہ تو باکمال مردانِ خدا کی حکایات ہیں۔ تاریخ میں ایسی ایسی عورتیں بھی گزری ہیں جن کا قرآن مجید کے ساتھ عشق بے مثال ہے۔ بی بی شرف النساء جو مغل دور سلطنت میں پنجاب کے گورنر کی لخت جگر تھیں۔ آج بھی لاہور میں ان کی قبر پر قرآن مجید کی ایک جلد اور ایک تلوار رکھی ہوئی ہے جس کی تاریخ نہایت ہی عبرت آموز ہے۔ جاوید نامہ میں پورا واقعہ اس طرح تحریر ہے کہ

گفت ایں کاشانہء شرف النساء است

مرغ بامش یا ملائک ہمنوا است؟

ایک واقف حال نے بتایا کہ یہ بی بی شرف النساء کا آستانہ ہے جس کے گنبد کے پرندوں کی آواز میں فرشتوں کا نغمہ سمایا ہوا ہے۔

آں سراپا سوز و ساز و درد و داغ
حاکم پنجاب را چشم و چراغ

وہ سراپا سوز و ساز اور درد و داغ والی خاتون حاکم پنجاب کی چشم و چراغ اور اس کی زندگی اس طرح گزری۔

در کمر تیغ دو رو' قرآں بدست
تن بدن ہوش و حواس اللہ مست

ہر وقت کمر میں دو دھار والی تلوار اور ہاتھ میں قرآن' تن بدن اور ہوش و حواس کے ساتھ فانی فی اللہ اور اللہ مست بن کر زندگی گزاری۔

برلب اوچوں دم ' آخر رسید
سوئے مادر دید و مشتاقانہ دید

جب بی بی شرف النساء کے ہونٹوں پر آخری سانس آنے لگی اور وفات قریب ہوگئی تو انہوں نے اپنی ماں کی طرف مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھا۔ اس وقت مامتا کی ماری' دکھیاری ماں نے بیٹی سے کہا۔ نورِ نظر! کیا دیکھتی ہو؟ اگر کوئی تمنا ہو تو کہہ دو! ہم تمہاری تمنا کو ضرور پوری کردیں گے۔ اس وقت بی بی شرف النساء نے یہ وصیت کی۔

اندریں عالم کہ میسر دہر نفس
دخترت را ایں دو محرم بودو بس

اے ماں! اس دنیا میں سب کو مرنا ہے۔ دیکھ! اس دنیا میں تیری بیٹی کے یہی قرآن و تلوار دو محرم رہے ہیں' بس میری آخری تمنا یہی ہے کہ

وقت رخصت با تو گویم ایں سخن
تیغ و قرآں راجدا از من مکن؟

اے ماں! بس رخصت ہوتے وقت تجھ سے یہی ایک بات کہتی ہوں کہ قرآن اور تلوار کو مجھ سے جدا مت کرنا اور میری قبر پر تلوار اور قرآن رکھ دینا تاکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو

میری قبر سے یہ پیغام ملتا رہے کہ ؎

مومناں راتیغ با قرآں بس است　　　　تربت مارا ہمیں ساماں بس است

یعنی مومنین کوتلوار اور قرآن کافی ہے۔ ہماری تربت کے لئے یہی سامان کافی ہے۔

برادرانِ ملت! آپ نے سنا؟ بی بی شرف النساء کی کہانی! اللہ اکبر! قرآن سے یہ والہانہ عشق! کیا اس زمانے کی عورتوں میں اس کی مثال مل سکتی ہے؟ خداوند قدوس بی بی شرف النساء کی قبر کو اپنی رحمت کے پھولوں سے بھر دے۔ اس خاتون ملت کی قبر ہمیں کتنا مقدس اور ایمان افروز پیغام دے رہی ہے؟

چند تفسیریں

حضرات! قرآن مجید کے ساتھ سلف صالحین کے والہانہ شغف وعشق کا کیا کہنا؟ آج تک ہزاروں تفسیریں لکھی گئیں اور تفاسیر بھی کیسی کیسی؟ اللہ اکبر! دس پانچ جلدوں والی تفسیریں تو آج بھی سینکڑوں چھپی ہوئی ملتی ہیں۔ ایسی ایسی ضخیم تفسیریں علماء سلف نے تحریر فرمائی ہیں کہ آج کل کوئی ان کے مطالعہ کی بھی ہمت نہیں رکھتا۔ امام حجۃ الاسلام کی تفسیر ''یاقوت التاویل'' چالیس جلدوں میں ہے۔ تفسیر ابن نقیب کی ایک سو جلدیں ہیں۔ ''تفسیر الادفوی کی ضخامت ایک سو بیس جلد ہے۔ ابوبکر بن عبداللہ نے سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی پچاس آیتوں کی تفسیر لکھی تو ایک سو چالیس جلدیں تیار ہوگئیں اور امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر چھ سو جلدوں میں ہے۔ یہ تفسیر امام سیوطی کے زمانے تک مصر کے کتب خانہ میں موجود تھی۔

(حاشیہ الدولۃ المکیہ ص ۳۴)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر اتنی ضخیم لکھ دوں کہ ستر اونٹوں کا بوجھ تیار ہو جائے۔ (حاشیہ الدولۃ المکیہ ص ۳۴)

سبحان اللہ! اس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم قرآن کی وسعت کا اندازہ لگائیے اور یہ بھی غور کیجئے کہ قرآنِ کریم کتنے علوم ومعانی کے خزانوں کا بحر ناپیدا کنار ہے؟ کیوں نہ ہو؟ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآنِ مجید کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

لَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَآءُ وَلَا يَخْلَقُ مِنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهٗ ۔　　یعنی علماء قرآن سے کبھی آسودہ نہیں ہوں گے اور کتنا زیادہ بھی بار بار قرآن کو پڑھا جائے مگر

(ترمذی) قرآن پرانا نہیں ہوگا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے۔ یعنی قرآن کے معانی و علوم کبھی ختم نہ ہوں گے اس لئے علماء قرآن مجید سے کبھی آسودہ نہ ہوں گے۔ (حاشیہ الدولۃ المکیہ ص ۳۷)

پڑھئے درود شریف:

اللھم صل علیٰ محمّد و علیٰ اٰل محمّد وّ بارك وسلم ۔

تلاوت قرآن کا ثواب

برادرانِ ملت! یہ بھی سن لیجئے کہ قرآن مجید کی تلاوت کا کیا ثواب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

مَنْ قَرَاَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ الٓمّٓ حَرْفٌ بَلْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِیْمٌ حَرْفٌ ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۶)

یعنی جس نے ایک حرف اللہ کی کتاب کا پڑھا۔ اس کو ایک بڑی نیکی ملے گی اور اس ایک نیکی پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک ہی حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے مطلب یہ ہے کہ جس نے صرف آلٓمّٓ پڑھا۔ اس کو تیس نیکیاں ملیں گی۔

اور قرآن پڑھ کر جو اس پر عمل بھی کرے۔ اس کے درجات کی بلندی کا کیا کہنا؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ قَرَاَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَهٗ تَاجًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِیْ عَمِلَ بِهٰذَا ۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸۶)

یعنی جو قرآن پڑھ کر اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا کہ اس کی روشنی سورج سے بڑھ کر ہوگی تو تمہارا کیا گمان ہے اس شخص کے بارے میں جو قرآن پر عمل کرے گا کہ اس کے درجات و مراتب کا کیا عالم ہوگا۔

برادرانِ ملت! افسوس کہ آج ہم مسلمانوں میں تعلیم قرآن کا ذوق بالکل ہی فنا ہو گیا بچے کو انگریزی پڑھانے کے لئے اگر ٹیوشن پر کسی ماسٹر کو مقرر کریں گے تو اعلیٰ سے اعلیٰ قابلیت

کا ماسٹر تلاش کریں گے اور پچاس روپے ماہوار دینے میں بھی دریغ نہیں کریں گے مگر بچے کو قرآن شریف پڑھانے کے لئے عموماً کوئی نابینا حافظ جی تلاش کئے جاتے ہیں تاکہ پانچ روپے ماہواری پر کام چل جائے اور قرآن پڑھنے کا یہ ذوق ہے کہ جب کسی کی جاں کنی کا وقت شروع ہوتا ہے تو آسانی سے جان نکلنے کے لئے سورۂ یٰسین کی تلاوت کر لیتے ہیں اور اگر کوئی عزیز مر جاتا ہے تو خود تو قرآن پڑھنے کی توفیق ہوتی نہیں بلکہ مسجدوں اور مدرسوں میں پڑھا ہوا قرآن مانگتے پھرتے ہیں پھر جیسی نیت ویسا ثواب حافظ جی اور ملا جی بھی سوا روپیہ فی قرآن کے حساب سے نذرانہ لے کر ایک ایک دن میں دس دس ختم قرآن مجید کا ثواب بخشتے رہتے ہیں۔ بھائی ایسے حافظوں سے بھی خدا کی پناہ! یہ لوگ عجیب عجیب دھندے کرتے ہیں۔ حافظ رمضانی کا قصہ تو آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔

حافظ رمضانی

بھائیو! ایک تھے حافظ رمضانی۔ نام تو کچھ اور تھا مگر رمضانی اس لئے کہلاتے تھے کہ گیارہ مہینہ تک یہ قرآن شریف کو اتنے اونچے طاق پر رکھتے تھے کہ بھول کر بھی اس پر ہاتھ نہ پڑے مگر رمضان کا چاند دیکھتے ہی یہ قرآن شریف کو ہاتھ لگاتے تھے اور قرآن بھی اتنا تیز پڑھتے تھے کہ سننے والوں کو سوائے یَعْلَمُوْنَ اور تَعْلَمُوْنَ کے کچھ پلے نہیں پڑتا تھا۔ یہ حافظ رمضانی کہیں تراویح پڑھانے گئے دو سو روپیہ اجرت ٹھہرا کر تراویح پڑھائی مگر گاؤں والے پورے چار سو بیس تھے جب تیسوں تراویح پوری ہوگئی تو حافظ جی کو سبھوں نے ایک سو روپیہ دے کر ٹرخا دیا۔ حافظ جی کو غصہ آیا تو بولے! کہ مجھے دو سو روپے دے دو! ورنہ میں تمہاری تیسوں تراویح برباد کر دوں گا۔

گاؤں والے بولے! کہ اب تم کیسے ہماری تراویح خراب کر سکتے ہو؟ اب تو تراویح پوری ہو چکی۔ حافظ جی نے تڑپ کر کہا کہ جاؤ مردودو! میں نے سب تراویح بلا وضو کے پڑھائی تھی۔ لو! اب تو تمہاری تراویح غارت ہوگئی؟ کیونکہ یہ مسئلہ ہے کہ اگر امام یہ کہہ دے کہ میں نے بلا وضو نماز پڑھائی ہے تو سب مقتدیوں کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔

بہرحال برادرانِ ملت! اپنے حال پر رحم کرو اور قرآن مجید کا سچا ذوق پیدا کرو یاد رکھو! یہ قرآن ہی تمہارے دین کا نشان ہے۔ مسلمانو! اگر تمہارے سینوں میں قرآن ہی نہ رہا تو پھر

سمجھ لو! کہ تمہارے سینوں میں نورِ ایمان نہ رہا۔ اسی لئے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ (مشکوٰۃ ج۱ص۱۸۶) یعنی جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ نہ رہا وہ ایک ویران گھر کے مانند ہے۔

برادرانِ اسلام! کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ آج ہمارا گریجویٹ طبقہ دنیاوی تعلیم کا تو اس قدر شیدائی ہے کہ اس کو امریکہ' یورپ اور روس کا تو پورا پورا جغرافیہ یاد ہے ان سب ملکوں کے ایک ایک ریسٹورنٹ ایک ایک سینما گھر اور ایک ایک کلب کا نام اور اس کی پوری ہسٹری کے حافظ صاحب بنے ہوئے ہیں۔ ابراہیم لنکن' نپولین' لینن' اسٹالین کی سوانح عمریوں کو زبانی یاد کئے ہوئے ہیں مگر قرآنی تعلیمات اور اسلامی نظریات سے اس قدر جاہل ہیں کہ ضروریات دین تک کی خبر نہیں۔ اپنے پیغمبروں' خلفائے راشدین اور اپنے دین و مذہب کے ہیروؤں سے قطعاً ناواقف ہیں۔ عقائد و اعمال اسلام سے بالکل ہی کورے ہیں۔

بزرگو اور بھائیو! آپ اس غلط فہمی میں نہ پڑیں کہ میں دنیاوی تعلیم کا مخالف ہوں نہیں نہیں! حاشا۔ کلا ہرگز نہیں! اسلام نے کبھی کسی کو دنیاوی تعلیم سے منع نہیں کیا' میں کہتا ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ تم شوق سے ہندی پڑھو۔ انگریزی پڑھو۔ بی اے اور ایم اے سے بھی بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرو۔ یہ سب جائز ہے مگر میں تم سے صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ تم جہاں بھی رہو اور جس حال میں بھی رہو۔ مسلمان بن کر جیو اور مسلمان بن کر مرو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تم اسلامی تعلیم بھی ضرور حاصل کرو اور اپنے دین و مذہب سے واقفیت حاصل کرو! صدمہ ہے تو صرف یہ ہے کہ

ترے صوفے ہیں افرنگی' ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی!
امارت کیا؟ شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ استغنا میں پائی میں نے معراج مسلمانی

برادرانِ اسلام! اب میں آیتِ مبارکہ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تشریح و توضیح کرتا ہوں۔ بغور سنیے! خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْہِ یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

بزرگو اور بھائیو! میں نے الٓمّٓ کا کوئی ترجمہ نہیں کیا۔ اس لئے کہ اور سورتوں کے شروعات میں جتنے بھی حروف مقطعات ہیں۔ یہ سب آیاتِ متشابہات میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کا علم اللہ و رسول کے سوا کسی کو نہیں یعنی یہ حروف اللہ و رسول کے درمیان ایسے رموز و اسرار ہیں جن سے اللہ و رسول کے سوا کوئی بھی واقف نہیں اس لئے ان حروفِ مقطعات کے معنی کی چھان بین اور تلاش و جستجو کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بس ان آیات متشابہات پر اس طرح ایمان لانا ضروری ہے کہ ان لفظوں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

برادرانِ گرامی! مگر یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ آیاتِ متشابہات کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حاصل ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ان آیتوں کی مراد کو جاننا ضروری ہے کیونکہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیتوں کا علم نہ حاصل ہو تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول سے ایسی باتیں فرمائیں جن کو رسول سمجھ ہی نہ سکے تو یہ ایک بالکل ہی لغو کام ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ سے کسی لغو کام کا ہونا محال ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ بلاغت کا دارومدار ہی اس پر ہے کہ کلام موقع، محل، ماحول کے عین مطابق ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ کلام کرنے والا اپنے مخاطب سے ایسا ہی کلام بولے جس کو مخاطب سمجھ لے دیکھئے! اگر کوئی شخص کسی جاہل گنوار کھرپا بہادر سے انگریزی میں بات چیت کرے اور وہ جاہل گنوار ایک لفظ بھی نہ سمجھے تو آپ ہی بتائیے کہ یہ بلاغت ہوگی یا سراسر حماقت و لغویت؟

بزرگو اور بھائیو! مجھے اس وقت ایک نواب صاحب کا لطیفہ یاد آ گیا۔

نواب صاحب کی اردو

سنا ہے کہ ایک نواب صاحب بہت فصیح و بلیغ اردو بولنے کے مریض تھے جب تک وہ اپنی بول چال میں دو تہائی فارسی و عربی الفاظ کی پچر نہیں ٹھونکتے تھے۔ ان کی زبان اور ہونٹوں کو بولنے میں مزا ہی نہ آتا تھا۔ ہر شخص سے وہ ایسی ہی ثقیل اردو بولا کرتے تھے۔ اتفاق سے کسی

دن ان کے چند گنوار رعایا گاؤں سے چل کر نواب صاحب کا درشن کرنے کے لئے کوٹھی میں آئے۔ گنواروں نے جھک کر نواب صاحب کو سلام کیا تو نواب صاحب نے نہایت خطیبانہ انداز میں فرمایا کیوں؟ اے دہقانِ ناہنجار، ہنوز کشت زار پر تقاطر امطار، بفضل ایزد غفار ہوا کہ نہیں؟ گنوار بے چارے کچھ بھی نہ سمجھے۔ منہ تکتے رہ گئے۔ گنواروں کا چودھری بولا کہ چلو بھئین باہر! ابھی میاں قرآن پڑھت ہیں جب قرآن کھتم ہو جائی۔ تب ہم نی کا آؤں جائی۔ سیدھی سی بات تھی کہ ابھی گاؤں میں برسات ہوئی یا نہیں؟ مگر نواب صاحب اپنی بلاغت کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایسے ایسے لمبے چوڑے اور موٹے الفاظ فارسی و عربی کے بولنے لگے کہ غریب گنواروں نے یہ سمجھا کہ میاں ہم سے بات نہیں کر رہے ہیں بلکہ قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ بھلا نواب صاحب کی اس لغویت کو بلاغت سے کیا تعلق۔

بہر کیف! یہ کلام کا اصول اور بلاغت کی جان ہے کہ متکلم ہمیشہ اپنی گفتگو ایسے الفاظ اور ایسے انداز میں کرے کہ مخاطب متکلم کے کلام کو سمجھ لے اور اگر کسی متکلم نے اپنے مخاطب سے ایسا کلام کیا جس کو مخاطب نہ سمجھ سکا تو یہ متکلم کی لغویت ہو جائے گی۔

اسی لئے میں نے عرض کیا کہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ حروف مقطعات اور آیات متشابہات کا علم خدا کے محبوب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا کے بتانے سے حاصل ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے گا کہ آیات متشابہات و حروف مقطعات کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل نہیں ہے تو اس وقت یہی لغویت لازم آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اپنے محبوب پر اتارا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے ایسا کلام فرمایا جس کو محبوب نے کچھ بھی نہیں سمجھا تو یہ تو معاذ اللہ! ایک لغویات ہوئی! بہر کیف الم کے معنی اللہ و رسول جانتے ہیں ہم اس کے معنی نہیں جانتے مگر اس لفظ سے اللہ و رسول کی جو مراد ہے وہ حق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے۔

برادرانِ ملت! ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اپنی صداقت و حقانیت میں ایسی اعلیٰ منزل پر پہنچا ہوا ہے کہ اگر کوئی انسان انصاف کی نگاہوں سے قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا تو ہرگز ہرگز اس کو اس کتاب کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہے گا یعنی یہ کتاب اس لائق ہی نہیں ہے کہ کوئی صحیح

فہم وفراست والا انسان اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک کرے بلکہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ جو اس کو دیکھے گا یقیناً اس کی پر تاثیر صداقت وحقانیت اور معجزانہ شان اور نورانیت کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھے گا کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

یعنی وہ کتاب ہے کہ اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے معجزات، غیب کی خبریں باوجود قلت حجم کے علوم اولین وآخرین کا روشن بیان، یہ وہ شواہد ہیں جو جھنجھوڑ کر ایک سلیم العقل انسان کو اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں کہ یقیناً قرآن کسی بشر کا کلام نہیں ہے بلکہ خداوند قدوس کا کلام ہے۔ قرآن کی صداقت وحقانیت کے انوار، حق بیں وحق شناس نگاہوں سے کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتے بلکہ ہر دیکھنے والا اس کو اس طرح دیکھ سکتا ہے جیسے کہ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

كَالْبَدْرِ مِنْ حَيْثُ الْتَفَتَّ رَأَيْتَهُ ۔۔۔ يَهْدِيْ اِلٰى عَيْنَيْكَ نُوْرًا ثَاقِبًا

كَالشَّمْسِ فِيْ كَبِدِ السَّمَآءِ وَضَوْئُهَا ۔۔۔ يَغْشَى الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَّمَغَارِبًا

(اتقان ص۱۲۸)

یعنی قرآن کی مثال چودھویں رات کے چاند جیسی ہے کہ تم جہاں سے بھی چاند کو دیکھنا چاہو گے۔ دیکھ لو گے اور چاند تمہاری آنکھوں کو چمکتے ہوئے نور کا ہدیہ ہر جگہ سے بھیجتا رہے گا۔ یا یوں سمجھ لو کہ قرآن سورج کی طرح ہے کہ اگرچہ وہ آسمان کے جگر میں پیوست ہے مگر باوجود اس قدر دور ہونے کے روئے زمین کے تمام شہروں کو اس کی روشنی نے ڈھانپ رکھا ہے۔

برادرانِ اسلام! قرآن مجید کی صفت بیان فرماتے ہوئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی قرآن مجید ان انسانوں کے لئے ہدایت ہے جو پرہیزگاری کا ارادہ رکھتے ہیں اور تقویٰ کی زندگی کے طالب ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ بدنصیب انسان جو اپنی سرکشی وگمراہی کی دلدل میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ اس سے نکلنا ہی نہیں چاہتے اور حق کے دیکھنے سے اندھے، حق کے سننے سے بہرے، حق کے بولنے سے گونگے بنے ہوئے ہیں۔ انہیں قرآن مجید سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے موسلا دھار بارش میں کوئی برتن اوندھا پڑا ہو تو ظاہر ہے کہ اس میں ایک قطرہ پانی بھی نہیں پہنچے گا اور جو برتن اپنا منہ کھولے ہوئے بارش میں پڑا ہو گا یقیناً بارش اس برتن کو پانی سے لبریز کر دے گی۔ اسی طرح جو شخص

تقویٰ و پرہیزگاری کا طالب ہی نہ ہوگا تو اگرچہ قرآن کی ہدایت موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی ہے مگر وہ بدنصیب اوندھے برتن کی طرح ہدایت سے محروم ہی رہے گا۔

برادرانِ گرامی! اب آگے متقین کی تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔	یعنی متقی وہ لوگ ہیں جو بن دیکھے صرف رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرما دینے سے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی روزی میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

برادرانِ اسلام! متقی کی پہلی صفت "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" ہے یعنی بغیر آنکھ سے دیکھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرما دینے سے ایمان لانا اس طرح ایمان لانا یہ ایمان بالغیب ہے۔ دیکھئے! ہم نے آپ نے کبھی خداوند تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا' پل صراط' میدان محشر' جنت' دوزخ کو نہیں دیکھا مگر جب رسول نے فرما دیا کہ خدا ایک ہے اور جنت و دوزخ موجود ہیں تو ہم لوگ اس فرمان رسول کی وجہ سے دلوں کی گہرائی سے ایمان لاتے اور اپنی زبانوں سے اس کی شہادت دیتے ہیں کیونکہ نہ ہو؟ کہ رسول کا کسی بات کو فرما دینا۔ ہماری آنکھوں کے دیکھنے سے ہزاروں لاکھوں درجے بڑھ کر ہے۔ اجی! ہماری آنکھ تو بہت مرتبہ ہم کو دھوکہ دیتی ہے مگر فرمان مصطفیٰ میں ہرگز ہرگز کبھی دھوکہ نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے ہم ریل گاڑی پر سفر کرتے ہیں تو ہمیں ایسا نظر آتا ہے کہ درخت بھاگ رہے ہیں حالانکہ یہ ہماری آنکھوں کا صریح دھوکا ہے کیونکہ درخت تو اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنکھ کی دیکھی ہوئی چیز قابل بھروسہ نہیں ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرما دیا اور جس چیز کو جیسا بتا دیا وہ قطعاً و یقیناً ہر طرح قابل بھروسا و لائق اطمینان ہے۔ بہر حال متقی کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ہر فرمان مصطفیٰ پر بغیر آنکھ سے دیکھے ایمان لائے اور اپنی آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں سے بڑھ کر رسول خدا کے فرمان پر بھروسہ اور اطمینان و یقین رکھے! خیر اب متقی کی دوسری صفت سنئے! ارشاد فرمایا وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی متقی وہ ہے جو ایمان بالغیب کے ساتھ نماز بھی قائم کرے دیکھئے یہاں یہ نکتہ یاد رکھئے! یہ نہیں فرمایا کہ متقی وہ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ آپ نے کچھ سمجھا! دیکھئے نماز پڑھنا یہ اور چیز ہے اور نماز کو قائم کرنا یہ اور چیز ہے! نماز قائم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ نماز کو اس کے تمام حقوق و آداب کے ساتھ ادا

کریں۔ خالی نماز پڑھ لینا تو سب کو آتا ہے مگر نماز کو اس کے حقوق و آداب اور پورے شرائط کے ساتھ ادا کرنا۔ یہ ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو پورے طور پر نماز کا علم بھی رکھتے ہوں۔ آج ہزاروں مسلمان ایسے ہیں جو نماز تو پڑھ لیتے ہیں مگر سچ عرض کرتا ہوں کہ انہیں نماز کے ارکان و واجبات کی بھی خبر نہیں! انہیں یہ بھی پتا نہیں کہ کن کن چیزوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور کن کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ بھائیو! مجھے اس وقت ایک لطیفہ یاد آ گیا اگرچہ ذرا پھوہڑ سی بات ہے مگر چونکہ عبرت آموز ہے اس لئے عرض کر دیتا ہوں۔

حافظ جی کا سجدہ سہو

صاحبو! ایک جاہل حافظ جی کسی گاؤں کی مسجد میں امام تھے۔ گاؤں میں ایک جلسہ ہوا اور باہر سے بڑے بڑے علمائے کرام وعظ کے لئے مدعو کئے گئے' اتفاق سے جمعہ کا دن تھا۔ حافظ جی کی رگ نفسانیت پھڑک اٹھی۔ متولی کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور کہا کہ دیکھو جی! متولی صاحب! ان مولویوں کو تو کسی کو دس بیس کسی کو پچیس تیس سورتیں زبانی یاد ہیں اور میرے سینے میں پورا قرآن ہے اس لئے جمعہ کی نماز میرے سوا کوئی نہیں پڑھا سکتا۔ متولی نے کہہ دیا بہت اچھا آپ ہی جمعہ پڑھایئے' چنانچہ حافظ جی نے منبر پر بڑے ٹھاٹھ سے خطبہ پڑھا' پھر بہت لمبی لمبی سورتوں سے بڑی زوردار آواز کے ساتھ نماز پڑھائی اور آخر میں سجدۂ سہو کیا۔ علماء نے پوچھا کہ حافظ جی! آپ نے سجدہ سہو کیوں کیا؟ حافظ جی بولے کہ اجی! بس یوں ہی ایک ذرا سا سہو ہو گیا تھا۔ علماء نے فرمایا کہ ہمارے دیکھنے میں تو آپ سے کوئی سہو نہیں ہوا' آپ نے کیسے سجدہ سہو کیا۔ حافظ جی کہنے لگے کہ بھائی! کوئی بہت بڑا سہو نہیں ہوا بس اک ذرا سا سہو ہو گیا تھا۔ علماء نے اصرار کیا کہ آخر بتایئے تو سہی! کہ کون سا سہو ہوا تھا؟ مجبور ہو کر حافظ جی بولے کہ اجی میں سجدے سے اٹھنے لگا تو میرے پیچھے سے اک ذرا سی ہوا نکل گئی۔ اس لئے میں نے سجدہ سہو کر لیا۔ علماء حافظ جی کے اس سجدہ سہو پر سر دھننے لگے اور بولے کہ ارے حافظ جی! کیا غضب کیا آپ نے اجی یہ سہو ہوا کہ لہو ہو گیا۔ اجی نماز تو نماز! آپ کا تو وضو بھی ٹوٹ پھوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ جایئے دوبارہ وضو کر کے نماز پڑھایئے؟

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ حافظ جی نے طوطے کی طرح قرآن شریف تو یاد کر لیا تھا مگر نماز کے مسائل سے بالکل کورے تھے۔ اب آپ ہی بتایئے کہ ایسے بے علم لوگ کس

طرح نماز کو اس کے حقوق و آداب کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔ بھائیو اور بزرگو! خدا کے لئے اتنا علم دین تو حاصل کرلو کہ نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے مسائل تو معلوم ہو جائیں تاکہ تمہاری عبادتیں تو صحیح طریقے پر ادا ہوتی رہیں۔

بہرکیف! اب متقی کی تیسری صفت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یعنی متقی وہ ہیں جو اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

دوستو اور بزرگو! خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا اور صدقہ و خیرات خصوصاً زکوٰۃ دینا بہت بڑی عبادت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اَلصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ یعنی صدقہ خدا کی آتش غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری موت کو ٹال دیتا ہے۔ بھائیو! آج کل نماز کا تو کچھ چرچا بھی سننے میں آتا ہے اور کچھ مال دار لوگ نماز بھی پڑھتے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر زکوٰۃ کی نہ کوئی تبلیغ ہی کرتا ہے نہ زکوٰۃ دینے والے ہی نظر آتے ہیں حالانکہ اسلام میں نماز ہی کی طرح زکوٰۃ بھی فرض ہے۔ بار بار قرآن مجید میں رب العزت نے فرمایا کہ

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۔ یعنی نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

ریل گاڑی کی دو پٹڑیاں

بزرگو اور بھائیو! نماز و زکوٰۃ اسلام میں اس طرح ہیں جیسے ریل گاڑی کی دو پٹڑیاں۔ ایک پٹڑی نماز اور دوسری پٹڑی زکوٰۃ۔ اگر ریل گاڑی کی ایک پٹڑی درست ہو اور دوسری ناکارہ ہو تو ہرگز ریل گاڑی نہیں چل سکتی۔ اسی طرح اگر نماز و زکوٰۃ میں سے ایک پٹڑی بھی ناکارہ ہوگئی تو اسلام کی ریل گاڑی نہیں چل سکتی مگر برا ہو بخیلی کا کہ مسلمان زکوٰۃ و خیرات سے کوسوں دور بھاگنے لگے۔

مسلمانو! خدا کی راہ میں مال خرچ کرنا اور خصوصاً چھپا کر صدقہ دینا کتنی بڑی فضیلت رکھتا ہے۔ اللہ اکبر! حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن لو! ارشاد فرمایا کہ جب خداوند قدوس نے زمین کو پیدا فرمایا تو زمین ہلنے لگی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرمایا جن کے بوجھ سے زمین ساکن ہوگئی تو فرشتوں نے پہاڑوں کی طاقت سے متعجب ہو کر سوال کیا کہ اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ طاقت والی کوئی مخلوق ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں لوہا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ لوہے سے بھی زیادہ طاقتور کوئی مخلوق

ہے؟ تو ارشاد ہوا کہ ہاں! آگ لوہے سے بھی زیادہ طاقتور ہے۔فرشتے بولے کہ کیا آگ سے بھی بڑھ کر طاقت رکھنے والی تیری کوئی مخلوق ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں پانی آگ سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔فرشتوں نے کہا کہ کیا پانی سے بھی زیادہ طاقت رکھنے والی کوئی چیز ہے؟ تو ارشاد ربانی ہوا کہ ہاں! ہوا پانی سے زیادہ طاقتور ہےتو فرشتوں نے سوال کیا کہ کیا ہوا سے بھی بڑھ کر کوئی مخلوق طاقت رکھتی ہےتو رب العزت نے فرمایا کہ

نَعَمْ ابْنُ اٰدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ (مشکوٰۃ ص ۱۷۰)

ہاں! آدمی اپنے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ اپنے بائیں ہاتھ سے بھی اس کو چھپا کر دے یہ ہوا سے بھی زیادہ طاقت والا ہے۔

رات میں صدقہ دینے والا

برادرانِ ملت! چھپا کر صدقہ دینے کا ذکر آ گیا تو ایک عبرت خیز حدیث اور بھی سن لیجئے! روایت ہے کہ اگلی امتوں میں سے ایک شخص نے صدقہ دینے کا عزم کیا اور رات کو صدقہ دینے چلا۔سامنے سے ایک چور آتا ملا۔اس نے چور کے ہاتھ میں صدقہ کا مال رکھ دیا۔صبح کو ہر طرف شور مچ گیا کہ کسی نے رات میں ایک چور کو صدقہ دے دیا۔یہ شخص کہنے لگا کہ الٰہی! تیرے ہی لئے حمد ہے۔افسوس! میرا صدقہ چور کو مل گیا۔پھر دوسری رات کو صدقہ لے کر نکلا تو ایک بدکار عورت گاہک کی تلاش میں جا رہی تھی۔اس عورت کے ہاتھ صدقہ کا مال رکھ دیا۔پھر صبح کو چرچا ہوا کہ کسی نے رات میں ایک زناکار عورت کو صدقہ دے دیا۔یہ شخص افسوس کرتے ہوئے بولا کہ خداوندا! تیرا شکر ہے۔میرا صدقہ ایک زانیہ کے ہاتھ لگا۔پھر تیسری رات کو صدقہ لے کر چلا تو کوئی سیٹھ صاحب آ رہے تھے۔اس نے سیٹھ کو مسکین سمجھ کر صدقہ دیا۔صبح کو پھر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ رات کسی نے ایک سیٹھ صاحب کو صدقہ کا مال دے دیا۔یہ شخص بہت ہی افسوس کے ساتھ کہنے لگا کہ الٰہی تیرا شکر ہے میرا صدقہ ایک رات چور کو ایک رات زانیہ کو اور ایک رات مالدار کو مل گیا۔یہ شخص اسی افسوس میں سو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ خواب میں ایک فرشتے نے آ کر اس کو بشارت دی کہ تیرے تینوں صدقے مقبول ہو گئے تو نے جو رات میں چور کو صدقہ دیا تو شاید وہ چور اس رات میں چوری کرنے سے بچا ہو گا اور بدکار عورت اس رات میں بدکاری سے بچی ہو گی اور مالدار شاید عبرت پکڑے اور خود بھی صدقہ دینے لگے۔(مشکوٰۃ ص ۱۶۵)

خیر! اب اگلی آیت کا بھی مضمون سن لیجئے۔ارشاد ربانی ہے کہ

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ (البقرۃ)

یعنی متقی کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ لوگ اے پیغمبر! اس کتاب پر بھی ایمان لائیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی ایمان لائیں جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں۔

برادرانِ ملت! یہ علم عقائد کا بنیادی مسئلہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ہر ایک مومن پر فرض ہے اسی طرح توراۃ وانجیل وغیرہ تمام آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔قرآن کریم گواہ ہے کہ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ ۔یعنی ہر مومن اللہ اور اس کے تمام فرشتوں اور اس کی تمام کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لایا ہے۔

حضرات! ہم مسلمان خداوند قدوس کی تمام کتابوں کو برحق مان کر ایمان لاتے ہیں اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام آسمانی کتابیں اسلام ہی کی تعلیمات ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں نے دین اسلام ہی کی تبلیغ فرمائی۔

حضرات! مجھے اس موقع پر اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ایک مرتبہ میں نے اپنی ایک تقریر میں یہ کہہ دیا کہ تمام پیغمبروں نے اسلام ہی کی تبلیغ فرمائی اور تمام آسمانی کتابیں اسلامی تعلیمات ہی کا خزانہ ہیں۔تقریر کے بعد ایک آریہ نے مجھ پر یہ اعتراض کر دیا جب توراۃ وانجیل بہ قول آپ کے اسلام ہی کی تعلیمات ہیں اور آپ ان کتابوں پر ایمان بھی لاتے ہیں تو پھر آپ ان کتابوں پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ صرف قرآن ہی پر عمل کیوں کرتے ہیں؟

میں نے اس وقت برجستہ یہ جواب دیا کہ مہاشے جی! آپ یہ بتائیے کہ جو کرتا میری چھٹی کے دن میرے لئے بنا تھا اور جو جوتا پانچ برس کی عمر میں میرے لئے خریدا گیا تھا اگر میں اس کرتے اور جوتے کو آج یہ کہہ دوں کہ یہ کرتا اور جوتا میرا ہی ہے تو میرا یہ کہنا صحیح ہوگا یا غلط؟ مہاشے جی نے کہا بالکل صحیح ہے کہ وہ کرتا اور جوتا آپ ہی کا ہے۔پھر میں نے کہا کہ اب اگر آپ مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ جب یہ کرتا اور جوتا آپ ہی کا ہے تو آپ چالیس برس کی عمر میں اس کو کیوں نہیں پہنتے؟ تو ظاہر ہے کہ آپ کا یہ مطالبہ کتنا غلط ہوگا؟ ارے بھائی! بیشک وہ کرتا اور جوتا میرا ہی ہے مگر وہ میرے بدن پر اس وقت فٹ ہوتا تھا جب میں بچہ تھا' اب جبکہ میں چالیس برس کا ہو چکا تو کس طرح میرے بچپن کا کرتا اور جوتا میرے بدن پر فٹ ہو سکتا

ہے اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب انسان کی انسانیت نے بہت کم ترقی کی تھی اور انسانیت گویا ایک بچے کے مثل تھی۔ اس وقت توراۃ وانجیل نازل ہوئی تھی مگر اب جبکہ انسانیت ترقی کر کے اپنے کمال پر پہنچ چکی ہے تو توراۃ وانجیل کی تعلیمات انسانیت کے لئے ہرگز ہرگز کافی نہیں ہیں' بلکہ اب اس کو تعلیمات قرآن کی ضرورت ہے' اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ تورات وانجیل اسلام ہی کی تعلیمات ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے اور آپ کا یہ مطالبہ کہ آپ توراۃ وانجیل پر آج عمل کیوں نہیں کرتے۔ بالکل غلط ہے بے شک توراۃ وانجیل اور قرآن سب اسلامی تعلیمات ہی کی کتابیں ہیں مگر توراۃ وانجیل کی تعلیمات انسانیت کے بچپن کے لئے تھیں اور تعلیمات قرآن انسانیت کے دور شباب کے لئے ہیں۔ میرا یہ جواب سن کر مہاشے جی مبہوت ہو کر رہ گئے۔

خیر' آپ متقی کی چار صفات کا ذکر تو سن چکے اب پانچویں صفت یہ ہے کہ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ یعنی وہ آخرت پر یقین بھی رکھیں۔ یاد رکھئے کہ جس طرح خداوند قدوس کی ذات و صفات اور ملائکہ اور رسولوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا بھی فرض ہے اسی طریقے سے قیامت کے دن پر اور عالم آخرت پر ایمان لانا بھی فرض ہے ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی انکار کرنے والا اسلام سے خارج اور کافر ہے۔

اب متقی کی پانچ صفات کو بیان فرمانے کے بعد خداوند قدوس ان مقدس بندوں کے درجات ومراتب کا اس طرح ذکر فرماتا ہے کہ

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ یعنی یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں۔
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔

سبحان اللہ! خداوند عالم نے ان مومنین کے لئے ہدایت وفلاح کی بشارت دے دی۔ اللہ۔ اللہ! ہدایت وفلاح رب العالمین کی دی ہوئی وہ بے مثال ولازوال دولتیں ہیں جو خدا کے محبوبوں کا خاص حصہ ہیں۔ یہ بلند رتبہ یہ عظیم درجہ انہیں خوش نصیبوں کیلئے ہے جو رب العزت کی بے حساب عنایتوں اور نوازشوں سے دونوں جہان میں سرفراز ہیں۔

برادرانِ ملت! قرآن کریم کی عظمت شان اور متقین پانچوں صفات کا بیان آپ سن چکے۔ اب خداوند قدوس سے دعا کیجئے کہ وہ ہر مسلمان کو قرآن مجید کی تعلیم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی

ساتواں وعظ

بشارۃُ المؤمنین

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْاَکْبَرِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْبَشَرِ o وَشَفِیْعِ الْاُمَّۃِ یَوْمِ الْمَحْشَرِ o وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ السُّرُجِ الْغُرَرِ o اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔

بزرگانِ محترم و برادران گرامی! اس وقت سورۂ توبہ کی ایک آیت میں نے تلاوت کی ہے۔ آج کے جلسے میں اسی مقدس آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر عرض کروں گا۔

برادرانِ ملت! آج مسلمان تو دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن اس آیت میں پروردگار عالم جل جلالہ ان مسلمانوں کا ذکر فرماتا ہے جو ایمان کی نو صفتوں کے ساتھ موصوف ہیں اور جن کی عظمت شان کا یہ نشان ہے کہ وہ زمین پر چلتے پھرتے ہیں مگر عرش بریں سے ان کے نام رب العالمین کی بشارت اور خوشخبری کا پیام آتا ہے۔ دنیا میں جن کی ٹھوکروں سے کرامتوں کا ظہور اور آخرت میں جن کے قدموں پر جنتیں قربان ہیں۔ وہ خوش نصیب مسلمان وہی ہیں جو اس آیت میں بیان کی ہوئی نو صفات کے جامع ہیں۔ اب آپ ایک مرتبہ اس پوری آیت کریمہ کا ترجمہ سن لیجئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحَامِدُوْنَ توبہ کرنے والے' عبادت کرنے والے' خدا کی تعریف کرنے والے' اَلسَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ روزہ رکھنے والے' رکوع کرنے والے' سجدہ کرنے والے۔ اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ احکام کی حفاظت کرنے والے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اے محبوب! آپ ان مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

عزیزانِ محترم! آپ نے سن لیا کہ اس آیت میں جن نو ایمانی صفات کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے پہلی صفت "اَلتَّـــائِبُـوْنَ" ہے یعنی مومن پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے۔

حضرات! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ انسانوں میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مقدس گروہ تو معصوم ہے یعنی ان پاک جانوں سے گناہ ہونا ممکن ہی نہیں۔ اس بات پر اجماع امت ہے کہ انبیاء کرام قبل نبوت و بعد نبوت تمام گناہ صغیرہ و کبیرہ سے پاک ہیں۔ رہے اولیاء اللہ تو یہ اگرچہ معصوم تو نہیں، مگر یہ بھی اکثر گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ باقی ان دو گروہوں کے سوا ہر شخص خواہ کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ ضرور گناہ گار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کُـلُّ بَـنِـیْ آدَمَ خَطَّـاءٌ وَّ خَیْـرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ ۔ یعنی ہر آدمی گناہ گار ہے اور بہترین گناہ گار وہ ہیں جو اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

اس مضمون پر عمر خیام کی ایک رباعی یاد آ گئی وہ خداوند تعالیٰ کو مخاطب کر کے عرض کرتے ہیں۔

ناکردہ گناہ، درجہاں کیست، بگو　　آں کس کہ گنہ نہ کرد چوں زیست، بگو
من بد کنم و تو بد مکافات دہی
پس فرق میان من و تو چیست، بگو

یعنی اے خدا! تو ہی بتا دے کہ اس دنیا میں کون ایسا ہے جس نے گناہ نہیں کیا ہے؟ یہ تو بتا! کہ جس نے گناہ نہیں کیا، وہ کس طرح زندہ رہا؟ اے خدا! اگر میں برا کام کروں اور تو بھی برے کام کا برا بدلہ دے تو پھر بتا دے کہ میرے اور تیرے درمیان فرق ہی کیا رہے گا؟

برادرانِ اسلام! یہ حسن طب کی بہترین مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ تیری کریمی اور شان ستاری و غفاری کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں اگرچہ برا کام کروں مگر تو مجھے اپنے کرم سے اچھا بدلہ عطا فرما۔ تیری یہ شان نہیں ہے کہ تو برا بدلہ عطا فرمائے!

برادرانِ ملت! مومن کی توبہ خداوند قدوس کو بے حد محبوب و پسند ہے۔ لوگ عام طور پر سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتا ہے مگر برادران گرامی صرف اتنا ہی نہیں کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اجی! رب العزت کی شان ستاری اور غفاری کو کیا پوچھتے

ہو؟ وہ تو قرآن مجید میں یہ ارشاد فرماتا ہے۔ فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ یعنی ایک ہزار گناہ کر کے کوئی گناہگار سچی توبہ کر لیتا ہے تو ارحم الراحمین فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ اے فرشتو! تم میرے اس بندے کے ایک ہزار گناہوں کو ایک ہزار نیکی لکھ دو۔

ایک سو خونِ ناحق کرنے والا

حضرات! سچی توبہ کرنے والے رب کریم کی طرف سے کیسے کیسے الطاف کریمانہ سے نوازے جاتے ہیں' اس کے لئے بخاری شریف کی ایک حدیث سن لیجئے۔ اگلی امتوں میں ایک اتنا بڑا مجرم اور پاپی تھا کہ جس نے ننانوے خون ناحق کیا تھا۔ ہمارے ملک میں کوئی ایک خون ناحق کر لیتا ہے تو عام لوگ مارے ڈر کے اس کو دادا کہتے ہیں۔ یہ نہ معلوم کتنے داداؤں کا پردادا تھا کہ جس نے ننانوے انسانوں کو بلا قصور قتل کر ڈالا تھا۔ ایک مرتبہ اس قاتل کے دل میں خوف الٰہی کی لہر اٹھی اور اس نے توبہ کا ارادہ کیا اور کسی مولوی کے پاس فتویٰ پوچھنے گیا کہ مجھ جیسے ننانوے خون ناحق کرنے والے کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اتفاق سے یہ مولوی صاحب نیم ملا یعنی آدھے مولوی تھے اور مثل مشہور ہے کہ نیم حکیم خطرہ جان و نیم ملا خطرہ ایمان یعنی آدھا حکیم جان کے لئے خطرہ اور آدھا مولوی ایمان کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔

نیم حکیم خطرۂ جان

نیم حکیم کا قصہ تو آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ ایک اونٹ ایک مرتبہ بیل نگل گیا جو اس کے حلق میں پھنس گیا اور اس کا دانہ پانی بند ہو گیا۔ ایک حکیم حاذق بلائے گئے۔ انہوں نے ایک ہتھوڑا منگایا اور اونٹ کو لٹا کر حلق پر ایک ہتھوڑا جو مارا تو بیل ٹوٹ پھوٹ کر حلق سے اتر گیا اور اونٹ بھلا چنگا ہو کر کھانے پینے لگا۔ حکیم حاذق کے شاگرد نیم حکیم نے اپنے استاد کو اونٹ کا علاج کرتے ہوئے دیکھ لیا کہ یہ علاج بہت ہی کامیاب رہا۔ گھر گئے تو کیا دیکھا کہ ان کی بوڑھی ماں کے حلق میں بہت بڑا پھوڑا نکلا ہوا ہے اور سارا گلا سوجا ہوا ہے جس سے دانہ پانی بند ہے۔ نیم حکیم بولے گھبراؤ مت لاؤ ہتھوڑا!! گھر میں ہتھوڑا تو نہیں ملا۔ جلدی جلدی نیم حکیم صاحب ایک موصل لے کر آئے اور ماں کو لٹا کر حلق پر ایک موصل ایسا تان کر مارا کہ پھوڑا ٹوٹ گیا اور درد سے بلبلا کر ماں نے دم توڑ دیا۔ ایک منٹ میں ایسا علاج کر دیا کہ نہ مرض رہا نہ مریض۔ اسی دن سے یہ کہاوت مشہور ہو گئی کہ نیم حکیم خطرۂ جان۔ یعنی آدھا حکیم

جان کے لئے خطرہ ہوتا ہے اور آدھا مولوی ایمان کے لئے خطرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ خونی جس مولوی سے فتویٰ پوچھنے گیا تھا۔ یہ حضرت بھی نیم ملا یعنی آدھے مولوی تھے۔ گرج کر بولے۔ خبیث' مردود! ننانوے خون کر کے توبہ کرنے آیا ہے۔ نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ چل یہاں سے دور ہو جا۔ تیری توبہ ہرگز قبول نہیں ہوسکتی۔ قاتل نے کہا کہ حضرت جی! جب میری توبہ قبول ہی نہیں تو ننانوے پھوٹ پھاٹ عدد کیسا؟ لاؤ پورے ایک سو خون کیوں نہ کردوں یہ کہا اور تلوار اٹھا کر نیم ملا کی گردن پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ کدو کی طرح کٹ گئی اور کھوپڑی دور جا کر گری۔ پھر ایک دن ناگہاں دل میں گناہوں کی ندامت نے چٹکی لی اور قلب میں خوفِ الٰہی کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ پھر فتویٰ دریافت کرنے کے لئے چل پڑا اور اب کی مرتبہ ایک عالم کامل کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضور! میں نے ایک سو خون ناحق کیا ہے' کیا مجھ مجرم اور پاپی کی توبہ بھی قبول ہوسکتی ہے۔ عالم ربانی نے فتویٰ دیا اور چمکار کر فرمایا کہ اے شخص! مت گھبرا۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ خداوند کریم بڑا ارحم الراحمین ہے۔ اس نے قرآن مجید میں فرما دیا ہے کہ

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۝ — یعنی خدا کی رحمت سے تم لوگ ناامید مت ہو جاؤ اللہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

اے گناہ گار مسلمان! تجھے خبر نہیں؟ کہ خدا کی رحمت روزانہ پکارتی ہے کہ

باز آ باز آ زآنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبرو بت پرستی باز آ
ایں در کہ ما' درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی اے گناہ گار بندے! تو جس گناہ میں بھی گرفتار ہے۔ اب سے توبہ کرلے اور باز آجا! ارے! اگر تو نے کفر کیا ہے۔ آگ کی عبادت کی ہے' بت کی پوجا کی ہے' پھر بھی اب سے توبہ کرلے اور باز آجا! میرا دربار ناامیدی کا دربار نہیں ہے اگر سو مرتبہ تو نے توبہ کی ہے اور سو مرتبہ تیری توبہ ٹوٹ گئی جب بھی تو مایوس و ناامید نہ ہو جا۔ اب سے توبہ کرلے اور باز آجا تو اب بھی خدا کی ستاری و غفاری تجھے اپنے دامن کرم میں پناہ دے گی اور تو رحیم و کریم کے دربار سے ٹھکرایا نہیں جائے گا۔ یہ فتویٰ اور بشارت سن کر قاتل مچل گیا اور جوش مسرت میں اس کے آنسو نکل پڑے۔ پھر اس عالم کامل نے اس کو حکم دیا کہ تم بیت المقدس چلے جاؤ اور

وہاں کے عابدوں کے ہاتھ پر توبہ کر کے ان کی صحبت میں نیک عمل کرو، غفور رحیم تم کو بخش دے گا۔ قاتل یہ سن کر فوراً ہی بیت المقدس کی طرف چل پڑا مگر راستے ہی میں اس کی موت آ گئی لیکن جذبہ شوق میں یہ شخص جب زمین پر گرنے لگا تو منہ کے بل گرا کہ کم سے کم اتنا تو اور میں مقدس کی۔ زمین کی طرف قریب ہو کر مروں۔ چنانچہ جوں ہی اس کا دم نکلا۔ ایک طرف سے عذاب کے فرشتے اور دوسری طرف سے رحمت کے فرشتے اتر پڑے۔ عذاب کے فرشتے کہنے لگے کہ یہ ایک سو خون ناحق کر چکا ہے اس لئے ہم اس کو عذاب دیں گے اور رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ خبردار! یہ توبہ کر چکا ہے اور نیک ارادے سے بیت المقدس جا رہا ہے۔ یہ رحمت کے فرشتوں کا حصہ ہے دونوں گروہوں کے فرشتے الجھ رہے تھے کہ خداوند قدوس کی طرف سے ایک فرشتے نے نازل ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ اس کے گھر سے مقدس زمین تک ناپ لو اگر یہ آدھے راستے سے زیادہ طے کر چکا ہو تو یہ رحمت کے فرشتوں کے سپرد کیا جائے گا اور اگر ابھی آدھے راستے سے کم چلا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے حق دار ہیں چنانچہ جب زمین کی پیائش ہوئی تو جہاں اس کے قدم تھے وہ بیچوں بیچ تھا اور منہ کے بل جتنا آگے کو گرا تھا وہ آدھے راستے سے زیادہ تھا۔ اس لئے یہ رحمت کے فرشتوں کے سپرد ہو گیا اور رحمت خداوندی نے اس کو اپنے عفو و غفران سے سرفراز فرما دیا اور اس گناہگار کی مغفرت ہو گئی سچ ہے! ۔

رحمت حق بہانہ می جوید
رحمت حق بہا نمی جوید

پڑھئے درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

برادرانِ ملت! سچی توبہ! بڑی انمول دولت ہے۔ میاں! ایسے ایسے مجرم بھی ہوئے ہیں کہ برسوں گناہ کرتے رہے مگر توبہ کرتے ہی اللہ کے ولی اور صاحب کرامت بن گئے۔ مسلمانو! سنو!

شرابی صاحب کرامت بن گیا

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ایک شرابی

تھا جو شراب بھی پیتا تھا اور شراب کی سپلائی بھی کرتا تھا۔ ایک دن دوپہر میں جب دھوپ کی شدت سے تمام اہل شہر اپنے گھروں میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ شرابی شراب کی بوتل بغل میں دبا کر اوپر سے جبہ پہن کر کمبل اوڑھے باہر نکلا' عجیب اتفاق کہ جوں ہی یہ شخص سڑک پر آیا' کیا دیکھتا ہے کہ سامنے امیر المومنین ہاتھ میں درہ لئے چلے آتے ہیں۔ اللہ اکبر! امیر المومنین کو دیکھتے ہی اس کی روح فنا ہونے لگی۔ میاں امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درے کی ہیبت کوئی معمولی چیز نہیں تھی۔ مشہور ہے کہ جب بنوامیہ کے دور حکومت میں سپاہی ننگی تلواریں لے کر نکلتے تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

وَيْحَكُمْ لَدِرَّةُ عُمَرَ اَهْيَبُ مِنْ سُيُوْفِكُمْ۔ تمہارا ناس ہو' تم ننگی تلواریں دکھاتے ہو۔ ارے عمر کے درے میں جو ہیبت تھی وہ تمہاری تلواروں میں کہاں۔

شرابی امیر المومنین کو دیکھتے ہی لرزہ براندام ہو گیا اور ایک دم سہم کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں گڑگڑا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے لگا کہ ''اے ارحم الراحمین! میری آج سے سچی توبہ ہے' اے مولیٰ تو امیر المومنین کے درے سے بچا لے۔ صدق دل سے توبہ کی تھی۔ رحمت خداوندی نے توبہ قبول کر لی۔ ادھر امیر المومنین شرابی کی گھبراہٹ سے تاڑ گئے کہ ضرور کچھ نہ کچھ دال میں کالا ہے۔ فرمایا کمبل اتار جبہ نکال۔ شرابی نے کمبل اتارا جبہ نکالا فرمایا بغل میں کیا ہے؟ کہا حضور! بوتل ہے فرمایا دکھا' کیا ہے اس میں؟ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بوتل نکالی اور بولا کہ حضور اس میں دودھ ہے۔ امیر المومنین نے پرجلال آواز سے فرمایا کہ اگر یہ دودھ ہے تو اس کو اس قدر چھپا کر لے جانے کی کیا ضرورت تھی؟ امیر المومنین نے بوتل کی ڈاٹ کھول کر ہتھیلی پر گرا کر دیکھا تو واقعی خالص دودھ تھا۔ امیر المومنین کی حیرت اور زیادہ بڑھ گئی کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ دودھ کو اس قدر چھپا کے لے جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ نے حیران ہو کر مراقبہ فرمایا اور خدا کی طرف توجہ کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کی امت میں کچھ لوگ ایسے ہوئے ہیں جن کو خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے اور میری امت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان ہی لوگوں میں ہیں جو صاحب الہام ہیں' چنانچہ مراقبہ کرتے ہی الہام ربانی ہوا جس کو حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ نے ان لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔

بندۂ مارا مکن رسوا عمر

پردہ اش بردار و رازش رامدار

خداوند تعالیٰ کی آواز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں آئی کہ اے عمر! تم میرے بندے کو رسوا مت کرو۔ اس کا پردہ چھپالو اور اس کا راز فاش مت کرو۔

نام دارم اے عمر من ذوالمنن

از دعا کردم خمر شیریں لبن

اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! میرے ناموں میں سے ایک نام ''منان'' بھی ہے کہ میں اپنے بندوں پر احسان کرتا ہوں۔ یہ خالص شراب کی بوتل تھی مگر میں نے اپنے بندے کی دعا سے اس کو شیریں دودھ بنا دیا۔

امیر المومنین نے شرابی کو بوتل دے دی اور خداوند قدوس کی ستاری و غفاری پر سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ اتنا بڑا عادی مجرم! مگر سچی توبہ کرتے ہی مقبول بارگاہ الٰہی اور صاحب کرامت بن گیا کہ اس کی دعا سے شراب کی بوتل دودھ کی بوتل بن گئی۔

بسطام کی ایک طوائف

اسی طرح شہر بسطام میں ایک طوائف آ گئی۔ بڑی ہی حسین و خوبصورت تھی۔ شہر کے نوجوانوں کا حال مت پوچھئے۔ سارا شہر لٹو ہو گیا اور تیری گلی کے سو سو پھیرے ''تیری گلی کے سو سو پھیرے'' ہر نوجوان کا وظیفہ ہو گیا۔ شہر کے بڑے بوڑھے، حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! شہر کا حال بے حد ابتر ہے خدا کے لئے ایسی توجہ فرمائیے کہ یہ بلا شہر سے دور ہو جائے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمہ کو امت رسول کے نوجوانوں پر رحم آ گیا۔ ایک دن ڈنڈا لے کر سر شام ہی اس طوائف کے دروازے پر آپ آ کر بیٹھ گئے۔ اب جو نوجوان بھی طوائف کی گلی میں آیا اور دیکھا کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی بیٹھے ہوئے ہیں تو ادب سے سلام کر کے اس طرح چلا گیا جیسے جامع مسجد ہی کو جا رہا ہے۔ جب رات ہو گئی تو حضرت نے طوائف سے فرمایا کہ مائی! جتنی تیری فیس ہو مجھ سے لے لے اور آج میں تیرا گاہک بنتا ہوں۔ ساری فیس آپ نے ادا فرما دی اور فرمایا: اب جو میں

تجھ کو حکم دوں، وہ کرے گی؟ طوائف بولی ضرور۔ اب تو رات بھر کے لئے میں آپ کے ہاتھ پر بک چکی ہوں۔ فرمایا، اچھا! وضو کر لے اور مصلے پر نماز کے لئے کھڑی ہو جا۔ طوائف وضو کر کے مصلے پر نماز کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی اور اس کے پیچھے ایک مصلے پر حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ بھی سجدے میں سر رکھ کر خدا سے یوں دعا مانگنے لگے۔ جیسا کہ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

آنچہ کارم بود آخر کردمش کز زنا سوئے نماز آوردمش

یا اللہ! میرا جو کام تھا، میں نے کر دیا کہ اس تیری بندی کو زنا کی لعنت سے نکال کر نماز میں لگا دیا۔

بردرت آوردہ ام اورا خدا

قَلِّبْهَا قَلْبُ طفیلِ مصطفی

اے خدا! تیرے در پر لا کر میں نے اس کو کھڑا کر دیا ہے۔ اب تو پیارے مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اس کے قلب کو بدل دے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے گڑگڑا کر دعا مانگی کہ الٰہی! اگر صبح تک یہ زنا سے تائب نہ ہوئی تو تیرے بندے مجھ کو طعنہ دیں گے۔ الٰہی تو میری لاج رکھ لے۔ اللہ اکبر! حضرت بایزید بسطامی کی دعا زبان سے نکلی اور عرش الٰہی تک پہنچی، طوائف نے دو رکعت نماز پوری کی اور اک دم دفعتہ اس کے قلب میں ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ آپ کے دست حق پرست پر توبہ کر کے مرید ہو گئی اور نماز میں اس کو ایسی لذت حاصل ہوئی کہ ساری رات نماز پڑھتی رہی۔ اب صبح ہوتے ہی حضرت خواجہ تو اپنے گھر چلے گئے مگر طوائف کی دنیا بدل چکی تھی جو نوجوان گاہک بن کر آیا۔ طوائف نے کہہ دیا کہ بس اب تو میں بایزید بسطامی کے ہاتھ پر بک چکی۔ اب مجھے کوئی نہیں خرید سکتا۔ سچی توبہ کرتے ہی کل کی طوائف آج کی رابعہ بصریہ بن چکی تھی۔ ساری عمر عبادت میں گزاری اور صاحب کرامت ہوئی۔

برادران اسلام! یہ ہے سچی توبہ کا ثمرہ۔ یہی وہ توبہ ہے جس کے لئے قرآن مجید نے فرمایا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یعنی اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص اور سچی توبہ کرو۔

پڑھیے درود شریف:

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد وبارك وسلم۔

بہرکیف! اس آیت میں ذکر کی ہوئی نو صفتوں میں سے پہلی صفت تو یہ ہے جس کو آپ سن چکے۔ اب دوسری صفت ''العابدون'' یعنی خدا کی عبادت کرنے والے سبحان اللہ برادرانِ ملت! خدا کی عبادت کا کیا کہنا! خداوند کریم نے قرآن مجید میں فرمایا کہ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (الایۃ) یعنی کائنات زمین کی ہر چیز خداوند عالم نے انسانوں کے لئے بنائی ہے اور انسانوں اور جنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی جن وانسان اس لئے پیدا کئے گئے ہیں تا کہ وہ خدا کی عبادت کریں۔ سبحان اللہ! ساری خدائی انسانوں اور جنوں کے لئے ہے اور انسان و جن صرف خدا کی عبادت کے لئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا؟

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار

شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

یعنی بدلی، ہوا، چاند و سورج اور آسمان، سب اس لئے کام میں لگے ہوئے ہیں کہ اے انسان! تو ایک روٹی حاصل کرے اور غفلت کے ساتھ نہ کھائے اے انسان! دیکھ! یہ ساری کائنات عالم تیرے لئے پریشان اور فرماں بردار ہے اب اگر تو خدا کا فرماں بردار بندہ نہ بنا تو یہ بہت بڑی بے انصافی کی بات ہوگی۔

سرکار کونین کی عبادت

بزرگو اور بھائیو! حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت پر نظر ڈالو۔ دن تو دن راتوں کو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر کثیر اور طویل نمازیں پڑھتے تھے کہ حدیث شریف میں ایک جگہ یہ ذکر ہے کہ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ یہاں تک کہ پائے مبارک پر ورم آ گیا بلکہ ایک روایت میں تو حَتّٰی تَشَقَّقَتْ قَدَمَاهُ بھی آیا ہے یعنی اتنا طویل قیام فرماتے تھے کہ پائے مبارک شق ہو گئے تھے۔ اللہ اکبر! اس قدر راتوں کو جاگ کر عبادت کی اور اپنی امت کی مغفرت کے لئے روتے رہے کہ خدائی کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مصطفائی

پر پیار آ گیا اور سورۂ طٰہٰ و سورۂ مزمل نازل ہو گئیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی اے محبوب! ہم نے قرآن اس لئے نہیں نازل فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں! کبھی یوں فرمایا کہ

یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْزِدْ عَلَیْہِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا۔

یعنی اے کملی اوڑھنے والے! آپ راتوں کو قیام کیجئے، مگر تھوڑی دیر تک آدھی رات تک یا کچھ کم یا کچھ زیادہ تک اور خوب تجوید کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ اے محبوب! پوری پوری رات آپ نہ جاگیے! بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ آپ کی تو خداوند عالم مغفرت فرما چکا ہے تو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا تو کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

بی بی فاطمہ کی عبادت

عزیزانِ ملت! رحمت عالم کی لاڈلی بیٹی خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عبادت کو یاد کرو۔ دن بھر شاہزادی اسلام شوہر اور بچوں کی خدمت کرتی تھیں۔ پانی بھرنا، چکی پیسنا، جھاڑو دینا یہ سب کام رسول خدا کی بیٹی خود انجام دیتی تھیں۔ گھر میں لونڈی یا غلام نہیں تھا۔ دن بھر تھکی ہوئی رہتی تھیں مگر جب رات آتی تھی اور ساری دنیا اپنے گرم گرم لحافوں میں اور نرم نرم گدوں پر سکھ اور چین کی نیند سوتی تھی تو خاتون جنت اپنا چٹائی کا مصلیٰ بچھا کر نماز کی نیت باندھتی تھیں اور ایسے ذوق وشوق کے ساتھ نماز پڑھتی تھیں کہ کبھی کبھی ایک ہی سجدے میں صبح ہو جاتی تھی۔

حضرات! یہ نفل نماز کا حال تھا۔ آج ہم بدنصیب مسلمان ہیں کہ نفلوں کا تو کہاں ٹھکانا، فرض نمازوں کو بھی بے دریغ قضا کر دیتے ہیں اور پھر بھی اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں جو حقیقت میں بالکل غلط ہے۔ سچ کہا ہے کسی حق گو شاعر نے۔

تَعْصِی الْاِلٰہَ وَاَنْتَ تُظْھِرُ حُبَّہٗ هٰذَا مُحَالٌ فِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ
لَوْکَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَّاَ طَعْتَہٗ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

یعنی تم خدا کی نافرمانی بھی کرتے ہو اور پھر اس کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو؟ یہ محال بات ہے اور بالکل ہی نرالا دھندا ہے اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم ضرور اس کے فرماں بردار ہوتے کیونکہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے ضرور اس کا فرماں بردار ہوتا ہے۔

حضرات! خاتون جنت حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی آپ سن چکے کہ گھر میں کوئی لونڈی غلام نہ تھا اور شاہزادی اسلام خود پانی کی مشک بھر کر لاتی تھیں خود چکی بھی پیستی تھیں۔ خود ہی مکان میں جھاڑو بھی دیتی تھیں اور پھر اس قدر عبادت بھی کرتی تھیں۔

حضرات! میرا ایمان ہے کہ اگر شاہزادی اسلام اشارہ کر دیتیں تو جنت سے حوریں آ کر آپ کی چکی پیس دیتیں' پانی بھر دیتیں مگر اس کے باوجود آپ خود ہی مشقت اٹھا کر تمام گھریلو کام خود انجام دیتی تھیں۔ یہ درحقیقت امت رسول کی عورتوں کو تعلیم دینا تھا کہ اے امت رسول کی عورتو! دیکھو میں شاہزادی اسلام ہوں اور میری شان یہ ہے کہ۔

گھر میں چکی کی صدائیں' آستاں پر جبرئیل　　تو نے شان خاندان فاطمی دیکھی نہیں

مگر اس کے باوجود میں اپنے شوہر کے گھر کی ساری خدمات خود انجام دیتی ہوں کیونکہ ایک نیک بی بی کے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خدمت کرے اور پھر شوہر اور بچوں کی خدمت سے فارغ ہو کر اپنے مالک و مولا کی بندگی بھی کرے۔

لطیفہ

مگر آج کل تو میاں! مسلمانوں کی عبادت کا عجیب حال ہے سنا ہے کہ کسی گاؤں میں کوئی مولوی صاحب وعظ کے لئے بلائے گئے۔ انہوں نے بے نمازیوں کے عذاب کا بیان شروع کر دیا۔ بہت سی حدیثیں پڑھ گئے۔ وعظ سن کر سارے بے نمازی بگڑ گئے کہ یار! یہ عجیب مولوی ہے کہ ہم لوگوں نے جلسہ کیا' اس کو بلایا' کھلایا' پلایا' نذرانہ دیا مگر یہ ہم لوگوں کی برائی بیان کرتا ہے۔ سب بے نمازی لاٹھیاں لے کر مولوی پر دوڑ پڑے۔ غریب مولوی نے دیکھا اب تو خیریت نہیں ہے تو انہوں نے فوراً بے نمازیوں سے پوچھا کہ ارے بھائیو! یہ تو بتاؤ کہ تم لوگ عید' بقر عید کی نماز پڑھتے ہو یا نہیں؟ تو سب بولے کہ کیوں نہیں صاحب! ہم لوگ تو عید کی نماز کے اتنے مشتاق رہتے ہیں کہ بعض مرتبہ تو ہم لوگ مارے شوق کے انتیس رمضان ہی کو اگر چاند نظر نہیں آتا تو چاند بنا لیتے ہیں اور اس قدر ہڑبونگ مچاتے ہیں کہ لوگ

عید کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ہم لوگ عید گاہ میں جا کر اگلی صف میں کھڑے ہو کر نماز عید پڑھتے ہیں تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ سبحان اللہ! ماشاء اللہ! مرحبا! مرحبا! ارے بھائیو! جب تم لوگ عید کی نماز پڑھتے جب تو تم لوگ نمازی ہو میں نے تو بے نمازیوں کو برا بھلا کہا ہے۔ تم لوگ خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہو گئے۔

اتنے میں بے نمازیوں کا چودھری بھی آ گیا۔ اس نے کہا کہ ابے نادانوں تم لوگ بالکل اجڈ ہو۔ تم لوگوں نے مولوی صاحب کا وعظ نہیں سمجھا۔ مولوی صاحب نے تو ان لوگوں کو برا بھلا کہا ہے جن کی نمازیں قضا ہوتی ہیں ہم لوگ تو اپنے مرشد کے قربان! کہ ہم کبھی نماز پڑھتے ہی نہیں اس لئے ہماری نماز قضا ہوتی ہی نہیں۔ نماز تو قضا ان لوگوں کی ہوتی ہے جو لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ چودھری کی بات سن کر بے نمازیوں کا ہجوم ذرا ٹھنڈا ہوا اور غریب مولوی کو مت پوچھو جان بچی سو لاکھوں پائے خیر سے بدھو گھر کو آئے۔

مسجد میں بیل

اسی طرح کسی گاؤں کی مسجد میں ایک مولانا لٹھ رہا کرتے تھے۔ ان کی مسجد میں ایک بیل آ گیا۔ مولانا اپنا لٹھ لے کر دوڑے اور مار مار کر بیل کا بھس نکال دیا۔ بیل کا مالک دوڑا ہوا مسجد میں آ گیا اور گرم ہو کر بولا کہ اجی ملا جی! تم نے میرے بیل کو کیوں مارا؟ مولانا لٹھ بھی تڑپ کر بولے کہ ابے جاہل! تیرا بیل مسجد میں آ گیا تھا۔ پیشاب کر دیتا تو کیا ہوتا؟ میں اس کو مارتا نہیں تو کیا پیار کرتا؟ بیل والا قائل ہو گیا تو کہنے لگا کہ اجی ملا جی! آپ نے اتنا تو خیال کیا ہوتا کہ آخر جانور ہی تو تھا۔ بے عقل بیل ہی تو تھا جو مسجد میں چلا آیا۔ ملا جی! آپ ایمان سے بتا دیجئے کہ آپ نے کبھی بھی مجھ کو یا میرے باپ دادا کو مسجد میں آتے دیکھا؟

مسلمانو! تم نے غور کیا؟ بیل تھا اس لئے مسجد میں چلا گیا۔ آج کل بھائیو! یہی حال ہے کہ مسجد میں جانے والوں کو لوگ بے وقوف اور بیل سمجھتے ہیں اور لیڈروں اور نیتاؤں کو جو مسجد کے بجائے اسمبلی کا چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ لوگ ان کو عقل مجسم سمجھتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے اسی ذہنیت پر کیا خوب طنز کیا ہے۔

اسلام کی رونق کا کیا حال کہوں تم سے
کونسل میں بہت سید' مسجد میں فقط جمن

خیر! تو میں اس آیت میں ذکر کی ہوئی نوصفتوں میں سے دوسری صفت ''العابدون'' کا بیان کر رہا تھا۔ اب تیسری صفت ''الحامدون'' کے بارے میں بھی کچھ روشنی ڈالتا ہوں، حمد الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ مومن راحت میں ہو یا مصیبت میں نعمت ملے یا آفت آئے۔ ہر حال میں اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا رہے اور اس کا شکر ادا کرتا رہے مگر افسوس! کہ آج ہمارا یہ حال ہے کہ اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو ہم غرور سے اکڑتے پھرتے ہیں اور اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو خدا کی شکایت اور ناشکرگزاری کرنے لگتے ہیں۔ بعض تو یہاں تک بکنے لگتے ہیں کہ یا اللہ ہم سے کونسا قصور ہو گیا؟ جو تو نے یہ مصیبت بھیج دی! توبہ! توبہ! نعوذ باللہ! ہم گناہوں کے پتلے خدا سے یہ پوچھنے کی جرات کرتے ہیں کہ ہم سے کونسا گناہ ہوا؟

عزیزانِ ملت! یاد رکھئے! اس دنیا میں نعمت اور مصیبت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر انسان کے لئے زندگی میں نعمت اور مصیبت دونوں سے ملاقات ضروری ہے۔ ایسا کوئی انسان نہیں مل سکتا جس کو زندگی بھر نعمت ہی نعمت ملی ہو اور اس پر کوئی مصیبت نہ آئی ہو۔ اسی طرح کوئی ایسا انسان بھی نہیں ملے گا جس پر ہمیشہ مصیبت ہی مصیبت پڑی اور اس کو کوئی نعمت نہ ملی ہو۔ اس دنیا میں ہر انسان کے لئے نعمت بھی ہے اور مصیبت بھی اب اللہ و رسول کا حکم یہ ہے کہ ہر نعمت پر شکر بجالانا اور ہر مصیبت پر صبر کرنا ایک صاحب ایمان مسلمان کا ایمانی فریضہ ہے اور نعمت و مصیبت دونوں حالتوں میں خداوند قدوس کی حمد و ثنا' یہ ایک مومن کی قابل تعریف ایمانی صفت ہے۔ ایک حدیث شریف میں وارد ہوا کہ مَنْ لَّمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَلَمْ یَشْکُرْ نَعْمَائِیْ فَلْیَخْرُجْ مِنْ تَحْتِ سَمَائِیْ وَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ۔ یعنی خداوند کریم فرماتا ہے کہ جو بندہ میری بھیجی ہوئی مصیبت پر صبر نہیں کرتا اور میری بخشی ہوئی نعمت پر شکر نہیں بجالاتا' اس سے کہہ دو کہ وہ میرے آسمان کے نیچے سے نکل جائے اور میرے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بنالے! مطلب یہ ہے کہ جب بندے نے رب العالمین کو اپنا رب مان لیا ہے تو بندے کا فرض ہے کہ اپنے رب کی بھیجی ہوئی ہر مصیبت پر صبر کرے اور نعمت پر شکر ادا کرتا رہے اور اگر کوئی بندہ ایسا نہیں کرتا تو اس کو رب العالمین کے آسمان کے نیچے رہنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس کو رب العالمین کو اپنا رب کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے خبردار! خبردار! مسلمان بھائیو! یاد رکھو! نعمت ملے یا مصیبت آئے۔ ہر حال میں خداوند

قدوس کی حمد وثنا کرتے رہو اور کبھی بھی خدا کے دربار میں حرف شکایت زبان پر مت لاؤ! ورنہ ایمان کی دولت برباد ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اچھا اب آیئے! چوتھی صفت ''السائحون'' کا بھی مختصر بیان سن لیجئے۔ ''السائحون''''السائحون'' یعنی روزہ رکھنے والے روزہ رمضان اسلام کا ایک رکن ہے اور دین کا ایک اہم فرض ہے۔ اس کا انکار کرنے والا اسلام سے خارج اور بلا عذر چھوڑنے والا' قہر قہار' وغضب جبار میں گرفتار اور عذاب نار کا سزاوار ہے' قرآن مجید میں فرمان خدا ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

یعنی اے ایمان والو! جس طرح اگلی امتوں پر روزہ فرض کیا گیا' اسی طرح تم لوگوں پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے تا کہ تم لوگ پرہیزگار بن جاؤ۔

روزے کی فضیلت

برادرانِ ملت! روزے کی فضیلت میں ایک حدیث بھی سن لیجئے۔ سرکار دو جہاں خاتم پیغمبراں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اَلْجَنَّةُ مُشْتَاقَةٌ اِلٰی اَرْبَعَةِ نَفَرٍ ۔ یعنی سب لوگ تو جنت کے مشتاق ہیں مگر چار شخص اتنے خوش نصیب ہیں کہ جنت ان کی مشتاق ہے۔ وہ چار کون کون ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ

تَالِی الْقُرْاٰنَ وَحَافِظُ اللِّسَانَ وَمُطْعِمُ الْجِیْعَانَ ○ وَالصَّآئِمُ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ

(درۃ الناصحین)

اول قرآن کی تلاوت کرنے والا دوسرے زبان کی لغو اور بیہودہ باتوں سے حفاظت کرنے والا' تیسرے بھوکوں کو کھانا کھلانے والا' چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنے والا۔

مگر بھائیو! کیا کہوں؟ اونٹ کی کوئی کل سیدھی نہیں' افسوس! اللہ تعالیٰ نے تو ہم لوگوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا تھا مگر ہم لوگ روزہ رکھنے کے بجائے روزہ کھا جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو ایسے کھانے والے ہیں کہ سحری وافطاری بھی کھاتے ہیں اور روزہ بھی کھا جاتے ہیں۔

روزہ خور نواب

سنا ہے کہ ایک نواب صاحب تھے' جو آدھی رات ہی سے شور مچایا کرتے تھے کہ پکاؤ سحری کھاؤ سحری اور عصر ہی کے وقت سے پکاؤ افطاری' کھاؤ افطاری کا ڈنکا بجایا کرتے تھے

اور خوب ناک تک سحری اور افطاری کھاتے تھے مگر دو پہر کو کواڑ بند کر کے روزہ بھی کھایا کرتے تھے۔ محلے کے لڑکوں کو پتا چلا تو انہوں نے پوچھا کہ نواب صاحب! آپ روزہ تو رکھتے نہیں پھر اتنے اہتمام کے ساتھ سحری وافطاری کیوں کھاتے ہیں؟ نواب صاحب مارے غصے کے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گئے اور گرج کر بولے کہ چپ رہو بے! نادان لونڈو! تم کیا جانو؟ چھوٹا منہ بڑی بات! ابے مجھ سے روزہ تو رکھا نہیں جاتا تو کیا کروں؟ کیا سحری وافطاری بھی نہ کھاؤں؟ کیا پکا کافر ہی ہو جاؤں؟ روزہ نہیں رکھتا تو کیا ہوا؟ سحری اور افطاری تو کھالیتا ہوں۔ اسلام کا اتنا جذبہ کیا کچھ کم ہے؟

برادرانِ اسلام! خیر بہر کیف آپ نے چوتھی ایمانی ''صفت السائحون'' کا مطلب سمجھ لیا۔ اب پانچویں اور چھٹی صفت کا اس طرح ذکر فرمایا کہ **الراکعون الساجدون** یعنی رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے اس سے مراد نمازی لوگ ہیں۔ نماز! سبحان اللہ! نماز کا کیا کہنا؟ نماز تمام ارکان اسلام میں سب سے زیادہ بڑا اور اہم رکن ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز قائم کی اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو برباد کر دیا۔ اس نے دین کو ڈھا دیا۔

قرآن وحدیث میں نماز ترک کرنے والوں کے بارے میں بڑی بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں جن کو سن کر مومن کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ ان میں سے صرف ایک آیت اس وقت پیش کرتا ہوں۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا

نالائق اولاد آئی جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور خواہشات نفس کی پیروی کی۔ یہ لوگ عنقریب جہنم کی اس وادی میں داخل کیے جائیں جس کا نام غی ہے۔

حضرات! وادی غی کیا چیز ہے؟ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ''وادی غی'' جہنم کی ایک ایسی وادی ہے کہ خود جہنم اس سے روزانہ ایک ہزار مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ یہ عذاب کی وادی ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو نماز با جماعت کے چھوڑنے والے ہیں۔

اللہ اکبر! الامان الامان! برادرانِ ملت! سوچو تو سہی کہ ہم میں سے کون ہے؟ جو وادی

غی کے عذاب کی طاقت رکھتا ہے؟ لہٰذا خدا کے لئے۔ اے بزرگو! اور بھائیو! نماز باجماعت کی پابندی کرو ہائے افسوس! آج ہم امن وچین میں رہتے ہوئے بھی' نماز باجماعت سے اس قدر سستی ولاپروائی برت رہے ہیں۔ مسلمانو! اسی زمین کے اوپر اور اسی آسمان کے نیچے کبھی ایسے بھی مسلمان تھے کہ۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز ! قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز نہ کوئی بندہ رہا' اور نہ کوئی بندہ نواز

بندۂ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
ترے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مسلمان بھائیو! تم مانو یا نہ مانو' مگر یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آفتاب نصف النہار کی طرح عالم آشکار ہے کہ ہم مسلمانوں کی ذلت ونکبت اور بربادی و ہلاکت کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ ہم نے خدا کی بارگاہ میں سر جھکانا چھوڑ دیا جس کا یہ وبال ہے کہ آج ہم ایسے ایسے ذلیل وخوار انسانوں کے سامنے اپنا سر خم کرتے پھرتے ہیں جو کبھی ہماری جوتیوں کی ٹھوکروں کا فٹ بال بنے ہوئے تھے مگر پھر بھی ہمیں کہیں پناہ نہیں مل رہی ہے اگر ہم اپنے معبود حقیقی کا سجدہ کرتے تو خدا کی قسم وہ غیرت والا رب کریم کبھی بھی ہرگز ہرگز ہمارے سروں کو کسی دوسرے کے سامنے نہ جھکنے دیتا بلکہ وہ ہم کو اتنا سر بلند فرما دیتا کہ آسمان کی بلندی جھک جھک کر ہمارے سروں کی سربلندی کو سلام نیاز کا نذرانہ پیش کرتی۔ ڈاکٹر اقبال نے اس مضمون کو کتنے نفیس انداز میں بیان کیا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

برادرانِ محترم! چھ صفات کا بیان تو میں عرض کر چکا۔ اب ساتویں اور آٹھویں صفات کو بھی سن لیجئے۔ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے کہ **اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** یعنی اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سچ پوچھو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتا ہے۔ دیکھئے قرآن مجید میں جہاں رب العزیز نے اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو

''خیر الامم'' یعنی بہترین امت کے خطاب سے نوازا۔ وہیں اس امت کا یہ فرض منصبی بھی فرما دیا کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ — یعنی اے میرے حبیب کی امت! تم تمام امتوں میں سب سے بہترین ہو اور تمہارا یہ منصب ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دو گے اور بری باتوں سے منع کرو گے۔

عزیزانِ گرامی! حدیث شریف میں یہاں تک آیا ہے کہ مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ یعنی تم میں سے جو شخص بھی خلاف شریعت بات کو دیکھ لے تو اس پر لازم ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ اور اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے روکے فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ اور اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت نہ ہو تو اپنے دل میں اس کام کو برا سمجھے وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ اور یہ ایمان کا نہایت ہی کمزور درجہ ہے وَمَا بَعْدَ ذٰلِكَ حَبَّةٌ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ یعنی اگر خلاف شریعت کام کو اپنے دل میں بھی برا نہ سمجھے تو بس پھر سمجھ لو! کہ ایسے شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

حضرات! اچھی بات کا حکم دینے اور بری بات سے منع کرنے کی ایک عبرت خیز اور بہترین مثال بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو منزل کا ایک جہاز ہے۔ کچھ لوگ نیچے کی منزل میں سوار ہیں اور کچھ لوگ اوپر کی منزل پر ہیں۔ نیچے کی منزل والے پانی کے لئے جہاز میں سوراخ کرنے لگے تو اب اگر اوپر کی منزل والے ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ کر سوراخ کرنے سے روک دیں گے جب تو اوپر اور نیچے کی منزل والے سب کے سب غرق ہونے سے محفوظ رہیں گے اور اگر یہ لوگ جہاز کے پیندے میں سوراخ کرتے رہے اور اوپر کی منزل والوں نے ان لوگوں کا ہاتھ نہیں پکڑا بلکہ دور کھڑے یہ کہتے رہے کہ اجی! ہم سے کیا مطلب؟ جو کرے گا وہ بھرے گا۔ یا خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے تو یقین رکھو کہ جہاز میں سوراخ ہو جانے کے بعد جب جہاز غرق ہوگا تو نیچے اور اوپر کی منزل والے دونوں ہی غرق ہو جائیں گے اور کوئی بھی ڈوبنے سے نہیں بچ سکتا۔ یہی مثال ہے کہ اگر ایک شخص بداعمالی کر رہا ہے تو سب پر لازم ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر

اس کو اس عمل بد سے روک دیں ورنہ جب اس شخص کی بداعمالی کی وجہ سے عذاب الٰہی آئے گا تو پھر تنہا وہی بداعمالی کرنے والا ہی ہلاک نہیں ہوگا بلکہ سبھی لوگ اس عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بداعمال انسان کی بداعمالی سے ایسا قہر الٰہی پڑتا ہے کہ بارش رک جاتی ہے اور بے چاری چڑیا گھونسلے میں پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتی ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! آج ہم امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں انتہائی سستی برتتے ہیں۔ ہم برملا دیکھتے ہیں کہ ہمارے سامنے شریعت مطہرہ کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں۔ بدعقیدگی اور بداعمالی کا ایک سیلاب ہے جو ہر طرف سے ملت اسلامیہ کو غارت کر رہا ہے مگر ہم بالکل تماشائی بنے بیٹھے ہیں نہ ہاتھ اٹھاتے ہیں نہ زبان سے منع کرتے ہیں نہ دل ہی میں اس کو برا سمجھ کر اس سے نفرت کرتے ہیں۔ دیکھ لو! آج سینکڑوں بد مذہب وہابی دیوبندی قادیانی گلی گلی اپنی بد مذہبیت کی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں۔ ہزاروں نوجوان کمیونسٹ ہو گئے اور کھلم کھلا خدا اور مذہب سے بیزاری کا اعلان کر رہے ہیں۔ سینکڑوں مسلمان کفار اور مشرکین کی سمادھیوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور طرح طرح کے مشرکانہ رسوم کے پابند ہو چکے ہیں۔ جوا سٹہ سینما شراب خواری کی لعنتیں مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہیں۔ الحاد و بے دینی کا یہ عالم ہے کہ اب غیر مسلموں سے شادی بیاہ تک ہونے لگا ہے مگر ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے ملحدوں اور بداعمالوں سے ترک موالاۃ و برات کا اعلان کر دیا اور ان دشمنان خدا اور رسول سے بیزاری اور بائیکاٹ کیا۔ آج غیر اسلامی تہذیب اور کافرانہ تمدن کا عام چرچا ہے مگر کوئی بھی اس سے ٹکر لینے والا نظر نہیں آتا۔ آج امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فرض کو ہم سب چھوڑ کر درحقیقت قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار اور عذاب الٰہی کے حقدار بن چکے ہیں۔ بے چارے چند سنی علماء اگر ان گمراہیوں پر کچھ روک ٹوک کرتے ہیں تو سیاسی مولوی اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والے لیڈران ان علمائے حق کو تنگ نظر فرقہ پرست کہہ کر طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں اور یہ کہہ کر بدنام کرتے ہیں کہ یہ سنی عالم قومی اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں مگر یہی سیاسی مولوی اور لیڈران اپنے سیاسی نظریات کی بناء پر ایک دوسرے سے دست و گریباں تو کیا؟ بلکہ ایک دوسرے پر غرانے اور کاٹ کر کھانے کو دوڑتے ہیں۔

ایک دوسرے کے خلاف مظاہرہ کرتے ہیں۔ لاٹھیاں چلواتے ہیں اور سر پھٹول تک کرتے کراتے ہیں مگر پھر بھی قومی اتحاد کے علمبردار بنے ہوئے ہیں۔ علمائے امت مسلمہ کو بدمذہبی اور بداعمالی سے منع کریں تو فرقہ پرست اور تنگ نظر کہلائیں اور سیاسی مولوی اور لیڈران اسمبلی و پارلیمینٹ کی کرسی کے لئے قرآن کی آیۃ الکرسی بیچ ڈالیں اور اپنی کرسیوں کے لئے ایک دوسرے پر کرسی چلائیں تو یہ اعلیٰ درجے کے وسیع النظر اور قومی اتحاد کے ٹھیکیدار کہلائیں۔ سبحان اللہ!

خرد کا نام جنوں رکھ لیا' جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مگر مسلمانو! ہم یہ بانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ علمائے حق انشاء اللہ تعالیٰ آخری دم تک یہ فرض انجام دیتے رہیں گے اور بدمذہب کو بدمذہب' بے ایمان کو بے ایمان' بدعمل کو بدعمل کہتے ہی رہیں گے اور طعن و تشنیع کیا چیز ہے؟ علمائے حق کی تو یہی شان ہے کہ پھولوں کے ہار کے نیچے ہوں یا تلوار کی دھار کے نیچے مگر وہ حق و استقامت کا پہاڑ بن کر اعلائے کلمۃ الحق کرتے ہی رہیں گے۔ تاریخ پڑھ لو اور حقانی علماء کا ماضی دیکھ لو! امام احمد بن حنبل کو کوڑے مارے گئے۔ امام ابوحنیفہ کی پشت مبارک پر درے لگائے گئے' جیل کی کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ علامہ ابن السکیت کی زبان کھینچ لی گئی مگر ظالم بادشاہوں کا ظلم ان اہل حق کی زبانوں کو حق گوئی سے نہ روک سکا۔ ظالموں نے علمائے حق کی انگلیوں کو کاٹ ڈالا مگر ان انگلیوں سے حق کے خلاف ایک حرف بھی نہ لکھوا سکے۔ گردنوں کو توڑ ڈالا مگر ان حق پرست گردنوں کو باطل کے سامنے نہ جھکا سکے۔ آج بھی بحمدہ تعالیٰ اگرچہ بہت کم ہیں مگر پھر بھی ایسے حقانی علماء موجود ہیں جو حق کے لئے جیتے ہیں اور حق پر مرمٹنے کے لئے تیار ہیں اور آج اس حق و باطل کی جنگ میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ سیاسی مولویوں اور لیڈروں کے چکر میں نہ پڑیں بلکہ علمائے حق کی نصرت و حمایت کریں اور تمام بدمذہبوں اور بداعمالوں کی کھل کر مذمت کریں اور ان سے قطع تعلق کرلیں۔ ڈاکٹر اقبال نے مصلحت وقت کی دھن پر رقص کرنے والے سیاسی مولویوں کو خوب پہچانا ہے اور ایک جگہ ان کو لتاڑتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے۔

کون ہے تارک آئین رسول مختار مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعار اغیار ہوگئی کس کی نظر طرز سلف سے بیزار؟

قلب میں سوز نہیں' روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد کا تمہیں پاس نہیں ؟

بہر حال! ساتویں اور آٹھویں صفتوں کا بیان آپ سماعت فرما چکے۔ اب نویں صفت کے بارے میں بھی کچھ عرض کرتا ہوں۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے۔ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے احکام کی حفاظت کرنے والے۔

برادرانِ اسلام! یہ نویں صفت' تمام صفات کی جامع' بلکہ درحقیقت یہ تمام احکام شرع کو شامل ہے اور حدود اللہ کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ شریعت پر پورا پورا عمل کرنا اور کسی حال میں بھی شریعت کے کسی ایک مسئلے کی بھی مخالفت برداشت نہ کرنا۔

اللہ اکبر! حدود اللہ کی حفاظت ہی تو ایمان کا عملی نشان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انوار نبوت سے براہ راست روشنی حاصل کرنے والے مسلمان یعنی صحابہ کرام' احکام اسلام کی سربلندی اور حدود اللہ کی حفاظت میں اس قدر سرگرم رہے کہ ایک ایک مسئلے کی حفاظت کے لئے اپنی جان کو خطرات میں ڈال دیا۔ یاد کیجئے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد جب امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' مسند خلافت پر سرفراز ہوئے اور عرب کے لوگوں میں فتنہ ارتداد شروع ہوا۔ ایک طرف تو مسیلمۃ الکذاب وغیرہ نے نبوت کا دعویٰ کر کے امت مسلمہ کو گمراہ کرنا شروع کر دیا اور دوسری طرف کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس وقت حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمۃ الکذاب سے جہاد شروع فرما دیا اور زکوٰۃ کے انکار کرنے والوں سے بھی جہاد کی تیاری شروع کر دی۔

حضرت ابوبکر کا ایک دن اور ایک رات

روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ آ گیا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ میری تو یہ تمنا ہے کہ کاش میری زندگی بھر کی تمام نیکیاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک دن اور ایک رات کی نیکی کے برابر ہوتیں۔ حضرت ابوبکر کی وہ ایک رات ہجرت والی رات ہے کہ میری تمام نیکیوں والی راتیں

حضرت ابوبکر کی اس ایک رات پر قربان ہیں اور حضرت ابوبکر کا وہ ایک دن وہ دن ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور کہہ دیا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اس وقت حدود اللہ کی حفاظت کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار اٹھائی اور فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے زکوٰۃ کی ایک رسی بھی روک لی تو میں ان لوگوں سے جہاد کروں گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے عرض کیا کہ اے جانشین پیغمبر! آپ ان لوگوں پر تلوار نہ اٹھایئے بلکہ ان لوگوں سے الفت و نرمی کا برتاؤ فرمایئے تو اس وقت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پر جلال لہجہ میں فرمایا۔

اَجَبَّارٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِی الْإِسْلَامِ إِنَّهُ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّينُ أَيَنْقُصُ وَأَنَا حَیٌّ۔ (مشکوٰۃ ص ۵۵۶)

یعنی اے عمر! زمانہ جاہلیت میں تو تم بہت بہادر تھے کیا اسلام میں پلپلے اور بزدل ہو گئے۔ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا اور دین مکمل ہو چکا کیا میرے رہتے ہوئے اس دین میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے؟

سبحان اللہ! یہ ہے حدود اللہ کی حفاظت کا جذبہ! کہ آپ اس وقت تک زکوٰۃ کے منکروں سے جہاد فرماتے رہے یہاں تک کہ منکرین زکوٰۃ تائب ہو گئے اور شریعت کا بول بالا ہو گیا؟

برادران ملت! احکام الٰہی کی حفاظت کا جذبہ دور صحابہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ ہر دور اور ہر زمانے میں اہل حق کا یہی نشان رہا کہ وہ کٹھن سے کٹھن گھڑی میں بھی احکام خداوندی کی حفاظت کا فرض ادا کرتے رہے۔ ایک واقعہ سن لیجئے۔

خلافت عباسیہ نئی نئی قائم ہوئی تھی اور خاندان بنو امیہ کے نیست و نابود کرنے اور ملک سے ان کا اثر مٹانے کی کوششیں۔ بڑی بے دردی اور سفاکی سے عمل میں آ رہی تھیں۔ خلیفہ سفاح کا چچا شام کا حاکم مقرر ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس ظالم نے چن چن کر بنو امیہ کا قتل عام کرایا۔ اس کے بعد ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا۔ جنگی سپاہیوں کی قطاریں مہیب ہتھیاروں سے مسلح ہو کر دربار کے اندر قائم تھیں اور ان جنگی سپاہیوں کی صفوں کے بیچ میں تخت پر یہ حاکم بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے شام کے مذہبی پیشوا امام اوزاعی کو دربار میں طلب کیا!

امام اوزاعی ایک ظالم کے دربار میں

امام ممدوح جس وقت گورنمنٹ ہاؤس کے دروازے پر پہنچے تو گھوڑے سے اتار لئے گئے اور دو آدمیوں نے ان کے بازو کو پکڑ تخت سے اتنا قریب لا کر کھڑا کیا کہ امیر خود ان سے کلام کر سکے۔ امیر نے ان کو دیکھ کر پوچھا کہ کیوں' تمہارا نام عبدالرحمٰن ہے؟ امام اوزاعی نے فرمایا: جی ہاں! اس کے بعد ظالم امیر نے پوچھا کہ میں نے جو بنی امیہ کا قتل عام کرایا ہے' اس خون ریزی کے بارے میں آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ امام اوزاعی نے صاف صاف فرما دیا کہ تمہارے اور بنی امیہ کے درمیان چونکہ عہد تھا اس لئے تم کو لازم تھا کہ تم اپنے عہد و پیمان کی رعایت کرکے' عہد شکنی نہ کرتے امیر مارے غصے کے سرخ ہو گیا اور بگڑ کر بولا کہ ہم میں باہم کوئی عہد نہ تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس وقت امیر کے تیور بھرے دیکھ کر میرے قلب پر بے کسی کی سی حالت طاری ہوئی اور جان کا خوف معلوم ہونے لگا مگر فوراً مجھے خیال آ گیا کہ اے عبدالرحمٰن! ایک دن اس سے اس سے بھی بڑے حاکم کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی دل کا اضطراب جاتا رہا اور میں نے صاف صاف امیر سے کہہ دیا کہ بے شک بنوامیہ کا خون تم پر حرام تھا اس حقانی فتوے کو سن کر امیر طیش کے مارے تھرا گیا اور جوش خون سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گلے کی رگیں ابھر آئیں۔ اسی غضب کی حالت میں کہنے لگا کہ یہ تم نے کس طرح کہا؟ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا قتل جائز نہیں جب تک کہ ان تین حالتوں میں سے ایک حالت پیش نہ آئے یا تو اس حال میں زنا کرے کہ اس کی شادی ہو چکی ہو یا کسی کو قتل کیا ہو یا مرتد ہو جائے۔ امیر کہنے لگا کہ کیا ہماری حکومت دینی حکومت نہیں ہے؟ امام اوزاعی نے گرج کر جواب دیا کہ تمہاری حکومت دینی حکومت کیونکر ہو سکتی ہے؟ امیر نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے وصیت نہیں فرمائی تھی۔ امام نے فرمایا ہرگز نہیں اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے وصیت ہوتی تو آپ جنگ صفین میں کس طرح حکم بنانے کو تسلیم کرتے۔ امیر کے پاس چونکہ اس کا کوئی جواب نہیں تھا اس لئے وہ خاموش تو ہو گیا مگر شدت غضب سے آگ بگولا ہو گیا اور حکم دے دیا کہ امام کو دربار سے نکال دو' چنانچہ

امام دربار سے باہر کردیئے گئے۔ دربار سے کچھ ہی دور گئے تھے کہ ایک سوار ان کی طرف تیز آتا ہوا نظر پڑا۔ سوار کو دیکھ کر امام اوزاعی کو یقین ہوگیا کہ میرے قتل کے لئے آرہا ہے۔ امام نے وقت اخیر سمجھ کر نماز شروع کردی جب سلام پھیرا تو سوار نے سلام کیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی پیش کی۔ امام نے ان اشرفیوں کو لے کر گھر پہنچنے سے پہلے ہی مسکینوں پر تقسیم کردیا اور خالی ہاتھ گھر پہنچے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

برادرانِ ملت! ایک ظالم کے دربار میں سر ہتھیلی پر رکھ کر "حدود اللہ" کی حفاظت کے لئے امام اوزاعی نے کلمہ حق کہہ دیا اور اپنی جان کی پروانہیں کی! یہ ہے وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ کی عملی تفسیر۔

حضرات! علمائے حق کے لئے ظالم بادشاہوں کے دربار میں جان پر کھیل کر حق مسئلہ بیان کردینا کوئی نئی بات نہیں ہے۔

مولانا شمس الدین رومی اور بادشاہ

مولانا شمس الدین رومی کی عدالت میں ایک معاملہ میں سلطان بایزید نے شہادت دی تو آپ نے سلطان کی شہادت کو قبول نہیں فرمایا جب سلطان نے اس کی وجہ پوچھی تو مولانا نے جواب دیا کہ چونکہ سلطان نماز باجماعت کا پابند نہیں اس لئے سلطان کی شہادت شرعاً مردود ہے۔ حاضرین عدالت مولانا کا جواب سن کر تھرا گئے مگر مولانا شمس الدین رومی استقامت کا پہاڑ بنے ہوئے حکم شریعت سے بال بھر نہیں ہٹے اور غضب سلطانی کی ذرہ برابر پروانہیں کی۔ (شقائق نعمانیہ)

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

پڑھیے درود شریف:

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ الِ سیدنا محمد وبارك وسلم ۔

بزرگان ملت! ان نو صفات کا بیان فرمانے کے بعد خداوند قدوس نے ان مومنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ" یعنی اے میرے پیارے حبیب! ان ایمان والوں کو جو نو ایمانی صفتوں پر عمل پیرا ہیں۔ آپ میری طرف سے خوشخبری سنا دیجئے۔ سبحان

اللہ! مومنین کے نام رب العالمین کی بشارت کا پیغام آ رہا ہے۔ یہ بشارت کیسی ہے؟ قرآن مجید کی دوسری آیت میں اس کی توضیح اس طرح فرمائی کہ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ یعنی ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ فِي الدُّنْيَا بِالْكَرَامَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ یعنی دنیا میں اس بات کی بشارت ہے کہ پروردگار عالم ان مومنوں کو دنیا میں صاحب کرامت بنا دے گا اور آخرت میں ان لوگوں کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ سبحان اللہ! واہ رے کرم مولیٰ کہ ان ایمان والوں کے لئے دونوں جہاں میں عزت کا سامان ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا کہ اَلْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے ہے اور مومنین کے لئے ہے۔

حضرات! کون نہیں جانتا کہ اولیائے کرام سے کیسی کیسی کرامتیں صادر ہوئیں۔ یہ اولیائے کرام کون ہیں؟ یہ وہی مومنین ہیں جو اس آیت میں ذکر کی ہوئیں نو صفات پر مکمل طور پر عامل ہیں۔ ان مومنین سے ایسی ایسی کرامات صادر ہوئیں کہ کفار و مشرکین ان کی ہیبت سے دہل گئے بلکہ ان کرامتوں کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔

دریا میں گھوڑے

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد فارس میں ایک موقع پر جب کہ کفار کی فوجوں نے بھاگتے ہوئے دریا کا پل توڑ دیا تھا۔ آپ نے یہ کہہ کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا کہ اے دریا! تو بھی خدا کے حکم سے جاری ہے اور میں بھی خدا کے حکم سے جہاد کر رہا ہوں تو مجھے راستہ دے دے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ساتھ تمام مجاہدین نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں دوڑا دیئے اور تمام گھوڑے سلامتی کے ساتھ دریا سے پار ہو گئے اور صرف ان کے کھر تک تر ہوئے تھے۔ اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ۔

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اسد اللہ الغالب! حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہاتھ سے در خیبر

کو اکھاڑ پھینکا' حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے زہر قاتل ہتھیلی پر رکھ کر چاٹ گئے اور ذرہ برابر اثر نہیں ہوا اور آپ کی یہ کرامت دیکھ کر بہت سے کفار مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

برادرانِ ملت! کون کونسی کرامتیں آپ کو سناؤں۔ جنگلی شیر ایک خطرناک درندہ وخون خوار جانور ہے مگر ان مومنین کی کرامت ہے کہ وہ خادم وفرماں بردار بن جاتا ہے۔

حضرت سفینہ اور شیر

روایت ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرزمین روم میں لشکر اسلام سے بھٹک گئے۔ لشکر کی تلاش میں دوڑے جا رہے تھے کہ ناگہاں ایک شیر کا سامنا ہو گیا۔ آپ نے ڈانٹ کر فرمایا۔ یَا اَبَا الْحَارِثُ اَنَا مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ مِنْ اَمْرِیْ کَیْتَ وَ کَیْتَ ''یعنی اے شیر! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میرا ایسا ایسا معاملہ ہے۔ ابن المکندر کا بیان ہے کہ فَاَقْبَلَ الْاَسَدُ لَہٗ بَصْبَصَۃٌ حَتّٰی قَامَ اِلٰی جَنْبِہٖ یعنی شیر دم ہلاتے ہوئے حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوا یہاں تک کہ آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا ثُمَّ اَقْبَلَ یَمْشِیْ اِلٰی جَنْبِہٖ حَتّٰی بَلَغَ الْجَیْشَ (مشکوٰۃ ص ۴۵) پھر اسی طرح ان کے پہلو میں چلتا رہا' یہاں تک کہ آپ لشکر اسلام میں پہنچ گئے۔

حضرات! اسی واقعے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے علامہ بوصیری نے قصیدہ بردہ میں فرمایا۔

وَمَنْ تَکُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ نُصْرَتُہٗ
وَاِنْ تَلْقَہُ الْاَسْدُ فِیْ اٰجَامِھَا تَجِم

یعنی جس شخص کو رسول اللہ کی امداد ونصرت کی کرامت نصیب ہو گئی اگر جنگل کا شیر بھی اس کے سامنے آ جائے گا تو وہ شیر بھی خوف سے لرزہ براندام ہو جائے گا۔

برادرانِ ملت! حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک بلند مرتبہ صحابی ہیں اگر جنگل کا شیر ان کا فرماں بردار وخدمت گزار بن گیا تو یہ ان کے عظیم القدر مراتب کے لحاظ سے کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اجی! صحابہ کے غلامان غلام میں ایسے ایسے مومنین کاملین ہوئے جنہوں نے شیر کی سواری فرمائی ہے۔ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی' حضرت خواجہ احمد جام وغیرہ

اولیائے کرام مستقل طور پر شیر کی سواری فرمایا کرتے تھے۔حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بوستاں میں اپنا چشم دید واقعہ تحریر فرمایا ہے۔

شیر سوار

یکے دیدم در عرصہ رود بار
کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار

یعنی میں نے رود بار کے میدان میں دیکھا کہ ایک بزرگ شیر پر سوار ہو کر میرے سامنے آ گئے۔

چناں ہول زاں حال برمن نشست
کہ ترسید نم پائے رفتن بہ بست

شیخ سعدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس منظر کو دیکھ کر مجھ پر ایسا خوف بیٹھ گیا کہ مارے ڈر کے میرا پاؤں چلنے سے بندھ گیا۔

تبسم کناں دست برلب گرفت
کہ سعدی! مدار آں چہ دیدی شگفت

ان بزرگ نے مسکرا کر اپنا ہاتھ اپنے ہونٹ پر رکھ لیا اور فرمایا کہ اے سعدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ! تم نے جو کچھ دیکھا' اس پر کوئی تعجب مت کر۔

تو ہم گردن از حکم دا ور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اے سعدی (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ)! تم بھی خدا کے حکم سے گردن مت پھیرو تو تم کو یہ کرامت نصیب ہو گی کہ کوئی چیز تمہارے حکم سے گردن نہ پھیرے گی۔

محال است چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گزارد ترا!

یعنی اے سعدی (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ)! جب خداوند تعالیٰ تجھ کو اپنا دوست بنا لے گا تو محال ہے کہ وہ تجھ کو دشمن کے ہاتھ میں چھوڑ دے اور تیری مدد نہ فرمائے کیونکہ خداوند قدوس

اپنے محبوب بندوں کی ضرور ضرور مدد فرماتا ہے اور بڑے سے بڑے دشمنوں کے مقابلے میں بھی اپنے محبوبوں کو مظفر و منصور فرماتا ہے۔

برادرانِ ملت! مومن کی شان اور ایمان والوں کی آن بان کا کیا کہنا! کسی نے خوب کہا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن، نئی شان
گفتار میں، کردار میں، اللہ کی برہان

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

برادرانِ اسلام! خلاصہ کلام یہ ہے کہ کامل الایمان مسلمان کو خداوند کریم صاحب کرامت بنا دیتا ہے۔ کائنات عالم! اس کے چشم و ابرو کے اشارے پر کام کرتی ہے اور درندے، چرندے، پرندے جن و انس سب باذن اللہ اس کے مسخر و فرماں بردار ہو جاتے ہیں اور سب کے قلوب پر اس کی شوکت و سطوت کا ایسا سکہ بیٹھ جاتا ہے کہ سب اس کے خوف سے لرزاں و ترساں نظر آتے ہیں۔ مختصر لفظوں میں یہ سمجھ لو کہ مومن کامل صرف خدا سے ڈرتا ہے اور خدا کی ساری خدائی مومن کامل سے ڈرتی ہے۔ حضرت رومی نے مثنوی شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حکایت تحریر فرمائی ہے جو بہت ہی عبرت خیز و ایمان افروز ہے۔

سفیر روم

حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بادشاہ روم قیصر کا سفیر بڑے ساز و سامان کے ساتھ آیا۔ وہ اپنے ذہن میں امیر المومنین سے ملاقات کا ایک بڑا لمبا چوڑا پلان بنا کر چلا تھا کہ میں مدینے کے شاہی محل اور گورنمنٹ ہاؤس میں نہایت شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوں گا۔ امیر المومنین تاج پہن کر تخت شاہی پر براجمان ہوں گے۔ امراء و عمائدین سلطنت اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہوں گے۔ نقیب و دربان اپنی زرق برق وردیوں میں قرینے سے کھڑے ہوں گے۔ بھرے دربار میں ادب سے داخل ہو کر میں تخت

شاہی کو بوسہ دے کر سلام عرض کروں گا۔ پھر امیر المومنین مجھ کو ایک خاص کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دیں گے اور میں بادشاہ روم کے تحائف ایک ایک کر کے تخت شاہی کے نیچے ترتیب کے ساتھ رکھ دوں گا۔ پھر شاہ روم کا پیغام عرض کروں گا اور امیر المومنین اپنی نوازشوں سے مجھے مالا مال فرمادیں گے۔ یہ سوال ہوگا تو میں یہ جواب دوں گا۔ فلاں فلاں باتیں اس طرح گوش گزار کروں گا اور اپنی سلطنت کی شان وشوکت ایسے ایسے انداز سے سناؤں گا کہ اہل دربار سلطنت روم کی ہیبت سے مرعوب ہو جائیں گے۔ غرض سینکڑوں خیالات اور منصوبے اپنے دماغ میں لے کر یہ سفیر مدینہ منورہ پہنچا مگر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مدینے پہنچ کر یہ دیکھا کہ یہاں نہ کوئی شہر پناہ ہے' نہ کوئی قلعہ نہ کوئی شاہی محل ہے نہ کوئی گورنمنٹ ہاؤس مدینہ منورہ کچے مکانات کی ایک گنجان بستی ہے۔ پورے شہر کی سب سے بڑی عمارت مسجد نبوی ہے مگر اس کی شان وشوکت کا یہ حال ہے کہ کچی اینٹوں کی دیوار کھجور کی لکڑیوں کے ستون اور کھجور کی شاخوں اور پتیوں کی چھت' کچا فرش' سفیر روم حیران رہ گیا کہ یا اللہ! وہ امیر المومنین جس کی ہیبت سے قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج دہل رہے ہیں۔ اس کی سادگی کا یہ عالم؟ سارے شہر کا چکر کاٹ کر سفیر روم مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے شہر والو! مجھے یہ تو بتاؤ؟ کہ امیر المومنین کا شاہی محل کہاں ہے؟ تاکہ میں یہ گھوڑے' یہ خچر! یہ ساز وسامان تو وہاں پہنچادوں۔ حاضرین نے جواب دیا کہ ہمارے امیر المومنین کا کوئی شاہی محل نہیں ہے' نہ ان کا کوئی قلعہ ہے' نہ کوئی خاص گورنمنٹ ہاؤس۔ وہ ایک کچے جھونپڑے کے مکان میں رہتے ہیں اور اسی مسجد میں وہ مقدمات کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ بس ان کی ذات ہی ان کا شاہی محل اور گورنمنٹ ہاؤس اور قلعہ سب کچھ ہے۔ سفیر روم اور زیادہ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا کہ اچھا! امیر المومنین سے میری ملاقات تو کراؤ۔ اتنے میں ایک دیہاتی عورت نے آتے ہوئے بتایا کہ میں نے ابھی ابھی امیر المومنین کو فلاں باغ میں ایک درخت کے نیچے سوتے ہوئے دیکھا ہے۔ سفیر روم جب باغ میں پہنچا تو دیکھا کہ واقعی امیر المومنین زمین پر بلا کسی بچھونے کے ایک درخت کے سائے میں دوپہر کا قیلولہ فرمارہے ہیں

آمد او آں جا از دور ایستاد
مر عمر را دید' در لرزہ فتاد

سفیر باغ میں داخل ہوا مگر جوں ہی اس کی نظر امیر المومنین کے چہرے پر پڑی۔ایک دم لرزہ براندام ہو کر دہشت سے کانپنے لگا۔

گفت با خود' من شہاں را دیدہ ام
پیش سلطاناں مہ ور زیدہ ام

سفیر اپنے دل میں سوچنے لگا کہ ہاں! میں نے تو بڑے بڑے بادشاہوں کو دیکھا ہے اور بڑے بڑے سلاطین کے دربار میں باریاب ہو چکا ہوں' مگر!

از شہانم ہیبت و ترسے نہ بود
ہیبت ایں مرد ہوشم را ربود

میں کبھی بھی کسی بادشاہ کی ہیبت سے آج تک خائف نہیں ہوا۔آج کیا بات ہے کہ اس مرد کی ہیبت سے میرے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہے۔

بے سلاخ ایں مرد خفتہ بر زمیں
من بہفت اندام لرزاں چیست ایں

یہ آدمی بغیر کسی ہتھیار کے زمین پر پڑا سو رہا ہے اور میری ساتوں انگ اس کے ڈر سے کانپ رہی ہے۔آخر معاملہ کیا ہے؟ بڑی دیر تک سوچتا رہا۔پھر آخر خود ہی فیصلہ کرتا ہے کہ ۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ پر جلال پر جو رعب وہیبت نمودار ہے۔یہ اس گدڑی پہننے والے مرد کی ہیبت نہیں ہے بلکہ یہ ہیبت حق کی تجلی ہے جو ان کے چہرے پر عیاں ہے۔
مولانا رومی علیہ الرحمہ اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد صاف صاف اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

یعنی جس شخص نے خدا سے ڈر کر تقویٰ کی زندگی اختیار کی تو اس سے جن وانسان ہی نہیں

بلکہ کائنات عالم میں جو چیز بھی اس کو دیکھ لے گی۔ اس کے خوف سے لرزاں وترساں ہو کر ڈر جائے گی یعنی جو شخص خدا سے ڈرا ساری خدائی اس سے ڈرنے لگتی ہے۔

برادرانِ ملت! یہی مطلب ہے "وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" کا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ مومنین کو کرامت کی بشارت عطا فرماتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔

بزرگو اور بھائیو! جنت کا ذکر آ گیا ہے تو کچھ اس کا بیان بھی سن لیجئے۔

جنت کیا ہے؟

مسلمان بھائیو! سبحان اللہ! جنت۔ اللہ اکبر! جنت کا کیا کہنا! جنت رب العالمین کا وہ عظیم الشان انعام ہے کہ جس کی نعمتوں کے بارے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بیان ہے کہ

لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ (مشکوۃ ص ۴۹۵)

یعنی ان نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا خیال آیا۔

قرآن کریم میں بھی رب العزت جل جلالہ نے جنت کی نعمتوں کا جابجا طرح طرح سے بیان فرمایا اور بڑے بڑے دلکش انداز میں اہل جنت کی زندگی کی منظرکشی فرمائی لیکن پھر بھی ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ یعنی اہل جنت کے لئے جو آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔

مسلمانو! یوں تو جنت میں بے شمار نعمتیں ہیں مگر سب سے بڑھ کر سب سے افضل و اعلیٰ نعمت یہ ہے کہ اہل جنت کو اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔ یہ وہ نعمت ہے کہ دنیا و آخرت اور پوری جنت کی نعمتیں اس پر قربان ہیں۔ کسی عارف باللہ نے کیا خوب کہا ہے

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

حضرات! آج ہم مسلمانوں کو جنت کی طلب اور اس کا ذوق نہیں رہا کیونکہ ہمارا ایمان مضمحل اور جذبہ اسلام تقریباً فنا ہو چکا ہے اور ہم دنیا کی چند روزہ اور فانی نعمتوں پر اس قدر فریفتہ ہو چکے ہیں کہ گویا یہی دنیاوی نعمتیں ہماری جنت ہیں۔ استغفر اللہ! کہاں دنیاوی

نعمت؟ اور کہاں نعمت جنت؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جنت کا شوق

اللہ اللہ! صحابہ کرام جن کے سینوں کے صندوق اور دلوں کی تجوریاں دولت ایمان سے مالا مال تھیں۔ ان کے ذوق جنت کا یہ عالم تھا کہ ایک بہادر صحابی جنگ اُحد میں جبکہ لڑائی پورے شباب پر تھی۔ بے پروائی کے ساتھ کھجوریں کھا رہے تھے۔ ایک دم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں اس جنگ میں شہید ہوگیا تو میں کہاں ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ "جنت میں" اس بشارت سے بے خود ہوکر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑے کہ لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش کرلیا۔ (بخاری ص ۵۷۹)

بہر کیف! برادرانِ ملت! قرآن مجید نے ان مومنین کے لئے جو صفات ایمان کے جامع اور عامل ہیں' دنیا و آخرت کی بشارت کا مژدۂ جاں فزا سنایا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم سب ان نو صفتوں پر عمل پیرا ہوکر کامل الایمان مسلمان بنیں اور خداوند قدوس جل جلالہ کی بشارتِ دارین کے حقدار ٹھہریں۔

میرے بزرگو اور بھائیو! خدا کے لئے اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرو کب تک اس دنیائے فانی کی محبت میں گرفتار ہو گے؟ بہت سو چکے' اب جاگو! آنکھیں کھولو! اور ہوشیار ہو جاؤ! ذرا سوچو! یہ دنیا اور دنیا کی زندگی کیا ہے؟ یاد رکھو!

اِنَّمَا الدُّنْیَا فَنَاءٌ لَیْسَ لِلدُّنْیَا ثُبُوْتٌ
اِنَّمَا الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا کَنَسْجِ الْعَنْکَبُوْتِ

مکڑی کا گھر!

دنیا کے لئے فنا ہی فنا ہے۔ دنیا کے لئے ثبات و بقا نہیں ہے۔ دنیا اور دنیا کے تمام ساز و سامان مکڑی کے جالے کی طرح ہیں جس طرح مکڑی جالے کا گھر بنا کر بڑے اطمینان سے بیٹھ رہتی ہے اور یہ گمان کرتی ہے کہ میرا گھر بہت ہی مضبوط ہے مگر قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ یعنی مکڑی کا گھر نہایت ہی کمزور گھر ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا اس گھر کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ یہی مثال دنیاوی زندگی کی ہے کہ ایک سانس پر

اس کا دارومدار ہے۔دنیا کی بے ثباتی کی کسی نے کیا اچھی تمثیل پیش کی ہے۔

اِنَّمَا الدُّنْیَا کَظِلٍّ زَائِلٍ　　　اَوْ کَضَیْفٍ بَاتَ لَیْلاً فَارْتَحَلْ

دنیا کا وجود ڈھل جانے والے سائے کے مثل ہے یا اس کی مثال اس مہمان کی ہے جو رات بھر رہ کر چل دیا۔خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی زندگی کا یہ نقشہ پیش فرمایا کہ دنیا کی مثال ایک سایہ دار درخت کی ہے کہ مسافر تھوڑی دیر اس کے نیچے آرام کر کے درخت کو چھوڑ کر چل دیتا ہے۔آہ۔آہ!

دوستوں اور بزرگو! کتنی بڑی نادانی ہے کہ ہم دنیائے فانی پر فدا ہوکر عالم بقا سے غافل ہو گئے۔یاد رکھو! موت برحق ہے۔رب العزت جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جاندار موت کا مزا چکھنے والا ہے۔جس نے زندگی کا ٹھنڈا ٹھنڈا' میٹھا میٹھا شربت پیا ہے اس کو ایک نہ ایک دن موت کا کڑوا کڑوا گھونٹ بھی پینا ہے۔سچ ہے!

لَنَا مَلَکٌ یُنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ　　　لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی روزانہ ایک فرشتہ ہم کو پکار پکار کر یہ صدا سناتا ہے کہ دنیا والو! سن لو! ہر بچہ مرنے ہی کے لئے پیدا ہوتا ہے اور ہر مکان گرنے ہی کے لئے بنتا ہے۔مسلمانو! زندگی بڑی ناپائیدار چیز ہے۔

کیا بھروسا ہے زندگانی کا
آدمی بلبلا ہے پانی کا

اس لئے میرے بھائیو! دنیا کی محبت چھوڑو اور آخرت کی زندگی کا کچھ سامان کرلو اور اپنی زندگی کو شریعت مطہرہ کے سانچے میں ڈھال کر کامل الایمان مسلمان بن کر جیو اور صاحب ایمان رہ کر مرو''ایمان وعمل صالح'' یہی حاصل زندگی ہے۔

یاد کرو! ایک دن آنے والا ہے۔خدا کی قسم ضرور آنے والا ہے کہ ہم تم موت کے بستر پر پڑے ہوں گے۔تجوری دولت سے بھری ہوگی۔گھر میں پچاسوں من اناج پڑے ہوں گے۔ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے مٹکے رکھے ہوں گے۔اچانک ملک الموت آجائیں گے اور فرمائیں گے کہ خبردار! اب تم ان اناجوں میں سے ایک دانہ بھی نہیں کھا سکتے۔اب تم اس پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے۔اب تم اپنی دولت میں سے ایک پیسہ بھی نہیں خرچ کر سکتے۔

اچانک جاں کنی شروع ہو جائے گی۔ پھر دفعتہً زبان بند ہو جائے گی اور روح پرواز کر جائے گی اور ہم تم کچھ نہ کر سکیں گے اس لئے عزیزو اور دوستو اس وقت کے آنے سے پہلے۔
جو کچھ آخرت کے لئے کرنا ہے کر لو ورنہ افسوس وحسرت اور شرمندگی وندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا!۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے ؟؟
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن ۔
(آمین)

سلام

السلام !اے تاج والے ! دو جہاں کے راج والے

یا نبی !سلام علیک' یارسول !سلام علیک

یا حبیب !سلام علیک' صلوٰت اللہ علیک

تم شفیع المذنبین ہو ! سرور دنیاء و دیں ہو ؟

صادق الوعدو امیں ہو ! رحمتہ للعالمین ہو

یا نبی !سلام علیک' یارسول !سلام علیک

یا حبیب !سلام علیک' صلوات اللہ علیک

تم ہو شان کبریائی ! ختم تم پر مصطفائی

یارسول اللہ !دہائی ! کیجئے مشکل کشائی

یا نبی !سلام علیک' یارسول سلام علیک

یا حبیب !سلام علیک' صلوات اللہ علیک

دکھ بھرے نالوں کا صدقہ نازکے پالوں کا صدقہ !

کربلا والوں کا صدقہ بھیک دو لعلوں کا صدقہ

یا نبی !سلام علیک' یارسول !سلام علیک

یا حبیب !سلام علیک' صلوات اللہ علیک

رنج کے ماروں کی' سن لو ! معصیت کاروں کی سن لو

اپنے لاچاروں کی سن لو ہم گناہگاروں کی سن لو

یا نبی ! سلام علیک ' یارسول !سلام علیک

یا حبیب !سلام علیک' صلوات اللہ علیک

دعا

یا اللہ' یا رحمٰن' یا رحیم! صدقہ تیرے حبیب کے دامن رحمت کا خداوندا! وسیلہ اولیائے امت کا' طفیل شہدائے ملت کا۔ الٰہی! اگر میرے وعظ میں کوئی خطا' کوئی غلطی' کوئی لغزش ہوگئی ہوتو اپنے کرم سے میری خطاؤں' لغزشوں اور غلطیوں کو معاف فرمادے اور اس وعظ کو قبول ومقبول فرما کر تمام حاضرین کے لئے ذریعہ نجات وباعث ہدایت بنادے۔

الٰہی! ہم سب کو اسلامی زندگی' ایمانی موت' خاتمہ بالخیر نصیب فرما اور میدان حشر میں اپنے حبیب کی شفاعت سے سرفراز فرما۔

یاارحم الراحمین! سب کی نیک مرادوں کو پوری فرمادے' بیماروں کو شفاء قرض داروں کو قرض سے نجات دے اور بے اولادوں کو نیک وصالح اولاد عطا فرما اور تمام مومنین ومومنات کو برکات دارین سے سرفراز اور دولت کونین سے مالامال فرما۔

اٰمِیْن یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ

یاالٰہی! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو!
جب پڑے مشکل' شہ مشکل کشا کا ساتھ ہو

یاالٰہی! بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادیٔ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو

یاالٰہی! گور تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبح جاں فزا کا ساتھ ہو

یاالٰہی! جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
ساقیٔ کوثر' شہ جود و عطا کا ساتھ ہو

یاالٰہی! گرمیٔ حشر سے جب بھڑکیں بدن
دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یاالٰہی !جب سر شمشیر پر چلنا پڑے
رب سلم' کہنے والے پیشوا کا ساتھ ہو
یاالٰہی !جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدار عشق مصطفےٰ کا ساتھ ہو
رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ o
وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo
وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَo
(آمین)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

نورانی تقریریں

تصنیف

حضرت علامہ الحاج عبد المصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اردو بازار لاہور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب ——— نورانی تقریریں
مصنف ——— علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہٗ
اشاعت ——— اکتوبر ۲۰۰۳ء
تعداد ——— ۶۰۰
کمپوزنگ ——— عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور
قیمت ——— روپے

ملنے کا پتہ
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

فہرست نورانی تقریریں

مضمون	صفحہ
پہلا وعظ	
عظمتِ میلاد	۸
ایک اہم مسئلہ	۹
مقام ابراہیم	۱۰
رَمل	۱۲
دارالشفا	۱۴
خیر الامم	۱۵
خاتم النبیین ہی کا میلاد کیوں؟	۱۷
مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی	۲۲
عید میلاد پر خوشی منانا	۲۴
میلاد و نماز	۲۵
آسمان کا دسترخوان	۲۷
سلام و قیام	۲۸
ایک شبہ کا ازالہ	۲۹
صلوٰۃ و سلام میلاد کے آخر ہی میں کیوں؟	۳۰
لطیفہ	۳۲
میلاد اور قرآن	۳۳
حدیث میلاد النبی	۳۴
میلاد و فاتحہ شرک ہے	۳۷
بیان ولادت	۳۷

مضمون	صفحہ
دوسرا وعظ	
تجلیاتِ معراج	۴۱
تیز رفتاری کا دار و مدار	۴۲
نور کی تیز رفتاری	۴۴
منکرین قیامت کا سوال و جواب	۴۵
لطیفہ	۴۶
عقل و عشق	۴۸
معراج اور فلسفہ	۵۰
معراج اور چاند کا سفر	۵۱
معراج انسانیت	۵۲
معراج اور قرآن	۵۳
عبدہٗ کا ایک نکتہ	۵۴
معراج جسمانی تھی یا روحانی	۵۶
معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی	۵۸
معراج کس لئے ہوئی؟	۵۹
معراج کی مہمان نوازیاں	۶۰
معراج المومنین	۶۴
چند آیات کبریٰ	۶۵
دیدار الٰہی	۶۵
جنت و دوزخ کی سیر	۶۶

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضرت عمر کا جنتی محل	۶۷	برکت طعام	۱۰۲
حدیث معراج	۶۹	بابرکت کھجوریں	۱۰۳
قاب قوسین کی ایک تفسیر	۷۳	شیر خوار بچے کی گواہی	۱۰۴
تیسرا وعظ		لطیفہ	۱۰۶
برہانِ معجزات	۷۵	عبرت آموز حکایت	۱۰۷
نورانی آنکھ	۷۸	چوتھا وعظ	
مقدس کان	۸۱	معرکۂ حق وباطل	۱۰۹
زبانِ مبارک	۸۳	حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس	۱۱۱
دانданِ نور	۸۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود	۱۱۲
دستِ اقدس	۸۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون	۱۱۶
ہڈیاں زندہ ہوگئیں	۸۶	سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل	۱۱۶
ستون حنانہ	۸۷	دارالندوہ کی سازش	۱۱۷
پنجاب رحمت کی ندیاں	۸۹	ناکام حملہ آور	۱۱۹
قدم شریف کا معجزہ	۹۰	زہر آلود گوشت	۱۲۱
جسم انور کا اعجاز	۹۱	مسیلمۃ الکذاب کی جنگ	۱۲۱
لباس کا بھی سایہ نہیں	۹۱	کربلا کا معرکہ	۱۲۳
عالم غیب کی بارش	۹۲	معرکۂ صلیب وہلال	۱۲۵
روایت عقاب	۹۴	چنگیز وہلاکو کے حملے	۱۲۶
خوشبودار پسینہ	۹۵	کچھ حالات حاضرہ	۱۲۷
قلب مبارک کا اعجاز	۹۷	ہزاروں یزید	۱۳۱
کمال عقل	۹۸	طارق اعظم	۱۳۲
علوم ومعارف	۹۹	حجاج بن یوسف	۱۳۴
چہرہ روشن ہوگیا	۱۰۰	جیسی رعیت ویسا حاکم	۱۳۵
سورج ٹھہر گیا	۱۰۱	لطیفہ	۱۳۶
نار گلزار ہوگئی	۱۰۲	رحمت عالم کی مکی زندگی	۱۳۸

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
سرورِ عالم کی مدنی زندگی	۱۴۰	خستہ حال فقراء	۱۶۴
پانچواں وعظ		حضرت ذوالنون مصری	۱۶۵
اولیاء کرام	۱۴۱	اولیاء اور آخرت	۱۶۷
لوہا اور آگ کی مثال	۱۴۴	**چھٹا وعظ**	
آگ پر حکومت	۱۴۵	دعوتِ فلاح	۱۶۹
ابو مسلم خولانی اور آگ	۱۴۶	پہلی منزل ایمان	۱۷۱
پانی پر حکومت	۱۴۶	عبداللہ بن حذافہ کی استقامت	۱۷۳
دریا میں اونٹ گھوڑے	۱۴۷	مجاہد دولہا اور جنتی براتی	۱۷۴
زمین پر حکومت	۱۴۸	دوسری منزل خوف الٰہی	۱۷۶
ہوا پر حکومت	۱۴۸	تصوف کے چار درجات	۱۷۷
حضرت شیبان راعی اور شیر	۱۵۰	علم	۱۷۷
شیر کی سواری	۱۵۰	عمل	۱۷۸
مجذوب اولیاء	۱۵۲	چند باعمل علماء حق	۱۷۹
نہ جانے کیا ہے؟	۱۵۳	اخلاص	۱۸۰
تیری قبر پر بچھو' تیری قبر پر گدھے	۱۵۴	ایک قاری' ایک سخی' ایک شہید	۱۸۰
یالبیکاہ یالبیکاہ	۱۵۵	شیر خدا کا اخلاص	۱۸۲
شیخ صنعانی کا انجام	۱۵۶	حاجی عبدالکریم' نمازی عبدالرحیم	۱۸۳
غوث الاعظم کی کھڑاؤں	۱۵۸	ایک عابد اور شیطان	۱۸۳
نجم الدین کبریٰ کا لوٹا	۱۵۸	خوف خداوندی	۱۸۴
یار کی خوشبو	۱۵۹	فضیل بن عیاض	۱۸۵
آصف بن برخیا کی کرامت	۱۶۰	بغداد کا شہزادہ	۱۸۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک ولی	۱۶۲	تیسری منزل وسیلہ	۱۸۸
اولیاء پر خدا کا پیار	۱۶۳	اللہ والے وسیلہ ہیں	۱۹۱

مضمون	صفحہ
چوتھی منزل مجاہدہ	۱۹۲
سنت خور پیر	۱۹۳
بہلول دانا اور خلیفہ بغداد	۱۹۴
مناجات	۱۹۵
ساتواں وعظ	
فضیلتِ نماز	۱۹۶
نماز عرش پر	۱۹۸
اسلام کا ستون	۱۹۸
نماز احب الاعمال ہے	۲۰۰
نمازی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں	۲۰۰
نماز پنج گانہ کا ثواب	۲۰۰
آسمانی فرشتوں کی عبادتیں	۲۰۱
روزانہ پانچ مرتبہ غسل	۲۰۲
آنکھ کی ٹھنڈک	۲۰۲
سجدہ اور خدا کا تقرب	۲۰۴
نماز فلاحِ دارین ہے	۲۰۴
جان و مال کی سلامتی	۲۰۵
نماز جنت سے زیادہ پیاری	۲۰۶
ایک مجددی کا نماز سے عشق	۲۰۶
نماز کے انعامات	۲۰۷
نماز نور و برہان و نجات ہے	۲۰۸
اُبی بن خلف	۲۰۸
بے نمازی صحابہ کی نظر میں	۲۰۹
جماعت کی فضیلت	۲۰۹
نجات کے دو پروانے	۲۱۰
محمد بن سماعہ اور جماعت	۲۱۱
رحمت عالم کا غضب	۲۱۱
تارک جماعت پر بارہ بلائیں	۲۱۲
نماز میں خشوع	۲۱۴
لطیفہ	۲۱۵
حضرت علی کی نماز	۲۱۵
حضرت عبداللہ بن عباس کی نماز	۲۱۵
حضرت ابوعبیدہ کی نماز	۲۱۶
حضرت امام زین العابدین کی نماز	۲۱۶
حاتم بلخی کی نماز	۲۱۶
ذوالنون مصری کی نماز	۲۱۷
محمد بن نصر مروزی کی نماز	۲۱۷
عبدالرحمٰن بن نعم کی نماز	۲۱۷
معلی بن منصور کی نماز	۲۱۸
منصور بن معتمر کی نماز	۲۱۸
نماز کے بعد وحی کا انتظار	۲۲۰

۸۶/۹۲ء

حمد باری تعالیٰ

اے خدا سازندۂ عرشِ بریں   شام را دادی تو زلف عنبریں
روز را با شمع کافور اے کریم   کردۂ روشن تراز عقل سلیم !
قادرا ! قدرت تو داری بر کمال   انت ربی انت حسبی ذوالجلال
رَبَّنَا فَالْحَمْدُ لَكَ فِيْ كُلِّ حَالْ
اَنْتَ مَعْنَى السِّرِّ فِيْ كُلِ الْمُقَالْ

نعت شریف

حق جلوہ گرز طرز بیان محمد است   آرے کلامِ حق بہ زبان محمد است
تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است   اما کشادِ آں زمکانِ محمد است
ہر کس قسم بآں چہ عزیز است می خورد   سوگند کرد گار بہ جان محمد است
غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم)

پہلا وعظ

عظمت میلاد

بصد انداز یکتائی بغایت شانِ زیبائی
امیں بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق نبیہ وزینہ بمکارم الوجود O وفضلہ بالشفاعۃ الکبریٰ والمقام المحمود Oواشھد ان لآ الٰہ الا اللہ الملک المعبود O واشھد ان سیدنا محمدًا عبدہٗ ورسولہ اکرم الخلق واحسن المولود O والصلوٰۃ والسلام علیٰ من میلادہ سعید وبقاءہ مسعودO وعلیٰ آلہ واصحبہ المکرمین الی الیوم الموعودO اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَقَدْ جَآئَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْنْ
مُصْطَفٰی مَا جَاءَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ

برادرانِ ملت! بآوازِ بلند درود شریف پڑھئے: اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا محمد وبارک وسلم O

محترم حاضرین! میں آج کے اس روح پرور دینی اجلاس میں حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت اور محفل میلاد شریف کی اہمیت و عظمت کے چند نقوش

اجاگر کرنا چاہتا ہوں۔

حاضرین کرام! یہ جلسوں کا دور ہے اور اس زمانے میں قسم قسم کے جلسے روزانہ ملک کے اندر منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے شاندار اجلاس ہوتے ہیں اور شان دار پنڈالوں میں سجاوٹ اور آرائشیں بھی خوب ہوا کرتی ہیں۔ بجلی کے قمقموں سے جلسہ گاہ بقعۂ نور بنادی جاتی ہے غرض بڑے بڑے جاذب نظر اہتمام و انتظام کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ مگر برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کا یہ جلسہ جس میں ہم اور آپ حاضری کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ملک کے تمام جلسوں سے زیادہ عزت و عظمت والا اور بزرگی و تقدس والا ہے۔ بلکہ میرا تو اعتقاد ہے کہ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر اس سے زیادہ عظمت والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا' کیوں؟ اس لیے کہ آج کل ملک میں جتنے جلسوں کا رواج ہے' عموماً ان جلسوں کا تعلق کسی نہ کسی سیاسی پارٹی' سیاسی لیڈر' یا سیاسی پروگرام' یا دوسری کوئی دنیاوی غرض سے ہوتا ہے کوئی کانگریس کا جلسہ ہے تو' کوئی کمیونسٹ کا' کوئی کسی لیڈر کے استقبال کا جلسہ ہے' تو کوئی الیکشن کا۔ غرض ہر جلسے کی نسبت اور اس کا تعلق سیاسیات یا دنیاوی اغراض سے ہوتا ہے۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ یہ جلسہ نہ تو کانگریس کا جلسہ ہے نہ کمیونسٹ کا۔ نہ یہ الیکشن کا جلسہ ہے نہ کسی لیڈر کے سواگت کا' بلکہ اس جلسہ کی نسبت اور اس کا تعلق سبز گنبد کے مکین حضور رحمۃ للعالمین' نبی مکرم' خلیفۃ اللہ الاعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے اور اس جلسہ کا نام ہی جلسۂ ''میلاد النبی'' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور برادران اسلام! یہ ایک نہایت ہی اہم مسئلہ ہے کہ جس چیز کا تعلق حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے ہو جائے' اگرچہ وہ چیز کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو مگر اس کا رتبہ اس قدر بلند و بالا اور اتنا عظمت والا ہو جاتا ہے کہ ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس کی رفعت و بلندی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ آپ یقین فرما لیجئے کہ جس طرح حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حق جل مجدہٗ کے محبوب اکرم ہیں۔ اسی طرح جن جن چیزوں کو آپ سے نسبت و تعلق ہے وہ چیزیں بھی بارگاہ رب العزت میں اتنی محبوب ہو جاتی ہیں کہ ان سے محبت رکھنے والا بھی محبوبیت خدا کی منزل بلند پر فائز ہو جاتا ہے۔

ایک اہم مسئلہ

محترم حاضرین! یہاں تک بات آگئی ہے تو ایک مسئلہ بھی سن لیجئے اور یقین فرمایئے کہ

یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس مسئلہ پر صحیح معنوں میں عامل ہو جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس سے کبھی بھی توہین محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کا گناہ عظیم نہیں ہو سکتا اور سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ میری لفاظی یا زورِ خیال کی پرواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ قرآن و حدیث کے مقدس پھولوں کا وہ عطر ہے جو اہل ایمان کے مشام جان کو معطر کر دیتا ہے۔

سامعین کرام! مسئلہ یہ ہے کہ اللہ والے تو اللہ والے ہوتے ہی ہیں۔ مگر اللہ والوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ والی ہوتی ہے' اللہ کے محبوب تو اللہ کے محبوب ہوتے ہی ہیں مگر اللہ کے محبوبوں کی ہر ہر چیز بھی اللہ کے محبوب ہو جاتی ہے' دیکھئے قرآن مجید میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ط یعنی اے تمام دنیا سے حج کے لئے آنے والو! جب تم خدا کے مقدس گھر کعبہ شریف کے پاس پہنچو تو پہلے سات چکر بیت اللہ کا طواف کرو پھر کعبہ معظمہ سے چند قدم دور چل کر مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھو۔

مقام ابراہیم علیہ السلام

میرے بزرگو اور بھائیو! یہ مقام ابراہیم علیہ السلام کیا چیز ہے؟ آپ کو معلوم نہیں مسلمانو! یہ ایک پتھر ہے پتھر! یہ ایک ایسا مقدس پتھر ہے کہ جب حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام کعبہ کی تعمیر فرما رہے تھے۔ تو اسی پتھر پر کھڑے ہو کر خدا کے خلیل نے بیت اللہ کی دیواروں کو بنایا تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O (بقرہ)

یعنی جب حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام بیت اللہ کی دیواروں کو تعمیر کر رہے تھے تو یہ دعا مانگتے تھے کہ اے پروردگار! تو ہماری اس خدمت کو قبول فرمالے۔ بیشک تو ہماری دعاؤں کا سننے والا ہے' اور ہماری نیتوں کا جاننے والا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نیچے سے پتھر اور گارا دیتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اس مقدس پتھر پر کھڑے ہو کر دیواروں کو تعمیر فرما رہے تھے۔ آپ اتنی دیر تک اس پتھر پر کھڑے رہے کہ اس پر آپ کے دونوں قدموں کا نشان پڑ گیا جو آج تک قائم و باقی ہے۔ یہ آپ کا معجزہ ہے کہ پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا اور آپ کا نقش قدم اس پر پیوست ہو گیا اور آپ کے اسی نقش قدم کی وجہ سے یہ پتھر ''مقام ابراہیم'' کہلانے لگا اور اس کو اس نسبت کی وجہ سے

ایسی عزت وکرامت اور فضیلت وعظمت حاصل ہوئی کہ قرآن عظیم نے دو جگہ اس کی عظمت کا خطبہ پڑھا۔ ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا کہ فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۚ۬ یعنی کعبہ معظمہ میں رب البیت کی بے شمار نشانیاں ہیں اور انھیں نشانیوں میں سے ایک نشانی ''مقام ابراہیم'' بھی ہے اور دوسری جگہ اس طرح خداوندی فرمان کا بیان ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ یعنی اے مسلمانو! تم طواف کعبہ کے بعد نماز تو خدا کے لئے پڑھو۔ سجدہ خدا کا کرو۔ مگر تم اپنی پیشانیاں اس پتھر کے پاس زمین پر رکھ کر سجدہ کرو جس پر ایک اللہ والے کے قدموں کا نشان بنا ہوا ہے سبحان اللہ ایک پتھر کو ایک اللہ کے پیارے سے اتنا تعلق پیدا ہو گیا کہ اس کے قدموں کا اس پر نشان بن گیا۔ تو اس پتھر کی محبوبیت کا یہ عالم ہو گیا کہ قرآن اس کی مدحت کا خطیب بن گیا اور یہ پتھر تمام حجاج بیت اللہ کی سجدہ گاہ عجیب بن گیا۔

مسلمانو! اس آیت نے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر دیا کہ اے قرآن پڑھنے والو اس نکتہ سے غافل مت رہنا کہ اللہ والے تو اللہ والے ہی ہیں مگر اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہے۔ خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں لیکن خدا کے پیاروں کی ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہوتی ہے۔ مسلمانو! آپ نے دیکھا نہیں؟ کہ حضرت خلیل اللہ خدا کے پیارے ہیں۔ تو ان کے نشان قدم کو اپنے سینے پر اٹھانے والا پتھر بھی خدا کے نزدیک اتنا پیارا ہو گیا کہ اس پتھر کے پاس پیشانی رکھ کر جو سجدہ کیا جائے وہ بھی سجدہ خدا کا پیارا ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس پتھر کے پاس خدا کا سجدہ کرنے والا بندہ بھی خدا کا محبوب اور اللہ والا ہو جاتا ہے۔

مسلمانو! یہ تو خدا کے تمام محبوبوں کا حال ہے۔ اب تم غور کرو کہ اگر کسی چیز کو خدا کے محبوب خاص یعنی حبیب مکرم ومحبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت وتعلق حاصل ہو جائے تو پھر سبحان اللہ! اس کی عزت وعظمت، اور کمال محبوبیت کا کیا عالم ہوگا؟ اللہ اکبر! قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہٗ ارشاد فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ یعنی خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ مجھ کو شہر مکہ کی اس لئے قسم ہے کہ اے محبوب! تم اس شہر میں مقیم ہو۔ اللہ اکبر!

برادران ملت! ذرا غور تو کیجئے کہ مکہ میں صفا ومروہ بھی ہے چاہ زمزم ومقام ابراہیم بھی ہے بنیاد خلیل یعنی کعبہ رب جلیل بھی ہے۔ غرض سینکڑوں عظمتیں، اور ہزاروں بزرگیاں شہر مکہ میں جلوہ فگن ہیں مگر رب کعبہ جب اس شہر کی قسم کا ذکر فرماتا ہے تو یوں فرماتا ہے کہ مجھے شہر مکہ کی اس لئے اور اس بنا پر قسم ہے کہ اے محبوب یہ شہر مکہ تمہارا مسکن ہے! پتا چلا کہ مکہ مکرمہ

اپنی بے شمار سابقہ عظمتوں کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے اتنا مکرم و معظم ہو گیا کہ رب العرش اس کی عظمت کی قسم بیان فرماتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اسی مضمون کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا۔

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا! ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

مرزا غالب نے بھی اس مضمون پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے خوب کہا ہے

ہر کس قسم بآں عزیز است می خورد
سو گند کرد گار بجان محمد است

یعنی ہر شخص کو جو چیز پیاری ہوتی ہے اس چیز کی وہ قسم کھاتا ہے۔ دیکھ لو کہ پروردگار عالم کو اپنے حبیب کی جان سب سے زیادہ پیاری ہے۔ اس لیے خداوند عالم کبھی اپنے محبوب کے کلام کی، کبھی ان کی زندگی کی، کبھی ان کے شہر کی قسم ذکر فرماتا ہے!

رمل

برادرانِ اسلام! نسبت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آ گیا۔ تو ایک مسئلہ اور بھی سن لیجئے۔ حجاج کرام جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ پہنچ کر سب سے پہلا جو کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے۔ اس میں ''رمل'' کرنا پڑتا ہے ''رمل'' کیا ہے؟ عزیزان ملت! رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر، شانہ ہلا ہلا کر، خوب اکڑ اکڑ کر چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوئے طواف میں اس شان سے چلیں کہ گویا کوئی پہلوان اکھاڑے میں اپنے مقابل سے کشتی لڑنے کے لئے نکلا ہے۔ چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! تمام حجاج کرام طواف کعبہ کے شروع کے تین چکروں میں خوب اکڑ اکڑ کر رمل کرتے ہیں اور جھوم جھوم کر مستانہ چال کے ساتھ کعبہ کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کے جوان جوان حاجیوں کے ساتھ ہمارے ملک کے اسی اسی برس کے کھوسٹ بوڑھے حاجی بھی اکڑ اکڑ کر رمل کی سنت ادا کرنا چاہتے ہیں مگر بڑھاپے کی وجہ سے ان کا سینہ آگے کو بھاگتا ہے اور کمر پیچھے کو! مسلمانو! یہ بڑی مصیبت ہے کہ یہاں کے مال داروں پر خدا کی ایسی مار ہے کہ جب تک یہ اسی ۸۰ یا نوے ۹۰ برس کے نہ ہو جائیں اس وقت تک گویا ان پر حج فرض ہی نہیں ہوتا۔ ساری جوانی تو کمانے کھانے میں گزار دیتے ہیں اور جب منہ میں دانت نہیں، پیٹ میں آنت نہیں، بالکل اول جلول بوڑھے ہو گئے اور دنیا میں کسی کام کے نہ رہے تب یہ سمجھے کہ اب ہمارے اوپر حج فرض ہوا ہے اور حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں۔ بلکہ

بعض تو اب بھی نہیں چلتے بلکہ زبردستی حج کے لئے چلائے جاتے ہیں' چنانچہ بہت سے بیٹے جب بوڑھے باپ کی موت کا انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور پھر بھی بڈھا نہیں مرتا۔ تو بیٹے زبردستی باپ کو اس نیت سے حج کے لئے بھیج دیتے ہیں کہ شاید اس لمبے سفر میں بڈھا قبرستان پہنچ جائے تو تجوری کی کنجی ہمارے ہاتھ آ جائے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اسی نوے برس کا کھوسٹ بڈھا جو بلا کسی کے سہارے اُٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ بھلا وہ طواف میں رمل' اور صفا' مروہ کی سعی کیا خاک کرے گا؟ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ بڈھے حاجی طواف نہیں کر سکتے بلکہ ان لوگوں کو چار پائیوں پر لٹا کر' کندھوں پر اُٹھا کر طواف کرایا جاتا ہے اور اُن لوگوں کو رکشا پر بٹھا کر صفا و مروہ کی سعی کرائی جاتی ہے اور جن غریب بوڑھوں کے پاس سواری کے لئے رقم نہیں ہوتی اور وہ پیدل صفا و مروہ کی سعی کرنے جاتے ہیں تو کمزوری کی وجہ سے گر پڑتے ہیں اور سعی کرنے والوں کے ہجوم میں بہت سے پامال بھی ہو جاتے ہیں۔ میرے بزرگو اور بھائیو! تمہیں خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ اگر تم پر حج فرض ہو چکا ہے۔ تو خدا کے لئے جوانی اور طاقت کی حالت میں حج کر لو اور بڑھاپے کی مجبوری اور لاچاری آنے سے پہلے یہ خدا کا فرض ادا کر لو۔

بہر کیف برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ طواف کعبہ میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا حکم ہے۔ مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حرم کعبہ میں جو جلال و جبروت الٰہی کا مرکز ہے اور جہاں قہر و جلال خداوندی کے خوف سے فرشتوں کے بال و پر بھی لرزہ براندام ہوتے ہیں۔ اس جگہ ہم گناہگار بندوں کے اکڑ کر چلنے کا مطلب کیا ہے؟

قرآن میں رب کعبہ کا فرمان ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ (بنی اسرائیل)	اور زمین پر اکڑتے اور اتراتے ہوئے مت چلو بیشک نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو نہ لمبائی میں پہاڑ کے برابر ہو سکتے ہو۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے زمین پر اکڑ کر اور اترا کر چلنا حرام و گناہ ہے۔ چنانچہ آپ ملک میں اکڑ کر چلیں تو گناہ' جدہ میں اتر کر چلیں تو گناہ' مکہ مکرمہ کی کسی گلی میں اکڑیں اور اترا کر چلیں تو گناہ' لیکن خاص خدا کے گھر کے پاس حرم الٰہی کے اندر اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلیں تو ثواب ہی ثواب ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ تمام روئے زمین پر اکڑ کر چلنا گناہ' اور خدا کے گھر کے پاس اکڑ کر چلنا ثواب ہے!

برادرانِ ملت! سنئے! اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ۷ھ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کی جماعت کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لائے اور حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو مشرکین مکہ نے طعنہ مارا کہ یہ صحابہ بھلا کیا طواف کرسکیں گے؟ ان لوگوں کو تو مدینہ کے بخار نے کچل ڈالا ہے اور یہ بالکل ہی کمزور و لاغر ہو چکے ہیں۔ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشرکین کے اس طعنے کی خبر ہوئی تو آپ نے صحابہ کرام کو ''رمل'' کا حکم دیا اور فرمایا کہ تم لوگ اس طرح اکڑ اکڑ کر طواف کرو کہ ان مشرکین کے دلوں پر تمہاری شوکت و طاقت کا سکہ بیٹھ جائے چنانچہ آگے آگے محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سینہ تانے اور شانہ ہلاتے ہوئے رمل کے ساتھ طواف فرمانے لگے اور آپ کے پیچھے پیچھے صحابہ کرام نے بھی سینہ تان کر اکڑتے ہوئے شانہ ہلا ہلا کر طواف میں رمل کیا۔ مسلمانو! خدا کے گھر میں محبوب خدا کے اکڑ اکڑ کر چلنے کی یہ ادا خدا کو اتنی پیاری معلوم ہوئی۔ کہ خداوند قدوس نے اپنے تمام بندوں کو یہ حکم دے دیا کہ میرے بندو! روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی تمہارے لیے اکڑ اکڑ کر اور اترا اترا کر چلنا حرام و گناہ ہے۔ مگر جب تم مکہ مکرمہ میں میرے مقدس گھر کے طواف کے لیے آؤ تو یہاں پر تمہارا اکڑ کر چلنا ثواب ہی ثواب ہے۔ کیوں؟ اس لیے اس مقام پر اکڑ کر چلنے کو میرے محبوب سے نسبت و تعلق ہے اور میرے محبوب کی ہر ادا مجھے محبوب ہے کیوں کہ پیارے کی ہر ادا پیاری معلوم ہوتی ہے لہٰذا اے میرے بندو! تمہارا اس مقام پر اکڑ کر چلنا مجھے پیارا معلوم ہوتا ہے۔

بردرانِ گرامی دیکھا آپ نے؟ اکڑنے اور اترا کر چلنے کو محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہوگئی۔ تو اکڑ کر چلنا اور اتراتے ہوئے طواف کرنا بھی خداوند قدوس کے نزدیک محبوب اور کار ثواب بن گیا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ اللہ والے ہوتے ہی ہیں اس میں کیا شک ہے؟ مگر کمال تو یہ ہے کہ اللہ والوں کی ہر چیز بھی اللہ والی ہو جایا کرتی ہے۔ خدا کے پیارے تو خدا کے پیارے ہوتے ہی ہیں۔ مگر خدا کے پیاروں کی ہر ہر چیز بھی خدا کی پیاری ہو جاتی ہے۔ پڑھیے جھوم کر بلند آواز سے درود شریف اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم ابدًا ابدًا ط

دارالشفاء

برادرانِ ملت! ایک بات اور سن لیجیے! کون نہیں جانتا کہ مدینہ منورہ کا پرانا نام ''یثرب'' ہے یہ شہر وباؤں کا مرکز اور بیماریوں کا گھر تھا مگر جب رحمۃ للعالمین کے قدم یہاں

آئے اور اس شہر کو خدا کے محبوب سے نسبت وتعلق حاصل ہو گیا اور یہ مدینۃ الرسول کہلانے لگا تو نسبت رسول کی وجہ سے اس کو یہ شرف حاصل ہوا کہ پہلے یہ بیماریوں کا گھر تھا لیکن اب ''دارالشفا'' اور تمام روحانی وجسمانی امراض کا شفاخانہ بن گیا۔ چنانچہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يَشْفِيْ سَقِيْمَنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا

یعنی مدینہ کی مٹی لعاب دہن میں لگا کر جس مریض کو بھی استعمال کرائی جائے اس کو خدا کے حکم سے شفا حاصل ہوگی۔

مولانا حسن بریلوی قدس سرہٗ نے اس حدیث کا نہایت ہی لطیف ترجمہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے!
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک ان کے آستانے سے

خیرالامم

حاضرین محترم! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارا اور آپ کا لقب ''خیرالامم'' ہے یعنی تمام امتوں میں سب سے بہترین امت' کیا کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ امتیں تو بہت ہیں اور اگلی امتوں کی عمریں بھی بہت طویل ہوتی تھیں اور ان کے اعمال بھی بہت زیادہ تھے مگر کیا وجہ ہے؟ کہ یہ امت باوجود یہ کہ ان کی عمریں کوتاہ اور اعمال صالحہ بھی بہت کم' پھر بھی قرآن مجید میں رب العزت جل وعلانے اس اُمت کے درجات عالیہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران)

یعنی اے میرے حبیب کی امت! تم ان تمام امتوں میں سب سے بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر ہوئیں۔ تم انسانوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو!

برادران اسلام! آپ یقین فرمایئے کہ اس امت کے ''خیرالامم'' یعنی بہترین امت ہونے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس امت کو خدا کے پیارے ہم غریبوں کے سہارے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت وتعلق ہے اور اللہ کے پیارے تو

اللہ کے پیارے ہوتے ہی ہیں۔ اس میں کیا شک ہے؟ مگر اللہ کے پیاروں سے نسبت رکھنے والے بھی اللہ کے پیارے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے سارے جہان سے زیادہ خدا کے پیارے کی امت بھی خدا کے نزدیک سارے جہان والوں سے زیادہ پیاری ہو گئی! تو برادرانِ ملت! اب آپ خود غور کیجئے کہ جب مکہ مکرمہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت حاصل ہو گئی تو اس کی عزت و عظمت میں ایسا چار چاند لگ گیا کہ خداوند قدوس قرآن مجید میں اس کی قسم ذکر فرماتا ہے۔ جب ''رمل'' یعنی کعبہ کے طواف میں اکڑ کر چلنے کو حبیب خدا سے نسبت حاصل ہو گئی تو اکڑنا اور اترا کر چلنا بھی عبادت بن گیا۔ جب شہر مدینہ جو پہلے بیماریوں کا گھر تھا۔ نسبت حبیب کی وجہ سے دار الشفاء بن گیا۔ جب یہ امت نسبت محبوب کی بدولت ''خیر الامم'' ہو گئی تو پھر سمجھ لیجئے کہ وہ جلسہ جس کو حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو اور اس کا نام ہی جلسہ میلاد النبی ہو بھلا اس جلسے کی عزت و عظمت' اور اس کی فضیلت و کرامت کا کیا کہنا؟ یقیناً وہ جلسہ محبوب خدا و مقبول بارگاہ کبریا ہوگا اور بلاشبہ نسبت رسول کی عظمت کی وجہ سے تمام جلسوں میں سب سے زیادہ مکرم و معظم ہوگا۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ آسمان کے نیچے' اور اس زمین کے اوپر ''جلسہ میلاد النبی'' سے بڑھ کر عظمت و تقدس والا دوسرا کوئی جلسہ ہو ہی نہیں سکتا۔

برادرانِ ملت! یہ وہ جلسہ ہے کہ آپ گھر سے چلے تو ہر قدم پر ایک نیکی لکھی گئی اور جتنی دیر آپ اس جلسہ میں شریک اجلاس رہیں گے رحمت خداوندی کے سائبان آپ پر سایہ فگن رہیں گے کیوں کہ جس جلسے میں آپ حاضر ہیں۔ یہ میرا' تمہارا' ان کا' ان کا جلسہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ محبوب خدا سرور انبیاء احمد مجتبیٰ' محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جلسہ ہے۔ لہٰذا میرا ایمان ہے کہ اس جلسے میں جذبہ عقیدت و جوش محبت کے ساتھ شرکت کرنے والا بھی یقیناً خدا کا محبوب اور مقبول بارگاہ الٰہی ہوگا۔

برادرانِ گرامی! پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ آپ اپنی میٹھی میٹھی نیند کو قربان کر کے اور اپنے نرم نرم بستروں کو لات مار کر ان کی یاد میں یہاں جاگ رہے ہیں جنہوں نے سینکڑوں راتیں ہماری تمہاری یاد میں جاگ کر کاٹی ہیں۔ کیوں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں؟ کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری ساری رات جاگ کر اپنی امت کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگتے تھے اور امت کی یاد میں اتنا روئے' اور اس قدر جاگے کہ خدا کی خدائی کو مصطفیٰ کی مصطفائی پر پیار آ گیا اور قرآن میں خدا کا فرمان اتر پڑا کہ:

یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا o نِّصْفَهٗ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا o اَوْزِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا o	یعنی اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرمایئے مگر تھوڑا آدھی رات یا اس سے بھی کم کیجئے' یا اس سے کچھ زیادہ کر لیجئے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے۔

برادرانِ اسلام! محبوب خدا رات رات بھر کھڑے رہتے' نمازیں پڑھتے' دعائیں مانگتے۔ حدیث گواہ ہے کہ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ یعنی اتنی اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ پائے مبارک پر ورم آ جاتا تھا۔ اللہ اللہ! محبوب کبریا کی یا شب بیداری' عبادت گزاری' گریہ وزاری کیوں تھی؟ کس کے لیے تھی؟ سنو!

تمہارے ہی لیے تھا اے گنہ گارو' سیہ کارو
وہ شب بھر جاگنا اور رات بھر رونا محمد کا (ﷺ)

برادرانِ ملت! یہ جلسہء میلاد شریف کیا ہے؟ اسی رحمت وشفقت والے آقائے نعمت کے ذکر جمیل' اور ان کی یاد کا جلسہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کے اہل محبت یعنی مسلمانان اہل سنت محفل میلاد شریف کا اہتمام کرتے ہیں تا کہ ہمارے' آپ کے دلوں میں ہمیشہ غم خوارامت' رسول رحمت کی مقدس یاد قائم و باقی اور تازہ ہوتی رہے! پڑھیئے درود شریف:

اللھم صلی وسلم وبارك علی سیدنا و مولانا محمد نبی الرحمة واله وصحبه اجمعین۔

خاتم النبیین ﷺ ہی کا میلاد کیوں؟

میرے عزیزو اور دوستو! کبھی آپ نے یہ بھی سوچا کہ ''میلاد'' کے معنی کیا ہیں؟ سنیے! میلاد عربی زبان کا لفظ ہے ''میلاد'' کے معنی پیدائش ''میلاد النبی'' یعنی نبی کی پیدائش......

برادرانِ ملت! اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ ولادت و پیدائش تو سبھی کی ہوئی ہے۔ ہم اور آپ بھی پیدا ہوئے' تمام اولیاء کی بھی پیدائش ہوئی' تمام انبیاء علیہم السلام کی بھی ولادت ہوئی۔ مگر کیا وجہ ہے؟ کہ ہم مسلمان کسی کی ولادت و پیدائش کا خیال نہیں رکھتے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی و رسول کا جلسہء میلاد منعقد نہیں کرتے۔ ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ سب کی تعظیم وتکریم بھی کرتے ہیں مگر میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا پڑھتے ہیں۔ آج تک کبھی آپ نے نہیں سنا ہوگا کہ کسی

نے حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا میلاد پڑھا ہو یا ان کی ولادت و پیدائش کا بیان کرنے کے لیے کوئی محفل سجائی ہو۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ آخر میلاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ کون سی ایسی خصوصیت ہے؟ کہ مسلمان آج تک اپنے رسول کی ولادت و پیدائش کو نہیں بھول سکا۔ غور تو کیجئے کہ مسلمان اپنے تخت و تاج اور سلطنت کو بھول گیا۔ اپنے جاہ حشمت، اور شان و شوکت کو بھول گیا، اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی عزت و عظمت کو بھول گیا۔ اپنا سب کچھ بھول گیا، مگر آج تک اپنے رسول کی پیدائش اور ولادت کو فراموش نہیں کر سکا۔ دیکھ لیجئے شادی ہو تو میلاد شریف! غمی ہو تو میلاد شریف! فرزند تولد ہو تو میلاد شریف! نیا مکان بنا تو میلاد شریف۔ مسلمانو! ان دونوں سوالوں کا جواب بہت اہم ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ صرف نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا میلاد شریف کیوں ہوتا ہے۔ دوسرے انبیاء اور رسولوں کا میلاد شریف کیوں نہیں پڑھا جاتا؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود مسلمان اپنے رسول کی ولادت اور پیدائش کو کیوں فراموش نہیں کر سکا؟

تو بزرگو اور بھائیو! پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ بیشک تمام انبیاء اور رسولوں کی پیدائش ضرور ہوئی مگر یاد رکھیے! کہ جس طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور ان کی ہر ہر صفت بے مثل و بے مثال ہے اسی طرح ان کی پیدائش اور ولادت بھی بے مثل و بے مثال ہے۔

مسلمانو! کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ اس دنیا میں آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے پیدا ہوئے۔ ہر بچہ پیدا ہونے کے بعد رو رو کر اپنی زندگی کا اعلان کرتا ہے۔ جی ہاں! یہ نوجوان جو پتلونوں میں کسے کسائے اکڑ فوں کرتے ہوئے چلتے ہیں اور سینہ تانے زمین پر پٹاخ پٹاخ بوٹ چٹخاتے ہوئے سرگشت کرتے پھرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں؟ کہ یہ جب پیدا ہوئے تھے تو ان کا کتنا پتلا حال تھا؟ جی کچھ پوچھیے مت مٹھی بندھی ہوئی، دم گھٹا، سانس گم! گٹھری کی طرح زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ماں باپ پریشان! جل تو جلال تو، آئی بلا کو ٹال تو۔ خیر خدا خدا کر کے صاحبزادے کا سانس آیا۔ تو سب سے پہلے ایک چوں کی رو دیے اور رو رو کے اپنی زندگی کا اعلان کیا۔ تو ماں باپ کی جان میں جان آئی کہ الحمد اللہ بچہ زندہ پیدا ہوا۔ خیر بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج تک جتنے پیدا ہونے والے پیدا ہوئے سب روتے ہوئے ہی پیدا ہوئے۔ مگر برادران ملت! آپ یہ سن کر حیران

ہوجائیں گے کہ اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ایک ایسا بھی پیدا ہونے والا پیدا ہوا ہے جو روتا ہوا نہیں پیدا ہوا۔ بلکہ تمام جہاں کے روتے ہوؤں کو ہنستا تا ہوا پیدا ہوا۔ وہ پیدا ہونے والے کون ہیں؟ سنئے! وہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ کے گھر، حضرت بی بی آمنہ کی گود میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ مولود مسعود ہیں جو پیدا ہو کر روئے نہیں۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی حمد الٰہی کا خطبہ پڑھا اور

سرِ سجدۂ معبود میں رکھ کر یہ حق سے عرض کی
يَا رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ يَا رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِيْ

اللہ اکبر! برادرانِ ملت دیکھ لیا آپ نے؟ رحمت عالم پیدا ہو کر روئے بلبلائے نہیں، آہ وزاری نہیں کی۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی اپنی ننھی سی پیشانی کو مالک حقیقی و مسجود تحقیقی کی بارگاہ عظمت میں سجدہ ریز کر دیا اور اپنے ننھے ننھے، پتلے پتلے گلابی ہونٹوں سے جن کی رنگینی و نزاکت پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی ہیں آپ نے دعا مانگی۔ پھر دعا بھی کس کے لئے؟ اپنے لیے نہیں۔ اپنی لاڈلی بیٹی فاطمہ کے لیے نہیں اپنے جنتی پھولوں حسن و حسین کے لیے نہیں، اپنے ماں باپ، اپنے عزیز و اقارب کے لیے نہیں بلکہ سب سے پہلے آپ کے قلب و نازک میں جس کا خیال آیا وہ امت کا خیال تھا اور سب سے پہلی دعا جو لب پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر آئی وہ امت کے لیے تھی۔ اللہ اللہ! رسول رحمت کا یہ کرم عظیم؟ کہ اپنے والدین یا اولاد کسی عزیز و اقرباء کو نہیں یاد فرمایا۔ بلکہ ہم کو آپ کو یاد فرمایا اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے تمام لا الٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ پر ایمان لانے والوں کو یاد فرمایا اور ان کے لئے دعا فرمائی!

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے ولادت تو ہر نبی اور رسول کی ہوئی ہے مگر اللہ! بتایئے؟ کہ ایسی انوکھی اور نرالی، اور اتنی بے مثل و بے مثال ولادت کسی نبی و رسول کی ہوئی ہے؟ پھر ذرا ولادت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہمیت اور اہتمام پر بھی نظر رکھئے؟ مسلمانو! رحمت عالم کی ولادت وہ عظیم الشان ولادت ہے کہ تمام انبیاء سابقین اس ولادت کی بشارت دیتے ہے۔ شب ولادت میں ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کو لیکر جبریل امین فرش زمین پر آئے۔ استقبالِ ولادت کے لئے آسمان کے ستارے جھک پڑے بت منہ کے بل گر پڑے آتش کدۂ ایران کی آگ بجھ گئی۔ غرض عجیب عجیب آیات بینات اور خوارق عادات ظہور ہوا۔ باقی دوسرے انبیاء کرام پیدا تو ضرور ہوئے مگر ان محبوبان خدا کی ولادت و

پیدائش کا نہ تو پہلے سے کوئی چرچا تھا نہ کوئی خاص اہتمام تھا۔ نہ ان کی ولادت کے وقت اتنی آیات بینات اور نشانیوں کا ظہور ہوا۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمان لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کے مطابق ایمان تو ہر نبی و رسول پر لاتے ہیں اور سب کی تعظیم و تکریم بھی کرتے ہیں مگر میلاد صرف خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا پڑھتے ہیں کیوں کہ ان کی ولادت میں جو خصوصی ندرت اور امتیازی عظمت ہے وہ دوسرے کسی نبی و رسول کی ولادت میں نہیں ہے۔

برادرانِ گرامی! یہ تو پہلے سوال کا جواب ہے کہ میلاد شریف صرف خاتم النبیین ہی کا کیوں پڑھا جاتا ہے؟ اب رہ گیا دوسرا سوال کہ مسلمان سب کچھ بھول گئے۔ مگر اپنے نبی کی ولادت کیوں نہیں بھولتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبی رحمت نے اپنی اس ولادت کے وقت ہم کو یاد کیا۔ اس لیے ہم اس میلاد کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں' بھلا ہم اس میلاد کو کس طرح فراموش کر سکتے ہیں؟ جس میلاد کے وقت صاحب میلاد نے ہم کو یاد فرمایا' مسلمانو! ہم اپنے نبی رحمت کے اس احسان عظیم کو بھلا کس طرح بھول سکتے ہیں۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝

احسان کا بدلہ تو احسان ہی ہے۔ اس لیے رحمت عالم نے اپنی جس میلاد کے وقت ہم کو یاد فرمایا۔ حق تو یہ ہے کہ قیامت تک ہم اس میلاد کو فراموش نہیں کر سکتے اور اگر خدانخواستہ ہم نے اپنی بدنصیبی سے اس میلاد رحمت کو بھلا دیا تو پھر سمجھ لیجئے کہ ہم سے بڑا احسان فراموش کوئی نہیں ہو سکتا! بزرگو اور بھائیو! ایک کتا بھی روٹی کے ایک ٹکڑے کا احسان مانتا ہے' اور اپنے محسن کو اس احسان کو فراموش نہیں کرتا' بلکہ دم ہلا ہلا کر' زبان نکال نکال کر اس احسان کو یاد کرتا اور شکریہ ادا کرتا رہتا ہے اور ہم انسان پھر صاحب ایمان ہو کر اس رسول رحمت کے احسانوں کو بالکل فراموش کر دیں؟ کہ جو پیدا ہوئے تو ہمیں یاد کیا ساری زندگی ہمیں یاد کرتے رہے۔ قبر انور میں بھی ہمیں یاد فرما رہے ہیں اور میدان محشر میں بھی ہماری یاد میں بے قرار رہیں گے اور

عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے
خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا!

کبھی پل صراط پر' کبھی میزان عمل پر' کبھی جہنم کے دروازے پر پہنچ کر اپنی امت کے گناہگاروں کو بچاتے ہوں گے۔ اللہ اللہ! مسلمانو! محسن اعظم' نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تو ہم پر ایسے ایسے عظیم احسانات ہیں کہ اگر ہمارے جسم کے رونگٹے رونگٹے کو لاکھوں زبانیں مل جائیں پھر بھی سرکار نبوت کے عظیم احسانوں کا شکریہ نہیں ادا ہو سکتا مگر ہم اتنے احسان

فراموش ہو جائیں کہ ان کی ولادت کو بھی بھول جائیں اور یہ بھی یاد نہ رکھیں کہ وہ کب پیدا ہوئے؟ کس طرح پیدا ہوئے؟ کہاں پیدا ہوئے؟ ان کا حسب نسب کیا ہے؟ ان کے والدین کریمین کا کیا نام ہے؟ مسلمانو! اللہ! انصاف۔ کیا ہمارے ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اپنے یاد کرنے والے کو بالکل فراموش کر دیں اور احسان فراموشی کریں؟ نہیں نہیں ہرگز نہیں! مسلمانوں اگر سچا مسلمان ہے۔ تو ہرگز ہرگز کبھی وہ اپنے رسول کا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنا سب کچھ بھول جاتا ہے اور بھول گیا مگر اپنے نبی رحمت کی ولادت باسعادت کو کبھی نہیں بھولتا اور ہر خوشی اور غمی کے موقع پر محفل میلاد شریف میں نبی رحمت کی ولادت باسعادت کا ذکر جمیل سن کر اپنی دنیائے ایمان کے لیے روحانی تسکین و اطمینان کا سامان پیدا کر لیتا ہے!

مسلمانو! مگر ہاں! ایک ذرا کڑوی بات بھی سن لو۔ کیا کروں مجبور ہوں کہنا ہی پڑتا ہے کیوں کہ ۔

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر

کچھ لوگ اس زمانے میں ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو محفل میلاد شریف کو بدعت کہہ کر حرام بتاتے ہیں۔ مگر یہ محفل میلاد شریف پر اسراف و بدعت کا فتوی چپکا کر اس مقدس جلسہ کو حرام بتانے والے ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈالیں اور سوچیں کہ وہ جمعیۃ العلماء دیوبند اور اپنے مدارس کے جلسوں میں تعین، تداعی، روشنی، سجاوٹ، اہتمام سب کچھ ضرورت سے زیادہ کرتے ہیں اور اس پر دینی اجلاس، تبلیغی اجتماع، اسلامی جلسہ کا لیبل اور سائن بورڈ لگاتے ہیں۔ مگر غریب سنی اگر اپنے نبی رحمت کے میلاد شریف کا چھوٹا سا بھی جلسہ کرے تو اس پر اسراف و بدعت کی لال جھنڈی دکھا کر مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی بناتے ہیں۔ مسلمانو! اللہ! انصاف کرو کہ توحید کا ڈھنڈھورہ پیٹنے والے مولویوں کی اس حرکت کو انصاف و دیانت سے بال برابر بھی کوئی تعلق ہے۔ کیا یہ ہمالیہ سے بڑا ظلم نہیں ہے؟ کہ مشرک لیڈروں کی جینتی اور مرتیو کی تقریبات میں اور اپنے جلسوں میں تو اہتمام روشنی سجاوٹ اور تعین و تداعی کے ہوتے ہوئے بھی شرکت کریں اور اس کو قوم و ملت کی خیر خواہی اور اسلامی خدمت قرار دیں۔ مگر میلاد شریف میں ایک چراغ دیکھ کر چراغ پا ہو جائیں اور اور شرک و بدعت کی توپوں سے اندھا دھند گولہ باری شروع کر دیں۔

برادرانِ ملت! برا نہ مانئے۔ حق بات کڑوی ہوتی ہے حقیقت یہ ہے کہ دل کا چور ہے جو ان لوگوں کے قول و عمل سے پکڑا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ محبت رسول اور عظمت مصطفیٰ کا چراغ ان کے دلوں کی دنیا میں گل ہو چکا ہے اس لیے ہر وہ عمل جس سے رسول کی محبت و عظمت کا اظہار ہوتا ہو۔ خواہ وہ درود تاج ہو، یا میلاد شریف ہو یا سلام و قیام ہو اس پر وہابیت کی توپ سے شرک و بدعت کے گولے ضرور داغے جائیں گے۔ مسلمانو! کیا تم نے کبھی اس طرح شرم و غیرت کا جنازہ نکلتے دیکھا ہے؟ کہ اتباع شریعت اور محبت اسلام کا دعویٰ بھی ہو اور ذکر رسولؐ و عظمت نبوت سے ایسی عداوت بھی ہو۔ سچ فرمایا ہے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے کہ ؎

ذکر روکے، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک۔ کہ ہوں اُمت رسول اللہ کی

مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

خیر برادرانِ ملت! آپ اس بات کا یقین کیجئے کہ جس کے دل میں محبت رسول کا اجالا اور عظمت رسول کا بول بالا ہوگا وہ ہرگز ہرگز کبھی بھی محفل میلاد شریف کا انکار نہ کرے گا۔ میرے بزرگو اور بھائیو! غالباً آپ نے حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی علیہ الرحمۃ کا نامِ نامی سنا ہوگا۔ یہ بہت ہی جامع شریعت و طریقت بزرگ تھے اور سلسلہ مجددیہ کے ایک باکرامت ولی تھے۔ یہ محفل میلاد اور سلام و قیام سے بڑا اور والہانہ عشق رکھتے تھے۔ میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی مجلس میں ایک ایسے مولوی صاحب آ گئے جن کا پائجامہ ضرورت سے زیادہ اونچا اور کرتا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا۔ چمبونما ٹوپی، گلے کا بٹن کھلا ہوا، پیشانی پر ڈالر کے برابر گھٹا۔ چونکہ میلاد شریف والوں کو بدعتی سمجھتے تھے اس لیے نہ حضرت مولانا سے سلام کیا نہ مصافحہ۔ بس ایک دم آئے اور دھم سے بیٹھ گئے اور دانت نکال کر حضرت مولانا سے سوال کر دیا کہ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں میلاد شریف ہوتا تھا؟ حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں! میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ کیا گالی گلوچ ہوتا ہے؟ مولوی صاحب نے کہا نہیں۔ تو حضرت نے فرمایا کیا ڈھول تماشہ بجتا ہے مولوی صاحب نے کہا نہیں تو حضرت نے فرمایا کہ کیا کچھ کفر بات یا گناہ کے کلمات بکے جاتے ہیں؟ مولوی صاحب کہنے لگے نہیں نہیں۔ میلاد شریف میں یہ سب خرافات تو بالکل

نہیں ہوتے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب! پھر آپ ہی بتایئے کہ میلاد شریف میں کیا کیا ہوتا ہے؟ تو مولوی صاحب ذرا ہکلا ہکلا کر کہنے لگے۔ کہ میلاد میں تخت و فرش بچھایا جاتا ہے روشنی کی جاتی ہے۔ پھر لوگوں کو جمع کر کے کچھ تلاوت' کچھ نعت خوانی' پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور نبوت کے کمالات و معجزات کا بیان ہوتا ہے' پھر صلوٰۃ وسلام پڑھ کر لڈو تقسیم کیے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میلاد شریف میں بس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر ہوتا ہے۔ مولوی صاحب سر ہلا ہلا کر کہنے لگے کہ جی ہاں۔ جی ہاں! بس رسول پاک کا ذکر خیر ہی ہوتا ہے۔ اب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب علیہ الرحمۃ کو جلال آ گیا اور تڑپ کر فرمایا کہ جب میلاد شریف میں ذکر رسول ہی ہوا کرتا ہوے تو میں کہتا ہوں کہ بے شک صحابہء کرام کے زمانہ میں بھی میلاد شریف ہوا کرتا تھا ضرور ہوتا تھا۔ یقیناً ہوتا تھا مگر بس فرق اتنا ہے کہ آج کل تو لوگ چاندنی اور قالین کا فرش بچھا کر' لالٹین اور پیٹرومیکس گیس کی روشنی کی نیچے میلاد شریف کرتے ہیں۔ لیکن صحابہ میدان جنگ میں چلچلاتی دھوپ میں گرم گرم ریت کے اوپر کھڑے ہو کر تلواروں کی چمک کے نیچے میلاد شریف پڑھا کرتے تھے اور آجکل تو لوگ میلاد شریف میں لیٹر دوا بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ مونٹر وا بانٹتے تھے۔ یورپی زبان میں لڈو کو لیٹر دوا اور سر کو "مونڑوا" کہتے ہیں۔ یعنی آج کل تو لوگ میلاد شریف میں لڈو بانٹتے ہیں۔ مگر صحابہ کرام سر بانٹا کرتے تھے۔

حضرت مولانا نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اے مولوی! تو خود اقرار کرتا ہے کہ ذکر رسول ہی کا نام میلاد شریف ہے۔ پھر بھی تو مجھ سے سوال کرتا ہے کہ صحابہ کے زمانے میں میلاد شریف ہوتا تھا یا نہیں؟ کیا تجھ کو نہیں معلوم؟ کہ صحابہ گھر میں۔ باہر یہاں تک کہ میدان جنگ میں بھی رسول رحمت کا ذکر و چرچا کرتے تھے۔ کیا تم نے جہاد اسلامی کی کتابوں میں یہ نہیں پڑھا؟ کہ صحابہ جب جہاد کے لیے میدان جنگ میں پہنچتے تھے تو پہلے امیر لشکر کافروں کے سامنے یہ تقریر کیا کرتا تھا کہ اے گروہ کفار! سنو! ہم لوگ پہلے مشرک تھے بتوں کے پرستار' قتل و غارت اور لوٹ مار کے گناہگار تھے۔ شراب خوری' اور حرام کاری وغیرہ کی لعنتوں میں گرفتار تھے۔ اچانک ہم پر فضل خداوندی ہوا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوئے اور انہوں نے ہمیں لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مقدس کلمہ عطا فرما کر ہم کو خدائے واحد کی توحید کا پرستار اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا جاں نثار بنا دیا اور اسلام کی مقدس تعلیم سے ہمیں نیک و کار اور پرہیزگار بنا دیا۔

لہٰذا اے گروہ کفار!...... تم بھی یہ کلمہ پڑھ کر اسلام کے دامن رحمت میں آ جاؤ۔ یا کم از کم نظام اسلام کی برتری کو تسلیم کر کے جزیہ ادا کرو اور اسلامی فوجوں کی حفاظت میں پرامن زندگی بسر کرو۔ ورنہ پھر تلوار کے فیصلے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ دیکھ لو! اسلامی لشکر کا امیر میدان جنگ میں میلاد رسول پڑھ چکا۔ اب اگر لشکر کفار اسلام یا جزیہ دینے سے انکار کر دیتا اور اللہ و رسول کے خلاف باغیانہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتا تو پھر صحابہ کرام میلاد شریف ختم کر کے تلواریں میان سے نکال لیتے اور سر بانٹنا شروع کر دیتے اور صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر خدا اور رسول کے باغیوں سے ایسی شجاعت اور بے جگری سے لڑتے تھے کہ آسمانوں کے فرشتے فتح مبین لے کر اتر پڑتے تھے اور میدان جنگ کا ذرہ ذرہ ان کی تحسین و آفرین کرتے ہوئے زبان حال سے پکار اٹھتا تھا۔

مجاہد ہیں کہ جوش و ضبط کی خاموش تصویریں
عیاں ہے ان سے دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا کی تفسیریں

مولوی صاحب حضرت مولانا علیہ الرحمۃ پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگانے آئے تھے مگر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی یہ حقانی و نورانی تقریر سن کر ہکا بکا ہو کر رہ گئے اور اقرار کر لیا کہ محفل میلاد شریف بدعت نہیں ہے اور حضرت مولانا علیہ الرحمہ کے روحانی تصرف سے ایک دم مولوی صاحب کے دل کے بند دریچے کھل گئے اور اپنی بدمذہبیت سے تائب ہو کر حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کے مرید ہو گئے اور میلاد شریف و قیام و سلام میں ان کو بھی روحانی کیف اور ایمانی سرور محسوس ہونے لگا۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اللہ والوں کی روحانی طاقتوں کا کیا کہنا ہے؟ ۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

عید میلاد پر خوشی منانا

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میلاد شریف کی محفل منعقد کرنے اور عید میلاد پر فرح و سرور کے اظہار اور خوشی منانے میں ہرگز ہرگز کسی بدعت کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ میلاد النبی پر شادمانی و سرور کا اظہار کرنا اور ولادتِ رسول کے ذکر کا چرچا کرنا اور در حقیقت قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے۔ برادرانِ ملت! قرآن کا فرمان سن لیجئے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ط (یونس)

یعنی اے مسلمانو! اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ! یہ ان تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے جنہیں لوگ جمع کرتے ہیں۔

دیکھ لیجئے! اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے بندوں کو کیا حکم دیا؟ آپ نے آیت اور اس کا ترجمہ سن لیا۔ کہ خدا کے فضل و رحمت پر خوشی منانا یہ حکم خداوندی ہے۔

برادرانِ ملت! اب آپ ہی بتایئے وہ کون ایسا بدنصیب مسلمان ہوگا؟ جو رسول پاک کی ولادت کو خدا کا فضل اور رحمت خداوندی نہیں مانتا ہوگا۔

لہٰذا برادرانِ اسلام! اگر مسلمان سچا مسلمان ہے تو وہ اس رحمت و فضل ربانی، یعنی عید میلاد النبی پر ضرور فرح و سرور کا اظہار کرے گا اور خوشی منائے گا!

برادرانِ ملت! اسی طرح ذکر میلاد کا چرچا کرنا، اور بار بار میلاد شریف کی محفل منعقد کرنا بھی فرمان قرآن ہی پر عمل کرنا ہے۔ سن لیجئے! حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ یعنی اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ مسلمانو! اللہ بتاؤ کیا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے بڑھ کر ہم مومنین کے لیے کوئی نعمت خداوندی ہوسکتی ہے؟ جی! یہ تو وہ نعمت عظمٰی ہے کہ رب العزت جل جلالہ نے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ط فرما کر مومنین پر اس نعمت کا احسان جتایا ہے اور فرمایا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک ایسے رسول کو بھیج دیا جو انہیں میں سے ہے! جب میلاد محمدی نعمت خداوندی ہے اور فرمان قرآن ہے کہ خدا کی نعمت کا چرچا کرو تو ثابت ہوگیا کہ بار بار میلاد شریف کرنا درحقیقت فرمان قرآن کی تعمیل ہے اس لیے انشاء اللہ تعالیٰ اہل ایمان ''میلاد النبی'' کا چرچا کرتے ہی رہیں گے اور منافق اپنی آتش غیظ و غضب میں جلتے ہی رہیں گے۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

میلاد نماز

برادرانِ ملت! میلاد رسول خدا کی نعمت ہے۔ یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے اور اسلام تو اسلام تمام مذاہب عالم اس پر متفق ہیں کہ نعمت کا شکر ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اب

برادرانِ ملت! غور فرمائیے تو شکریہ ادا کرنے کی دو صورتیں بالکل ظاہر ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ نعمت دینے والے کی خدمت گزاری کی جائے اور دوسری یہ کہ اس نعمت کا چرچا کر کے نعمت دینے والے کی تعریف اور اس کی مدح وثنا کی جائے۔مثلاً آپ کو کوئی حاجت پیش آ گئی اور کسی سخی انسان نے آپ کی حاجت پر رحم کھا کر ایک ہزار روپے سے آپ کی مدد کردی۔تو یقیناً یہ اس مرد سخی کی طرف سے آپ کو ایک بڑی نعمت مل گئی۔اب آپ دو طریقے سے اس کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کے دروازے پر حاضری دیجئے اور اس کی خدمت وچاکری کیجئے اس کا ادب واحترام بجالایئے۔تو آپ کی ان اداؤں کو دیکھ کر یہی کہا جائے گا کہ آپ اپنے آقائے نعمت کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ اس کے اس احسان ونعمت کا جابجا چرچا کیجئے اور اس کی مدح وثنا کرتے رہئے۔اس کے حق میں دعائے خیر کرتے رہا کیجئے۔تو آپ کا آقائے نعمت اور دوسرے تمام دیکھنے والے یہی کہیں گے کہ یہ شخص اپنے محسن ومنعم کا شکر گزار ہے۔تو برادرانِ ملت! اسی طرح خداوند عالم نے ہم بندوں کو جو نعمت عظمیٰ عطا فرمائی کہ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیج دیا۔اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے کی بھی دونوں صورتیں اور دونوں طریقے نہایت بہترین ہیں۔ایک تو یہ کہ ہم اپنے منعم حقیقی پروردگار عالم کے دربار میں حاضری دے کر نماز پڑھیں اور طرح طرح سے اس کی خدمت عبادت بجالائیں۔دوسرے یہ کہ ہر دم ہر قدم پر جابجا اس کی نعمت کا چرچا کرتے رہیں اور مجلس میلاد النبی میں ذکر میلاد پڑھ پڑھ کر خداوند کریم کی حمد وثنا کرتے رہیں کہ اس رب کریم کا بہت ہی بڑا کرم عظیم ہے کہ اس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری ہدایت کے لئے بھیج دیا۔تو برادرانِ اسلام! خوب سمجھ لیجئے کہ مسجد میں نماز اور جلسوں میں ذکر میلاد یہ دونوں شکر نعمت کے طریقے ہیں ہم مسجد میں جا کر خدا کی نماز پڑھتے ہیں یہ بھی نعمتِ خداوندی کا شکریہ ہے اور محفل میلاد شریف میں بار بار ولادت رسول کا تذکرہ پڑھتے اور حمد الٰہی کرتے رہتے ہیں۔یہ بھی نعمت رب کے شکریہ ادا کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔

لہٰذا اے برادرانِ اسلام! آپ مسجدوں میں نماز بھی پڑھیے اور مجالس میں ذکر میلاد بھی کرتے رہئے اور دونوں طریقوں سے اپنے رب کریم کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے رہئے! اور آپ یقین رکھئے کہ نماز اور ذکر میلاد کا چرچا نہ مٹا ہے نہ مٹ سکے گا بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے مٹانے والے خود ایک دن مٹ جائیں گے۔اسی لیے میرے بزرگو اور بھائیو! آپ تو نماز کے ساتھ ذکر میلاد کی بھی دھوم مچاتے ہی رہئے اور عید میلاد پر فرح وسرور

کا مظاہرہ کرتے ہی رہے اور منکرین کو ان کے غیظ وغضب کی آگ میں جلاتے ہی رہے۔
اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل یا رسول اللہ کی کثرت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

پڑھیے درود شریف صلی اللہ علی النبی الامی و الہ صلی اللہ علیہ و سلم صلاۃ و سلاماً علیك یا رسول اللہ ط

برادران گرامی! خدا کی طرف سے کسی فضل ورحمت کے ملنے پر خوشی منانے کا حکم تو آپ سورۂ یونس کی آیت قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا کی تفسیر میں سن چکے اب خدا کی کسی نعمت کے ملنے پر عید منانے کے بارے میں ایک آیت اور بھی سن لیجئے۔ تا کہ آپ پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ حصول نعمت پر عید منانا انبیائے سابقین کی بھی سنت کریمہ ہے۔

آسمان کا دسترخوان

برادرانِ اسلام! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے یہ درخواست کی تھی۔ کہ آپ ہمارے لیے آسمان سے ایک دسترخوان نازل کرائیے تا کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو آپ کی صداقت کا اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا دعا کی؟ سنئے!

قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ج وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○ ط

(مائدہ)

یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے عرض کی اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک دسترخوان اتار دے تا کہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ''عید'' ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

چنانچہ آپ کی اس دعا سے خداوند عالم نے آسمان سے ایک دسترخوان اتار دیا جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں پکی ہوئی تھیں اور آپ کی امت نے اس میں سے کھایا

کر اطمینان قلب حاصل کیا۔

محترم سامعین! آپ نے غور کیا؟ کہ اس دعا میں تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا سے ثابت ہوتا ہے کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص رحمت نازل ہو۔ اس دن عید منانا' شادمانی و مسرت کا اظہار کرنا' عبادتیں کر کے شکر الٰہی بجالانا سنت انبیاء و طریقہء صالحین ہے۔ اب آپ ہی بتائیے! کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کتنی عظیم ترین نعمت ہے؟

لہٰذا ولادت مبارکہ کے دن عید منانا' میلاد شریف' پڑھ کر شکر الٰہی بجالانا یقیناً ایک نیک عمل' بلکہ سنت انبیاء و طریقہ صالحین ہے۔ جو الحمد للہ! کہ ہم اہل سنت و جماعت کا طریقہ ہے اور اس سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں! کہ

غرض ہے دین کا ہو بول بالا رسول حق کا چرچا جا بجا ہو

سلام و قیام

حضرات! بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ میلاد شریف تو خیر' ذکر رسول کی مجلس ہے۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ مگر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ سلام و قیام کے ثبوت کے لیے بار بار قرآن و حدیث سے دلائل طلب کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ سلام و قیام کہاں سے ثابت ہے؟ تو برادرانِ ملت! ان لوگوں کا جواب دینے کے لیے سیدھی سی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں رب العالمین نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے نبی علیہ السلام پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود پڑھو' اور سلام بھیجو جیسا کہ سلام بھیجنے کا حق ہے۔

سامعین کرام! دیکھئے اس آیت میں خداوند قدوس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور یہ حکم مطلق ہے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ تم بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کے لیے کوئی خاص ہیئت معین نہیں ہے بلکہ کھڑے ہو کر بیٹھ کر ہر طرح درود وسلام پڑھنا جائز و درست ہے۔ اسی لیے اہل سنت کا یہ عمل ہے کہ پہلے ذکر میلاد کے وقت بیٹھ کر بار بار درود وسلام پڑھتے ہیں اور پھر میلاد کے خاتمے پر کھڑے ہو کر بھی چند بار درود وسلام پڑھ لیتے ہیں تا کہ بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر دونوں شکلوں میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی

سعادت حاصل ہو جائے۔

حضرات! جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر ہر طرح درود و سلام پڑھنا جائز ہے اس سے دلیل طلب کرنا کہ بتاؤ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کا ثبوت کہاں سے ہے؟ یہ انتہائی درجے کی جہالت و حماقت ہے۔ دلیل تو اس سے طلب کی جائے گی جو یہ کہتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے تو درود و سلام پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اس سے یہ پوچھا جائے گا کہ تم بتاؤ۔ تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کہ بیٹھ کر تو صلوٰۃ و سلام پڑھنا جائز ہے اور کھڑے ہو کر نا جائز ہے۔

مسلمانو! اہل سنت جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح سلام پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا قول و عمل بالکل قرآن کے فرمان کی تعمیل ہے۔ کہ قرآن میں درود و سلام پڑھنے میں بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مطلق فرمایا گیا کہ درود و سلام پڑھو۔ مگر جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ درحقیقت وہ قرآن کو جھٹلاتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن نے کہیں نہیں فرمایا کہ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام مت پڑھو۔

ایک شبہ کا جواب

برادرانِ اسلام! سلام و قیام کے بعض منکرین کبھی یوں بھی دھوکا دیتے ہیں' کہ دیکھو نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود و سلام بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ التحیات اور درود شریف دونوں بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" ہے تو چونکہ صلوٰۃ و سلام نماز میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے اس لئے میلاد شریف میں بھی بیٹھ کر ہی صلوٰۃ و سلام پڑھنا چاہئے۔

تو برادرانِ ملت! اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نماز کی تمام دعائیں اور ہیئتیں شریعت کی طرف سے معین ہیں اور اس میں عقل و قیاس کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ اس لیے میلاد کو نماز پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیوں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر نماز میں صلوٰۃ و سلام بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے۔ تو میلاد میں بھی بیٹھ کر ہی پڑھا جائے۔ دیکھ لیجئے! نماز میں قرآن مجید صرف کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے اور نماز کے اندر رکوع یا سجدہ یا بیٹھنے کی حالت میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ نماز میں قرآن کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے نماز کے باہر بھی قرآن کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے۔ اسی طرح "تسبیحات" نماز میں رکوع

وسجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ تسبیحات چونکہ نماز میں رکوع و سجدہ کی حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے نماز کے باہر بھی "تسبیحات" کو رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں پڑھنا لازم ہے تو جب قرات وتسبیح کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا تو پھر صلوٰۃ وسلام کے بارے میں بھی یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ کہ چونکہ صلوٰۃ وسلام نماز میں بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے اس لئے میلاد میں بھی صلوٰۃ وسلام بیٹھ کر پڑھنا چاہئے؟

اور برادرانِ اسلام! ایک دوسری خاص بات بھی ہے جو سننے کے قابل ہے وہ یہ کہ قرآن نے وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ط فرمایا' دیکھئے! سلموا فعل امر کے بعد تسلیما ط مفعول مطلق کا بھی ذکر کیا گیا۔ جو یہاں تاکید کے لیے ہے' تو اس کا حاصل مطلب یہ ہوا کہ تم لوگ سلام پڑھو جیسا سلام پڑھنے کا حق ہے' یعنی ادب واحترام اور وقار کے ساتھ سلام پڑھو۔ اب غور کیجئے کہ نماز کی حالتوں' یعنی قیام' رکوع' سجود' قعود' قومہ' جلسہ' میں سب سے زیادہ ادب و احترام اور اطمینان و وقار کی حالت "قعود" یعنی بیٹھنے کی ہیئت ہے اور نماز کے باہر ہمارا عرف یہ ہے کہ سب سے زیادہ ادب واحترام اور وقار و تعظیم کی ہیئت "قیام" یعنی کھڑا ہونا ہے۔ چنانچہ بیٹھ کر سلام کرنے والے کو ہمارے عرف میں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اس لیے نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا کیوں کہ نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں زیادہ ادب واحترام اور اطمینان و وقار کا اظہار ہوتا ہے اور نماز کے باہر میلاد وغیرہ میں کھڑے ہوکر صلوٰۃ و سلام پڑھنے میں ہمارے عرف کے لحاظ سے زیادہ ادب واحترام' اور اطمینان و وقار کا مظاہرہ ہوتا ہے اس لیے اہل سنت نماز میں بیٹھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اور میلاد میں کھڑے ہوکر!

صلوٰۃ وسلام میلاد کے آخر ہی میں کیوں؟

برادرانِ ملت! ہاں! اب یہاں ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ میلاد شریف کے خاتمہ پر کیوں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دوسرے اوصاف کا ذکر کرتے وقت صلوٰۃ وسلام کا التزام نہیں کیا جاتا مگر ذکر ولادت اور میلاد شریف کے خاتمہ پر بالالتزام صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا معمول ہے یہ کیوں؟ آخر ذکر ولادت سے صلوٰۃ وسلام کو کون سا ایسا خاص تعلق ہے کہ جب میلاد شریف پڑھا جاتا ہے۔ تو صلوٰۃ وسلام بھی ضرور پڑھا جاتا ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ذکر ولادت کے بعد سلام پڑھنا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے! دیکھ لیجئے! قرآن مجید میں خداوند قدوس نے جب حضرت یحیٰ علیہ السلام کا میلاد

شریف، اور ان کی ولادت کا تذکرہ سورۂ مریم میں فرمایا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بیٹے کی دعا مانگی پھر دعا قبول ہوئی اور منجانب اللہ بیٹے کی بشارت ملی۔ پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس طرح خداوند عالم نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا پورا میلاد بیان فرمایا اور ذکر ولادت ختم فرما کر حضرت یحییٰ پر سلام بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ:

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ط (مریم) — یعنی حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی ولادت کے دن بھی، ان کی وفات کے دن بھی۔ ان کے قبر سے اٹھنے کے دن بھی!

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد شریف جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بیان فرمایا۔ تو حضرت بی بی مریم کا حاملہ ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا اور گہوارہ میں گفتگو کرنا وغیرہ سب کچھ مفصل بیان فرما کر جب ذکر ولادت ختم ہو گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے سلام پڑھنے کا ذکر خداوند کریم نے اس طرح فرمایا کہ:

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ — یعنی سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میری وفات ہو گی اور جس دن میں قبر سے زندہ ہو کر اٹھایا جاؤں گا۔

برادران اسلام! دیکھ لیجئے ذکر ولادت اور سلام میں یہ تعلق ہے کہ حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں پیغمبروں کے میلاد کے خاتمہ پر سلام پڑھا گیا۔ اسی سنت باری تعالیٰ پر عمل کرنے کے لیے اہل سنت نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد کے خاتمہ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف: **اللھم صلی علیٰ سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارك وسلم۔**

بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ بعض لوگوں کو میلاد شریف اور سلام و قیام سے چڑ پیدا ہو گئی ہے اور جب کسی آدمی کو کسی چیز سے چڑ پیدا ہو جاتی ہے تو لاکھ اس کے سامنے اس چیز کی خوبیاں بیان کرتے رہیے مگر وہ ہمیشہ اس چیز میں عیب نکال نکال کر اس سے اظہار نفرت ہی کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ کریلے سے، کچھ لوگ جلیبی سے، کچھ لوگ گلاب جامن سے چڑتے ہیں، تو آپ لاکھ ان لوگوں کے سامنے ان چیزوں کے فضائل اور ان کی خوبیوں کے دلائل بیان کرتے رہیے مگر یہ لوگ ان چیزوں کا نام سنتے ہی گالیوں کے سوا دوسری کوئی بات ہی نہیں کریں گے۔ اسی طرح میلاد شریف اور سلام و قیام سے چڑ جانے والوں کے سامنے کتنے ہی

دلائل کیوں نہ پیش کیے جائیں۔مگر یہ لوگ میلاد و قیام کا نام سنتے ہی جل مرتے ہیں اور کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتے۔ برادرانِ اسلام! آپ لوگ دل میں کہتے ہوں گے کہ مولانا صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا میلاد و قیام بھی کوئی چڑنے کی چیزیں ہیں؟ جو کوئی ان سے چڑ جائے گا؟ تو بھائیو میں سچ عرض کرتا ہوں کہ کسی چیز سے چڑ پیدا ہونے میں ذرا دیر نہیں لگتی کبھی کبھی ایسی چیزوں سے چڑ پیدا ہو جاتی ہے جو آدمی کو بہت زیادہ پسند ہوتی ہیں۔

لطیفہ

سنا ہے کہ بمبئی میں ایک ملا جی تھے' اور منشی جی دونوں بڑے گہرے دوست تھے اور ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ ملا جی گلاب جامن سے چڑتے تھے۔ایک دن منشی جی کہنے لگے کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کو بعض چیزوں سے چڑ کیسے ہو جاتی ہے؟ ملا جی نے کہا کہ بھائی یہ حقیقت ہے کہ چڑھ ہو جاتی ہے۔اس کو کیا کیجئے گا؟ کہ کبھی کبھی اچھی چیزوں سے بھی آدمی چڑنے لگتا ہے۔مگر منشی جی کسی طرح ماننے کو تیار نہیں ہوئے یہ اچھی چیزوں سے بھی چڑ ہو سکتی ہے۔ ملا جی نے کہا اچھا منشی جی! بتایئے آپ کو چٹنیوں میں کون سی چٹنی بہت زیادہ پسند ہے؟ منشی جی بولے کہ آم کی چٹنی! ملا جی خاموش رہے اور ایک ہفتے کے بعد چند آدمیوں کو تیار کیا کہ جونہی منشی جی کھانے کے لیے بیٹھیں لوگ باری باری جا کر منشی جی سے آم کی چٹنی مانگیں۔ چنانچہ منشی جی ایک بجے دن میں اسکول سے دھوپ میں جلتے ہوئے گھر آئے اور جیسے ہی دستر خوان پر بیٹھے کہ ایک آدمی آیا اور سلام کے بعد کہا کہ منشی جی! ملا جی نے آم کی چٹنی مانگی ہے۔منشی جی نے کہا بھائی! آج چٹنی نہیں بنی ہے جب بنے گی تو بھیج دوں گا۔ یہ آدمی باہر نکلا ہی تھا اور منشی جی نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ منشی جی! ملا جی نے آم کی چٹنی مانگی ہے۔اب کی مرتبہ منشی جی ذرا زور سے بولے کہ اجی کہہ تو دیا کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے دوسرا آدمی باہر نکلا تو تیسرا پہنچا اور بولا کہ منشی ملا جی نے آم کی چٹنی مانگی ہے۔اب منشی جی کا پارہ چڑھ گیا اور حلق میں لقمہ پھنستے پھنستے چلا کر بولے! جی کیا بار بار چٹنی چٹنی لگا رکھا ہے کہہ تو دیا ایک مرتبہ کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے' تیسرا ادمی دروازے ہی میں تھا کہ چوتھا آدمی دوڑتا ہوا آیا اور بولا کہ منشی جی! ملا جی نے چٹنی مانگی ہے جلدی دیجئے۔ منشی جی جھلا گئے اور پوری طاقت سے تڑپ کر بولے کے ابے مردود! کیا چٹنی چٹنی لگا رکھا ہے؟ چٹنی کی بھی ایسی تیسی اور تیرے ملا جی کی بھی ایسی کی تیسی۔ بار بار کہتا ہوں کہ آج چٹنی نہیں بنی ہے مگر پھر بھی

چٹنی چٹنی کی رٹ لگا رکھی ہے منشی جی چوتھے آدمی پر برس ہی رہے تھے کہ پانچواں آدمی پہنچ گیا اور تڑاخ سے بولا کہ ملا جی نے چٹنی مانگی ہے اور خفا ہو رہے ہیں کہ ہم نے چار چار آدمیوں کو بھیجا مگر آپ چٹنی نہیں دیتے۔ اب تو منشی جی آپے سے باہر ہو گئے اور دستر خوان کے برتن ٹپک ٹپک کر اور منہ میں جھاگ بھر کر چیخنے اور چلانے لگے۔ اے ظالمو! دیکھ لو۔ کہاں ہے چٹنی؟ جاؤ جا کر ملا شیطان سے کہہ دو کہ اب اگر کسی کو بھیجا تو خیریت نہیں ہوگی۔ پانچواں آدمی جوں ہی مکان سے نکلا اور منشی جی گلے کی رگ پھلائے غصے میں ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہے تھے کہ چھٹا آدمی دوڑتا ہانپتا آیا اور چلا کر بولا کے منشی جی چٹنی دیجئے' جلدی چٹنی دیجئے ملا جی بہت خفا ہو رہے ہیں۔ اب تو منشی جی جامے سے باہر ہو گئے اور لکڑی اٹھا کر دوڑے کہ ٹھہر ملا جی کے بچے! ابھی بتاتا ہوں کہ کیسی ہوتی ہے آم کی چٹنی؟ منشی جی دوڑے اور یہ بھاگا۔ باہر نکلتے ہی ساتواں آدمی ملا اور کہنے لگا کہ ہاں ہاں آپ کہاں جا رہے ہیں۔ ارے ملا جی کے لیے آم کی چٹنی تو دیتے جائیے! اب کچھ نہ پوچھئے؟ منشی جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ! اور ایک لکڑی مار کر ساتویں آدمی کا سر پھاڑ دیا اور اس دن سے منشی جی کا یہ حال ہو گیا کہ جو آم کی چٹنی کا نام لیتا منشی جی اس پر آگ بگولا ہو جاتے اور آم کی چٹنی منشی جی کی چڑھ بن گئی۔

''خیر'' تو برادرانِ ملت! ان چڑھ جانے والوں سے تو ہمیں کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ مگر ہاں ہمیں ان انصاف پسند لوگوں سے گزارش کرنی ہے جو ہر مسئلے کو ٹھنڈے دل سے سنتے' سوچتے اور سمجھتے ہیں ہمیں ان حق پسندوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ میلاد شریف اور صلوٰۃ و سلام ذکر رسول کا نام ہے اور اس کی اصل قرآن' حدیث اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔

میلاد اور قرآن

چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ جو میں نے خطبہ کے بعد تلاوت کی اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور تشریف آوری کا ذکر خود خداوند قدوس نے بیان فرمایا چنانچہ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ط

یعنی بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے' جو مسلمانوں پر

بہت زیادہ مہربان اور رحم فرمانے والے ہیں۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ اس آیت میں لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ کے جملہ میں ولادت رسول کا ذکر فرمایا اور مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے لفظ سے آپ کے نسب اور خاندان کا بیان فرمایا اور عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت مقدسہ اور فضائل کا تذکرہ فرمایا۔ للہ! انصاف کر کے آپ بتا دیجئے! کہ میلاد شریف میں اس کے سوا اور کن چیزوں کا بیان ہوتا ہے! میلاد شریف میں ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں یہ سب کچھ قرآن میں خود رب العلمین نے فرمایا ہے۔

حدیثِ میلاد النبی ﷺ

حضرات! قرآن کی ایک آیت میں تو آپ نے ذکر میلاد سن لیا۔ اچھا آیئے! اب ذرا حدیثوں پر ایک نظر ڈالیے برادرانِ اسلام! احادیث میں تو اس کثرت سے میلاد شریف کا تذکرہ ہے کہ مجھ جیسا کم علم بھی اس مضمون کی سینکڑوں حدیثیں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ محدثین کرام مثلاً امام ترمذی نے تو اپنی کتاب میں "میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" کا باب ذکر فرما کر اس میں ولادت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سال پیدائش کی حدیث نقل فرمائی ہے لیکن میں اس وقت صرف ایک وہ حدیث پیش کرتا ہوں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اپنا میلاد شریف بیان فرماتے ہوئے صحابہ کرام کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ مشکوٰۃ شریف ۵۱۳ پر ہے۔

سَاُخْبِرُكُمْ عَنْ اَوَّلِ اَمْرِيْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبَشَارَةُ عِيْسٰى وَ رُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ وَقَدْ خَرَجَ بِهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ۔

یعنی میں تم لوگوں کو اپنے ابتدائی معاملہ کی خبر دیتا ہوں دعوۃ ابراھیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں وَبَشَارَةِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ کی خوشخبری ہوں وَ رُؤْيَا اُمِّيَ الَّتِيْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِيْ اور میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا وَقَدْ خَرَجَ بِهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ کہ ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آ گئے۔

برادرانِ ملت! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد کہ میں حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی دعا ہوں اس کا کیا مطلب ہے؟ سنئے! حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں رہتے تھے اچانک حکم الٰہی ہوا کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم اپنے شیر خوار بچے حضرت اسماعیل اوران کی والدہ حضرت ہاجرہ کوحجاز کی اس بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ کر چلے آؤ جہاں کعبہ بننے والا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے کے ساتھ سفر کے لیے روانہ ہو گئے حفیظ جالندھری نے کیا خوب لکھا ہے۔

خدا کے حکم سے مرسل نے جب رخت سفر باندھا
جناب ہاجرہ نے دوش پر لخت جگر باندھا

خدائی قافلہ جو مشتمل تھا تین جانوں پر
معزز جس کو ہونا تھا زمینوں آسمانوں پر

چلا جاتا تھا اس تپتے ہوئے صحرا کے سینے پر
جہاں تک دیتا ہے انسان موت کو ترجیح جینے پر

وہ صحرا جس کا سینہ آتشیں کرنوں کی بستی ہے
وہ مٹی جو سدا پانی کی صورت کو ترستی ہے

یہ وادی گو بظاہر ساری دنیا سے نرالی تھی
یہی اک روز دین حق کا مرکز بننے والی تھی

یہیں ننھے سے اسماعیل کو لاکر بسایا تھا
یہیں اپنی جبینوں سے خدا کا گھر بسانا تھا

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس سنسان بیابان میں حضرت اسماعیل اوران کی والدہ کو چھوڑ کر چلے آئے جب ماں اور بیٹا پیاسے ہوئے تو پروردگار عالم نے چشمہ زمزم جاری فرمایا۔ مختصر! جب حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر خدا کے حکم سے "کعبہ" بنایا اور کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر حضرت ...ں نے اپنے رب جلیل سے گڑگڑا کر یہ دعا مانگی!

...ا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ
...ا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
...ابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط
...تَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط

یعنی اے میرے پروردگار! میری اولاد میں ایک رسول انھیں میں سے بھیج دے کہ وہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اورانہیں کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا

(بقرہ)　　　　فرمائے بیشک تو ہی غالب حکمت والا ہے۔

برادرانِ ملت! یہی وہ دعائے ابراہیمی ہے جس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ یعنی میری ہی ولادت و بعثت کے لیے حضرت خلیل اللہ نے کعبہ بنا کر دعا مانگی تھی۔

برادرانِ اسلام! حدیث کا دوسرا جملہ کہ ''میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری ہوں'' یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وعظ کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے بنی اسرائیل کے سامنے فرمایا تھا جس کا تذکرہ قرآن حکیم نے ان لفظوں میں فرمایا کہ:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (الصف)

یعنی یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے کہا تھا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہوں اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے جن کا نام ''احمد'' ہے

حاضرین کرام! حدیث کا تیسرا جملہ کہ میں اپنی والدہ کا وہ چشم دید منظر ہوں جس کو انہوں نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ:

وَقَدْ خَرَجَ بِهَا نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ ۔

یعنی ان کے جسم سے ایک ایسا نور نکلا جس کی روشنی میں انھیں ملک شام کے محلات نظر آ گئے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! اس حدیث میں خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع میں اپنا میلاد شریف بیان فرمایا۔ الغرض ذکر یا میلاد شریف قرآن و حدیث اور عمل صحابہ سے ثابت ہے۔ قرآن و حدیث تو آپ سن چکے۔ حضرت مخرمہ صحابی کا عمل بھی سن لیجئے۔ آپ نے ایک مجمع میں ارشاد فرمایا کہ:

وُلِدْتُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ ۔

یعنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''عام الفیل'' میں پیدا ہوئے۔

(ترمذی باب میلاد النبی)

فرمائیے! کیا یہ ذکر میلاد نہیں ہے؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذکر میلاد خیر القرون سے آج تک صالحین امت کا معمول رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک امت رسول کے صالحین

اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ میلاد شریف کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم ہے۔ بشرطیکہ اس میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو اور امام سیوطی نے فرمایا کہ میلاد النبی پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے اور امام جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن وامان میں رہتے ہیں اور اس میں جلد مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے۔ (روح البیان سورۂ فتح)

میلاد دافع شرک ہے

مگر افسوس کہ کچھ لوگوں نے اس عمل خیر کو شرک و بدعت قرار دے کر اپنی آخرت کو خراب کر لیا حالانکہ اگر غور کیجئے تو میلاد شریف شرک سے بچانے والا عمل ہے۔ وہ کیسے دیکھئے! حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی امت نے چند معجزات کو دیکھ کر ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر محیر العقول ہیں۔ لہٰذا ممکن تھا کہ کم فہم آپ پر خدا ہونے کا گمان کر لیتا۔ مگر جب میلاد شریف میں یہ بار بار بیان ہوتا رہتا ہے کہ آپ اپنی والدہ کے شکم مبارک سے بارھویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے اور بی بی حلیمہ کا دودھ پیا۔ عبدالمطلب پھر ابو طالب نے آپ کی پرورش کی۔ تو پھر کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ خدا ہیں۔ تو درحقیقت میلاد شریف امت کو شرک سے بچانے کا ایک بہترین عمل ہے۔ مگر ان کا کیا علاج؟ کہ

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بیانِ ولادت: سامعین محترم! بہرحال میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ اب میں نہایت مختصر لفظوں میں تولد شریف کا ذکر پڑھ کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ آپ لوگ باآواز بلند درود شریف کا ورد کریں۔

رَبِّ سَلِّمْ عَلٰی رسول الله
مَرْحَبَا مَرْحَبَا رسول الله

حاضرین کرام! خلاق عالم جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ — یعنی تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور ایک روشن کتاب آئی۔

مولیٰ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا۔ کہ میرا حبیب نور ہے۔ حدیث شریف حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ وَکُلُّ الْخَلَائِقِ مِنْ نُّوْرِیْ وَاَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰهِ

یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا اور تمام مخلوقات کو میرے نور سے بنایا اور میں اللہ کا نور ہوں۔

بزرگانِ ملت! روایت ہے کہ زمین وآسمان کے پیدا ہونے سے بہت پہلے خداوند قدوس نے اپنے حبیب کے نور کو پیدا فرمایا پھر جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلعت وجود بخشا۔ تو نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی پیشانی میں ودیعت فرمایا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کریں۔ اس طرح حضرات ملائکہ کو نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کا شرف حاصل ہوا پھر جب حضرت آدم علیہ السلام بحکم رب العالمین روئے زمین پر تشریف لائے اور توالد وتناسل کا سلسلہ شروع ہوا تو نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ میں منتقل ہونے لگا اور درجہ بدرجہ یہ نور مکرم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جلوہ گر ہوا اور ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ خاتون کو تفویض ہوا۔

سَلِّمُوْا یَا قَوْمِ بَلْ صَلُّوْا عَلَی الصَّدْرِ الْاَمِیْنَ
مُصْطَفٰی مَا جَآءَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ

اَللّٰهُمَّ یَا نُوْرَ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی نُوْرِكَ الْاَنْوَرِ وَعَلٰی اٰلِهِ الْمُنَوَّرِ
وَاَصْحَابِهِ السُّرُجِ الْغُرِّ اِلٰی یَوْمِ الْمَحْشَرِ ط

برادرانِ اسلام! جن جن پیشانیوں میں یہ نور منور جلوہ گر ہوا عجیب عجیب اور طرح طرح کے خوارق عادات کا ظہور ہوا۔ جب اس نور مقدس نے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مشرف فرمایا تو تمام بت منہ کے بل اوندھے گر پڑے اور قریش جو قحط سالی کے وبال میں تھے اس نور کی برکتوں سے نہال ہوگئے۔ باران رحمت سے سرزمین عرب سرسبز و شاداب ہوگئی۔ اسی لیے عرب نے اس سال کا نام سنة الفرح والا بتهاج رکھ دیا یعنی شادابی وشادمانی کا سال۔ حضرت بی بی آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو ایام حمل میں کوئی تکلیف یا گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی اور میں ہر رات خواب میں انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی زیارت سے مشرف ہوتی تھی۔ ایک فرشتہ مجھے خواب میں اس طرح بشارت دیتا تھا کہ اے آمنہ! اے اللہ کی بندی! تجھے بشارت ومبارکباد ہو کہ بہترین خلائق تیری گود میں پیدا ہونے والے ہیں جب یہ ہدایت وفلاح کا سورج طلوع ہو جائے تو ان کا نام نامی واسم گرامی محمد رکھنا۔

پڑھیے درود شریف: اللھم صلی علیٰ محمد و صحبه و بارك وسلم!
محترم حاضرین! اب وہ ساعت سعید قریب سے قریب تر آ گئی ہے کہ منعم ذوالجلال کی سب سے بے مثال نعمت اہل عالم کو نہال' اور خزائن الٰہی کی سب سے عظیم دولت روئے زمین کو اپنے وجود جمال سے مالا مال کرنے والی ہے یعنی ۔

ربیع الاول امیدوں کی دنیا ساتھ لے آیا
دعاؤں کی قبولیت کو ہاتھوں ہاتھ لے آیا
خدا نے ناخدائی خود کی انسانی سفینے کی
کہ رحمت بن کے چھائی بارہویں شب اِس مہینے کی
مرادیں بھر کے دامن میں مناجات زبور آئی
امیدوں کی سحر پڑھتی ہوئی آیات نور آئی!

عام الفیل۔ بارہویں ربیع الاول۔ دوشنبہ کی صبح صادق کے وقت حضرت جبریل امین ستر ہزار ملائکہ مقربین کی جماعت کے ساتھ روئے زمین پر تشریف لائے اور شہنشاہ دوسرا' محبوب کبریا' احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد آمد پر استقبال کے لیے سراپا انتظار تھے۔ کہ ۔

یکا یک ہوگئی ساری فضا تمثال آئینہ
نظر آیا معلق عرش تک اک نور کا زینہ
بجائی بڑھ کے اسرافیل نے پر کیف شہنائی
ہوئی فوج ملائک جمع زیر چرخ مینائی
خدا کی شان رحمت کے فرشتے صف بصف اترے
پرے باندھے ہوئے سب دین و دنیا کے شرف اترے
سحابِ نور آ کر چھا گیا مکے کی بستی پر
ہوئی انوار کی بارش بلندی اور پستی پر

حضرت جبریل علیہ السلام ایک مرتبہ کعبہ میں خدا سے دعائیں کرتے اور ایک مرتبہ در رسول پر آمد آمد کی التجائیں کرتے۔ یہی منظر تھا کہ ناگہاں ۔

ہوا عرش معلیٰ سے نزول رحمت باری
تو استقبال کو اٹھی حرم کی چار دیواری

ابھی جبریل اترے بھی نہ تھے کعبہ کے منبر سے
کہ اتنے میں صدا آئی یہ عبداللہ کے گھر سے

مبارک ہو کر ختم المرسلین تشریف لے آئے
جناب رحمۃ للعالمین تشریف لے آئے

بصد انداز یکتائی بغایت شان زیبائی
''امیں'' بن کر امانت آمنہ کے گود میں آئی!

یعنی ہزاروں جاہ وجلال، اورشوکت وکمال کے ساتھ نبی آخرالزمان خاتم پیغمبران صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہور فرمایااور تولد ہوئے اوراس طرح۔

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

حاضرین کرام! بصد ادب واحترام کھڑے ہوکر شہنشاہ مدینہ کی بارگاہ عظمت میں چند بار صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے!

صلوٰۃ وسلام

یا نبی سلام علیک یارسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک صلوات اللہ علیک

ارسل اللہ تعالیٰ عندنا نورًا مبیناً
مصطفی ماجاء الا رحمة للعالمینا

یا نبی سلام علیک

آپ سلطان مدینہ مہبط وحی السکینہ!
نور سے معمور سینہ مشک سے بہتر پسنہ

یا نبی سلام علیک

اے شہنشاہ مدینہ ہند میں مشکل ہے جینا
پار ہو میرا سفینہ یا غیاث العالمینا

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتك یاارحم الرحمین

دوسرا وعظ

تجلیاتِ معراج

شب معراج عروج تو گزشت از افلاک
بمقامیکہ رسیدی نرسد ہیچ نبی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ فَوْقَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى وَشَرَّفَهٗ بِغَايَةِ قُرْبِهٖ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى وَاصْطَفَاهُ لِرُؤْيَتِهٖ وَكَلَامِهٖ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الْمُجْتَبٰى وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ صَعِدُوْا فِى مَعَارِجِ الْحَقِّ وَالْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سُبْحٰنَ الَّذِىْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

(بنی اسرائیل)

محترم سامعین! پہلے بہ آواز بلند درود شریف کا ورد فرمایئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَلَمْ ہ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ هُدَاةَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ـ

حضرات گرامی! اس وقت میں نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت تلاوت کی ہے اور آج میں ''معراج النبی'' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض گوشوں پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ''معراج'' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات جلیلہ میں سے ایک بہت عظیم الشان اور نہایت ہی محیر العقول معجزہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص کبریٰ میں

شمار کیا جاتا ہے۔ خصائص کبریٰ کیا؟ آپ یوں سمجھئے کہ خداوند عالم نے تمام انبیاء و مرسلین کے معجزات کو حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات میں جمع فرمادیا اوران کے علاوہ ایسے خاص خاص معجزات سے بھی حضرت حق مجدہ نے آپ کو ممتاز فرمایا جو آپ کے سوا کسی نبی ورسول کو نہیں عطا کئے گئے یہی معجزات آپ کے خصائص کبریٰ کہلاتے ہیں۔ چنانچہ معجزۂ معراج بھی انہیں خصوصی معجزات نبوت میں سے ہے جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نبی ورسول اس سے سرفراز نہیں کیا گیا۔

معزز حاضرین! ''معراج'' کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام رات کے ایک مختصر حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی سیر فرماتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر جہاں تک باری تعالیٰ نے چاہا تشریف لے گئے اور عرش و کرسی' لوح و قلم' جنت و دوزخ وغیرہ آیات کبریٰ کا مشاہدہ فرمایا اور رب العرش کے دیدار' اور اس کے بے انتہا نوازشوں' اور لاتعداد عنایتوں سے سرفراز ہو کر واپس تشریف لائے۔

برادرانِ ملت! اس واقعہ معراج کی صداقت پر دور صحابہ سے آج تک تمام اہل حق کا اتفاق رہا اور کفار ملحدین کے سوا کوئی بھی اس معجزہ کا منکر نہیں ہوا اور حق تو یہ ہے کہ معراج سے انکار کی کوئی وجہ بھی نہیں ہوسکتی۔ آخر معراج کیا ہے؟ درحقیقت معراج ایک نہایت ہی تیز رفتار حرکت ہی تو ہے۔

زنجیر بھی ہلتی رہی' بستر بھی رہا گرم
تا عرش گئے اور چلے آئے محمد ﷺ

آپ ہی بتایئے کیا حرکت کی سرعت' اور تیز رفتاری کی کوئی حد معین ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ فلاں چیز کی رفتار سے زیادہ تیز کسی چیز کی رفتار نہیں ہوسکتی۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ حرکت کی سرعت اور تیز رفتاری کی کوئی حد معین ہی نہیں ہے۔ لہٰذا حرکت سریع سے سریع تر' اور تیز سے تیز تر ہوسکتی ہے۔

تیز رفتاری کا دارومدار

یاد رکھیے حرکت کی تیز رفتاری کا دارومدار درحقیقت محرک کی طاقت' اور متحرک کی صلاحیت پر موقوف ہے۔ یعنی چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت' اور چلنے والے میں جتنی زیادہ صلاحیت ہوگی اسی قدر چال زیادہ سے زیادہ' اور رفتار تیز سے تیز تر ہوگی۔ مثال

کے طور پر آپ یوں سمجھئے کہ اگر آپ سے کوئی یہ کہے کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک ریل گاڑی جس میں تھرڈ کلاس' سیکنڈ کلاس' فرسٹ کلاس وغیرہ کے بہت سے ڈبے جڑے ہوئے تھے' اور سینکڑوں مسافر اپنے اپنے سامانوں کے ساتھ سوار تھے اور اس ریل گاڑی کے آگے ایک چوہیا بندھی ہوئی تھی جو اس ریل گاڑی کو ایک گھنٹہ میں پچاس میل کی رفتار سے کھینچے لیے جارہی تھی۔ تو آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ یہ شخص یا تو دنیا بھر کے جھوٹوں اور بنڈل بازوں کا پیرومرشد ہے۔ یا اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اتنی بڑی ریل گاڑی کو ایک چوہیا کھینچ لے جائے۔ دیکھئے! آپ نے اس حرکت کا کیوں انکار کردیا؟ اسی لیے تو کہ متحرک یعنی ریل گاڑی میں اگرچہ حرکت و تیز رفتاری کی صلاحیت موجود ہے مگر محرک یعنی چوہیا میں اتنی طاقت نہیں ہے جو اتنی بڑی ریل گاڑی کو اس رفتار کے ساتھ چلا سکے۔ اسی طرح اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک ایسا انجن دیکھا ہے جس کے پیچھے چند درخت اور چند مکانات اور کچھ پہاڑیاں جڑی ہوئی تھیں اور وہ انجن ریلوے لائن پر ایک گھنٹے میں پچاس میل کی رفتار سے ان درختوں' اور مکانوں' اور پہاڑوں کو کھینچے لیے چلا جارہا تھا۔ تو آپ یہ سن کر فوراً پکار اٹھیں گے کہ یہ یا تو ہمالیہ سے بھی بڑا جھوٹ ہے۔ یا اس خبر کا سنانے والا تمام پاگلوں کا گرو گھنٹال ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ محرک یعنی انجن میں تو چلانے کی طاقت موجود ہے مگر درخت و مکانات اور پہاڑیوں میں ریلوے لائن پر چلنے کی صلاحیت موجود نہیں لیکن اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ میں نے ریلوے لائن پر ایک گاڑی کو دیکھا ہے کہ اس کو ایک انجن ایک گھنٹے میں ستر میل کی رفتار سے کھینچے جارہا تھا تو اس خبر میں ذرا بھی آپ کو تعجب ہوگا نہ انکار بلکہ اس خبر کو آپ سو فیصد صحیح مان لیں گے کیوں؟ اس لیے کہ انجن میں اس قدر تیز رفتاری سے چلانے کی طاقت موجود ہے اور ریل گاڑی میں اتنی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

برادرانِ ملت! پتا چلا کہ چلانے والے میں جس قدر زیادہ طاقت ہوگی اور چلنے والے میں جتنی زیادہ چلنے کی صلاحیت ہوگی۔ اسی قدر حرکت میں سرعت اور رفتار میں تیزی ہوگی اب آپ غور کیجئے کہ معراج کی تیز رفتار چال میں چلانے والے کون ہے؟ اور چلنے والا کون ہے؟ تو ارشاد خداوندی ہے کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ یعنی معراج میں چلانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چلنے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں.... سبحان اللہ! مسلمانو! بتاؤ! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر طاقت وقدرت والا کون ہوسکتا ہے؟ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی قدرت وطاقت والا نہیں اور قَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ۔ یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور سے بڑھ کر کسی چیز میں تیز رفتاری کی صلاحیت نہیں ہے تو پتا چلا کہ دنیا میں کوئی تیز سے تیز رفتار بھی معراج کی تیز رفتاری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ معراج کی تیز رفتار چال یعنی۔

زنجیر بھی ہلتی رہی' بستر بھی رہا گرم
تا عرش گئے اور چلے آئے محمد ﷺ

یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے کہ جس طرح چاند اور سورج کی روشنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے اسی طرح شب معراج میں صاحب لولاک سیار افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تیز رفتاری کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا!

نور کی تیز رفتاری

برادرانِ ملت! کبھی آپ نے اس پر غور کیا کہ نور کی تیز رفتاری کا کیا عالم ہے؟ اللہ اکبر! دیکھئے پہلا آسمان زمین سے پانچ سو برس کے راستے کی دوری ہے۔ مگر ہماری آنکھوں کے نور کی یہ کیفیت ہے کہ ایک سیکنڈ میں ہماری آنکھوں کے نور سے نکلنے والی شعاع پہلے آسمان تک بلکہ چاند' سورج ستاروں تک پہنچ جاتی ہے جو زمین سے ہزاروں برس کی مسافت کے فاصلے پر ہیں۔ مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ ہماری آنکھوں کا وہ نور جو گوشت روٹی' دال چاول بھاجی' ترکاری وغیرہ معمولی غذاؤں سے پرورش پاتا ہے۔ جب اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک سیکنڈ میں لاکھوں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے تو پھر وہ نور جو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ بلکہ تمام عالم انوار کا منشاء نور و مصدر ظہور ہے۔ اگر رات کے ایک مختصر حصے میں فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک کا راستہ طے کر لے تو اس میں کون سا تعجب ہے؟

برادرانِ ملت! یہ ایک تعجب خیز سانحہ ہے کہ پٹرول سے چلنے والا اور انسان کا بنایا ہوا ایک انجن سینکڑوں من لوہے کے ہوائی جہاز اور راکٹ کو ہزاروں فٹ کی بلندی پر چند منٹوں میں اڑا کر لے جاتا ہے اور ایک گھنٹے میں ہزار میل کی رفتار سے فضائے آسمانی میں اڑتا چلا جاتا ہے تو اس پر نہ کسی کو تعجب ہوتا ہے نہ انکار' مگر خلاق عالم جو قادر مطلق اور قیوم برحق ہے اگر وہ اپنے نور خاص' سیار افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک چند ساعتوں میں سیر کراتا ہے تو سائنس کے غلام عقل کے گھوڑے پر سوار ہو کر تعجب و انکار کا

جھنڈا لہرانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معراج کو ہماری عقل تسلیم نہیں کرتی۔

برادرانِ ملت! میں تو اکثر ان لوگ سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ بھائیو! تمہاری عقل کی بساط وحقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس پر اتنا ناز کرتے ہو؟ دنیا میں ہزاروں حقائق ایسے ہیں جہاں تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی مگر تم ان حقیقتوں کا انکار نہیں کر سکتے۔ دیکھو بچہ بچہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ مگر للہ! بتاؤ؟ کیا تمہاری عقل میں یہ آتا ہے کہ ایک قطرہ نجس پانی سے ایک پیکر جمیل انسان پیدا ہو سکتا ہے؟ تمہاری عقل ہرگز ہرگز اس کو نہیں سمجھ سکتی۔ مگر تم اس کو مانتے ہو اور یہاں ہماری' تمہاری عقل یہی کہہ کر سپر ڈال دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قادر ہے کہ ایک قطرۂ نجس کو انسانی روپ بخش دے۔ تو پھر یہاں بھی تمہاری عقل کو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ قادر مطلق وقیوم برحق جو چاند وسورج اور ستاروں کو نہایت تیز رفتاری کے ساتھ چلاتا ہے اور جو ہماری آنکھوں کے نور کی شعاعوں کو ایک سیکنڈ میں چاند وسورج تک ہزاروں میل کی بلندی پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ قدرت والا خدا اس پر بھی قادر ہے کہ چند ساعتوں میں اپنے محبوب کو فرش سے عرش تک اور عرش سے فرش تک سیر کرادے۔

منکرین قیامت کا سوال وجواب

برادرانِ ملت! مشرکین عرب نے بھی قیامت کا ذکر سن کر یہی کہا تھا۔

ءَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ط

یعنی یہ بات عقل سے بہت ہی بعید ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم دوبارہ زندہ ہو کر اٹھیں گے؟

خلاق عالم جل جلالہ نے ان قیامت کے منکروں کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا!

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ٥ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ٥ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ٥

کیا آدمی نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر وہ ہم سے کھلم کھلا جھگڑا کرنے لگا ہے اور ہمارے لیے کہاوت کہتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ کردے؟ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم فرمادو

(یٰس) کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انہیں بنایا اور اسے ہر پیدائش کا علم ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نطفہ کو خلاق عالم انسان بنا دیتا ہے یہ بھی تو تمہاری عقل میں نہیں آ سکتا مگر تم اس کو مانتے ہو کہ خالق کائنات ایسی قدرت والا ہے کہ نطفہ کو زندہ انسان بنا دیتا ہے تو پھر یہ بھی مان لو کہ وہ گلی سڑی ہڈیوں کو بھی دوبارہ زندہ فرما سکتا ہے بس خدا کی قدرت پر ایمان لاؤ اور عقل کے مداری کا تماشا مت بنو کیوں؟ اس لیے کہ

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارا' نہ واعظ ہے' نہ ملا نہ فقیہہ

لطیفہ

بزرگو اور بھائیو! حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نیولائٹ کے اندھیرے میں عقل کے گھوڑے پر سوار ہونے والے اکثر منہ کے بل اوندھے گرا کرتے ہیں۔ آپ نے سنا ہوگا کہ ایک مسٹر جنٹل مین تھے جن کو اپنی عقل پر بڑا ناز تھا اور ان پر انگریزی عقل کا اتنا بخار سوار تھا کہ اٹھنا' بیٹھنا' سونا جاگنا' نہانا دھونا' کھانا پینا' سب کچھ انگریزی ہی میں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کسی عالم سے وعظ میں تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کی تفسیر سنی۔ مولانا صاحب نے وعظ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو جیسا پیدا فرما دیا اس سے زیادہ حسین' اس سے زیادہ مناسب' اس سے بڑھ کر اچھی وہ چیز ہو ہی نہیں سکتی تھی کسی کی مجال نہیں ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی بے ڈھنگا پن نکال سکے۔ مسٹر جنٹل مین ناک بھوں چڑھا کر بولے' اجی مولانا رہنے بھی دیجئے! معاذ اللہ خدا کی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں میں تو بہت ہی بے ڈھنگا پن ہے آپ نے دیکھا نہ ہے؟ تربوز کی بیل کتنی نرم و نازک ہے جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے مگر خدا نے اس نرم و نازک بیل میں بیس بیس سیر کا بڑا بڑا پھل تربوز لگا دیا اور آم کے اتنے بڑے بڑے اور مضبوط درختوں میں اتنے چھوٹے چھوٹے پھل لگا دیئے۔ بھلا یہ بھی کوئی تک کی بات ہے؟ کیا یہ بے ڈھنگا پن نہیں ہے؟ کہ نرم و نازک بیل میں بڑے بڑے پھل درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل؟ مولانا صاحب سمجھاتے رہے کہ میاں! خداوند تعالیٰ علیم و حکیم ہے .... اس میں بھی ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی۔ مگر ہماری ناقص و کوتاہ عقل اس حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مسٹر جنٹل مین اپنی ضد پر اڑے رہے یہاں تک کہ دونوں چلتے چلتے آم

کے باغ میں پہنچ گئے۔ مسٹر جنٹل مین ہیٹ ہاتھ میں لیے ہوئے ننگے سر تھے بیچ سر کا بال بڑھاپے کا جانور چر چکا تھا اور چندیا بالکل صاف تھی۔ خدا کی شان کہ اس چکنی کھوپڑی پر بالکل اچانک درخت سے ایک آم گرا۔ پٹاخ کی آواز آئی اور غش کر کے مسٹر جنٹل مین بیٹھ گئے۔ مولانا نے فرمایا کہیے! مسٹر جنٹل مین! دیکھ لی آپ نے خدا کی حکمت؟ اگر اس درخت میں آم کے بدلے تربوز پھلا ہوتا اور اس وقت وہ تربوز آپ کی اس چکنی کھوپڑی پر گرا ہوتا۔ تو وہ تربوز اور آپ کی گردن کے اوپر کا تربوز دونوں پھٹ پھٹا کر زمین پر پڑے ہوتے اور آپ کا بھیجا گلقند کا نمونہ بن کر بکھر جاتا اور آپ اس وقت ہندوستان میں رہتے نہ پاکستان میں بلکہ سیدھے قبرستان میں پہنچ جاتے مگر خدا کا شکر ادا کیجئے اور ایمان لایئے کہ تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ بے شک خداوندی حکمت کا یہی تقاضا تھا کہ لمبے لمبے درختوں میں چھوٹے چھوٹے پھل ہوں اور تربوز وغیرہ بڑے بڑے پھل زمین پر پھیلی ہوئی بیلوں میں ہوں تا کہ انسان کے لیے ہلاکت یا ضرر کا باعث نہ ہوں۔ مسٹر جنٹل مین! یاد رکھئے کہ خداوند قدوس علیم وخبیر ہے وہ اپنی تمام مخلوقات کے رموز واسرار سے خوب واقف ہے لہٰذا اس پر اعتراض کر کے اپنے ایمان کو برباد کرنا یہ عقل مند کا کام نہیں ہے اور اگر بالفرض کائنات عالم میں کسی مخلوق کا راز ہماری سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو اپنی عقل کا قصور سمجھنا چاہئے اور احسن الخالقین کی حکمت بھری تخلیقات پر ہرگز ہرگز اعتراض کے لیے لب کشائی تو بڑی چیز ہے کبھی دل میں اعتراض کا خیال بھی نہیں لانا چاہئے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کتنی سچی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختین

یعنی ہر جگہ (عقل کا) گھوڑا ہی نہیں دوڑانا چاہئے بلکہ بہت سی جگہوں پر (تسلیم ورضا) کی سپر بھی ڈال دینی چاہیے۔

مولانا کی یہ نورانی تقریر سن کر مسٹر جنٹل مین کو ایمانی روشنی نظر آ گئی اور انہوں نے کہہ دیا کہ میں ایمان لایا کہ تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ!

عزیزانِ ملت! سچ پوچھو تو یہ عقل، عقل کا نعرہ لگانے والے اور حقیقت بالکل ہی عقل سے پیدل ہیں۔ اجی! ان سے پوچھو تو سہی! کہ تمہاری عقل کی بساط وحقیقت ہی کیا ہے؟ جو تم اس عقل پر اس قدر ناز کرتے ہو۔ خدا کی قسم میں سچ کہتا ہوں کہ تمہاری عقل تو اس قابل بھی

نہیں ہے کہ تمہارا پیٹ بھر سکے۔ تمہیں تندرست رکھ سکے۔ دیکھ لو! ایک بیوپاری تجارت میں اپنی ساری عقل کا زور لگا دیتا ہے مگر پھر بھی جب اچانک بازار کا بھاؤ گر پڑتا ہے تو کروڑ پتی دیوالیہ بن جاتا ہے اور اسکی عقل اس وقت کچھ کام نہیں آسکتی ایک ڈاکٹر اپنی تندرستی کے لیے اپنی عقل کی مشینری کو دن رات پوری طرح مصروف عمل رکھتا ہے۔ مگر ناگہاں اس پر ایسے مہلک مرض کا حملہ ہو جاتا ہے کہ اس کی عقل ہرن ہو جاتی ہے۔ سینکڑوں تیر بہدف دوائیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور پچاسوں ڈاکٹر اپنی اپنی عقل کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اس مرض کے حملہ کو دفع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ پھر بھی مرض غالب آ جاتا ہے اور عقل کا منہ کالا اور قدرت کا بول بالا ہو جاتا ہے۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے عقل کی لاچاری اب ذرا سوچو تو سہی کہ ایسی لاچار و ناقص عقل جو ہمیں تجارت کے گھاٹے سے نہیں بچا سکتی۔ جو ہماری بیماری کو نہیں دفع کر سکتی بھلا اس عقل کو مسائل نبوت و الٰہیات کا دارومدار بنانا بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے؟

عقل و عشق

مسلمانو! یاد رکھو۔ یہ ایمانیات کا میدان ہے۔ یہاں عقل کا گھوڑا لنگڑا ہو کر منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ اس میدان کو تو عشق کا شہباز ہی طے کر سکتا ہے۔ نبوت و الٰہیات کے مسائل میں عقل کا جھنڈا نہیں لہرانا چاہئے بلکہ اللہ و رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عقیدت و محبت کا ایسا عشق پیدا کرنا چاہئے کہ ہر فرمان خداوندی و ارشاد نبوی پر عاشقوں کی طرح والہانہ انداز میں سر تسلیم خم کر کے ایمان لانا چاہئے۔ آپ نے یہ کہاوت سنی ہوگی کہ ''عقل'' اور ''عشق'' میں کبھی نہیں بنی۔ کیوں؟ اس لیے کہ عقل کا مقام اور ہے اور عشق کا جہاں اور علامہ اقبال نے عقل اور عشق کا فرق بیان کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ۔

عشق اگر مصلحت اندیش ہو تو ہے خام ابھی — پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی! — بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

برادرانِ ملت! سن لیجئے اور یاد رکھئے کہ جب تک ایمانیات کے مسائل میں انسان عشق ایمانی کی اس منزل پر نہیں پہنچے گا۔ ہرگز ہرگز اس کو ایمان کا نور نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ ہمیشہ شکوک و اوہام کی اندھیری گھاٹیوں میں اندھے اونٹ کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہے گا۔

برادرن ملت! یہی وہ ایمان افروز حقیقت ہے جس کو عارف رومی نے اپنے عارفانہ

انداز میں کیا خوب کہا ہے۔

گر بہ استدلال کارِ دیں بدے　　فخر رازی راز دار دیں بدے

یعنی اگر عقلی دلیلوں پر دین کا دار و مدار ہوتا۔تو فخر الدین رازی جو عقلی دلیلوں کے بادشاہ تھے آج دنیا میں دین کے راز دار کہلاتے مگر ایمانیات میں تو عقلی دلیلوں کا کوئی مقام ہی نہیں ہے کیوں؟ اس لیے کہ۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

یعنی عقلی دلیلوں کا سہارا لینے والوں کا پاؤں تو لکڑی کا پاؤں ہوتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ لکڑی کا پاؤں انتہائی کمزور ہوتا ہے۔

آخر میں عارف رومی ایمانیات میں عشق ایمانی اور والہانہ تسلیم و رضا کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

قال را بگزار و مرد حال شو　　پیش مرد عارفے پامال شو

صد کتاب و صد ورق در نار کن　　روئے دل را جانب دلدار کن

یعنی اپنی قال اقوال اور عقلی دلیلوں کو چھوڑ دے اور کسی عارف باللہ کے روبرو اپنے کو اس طرح پامال عقیدت کر دے کہ ایمانیات میں وہ جو کچھ کہے اسے بلا چون و چرا تسلیم کر لے اور عقلی دلائل کی ساری کتابوں کو نذر آتش کر دے کیونکہ عقلی دلیلوں سے تجھے خدا نہیں مل سکتا بلکہ خدا تک رسائی کا واحد راستہ یہی ہے کہ تو اپنے دل کے چہرے کو اپنے دلدار کی طرف متوجہ کر دے یعنی عقل کی بھول بھلیوں سے نکل کر عشق خدا اور رسول (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کی شاہراہ پر گامزن ہو جا۔ پھر دیکھ کہ کس طرح اور کتنے معرفت الٰہی کے دروازے تجھ پر کھل جاتے ہیں۔ اکبر الہ آبادی نے بھی اپنے مخصوص انداز میں اسی حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی ہے کہ۔

فلسفی کو بحث میں ہرگز خدا ملتا نہیں　　ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

لہٰذا برادرانِ ملت! مسئلہ معراج ہو یا دوسرے ایمانی مسائل! اس میں ہرگز ہرگز عقل کا دخل نہ دیجئے بلکہ سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جذبہ عشق و محبت رکھتے ہوئے ہر شرعی مسئلہ پر بلا چون و چرا ایمان لائیے کیوں؟ اس لیے کہ۔

عشق ہی ابتدائے ذات، عشق ہی انتہائے ذات
عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بت کدۂ تصورات

بہرحال برادرانِ ملت! میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ معراج کو یہ کہہ کر کہ ہماری عقل میں نہیں

آ تا۔ انکار کر دینا یہ انتہائی جرم عظیم ہے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اگر عقل سلیم سے بھی اسکا جائزہ لیا جائے تو ہرگز ہرگز مسئلہ معراج عقل و فلسفہ کے خلاف نہیں۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ اگر فلسفہ کی روشنی میں بھی مسئلہ معراج کا مطالعہ کیا جائے تو معراج نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سمجھ لینا نہایت ہی آسان ہے۔

معراج اور فلسفہ

برادران اسلام! دیکھئے فلسفہ طبعیات کا یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ ہر چیز کے لیے ایک حیز طبعی اور اصلی مقام ہوتا ہے مثلاً مٹی کا اصلی مقام پانی کے نیچے' پانی کا اصلی مقام ہوا کے نیچے ہوا کا اصلی مقام آگ کے نیچے ہے اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اصلی مقام میں رہے یا اصلی میں چلی جائے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اگر کوئی چیز اپنے حیز طبعی یعنی اپنے اصلی مقام سے نکل کر کسی دوسرے مقام میں چلی جائے تو یہ باعث تعجب ہوا کرتا ہے مثلاً مٹی کا ڈھیلا اگر پانی میں ڈوب کر پانی کی نیچے زمین تک چلا جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب نہیں ہوگا کیونکہ مٹی کے ڈھیلے کا حیز طبعی و مقام اصلی پانی کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے لیکن اگر کوئی مٹی کا ڈھیلا پانی کے اوپر تیرنے لگے یا ہوا میں اڑنے لگے تو یقیناً یہ بہت ہی تعجب کی چیز ہوگی کہ ڈھیلا اپنے اصلی مقام سے نکل کر دوسرے مقام میں چلا گیا۔ اسی طرح اگر گیند میں ہوا بھر کر اس کو پانی میں ڈالا جائے اور گیند پانی کے اوپر تیرنے لگے تو اس میں کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہیں کیونکہ ہوا کا مقام اصلی پانی کے اوپر ہی ہے۔ لیکن اگر ہوا بھری ہوئی گیند پانی کی تہہ میں بیٹھ جائے تو یقیناً یہ انتہائی تعجب کی بات ہوگی کہ ہوا اپنے اصلی مقام کو چھوڑ کر دوسرے مقام میں کس طرح چلی گئی ہے؟

برادران ملت! فلسفہ کے اس مسئلہ کی روشنی میں اگر مسئلہ معراج کا جائزہ لیا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حیز طبعی اور مقام اصلی کیا ہے؟ تو اس کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ نور کا اصلی مقام عالم بالا ہے' دیکھئے! چاند و سورج اور ستارے نورانی ہیں۔ تو ان سب کا مقام اوپر ہی ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ نور محمدی کا اصلی مقام بھی عالم بالا ہی ہے۔ تو اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمین سے عرش بریں کی بلندی پر تشریف لے گئے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ نور محمدی کا اصلی مقام بالا ہی ہے اور کوئی چیز اگر اپنے اصلی مقام میں پہنچ جائے تو اس میں ذرا بھی تعجب کا محل نہیں ہے لہٰذا معراج محمدی ہرگز ہرگز

کوئی تعجب کی چیز نہیں! ہاں البتہ سچ پوچھو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس عالم اسفل یعنی زمین پر تشریف لانا بہت زیادہ باعث تعجب ہے کہ آپ نور ہوتے ہوئے اپنا مقام اصلی یعنی عالم بالا چھوڑ کر زمین پر کس طرح تشریف لائے؟ تو درحقیقت ''معراج محمدی'' باعث تعجب نہیں۔ بلکہ ''میلاد محمدی'' باعث تعجب ہے کہ وہ نور مبین عالم بالا کے مکین ہوتے ہوئے فرش زمین پر تشریف لائے۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے کہ

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں' کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا

'برادرانِ ملت! یہ مسئلہ کہ ''معراج محمدی'' سے زیادہ ''میلاد محمدی'' قابل تعجب ہے اگر غور کیجئے تو قرآن مجید میں بھی اس کی طرف ایک لطیف اشارہ موجود ہے۔ دیکھئے! قرآن مجید کا یہ اصول ہے کہ وہ قسم ایسی ہی چیزوں کی بیان فرماتا ہے جو عجیب سے عجیب تر ہوں اور جن میں کوئی انوکھا پن اور نرالی ندرت ہو۔ اب غور کیجئے کہ قرآن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج میں اوپر تشریف لے جانے کا بھی ذکر فرماتا ہے اور معراج سے زمین پر اترنے کا بھی۔ لیکن معراج میں عالم بالا پر تشریف لے جانے کی قسم قرآن میں نہیں بیان کی گئی مگر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم بالا سے زمین پر اترنے کا قرآن نے بیان فرمایا تو یوں کہا کہ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی یعنی اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے (ترجمہ رضویہ) دیکھا آپ نے؟ معراج میں اوپر تشریف لے جانے کی قسم نہیں بیان کی گئی۔ کیونکہ یہ چنداں قابل تعجب چیز نہیں تھی۔ اس لیے کہ آپ اپنے اصلی مقام میں تشریف لے گئے تھے مگر معراج سے اترنے کی قسم بیان کی گئی۔ کیونکہ آپ کا عالم بالا سے عالم اسفل میں آنا بہت ہی نادر اور نہایت ہی عجیب بات تھی!

معراج اور چاند کا سفر

برادرانِ ملت! بلکہ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ آج جو روس اور امریکہ چاند کے سفر کا پروگرام بنا رہے ہیں اور چاند کی سطح تک راکٹ پہنچائے جا رہے ہیں۔ یہ ساری ترقیاں میرے آقا و مولیٰ صاحب لولاک سیاح افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج ہی کا صدقہ ہے ورنہ دنیا کی تاریخ پڑھ لو۔ میرے آقا کی معراج سے پہلے کسی انسان نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی انسان عالم بالا کا سفر کر سکتا ہے۔ سب سے پہلے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے چاند اور سورج کی رفعتوں اور عالم بالا کی بلندیوں کو اپنے قدموں سے پامال کر کے انسان کو یہ تصور بخشا کہ ایک ساکن زمین بھی فضل رب العالمین سے عالم بالا کو مکین بن سکتا ہے۔ ورنہ بتا دیجئے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کسی انسان کو یہ خیال بھی آیا تھا کہ ہم چاند کا سفر کر سکتے ہیں؟

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ چاند تک پہنچنے کی یہ ساری جدوجہد اور دور حاضر کی یہ ساری فضائی ترقیاں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں کی رہین منت ہیں۔ یہی وہ مضمون ہے۔ جس کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ

پتہ چلا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

یعنی معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام انسانوں کو اس کا پتا چلا کہ آسمان بھی عالم بشریت کی زد میں ہے اور فضل ربانی سے عالم انسانی کی رسائی آسمانوں پر بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اگر معراج محمدی نہ ہوتی تو انسان اس کا تصور بالکل وہم و گمان بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی انسان آسمان تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ سبحان اللہ! قربان جائیے میرے آقا کی معراج پر جس نے انسان کو اتنی بلند پروازی کا درس دیا۔

پڑھیئے درود شریف اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم۔

معراجِ انسانیت

حضرات! اسی لیے میرا تو یہ نظریہ ہے کہ ستائیسویں رجب کی یہ معراج ایک طرح سے دیکھئے تو یہ معراج محمدی کے طفیل میں انسانیت کی معراج ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے عرش پر تشریف لے جانا یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں۔ آپ تو اپنے نورانی پیکر میں ہزار ہا برس تک عالم بالا میں جلوہ گر رہ چکے ہیں اور عالم بالا آپ کا اصلی وطن ہی ہے۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بارہا عرش تک آتے جاتے ہی رہے ہیں۔ مگر اس معراج سے قبل جب بھی آپ عرش تک تشریف لے گئے تو نوری لباس اور نورانی پیکر میں تشریف لے گئے لیکن ستائیسویں رجب کی معراج میں ایک بڑی اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ جامہ بشری و پیکر انسانی میں فرش زمین سے عرش بریں پر تشریف لے گئے تاکہ آپ کے طفیل میں انسانیت کی

معراج ہو جائے اور یہ کہا جائے کہ اس دنیا میں ایک ایسا بھی انسان ہوا ہے جو دم زدن میں فرش سے عرش تک گیا اور پھر واپس آ گیا۔ اللہ اکبر۔ یہ معراج محمدی علیہ الصلوٰۃ کا طفیل ہے کہ ہر انسان فخر کے ساتھ یہ کہے گا کہ ہماری نوع انسانی کا ایک فرد اتنا عظیم المرتبت ہوا ہے جو عالم بالا کی رفعتوں کو پامال کرتا ہوا عرش مجید تک پہنچ گیا۔

حضرات! اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب کسی قوم کا کوئی شخص کسی بڑے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو وہ ساری قوم کے لیے باعث فخر و موجب سربلندی ہو جاتا ہے۔ دیکھئے اگر کسی برادری کا کوئی شخص وزیر اعظم یا چیف جسٹس سپریم کورٹ یا صدر جمہوریہ بن جائے تو اس پوری برادری کا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ پھر اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانی شکل وصورت میں فرش سے عرش تک تشریف لے گئے تو یہ تمام انسانی برادری کے لیے بہت ہی بڑا قابل فخر اعزاز وشرف ہو گیا اسی طرح گویا پوری انسانی برادری کی معراج ہو گئی۔ اسی لیے میں نے عرض کیا کہ ستائیسویں رجب کی معراج محمدی سے انسانیت کی معراج ہو گئی۔

معراج اور قرآن

برادرانِ اسلام! بہر حال معراج مصطفےٰ ایک ایسی درخشندہ وتابناک حقیقت ہے کہ عقل و فلسفہ بھی اس کی حقانیت کے اعتراف پر مجبور ہے اور قرآن کی آیات بینات اور احادیث صحیحہ کی تجلیات تو اس عظیم الشان معجزہ پر ایسی عالم افروز روشنی ڈال رہی ہیں کہ آفتاب نصف النہار کی طرح یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہے۔ چنانچہ انہیں آیات بینات میں سے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیت کریمہ بھی ہے جو میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے۔ اس آیت میں خداوند سبوح وقدوس نے معراج حبیب کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُo

حاضرین محترم! پہلے اس آیت مقدسہ کا ترجمہ سن لیجئے پھر ان شاء اللہ تعالیٰ میں اس کی تفسیر کے بعض گوشوں پر بھی روشنی ڈالوں گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اس کو اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ بہت زیادہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

حضرات! اس آیت میں سب سے پہلے لفظ ''اسریٰ'' پر غور فرمائیے کہ خداوند قدوس

ارشاد فرماتا ہے کہ معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تشریف نہیں لے گئے بلکہ خداوند تعالیٰ ان کو لے گیا۔

حضرات! خدا کے یہاں کسی کا خود جانا۔ یہ اور بات ہے اور خدا کسی کو اپنے دربار میں خود لے جائے۔ یہ اور بات ہے کہاں خود گئے؟ اور کہاں خدا لے گیا؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت جامی نے کیا خوب فرمایا۔

زسر سینہ اش جامی اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ برخواں
زمعراجش چہ می پرسی کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے لکھا کہ۔

نہ عرش ایمن نہ اِنِّیْ ذَاهِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطف اُدْنُ یَا اَحْمَدْ نصیب لَنْ تَرَانِیْ ہے

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں خود سے اپنے رب کے دیدار کے لیے گئے اور محبوب خدا کو عرش پر اپنا جلوہ دکھانے کے لیے خود خدا لے گیا تو کہاں وادی ایمن کی ''معراج موسوی'' اور کہاں عرش کی ''معراج محمدی''؟ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی درخواست پیش کی تو یہ جواب ملتا ہے کہ لَنْ تَرَانِیْ یعنی تمہاری آنکھوں میں ہمارے جمال با کمال کے دیدار کی تاب و طاقت ہی نہیں ہے اس لیے تم ہرگز ہرگز ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔ مگر جب صاحب لولاک سیاح افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرش پر مہمان بنا کر بلائے گئے اور سرادقات جاہ و جلال سے خداوند لم یزل ولایزال کے جمال کی تجلیاں دیکھ کر قدم آگے بڑھانے سے رک گئے۔ تو خداوند قدوس نے خود پکارا کہ ''اُدْنُ یَا اَحْمَدُ - اُدْنُ یَا مُحَمَّدٍ'' یعنی قریب آ آ اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ قریب آ جاؤ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ اکبر! کہاں جواب لن ترانی اور کہاں ندائے ربانی؟ اعلیٰ حضرت قبلہ نے قصیدۂ معراجیہ میں اس موقع پر کیا خوب فرمایا کہ۔

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لَنْ تَرَانِیْ کہیں تقاضے وصال کے تھے

عبدہٖ کا ایک نکتہ

برادرانِ اسلام! اس آیت میں ایک بڑا ہی وجد آفرین نکتہ اور بھی سنئے۔ رب العزت نے اس آیت میں اپنے حبیب کو بعبدہ سے تعبیر فرمایا۔ یہاں بِرَسُوْلِهٖ یَابنبہ یا حبیبہ نہیں

فرمایا۔ یعنی یوں نہیں فرمایا کہ خداوند عالم اپنے رسول یا اپنے نبی یا اپنے حبیب کو معراج میں لے گیا بلکہ یوں فرمایا کہ خداوند تعالیٰ اپنے بندے کو معراج میں لے گیا۔ اس طرز بیان میں خداوند عالم نے اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ معراج کا اعزاز جو میں نے اپنے حبیب کو عطا فرمایا ہے۔ یہ میرے حبیب کی سب سے پہلی صفت ''عبدیت'' کا انعام ہے۔ اب اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب محبوب کی سب پہلی صفت ''عبدیت'' کا انعام معراج ہے تو پھر میرے حبیب کی دوسری بڑی بڑی صفات عالیہ یعنی نبوت، رسالت، محبوبیت وغیرہ کے جلیل القدر انعاموں کا کیا عالم ہوگا؟

حضرات اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی بادشاہ کا ایک وزیر ہے اور یہ وزیر ایسا شخص ہے کہ اپنے گاؤں کا پردھان بھی ہے اور اپنے صوبہ کی یونیورسٹی کا چانسلر بھی ہے اور پورے ملک کا وزیر اعظم بھی ہے اب بادشاہ اس وزیر کے اعلیٰ کارناموں پر آج انعام کا اعلان کرنے والا ہے۔ چنانچہ بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ میں نے اپنے وزیر اعظم کو اپنے گاؤں کا ایک بہت اچھا پردھان ہونے کی حیثیت سے ایک لاکھ روپیہ انعام دیا تو بادشاہ کے اتنے ہی اعلان سے ہر شخص یہ سمجھ لے گا کہ جب پردھان ہونے کی حیثیت سے اتنا بڑا انعام ملا ہے تو ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کا چانسلر ہونے کی حیثیت سے اس کو کتنا بڑا انعام ملے گا اور پھر وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے یہ شخص کیسے کیسے عظیم و گراں قدر انعاموں کا مستحق ہوگا۔

تو حضرات گرامی! بلاشبہ ''اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ'' کو سنتے ہی اہل علم پر روشن ہو جائے گا کہ جب رب العزت نے اپنے حبیب کو عبد یعنی صرف اپنا بندہ ہونے کی حیثیت سے معراج جیسا عظیم الشان انعام عطا فرمایا۔ تو پھر نبی اللہ اور رسول اللہ اور حبیب اللہ ہونے کی حیثیت سے رب العالمین اپنے پیارے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے کیسے نامی گرامی انعام و اکرام کی نوازشوں سے سرفراز فرمائے گا۔

برادرانِ ملت! عبدیت ایک ایسی عام صفت ہے کہ ہر مخلوق میں یہ صفت موجود ہے۔ کون ہے جو خدا کا بندہ نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ:

اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ — یعنی زمین و آسمان کی تمام کائنات خدا کی عبد یعنی بندہ ہے۔

مگر سبحان اللہ! یہی صفت ''عبدیت'' جب محبوب خدا کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے تو اس طرح صاحب جمال و جلال نبی بے مثال کی تمام صفات بے مثل و بے مثال ہیں۔ اسی

طرح ان کی صفت ''عبدیت'' بھی ایسی بے مثل و بے مثال ہو جاتی ہے کہ آپ کی اس ایک صفت کا انعام ''معراج'' ہے !

برادرانِ ملت! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ خیر اب میں اصل مقصد کی طرف آتا ہوں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ میری آج کی تقریر کا موضوع ''معراج'' ہے۔

حضرات! معراج ایک ایسا جامع موضوع ہے کہ اگر اسکے تمام پہلوؤں پر مفصل روشنی ڈالی جائے تو اس کے لیے ہفتوں' بلکہ مہینوں کا وقت درکار ہے مگر آج کی مجلس میں میں معراج کے صرف تین سوالوں پر نہایت مختصر گفتگو کروں گا اور پھر آخر میں حدیث معراج کا ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ معراج کس لیے ہوئی؟

معراج جسمانی تھی یا روحانی

حضرات! یہ بحث کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ اس کے بارے میں مفسرین کرام نے بڑی جامع اور حقیقت افروز بحثیں کی ہیں۔ مگر ان کو پیش کرنے کے لئے نہ تو وقت ہی میں گنجائش ہے نہ یہ مجمع ہی اس کے لیے مناسب ہے۔ اس لئے میں تمام دلائل کو چھوڑ کر اس وقت صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جسم و روح کے ساتھ عالم بیداری میں معراج حاصل ہوئی اور میں اس مسئلہ پر روایت کی بجائے صرف ایک درایت پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو ان شاء اللہ تعالیٰ طالب حق کے لیے کافی ہے۔

برادرانِ ملت! یہ تو مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ شب معراج کی صبح کو جب حضور علیہ السلام نے اپنے سفر معراج کا حال بیان فرمایا تو کفار میں ایک ہلچل مچ گئی اور آپ نے ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ میں رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا۔ کہ کفار پاگل اونٹوں کی طرح بدکنے لگے اور چلا چلا کر تکذیب و انکار کرنے لگے۔ کوئی بیت المقدس کی نشانیاں پوچھنے لگا۔ کسی نے ملک شام سے آنے والے قافلہ کا حال دریافت کیا۔ کوئی راستہ کی منزلوں کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگا کچھ مذاق اڑانے لگے۔ کچھ لوگ چلا چلا کر یہ کہنے لگے کہ معراج کا دعویٰ بالکل غلط ہے اس سے بڑا جھوٹ نہیں بولا جا سکتا۔ غرض ہر طرف ایک شور و غوغا کا طوفان برپا تھا۔ حد ہو گئی کہ ابو جہل' حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کہ اتنے ابو

بکر! آج تمہارے پیغمبر نے یہ کہا ہے کہ وہ رات کی چند ساعتوں میں بیت المقدس تک جا کر واپس آ گئے کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ ایک ماہ کا راستہ چند منٹوں میں کوئی طے کر لے؟ یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتہائی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا کہ اے ابو جہل! اگر میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو میں دل سے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور زبان سے شہادت دیتا ہوں کہ ان کی ہر بات سچی ہے۔ لہٰذا ان کی معراج بھی حق ہے۔ چنانچہ اسی موقع پر آسمان سے آپ کے لیے "صدیق اکبر" کا خطاب نازل ہوا۔

خلاصہ یہ کہ معراج کا کافروں نے انتہائی شدومد کے ساتھ انکار کیا۔ جھٹلایا اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر دلیلیں طلب کیں۔ ان پورے پورے حالات وواقعات پر نظر ڈالنے سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی اعلان فرمایا تھا کہ میں بیداری کی حالت میں اپنے جسم کے ساتھ معراج میں گیا تھا ورنہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر معراج صرف ایک خواب کی بات ہوتی تو ہرگز ہرگز کفار اس کا انکار نہ کرتے اور نہ مذاق اڑاتے کیونکہ دنیا میں لوگ بڑے بڑے عجیب وغریب خواب دیکھا کرتے ہیں اور برملا بیان بھی کرتے ہیں۔ مگر کوئی بھی نہ خواب کو جھٹلاتا ہے نہ اس کا مذاق اڑاتا ہے نہ اس پر دلیل طلب کرتا ہے۔

لہٰذا برادرانِ ملت! میرے نزدیک معراج جسمانی بحالت بیداری ہونے کی سب سے بڑی دلیل تو یہی ہے کہ کفار نے انتہائی شدت کے ساتھ اس کو جھٹلایا انکار کیا۔ مذاق اڑایا اور دلیل طلب کی۔ اسی لیے اہل سنت وجماعت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ معراج بحالت بیداری جسم و روح کے ساتھ ہوئی۔ چنانچہ ملا احمد جیون علیہ الرحمۃ نے تفسیرات احمدیہ میں فرمایا کہ:

فَمَنْ قَالَ اَنَّهٗ بِالرُّوْحِ فَقَطْ اَوْفِی النَّوْمِ فَقَطْ فَمُبْتَدِعٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ فَاسِقٌ ۔ (تفسیرات احمدیہ ۳۲۹)

یعنی جو شخص یہ کہے کہ معراج صرف روح کو حاصل ہوئی۔ یا فقط خواب میں معراج ہوئی تو وہ شخص بدعتی، گمراہ، گمراہ کن اور فاسق ہے

حضرات! معراج جسمانی کے منکرین اکثر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول پیش کرتے ہیں کہ وہ معراج روحانی کی قائل تھیں۔ مگر محققین کے نزدیک ان کا یہ قول اس لیے قابل اعتبار نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج کے وقت بہت ہی کمسن تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں۔ (صاوی ج ۲ ص ۳۳۵)

بہر حال عزیزانِ ملت! اس درایت سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ معراج بحالت بیداری ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم وروح کے ساتھ معراج میں تشریف لے

گئے۔ پڑھیئے درود شریف: اللھم صلی وسلم وبارك علیٰ سیدنا و مولانا محمد واله وصحبه اجمعین ط

معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی

برادرانِ ملت! اب رہا دوسرا سوال کہ معراج کہاں سے کہاں تک ہوئی اور اس کی اعتقادی حیثیت کیا ہے؟ تو اس بارے میں اہل حق کا عقیدہ یہ ہے کہ معراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کے اوپر بالائے عرش مجید جہاں تک رب العالمین عزوجل نے چاہا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیر فرمائی اور معراج کی اعتقادی حیثیت کے بارے میں عام طور پر علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا ثبوت تو قرآن مجید سے ہے اور اسکا انکار کرنے والا کافر ہے اور مسجد اقصیٰ سے آسمان دنیا تک معراج حدیث مشہور سے ثابت ہے اور اس کا منکر بدعتی و گمراہ ہے اور آسمان اول سے بالائے عرش تک کی معراج خبر واحد سے ثابت ہوئی ہے اور اس کا انکار کرنے والا فاسق ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۳۲۸)

مگر محققین علماء کا یہ قول ہے کہ مسجد حرام سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی معراج کا ثبوت بھی قرآن مجید سے ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی سے جس طرح مسجد اقصیٰ تک معراج کا ثبوت بالکل واضح ہے اسی طرح سورۃ ''والنجم'' کی آیات کریمہ سے آپ کا ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک تشریف لے جانا بھی بالکل ظاہر ہے دیکھ لیجئے! ''سورۂ والنجم'' میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰیo ذُوْمِرَّةٍط فَاسْتَوٰیo وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی o ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی o فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰیo

یعنی انہیں تعلیم دی سخت قوتوں والے طاقتور نے پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا۔ پھر خوب اتر آیا۔ تو ان جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا۔ بلکہ اس سے بھی کم۔

فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰیo مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی o اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰیo وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی o عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی o

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی یعنی دل نے جھوٹ نہیں کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟ اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰىO — کے پاس اس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے۔

(ترجمہ رضویہ)

برادرانِ اسلام! سورۂ والنجم کی ان آیات میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ آیت میں "شدیدُ القویٰ" سے مراد باری تعالیٰ کی ذات ہے اور حضور نے باری تعالیٰ کو دیکھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ "شدیدُ القویٰ" سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ بہر حال ان آیتوں سے اتنا تو یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "سدرۃ المنتہیٰ" اور جنۃ الماویٰ تک پہنچے اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ اور جنۃ الماویٰ ساتویں آسمان کے اوپر ہیں۔ الحاصل سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ والنجم کی آیتوں کے پڑھنے سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ اور جنت الماویٰ تک معراج کا ثبوت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ چنانچہ ملا احمد جیون علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

اِنَّ الْـمِـعْـرَاجَ اِلٰى مَا فَوْقَ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ اَيْضًا ثَابِتٌ بِالْقُرْاٰنِ وَقَدْ يَدُلُّ عَلَيْـهِ مَا ذُكِرَ فِى سُوْرَةِ وَالنَّجْمِ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى . — یعنی حق یہ ہے کہ بیت المقدس سے اوپر کی معراج بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور سورۂ والنجم کی آیات اس کی دلیل ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ۳۲۸)

معراج کس لیے ہوئی؟

خیر برادرانِ ملت! اب رہ جاتا ہے یہ تیسرا سوال کہ معراج کس لیے ہوئی؟ تو اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ "لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا" یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج میں اس لیے بلایا تا کہ ہم ان کو اپنی قدرت اپنی ربوبیت اپنی حکمت غرض اپنی تمام صفات کی آیات بینات اور عالم ملک وملکوت کی تمام کائنات کا مشاہدہ کرا دیں۔

حضرات! خداوند قدوس کی نشانیاں دو قسم کی ہیں۔ ایک آیات صغریٰ یعنی چھوٹی نشانیاں اور دوسری آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں۔ سورۂ والنجم میں رب العزت جل جلالہٗ نے فرمایا کہ:

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى — یعنی محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج میں اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا۔

مطلب یہ ہے کہ آیات صغریٰ تو بہت سے خواص یعنی اولیاء وانبیاء علیہم السلام کو دکھائی گئیں مگر آیات کبریٰ یعنی بڑی بڑی نشانیاں دیکھ لینا یہ صرف نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا جن کو دکھانے کے لیے رب العرش نے آپ کو معراج میں بلایا۔ اب رہا یہ سوال کہ کن کن آیات کبریٰ کا رب العزت نے اپنے حبیب کو مشاہدہ کرایا؟ اور کون کون سی بڑی بڑی نشانیوں کو حبیبِ خدا نے دیکھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا علم اللہ اور رسول کے سوا کسی کو نہیں۔ اس کو بس دکھانے والا ہی جانتا ہے کہ اس نے کیا کیا دکھایا اور دیکھنے والے ہی جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا دیکھا؟

بزرگو اور بھائیو! آپ اس کو یوں سمجھئے کہ دنیا میں اگر کوئی مہمان کہیں بلایا جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ جس حیثیت کا مہمان اور میزبان ہوتا ہے اسی حیثیت کی مہمانداری و مہمان نوازی ہوا کرتی ہے۔ پھر یہ بھی قاعدہ ہے کہ میزبان اپنے مہمان کو اپنے شہر کی انوکھی اور عجیب عجیب چیزیں دکھایا کرتا ہے۔ بس اسی طرح آپ سمجھ لیجئے کہ جب رب العالمین نے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کو اپنا مہمان بنا کر معراج میں بلایا تو ظاہر ہے کہ جس شان کا مہمان اور جس شان کا میزبان اسی شان کی مہمان نوازی بھی ہوئی ہوگی اور اسی لحاظ سے مہمان کو عجائب قدرت و غرائب حکمت اور آیات کبریٰ کا مشاہدہ بھی کرایا گیا ہوگا۔ اب دیکھ لیجئے کہ مہمان رحمۃ للعالمین اور میزبان رب العالمین ہیں تو اور میزبان رب العالمین ہیں تو پھر سمجھ لیجئے کہ کتنی شاندار مہمان نوازی ہوئی ہوگی اور کیا کیا انہیں دکھایا گیا ہوگا۔ مگر مشکل تو یہ ہے کہ سمجھے تو کون سمجھے؟ اور بتائے تو کون بتائے؟ یہاں تو وہی معاملہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ؎

اُٹھے جو قصر دنا کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ وہ بھی نہیں ارے تھے

سراغ این و متیٰ کہاں تھا؟ نشان کیف و الیٰ کہاں تھا!
نہ کوئی راہی، نہ کوئی تھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے

حجاب اُٹھنے میں لاکھوں پردے ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے!

معراج کی مہمان نوازیاں

برادرانِ ملت! شب معراج دربار خداوندی میں عرش مجید کے مہمان کی کیسی کیسی مہمان

نوازیاں ہوئیں؟ اور رب العرش نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیسی کیسی عظمتوں اور عزتوں کی سربلندیوں سے سرفراز فرمایا؟ تو حقیقت تو یہ ہے کہ ہم انسانوں کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا۔

دوستو اور بزرگو! ہم کیا چیز ہیں؟ خود عرش بریں کو خبر نہیں کہ بالائے عرش کیا ہوا؟ اللہ اکبر! سچ فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے۔

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
جان مراد اب کدھر؟ ہائے ترا مکان ہے
عرش پہ جاکے مرغِ عقل تھک کے گرا غش آگیا
اور ابھی منزلوں پرے سے پہلا ہی آستان ہے!

مگر بہرحال مہمان معراج کی چند مہمان نوازیوں کے جلوے آپ کو دکھاتا ہوں۔ اگرچہ الفاظ کی تاب و طاقت نہیں ہے کہ کما حقہ اس کی تصویر کشی کرسکے۔ سنیئے! روایت ہے کہ جب سرادقات جاہ و جلال کو طے فرما کر مہمان معراج مقام قاب قوسین اوادنیٰ کی منزل بلند پر تشریف فرما ہوئے اور بارگاہ رب العرش میں انتہائی قرب کے شرف سے سرفراز ہوئے تو دربار خداوندی میں آداب کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ۔ یعنی ہماری قولی، فعلی، مالی تمام عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔

اس کے جواب میں مالک عرش مجید نے تحفہ سلام پیش فرما کر مہمان معراج کا استقبال فرمایا کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ یعنی اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

جب خداوند عالم نے اپنے حبیب کو سلام کیا تو عرش اعظم کے مہمان نے سلامِ خداوندی کا اس طرح جواب دیا کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ یعنی اے خدا تعالیٰ! ہم پر بھی سلام ہو اور تیرے نیک بندوں پر بھی۔

پھر عالم بالا کے فرشتوں نے یہ نعرہ لگایا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ۔

سبحان اللہ!

ادھر سے تھیں نذر شہ نمازیں ادھر سے انعام خسروی تھے
سلام و رحمت کے ہار گندھ کر گلوئے پر نور میں پڑے تھے

برادرانِ ملت! بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس سلام و جواب سلام کے بعد

تَکَلَّمَ مَعَهُ تِسْعِيْنَ اَلْفَ حِکَايَةٍ اِسْرَارًا وَّاَخْبَارًا وَّاَحْکَامًا (تفسیرات احمدیہ ۳۳۰) یعنی خداوند قدوس نے اپنے حبیب سے نوے ہزار حکایتیں بیان فرمائیں جن میں سے کچھ اسرار تھے کچھ خبریں تھیں کچھ احکام تھے

بزرگو اور بھائیو! یہی وہ حکایات و کلمات ربانیہ ہیں جن کو سورۂ والنجم میں فرمایا کہ:

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی ۔ یعنی جو کچھ اپنے بندے کی طرف وحی کرنی تھی وہ خداوند عالم نے وحی کر دی۔

اور جو کچھ اپنے محبوب سے فرمانا تھا وہ فرما دیا۔ غور کیجئے کہ اس کلام میں کس قدر ابہام و اختصار ہے؟ محبوب و محب میں کیا کیا گفتگو ہوئی؟ اور رب العرش نے اپنے مکرم مہمان کو کن کن کلاموں سے نوازا۔ اس کی کوئی تفصیل خداوند عالم نے بیان نہیں فرمائی بلکہ صرف اتنا بیان فرما دیا کہ جو کچھ کہنا تھا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دیا۔

علامہ صاوی فرماتے ہیں کہ اس ابہام میں اس طرف اشارہ ہے کہ باری تعالیٰ نے ایسی ایسی عظیم الشان باتیں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائی ہیں کہ نہ تو الفاظ کے متحمل ہو سکتے ہیں' نہ مخلوقات میں کوئی ایسا ہے جو ان باتوں کو سمجھ سکے۔ (صاوی جلد ۴ ص ۳۳۸)

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ:

قَدْ اَوْحَی اللّٰهُ يَا مُحَمَّدُ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ خَلَقْتُهٗ لِاَجْلِكَ ۔ (تفسیر احمدیہ ص ۲۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ وحی فرمائی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ہوں اور تو ہے اور اس کے سوا کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لیے پیدا فرمایا ہے۔

تو جواب میں مہمان عرش نے عرض کیا کہ:

يَا رَبِّ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ تَرَكْتُهٗ لِاَجْلِكَ ۔ (تفسیرات احمدیہ صفحہ ۲۲۹) یعنی اے پروردگار! میں ہوں اور تو ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب میں نے تیرے لیے چھوڑ دیا۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شب معراج جو کچھ وحی کی گئی اِن میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں۔

۱-ایک نماز کی فرضیت۔
۲-دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں۔
۳-تیسرے یہ کہ امت محمد یہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تمام گناہ شرک کے سوا بخش دیئے جائیں گے۔(حاشیہ جلالین بحوالہ لمعات ص ۲۲۷)

برادرانِ اسلام! سبحان اللہ! مہمان عرش عظیم کی مہمانی کا کیا کہنا؟ خداوند عالم نے سلام کے بعد رحمتوں اور برکتوں کو نچھاور فرمایا۔ پھر نوے ہزار حکایتیں سنا کر محبوب کی دلبستگی فرمائی۔ جن حکایتوں میں اسرار و اخبار اور احکام شرعیہ کے خزانے بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح فضل ربانی سے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ خزائن علوم و عرفان کا سفینہ بن گیا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ بلکہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام کائنات کا علم عطا فرما کر آپ کو اعلم الخلق بنادیا۔

حضرات! یہ میری شاعری یا لفاظی نہیں بلکہ یہ مستند حدیثوں کا عطر ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ سن لیجئے! ایک حدیث پڑھ دیتا ہوں۔ صاحب معراج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ قَالَ فِیْهِ یَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ ۔ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّهٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُّ بَرْدَهَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔(مشکوٰۃ ۷۰)

یعنی میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والی جماعت یعنی فرشتے کس چیز کے بارے میں بحث کر رہے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ الٰہی! تو ہی اس کو زیادہ جانتا ہے۔ پھر خداوند قدوس نے اپنے فیض رسانی کی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان میں محسوس کی۔ تو مجھے ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے

سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ یہ ہے مہمان معراج کی ضیافت و مہمان نوازی کی شان! کہ مالک عرش مجید نے اپنی رحمت و شفقت کی ہتھیلی کو محبوب کے شانوں پر رکھ کر اپنی لامحدود نوازشوں سے اپنے محبوب کو نوازا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سینے کو تمام کائنات

آسمان وزمین کے علوم کا خزانہ بنادیا۔

برادران گرامی! صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں بڑی نفیس بات لکھی ہے جو سننے کے قابل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھنا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند عالم کا فضل عظیم اور فیضانِ عمیم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بہت ہی زیادہ ہے کیونکہ جو شخص کسی پر بہت زیادہ مہربان ہوتا ہے تو اس کے دونوں شانوں کے درمیان ہتھیلی رکھ دیتا ہے۔ تاکہ سب لوگوں کو متنبہ کردے کہ یہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل مہربانی ولائق اکرام ہے اور اس کو سب سے زیادہ میری تائید ونصرت اور امداد واعانت حاصل ہے"۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۷۰)

پڑھیئے درود شریف: **اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد وعلیٰ اله واصحبه وبارك وسلم۔**

معراج المومنین

حضرات! معراج کے تحفوں کا ذکر آ گیا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ نماز پنجگانہ بھی انہیں تحائف میں سے ہے جو مالک عرش نے مہمان عرش کی مہمان نوازی میں عطا فرمایا یہ اتنا عظیم الشان تحفہ ہے کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ یعنی نماز مومنوں کی معراج ہے۔

برادرانِ اسلام! نماز مومنوں کی معراج کس طرح ہے؟ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ دیکھئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت قرب خداوندی حاصل تھا۔ مگر سب سے زیادہ قرب معراج میں حاصل ہوا۔ تو چونکہ مومنین کو سب سے زیادہ قرب خداوندی نماز میں حاصل ہوتا ہے اس لیے نماز مومنوں کی معراج ہوئی۔ معراج عرش تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان کے لائق ہے۔ اس لیے انہیں معراج عرشِ بریں عطا کی گئی اور آپ کے غلاموں کی شان کے لائق یہی معراج تھی کہ انہیں خداوند قدوس کی نزدیکی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ انہیں نماز میں یہ معراج زمین پر عطا کی گئی اور یہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ پہلے پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی تھی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے بار بار مہمان عرش نے بارگاہ رب العرش میں تخفیف کی التجا کی۔ تو کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی نماز رہ گئی۔ مگر خداوند قدوس نے فرمایا کہ:

"اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پانچ وقت کی نمازیں پچاس وقت ہی کی نمازیں ہیں۔

کیونکہ میں آپ کی امت کو پانچ وقت کی نماز پر پچاس وقت کی نمازوں کا ثواب دوں گا''۔

چند آیات کبریٰ

بہر کیف برادرانِ ملت! میں عرض کر رہا تھا۔ کہ معراج کس لیے ہوئی ؟ تو خداوند عالم نے معراج کی حکمت خود ہی بیان فرمائی کہ:

لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا۔ یعنی معراج اس لیے ہوئی تا کہ رب العرش مہمان عرش کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔

اور یہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ سورۂ والنجم میں ارشاد ربانی ہے کہ ان نشانیوں سے مراد آیات کبریٰ یعنی بڑی نشانیاں ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں چندان بڑی نشانیوں کا بھی ذکر سنادوں جن کا معراج میں مہمان عرش کو مشاہدہ کرایا گیا۔

دیدار الٰہی

برادرانِ ملت! سب سے بڑا انعام ربانی اور اعلیٰ سے اعلیٰ نشانی تو یہی ہے کہ رب العزت جل جلالہٗ نے مہمان معراج کو اپنے دیدار پر انوار کی دولت سے مالا مال فرما دیا اور اس طرح کہ:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ یعنی نہ آنکھ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی

اور آپ نے اپنی آنکھوں سے رب کریم کا دیدار کر لیا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں خود ارشاد فرمایا کہ:

فَخَاطَبَنِیْ رَبِّیْ وَرَاَیْتُهٗ بِعَیْنَیْ بَصَرِیْ فَاَوْحٰی . (صاوی ۳۲۸) یعنی میرے رب نے مجھ سے کلام فرمایا اور میں نے اپنے پروردگار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس نے میری طرف وحی فرمائی۔

سبحان اللہ! کسی نے خوب کہا ہے ۔

خدا کو کسی نے نہ آنکھوں سے دیکھا ۔ مگر جا کے خیر البشر دیکھ آئے

حضرات! مجھے اس وقت حضرت عارف برعی علیہ الرحمۃ کے تین اشعار یاد آ گئے جو سننے کے قابل ہیں۔

وَاِنْ قَابَلْتَ لَفْظَةَ لَنْ تَرَانِیْ
بِمَا كَذَبَ الْفُؤَادُ فَهِمْتَ مَعْنٰی

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دیدار کی درخواست پر لن ترانی فرمایا گیا اور

حبیب کے لیے مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ارشاد ہوا۔ اگر تم ان دونوں کا مقابلہ کرو گے تو ایک بہت بڑا مطلب تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ کَلَّمَ ذَاکَ وَحْیًا
وَکَلَّمَ ذَا مُشَافَۃً وَ اَدْنٰی

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی دور سے کلام فرمایا اور حبیب کو انتہائی قرب عطا فرما کر بالمشافہ کلام فرمایا۔

فَمُوْسٰی خَرَّ مَغْشِیًّا عَلَیْہِ!
وَاَحْمَدُ لَمْ یَکُنْ لِیَزِیْغَ ذِھْنًا

پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام تجلی دیکھ کر استغراق کی کیفیت میں زمین پر لیٹ گئے اور احمد مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذہن میں کوئی کجی بھی نہیں پیدا ہوئی۔

حضرات! بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار اپنے سر کی آنکھوں سے فرمایا۔ چنانچہ حضرت امام اشعری علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ:

رَاٰی رَبَّہٗ بِبَصَرِہٖ وَعَیْنَیْ رَاْسِہٖ ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح مذہب ہے۔
(زرقانی جلد ۶ ص ۱۸۶)

جنت و دوزخ کی سیر

برادرانِ ملت! پیارے مصطفےٰ نے دیدار الٰہی کے علاوہ سدرۃ المنتہیٰ عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ وغیرہ کے تمام عجائب و غرائب کا معائنہ فرمایا۔ جو سب آیات کبریٰ اور بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ آپ نے دراوغہ جنت حضرت رضوان اور داروغہ جہنم حضرت مالک علیہما السلام سے بھی ملاقات فرمائی اور جنت و جہنم کی نعمتوں اور عذابوں کے مناظر بھی دیکھے جہنم میں یہ دیکھا کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور دوسرے خاص خاص مجرمین کو بھی عذابوں میں مبتلا دیکھا۔ مثلاً ایک قوم کو دیکھا کہ فرشتے پتھر کی چٹانوں سے ان کے سر کچل دیتے ہیں اور پھر ان کے سر بدستور درست ہو جاتے ہیں۔ جبریل امین نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ فرض

نمازوں سے ان کے سر بوجھل ہوا کرتے تھے اور یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

ایک جماعت کو کانٹوں والی گھاس اور تھوہر کا درخت کھاتے دیکھا جو ان کی حلقوں میں پھنستا ہے یہ وہ لوگ تھے جو زکوٰۃ نہیں ادا کرتے تھے۔ ایک گروہ کو دیکھا کہ قینچیوں سے ان کی زبان اور ہونٹ کو فرشتے بار بار کاٹ رہے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

هٰؤُلَآءِ خُطَبَآءُ الْفِتْنَةِ ۔ یہ وہ واعظین ہیں جو اپنے وعظوں سے امت میں فتنہ پھیلاتے تھے۔

ایک جماعت کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پیٹ بڑے بڑے گنبدوں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں اور وہ جب اٹھتے ہیں تو گر پڑتے ہیں۔ حضرت جبریل نے بتایا کہ:

هُمْ اٰكِلَةُ الرِّبَا ۔ کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔ (زرقانی جلد۶ ص۴۲ وصحاح ستہ)

اسی طرح جب جنت کی سیر فرمائی تو اپنے بعض خاص خاص غلاموں کو بہشت میں دیکھا اور بعض امتیوں کے جنتی محلات کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوبدار کی طرح جنت میں اپنے آگے آگے چلتے ہوئے دیکھا' اور حضرت ابو طلحہ صحابی کی بیوی حضرت رمیسا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی آپ نے جنت کی نعمتوں سے سرفراز دیکھا۔ جناب اقبال احمد سہیل نے اس کی منظر کشی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

نظر سے عالم ناسوت کے سارے حجاب اٹھے
بری العین کی سیر بہارستان رضوانی
رُمیسا زوجۂ بو طلحہ کی تقدیر کیا کہنا
کہ خود دیکھا نبی نے ان کو فی روح و ریحانی
سنی سرکار نے جنت میں آواز خرام ان کی
بلال پاک کے طالع کی اللہ رے درخشانی!

حضرت عمر کا جنتی محل

اسی طرح اپنے دوسرے غلاموں کے بہشتی محلات کے ساتھ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک محل جنت میں دیکھا جو اپنی خوبصورتی و نفاست کے لحاظ سے بہت ہی نرالی شان رکھتا تھا۔ جناب سہیل اسکی تصویر کشی فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

بڑھے آگے تو وسط ساحت فردوس میں دیکھا
بلند و پر شکوہ و دل کشا اک قصر لاثانی
وہ شفاف و شفق گوں رنگ جیسے حل ہو کوثر میں!
بتا شیر سحر سیم قمر یا قوت رمانی

چمن میں رشک شبنم کی جگہ درنجف غلطاں
روش پر سنگریزوں کی جگہ لعل بدخشانی
یہ ایواں دیکھتے ہی آپ نے حیرت سے فرمایا!
ہے کس کے واسطے یہ اہتمام جلوہ سامانی !

فرشتوں نے کہا فاروق کی دولت سرا ہے یہ
یہ قصر اس کا ہے طالب جس کے ہیں محبوب یزدانی
شہید اور منصب صدیقیت کے اولیں وارث
امیر اور مسند ختم الرسل کے جانشیں ثانی

الغرض مہمان معراج جنتوں کی سیر فرماتے ہوئے اور عجائب قدرت کی آیات بینات کا نظارہ فرماتے ہوئے آگے بڑھے تو کیا کیا دیکھا؟ اللہ اکبر اللہ اکبر!۔

یہاں سے پھر بڑھے سرور تو وہ جلوے نظر آئے
کہ اجمالاً بھی کچھ لکھئے تو اک دفتر ہو طولانی
غرض ملکوت کا ہر گوشہ چھانا اور جہاں پہنچے
نظر کے سامنے آتی گئیں آیات ربانی !

برادران ملت! یہی مطلب ہے ''لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا '' کا یعنی ہم نے اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کو معراج میں اسی لیے بلایا تھا کہ وہ ہماری ان آیات کبریٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ پڑھیے درود شریف اللھم صلی علی سیدنا و مولانا محمد و علی اٰله واصحابه وبارك وسلم ط

حضرات! اب اس آیت کریمہ کا آخری جملہ رہ گیا اس کے بارے میں بھی کچھ سن لیجئے ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۝ یعنی بے شک وہ بہت زیادہ سننے والا اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ کے بارے میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ سننے والا اور بہت زیادہ دیکھنے والا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اب آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت زیادہ سننے والے اور دیکھنے والے ہیں۔ (صاوی جلد اص ٣٣٥)

برادرانِ اسلام! یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ سمیع و بصیر ہے اور اس کی تمام صفتوں کی طرح اس کا سننا اور دیکھنا بھی ازلی ابدی اور لامحدود ہے۔ مگر دوسرے قول کی بناء پر جب یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صفتیں قرار دی جائیں تو یہ ایسا ہی ہوگا جس طرح خداوند پاک نے اپنے دوسرے چند نام مثلاً رؤف، رحیم وغیرہ۔ اپنے حبیب کو عطا فرمائے اسی طرح سمیع و بصیر اپنے دو مقدس ناموں کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخش دیا اور سبحان اللہ! محبوب خدا کے سننے اور دیکھنے کو کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاِنِّیْ اَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ ۔ یعنی اے دنیا والو! میں ان چیزوں کو دیکھ رہا ہوں جن کو تم لوگ نہیں دیکھتے اور میں وہ سن رہا ہوں جس کو تم لوگ نہیں سن پاتے۔

مسلمانو! یہ بات ایمان کی ہے اور ذرہ برابر اس میں شبہ نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا اور سننا تمام عالم سے بڑھ کر ہے کیونکہ خداوند قدوس نے آپ کو سمیع و بصیر فرمایا ہے۔

"خیر" بزرگو اور بھائیو! میں نے تمہید میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ اب میں حدیث معراج سنا کر آپ سے رخصت ہوں گا۔

حضرات! یہ کم لوگوں کو معلوم ہے کہ معراج کے بارے میں احادیث کے ذخیروں کا یہ عالم ہے کہ واقعہ معراج کی روایتیں تقریباً پینتالیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور حدیث معراج کو ان تمام محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے جو بلاشبہ فن حدیث کے امام بلکہ یوں کہئے کہ آسمان علم الحدیث کے ایسے روشن ستارے ہیں جن سے قیامت تک علم و عمل کی دنیا روشن رہے گی۔ میں ان روایات کا ایک جامع خلاصہ آپ کو سناتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالیٰ واقعات معراج کا ایک نہایت روشن نقشہ آپ کے ایمانی ذہنوں میں نقش ہو جائے گا۔ لہٰذا بغور سنئے!

حدیث معراج

حضرات! نبوت کا بارہواں سال اور رجب کی ستائیسویں رات تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم جب ام ہانی بنت ابو طالب کے گھر بستر نبوت پر استراحت فرمارہے تھے۔آنکھیں محوخواب تھیں مگر دل بیدار تھا کہ ناگاہ جبریل امین بارگاہ رحمۃ العالمین میں حاضر ہوئے اور عالم قدس کی بزم نور میں شرکت کے رب العزت کا دعوت نامہ پیش کیا۔چنانچہ مہمان عرش حریم ام ہانی سے نکل کر حرم کعبہ میں تشریف لائے۔

حضرت سہیل لکھتے ہیں کہ۔

رجب کی بست و ہفتم بارہواں سال نبوت تھا
کہ بخشا خلوت آرائے ازل نے فخر مہمانی
حریم اُم ہانی میں حضور ﷺ آرام فرما تھے
دراقدس پہ قدسی و ملک تھے محو دربانی
دو چشم نرگس تھیں بند لیکن چشم دل وا تھی!
سرہانے طالع بیدار کرتا تھا نگہبانی
ادب سے آکے جبریل امیں نے یہ گزارش کی
کریں سرکار ﷺ بزم نور تک تشریف ارزانی

پھر جناب جبریل علیہ السلام نے آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے قلب منور کو آب زمزم سے دھویا اور قلم وعلم اور یقین وایمان سے پر کر کے پھر قلب انور کو سینہ منور میں رکھ کر بند کر دیا اور حرم کعبہ سے روانہ ہوئے اور براق پر سوار ہو کر مہمان الٰہی سفر معراج کے لیے چل پڑے۔براق کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں تک نگاہ جاتی تھی اتنا لمبا اس کا ایک قدم ہوتا تھا۔

سنی روح القدس سے جب طلب بزمِ حضوری کی!
اٹھے اور دی براق پاک پر داد سبک رانی!
براقِ برق پیکر لے چلا یوں ذات انور کو
فضا میں تیر جائے جس طرح بجلی کی تابانی

حرم سے چل کے اول مسجد اقصیٰ میں منزل کی
وہاں سے جلوہ گاہ قدس تک جانے کی پھر ٹھانی!

بیت المقدس پہنچ کر یہ دیکھا کہ انبیاء ورسولوں کی مقدس جماعت استقبال وخیر مقدم کے لیے حاضر ہے۔امام المرسلین نے امامت فرمائی اور تمام انبیاء ومرسلین نے مقتدی بن کر آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔اعلیٰ حضرت قبلہ فرماتے ہیں۔

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سرّ عیاں ہوں معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے

نماز کے بعد جناب جبریل امین نے ایک برتن میں شراب اور ایک برتن میں دودھ پیش کیا سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ کا برتن اٹھالیا۔ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ یعنی آپ نے دین اسلام کو پالیا۔

اگر آپ شراب کا برتن لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک برتن میں پانی بھی تھا اور حضرت جبریل امین نے فرمایا کہ اگر آپ پانی کو پسند فرماتے تو آپ کی امت غرق ہو جاتی۔

برادرانِ ملت! اب یہاں سے آسمان دنیا کی طرف عروج فرمایا اور آن واحد میں فضا کو پار کر کے آسمان اول پر تشریف فرما ہو گئے سبحان اللہ!

حضور اس طرح گزرے گنبد مینائے گردوں سے
نظر جس طرح شیشے سے گزر جائے بہ آسانی

ملائک اور رسل صف بستہ استقبال کو آئے
اٹھا افلاک میں ہر سمت شور تہنیت خوانی!

سر راہ ہر قدم پر ذوق نظارہ کی تسکیں کو
حقائق کا تراکم تھا' مناظر کی فروانی!

پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مرحباً الابن الصالح فرما کر استقبال فرمایا اور دعائیں دیں اسی طرح دوسرے آسمان میں حضرت عیسیٰ و حضرت یحییٰ علیہما السلام سے' اور تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے' اور چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے اور چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقاتیں کیں سب نے مرحبا کہہ کر خیر مقدم کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بیت المعمور سے مسند لگا کر رونق افروز ہیں آپ نے مرحبا اور دعا کے بعد فرمایا کہ اے پیارے نبی! آپ اپنی امت سے میرا سلام و پیغام کہہ دیجئے کہ جنت کی مٹی بہت خوشبودار اور پانی نہایت ہی شریں ہے اور جنت کے درخت سبحان اللہ و الحمد للہ و لاالٰہ الااللہ

و اللہ اکبر ہیں بیت المعمور کا یہ منظر دیکھا کہ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ جن کو زندگی میں پھر دوبارہ حاضری کا موقع نہیں ملتا۔ بیت المعمور کی آیات کبریٰ کا معائنہ فرمانے کے بعد آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کے جمالستان کا نظارہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ سونے کی بے شمار ٹڈیاں سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانپے ہوئے ہیں۔ یہی وہ حسین منظر ہے جس کو قرآن مجید نے فرمایا کہ:

اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی۔ یعنی جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا

پھر آپ نے مقام ''مستویٰ'' میں عروج فرمایا۔ جہاں قضا و قدر لکھنے والے فرشتوں کے قلموں کی آوازیں آپ کو سنائی دیں اس مقام پر آپ نے دیکھا کہ رفرف سواری کے لیے حاضر ہے۔ چنانچہ جب آپ نے رفرف پر سوار ہو کر عروج کا ارادہ فرمایا تو کیا دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے جدا ہو رہے ہیں۔ اس وقت مہمان عرش نے حیران ہو کر فرمایا۔

بدو گفت سالار بیت الحرام　　　که اے حامل وحی برتر خرام

سردار بیت الحرام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اے وحی کے لانے والے اوپر چلئے!

چو در دوستی مخلصم یافتی　　　عنانم ز صحبت چرا تافتی

اے جبرئیل! جب دوستی میں آپ نے مجھے مخلص پایا تو پھر میری ہمراہی سے آپ اعراض کیوں کر رہے ہیں؟

بگفتا فراتر مجالم نماند　　　بماندم کہ نیروئے بالم نماند!

جناب جبرئیل علیہ السلام جواب دیتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! اب اس سے اوپر چلنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے میں اب عاجز آ چکا ہوں۔ کیونکہ میرے بازوؤں کی طاقت جواب دے چکی ہے۔ یارسول اللہ ﷺ! اب میں آپ کے ساتھ ایسے مقام تک آ گیا ہوں کہ۔

اگر یک سرموئے برتر پرم　　　فروغ تجلی بسوزد پرم

یعنی اگر میں بال کی نوک کے برابر اس مقام سے اوپر پرواز کروں گا تو پھر خداوندی جاہ و جلال کی تجلیات سے میرے پر جل جائیں گے۔

برادرانِ ملت! عرش الٰہی کے مہمان اب ایک ایسی منزل میں پہنچ رہے ہیں کہ نہ اس کو منزل کہہ سکتے ہیں نہ مکان۔ اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟ کہ آپ لامکاں میں تشریف لے جا رہے ہیں جہاں نہ کسی کا وہم پہنچ سکتا ہے نہ گمان۔

خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے کوئی بتائے کدھر گئے تھے
سراغ ''این و متیٰ'' کہا تھا؟ نشان کیف والی کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے!

الغرض آپ رفرف پر سوار ہو کر آگے بڑھے اور عالم ملک وملکوت کی سیر فرما کر اب عالم عزت وجبروت کی منازل کو طے فرماتے ہوئے عروج فرمارہے ہیں۔ روایت ہے کہ عالم تنہائی میں جب آپ جاہ وجلال کے پردوں سے گزر رہے تھے۔ تو اس وقت ربانی جلال وجبروت کی ہیبتوں سے آپ پر کچھ خوف کی سی کیفیت طاری ہوئی۔ اس وقت یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز آئی کہ:

قِفْ اِنَّ رَبَّكَ يُصَلِّيْ۔ یعنی ٹھہر جائیے آپ کا رب آپ پر رحمت نازل فرمارہا ہے۔

یارِ غار کی آواز سن کر آپ کو سکون قلب حاصل ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں اسی فکر میں تھا کہ ابوبکر کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ کہ اتنے میں مجھے رب اعلیٰ نے پکار کر اُدْنُ يَا اَحْمَدُ اُدْنُ يَا مُحَمَّدُ ۔ (زرقانی جلد۶ ص۹۳) آخر چلتے چلتے رفرف بھی رک گیا اور آپ مقام دَنَا فَتَدَلّٰی اور منزل قاب قوسین اوادنیٰ میں پہنچ کر بارگاہ سبوح وقدوس میں شرف باریابی سے سرفراز ہو گئے۔

سواد لا مکاں تک رک گیا رفرف کہ اس کو بھی
کہاں اس خلوت وحدت میں اذن گرم جولانی
کسی نے لے لیا خود بڑھ کے آغوش محبت میں
ہوا ملک قدم خلوت سرائے حسن امکانی

برادرانِ ملت! منزل قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی کیا ہے؟ قرب الٰہی کی وہ بلند ترین منزل ہے جو صرف مہمان عرش ہی کو حاصل ہوئی۔ آپ کے سوا کسی نبی ورسول یا مقرب فرشتے کو کبھی یہ رتبہ نصیب نہیں ہوا۔

قاب قوسین کی ایک تفسیر

حضرات! ''قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی'' کی تفسیر میں امام مجاہد نے ایک بڑی نفیس بات فرمائی ہے

جس کو اکثر مفسرین نے بہت ہی پسند فرمایا۔ اس کو بھی سن لیجئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم عرب کے محاورے پر نازل ہوا ہے اور عربوں کا دستور تھا کہ جب دو بادشاہ ایک دوسرے سے انتہائی محبت کا معاہدہ کرتے تھے تو دونوں اپنی کمانیں اور تیر لے کر میدان میں نکلتے تھے اور دونوں اپنی اپنی کمانوں کو ایک ساتھ ملا کر دونوں کمانوں سے ایک تیر چلایا کرتے تھے۔ یہ اس بات کا اعلان ہوتا تھا کہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کے ایسے محب اور دوست بن گئے ہیں کہ جو ایک کا دوست ہوگا وہ دوسرے کا بھی دوست ہوگا اور جو ایک کا دشمن ہوگا وہ دوسرے کا بھی دشمن ہوگا۔ یہی اتحاد و محبت کا معاہدہ عرب میں ''قَابَ قَوْسَیْنِ'' کہلاتا تھا۔ چونکہ معراج میں رب العرش اور مہمان عرش کا یہی معاہدہ ہوا تھا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جو تمہارا دوست وہ ہمارا دوست اور جو تمہارا دشمن وہ ہمارا دشمن۔ جس سے تم راضی اس سے ہم بھی راضی۔ جس سے تم ناراض اس سے ہم بھی ناراض۔ اس لیے اس معاہدہ کو عرب کے محاورہ کے مطابق قرآن نے فرمایا کہ ''فَقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی'' یعنی محبوب و محب کے درمیان ''فَکَانَ قَابَ'' کا معاہدہ ہوا۔ (حاشیہ جلالین ص ۴۳۵)

الغرض مہمان عرش بارگاہ رب العزت میں بے شمار اعزاز و اکرام اور قسم قسم کی لاتعداد نوازشوں سے سرفراز ہو کر پھر زمین پر تشریف لائے اور جب حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر صبح کو اپنے اس سفر کا ذکر فرمایا تو ابھی آپ اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ رات کو میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا کہ کفار چلا چلا کر انکار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ناممکن ہے کہ آپ رات بھر میں بیت المقدس تک جا کر واپس پلٹ آئیں۔ چونکہ کفار نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا انکار کیا تھا۔ اس لیے ان کی دہن دوزی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت سبحن الذی اسریٰ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی معراج کا ذکر ہے اور مسجد اقصیٰ سے اوپر کی معراج کا ذکر ''سورۂ والنجم'' میں ہے جس کا بیان آپ سن چکے ہیں۔ چونکہ معراج کی تصدیق سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی اس لیے وہ صدیق اکبر کے خطاب و لقب سے سرفراز کئے گئے! سبحان اللہ"

بجز ذات مطہر یہ شرف کس کو ہوا حاصل؟
بجز صدیق اکبر یہ حقیقت کس نے پہچانی؟

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

تیسرا وعظ

برہانِ معجزات

زبرہاں تابہ ایماں سنگہا دارد رہ واعظ
ندارد ہیچ واعظ ہمچو برہانے کہ من دارم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ نَبِیَّهٗ فَسَوَّاهُ وَعَدَّلَهٗ ○ وَجَعَلَهٗ بُرْهَانًا وَّنُوْرًا بِالْحَقِّ اَرْسَلَهٗ وَعَلٰی سَآئِرِ الْخَلْقِ شَرَّفَهٗ وَفَضَّلَهٗ ○ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَعَلٰی کُلِّ مَنْ عَظَّمَهٗ وَبَجَّلَهٗ ط اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا (نساء)

برادرانِ اسلام! ہدیہ درود وسلام حضور خیر الانام علیہ الصلوۃ والسلام کے دربار عالی مقام میں بہ آواز بلند پیش کیجئے۔

سَلَامٌ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ وَسَیِّدٍ حَبِیْبِ اِلٰهِ الْعٰلَمِیْنَ مُحَمَّدٍ
بَشِیْرٍ نَذِیْرٍ هَاشِمِیٍّ مُکَرَّمٍ عَطُوْفٍ رَؤُوْفٍ مَنْ یُّسَمّٰی بِاَحْمَدٍ

حضرات! میں آج کے وعظ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چند معجزات کا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے ابھی ابھی خطبہ کے بعد سورۂ نساء کی ایک آیہ کریمہ تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

''اے لوگو! بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف ایک روشن نور اتارا''۔

محترم سامعین! تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں برہان سے مراد حضور پرنور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور روشن نور سے مراد

قرآن مجید ہے۔اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کو خداوند عالم نے برہان یعنی دلیل بتایا اور آپ کو معلوم ہے کہ دلیل کسی نہ کسی دعویٰ کی ہوا کرتی ہے۔تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سا دعویٰ ہے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں تو میرے بزرگو اور بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں تشریف لا کر یہ دعویٰ فرمایا کہ ''محمد رسول اللہ'' یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔اب ظاہر ہے کہ ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے تو پھر محمد رسول اللہ بھی ایک دعویٰ ہے۔لہٰذا اس کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے تو خداوند جل وعلا نے ارشاد فرمایا کہ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ یعنی اے دنیا والو! میرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو اس دعویٰ کی دلیل خود ان کی ذات ہی ہے اور وہ تمہارے پاس خداوند قدوس کی طرف سے اس دعویٰ کی دلیل بن کر تشریف لائے ہیں۔یعنی اگر تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ پر دلیل طلب کرتے ہو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو دیکھ لو۔محمد رسول اللہ کی دلیل خود محمد رسول اللہ ہیں۔سبحان اللہ!

''آفتاب آمد دلیل آفتاب''

یعنی جس طرح سورج کی دلیل خود سورج کی ذات ہے۔اسی طرح ''محمد رسول اللہ'' صلی اللہ علیہ وسلم کی دلیل خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی ہے۔یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سورج موجود ہے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سورج کی ذات ہی سورج کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ہی آپ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح سورج کو ایک نظر دیکھنے والا یہ اقرار کرنے پر مجبور ہے کہ سورج موجود ہے اسی طرح جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق بین نگاہوں سے ایک مرتبہ بھی دیکھ لے گا تو اس کے قلب و دماغ میں آفتاب عالم تاب سے بڑھ کر یہ حقیقت روشن و آشکار ہو جائے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں!

حضرات! یاد رکھیئے کہ انبیاء و رسولوں کی نبوت و رسالت کی دلیلوں کو ''معجزہ'' کہا جاتا ہے۔چنانچہ ہر نبی و رسول کو ان کی نبوت و رسالت کے ثبوت کے لیے دلیل کے طور پر پروردگار عالم نے کچھ معجزات عطا فرمائے جن کو پیش کر کے انبیاء اور رسولوں نے دنیا والوں کے سامنے اپنی اپنی نبوت و رسالت کو ثابت کیا۔مگر ہر نبی و رسول کا معاملہ یہ رہا کہ ان کے معجزات ان کی

ذات سے الگ کچھ مافوق العادات اور تعجب میں ڈال دینے والے کمالات ہوتے رہے کہ جن کو دکھا کر انبیاء سابقین اپنی اپنی نبوت کو اپنی اپنی امتوں کے سامنے ثابت کرتے رہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا○ یعنی ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف سے عطا کیے ہوئے معجزات کے ساتھ بھیجا۔

یعنی عصا، ید بیضا، دریا کا پھٹ جانا، پتھر پر لاٹھی مار کر پانی نکال دینا وغیرہ معجزات لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ اسی طرح تمام انبیاء اور رسولوں کے بارے میں رب العزت جل جلالہ نے فرمایا کہ:

جَآءُوْا بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ۔ یعنی یہ انبیاء معجزات اور صحیفے، اور روشن کتاب لے کر آئے۔

غرض ہر نبی و رسول کے بارے میں یہی دستور خداوندی رہا کہ ان کے معجزات ان کی ذات سے الگ کچھ محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں جن کو لے کر انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے تھے اور انہیں معجزات کو دکھا کر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی نبوتوں کو دنیا والوں کے سامنے ثابت کرتے تھے اور یہی معجزات ان کی نبوت کی دلیل ہوا کرتے تھے مگر نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبران صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ شان تمام انبیاء اور رسولوں سے انوکھی اور نرالی ہے کہ آپ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ آپ اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے چند معجزات بطور دلیل لے کر تشریف لائے بلکہ فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اپنی نبوت کی دلیل بن کر تشریف لائے۔

اور خود آپ کی ذات ہی سراپا آیات بینات و مخزن معجزات ہے اور برادران ملت! اس میں ذرا برابر شک نہیں کہ اگر غور کیجیے تو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات، ان کی ہر ادا، ان کی ہر بات، بلکہ ان کے تن اقدس کا رونگٹا رونگٹا اور ان کے جسم منور کا بال بال سراپا کمال و معجزۂ بے مثال ہے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان ایک نظر بھر جمال نبوت کا نظارہ کر لے تو وہ آپ کی نبوت و رسالت کے اقرار پر مجبور ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ جمال نبوت کا دیدار کیا۔ مگر ایک ہی نظر میں میری دنیا دل کے اندر ایسا انقلاب عظیم پیدا ہو گیا کہ:

وَاللّٰهِ لَقَدْ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ ۔ یعنی میں نے جان لیا اور پہچان لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔

ہاں البتہ وہ بدنصیب انسان جن کے دلوں میں کفر و انکار کی مہر لگ چکی ہے اور جو اپنی آنکھوں پر بغض و عناد کی عینک لگائے ہوئے ہیں وہ اگر لاکھوں بار بھی جمال نبوت کے جلوے دیکھیں پھر بھی انہیں رحمت عالم کی حقانیت و صداقت اور ان کی نبوت و رسالت کا آفتاب نظر نہیں آسکتا۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

یعنی اگر دن میں چمگادڑ کی آنکھ سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں سورج کا کیا گناہ ہے؟ سورج تو اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے یہ چمگادڑ کی آنکھ کا قصور ہے کہ وہ سورج کی روشنی کا جلوہ دیکھنے سے محروم ہے اسی طرح حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم منور کے ذرے ذرے میں معجزات نبوت کے ہزاروں آفتاب روشن و درخشاں ہیں مگر کافروں اور منافقوں کی آنکھیں جن پر کفر و نفاق کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں۔ اگر انہیں پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات نبوت کے آفتاب و ماہتاب نظر نہیں آتے تو یہ ان کی بدبخت آنکھوں کا قصور ہے۔ ورنہ آفتاب نبوت کی تجلیاں تو زمین و آسمان کے ذرے ذرے کو رشک آفتاب و ماہتاب بنا رہی ہیں۔

انہیں کی بو مایۂ سمن ہے انہیں کا جلوہ چمن چمن ہے
انہیں سے گلشن مہک رہے ہیں انہیں سے رنگت گلاب میں ہے

برادرانِ سلام! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم منور کا ذرہ ذرہ معجزات نبوت کا ایک عالم ہے اور آپ کی ذات بابرکات سراپا معجزات ہی معجزات ہے۔

عزیزو اور دوستو! بات یہاں تک آگئی ہے تو میں چاہتا ہوں کو آیئے اب میں آپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کے چند معجزات کا نظارہ بھی کرادوں کہ کس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سراپا معجزات ہے؟ آیئے سب سے پہلے محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں کا اعجاز دیکھئے۔

نورانی آنکھ

برادرانِ ملت! حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چشم منور کی شان اعجاز اور ان کی معجزانہ

نگاہ نبوت کا کیا کہنا؟ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ یعنی اے دنیا والو! میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم دنیا والوں میں سے کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! تم نے غور کیا؟ دنیا والوں میں حضرت ملک الموت بھی تو ہیں ان کی نظر کا کیا حال ہے۔ کائنات عالم کے تمام جاندار ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے ہیں دنیا بھر میں جس کی موت کا وقت آ جاتا ہے حضرت ملک الموت فوراً اس کے پاس پہنچ کر اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اسی طرح منکر و نکیر کی آنکھیں ساری دنیا کے مردوں کو ہر وقت دیکھتی رہتی ہیں اور ہر میت کے پاس پہنچ کر یہ دونوں سوالات کرتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام تمام دنیا والوں کی روزی کا بحکم الٰہی انتظام کرتے ہیں۔ ہر مخلوق کے رزق کو ان کی آنکھیں دیکھتی رہتی ہیں۔ غرض کائنات عالم میں بڑی بڑی دور تک دیکھنے والی آنکھوں والے موجود ہیں۔ مگر رحمت عالم کا ارشاد ہے کہ اے آنکھ والو! تمہاری آنکھیں کتنا ہی زیادہ کتنی ہی دور تک دیکھنے والی کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی میری آنکھیں جن کو دیکھ رہی ہیں وہ تم میں سے کسی کی آنکھ کو بھی نظر نہیں آ سکتیں اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ میں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں جن کو تم میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ رہا ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی روایات میں آیا ہے کہ:

اَقِیْمُوا الرُّکُوْعَ وَالسُّجُوْدَ فَوَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ مِنْ بَعْدِیْ (مشکوٰۃ ۸۲) یعنی اے لوگو! تم رکوع و سجود کو درست طریقے سے ادا کرو۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تم لوگوں کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

برادرانِ ملت! یہ ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کا بے مثال اعجاز کہ آج تک دنیا میں کسی آنکھ کو یہ کمال نصیب نہیں ہوا کہ وہ بیک وقت آگے اور پیچھے دیکھ لے۔ بلکہ تمام فلاسفہ اور ماہرین نظر کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لیے یہ شرط ہے کہ دیکھی ہوئی چیز آنکھ کے سامنے ہو۔ اس لیے کہ کوئی آنکھ پیچھے کی چیزوں کو نہ آج تک دیکھ سکی ہے نہ آئندہ دیکھ سکتی ہے مگر رحمت عالم کی مقدس آنکھوں کا یہ معجزہ ہے کہ وہ بیک وقت آگے اور پیچھے دونوں طرف دیکھ لیتی ہیں۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

وَھِیَ مِنَ الْخَوَارِقِ الَّتِیْ اُعْطِیْھَا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (حاشیہ مشکوٰۃ ۸۲) یعنی یہ ان معجزات میں سے ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا کئے گئے ہیں۔

اچھا! اس سے بھی بڑھ کر سنیے! بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ:

وَاللّٰہُ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا یعنی خدا کی قسم تمہارا رکوع و خشوع میری

خُشُوْعُکُمْ (بخاری ۵۹) نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہتا۔

اللہ اکبر! واہ رے مصطفیٰ پیارے کی چشم اقدس کا اعجاز کہ پیٹھ کے پیچھے نمازیوں کے رکوع بلکہ خشوع کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ حضرات! خشوع کیا چیز ہے؟ خشوع دل میں خوف اور عاجزی کی ایک کیفیت کا نام ہے جو آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہی نہیں ہے مگر نگاہِ نبوت کا یہ معجزہ دیکھو کہ جو چیزیں آنکھ سے دیکھنے کے قابل ہی نہیں۔ ان چیزوں کو بھی رحمت عالم نے اپنی مقدس آنکھوں سے دیکھ لیا عزیز و اور دوستو! نگاہ نبوت کا ایک اور معجزہ بھی سن لیجئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ:

يَرٰى فِي الظُّلْمَآءِ كَمَا يَرٰى فِي الضَّوْءِ۔ (خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۶۱) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھتے تھے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کہاں ہیں آنکھ والے؟ آئیں اور دیکھیں نگاہ مصطفیٰ کا اعجاز کون نہیں جانتا کہ فلسفہ بصر و نظر کے ماہرین کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ آنکھ سے دیکھنے کے لیے روشنی اور اجالا شرط ہے مگر یہ نگاہ نبوت کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ جس طرح اجالے میں تمام چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اندھیرے میں بھی دیکھا کرتے تھے حضرات! میں سرکار دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس آنکھوں کے کون کون سے معجزات بیان کروں؟ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا:

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر
بس قسم کھائیے امی تری دانائی کی

سینکڑوں میل دور ہونے والے واقعات کو مدینہ میں بیٹھ کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اس مضمون کی سینکڑوں روایت موجود ہیں کون نہیں جانتا کہ جنگ موتہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کے ہاتھ میں جھنڈا عطا فرما کر امیر لشکر مقرر فرمایا اور مجاہدین سے ارشاد فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی جام شہادت نوش کر لیں تو پھر عبد اللہ بن رواحہ علمبردار اور لشکر کے سپہ سالار بنائے جائیں گے اور اگر وہ بھی شرف شہادت سے سرفراز ہو جائیں تو پھر مجاہدین کسی کو امیر لشکر منتخب کر لیں۔ چنانچہ جب یہ لشکر موتہ کی سرزمین پر پہنچا جو مدینہ منورہ سے ایک ماہ بلکہ اس سے بھی

زائد کا راستہ ہے اور جنگ شروع ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ سے اس جنگ کا نقشہ ملاحظہ فرماتے رہے چنانچہ آپ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا مگر وہ شہید ہوگئے پھر فرمایا کہ اب جعفر نے جھنڈا اٹھایا۔ مگر وہ بھی شہادت سے سرفراز ہوگئے پھر فرمایا کہ اب عبداللہ بن رواحہ کے ہاتھ میں پرچم اسلام آیا لیکن وہ بھی جام شہادت سے سیراب ہوگئے پھر فرمایا کہ آخر میں خدا کی ایک تلوار' خالد بن ولید نے نشان جنگ کو ہاتھ میں لے لیا اور فتح مبین ہوگئی۔ رحمت عالم صحابہ کو موتہ کے میدان جنگ کی کیفیات سناتے رہے اور چشمانِ رحمت سے آنسوؤں کے قطرات موتی بن کر رخسار نبوت پر نثار ہو رہے تھے۔ (بخاری جلد ا ص ۱۶۷)

برادرانِ ملت! سینکڑوں میل کی دوری تو کیا حقیقت رکھتی ہے؟ رحمت عالم نے تو اپنی آنکھوں سے تمام روئے زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کو بیک وقت دیکھ لیا بار ہا آپ نے یہ حدیث سنی ہوگی پھر ایک مرتبہ سن لیجئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے تمام زمین کو سمیٹ دیا۔

فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى كَفِّىْ هٰذَا (مواہب ج ۲ ص ۲۱۱)

یعنی میں زمین اور اس میں قیامت تک ہونے والے واقعات کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

برادرانِ اسلام! بتایئے روئے زمین کی کیا حقیقت ہے؟ نگاہ مصطفےٰ نے تو مسجد نبوی کی محراب میں کھڑے ہوئے جنت و دوزخ کو دیکھ لیا۔ جنت و دوزخ بھی کیا حقیقت ہے۔ ان آنکھوں نے تو تمام فرش و عرش کو دیکھ لیا۔ سارے جہان کو دیکھ لیا۔ ساری خدائی کو دیکھ لیا! خدا کو دیکھ لیا۔ پڑھیئے درود شریف!

اللهم صلى على سيدنا محمد وعلى اله واصحبه وبارك وسلم ۔

مقدس کان

حضرات! اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گوش مبارک کی قوت سامعہ بھی معجزانہ شان رکھتی ہے سرور دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا کہ:

اِنِّىْ اَرٰى مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ (خصائص کبریٰ ج ا ص ۶۷)

یعنی میں وہ دیکھتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں دیکھتا اور میں وہ سنتا ہوں جو تم میں سے کوئی نہیں سنتا۔

برادرانِ ملت! اس حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سننا اور دیکھنا

دوسرے انسانوں کے مثل نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام صفتوں کی طرح آپ کے سمع وبصر کی قوت بھی بے مثال اور ایک معجزانہ شان رکھتی ہے دور دور کی آواز سن لینا یہ آپ کے مقدس کانوں کا مشہور معجزہ ہے۔

بزرگانِ ملت! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی ہے۔ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک رات تہجد کیوقت میرے حجرے میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرما رہے تھے کہ ناگہاں آپ نے تین مرتبہ فرمایا کہ لبیک لبیک لبیک پھر تین مرتبہ فرمایا کہ:

نُصِرْتَ نُصِرْتَ نُصِرْتَ ۔ یعنی میں تم لوگوں کی مدد کے لیے حاضر ہوں

حضرت میمونہ نے نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آپ کس سے گفتگو فرما رہے تھے؟ یہاں تو میرے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے ارشاد فرمایا کہ مشرکین مکہ نے ہمارے حلیف بنی کعب پر انتہائی ظالمانہ حملہ کر دیا ہے۔ اور وہ بیچارے مصیبت کے مارے مجھ سے مدد طلب کر رہے ہیں تو میں نے ان وقت ان کی فریاد کا جواب دیا ہے اور ان کی امداد کا وعدہ کر کے ان کی ڈھارس بندھائی ہے چنانچہ تیسرے دن نماز فجر کے بعد ہی بنی کعب کا قاصد قصیدہ پڑھتے ہوئے فریاد اور امداد طلب کرنے کے لیے مدینہ آ گیا علامہ زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

لَابُعْدَ فِیْ سَمَاعِهٖ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسِیْرَةِ ثَلَاثٍ فَقَدْ کَانَ یَسْمَعُ اَطِیْطَ السَّمَاءِ

(خصائص جلد ۲ ۵۳۔ حاشیہ الدولۃ المکیہ ۱۸۰)

یعنی اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین دن کی راہ سے ایک فریادی کی فریاد کو سن لیا تو یہ کوئی آپ سے بعید نہیں ہے کیونکہ آپ تو زمین پر بیٹھے ہوئے آسمانوں کی چرچراہٹ کو سن لیا کرتے تھے بلکہ عرش کے نیچے چاند کے سجدے میں گرنے کی آواز کو بھی سماعت فرما لیتے تھے۔

حضرات دلائل الخیرات شریف میں ایک حدیث منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ:

اَسْمَعُ صَلَاةَ اَهْلِ مَحَبَّتِیْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلَاةُ غَیْرِهِمْ عَرْضًا۔

یعنی میں اپنے اہل محبت کا درود شریف خود سن لیتا ہوں اور دوسرے لوگوں کا درود شریف مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اللہ اکبر! اس حدیث سے آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو گیا کہ سرکار دو جہاں سے

محبت کرنے والا مسلمان اگرچہ لاکھوں میل دور ہو صحرا میں ہو یا سمندر میں ہو آبادی میں ہو یا ویرانے میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہو یا گہرے غاروں میں مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسکے درود کو سن لیتے ہیں! سبحان اللہ! یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے گوش مبارک کا بے مثال اعجاز اسی مضمون کو اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام!

زبانِ مبارک

برادرانِ اسلام! اسی طرح آپ کی زبان فیض ترجمان کو دیکھئے تو وہ بھی سرچشمہ آیات و مخزن معجزات ہے فصاحت و بلاغت کو دیکھئے تو وہ بھی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے کہ بڑے بڑے عرب کے فصحاء و بلغاء آپ کے کلام بلاغت نظام کو سن کر دنگ رہ جاتے تھے۔

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کلام کی عظمت و تقدس کو دیکھئے تو وہ بھی سراپا معجزہ چنانچہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ یعنی پیغمبر اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ان کا کلام تو وحی الٰہی ہے۔

اس طرح زبان کی شان حکمرانی پر نظر ڈالیے تو وہ اعجاز کہ زبان سے جو فرمادیا وہ معجزہ بن کر عالم وجود میں آ گیا روایت ہے کہ غزوہ ذی قرد میں ایک کھاری پانی کے چشمہ پر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نزول فرمایا یہ چشمہ بیسان کے نام سے مشہور تھا لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس چشمے کا پانی نہایت ہی بدمزہ اور کھاری ہے یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ:

بَلْ هُوَ نُعْمَانُ وَهُوَ اَطْيَبُ ۔ یعنی اس چشمے کا نام بیسان نہیں بلکہ اس کا نام نعمان ہے اور اس کا پانی میٹھا ہے۔

صحابہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ فرماتے ہی اس چشمے کا پانی انتہائی شیریں خوش ذائقہ اور خوشگوار ہو گیا۔ (حجۃ اللہ ص ۴۴۴)

اسی طرح ایک کافر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا کہ

حضور اگر میری مری ہوئی لڑکی کو زندہ فرما دیں تو میں ضرور اسلام قبول کرلوں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی بیٹی کی قبر پر تشریف لے گئے اور کا نام لے کر پکارا تو وہ زندہ ہو کر لَبَّیْكَ وَسَعْدَیْكَ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ (دلائل النبوۃ)

اسی طرح ایک کافر نے سوال کیا کہ آپ کھجور کے درخت کو حکم دیں اور کھجوروں کا ایک خوشہ گرا دے تو میں ایمان لاؤں گا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھجور کے ایک درخت کی طرف اشارہ فرمایا تو اس سے فوراً ہی پکی ہوئی کھجوروں کا ایک خوشہ پیش کر دیا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۱)

اسی طرح روایت ہے کہ ایک گستاخ حکیم بن ابی العاص دربار نبوت میں حاضر ہوتا تو منہ بگاڑ بگاڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نقلیں اتارتا تھا۔ ایک دن آپ نے نہایت پر جلال لہجے میں فرمایا کہ:

كُنْ كَذٰلِكَ وَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ (خصائص ج ۲ ص ۷۹)

یعنی تو ایسا ہی ہو جا۔ چنانچہ زبان مبارک کا معجزہ دیکھو کہ مرتے دم تک اس خبیث کا منہ اسی طرح ہلتا رہا۔

سبحان اللہ ۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضرات! مجھے مرزا غالب کا ایک شعر یاد آ گیا۔ انہوں نے اس مضمون پر کیا خوب کہا ہے۔

تیر قضا ہر آئینہ در ترکش حق است
اما کشادِ آں بزبانِ محمد است

یعنی اس میں شک نہیں کہ تقدیر الٰہی کا تیر خدا ہی کے ترکش قدرت میں ہے۔ لیکن اس تیر کا چلنا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ؟

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دندان نور

حضرات! اسی طرح اگر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس دانتوں پر ایک نظر ڈالیں گے تو وہ بھی صاحب اعجاز نظر آئیں گے چنانچہ آپ کے دندان مبارک کا یہ معجزہ تھا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِذَا ضَحِكَ یَتَلَاْلَاُ فِی الْجُدُرِ لَمْ اَرَ مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ (ترمذی)

یعنی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبسم فرماتے تھے تو دیواروں پر دندان مبارک کی چمک کا عکس پڑتا تھا اور میں نے رحمت عالم کا مثل نہ آپ کے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔

برادرانِ ملت! دنیا میں بڑے بڑے حسین اور چمکدار دانتوں والے ہوئے مگر دانتوں میں ایسی چمک کہ تبسم کے وقت ان کی تجلی سے مکان کی دیواریں اندھیری رات میں جگمگا اٹھیں یہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دانتوں کا جمال نبوت ہے جس کو معجزہ کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

سبحان اللہ! سبحان اللہ!

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام!

جن کے گچھے سے لچھے جھڑیں نور کے!
ان ستاروں کی طلعت پر لاکھوں سلام

دست اقدس

برادرانِ ملت! اچھا آیئے۔ اب ذرا رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں کا بھی اعجاز سن لیجئے بخاری شریف کی حدیث تو بارہا آپ لوگوں نے علماء کرام سے سنی ہوگی۔ حضور سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اُوْتِیْتُ بِمَفَاتِیْحِ خَزَآئِنُ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِیْ یَدِیْ ۔

یعنی میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

اللہ اکبر! میرے بزرگو اور بھائیو! آپ نے کبھی غور کیا؟ کہ زمین کے خزانے کون کون ہیں؟ اور کتنے ہیں۔ ہیرے' جواہرات' سونا' چاندی' لوہا' پیتل وغیرہ تمام دھاتیں' تیل' پٹرول یہ سب زمین ہی کے خزانے ہیں پھر تمام نباتات' ہر قسم کے اناج' پھل پھول' سب کے خزانے تو زمین ہی میں ہیں اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔

حضرات! کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا کیا مطلب ہوا کرتا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ کسی کے ہاتھ میں تالا کنجی دینے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس شخص کو تصرف کا اختیار دے دیا

گیا۔تو برادرانِ ملت! اس حدیث کا صاف صاف مطلب یہی ہوا کہ پروردگار عالم نے اپنے محبوب کے ہاتھوں میں زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دے کر زمین کے تمام خزانوں پر اقتدار و اختیار بخش دیا ہے کہ محبوب خداوند زمین کے خزانوں میں سے جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا فرما سکتے ہیں۔سچ فرمایا کہ کسی اہل محبت نے ۔

کف دست رحمت میں ہے سارا عالم
زمیں آپ کی' آسماں آپ کا ہے

حضرات! پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی معجزانہ شان پر قربان جائیے یہ وہ صاحب اعجاز ہاتھ ہے کہ اس ہاتھ سے جس چیز کی طرف اشارہ فرما دیا۔وہ عالم وجود میں آ گئی یہی وہ ہاتھ ہے کے اسکے اشارے سے چاند شق ہو کر دو ٹکڑے ہو گیا۔اسی ہاتھ کے اشارے سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا۔اسی کا اعجاز تھا کہ جنگ احد کے دن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست اقدس سے ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک شاخ دے دی جو دست رحمت کا اشارہ پاتے ہی ایک بہترین تلوار براق بن گئی یہی مقدس ہاتھ تھا کہ رحمت عالم نے ابوزید انصاری کی داڑھی اور سر پر پھرا دیا اور فرمایا کہ الٰہی! ان بالوں کو زینت بخش دے تو ان ہاتھوں کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ سو برس کی عمر میں بھی ان کے سر اور داڑھی کا ایک بال بھی سفید نہ ہوا اور تمام عمر چہرے پر جوانی کا جمال باقی رہا۔(حجۃ اللہ ص ۴۳۷)

ہڈیاں زندہ ہو گئیں

حضرت جابر صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اس کا گوشت پکایا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ گوشت کھایا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو سرکار دو جہاں نے تمام ہڈیوں کو ایک برتن میں جمع فرمایا اور ان ہڈیوں پر دست مبارک رکھ کر کچھ فرمایا تو یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ:

فَاِذَا بِشَاۃٍ قَدْ قَامَتْ تَنفُضُ ذَنبَھَا۔ (خصائص ج ۲ ص ۶۷)

یعنی بالکل اچانک بکری زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور دم ہلانے لگی۔

حضرات! حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا ہی مشہور معجزہ ہے کہ آپ مردوں کو زندہ فرما دیتے تھے۔مگر آپ نے ان لاشوں کو زندہ فرمایا تھا جن کے ٹکڑے نہیں ہوئے تھے لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کے گوشت کی پکی ہوئی ہڈیوں کو زندہ فرما

دیا۔ یقیناً اعجاز مسیحائی ایک بہت بڑا معجزہ ہے لیکن اعجاز محمدی اس سے بہت زیادہ بلند بالا اور بہت ہی بڑھ چڑھ کر ہے۔

برادرانِ ملت! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف گلی ہوئی ہڈیوں ہی کو زندہ نہیں فرمایا بلکہ آپ نے تو ایک سوکھی ہوئی لکڑی استن حنانہ اور پتھر کی کنکریوں کو جان، زبان اور ایمان بخش دیا کہ استن حنانہ آپ کی جدائی میں جوش محبت میں رویا۔ اور کنکریوں نے آپ کا کلمہ پڑھا حالانکہ لکڑی اور پتھر میں کبھی بھی حیات نہیں تھی نہ ان میں حیات کی صلاحیت ہی ہے۔ مگر یہ رحمت عالم کا اعجاز ہے کہ جن چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی نہیں تھی انہیں بھی آپ کے کرم سے ایمان کی زندگی مل گئی۔ بلکہ جان کے ساتھ زبان و ایمان کی دولت بے بہا بھی نصیب ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کیا خوب ارشاد فرمایا۔

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں

ستونِ حنانہ

برادرانِ اسلام! استن حنانہ کا واقعہ آپ نے بارہا سنا ہوگا لیکن ایک بار پھر سن لیجئے۔

روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کھجور کی لکڑی کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ پڑھتے تھے۔ مدینہ منورہ کی ایک انصاری عورت نے جب لکڑی کا ایک منبر تیار کرا کر مسجد نبوی میں رکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلی مرتبہ اس منبر پر خطبہ پڑھنے کے لیے رونق افروز ہوئے تو مسجد کا ستون اس طرح بلبلا کر رویا کہ بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ:

صَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ۔ یعنی یہ کھجور کا تنا فراق رسول میں اس طرح رونے لگا جس طرح بچہ اپنی ماں کی جدائی پر روتا ہے۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے مثنوی میں اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے فرمایا۔

استن حنانہ از هجر رسول — نالہ می زد ہم چو ارباب عقول

یعنی مسجد کا ستون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدائی سے اس طرح نالہ وفریاد کر کے رونے لگا جیسے کوئی عقل مند (انسان) اپنے محبوب کی جدائی پر روتا ہے۔

در تحیر ماند اصحاب رسول! کز چہ می نالد ستوں با عرض وطول

صحابہ کرام کو انتہائی حیرت ہوئی کہ یہ لمبا چوڑا استون کس وجہ سے رورہا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے میں شیشے سے زیادہ نازک دل تھا۔ ستون کی بے قراری وگریہ وزاری پر رحمت عالم کا دل بھر آیا۔ آپ نے خطبہ چھوڑ کر اس ستون کو اپنے مقدس سینے سے چمٹا لیا تو اس وقت ستون اس طرح رونے لگا جس طرح ماں سے بچھڑا ہوا بچہ ماں سے ملنے کے بعد سسک سسک کر رونے لگتا ہے۔ بالآخر سرکار دو جہان نے ستون کو مخاطب کر کے فرمایا۔

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون گفت جانم از فراقت گشت خون

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تیری خواہش و مرضی کیا ہے؟ تو ستون نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی جدائی سے میری جان کا خون ہو گیا۔

مسندت من بودم از من تاختی بر سر منبر تو مسند ساختی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھ سے تو ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن آج آپ نے اعراض فرما کر منبر کو اپنی مسند بنالیا۔ اسی آپ کی جدائی کی وجہ سے میں رورہا ہوں۔

حضرات! دیکھ لیا آپ نے اعجاز محمدی کا جلوہ؟ سوکھی لکڑی کے ستون کو جان ملی، پھر زبان ملی کہ وہ رونے اور گفتگو کرنے لگا۔ پھر وہ صاحب ایمان بھی ہو گیا کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلمکے عشق ومحبت کی دولت اسے نصیب ہوگئی۔

اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ ابوجہل کے ہاتھ میں کنکریوں نے اشارہ پاتے ہی کلمہ پڑھا۔ جیسا کہ مولانائے روم نے فرمایا۔

لا الہ گفت والا اللہ گفت گوہر احمد رسول اللہ سفت

برادرانِ ملت! بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ:

اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی آپ خدا عزوجل کے حکم سے مردوں کو زندہ فرمادیا کرتے تھے۔

مگر آپ نے جن چند مردوں کو زندہ فرمادیا وہ سب مردہ انسان تھے جن میں مدتوں زندگی رہ چکی تھی اور وہ کٹے پھٹے بھی نہ تھے۔ بلکہ ان میں حیات کی صلاحیت تھی لیکن رحمت عالم نے پکی ہوئی ہڈیوں کو اور سوکھی لکڑی کے ستون کو اور کنکریوں کو باذن اللہ نہ صرف جان بلکہ زندگی کے ساتھ زبان وایمان بھی عطا فرمایا۔ حالانکہ ان چیزوں میں حیات کی صلاحیت بھی

نہیں تھی۔ تو یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ بلاشبہ عظیم تھا مگر رحمت عالم کا معجزہ اس سے بہت زیادہ اعظم ہے۔

پنجاب رحمت کی ندیاں

حضرات! سرکار دو جہان کے دست مبارک کے معجزات کا ذکر آ گیا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ آپ کی مبارک انگلیوں سے تقریباً تیرہ مواقع پر پانی کی نہریں جاری ہوئیں۔ چنانچہ ان میں سے صرف ایک موقع کا ذکر اس وقت آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں ۶ھ میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ کا ارادہ کر کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے لیے روانہ ہوئے اور میدان حدیبیہ میں نزول فرمایا۔ آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے حدیبیہ کا کنواں خشک ہو گیا اور حاضرین پانی کے ایک ایک قطرہ کے لیے محتاج ہو گئے۔ اس وقت رحمت عالم کے دریائے رحمت میں جوش آ گیا اور آپ نے ایک پیالے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا۔ تو آپ کی مقدس انگلیوں سے اس طرح پانی کی نہریں جاری ہو گئیں کہ پندرہ سو کا لشکر سیراب ہو گیا۔ لوگوں نے وضو وغسل کیا۔ جانوروں کو پانی بھی پلایا تمام مشکوں اور برتنوں کو بھی پانی سے بھر لیا۔ پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے میں سے دست مبارک اٹھا لیا اور پانی ختم ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کتنے آدمی تھے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں تھے۔ مگر پانی اس قدر کثیر تھا کہ:

لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا ۔ یعنی اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو یہ ہم سب کو کافی ہو جاتا۔ (مشکوٰۃ ۵۳۲)

سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ نے کیا خوب فرمایا۔

انگلیاں ہیں جوش پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

حضرات! یہاں بھی اعجاز محمدی کی بے مثالی کا جلوہ دیکھئے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ مذکور ہے کہ آپ نے خدا کے حکم سے پتھر پر اپنا عصا مارا تو:

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًاط تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہت بڑا معجزہ تھا مگر یہی معجزہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اس طرح ظاہر ہوا کہ آپ نے پیالے میں ہتھیلی رکھ دی تو آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ پتھر پر لاٹھی مار کر چشمے جاری کر دینا اگرچہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے مگر پھر بھی پتھر سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اتنا عجیب و نادر الوجود نہیں ہے جتنا کہ انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا محیر العقول و عدیم المثال ہے کیونکہ بہر حال پتھروں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ان سے چشمہ جاری ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ:

وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ط	یعنی کچھ پتھروں میں سے نہریں نکلی پڑتی ہیں اور کچھ پتھر پھٹ جاتے ہیں تو اس میں سے پانی نکل آتا ہے۔

مگر انسان کی انگلیوں میں ہرگز ہرگز یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے پانی نکلے۔ لہٰذا عقل سلیم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اعجاز موسوی اگرچہ ایک عظیم معجزہ ہے مگر اعجاز محمدی کی شان بے مثالی کی اور ہی شان ہے۔

حضرات! بات پر بات یاد آتی جاتی ہے یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا پر اپنا عصا مارا تو دریا پھٹ گیا اور بنی اسرائیل سلامتی کے ساتھ بیچ دریا میں بنے ہوئے قدرتی راستہ پر چل کر دریا کے پار نکل گئے مگر رحمت عالم نے اپنی انگلی سے اشارہ فرمادیا تو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا غور کیجئے ان دونوں معجزوں میں بھی کتنا عظیم الشان فرق ہے اعجاز موسوی کا تصرف دریا پر ہوا۔ جو زمین پر بہتا ہے اور اعجاز محمدی کا تصرف چاند پر ہوا جو آسمان پر ہے اس لیے بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں معجزوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی لیے کسی نے خوب کہا ہے۔

انفلاق بحر برہانِ عظیم الشان تھا
انشقاق بدر کا لیکن نتیجہ اور ہے

قدم شریف کا معجزہ

حضرات! آپ میرے رحمت والے آقا مدینے کے داتا کے ہاتھوں کا معجزہ تو سن چکے۔ اب آیئے میں آپ کے قدم شریف کا ایک معجزہ آپ کو بتا دوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر کوہ احد پر تشریف فرما ہوئے تو پہاڑ جوش مسرت سے ہلنے لگا کیوں نہ ہو کہ آج اس پہاڑ پر ان کے قدم آئے کہ جنہوں نے ایک مرتبہ عرش مجید کی چوٹی پر قدم رکھا تو عرش کی عظمت میں چار چاند لگ گیا۔ بہر حال جب پہاڑ ہلنے لگا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ پر

ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا کہ اے پہاڑ! ٹھہر جا اس وقت تیری پشت پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ آپ کی ٹھوکر سے احد کا زلزلہ ساکن ہو گیا۔ (بخاری وغیرہ) اللہ اکبر! قدم رسول کے اعجاز کا کیا کہنا۔

ایک ٹھوکر سے احد کا زلزلہ جاتا رہا
رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر! ایڑیاں

جسم انور کا اعجاز

حضرات! میں عرض کر چکا ہوں کہ جسم منور کا ہر ہر عضو مخزن معجزات ہے اب میں چاہتا ہوں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نورانی بدن کے بھی چند معجزات آپ کو سنا دوں! سنیے! آپ کے جسم انور کا یہ خاص معجزہ ہے کہ کبھی اس پر مکھی نہیں بیٹھی بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جسم منور تو جسم منور ہے کبھی آپ کے کپڑوں پر بھی مکھی نہیں بیٹھی۔

حضرات! مکھی وہ بے حیا مخلوق ہے کہ پاک و ناپاک ہر چیز پر بیٹھتی ہے اور دنیا کی طاقت مکھی کو جسم پر بیٹھنے سے نہیں روک سکتی، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا یہ کھلا ہوا معجزہ ہے کہ مکھی بھی آپ کی عظمت کو پہچانتی تھی اور بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کبھی بھی آپ کے جسم اطہر پر نہیں بیٹھی۔ اسی طرح آپ کے جسم منور کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

لَمْ يَكُنْ يُرٰى لَهٗ ظِلٌّ لَافِي الشَّمْسِ وَلَا فِي الْقَمَرِ
یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں دیکھا گیا نہ چاند کی چاندنی میں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین ج ص ۶۸)

حضرات! مجھے اس وقت ایک بڑا لطیف نکتہ یاد آ گیا یہ بھی سننے کے قابل ہے یہ تو بار بار آپ نے سنا ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم منور کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ آپ کا جسم مبارک گو انسانی شکل میں تھا مگر دراصل یہ پیکر نورانی تھا اور ظاہر ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا اعلیٰ حضرت قبلہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایہ کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

اس کا بھی سایہ نہیں

بہر حال یہ ہر چھوٹا بڑا بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب جسم منور نورانی پیکر تھا تو اس کا سایہ

کہاں سے پڑتا' لیکن سوال یہ ہے کہ آپ کے بدن مبارک پر جولباس تھا وہ تو نور کا نہیں تھا مگر آپ کے لباس و پوشاک کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا۔ آپ غور کیجئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی ننگے بدن باہر تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ بلکہ جب بھی کاشانہ نبوت سے باہر رونق افروز ہوتے تو جسم انور پر تہبند و پیراہن' سر پر عمامہ' پائے اقدس میں نعلین دست مبارک میں عصایا شمشیر' دوش انور پر کبھی کبھی چادر' کبھی رحمت والی مبارک چادر ہوتی ان سب لباس و سامان کے ساتھ آپ مکان سے باہر تشریف لے جاتے تھے مگر دیکھنے والے صحابہ کا بیان ہے کہ آپ کا سایہ نہ سورج کی روشنی میں نظر آیا نہ چاند کی چاندنی میں کسی نے آپ کا سایہ دیکھا۔ یہ کسی صحابی نے نہیں کہا کہ آپ کے لباس یا نعلین' یا تلوار کا سایہ پڑتا تھا بلکہ صحابہ نے یہی کہا کہ باوجود ان لباسوں میں ملبوس ہونے کے آپ کا سایہ نہیں پڑتا تھا اس سے ثابت ہوا کہ سوت یا اون کی پوشاک چمڑے کے نعلین' لوہے کی تلوار' جب یہ سب آپ کے جسم نورانی سے وابستہ ہوگئیں تو یہ تمام چیزیں بھی نورانی ہوگئیں اور جسم انور کی طرح ان چیزوں کا بھی سایہ نہیں پڑتا تھا! سبحان اللہ ! یہ نسبت مصطفےٰ کا اعجاز ہے۔ اس نور مجسم سے ادنیٰ سی نسبت خاکی کو نوری کانٹوں کو پھول اور ذروں کو رشک آفتاب بنادیتی ہے۔

اللہ رے ان کے جسم منور کا معجزہ
وابستہ جو ہوا اسے پر نور کردیا

پڑھیے درود شریف: **اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد وبارك وسلم ۔**

عالم غیب کی بارش

برادران ملت ! نسبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور ان کے جسم انور کے اعجاز کا کیا کہنا؟ ایک سوتی یا اونی کپڑا اس جسم منور سے مس ہو جائے تو وہ پیکر نور بن جاتا ہے بلکہ اس کی نورانیت کا یہ عالم ہو جاتا ہے کہ وہ اگر کسی انسان کے سر پر پڑ جائے تو وہ بھی مخزن انوار بن جاتا ہے۔

حضرات ! بات یہاں تک پہنچ گئی۔ تو اس مضمون کی ایک حدیث بھی سن لیجئے روایت ہے کہ ایک مرتبہ سخت دھوپ میں جب کہ آسمان میں کہیں بادل کا نام ونشان بھی نہیں تھا حضور اکرم صلی الہ علیہ وسلم ایک صحابی کے دفن کے لیے قبرستان تشریف لے گئے واپسی میں جب کاشانۂ نبوت میں قدم رکھا اور حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نظر جمال نبوت پر پڑی تو ام المومنین استقبال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں مولانا رومی علیہ الرحمۃ اس

روایت کو لکھتے ہیں۔

چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد
پیش آمد دست بروے می نہاد

یعنی ام المومنین کی نظر جب جمال نبوت پر پڑی تو وہ سامنے آئیں اور جسم مبارک پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولنا شروع کر دیا۔ جیسے کچھ تلاش کر رہی ہیں تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔

گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب!
گفت باراں آمد امروز از سحاب

یعنی اے بی بی عائشہ! تم جلدی جلدی میرے بدن پر کس چیز کی تلاش کر رہی ہو۔ ام المومنین عرض کرنے لگیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج بہت ہی زوردار بارش میں آپ تشریف لائے ہیں مگر

جامہایت را بجو یم در طلب
ترنمی بینم زباراں اے عجب

میں آپ کے کپڑوں کو اس لیے ٹٹول رہی ہوں کہ اس بارش میں آپ کے کپڑے بھیگے کیوں نہیں ہیں۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

حضرات! آپ نے غور فرمایا' سخت دھوپ ہے اور آسمان میں کہیں بادل کا نام و نشان تک نہیں مگر ام المومنین فرماتی ہیں کہ اس وقت زوردار بارش ہو رہی ہے اگر دنیا کی کوئی دوسری عورت یہ بات کہتی تو یقیناً اس کی تکذیب کر دی جاتی۔ مگر یہ بات ان کی ہے جو خود بھی "صدیقہ" ہیں اور جن کے باپ کا آسمانی لقب "صدیق اکبر" تمام عمر جن کی زبان پر جھوٹ کا گزر نہیں ہوا وہ فرما رہی ہیں تو پھر بھلا کس کی مجال ہے؟ کہ ان کے کلام میں جھوٹ کے شائبہ کا بھی وہم کر سکے۔ چنانچہ خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی نہیں فرمایا۔ کہ اے عائشہ بارش تو نہیں ہو رہی ہے دیکھ لو دھوپ نکلی ہے اور آسمان میں کہیں انچ برابر بھی بدلی کا کوئی ٹکڑا نہیں ہے بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت متانت اور انتہائی سنجیدگی کے ساتھ دریافت فرمایا کہ:

گفت پیغمبر چہ کردی از ازار
گفت کردم آں ردائے تو خمار

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آج تم نے کون سا کپڑا پہن رکھا ہے؟ تو ام المومنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج میں نے آپ کی چادر مبارک کو اپنا دوپٹہ بنالیا ہے۔

یہ سن کر محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

گفت زاں بنمود حق اے پاکؔ جیب
چشم پاکت را خدا باران غیب

یعنی اے عائشہ چونکہ تو نے میری نورانی چادر کو اپنے سر کا دوپٹہ بنالیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس چادر کی نورانیت سے تیری آنکھوں میں اتنا عظیم نور پیدا ہو گیا کہ خداوند عالم نے تجھے عالم غیب میں انوار کی موسلا دھار بارش کا دیدار کرادیا اور زیادہ اسکی تصریح وتشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

نیست ایں باراں ازیں ابر شما
ہست ابر دیگر و دیگر سما

یعنی اے عائشہ! یہ بارش جو تجھے نظر آرہی ہے یہ برساتی بدلیوں کی بارش نہیں ہے بلکہ یہ عالم غیب کی بارش ہے اور اس بارش کی بدلی اور اس کا آسمان کوئی دوسرا ہی ہے۔

برادران ملت! نورانیت مصطفےٰ کے قربان! کہ سوتی کپڑے کی ایک چادر چند دنوں جسم انور سے وابستہ ہوگئی تو اس چادر میں اتنا نور پیدا ہو گیا کہ جب ام المومنین کے سر پہنچ گئی تو اس کی نورانیت سے ان کی آنکھیں اتنی منور ہوگئیں کہ انہوں نے عالم شہادت میں بیٹھ کر عالم غیب میں ہونے والی بارش انوار کا نظارہ کرلیا۔ سبحان اللہ! کہاں ہیں علم غیب مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے؟ ذرا اس روایت پر غور کریں کہ جس کی چادر میں یہ اثر ہو کہ وہ ایک عورت کے سر پر پڑ جائے تو اس کو عالم غیب کی بارش نظر آجاتی ہے تو پھر چادر والے کو اگر عالم غیب کا ادراک اور علم حاصل ہو جائے تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟

روایت عقاب

برادران اسلام! جسم منور کی نورانیت کی گفتگو آ گئی ہے تو ایک روایت اور بھی سن لیجئے۔ ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو کرنے کے لیے بیٹھے۔ جونہی پاؤں دھوکر آپ نے چمڑے کا موزہ پہننے کا ارادہ فرمایا کہ بالکل ناگہاں ایک پرندہ عقاب آیا اور جھپٹ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک سے موزہ لے اڑا اور کچھ اوپر جا کر موزے کو اپنی چونچ سے

پکڑ کر الٹ دیا تو اس میں سے ایک سانپ گرا۔ پھر عقاب موزہ لے کر واپس آیا اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس رکھ کر اڑ گیا۔ سرکار ابدقرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقاب کی اس خدمت گزاری کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود
دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

یعنی اے عقاب اگرچہ خدا نے مجھے ہر غیب دکھایا ہے اور کوئی غیب میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے مگر اس وقت ایک لحظہ کے لیے میرا دل خدا کے مراقبات میں اس قدر مشغول ہو گیا کہ موزہ کے اندر سانپ چھپا ہوا تھا لیکن اس کی طرف میری توجہ ہوئی یہ سن کر ایماندار و عقیدت مند عقاب نے کیا جواب دیا؟ سنیے اور سر دھنیے کہ ایک پرند کے قلب میں ایمان کا آفتاب کس طرح جگمگا رہا ہے ایک پرند کے ایمان پر قربان! عقاب عرض کرتا ہے کہ ؎

گفت دوراز تو کہ غفلت از تو رست
دیدم آں غیب را از عکس تست
مار در موزہ بہ بینم در ہوا
نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ

یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حضور والا یہ کیا فرمارہے ہیں؟ غفلت اور بے توجہی تو حضور انور کی ذات سے بہت ہی بعید ہے اور مجھے جو یہ علم غیب حاصل ہوا کہ میں نے موزہ کے اندر چھپے ہوئے سانپ کو اتنی بلندی سے دیکھ لیا تو میری کیا مجال کہ غیب کا علم مجھے حاصل ہو جائے واقعہ یہ ہوا کہ یارسول اللہ! میں جو اڑتے ہوئے حضور انور کے جسم منور کے اوپر سے گزرا تو حضور انور کی نورانیت کا مجھ پر ایسا عکس پڑا کہ میری آنکھیں اس قدر پرنور ہو گئیں کہ میری نگاہوں سے تمام حجاباتِ ظلمت دور ہو گئے اور مجھے موزہ کے اندر چھپا ہوا سانپ نظر آ گیا۔

سبحان اللہ عزوجل! ایک پرندہ اڑتے ہوئے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم منور کا عکس پڑ جائے تو اس کی آنکھوں میں جسم نور کی تجلی سے ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کو موزہ کے اندر چھپا ہوا سانپ نظر آ جاتا ہے۔ تو پھر اس نور مجسم کی نورانی آنکھوں کو غیب تو کیا؟ اگر غیب الغیب نظر آ جائے تو اس میں ہرگز ہرگز کوئی تعجب کا مقام نہیں۔

خوشبودار پسینہ

برادرانِ ملت! جسم منور کے معجزات کا کہاں تک بیان کروں اچھا ایک معجزہ اور بھی سن لیجئے۔

دیکھئے! ہر انسان کے جسم سے پسینہ نکلتا ہے مگر تمام انسانوں کے پسینے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسینے سے کیا نسبت؟ سب کا پسینہ بدبودار مگر رحمت عالم کا مقدس پسینہ مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہوتا تھا۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ بی بی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک شیشی میں جسم منور کا پسینہ جمع کرنے لگیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا کہ اُم سلیم یہ کیا کررہی ہو؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ کے جسم انور کا پسینہ ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے" وھو اطیب الطیب" کیونکہ یہ نہایت ہی بہترین خوشبو ہے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۶۶)

اسی طرح ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک نادار صحابی نے دربار رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے مگر میرے پاس بہترین خوشبو کا انتظام نہیں۔ آپ میری مدد فرمایئے۔ رحمت عالم نے اپنی کھیوں کا پسینہ پونچھ کر ایک شیشی میں رکھ کر اس کو عطا فرمادیا اور حکم دیا کہ تیری بیٹی اس کو بجائے عطر کے استعمال کرے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ:

فَكَانَتْ اِذَا تَطَيَّبَتْ يَشُمُّ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ رَائِحَةَ الطِّيْبِ، فَسَمَّوْا بَيْتَ الْمُطَيِّبِيْنَ (حجۃ اللہ ۶۸۵)

یعنی جب یہ عورت اس پسینے کو بطور عطر کے استعمال کرتی تو اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچ جاتی تھی۔ چنانچہ اہل مدینہ اس گھر کو "بیت المطیبین" یعنی خوشبوداروں کا گھر کہا کرتے تھے۔

سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے۔

واللہ جو مل جائے میرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر نہ پھر چاہے دلہن پھول

برادرانِ ملت! جسم انور کا پسینہ تو خیر جسم منور سے نکلا ہوا ہے اس کے معطر ہونے میں کیا تعجب ہے؟ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تو قبر منور کی مٹی کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں۔

مَاذَا عَلٰى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَ
اَنْ لَّا يَشُمَّ مُدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر منور کی مٹی کو سونگھ لے تو پھر عمر بھر اس کو کسی دوسری خوشبو کے سونگھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ بہر حال جسم انور کا پسینہ بھی صاحب اعجاز ہے اور بے مثل و بے مثال ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے،

صبا نہ چھیڑ ابھی سنبل و گلاب کا ذکر
کہ ہم نبی کے پسینے کی بات کرتے ہیں

قلب مبارک کا اعجاز

حضرات! دل تو ہر انسان کے سینے میں ہے۔ مگر سرکار مدینہ کے سینے میں وہ عظمت والا دل ہے کہ قرآن کریم نے اس کی مدح میں ارشاد فرمایا کہ:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَأٰی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔

یعنی محبوب خدا کی مقدس آنکھ نے جو کچھ بھی دیکھا حضور کے قلب منور نے کبھی اس کی تکذیب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں کا احساس ہمیشہ قلب مبارک کے ادراک کے موافق ہی رہا۔

برادرانِ ملت! ہم اپنی آنکھوں سے سینکڑوں ایسی چیزیں دیکھتے ہیں کہ ہمارا قلب اس کو جھٹلا دیتا ہے کیونکہ ہماری آنکھوں کا دیکھا ہوا بسا اوقات غلط ہوتا ہے اس لیے قلب اس کو قبول نہیں کرتا۔ دیکھئے! چلتی ہوئی ریل گاڑی پر سے ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ درخت بھاگے جا رہے ہیں مگر ہمارا قلب ہماری آنکھوں کے اس دیکھے ہوئے کو جھٹلا دیتا ہے اسی طرح سورج طلوع ہوتے وقت ہماری آنکھوں کو ایسا نظر آتا ہے کہ آفتاب زمین سے بہت چھوٹا ہے مگر ہمارا دل اس کو سراسر غلط سمجھتا ہے کیونکہ آفتاب تو زمین سے ہزاروں گنا بڑا ہے۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کے احساس اور ہمارے قلب کے ادراک میں مطابقت ضروری نہیں ہے مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک اور چشم منور دونوں کا یہ اعجاز ہے کہ آپ کی چشم منور اور قلب انور دونوں کے احساس و ادراک میں ہمیشہ مطابقت ہی ہوتی ہے یعنی آپ کی آنکھ وہی دیکھتی ہے جو آپ کے علم قلب کے مطابق ہوتا ہے اور آپ کا قلب وہی جانتا ہے جو آپ کی نظروں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

برادرانِ ملت! قلب منور کی معجزانہ عظمت کے قربان! خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ یعنی قرآن کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو وہ خوف الٰہی سے گڑگڑاتے ہوئے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

مگر قلب شریف کا یہ بے مثل اعجاز ہے کہ یہی قرآن عظیم اپنی پوری عظمت و جلالت کے ساتھ اس قلب مبارک پر نازل ہوا لیکن قلب مقدس کو نہ کوئی صدمہ پہنچا نہ لغزش ہوئی بلکہ آپ

کے قلب معظم نے سلامتی کے ساتھ اس بار امانت کو اٹھالیا اور آج روز روشن کی طرح قلب منور کا یہ اعجاز بھی نمایاں ہے کہ آپ کی امت کے بچوں کے ننھے ننھے دل بھی قرآن کے بار امانت کو اٹھائے ہوئے ہیں۔

حضرات! نیند کی حالت میں ہر شخص کی آنکھیں محو خواب اور دل غافل ہو جاتا ہے مگر قلب منور کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ نیند کی حالت میں بھی قلب مقدس ہمیشہ بیدار رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔ چنانچہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بغیر وتر پڑھے سو جاتے ہیں اور نیند سے اٹھ کر بلا وضو فرمائے وتر پڑھ لیتے ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا کہ اے عائشہ:

اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ۔ یعنی میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں۔ مگر میرا دل بیدار رہتا ہے (اس لیے میرا وضو شکست نہیں ہوتا)

کمال عقل

حضرات! یہ تو سب کو معلوم ہے کہ علوم و معارف بلکہ تمام انسانی کمالات کا دارومدار عقل پر ہے جس کی عقل جس قدر کامل ہوگی۔ اتنا ہی وہ صاحب کمال ہوگا۔ لہٰذا اب میں مناسب سمجھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمال عقل کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دوں۔ سنیے!

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَرَأْتُ فِیْ اَحَدٍ وَّسَبْعِیْنَ کِتَابًا فَوَجَدْتُ فِیْ جَمِیْعِهَا اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَمْ یُعْطِ جَمِیْعَ النَّاسِ مِنْ بَدْءِ الدُّنْیَا اِلٰی اِنْقِضَائِهَا مِنَ الْعَقْلِ فِیْ جَنْبِ عَقْلِهٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا کَحَبَّةِ رَمْلٍ مِّنْ بَیْنِ رِمَالِ الدُّنْیَا۔ (شفاء، ص ۴۲)

یعنی میں نے اکہتر کتابوں کو پڑھا تو سب میں مجھے یہی مضمون ملا کہ شروع دنیا سے قیامت تک اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو جو عقلیں عطا فرمائی ہیں اگر ان سب لوگوں کی عقلوں کے مجموعہ کا حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل سے موازنہ کیا جائے تو تمام انسانوں کی عقلوں کے مجموعہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل سے وہی نسبت ہوگی جو ریت کے ایک ذرہ کو تمام دنیا کے ریگستانوں کے مقابلہ میں ہے۔

اللہ اکبر! حاضرین محترم! غور کیجئے! کہ دنیا کی ابتداء سے قیامت تک کیسے کیسے باکمال

صاحبانِ عقل پیدا ہوئے اور پیدا ہوں گے مگر ان تمام عقلاء کی عقلیں رحمت عالم کی عقل کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے ریگستان دنیا کے مقابلہ میں ایک ذرہ۔ اب آپ بتائیے! کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عقل کا کمال اتنا بلند و بالا اور عظمت والا ہے تو پھر آپ کے علوم و معارف کے کمالات کی عظمت کا کیا عالم ہوگا۔

علوم و معارف

برادرانِ ملت! میرے ناقص علم کی کیا تاب و طاقت ہے کہ میں مرکز نبوت کے علوم و معارف کے بحر ناپیدا کنار کا کچھ اظہار کر سکوں۔ لیکن پھر بھی حضرت علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔ جس سے حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم و معارف کا ایک خاکہ آپ کی نظروں کے سامنے آ جائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ:

وَبِحَسْبِ عَقْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ مَعَارِفُهٗ اِلٰى سَائِرِ مَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاطَّلَعَهٗ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ مَا يَكُوْنُ وَمَا كَانَ وَعَجَائِبِ قُدْرَتِهٖ وَعَظِيْمِ مَلَكُوْتِهٖ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا حَارَتِ الْعُقُوْلُ فِيْ تَقْدِيْرِ فَضْلِهٖ عَلَيْهِ وَخَرِسَتِ الْاَلْسُنُ دُوْنَ وَصْفٍ يُحِيْطُ بِذٰلِكَ اَوْ يَنْتَهِيْ اِلَيْهِ

(شفا، ۷۹)

یعنی آپ کی عقل ہی کے مطابق آپ کے وہ علوم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع فرمایا اور سکھایا۔ یعنی ابتدائے عالم سے اب تک جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا قدرت خداوندی کے عجائبات اور عالم ملکوت کی بڑی بڑی نشانیاں سب کا علم خداوند عالم نے آپ کو عطا فرما دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب آپ جو کچھ نہیں جانتے وہ سب کچھ خدا نے آپ کو سکھا دیا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔ تمام دنیا کی عقلیں آپ کے فضل و کمال کا اندازہ کرنے سے حیران ہیں اور آپ کے پورے کمالات کو بیان کرنے سے تمام جہان کی زبانیں گونگی ہیں۔

برادرانِ ملت! میں شروع ہی سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ تمام انبیاء و مرسلین کو رب العالمین جل جلالہ نے اس طرح دنیا میں بھیجا کہ ہر نبی و رسول کو نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر ان کی ذات سے الگ چند معجزات عطا فرمائے۔ مگر نبی آخر الزمان صلی علیہ وسلم کو جب مبعوث فرمایا تو خداوند عالم نے آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل خود آپ کی ذات ہی ...

فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ یعنی وہ نبی ہیں کہ ان کی نبوت کے لیے خود ان کی ذات ہی سراپا دلیل و برہان ہے۔

اور ان کا وجود باجود ہی معجزات کا ایک جہان ہے چنانچہ میں نے آپ کے چند اعضائے مبارکہ کے چند معجزات کا نمونہ ابھی ابھی آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ پڑھیئے درود شریف اللهم صل وسلم وبارك عليه وعلىٰ اله اجمعين ۔

گرامی حضرات! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی سے جتنے معجزات صادر ہوئے میں تو کس گنتی میں ہوں بڑے بڑے اہل علم کے لیے ان معجزات کا شمار دشوار ہے یاد رکھیئے کہ تمام انبیاء سابقین کو جتنے معجزات عطا کیے گئے تھے وہ سب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں جمع ہیں اور ان کے علاوہ بھی ایسے ان گنت بڑے بڑے معجزات سے خداوند عالم نے اپنے حبیب کو نوازا ہے جو کسی نبی و رسول کو نہیں عطا کیے گئے اور کمال تو یہ ہے کہ انبیائے سابقین کے معجزات بھی جب حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے تو ان کی عظمت و جلالت میں ایک انوکھی شان اور نرالی آن بان پیدا ہو گئی چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ آپ نے پتھر پر لاٹھی مار کر چشمہ جاری فرما دیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی انگلیوں سے بارہا پانی کا چشمہ جاری فرما دیا۔ ظاہر ہے کہ پتھر سے لاٹھی مار کر چشمہ جاری کر دینا اگرچہ ایک عجیب معجزہ ہے مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری کر دینا یہ اس سے کہیں بڑھ کر عجیب تر ہے۔

چہرہ روشن ہو گیا

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ ید بیضاء بھی تھا کہ آپ گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے تھے تو آپ کا ہاتھ چمکنے لگتا تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسی معجزہ کا ظہور اس طرح ہوا کہ آپ نے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے چہرہ اور سینہ پر اپنا دست انور پھیر دیا تو ان کا چہرہ اتنا روشن و تابناک ہو گیا کہ اگر وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہو جاتے تو گھر میں اجالا ہو جاتا تھا۔ (حجۃ اللہ ص ۴۳۸)

برادران ملت! غور کیجئے! کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضاء کی شان یہ تھی کہ خود آپ کا ہاتھ چمک اٹھتا تھا مگر رحمت عالم کے ید بیضاء کی نرالی شان کا یہ عالم ہے کہ جس چیز پر دست انور

پہنچ جاتا وہ ید بیضا کی طرح چمکنے لگتی۔ سبحان اللہ! کہاں اعجاز موسوی اور کہاں اعجاز محمدی؟

سورج ٹھہر گیا

حضرات! حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ سورج آپ کے لیے ٹھہر گیا۔ چنانچہ روایت ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن جہاد میں مصروف تھے چونکہ توریت کی شریعت میں سنیچر کے دن عبادت کے سوا کوئی دوسرا کام حرام تھا۔ اس لیے آپ کو خیال آ گیا کہ اگر آج جمعہ کو فتح حاصل نہ ہوئی تو کل سنیچر کو ہم جنگ نہ کرسکیں گے چنانچہ آپ نے دعا فرمائی کہ خداوندا آج دو گھڑی دن بڑا ہو جائے۔ آپ کی دعا مقبول ہوگئی سورج ٹھہر گیا اور دو گھڑی دن ٹھہر گیا اور جمعہ کے دن ہی آپ کو فتح نصیب ہوگئی۔

حضرات گرامی! حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج ٹھہر گیا۔ بلاشبہ یہ آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ تھا مگر رحمت عالم کے اعجاز کی یہ نرالی شان ہے کہ آپ کے اشارے سے ایک بار سورج ٹھہر گیا اور ایک مرتبہ ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا چنانچہ روایت ہے کہ شب معراج کی صبح کو کفار نے جب معراج کا انکار کیا اور امتحان کے لیے آپ سے دریافت کیا کہ بتایئے ہمارا تجارتی قافلہ جو ملک شام سے آرہا ہے وہ کس دن مکہ پہنچے گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بدھ کے دن وہ قافلہ مکہ آجائے گا چنانچہ قریش بدھ کے دن قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ شام ہوگئی اور قریب تھا کہ سورج ڈوب جائے مگر قافلہ نہیں آیا۔ اس موقعہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی فَزِيْدَ لَهٗ فِي النَّهَارِ وَحُبِسَتِ الشَّمْسُ۔ (شرح شفا ملا علی قاری جلد اص ۵۹۰) تو آپ کے لیے سورج روک کر دن بڑھا دیا گیا یہاں تک کہ وہ بدھ کے دن ہی قافلہ آ گیا اور سورج پلٹ آنے کی روایت تو آپ نے بارہا سنی ہوگی جس کو کسی شاعر نے نظم میں بیان کیا ہے ؎

خیبر میں ایک روز رسالت مآب تھے	ظلمت کدہ میں رشک وہ آفتاب تھے!
زانوائے شیر حق پہ وہ مصروف خواب تھے	بے مثل تھے حضور تو یہ انتخاب تھے
تھا اوج پر ستارہ مگر بوتراب کا	زانو بنا تھا تکیہ رسالت مآب کا
بیدار خواب سے ہوئے محبوب کبریا	دیکھا کہ آفتاب ہے مغرب میں جا چھپا
کی عرض شیر حق نے کہ اے شاہ دوسرا	وسطیٰ صلاۃ عصر مری ہوگئی قضا
ارض و سما ہیں زیر نگیں کیسا آفتاب	مرضی جو آپ کی دیکھی تو لوٹ آیا آفتاب

خیبر کی چوٹیوں پہ جو دھوپ آ گئی نظر
مشکل کشا نے بہر فریضہ جھکایا سر

نار گلزار ہوگئی

برادرانِ ملت! اور سنیے! حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام پر نمرود کی آگ گلزار ہوگئی تھی ہمارا ایمان ہے کہ یہ آپ کا بہت بڑا معجزہ تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ اعجاز ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جس دستر خوان میں ہاتھ منہ صاف کیا تھا وہ بار بار آگ کے تنور میں ڈالا جاتا تھا مگر جلنے کی بجائے وہ صاف ستھرا ہو جاتا تھا۔ اللہ اکبر! اگر خدا کے خلیل کے جسم کے لیے ایک بار آگ گلزار ہوئی تو حبیب رب جلیل کے رومال کے لیے بار بار آگ گلزار بنی۔

برکتِ طعام

حضرات! قرآن مجید میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے ایک دستر خوان نازل ہوا تھا جس میں سات روٹیاں اور سات مچھلیاں تھیں مگر اتنی تھوڑی سی روٹیوں' مچھلیوں کو کئی سو آدمی کھا کر آسودہ ہو گئے اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو بارہا زمین کے دستر خوان پر تھوڑے سے کھانے سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں بھوکوں کو شکم سیر فرما دیا۔ اس قسم کے سینکڑوں معجزات میں سے صرف دو معجزے عرض کرتا ہوں۔

جنگ خندق کے موقع پر جب انصار و مہاجرین خندق کھودنے میں مصروف تھے صحابہ نے بھوک کی شکایت کی اور کرتا اٹھا کر دکھایا کہ شکم پر فاقہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے رحمت عالم نے صحابہ کی تسلی کے لیے اپنا پیراہن شریف اٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل پر اس منظر سے بڑی چوٹ لگی گھر آئے اور بیوی سے پوچھا کہ کیا کچھ کھانے کا سامان گھر میں موجود ہے؟ تلاش کرنے پر گھر میں ایک صاع جو کا آٹا نکلا حضرت جابر نے ایک بکری ذبح کی اور گوشت دیگچی میں رکھ کر چولھے پر چڑھا دیا اور ان کی بیوی آٹا گوندھنے لگیں حضرت جابر نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر چپکے سے کان میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ایک صاع جو کا آٹا اور ایک بکری کا گوشت ہے چند صحابہ کے ہمراہ حضور والا تشریف لے چلیں اور تناول فرمالیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ اے خندق کھودنے والو! چلو آج جابر کے گھر دعوت عام ہے اور حضرت جابر کو حکم دیا کہ

میں جب تک نہ آ جاؤں نہ دیگچی چولھے سے اتاری جائے۔ نہ روٹی پکائی جائے حضرت جابر گھبرائے ہوئے مکان پر آئے اور کہنے لگے کہ بیوی! غضب ہو گیا۔ ہمارے پاس اتنا مختصر کھانا ہے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سینکڑوں صحابہ کو ساتھ لے کر کھانے کے لیے تشریف لا رہے ہیں اب کیا ہوگا؟ پیکر ایمان بیوی نے کہا کہ گھبراؤ نہیں؟ اس رمز کو اللہ اور رسول ہی زیادہ جانتے ہیں تھوڑی دیر میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ساتھ رونق افروز ہو گئے اور آٹے اور دیگچی میں اپنا لعاب دہن ڈال کر دعا فرما دی پھر کیا ہوا؟ حضرت جابر کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ایک ہزار کا لشکر کھا کر شکم سیر ہو گیا۔ مگر دیگچی بدستور چولھے پر جوش مارتی رہی اور روٹیاں پکتی رہیں نہ گوشت میں کمی ہوئی نہ آٹے میں۔ (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۲۲۸)

بابرکت کھجوریں

اسی طرح ایک غزوہ میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کا سامان بھی ہے ابو ہریرہ اپنا توشہ دان لائے اور رحمت عالم کے سامنے دستر خوان پر توشہ دان الٹ دیا تو اس میں سے اکیس کھجوریں نکلیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھجوروں پر اللہ کا نام پڑھ دیا اور سب کو حکم فرمایا کہ دس دس آدمی ایک ساتھ بیٹھ کر کھائیں چنانچہ پورا لشکر پیٹ بھر کر آسودہ ہو گیا پھر بھی کچھ کھجوریں باقی رہ گئیں تو ان کھجوروں کو حضرت ابو ہریرہ نے اپنے تھیلے میں رکھ لیا سرکار دو جہان نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ تم اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتے اور کھلاتے رہو۔ مگر خبردار! اس تھیلے کو کبھی مت جھاڑنا' چنانچہ ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تک یعنی ۲۵ برس تک اس تھیلے میں سے کھجوریں نکال نکال کر کھاتا اور کھلاتا رہا اور تقریباً تین ہزار صاع کھجوریں میں نے اسے تھیلے میں سے نکال کر خیرات بھی کیں مگر کھجوریں ختم نہیں ہوئیں یہاں تک کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ہنگامے میں میری یہ تھیلی گم ہو گئی چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو تمام عمر اس کا رنج و غم رہا اور وہ نہایت دردناک لہجے میں یہ شعر پڑھتے تھے کہ

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِي فِي الْيَوْمِ هَمَّانِ
فَقْدُ جُرَابٍ وَقَتْلُ الشَّيْخِ عُثْمَانَ

یعنی سب کو تو آج ایک ہی غم ہے مگر مجھے دو غم ہیں ایک تھیلی کے گم ہونے کا اور دوسرا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا۔ (خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۵۹ وغیرہ)

شیر خوار بچے کی گواہی

حضرات! تقریر طویل ہوگئی مگر کیا کروں۔ بات پر بات یاد آتی جارہی ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک مشہور معجزہ ہے کہ جب زلیخا نے آپ پر بدنیتی کی تہمت لگائی اور عزیز مصر نے آپ سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں پاک دامن اور بے گناہ ہوں اتنے میں زلیخا کے چچا کے چار ماہ کے بچہ نے جو اسی مکان کے اندر پالنے میں لیٹا ہوا تھا۔ آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ .

یعنی عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے غلط کہا اور اگر ان کا کرتا پیچھے سے چاک ہوا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔ یعنی جب عزیز مصر نے آپ کا کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا۔ تو بولا کہ اے زلیخا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ بیشک تم عورتوں کا چرتر بہت بڑی چیز ہے۔ اے یوسف! تم اس کا خیال نہ کرو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو خطا داروں میں سے ہے۔ (سورۂ یوسف)

حضرات! دیکھئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ چار ماہ کے بچے نے جو اس مکان میں موجود تھا اس نے آنکھ سے دیکھ کر آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی معجزہ اس شان سے عطا کیا گیا کہ جن شیر خوار بچوں نے کبھی آپ کا دیدار بھی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی دی چنانچہ امام بیہقی و حاکم و خطیب و غیرہ محدثین راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ کے ایک

مکان میں تشریف فرما تھے کہ اہل یمامہ کا ایک بچہ جو اسی دن پیدا ہوا تھا ایک کپڑے میں لپیٹ کر رحمت عالم کے سامنے پیش کیا گیا آپ نے اس بچے سے دریافت فرمایا کہ میں کہ میں کون ہوں؟ قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ تو اس بچے نے نہایت فصاحت کے ساتھ بہ آواز بلند کہا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حضرات! اور سنیئے! مولانا رومی نے مثنوی شریف میں ایک روایت نقل فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ ایک کافرہ عورت اپنے دو ماہ کے بچے کو اپنی چادر میں چھپا کر امتحان نبوت کے لیے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی پھر کیا ہوا؟ سنیئے مولانا فرماتے ہیں کہ:

گفت کودک سلم اللہ علیک ｜ یارسول اللہ قَدْ جِئْنَا اِلَیْکَ

یعنی اس بچے نے چادر کے اندر ہی سے بآواز بلند عرض کیا کہ: السلام علیک یارسول اللہ! سرکار ہم حاضر دربار ہو گئے ہیں۔

مادرم از خشم گفتا ہی خموش ｜ کیت افگند ایں شہادت را بگوش

بچے کی ماں نے غصہ میں بھر کر کہا کہ خبردار چپ! ارے کس نے یہ کلمہ شہادت تیرے کان میں ڈال دیا؟

گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل ｜ درمیاں با جبرئیلم من رسیل

بچہ کہنے لگا کہ اے اماں اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ کلمہ شہادت سکھایا ہے اور اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے اور خدا کے درمیان قاصد بن کر مجھ سے یہ کلمہ حق کہلا رہے ہیں!

پس رسولش گفت اے طفل رضیع ｜ چیست نامت باز گو وشو مطیع

پھر رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شیر خوار بچے! تیرا نام کیا ہے؟ یہ بتا اور تو اللہ و رسول کا فرمانبردار بن جا۔

گفت نامم پیش حق عبد العزیز ｜ عبد عزیٰ پیش ایں یک مشت حیز

بچے نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! خدا کے نزدیک تو میرا نام ''عبد العزیز'' ہے۔ مگر میری اس کمینی ماں نے میرا نام ''عبد العزیٰ'' رکھ دیا ہے۔

من زعزیٰ پاک و بیزار و بری ｜ حق آنکہ وادت ایں پیغمبری

یارسول اللہ! میں عزیٰ بت سے پاک و بیزار ہوں و بری ہوں۔ میں اس خدا کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں جس نے آپ کو پیغمبری عطا فرمائی ہے۔

برادران ملت! غور فرمایئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معجزہ اور حضور نبی اکرم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزہ میں کتنا عظیم فرق ہے۔ بیشک اعجاز یوسفی ایک اعجاز عظیم ہے مگر اعجاز محمدی یقیناً اس سے اعظم ہے۔

بہر حال برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ معجزات تو تمام انبیاء سابقین کو عطا کیے گئے مگر ہر نبی کے معجزات ان کی ذات سے الگ چند عجیب و محیر العقول چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خاص خصوصیت ہے کہ آپ کی نبوت ورسالت کے ثبوت کے لیے خداوند عالم نے آپ کی ذات ہی کو سراپا معجزات بنا کر بھیجا اور فرمایا کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ یعنی اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک برہان یعنی واضح دلیل آ گئی۔

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمکی رسالت کے ثبوت کے لیے خود محمد رسول اللہ کی ذات ہی برہان و دلیل اور معجزہ ہے اور برادرانِ ملت! یہی وجہ ہے کہ جن حق پسند نگاہوں نے ایک مرتبہ بھی جمال محمدی کا نظارہ کر لیا تو انہیں آپ ہی کی صداقت و رسالت کے پہچاننے کے لیے کسی دلیل و معجزہ کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زندگی میں پہلی بار حضور اقدس کا دیدار کیا:

فَتَبَيَّنْتُ اَنَّ وَجْهَهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ ۔ تو میں نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور مان لیا کہ آپ کا چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔

مگر ہاں وہ جاہل و گنوار جو نبوت کے قدر دان ہی نہ تھے یا وہ بد بخت و بد باطن جنہوں نے بغض و عناد کی سیاہ عینک لگا کر جمال محمدی دیکھا تو انہیں جمال محمدی کا کوئی جلوہ نہ پہلے نظر آیا نہ اب قیامت تک نظر آ سکتا ہے!

بھائیو! کسی چیز کے بھی ناقدر شناس بری بلا ہوتے ہیں ناقدروں سے خدا بچائے آپ نے لکھنو کے ایک عطر فروش کا قصہ سنا ہوگا؟

لطیفہ

سنا ہے کہ لکھنو کے ایک نازک مزاج عطر فروش کہیں قسمت سے بنگال پہنچ گئے ایک مالدار بنگالی کے گھر پہنچے اور بکس میں سے عطر کی شیشی نکال کر بنگالی مانس کے ہاتھ پر لگا دیا۔ سڑی مچھلی کی بدبو پر خوش ہونے والا آدمی بھلا عطر کی قدر کیا جانے؟ ہاتھ پر لگے ہوئے عطر کو بنگالی چاٹنے لگا اور منہ بگاڑ کر بولا کہ شاحب! تمہارا عطر ہم نہیں مانگتا ہے یہ تو بہت کڑوا ہے لکھنوی عطر فروش نے سر پیٹ لیا کہ افسوس میں نے اس گنوار کے سامنے عطر پیش کر دیا جو عطر کی

قدر ہی نہیں جانتا غصے میں بھرے ہوئے لکھنوی صاحب بولے کہ واللہ با خدا کہتا ہوں کہ اب کسی بنگالی کو عطر نہیں دکھاؤں گا مگر آگے بڑھے تو ایک دوسرے سیٹھ صاحب نے روک لیا اور کہا کہ مجھے اپنا عطر دکھایئے۔ لکھنوی صاحب نے فرمایا کہ صاحب! میں کیا آپ لوگوں کو عطر دکھاؤں؟ ابھی ابھی تو ایک صاحب کے سامنے میں نے عطر پیش کیا تو وہ چاٹ گئے اور کہنے لگے کہ یہ تو کڑوا ہے سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ بابو صاحب! وہ تو بڑا گنوار تھا! افسوس! بھات سے کھانے کا چیز تھا اور وہ روکھا ہی چاٹ گیا یہ سن کر لکھنوی صاحب کے آنسو نکل پڑے اور بنگال سے جو سر پر پیر رکھ کر بھاگے تو لکھنو میں آ کر ہی دم لیا۔ جی! دیکھا آپ نے ایسے ہوتے ہیں ناقدر دان۔

اور بھائیو! بغض و عناد والوں کا تو کیا یہ پوچھتے ہو؟ ان لوگوں کو تو کبھی قیامت تک حق نظر نہیں آ سکتا شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ؂

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و درنظر دشمناں خاراست

یعنی کسی کے ہنر کو اگر عداوت کی نظر سے دیکھا جائے تو وہ بہت ہی بڑا عیب نظر آئے گا۔ دیکھ لو! سعدی پھول ہے مگر دشمنوں کی نظر میں کانٹا ہے۔

حضرات! مجھے اس وقت حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حکایت یاد آ گئی۔ یہ بھی سن لیجئے۔

عبرت آموز حکایت

ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ آپ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کا کچھ حال بیان فرمایئے؟ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ نے فرمایا کہ میں ان کا کیا حال بیان کروں؟ ان کی تو شان یہ تھی کہ اگر انہیں کوئی کافر بھی دیکھ لیتا تو دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتا سلطان نے عرض کیا کہ حضور والا کیونکر ہو سکتا ہے؟ ابوجہل نے ہزاروں بار جمال محمدی کا نظارہ کیا مگر اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوئی تو حضرت بایزید بسطامی کے صرف دیدار سے کس طرح کسی کافر کو ہدایت مل جاتی یہ سن کر حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی نے نہایت ہی پر جلال لہجے میں فرمایا کہ اے محمود! ابوجہل نے ایک بار بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا بلکہ اس نے صرف محمد بن عبداللہ کو دیکھا اگر ایک بار بھی وہ محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو اس کی بدبختی کا پیراہن تار تار ہو جاتا اور وہ ایک لمحہ میں سعادت دارین کا

تاجدار ہو جاتا اسی لیے حضرت حق جل مجدہ نے فرمایا:

تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔ یعنی اے محبوب! یہ کفار آپ کی طرف صرف نظر ڈالتے ہیں یہ لوگ نگاہ بصیرت سے آپ کو نہیں دیکھتے۔

تو میرا مطلب یہی ہے کہ جو شخص حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کو نگاہ بصیرت سے دیکھ لیتا تو وہ ضرور جہان ہدایت کا سلطان بن جاتا۔(روح البیان ص ۸۱۰)

بہرکیف برادرانِ ملت! میں اس آیئہ کریمہ مختصر تفسیر عرض کر چکا کہ اس آیت میں برہان سے مراد حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور نور مبین سے مراد قرآن کریم ہے اور قرآن نور مبین کس طرح ہے اس کا مفصل بیان حصہ اول میں ''قرآن مبین'' کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

خداوند کریم ہم سب کو اس برہان عظیم وقرآن کریم کے طفیل میں استقامت وخاتمہ بالخیر کی سعادت نصیب فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلاغ ط

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ و صحبہ اجمعین ط

چوتھا وعظ

معرکۂ حق و باطل

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

الحمد اللہ الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شھید و الصلوٰۃ و السلام علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ و علیٰ من کان بنصرتہ عمیدًا و رشیداً من اطاعہ بالحق فقد عاش حمیدًا و مات سعیدًا ○ و من عصا فقد خاب و خسر و ضل ضلا لاً بعیدًا○ اما بعد فاعوذ باللہ من الشطین الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (الصف)

برادرانِ اسلام! سب سے پہلے دربار رسالت میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور میرے ساتھ بہ آواز بلند پڑھیے!

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! یہ تجربہ ہے کہ لوگ جنگ اور لڑائی کی خبروں سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ آج میں آپ کو ایک بہت ہی عجیب جنگ اور نہایت ہی خوفناک لڑائی کا ذکر سناؤں۔

بزرگو اور دوستو! اس دنیا میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئی ہیں ہر لڑائی کبھی نہ کبھی ضرور ختم ہو جاتی ہے جنگ خواہ کتنی ہی طویل اور بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو مگر ایک نہ ایک دن اس کا خاتمہ

ضروری ہے۔ لیکن میں آج آپ کو ایک ایسی جنگ کے واقعات سناؤں گا کہ یہ جنگ جب سے شروع ہوئی کبھی ختم نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک ختم ہو سکتی ہے یہ جنگ ہمیشہ ہر دور اور ہر زمانے میں ہوتی رہی اور قیامت تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا نہ اس جنگ میں کبھی صلح ہو سکتی ہے اور نہ اس کا خاتمہ ہو سکتا ہے یہ اور بات ہے کہ اس جنگ کی فوج اور کمانڈر بدلتے رہے۔ میدان جنگ بدلتا رہا طریق جنگ میں تبدیلی ہوتی رہی فوجوں کے نام ان کی وردیاں' ان کے ہتھیار اور جھنڈوں کے رنگ ادل بدل ہوتے رہے مگر جنگ برابر جاری رہی اور قیامت تک برابر جاری رہے گی۔

حضرات! اب آپ حیران ہوں گے کہ ایسی بھلا کون سی جنگ ہوگی؟ کہ یہ جب سے شروع ہوئی آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی اور اس جنگ میں کبھی نہ صلح ہوگی نہ کبھی جنگ کا خاتمہ ہی ہوگا۔

تو سنیے! یہ جنگ ہے نور و ظلمت کی جنگ ''حق و باطل کی جنگ'' ایمان و کفر کی جنگ' جس طرح دن اور رات کبھی اکٹھا نہیں ہو سکتے آگ اور پانی میں کبھی میل ملاپ نہیں ہو سکتا اندھیرے اور اجالے میں کبھی صلح نہیں ہو سکتی ٹھیک اسی طرح حق و باطل ایمان و کفر میں نہ کبھی صلح ہو سکتی ہے اور نہ اس جنگ کا کبھی خاتمہ ہو سکتا ہے بلکہ جس دن سے یہ جنگ شروع ہوئی ہے آج تک برابر جاری ہے اور میں نے عرض کیا کہ قیامت تک کسی نہ کسی عنوان سے کسی نہ کسی میدان میں یہ لڑائی ہوتی ہی رہے گی مگر ہاں یاد رکھیے کہ اس حق و باطل کی جنگ میں ہمیشہ ہر محاذ پر حق کی فتح مبین اور باطل کی شکست مبین ہوتی رہے گی اور جب بھی حق و باطل کا معرکہ کسی میدان میں بھی گرم ہوگا تو آسمان سے حق کی فتح مبین یہ اعلان کرتی ہوئی اتر پڑے گی کہ:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ — یعنی اعلان کر دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

مگر اس کے باوجود پھر بھی حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوگی بلکہ کسی نہ کسی عنوان سے اور کسی نہ کسی میدان میں پھر یہ جنگ شروع ہو جائے گی چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمہ اس جنگ کا تسلسل اور اس حق و باطل کے معرکوں میں مختلف فوجوں اور کمانڈروں اور جھنڈوں کی تبدیلی کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ؎

دو علم افراخت اسپید و سیاہ — آں یکے آدم دگر ابلیس راہ
درمیان آں دو لشکر گاہ زفت — چالش و پیکار آنچہ رفت رفت

یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے عالم وجود میں آتے ہی حق و باطل کی یہ جنگ شروع ہوگئی اور اس نور و ظلمت کی جنگ میں دو کمانڈر بھی بن گئے اور دو جھنڈے بھی لہرانے لگے چنانچہ افواج حق کے سپہ سالار حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور ان کے دست مبارک میں نورانی سفید جھنڈا تھا اور باطل کی فوجوں کا کمانڈر ابلیس بنا اور ظلمانی کالا جھنڈا ہاتھ میں لے کر اعلان جنگ کر دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس

چنانچہ آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ خداوند قدوس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ چنانچہ قرآن مجید کا ارشاد ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ o خالق کائنات جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ ہم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ تم سب کے سب آدم علیہ السلام کے آگے سربسجود ہو جاؤ تو سب فرشتوں نے سجدہ کر لیا مگر ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تکبر سے اکڑ گیا اور اس فرمان ربانی کا انکار کر کے کافر ہو گیا اور اس حد تک اپنی خباثت کا اظہار کیا کہ حضرت حق جل مجدہٗ کی جناب میں انتہائی گستاخی و بے ادبی کے ساتھ اعتراض کر بیٹھا کہ:

خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ o — یعنی اے خدا! تو نے مجھے آگ سے پیدا فرمایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

بھلا آگ کبھی مٹی کے آگے سربسجود ہو سکتی ہے؟ اس لیے میں حضرت آدم علیہ السلام کو ہرگز کبھی بھی سجدہ نہیں کر سکتا!

حضرات! بس یہیں سے حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں جنگ ٹھن گئی اور نور و ظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ شروع ہو گیا دنیا جانتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس میں کبھی صلح نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ سے جنگ جاری رہی یہاں تک کہ حق کی فتح مبین ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام ہر محاذ پر مظفر و منصور ہو کر معظم و مکرم ہو گئے اور باطل شکست کی ذلت و رسوائی سے روسیاہ ہو کر مردود و مقہور ہوا اور ابلیس جنت سے ابدی لعنت اور پھٹکار میں گرفتار ہو کر نکال دیا گیا۔ اس طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا دنیا یہ سمجھتی رہی کہ شاید حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی یہ جنگ اور حق و باطل کا معرکہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ مگر نہیں یہ جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ یہی جنگ پھر دوسرے میدان میں شروع ہو گئی فوجوں

کے کمانڈر بدلے ہوئے تھے طریقہ جنگ بھی بدلا ہوا تھا مگر جنگ وہی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تھی اور معرکہ وہی حق و باطل کا معرکہ تھا چنانچہ دنیا نے کیا دیکھا؟ حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ۔

ہم چناں ایں دو علم از عدل و جور   تا بہ نمرود آمد اندر دور دور
ضد ابراہیم گشت و خصم او   واں دو لشکر کین گزار و جنگ جو

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی لڑائی کے دونوں جھنڈے یعنی ایک عدل کا جھنڈا اور دوسرا ظلم کا جھنڈا یہ دونوں جھنڈے سلسلہ بسلسلہ منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ ایک دور ایسا آیا کہ ایک جانب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حقانی لشکر کے سپہ سالار بن کر نورانی پرچم کے نیچے کھڑے ہیں اور ایک طرف نمرود شیطانی فوجوں کا کمانڈر بنا ہوا ظلمانی پرچم تلے کھڑا ہے اور ان دونوں میں نور و ظلمت' اور حق و باطل کی جنگ ٹھنی ہوئی ہے دیکھ لیجئے فوجوں کے کمانڈر بدل گئے میدان جنگ بدل گیا مگر لڑائی وہی ظلمت و نور کی ہے معرکہ وہی حق و باطل کا ہے جنگ وہی کفر اور ایمان کی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہوئی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی یہ لڑائی ختم نہیں ہو رہی ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ خدا کے مقدس پیغمبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا قصور کیا تھا؟ خدا کے خلیل نے اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ شرک کی لعنت میں گرفتار ہے پوری قوم ستاروں کی عبادت کر رہی ہے نمرود کی باطل خدائی کے آگے ان کی پیشانیاں سجدہ ریز ہیں حضرت خلیل اللہ اپنی قوم کی اس مشرکانہ زندگی پر تڑپ اٹھے اور انسان کی مقدس پیشانی کو نمرود کے آگے زمیں بوس دیکھ کر آپ کے پیغمبرانہ عزم کو جلال آ گیا اور یہ دیکھ کر کہ انسان کی وہ عظمت والی پیشانی جو صرف اس لیے کہ خالق کائنات کے حضور سر بسجود ہو کر سر بلندی کی معراج سے سرفراز ہو وہ ایک ذلیل انسان کے آگے سجدہ کر رہی ہے اور انسان کا شرف اس بے دردی کے ساتھ ذلت کی تلوار سے ذبح کیا جا رہا ہے آپ کی رگوں میں پیغمبری خون جوش مارنے لگا اور آپ ایک اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے پرچم توحید کی سربلندی اور شرک کو مٹانے کے لیے تیار ہو گئے اور اپنی قوم کی ہدایت کے لیے انتہائی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی ایمان افروز تقریر فرمائی جس کو قرآن مجید کی حکیمانہ و معجزانہ زبان سے سنئے ارشاد ربانی ہے کہ:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○
(الانعام)

یعنی جب اُن پر رات کا اندھیرا آیا تو ایک تارا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اسے میرا رب ٹھہراتے ہو؟ پھر جب وہ تارا ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ڈوبنے والوں کو خدا مان کر محبت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ غروب ہو جانے والی چیزیں بھلا کس طرح خدا ہو سکتی ہیں؟

اس کے بعد کیا ہوا سنیے!

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ
(انعام)

پھر جب چاند چمکتا دیکھا تو فرمایا کہ اس کو تم لوگ میرا رب بتاتے ہو؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ۔

پھر جب سورج جگمگاتا دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اسے میرا رب کہتے ہو؟ یہ تو ان سب سے بڑا ہے۔

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ

لیکن جب یہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے میری قوم! میں تمہاری ان مشرکانہ حرکتوں سے بیزار ہوں۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام)

بیشک میں نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے اور میں بس اسی ایک کا ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

سبحان اللہ! فرمان خداوندی بھی یہی ہے کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ○
(انعام)

یعنی میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے اور مجھے خدا کی طرف سے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمان ہوں۔

برادرانِ اسلام! آپ نے دیکھا؟ حضرت خلیل اللہ کی پیغمبرانہ تقریر کیسی ایمان افروز، کتنی حق نما، اور کس قدر حقائق سے لبریز ہے مگر نمرود اپنی جھوٹی خدائی کے بت کو پاش پاش ہوتے دیکھ کر بلبلا اُٹھا۔ اس بدنصیب نے خدا کے مقدس خلیل کو گرفتار کر کے اپنے دربار میں بلایا اور کمال بے حیائی سے پوچھا کہ اے ابراہیم تمہارا رب کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ یعنی میں اس رب کی خدائی کا پرستار ہوں جو زندگی اور موت بخشتا ہے۔

نمرود نے اپنی متکبرانہ شرکشی کے ساتھ کہا کہ:

اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ ۔ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

چنانچہ اس احمق نے جیل خانہ سے دو قیدیوں کو بلایا ایک کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی اور دوسرے کو رہائی مل چکی تھی نمرود نے پھانسی پانے والے قیدی کو تو چھوڑ دیا اور رہائی پانے والے کو قتل کرا دیا اور باغیانہ ڈھٹائی کے ساتھ بولا کہ اے ابراہیم دیکھ لو اس کو پھانسی کی سزا ہو چکی تھی یہ مر چکا تھا میں نے اس کو زندہ کر دیا اور یہ دوسرا قیدی قید خانہ سے رہا ہو چکا ہے اور زندہ تھا میں نے اس کو مار ڈالا تو اگر تمہارا خدا زندگی اور موت بخشتا ہے تو میں بھی دیکھ لو زندگی اور موت بخشتا ہوں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے سمجھ لیا کہ اس خودسر مردود کی گردن پر سر نہیں ہے بلکہ سڑا ہوا تربوز ہے اور یہ بالکل ہی حماقت کی فیکٹری ہے تو آپ نے فرمایا کہ:

فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۔ یعنی اے نمرود! اللہ وہ ہے جو روزانہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے اگر تو خدا ہے تو ایک دن سورج کو پچھم سے نکال دے۔

پھر کیا ہوا۔ اس کو قرآن کی زبان سے سنیے۔

فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ o یہ سنتے ہی کافر مبہوت ہو کر ہکا بکا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

برادرانِ اسلام! حضرت خلیل کی حقانیت کا سورج اس طرح طلوع ہو گیا کہ اگر نمرود میں ذرا بھی انسانیت کی بو باس ہوتی تو وہ پیغمبر خدا کی غلامی کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال کر خدائے برحق کا پرستار اور فلاح دارین کا حق دار بن جاتا۔ مگر برا ہو کفر وطغیان کا کہ سرکشی کا طاغوت عفریت بن کر اس کے دل و دماغ پر ایسا مسلط ہو گیا کہ یہ خدا کا باغی پیغمبر خدا سے جنگ پر آمادہ ہو گیا اور

میلوں لمبی آگ جس کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے جلا کر خدا کے خلیل کو اس آگ میں ڈلوا دیا اور مطمئن ہو گیا کہ میں نے اپنی خدائی کے سب سے بڑے بت شکن کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا مگر رب جلیل نے فرمایا کہ:

یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤی اِبْرٰهِیْمَ اپنے خلیل پر اس نار کو گلزار بنا دیا اور حق و باطل کی اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوا جو ہمیشہ ہوتا رہا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام فتح و کامرانی کے تاجدار ہوئے اور نمرود ذلت و ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو کر قہر قہار و غضب جبار کا سزاوار ہوا۔

برادرانِ ملت! یہ بڑا عبرتناک لطیفہ ہے کہ خدا کی قہاری نے اس کو گوارا نہیں فرمایا کہ حقانی لشکر کا کوئی بڑا سورما نمرود کو ہلاک کرے بلکہ حقانی فوج کے ایک بہت ہی ننھے سپاہی یعنی مچھر کو حق جل مجدہ نے حکم فرما دیا کہ تو اس کی ناک میں گھس کر اس کی بھیجے کو پاش پاش کر دے جس میں جھوٹی خدائی کے ہزاروں مہا دیو بند ہیں چنانچہ ایک مچھر بالکل اچانک نمرود کی ناک میں گھس گیا اور اس کی کھوپڑی کے اندر بھیجے پر حملہ آور ہوا نمرود سر درد کی شدت سے بیقرار ہو کر بلبلاتا تھا اور اس کی خدائی کے پرستار اس کی کھوپڑی پر لکڑیاں برساتے تھے۔ مگر نمرود کو ایک لمحہ کے لئے چین نہیں ملتا تھا۔ یہاں تک کہ درد کرب سے تڑپ تڑپ کر نمرود نے دم توڑ دیا اور کائنات عالم کے سامنے اس کی جھوٹی خدائی کا بھرم کھل گیا۔

برادرانِ ملت! نمرود نے ہر چند چاہا اور بڑی کوشش کی کہ خدا ک خلیل کو ہلاک کر کے نور خدا کے چراغ کو بجھا دے۔ مگر قدرت خداوندی نے بآواز بلند اعلان کر دیا کہ:

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ یعنی کافر تو یہی چاہتے ہیں کہ حق باطل کی جنگ میں پھونک مار کر یہ لوگ خدا کے نور کو بجھا دیں مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل فرمائے گا اگرچہ کافر اپنے حسد و عناد کی آگ میں جلتے رہیں۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملت! حق و باطل کے اس معرکہ میں حضرت خلیل کی فتح مبین اور نمرود کی شکست ہلاکت اس حقیقت کا اعلان ہے کہ ہمیشہ حق و باطل کی جنگ میں اسی طرح حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہوتا رہے گا ظلمانی طاقتیں لاکھ کوشش کریں کہ نور خدا کے چراغ کو بجھا دیں مگر قدرت خداوندی کا یہی اعلان ہے کہ

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی !
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

درود شریف پڑھیئے: اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا محمد وآلہ اجمعین

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون

برادرانِ ملت! میں عرض کر رہا تھا کہ حق باطل کی جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا چنانچہ آپ یہ نہ سمجھئے کہ نمرود کی ہلاکت کے بعد نور وظلمت کی جنگ اور حق و باطل کا معرکہ ختم ہو گیا نہیں نہیں بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے دیکھا کہ یہی لڑائی ایک دوسرے محاذ پر شروع ہو گئی۔ جیسا کہ عارف رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ؎

دور دور و قرن و قرن ایں دو فریق
تا بہ فرعون و بہ موسےٰ شفیق

یعنی حق و باطل کی لڑائی حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان جو شروع ہوئی تو ہر دور اور ہر زمانے میں اس جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان یہ جنگ شروع ہوئی۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور نمرود کی جنگ بابل کی سرزمین میں ہوئی تھی۔ مگر اب اس لڑائی کا محاذ جنگ مصر میں قائم ہوا اور اب کی مرتبہ حقانی فوج کی سپہ سالاری کا سہرا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے سر بندھا اور شیطانی لشکر کی کمانڈری کا لعنتی ہار فرعون کے گلے میں پڑا چنانچہ برسوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق و باطل کا معرکہ گرم رہا لیکن انجام وہی ہوا جو ہمیشہ اس حق و باطل کی جنگ کا ہوتا رہا ہے کہ فتح و نصرت نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کے قدموں کا بوسہ لیا اور فرعون دریائے نیل میں غرق ہو کر ابدی ہلاکت کے عذاب میں گرفتار ہو گیا اور سرزمین مصر کا ذرہ ذرہ اعلان خداوندی کا نقیب بن کر پکار اٹھا کہ ۔

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی ۔
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل

برادرانِ گرامی! لیکن اب یہ حق و باطل کی جنگ ختم نہیں ہوئی بلکہ چند دنوں کے بعد دنیا نے پھر ایک دوسرے روپ میں اس جنگ کا نظارہ دیکھا۔ چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ ؎

ہمچناں تا دور و طور مصطفےٰ
با ابو جہل آح سپہدار جفا

یعنی چند ہی دنوں کے بعد اس لڑائی کا میدان جنگ مصر سے منتقل ہو کر حجاز میں آ گیا اور آمنے سامنے کھڑی حقانی شیطانی فوجیں مصروف جنگ ہو گئیں مگر اس مرتبہ حقانی افواج کی سپہ سالاری کا تاج دونوں عالم کے تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر پر رکھا گیا اور شیطانی لشکر کی قیادت کے لیے شیطان نے ابو جہل کو منتخب کیا اور حق و باطل کی ایک طویل لڑائی شروع ہو گئی۔

حضرات! میں بار بار عرض کر چکا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کی جنگ سے لے کر آج تک ایک ہی جنگ ہوتی رہی یعنی نور و ظلمت کی جنگ' حق و باطل کی جنگ یا یوں کہہ لیجئے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابو جہل کی جنگ اور یقین رکھیے کہ اس جنگ کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا شاعر مشرق نے کتنے نفیس انداز میں اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرار بو لہبی

دارالندوہ کی سازش

اچھا اب بات آ گئی ہے تو آیئے! میں آپ کو اس حق و باطل کی جنگ کے چند مناظر بھی دکھا دوں۔ دارالندوہ کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ یہ کفار قریش کا پنچایت گھر تھا کفار اس گھر میں ایک دن جمع ہو کر ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف خوفناک اسکیموں' اور ہلاکت آفریں تدبیروں پر غور و فکر کرنے لگے تو قریش کا ایک بہت خرانٹ کافر ابوالبختری کھڑا ہوا اور نہایت غضبناک ہو کر کہنے لگا کہ اے صنادید قریش! کیا تمہیں خبر نہیں ہے: کہ محمد بن عبداللہ مکہ کے کوچہ و بازار میں تبلیغ اسلام اور تلاوت قرآن کرتے پھرتے ہیں اور کلمات قرآن میں اتنے غضب کی تاثیر ہے کہ یہ آواز بن کر کانوں میں پہنچتے ہیں مگر صداقت کا تیر بن کر دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو جاتے ہیں چنانچہ دیکھ لو کہ ہمارے بوڑھے جوان' بلکہ عورتیں اور بچے بھی اسلام کی آغوش میں چلے جا رہے ہیں اور آج اتنی تعداد میں مسلمان ہو چکے کہ مکہ کی گلیاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعروں سے گونج رہی ہیں پہلے تو فقراء مساکین اور غلاموں ہی میں اسلام محدود تھا مگر اب تو غضب ہو گیا کہ عثمان غنی' مصعب بن عمیر'

ابو حذیفہ بن عتبہ ابوسلمہ ابو جندل وغیرہ جیسے رؤساء اور شرفاء قریش بھی شمع اسلام کے پروانے بن چکے ہیں لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا یہ سلسلہ اس طرح بند کر دیا جائے کہ محمد بن عبداللہ کو پکڑ کر ایک کوٹھڑی میں قید کر دیا جائے اور کھڑکیوں اور جھروکوں سے کھانا پانی دے دیا جائے۔ اسطرح بنو ہاشم بھی ہمارے خلاف نہیں ہوں گے اور تبلیغ اسلام کا کام بھی بالکل ہی بند ہو جائے گا ابوالبختری کی اس زہریلی تقریر کے بعد ہشام بن عمرو کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میری تجویز یہ ہے کہ ابو طالب کے بھتیجے کو شہر بدر کر دینا چاہئے اور بہت ہی بہتر ہوگا کہ اس کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مکہ سے سینکڑوں میل دور لے جا کر صحرائے عرب میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے یہ سن کر ابو جہل جو غصہ میں سرخ ہو رہا تھا جھلا کر اور منہ میں جھاگ بھر کر بولا میں ان دونوں تجویزوں کا مخالف ہوں مکہ میں محمد بن عبداللہ کو قید کر دینے سے ہرگز کبھی اسلام کی تبلیغ بند نہیں ہو سکتی اور شہر بدر کرنے کا تو یہ مطلب ہوا کہ ابھی تک تو مکہ ہی میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اگر یہ مکہ سے باہر دور دور کے قبائل میں پہنچ گئے تو پھر ہر جگہ اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا اس لیے میری پختہ رائے یہ ہے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ ہر قبیلے کے ایک ایک جوان کو منتخب کر لو اور یہ سب جمع ہو کر رات کی تاریکی میں تلواریں لے کر جائیں اور محمد بن عبداللہ کو بستر نبوت ہی پر جب کہ وہ گہری نیند سو رہے ہوں دھوکے سے قتل کر دیں اس طرح سے ہمیشہ کے لیے بانی اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور نبوت کا چراغ ہی گل ہو جائے گا شیطان جو شیخ نجد کی صورت میں اس کمیٹی کا شریک کار تھا۔ ابو جہل کی یہ تجویز سن کر مارے خوشی کے اچھل پڑا اور کہنے لگا کہ اے سرداران قریش! میں شیخ نجدی ہوں اور میں تمہیں اس مہم میں صلاح و مشورہ دینے کے لیے نجد سے آیا ہوں میں بھی ابوالبختری اور ہشام بن عمرو کی رائے کو حقارت کے ساتھ ٹھکراتا ہوں اور ابو جہل کی صحیح اور صائب رائے کی زبردست تائید کرتا ہوں بلکہ اس تجویز کی داد دیتا ہوں۔

چنانچہ اس طاغوت کی زہر بھری تقریر نے تمام صنادید قریش کو جوش میں بھر دیا اور سب کے سب اس خوفناک اسکیم پر متفق ہو گئے ابو جہل نہایت بے چینی کے ساتھ رات کی آمد کا منتظر رہا اور اسکو یقین تھا کہ کل صبح تک نور خداوندی کا چراغ گل ہو جائے گا اور باطل کا پرچم سربلند ہو جائے گا چنانچہ میرے بزرگو اور بھائیو! وہ خوفناک رات آ گئی اور بہت سے جوان تلواریں لے کر چل پڑے اور کاشانہ نبوت کا محاصرہ کر کے کھڑے ہو گئے ادھر جبرائیل امین نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار کی اس بزدلانہ سازش سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حقانی لشکر کے سپہ سالار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بستر نبوت پر تاجدار ولایت یعنی اسد اللہ الغالب علی بن ابی

طالب کو سلا دیا اور خود نہایت اطمینان کے ساتھ کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور ایک مٹھی کنکری ہاتھ میں لے کر کفار کی طرف پھینک دی خدا کی شان کی یہ کنکری ہر کافر کی آنکھ میں پڑ گئی اور سب آنکھیں ملنے لگے اور آپ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے حرم کعبہ میں پہنچ گئے اور پھر سلامتی کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت فرما گئے اور ہر طرف سے قدرت خداوندی کی غیبی آواز آنے لگی کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ یعنی۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن!
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

برادرانِ ملت! کفار قریش کی یہی وہ خطرناک سازش ہے جس کا نقشہ قرآن مجید نے اس طرح کھینچا ہے کہ:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَ یَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ○ (انفال)

یعنی اے پیغمبر! یاد کیجئے جب کافر آپ کے ساتھ مکر کرتے تھے تاکہ آپ کو قید کر دیں یا شہید کر دیں، یا نکال دیں، اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

ناکام حملہ آور

برادرانِ ملت! اسی حق و باطل کی اس جنگ میں ایک ایسا وقت بھی آیا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک غزوہ میں تھے اور دوپہر کے وقت ایک سایہ دار درخت کے نیچے بالکل تنہا آرام فرما رہے تھے آپ کی تلوار درخت میں لٹک رہی تھی کہ بالکل اچانک شیطانی لشکر کا ایک شیطان صفت سپاہی اس درخت کے پاس آیا اور آپ کی مقدس تلوار ہاتھ میں لے کر پکارنے لگا کہ اے محمد! اب بتاؤ؟ تم کو میری اس تلوار سے کون بچا سکتا ہے؟ رحمت عالم نے انتہائی پرسکون پیغمبرانہ لہجے میں فرمایا کہ "اللہ" یہ سنتے ہی اس کافر کے جسم کا رونگٹا رونگٹا، اور اس کا بال بال خوف و ہراس سے لرزہ براندام ہو گیا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ رحمت عالم نے اٹھالی اور فرمایا کہ بول! اب کون ہے؟ جو تجھ کو میری اس شمشیر آبدار کی حق آشکار ضرب سے بچا سکتا ہے؟ کافر لرزتے اور کانپتے ہوئے گڑگڑا کر امان طلب کرنے لگا رحمت عالم کے

سینے میں رحمت بھرا قلب تھا اس کافر کی لاچاری و مجبوری پر قلب نبوت رحم و کرم کا سمندر بن گیا اور آپ نے اس خطرناک مجرم کے اس جرم عظیم کو اپنے دامن عفو میں چھپا کر اس کا قصور معاف فرما دیا۔ شیطانی لشکر یہ سمجھ رہا تھا کہ میرے اس سفاک و خونخوار سپاہی نے سپہ سالار اعظم خلیفۃ اللہ الاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کام تمام کر کے چراغ نبوت کو بجھا دیا ہوگا مگر قدرت پکار رہی تھی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کو دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

اسی طرح ایک مرتبہ جبل تنعیم کے پشت سے اسی کافروں نے بالکل اچانک حملہ کیا تا کہ دھوکے سے ناگہاں قتل کر دیں مگر نصرت خداوندی نے اپنے رسول کی ایسی امداد و اعانت فرمائی کہ سب کے سب کفار زندہ گرفتار ہو گئے اس موقع پر بھی رحمت عالم نے اپنی رحمت کاملہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا کہ دشمنان رسول حیرت سے انگشت بدنداں ہو گئے۔ آپ نے سب کو معاف فرما کر رہا فرما دیا۔ یہی وہ موقع ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ (الفتح)

یعنی اللہ وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے بعد اسکے کہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا اور اللہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھتا ہے۔

حضرت! اسی پر بس نہیں کون نہیں جانتا کہ بدر کے میدان میں ابو جہل ایک ہزار کا لشکر جرار لے کر اسلام کا نام و نشان مٹا دینے اور چراغ نبوت کو بجھا دینے کے لیے چڑھ آیا جنگ اُحد میں تین ہزار خونخوار و جفا پیشہ فوجوں کے ساتھ مدینہ پر جارحانہ حملہ کیا گیا جنگ خندق میں دس ہزار مختلف قبائل کے کفار نے مدینہ پر اتنا زبردست بلہ بول دیا کہ زمین دہل گئی خونریز لڑائیاں ہوئیں خاص کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان جنگوں میں بڑے بڑے خوفناک حملے کیے گئے دندان مبارک شہید ہو گئے پیشانی اقدس میں خود کی کڑیاں چبھ گئیں گہرے زخم بھی لگے غرض کفار نے انتہائی کوشش کی کہ رحمت عالم کا خاتمہ کر دیا جائے اور اس چراغ نور کو بجھا دیا جائے مگر اوراق تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حق و باطل کے ان معرکوں میں فتح و نصرت کا سہرا حق ہی کے سر رہا اور ہمیشہ شکست و ذلت کا لعنتی طوق باطل ہی کے گلے کا ہار بنا اور ہمیشہ ہر میدان میں زمین و آسمان کے گوشہ گوشہ سے یہی صدائے حق بلند ہوتی رہی کہ: یُرِیْدُوْنَ

لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ یعنی ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

زہرآلو گوشت

برادرانِ ملت! چراغ اسلام کو بجھانے کے لیے کفار کی کوششیں میدان جنگ اور بزدلانہ قتل ہی تک محدود نہیں رہیں بلکہ حد ہوگئی کہ خیبر میں ایک یہودی عورت نے جس کا نام زینب بنت الحارث تھا بکری کے گوشت میں زہر ملا کر رحمت عالم کے دسترخوان پر رکھا۔ چنانچہ بشر بن البراء بن معرور صحابی ایک بوٹی اس گوشت کی کھاتے ہی زہر کے اثر سے فوراً شہید ہو گئے مگر رحمت عالم نے جونہی ایک بوٹی کو ہاتھ میں لے کر منہ سے لگایا کہ گوشت کی بوٹی پکار اٹھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زہر آلود ہوں مجھے ہرگز تناول نہ فرمایئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی عورت سے دریافت فرمایا کہ کیوں؟ کیا تو نے اس گوشت میں زہر ملا دیا ہے یہودی عورت نے اقرار کرتے ہوئے پوچھا کہ آپ کو کس نے خبر دی؟ ارشاد فرمایا کہ مجھے گوشت کی اس بوٹی نے خبر دی کہ اس عورت نے اس کو زہر آلود کیا ہے یہودیہ نے بات بناتے ہوئے کہا کہ میں نے آزمائش و امتحان کے لیے ایسا کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہوں گے تو آپ کو کچھ نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر آپ نبی نہیں ہوں گے تو اس طرح آپ کو قتل کر کے ہمیں راحت مل جائے گی۔ (مشکوٰۃ ص۵۴۲)

برادرانِ ملت! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ چراغ نبوت کو بجھا دینے کی یہ کیسی خفیہ اور کتنی خوفناک تدبیر تھی؟ مگر خدا کی قسم خدا کا وعدہ کتنا سچا ہے کہ یہ حقیقت یہاں بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہو کر نظروں کے سامنے آ گئی کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مسیلمۃ الکذاب کی جنگ

برادرانِ اسلام! میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ نور و ظلمت اور حق و باطل کی جنگ میں کبھی بھی صلح نہیں ہو سکتی اور قیامت تک کسی نہ کسی روپ میں اور کسی نہ کسی میدان میں یہ جنگ ہوتی رہے گی اور ہمیشہ حق کی فتح اور باطل کی شکست کا سلسلہ جاری رہے گا۔ چنانچہ ابوجہل مٹ

گیا اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سرفراز فرمایا۔ مگر چراغ مصطفوی اور شرار بولہبی کی جنگ ختم نہیں ہوئی تاریخ گواہ ہے کہ مسیلمۃ الکذاب نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر کے ہزاروں انسانوں کا ایک لشکر تیار کر لیا اور چراغ نبوت کے نور کو بجھانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا اور اپنے لشکر جرار کے ساتھ جانشین رحمۃ للعالمین' امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جنگ کا چیلنج دینے لگا اور مدینہ منورہ کے اردگرد ایک طویل محاذ پر حق و باطل کی ایک طویل جنگ چھڑ گئی اس جنگ میں ایمانی لشکر کے سپہ سالار حضرت صدیق اکبر یار غار ہیں اور شیطانی فوج کا کمانڈر مسیلمۃ الکذاب ہے دیکھ لیجئے فوجوں کے کمانڈر بدلے ہوئے ہیں مگر لڑائی وہی حق و باطل کی لڑائی ہے اس موقع پر امیر المومنین حضرت صدیق اکبر نے جناب خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عساکر اسلامیہ کا جنرل بنا کر یلغار کا حکم دیا اور میدان جنگ میں حق و باطل کا خونریز معرکہ گرم ہو گیا:

حضرات! اس جنگ میں مجاہدین اسلام نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے مگر حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش نصیبی اور ان کا عظیم کارنامہ درحقیقت تاریخ سلام کا ایک ناقابل فراموش شاہکار ہے حضرت وحشی نے اپنے دل میں سوچا کہ افسوس جنگ احد میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے میں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب نازک کو بہت بڑا صدمہ پہنچایا ہے اور میرے لیے یہ بہت ہی بڑا داغ ہے کہ میرا دامن حضرت حمزہ کے خون ناحق سے داغدار بنا ہوا ہے کیوں نہ میں اس داغ کو اس طرح دھو ڈالوں کہ اگر میں نے خیر الناس یعنی ایک بہترین انسان کو قتل کیا۔ تو اب شر الناس یعنی ایک بدترین انسان کو قتل کر ڈالوں۔ چنانچہ آپ اپنا زہر آلود نیزہ لے کر میدان جنگ میں پہنچے۔ گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا کہ حضرت وحشی صفوں کو چیرتے ہوئے اس اونٹ کے قریب پہنچ گئے جس پر مسیلمۃ الکذاب سوار ہو کر شیطانی فوجوں کی کمانڈ کر رہا تھا۔ حضرت وحشی نے نشانہ باندھ کر اس زور سے اپنا نیزہ چلایا کہ مسیلمۃ الکذاب کی ناف کے نیچے لگا اور پشت کے پار نکل گیا اور دشمن اسلام زمین پر گر کر ڈھیر ہو گیا اور اس کے مقتول ہوتے ہی شیطانی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور خالد سیف اللہ کی حقانی فوجوں نے شیطانی لشکروں کو جو چوہوں اور گیدڑوں کی طرح بھاگتے تھے تہ تیغ کر ڈالا۔ ہزاروں باطل پرست موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور ہزاروں گرفتار ہو کر بارگاہ خلافت میں آئے اور پھر تائب ہو کر اسلام کی آغوش عاطفت میں آ گئے اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہوا کہ۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

پڑھیئے درود شریف: اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد وبارك وسلم ۔

کربلا معرکہ

برادرانِ ملت! حق و باطل کی جنگ بھلا قیامت سے پہلے کہاں ختم ہونے والی ہے چند ہی دنوں کے بعد اس حق و باطل کی جنگ کا ایک منظر کربلا میں نظر آیا۔ اب کی مرتبہ پرچم حقانیت کے علمبردار اور افواج حق کے سپہ سالار حضرت امام عالی مقام حسین نامدار فرزند دلدل سوار ہیں اور باطل پرستوں کی کمان یزید پلید کے ہاتھوں میں ہے۔ ایک طرف بائیس ہزار کا لشکر خونخوار ہے اور ایک طرف بیاسی نفوس قدسیہ کا ایک قافلہ ہے جس کا ہر فرد دن کا روزہ دار اور رات کا عابد شب زندہ دار ہے اس میں پردہ نشین وعفت مآب خواتین بھی ہیں اور غلام بھی بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی اسی بیاسی میں بستر علالت پر کراہنے والے عابد بیمار بھی ہیں اور سب سے ننھے مجاہد علی اصغر شیر خوار بھی ہیں۔

مسلمانو! تاریخ کربلا شاہد ہے کہ دوسری محرم سے دسویں محرم تک یہی مسئلہ زیر بحث رہا کہ بار بار یزیدی فوج کا سپہ سالار ابن سعد بد نہاد یہ پیغام بھیجتا رہا کہ اے فرزند رسول وجگر گوشہ بتول صرف اتنی سی بات ہے کہ آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر بیعت فرمالیجئے تو یہ بائیس ہزار کا لشکر آپ کا مطیع و فرمانبردار اور آپ کے قدموں پر نثار ہو جائے گا اور بنوامیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کے قدموں میں ہوں گی اور یزید پلید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنے سر کا تاج بنا کر اپنی قسمت کی سربلندی پر ناز کرے گا آپ کو عزت ملے گی دولت ملے گی کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی اور اے امام! اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں فرمائی تو یہ ستم گاروں کا لشکر خونخوار آپ کی نظروں کے سامنے اہل بیت نبوت کے شہزادوں کو بیدردی کے ساتھ ذبح کر ڈالے گا اور آپ کے مقدس خون سے بھی کربلا کی زمین کو رنگین بنا ڈالے گا اور شہیدوں کی مقدس لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر ڈالے گا اور شہداء کربلا کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک پھرائے گا۔

الغرض امام عالی مقام کو اس قدر لالچ دلائی گئی کہ اگر بادشاہ ہفت کشور بھی ہوتا تو پھسل جاتا اور اس قدر ڈرایا گیا کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے قدم ڈگمگا جاتے مگر خدا گواہ ہے کہ حسین بن علی اس حق و باطل کے معرکہ میں پہاڑ سے زیادہ ثابت قدم رہے اور آپ نے ہر مرتبہ یزیدی لشکر

کے پیغام کے جواب میں یہی فرمایا کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تو پرچم حقانیت سرنگوں اور چراغ ہدایت گل ہو جائے گا اور اگر میں یزید کی بیعت نہیں کرتا تو یہ صحیح ہے کہ میں اور سب اہل بیت نبوت کٹ جائیں گے مگر قرآن کا ایک حرف بھی کٹنے نہیں پائے گا اور پرچم اسلام بلند سے بلند تر ہو جائے گا اس لیے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی یزید پلید کی بیعت نہیں کر سکتا۔

مسلمانو! سرزمین کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ امام برحق نے اس حق و باطل کی جنگ میں اپنا سر کٹا دیا گھر لٹا دیا۔ یزید پلید نے سمجھ لیا کہ حق مٹ گیا اور باطل سر بلند ہو گیا مگر قدرت اعلان کر رہی تھی کہ۔

قتل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یزید کی باطل پرستیاں مٹ گئیں اور وہ چراغ ہدایت کو نہیں بجھا سکا اور فتح مبین کا سہرا امام حسین ہی کے سر رہا اور انشاءاللہ قیامت تک آنے والی امت مسلمہ کی نسلیں شہید کربلا کو اس طرح مبارک باد دیتی رہیں گی کہ اے گلشن فاطمہ کے پھول اور اے ابن رسول! ہم تیری اس حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی کے قربان۔

سرخروئی اسے کہتے ہیں کہ راہ حق میں

سر کو دینے میں ذرا تو نے تامل نہ کیا

اللہ۔اللہ! سچ کہا ہے۔ ملت اسلامیہ کے کسی نبض شناس نے ۔

ملت بیضا کی عظمت صرف قربانی میں ہے

لذت آب بقا تلوار کے پانی میں ہے

غیر حق کے سامنے مسلم کا سر جھکتا نہیں

یہ وہ طوفاں ہے پہاڑوں سے بھی رکتا نہیں

عظمت انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے

حق پرستی، حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ نے بھی اسی حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہوئے لکھا اور کیا خوب لکھا ہے۔

شاہ است حسین، بادشاہ است حسین

دیں ہست حسین، دین پناہ ہست حسین

سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا ! کہ بنائے لا الہ است حسین !

یعنی شاہ حسین ہیں اور بادشاہ حسین ہیں وہ دین بھی ہیں اور دین کو پناہ دینے والے بھی ہیں۔ دیکھ لو! سر دے دیا مگر اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہیں دیا۔ خدا کی قسم! حضرت حسین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی عمارت کا سنگ بنیاد ہیں۔

معرکہ صلیب وہلال

برادرانِ اسلام! حیران ہوں کہ حق و باطل کی لڑائی کے کتنے محاذوں کی آپ کو سیر کراؤں اور اس جنگ کے کتنے مناظر آپ کو دکھاؤں؟ تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ''صلیبی جنگ'' کا معرکہ اسلام کے خلاف کتنا بڑا طوفان تھا یورپ کی تمام عیسائی سلطنتوں نے متحد ہو کر بیت المقدس پر حملہ کیا تھا اور رچرڈ کی فوجوں نے لاکھوں کی تعداد میں اتنی زبردست یلغار کی تھی کہ سر زمین شام دہل گئی تھی اور کوئی نہیں کہتا تھا کہ اب پرچم اسلام سر بلند رہ سکتا ہے تمام عالم اسلام میں خوف و ہراس کا دور دورہ ہو چکا تھا مگر سلطان صلاح الدین ایوبی جب حقانی لشکر کا سپہ سالار بن کر میدان جنگ میں بے خطر کود پڑا تو اسلام کی فتح مبین کے غیب سے ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ بیت المقدس پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا اور عیسائی سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور انہیں ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ ان کی شوکت و اقبال کا ستارہ ہی غروب ہو گیا اور یورپ کے سلاطین سینکڑوں برس تک سر اٹھانے کے قابل نہ رہے اور اس موقع پر بھی خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو کر رہا کہ ؎

خدا کا نور بجھا ہے نہ بجھ سکے گا کبھی
بجھانے والوں کے دل بجھ گئے بجھا نہ سکے

مگر برادرانِ اسلام! رنج و افسوس تو یہی ہے کہ ہمیں آج اپنے اسلاف کے یہ تاریخی شاندار کارنامے بھی یاد نہ رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم یاس و ناامیدی کا شکار ہو گئے اور مایوسی کا بھوت اس طرح ہم مسلمانوں کے سروں پر سوار ہو گیا کہ تاریخ اسلام کو ہم نے فراموش کر دیا اور خداوند قدوس کے مقدس وعدوں کو بھی ہم بھول گئے سچ فرمایا مرحوم شفیق جون پوری نے ؎

ہے یہ بھی وجہ جو راہ کمال بھول گئی
کہ داستان عروج و زوال بھول گئی !
وہی ہے اہل کلیسا میں جذبۂ تثلیث
ہماری قوم صلیب و ہلال بھول گئی
غضب ہے بولہبی ظلمتوں کے طوفاں میں
نگاہِ مصطفوی خدوخال بھول گئی

دف ورباب پہ محفل میں جھومنے والے   تجھے صدائے اذانِ بلال بھول گئی

چنگیز و ہلاکو کے حملے

بزرگو اور بھائیو! عروج وزوال کی ایک داستان اس وقت اور بھی یاد آ گئی اسے بھی سن لیجئے چنگیز و ہلاکو کے نام تو آپ نے ضرور سنے ہوں گے اسلام کے خلاف ان ظالم تاتاریوں کے حملوں کی روداد اتنی خونی داستان ہے کہ سینکڑوں برس تک تاریخ اسلام کے اوراق ان واقعات پر خون کے آنسو بہاتے رہیں گے چنگیز نے بلخ و بخارا اور سمرقند و ایران کی تمام اسلامی سلطنتوں کو کچل کر چکنا چور کر دیا اور مسلمانوں کے عام قتل کا ایسا ریکارڈ قائم کر دیا کہ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی' بخارا میں اس سفاک نے مسلمانوں کے سروں کے منارے بنوائے اس نے بخارا کی جامع مسجد کے منبر پر بیٹھ کر یہ حکم دیا کہ میرا ہر سپاہی ایک مسلمان کا سر کاٹ کر ضرور لائے ورنہ اسی کا سر کاٹ کر منارے میں لگا دیا جائے گا اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ پچاس پچاس اشرفیوں میں بھی مسلمانوں کا سر نہیں ملتا تھا اس لیے کہ پہلے ہی چن چن کر تمام مسلمان قتل کیے جا چکے تھے اور ان کے سر میناروں میں جوڑے جا چکے تھے چنگیز نے بخارا کی مسجدوں کو منہدم اور مدارس کو برباد کر دیا اور سینکڑوں برس کے اسلامی کتب خانہ کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ اسی طرح بلخ و سمرقند اور فرغانہ کو غارت کر کے تمام شہروں کو کھیت بنا ڈالا مسلمانوں کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی اور لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ اب شاید ان شہروں میں کبھی اسلام کا نام ونشان باقی نہ رہے گا پھر اسی چنگیز کا پوتا ہلاکو بغداد پر حملہ آور ہوا اور اس اسلام کے تاریخی شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور قتل و غارت گری کے ایسے ایسے ہولناک مناظر پیش کیے کہ الاماں الاماں! دریائے دجلہ کا پانی مسلمانوں کے خون سے رنگین ہوا۔ پھر جب دنیا کے سب سے بڑے اسلامی کتب خانہ کو ان ظالموں نے دریائے دجلہ میں پھینک دیا تو دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہو گیا تمام مساجد و مدارس کو برباد کر کے میدان بنا ڈالے اور چن چن کر لاکھوں مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کر کے کچھ لاشوں کو جلا دیا اور کچھ کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا۔ اس مہلک غارت گری کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اب مسلمان پھر کبھی پنپ سکیں گے یا دنیا میں مسلمانوں کا وجود باقی رہ جائے گا۔

مگر خدا کی قسم خداوند قدوس کا مقدس وعدہ حق ہے برحق ہے تاریخ پڑھ لو اور دیکھ لو کہ خداوند تعالیٰ نے غیب سے اسلام کی نصرت و حمایت کے کیسے کیسے اسباب پیدا فرما دیے؟

مسلمانو! تم یہ سن کر حیرت سے انگشت بدنداں ہو جاؤ گے کہ چند ہی دنوں کے بعد اسی ظالم ہلاکو کا ایک پوتا ارغون خان مسلمان ہو گیا اور ہلاکوں کی پوری تا تاری قوم آغوش اسلام میں آ گئی اور وہی تلواریں جو اب تک اسلام کے خلاف چل رہی تھیں اب اسلام کی نصرت وحمایت میں بے نیام ہو کر مصروف جہاد فی سبیل اللہ ہو گئیں اور پھر ہر طرف اسلام کا بول بالا ہو گیا اور ان خوفناک آندھیوں کے طوفان میں بھی نور اسلام کا چراغ روشن ہی رہا اور خدا کا وعدہ پورا ہو گیا کہ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِؤُا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ یعنی ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھا نہ جائے گا

علامہ اقبال نے اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ؎

تو نہ مٹ جائے گا ایراں کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورش تا تار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے!
عصر نورات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

کچھ حالات حاضرہ

برادرانِ گرامی! میری گزارش کا حاصل یہ ہے کہ ہر دور میں حق و باطل کی جنگ ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی چنانچہ خوب سمجھ لو کہ آج کل بھی جو یہ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے ان کی جائیدادیں لوٹی اور دکانیں جلائی جا رہی ہیں۔ یہ سارے مظالم اسی بناء پر تو ہیں کہ وہ مسلمان ہیں لہٰذا یقیناً یہ بھی حق و باطل اور کفر و اسلام ہی کی جنگ ہے اس میں شک نہیں کہ یہ جنگ بہت طویل ہو چکی اور چنگیز و ہلاکو کے وارثوں نے ایک مدت سے مسلمانوں کی خونریزی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے مگر مسلمانو! خبردار خبردار تمہیں ہرگز ہرگز نہ اس سے گھبرانا چاہئے نہ مرعوب و مایوس ہونا چاہئے بلکہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ یہ وہی حق و باطل کی جنگ ہے جو حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے درمیان ہو چکی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ اسلام اور نمرود میں ہوئی یہاں تک کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوجہل میں ہوئی اور جس طرح

ہر دور کے اہل ایمان نے صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر شیطانی لشکروں کا مقابلہ کیا اسی طرح آج بھی صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر شیطانی لشکروں کا مقابلہ کیا۔ اسی طرح آج بھی صبر و استقامت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ ڈٹ کر دشمنان اسلام کا مقابلہ کرنا چاہئے اور ہرگز ہرگز خائف و مرعوب اور مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ایمان رکھنا چاہئے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اللہ رسول کے دشمن لاکھ چاہیں کہ پھونک مار کر نور خدا کے چراغ کو بجھا دیں۔ مگر یہ ناممکن ہے کیونکہ حافظ حقیقی اپنے اس نور کا محافظ و نگہبان ہے۔ ہزاروں برس سے دنیا دیکھتی آئی ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک دنیا یہی دیکھے گی کہ ؎

نور حق اسلام ہے اس کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

برادرانِ اسلام! مجھے یہ تسلیم ہے کہ بہت سے مسلمانوں کی شہادت ہو چکی ہے اور میں کہتا ہوں کہ ابھی بہت سے مسلمان شہادت سے سرفراز ہوں گے مگر یقین رکھو کہ یہ شہدائے کرام کا مقدس خون کبھی برباد و رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ ان شاء اللہ ان مقدس شہیدان اسلام کے ہر قطرۂ خون کے بدلے رب العزت جل جلالہ' سینکڑوں طارق اعظم' ہزاروں محمد بن قاسم' لاکھوں صلاح الدین ایوبی شہاب الدین غوری' اور محمود غزنوی پیدا فرمائے گا۔ جو یقیناً شیطانی لشکروں پر فتح مبین حاصل کریں گے اور ان شاء اللہ ملت اسلامیہ کا گلشن پھر سرسبز و شاداب ہو کر بار آور ہو جائے گا اور ہر طرف فضائے آسمانی میں پرچم اسلام لہراتا رہے گا۔

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں بارہا ایسا ہو چکا ہے کہ شیطانی لشکروں کو عارضی طور پر کچھ مدت کے لیے غلبہ حاصل ہو چکا ہے مگر پھر حقانی فوجوں کی فتح مبین کا خداوند عالم غیب سے سامان پیدا فرما دیتا ہے۔ مرحوم شفیق جون پوری نے اسی تاریخی حقیقت کی طرف نہایت لطیف اشارہ کرتے ہوئے خوب کہا ہے کہ ؎

بجھی ہے شمع مسلم بارہا پھر جگمگائی ہے!
یہ تارا ٹوٹ جاتا ہے درخشانی نہیں جاتی

مسلمانو! تم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو کہ لاکھوں مسلمان ظالموں اور خونخوار غارت گروں کے ہاتھوں جام شہادت سے سیراب ہو چکے لاکھوں ملک بدر ہو گئے مگر الحمد للہ! کہ مسلمانوں کی تعداد گھٹنے کی بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہے شفیق مرحوم نے اس حقیقت کی بھی خوب نقاب کشائی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ؎

نکالیں سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہوگا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

گھرے ہیں اس طرح بتیس دانتوں میں زباں جیسے
مگر مسلم کی خوئے شان ایمانی نہیں جاتی

مگر ہاں برادرانِ ملت! ضرورت اس کی ہے کہ تم حق و باطل کے اس معرکہ میں وہ پارٹ ادا کرو جو تمہارے سلف صالحین نے کیا تھا۔ یعنی صبر و استقامت' اتفاق و اتحاد' جرات و استقلال اور اسلامی زندگی کو اپنا نصب العین اور شعار زندگی بنالو اور کتنی ہی بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا ہو جائے مگر اپنی ثابت قدمی و الوالعزمی کے پائے استقلال میں لغزش نہ آنے دو بلکہ پہاڑوں کی چٹانوں کی طرح ہر حملہ آور کے مقابلے میں ڈٹے رہو اور کسی حال میں بھی اسلامی زندگی سے بال برابر بھی تجاوز نہ کرو؟ کیوں؟ اس لیے کہ

برائے فتح پہلی شرط ہے ثابت قدم رہنا
جماعت کا بہم رکھنا جماعت کا بہم رہنا

فلک ٹوٹے زمیں پھٹ جائے موت آئے کہ دم نکلے
مگر ہرگز نہ ہادی کی اطاعت سے قدم نکلے

یہی نصر من اللہ کا اصول جاودانی ہے
یہی اسلام کی شرط حصول کامرانی ہے

محترم حاضرین! تاریخ اسلام پڑھ لیجئے۔ اگلے مسلمانوں پر بڑے کٹھن وقت آئے مگر یہ مسلمان وہ مسلمان تھے جو اسی نصر من اللہ کے اصول پر کاربند تھے۔ نہ کبھی گھبرائے نہ مایوس ہوئے بلکہ خدا پر توکل کر کے مٹھی بھر گنتی کے مسلمان ہزاروں دشمنان اسلام کے مقابلے پر ڈٹے رہے تو آخر کاران کمزوروں پر رحمت الٰہی کو پیار آ ہی گیا اور اس نے آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیج کر غیبی امداد فرمائی اللہ اللہ! ان مسجد کے نمازیوں اور میدان جہاد کے غازیوں کا کیا کہنا؟ ان کا حال کیا پوچھتے ہو سنو!

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو جوش حق سے کسریٰ اور قیصر کو کچل آئے

جہاں پہنچے زمیں کو آسماں سے کردیا اونچا
جہاں ٹھہرے درو دیوار کا نقشہ بدل آئے

سمندر میں بھی ان کی دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

برادرانِ ملت! تاریخ اسلام میں حقانی فوج کے تمام کمانڈروں اوران کی فوجوں کی زندگی پڑھ لو۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ہوں یا خالد بن ولید' ابوعبیدہ بن الجراح ہوں یا موسیٰ بن نصیر' طارق اعظم ہوں یا محمد بن قاسم' محمود غزنوی ہوں یا شہاب الدین غوری ہر ایک کے ساتھ ایسے ہی اللہ والوں کا گروہ تھا جو صبر و استقامت اور جرات و استقلال میں بے مثال تھا۔ خدا کی قسم جب میں ان کے اسلامی کارناموں کا خیال کرتا ہوں تو ان فرشتہ صفت انسانوں کو یاد کر کے میری آنکھوں سے آنسو چھلک جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! ان کے صبر و توکل اور زہد و تقویٰ کا یہ عالم کہ فرشتے ان پر ناز کریں۔ ان کی جرات و استقامت' اور ثابت قدمی و استقلال کا یہ منظر کہ پہاڑ ان کو جھک جھک کر سلام کریں ان کی اخوت و مروّت کا یہ حال کہ میٹھے پانیوں کے چشمے ان سے مہمان نوازی و سخاوت کا سبق سیکھیں۔ ان کی ہمت و شجاعت کا یہ مقام کہ فولاد کا قلب وجگر ان کی نظروں کی شعاع سے پگھل کر موم ہو جائے۔

مسلمانو! کیا عرض کروں؟ بخدا جب کبھی بھی ان حقانی فوجوں کے سپاہیوں کی یاد آ جاتی ہے تو جوش محبت سے آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ آہ۔ آہ ؎

نظر کے سامنے آتا ہے نقشہ ان دلیروں کا
کہ جن کا نام سن کر دل دہل جاتا ہے شیروں کا
فسانے زندہ ہو جاتے ہیں ان شمشیر گیروں کے
جو محسن تھے شریفوں کے جو قاتل تھے شریروں کے

وہی اللہ کے بندے جو زاہد تھے نمازی تھے!
مگر راہ شہادت میں مجاہد اور غازی تھے
حریفوں کے لیے شمشیر جو ہر دار رکھتے تھے!
حلیفوں کے لیے دامان گوہر بار رکھتے تھے!

امامت قوم کی وقت عبادت ان کا حصہ تھا
بوقت جنگ فوجوں کی قیادت ان کا حصہ تھا

مگر برادرانِ ملت! رنج وقلق تو اسی بات کا ہے کہ آج حق و باطل کا معرکہ تو ہماری نظروں

کے سامنے ہے اور شیطانی فوج غراتی اور دندناتی ہوئی ہر طرف حملہ آور ہو رہی ہے مگر ایک بھی مسلمان مرد میدان نظر نہیں آتا جو صحیح معنوں میں حقانی فوج کا سپاہی ہو۔

ہزاروں یزید

بزرگو اور بھائیو! میں ایک مرتبہ بمبئی میں ذکر شہادت کا وعظ پڑھ رہا تھا اور یہ عرض کر رہا تھا کہ یزیدی دور میں اسلام کو بے حد خطرہ لاحق ہو گیا تھا اتنے میں ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر مجھ سے سوال کیا کہ مولانا صاحب! یہ بتائیے کہ یزید کے زمانے میں اسلام کو زیادہ خطرہ درپیش تھا۔ یا اس زمانے میں اسلام زیادہ خطرے میں پڑ گیا ہے؟

مسلمانو! کیا عرض کر رہا ہوں کہ میں اس نوجوان کے سوال پر تڑپ اٹھا۔ کیونکہ اس نے میری دکھتی ہوئی رگ پر نشتر لگا دیا تھا میں نے فوراً ہی جواب دیا کہ عزیز من! بیشک یزید کے زمانے میں اسلام کو خطرہ درپیش ہو گیا تھا لیکن آج اسلام کے لیے جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے وہ یزیدی دور سے ہزاروں گنا بڑا خطرہ ہے کیونکہ یزید جب اسلام کو غارت کرنے کے لیے کھڑا ہوا تھا تو اس وقت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ موجود تھے وہ یزید کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور خود کٹ گئے مگر قرآن کا ایک نقطہ کٹنے نہیں دیا۔ خود مٹ گئے مگر فرمان مصطفےٰ کے ایک حرف کو مٹنے نہیں دیا اور اسلام کی ڈوبتی اور ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سلامتی کے ساتھ ساحل نجات پر پہنچا دیا مگر آج سب سے بڑی مصیبت کبریٰ و قیامت صغریٰ تو یہی ہے کہ یزید ہزاروں پیدا ہو گئے مگر امام حسین ایک بھی نظر نہیں آتا جو ان یزید صفت دشمنان اسلام کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو جائے اور اسلام کی نصرت و حمایت میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آج اسلام کے لیے دور یزید سے ہزاروں گنا بڑھ کر بھیانک خطرہ ہے۔

مسلمانو! کیا یہ اسلام کے لیے ایک قیامت نما سانحہ نہیں ہے؟ کہ ایسے وقت میں جبکہ دشمنان اسلام مسلمانوں کی بربادی اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے خوفناک حملے کر رہے ہیں اور اسلام کو مٹانے کے لیے اپنی اکثریت اور اپنی طاقت کے بل پر انتہائی خطرناک یلغار کر رہے ہیں اسلام کے لیے تباہ کن قوانین بنا کر پرچم حقانیت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑانے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں اور بے چارے مسلمان ہر طرف بیکسی و لاچاری کی مصیبت میں گرفتار ہیں ایسے خوفناک ماحول میں اسلامی نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ انہیں اپنے گیسو سنوارنے اور

داڑھی مونچھ کے صفایا کرنے ہی سے فرصت حاصل نہیں ہے۔ ہر نوجوان خواہ کالا کلوٹا الٹا توا ہی کیوں نہ ہو مگر کریم پاؤڈر لگا کر دلیپ کمار ہی بننے کی فکر و دھن میں لگا ہوا ہے اور بناؤ سنگھار تن پروری، تن آسانی کی بلاؤں میں گرفتار ہے اسے یہ فکر ہی نہیں کہ اس وقت قوم مسلم پر کتنی بڑی بلا نازل ہے وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اسلامی نوجوانوں کے دل و دماغ میں جذبہ ایمانی اور جوش ایمانی پیدا ہوتا اور وہ اپنے کردار عمل سے اسلام کی شان بڑھاتے اور اپنی نوجوانی کے گرم خون سے قوم وملت کی طرف سے دفاع کرتے مگر افسوس صد افسوس! کہ قوم مسلم کے نوجوانوں نے اپنے فرض کو بالکل ہی فراموش کر دیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے دور کے ''طارق اعظم'' اور ''محمد بن قاسم'' بنتے اور اپنی جدوجہد سے اسلامی پرچم کو سر بلند کرتے بداعتقادیوں اور بد اعمالیوں کے خلاف صف آراء ہوتے خود ہی طرح طرح کی بداعمالیوں میں گرفتار ہیں اور اپنی صورت وسیرت کو اس قدر بگاڑ رکھا ہے کہ انہیں دیکھ کر یہ پہچاننا ہی مشکل ہوتا ہے کہ یہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟ مسلمانو للہ! سوچو۔ مقام عبرت ہے کہ تمہارے اسلاف کون اور کیسے تھے؟ اور تمہارا کیا حال ہے؟ ہائے افسوس!

خود کشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خود دار
تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستان بہ کنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی

طارق اعظم

مسلم نوجوانو! کاش آج تمہارے سینوں میں ''طارق اعظم'' جیسے اسلامی جوان کا دل ہوتا۔ فاتح اندلس تاریخ اسلام کا وہ مسلم نوجوان ہے کہ قیامت تک گردش لیل ونہار اس کے کارناموں کو صفحۂ ہستی سے محو نہیں کر سکتی طارق اسلامی لشکر کا سپہ سالار تھا۔ جب کشتیوں پر اپنی فوج کو سوار کر کے سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے وہ اندلس کے ساحل پر پہنچا اور تمام لشکر ساحل پر اتر گیا تو طارق نے تمام کشتیوں کو جمع کر کے آگ لگا کر جلا دیا اور اپنی فوج کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ دیکھ لو اب وطن لوٹنے کی آس باقی نہیں رہی۔ اب ''لڑو یا مرو'' کے سوا کوئی چارہ نہیں

ہے اس لیے خوب سمجھ لو کہ وطن دور ہے اور جنت قریب ہے علامہ اقبال نے اس تاریخی واقعہ کو نظم کیا ہے کہ ؎

طارق چو برکنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہ خرد خطا است

یعنی طارق نے جب ساحل اندلس پر سب کشتیوں کو جلا دیا تو مجاہدین کہنے لگے کہ اے طارق! تمہارا یہ فعل عقل کی نگاہوں میں غلط ہے کہ تم نے سب کشتیوں کو جلا دیا کیوں؟ اس لیے کہ ؎

دوریم از سواد وطن باز چور سیم
ترک سبب زور ےَ شریعت کجار واست

یعنی ہم اپنے وطن کی زمین سے بہت دور ہیں اب بھلا ہم اپنے وطن کس طرح پہنچیں گے؟ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہی کشتیاں تو ہمارے وطن پہنچنے کا ذریعہ تھیں۔ اسباب و ذرائع کا چھوڑنا شرعاً کہاں درست ہے؟ فوج کا اعتراض اور خفگی دیکھ کر طارق نہ گھبراتے۔ نہ معذرت کرتے ہیں بلکہ پوری الوالعزمی کے ساتھ مسکرا کر کیا جواب دیتے ہیں؟ اس کو ذرا غور سے سنیے! ؎

خندید و دست خویش بہ شمشیر بردوگفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

یعنی طارق نے ہنس کر شمشیر پر ہاتھ ڈالا اور کہنے لگے کہ کیا تم لوگ وطن وطن چلا رہے ہو؟ مسلمان جہاں پیدا ہوا ہے وہی اس کا وطن نہیں؟ ارے دنیا کا ہر ملک ہمارا ہی ملک و وطن ہے کیونکہ ہر ملک ہمارے خدا ہی کا ہے۔ لہٰذا یہ ملک بھی ہمارا ہی وطن ہے اسکو فتح کرو اور یہیں سکونت کر لو اور اپنے پیدائشی وطن کا دل میں خیال بھی نہ لاؤ چنانچہ جب ساری فوج کو یقین ہو گیا کہ اب بھاگ کر وطن جانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے تو یہ فوج انتہائی شجاعت و بے جگری کے ساتھ لڑنے لگی۔ یہاں تک کہ پورا اندلس فتح ہو گیا اور اس سرزمین پر پرچم اسلام لہرانے لگا۔

مسلمان نوجوانو! کیا تم میں آج کوئی نوجوان ایسا ہے جس کی رگوں میں "طارق اعظم" جیسا ایمانی خون ہو؟ افسوس صد افسوس! آج تم میں کوئی بھی ایسا نہیں رہا!

برادرانِ ملت! بہر حال اس دور میں سب سے زیادہ اہم تو خود قوم مسلم کی بداعمالیوں کے خلاف صف آرائی کی ضرورت ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ جوا' سٹہ' شراب' حرام کاری' شعائر اللہ کی بے حرمتی' خداوندی فرائض سے بیزاری' ملت فروشی' مذہب سے غداری یہ وہ امراض خبیثہ ہیں جو قوم مسلم کی روحانیت کے لیے ٹی بی بلکہ کینسر سے بھی بڑھ خطرناک ہیں اور در حقیقت

ہماری ان بداعمالیوں ہی کی سزا ہے جو خداوند قہار و جبار کے طرف سے ظالم وخونخوار حکام ہم پر مسلط کر دیئے گئے ہیں جو بے دردی کے ساتھ ہمارے جسم و روح کو کچل رہے ہیں اور ہماری مجبوری ولاچاری کا یہ عالم ہے۔

نالہ کرنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

حجاج بن یوسف

حضرات! حجاج بن یوسف ثقفی کا نام تو آپ نے سنا ہوگا؟ یہ وہ بدنصیب اور ایسا سفاک وخونریز ظالم تھا جس نے ایک لاکھ انسانوں کو اپنی تلوار سے قتل کیا اور اس کے حکم سے جو لوگ قتل کیے گئے ان کا شمار ہی نہیں۔ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے اس ظالم سے جو کوفہ کا گورنر تھا یہ کہا کہ اے حجاج تم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت دیکھا ہے اور ان کے عدل و رعایا پروری کے مناظر بھی دیکھ چکے ہو۔ پھر تم عدل فاروقی کے نقش قدم پر کیوں نہیں چلتے؟ تو حجاج نے برجستہ جواب دیا کہ:

تَبَاذَرُوْا اَتَعَمَّرَ لَكُمْ ۔ یعنی تم لوگ ابوذر غفاری بن جاؤ تو میں بھی تمہارے لیے حضرت عمر بن جاؤں گا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں سب لوگ حضرت ابوذر غفاری جیسے متقی وپرہیزگار تھے۔ اس لیے خداوند عالم نے انہیں فاروق اعظم جیسا امیر و حاکم عطا فرمایا تھا اور تم لوگ چونکہ بداعمال ہو چکے ہو اس لیے خداوند قہار و جبار نے تم لوگوں پر مجھ جیسے ظالم وسفاک کو مسلط کر دیا ہے۔ (روح البیان ص ۴۵۵)

اسی طرح منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حجاج بن یوسف کے منبر پر ایک پرچہ میں یہ لکھ کر رکھ دیا کہ اے حجاج اگر حکومت کرنا چاہتا ہے تو حاکم کے لیے بھی رعایا کی ضرورت ہے اور اگر تو نبوت کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو نبی کے لیے بھی امتی کی ضرورت ہے اور اگر تو نمرود و فرعون کی طرح خدائی کا دعویٰ کرنا چاہتا ہے تو تجھ کو اپنا بندہ بنانے کے لیے کچھ انسانوں کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے تو انسانوں کا اس طرح قتل عام بند کر۔ تاکہ کچھ انسان تو زمین پر باقی رہ جائیں یہ پرچہ پڑھ کر حجاج منبر پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ میں نہ تو نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں نہ خدائی کا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اعمال بد کی سزا کے واسطے میں تمہارے لیے خدا کا

عذاب ہوں۔

جیسی رعیت ویسا حاکم

حضرات! بعض حدیثوں سے بھی حجاج کے اس قول کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ:

كَمَا تَكُونُونَ يُؤْتَى عَلَيْكُمْ اَحَدُكُمْ ۔ یعنی تم جیسے رہو گے تمہیں میں سے تمہارا حاکم بھی مقرر کیا جائے گا۔

صاحب روح البیان اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

اِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَيَجْعَلُ وَلِيَّكُمْ رَجُلاً صَالِحًا وَاِنْ تَكُوْنُوْا طَالِحِيْنَ فَيَجْعَلُ وَلِيَّكُمْ رَجُلاً طَالِحًا ۔ (روح البیان ۴۵۵) یعنی اگر تم لوگ نیکوکار رہو گے تو اللہ تعالیٰ کسی نیکوکار کو تمہارا حاکم بنائے گا اور اگر تم لوگ بدکار ہو جاؤ گے تو خداوند تعالیٰ کسی بدکار کو تمہارا حاکم بنادے گا۔

اسی طرح ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہ العالمین! میں کس طرح معلوم کروں کہ تو اپنے بندوں سے خوش ہے یا ناراض؟ تو ارشاد ربانی ہوا کہ اے موسیٰ!

اِذَا اسْتَعْمَلْتُ عَلَى النَّاسِ خِيَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ رِضَائِيْ وَاِذَا اسْتَعْمَلْتُ شِرَارَهُمْ فَهُوَ عَلَامَةُ سَخَطِيْ ۔ (روح البیان ۴۵۵) یعنی جب میں اپنے بندوں پر بہترین حاکم مقرر کروں تو تم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے خوش ہوں اور اگر میں اپنے بندوں پر بدترین لوگوں کو حاکم بنادوں تو تم سمجھ لو کہ میں اپنے بندوں سے ناراض ہوں۔

برادرانِ ملت! یہ حدیثیں کتنی کھلی ہوئی دلیل ہیں کہ ہم پر اسی وقت ظالم حکومت مسلط ہوگی جب خداوند تعالیٰ ناراض ہو جائے لہٰذا بجائے اس کے ہم ظالم حکام کو کوستے رہیں اور روتے رہیں۔ ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ہمارے اعمال میں درستی آجائے گی تو خدا کے محبوب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اور خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ ضرور ہم پر کسی اچھی حکومت کو مقرر فرمادے گا۔ مگر یہاں تو وہی معاملہ ہے

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان پر
کار بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

لطیفہ

مسلمانو! سنا ہے کہ کسی بزرگ سے ایک مرتبہ شیطان کی ملاقات ہوگئی تو یہ دیکھا کہ شیطان نہایت آرام کے ساتھ لیٹا ہوا ہے بزرگ نے فرمایا کہ ارے تو شیطان نہایت آرام کے ساتھ لیٹا ہوا ہے بزرگ نے فرمایا کہ ارے تو شیطان ہو کر اتنے اطمینان کے ساتھ لیٹا ہوا ہے؟ تیرا کام تو لوگوں کو بہکانا اور گناہ کرانا ہے۔ شیطان کہنے لگا کہ حضرت! میرا کام جو تھا وہ اب انسان ہی کرنے لگے۔ اس لیے میں اطمینان سے سورہا ہوں اور مسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے کہ اس چودہویں صدی میں انسان ایسے ایسے چار سو بیس کے دھندے کرنے لگا کہ شاید ابلیس کا وہاں تک خیال بھی نہ پہنچا ہوگا! آپ ہی بتا دیجئے کہ کالی مرچوں میں پپیتے کے بیج ملا کر پسی ہوئی دھنیا میں موم پھلی کے چھلکے ملا کر چائے میں گوبر ملا کر کبھی شیطان نے بیچا؟ مسجدوں میں سے جوتے، حرم کعبہ میں سے قرآن کو جلدیں چرانا کبھی شیطان سے ہوسکا۔ مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ جو کام شیطان سے نہ ہوسکا وہ آج انسان بلکہ مسلمان کر رہے ہیں!

بہر کیف برادران ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حق و باطل کی جنگ قیامت تک جاری رہے گی اور آج مسلمانوں کے خلاف جو قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے یہ درحقیقت وہی حق و باطل کی جنگ ہے اور ان شاء اللہ اس جنگ کا بھی وہی انجام ہوگا جو ہمیشہ حق و باطل کی جنگ کا انجام ہوتا رہا ہے لہٰذا گھبرانے یا مرعوب و مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے سلف صالحین کی طرح صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ان باطل پرستوں کے حملوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

برادران اسلام! ایک سچے مسلمان کی شان اور ایک مومن کامل کی پہچان ہی یہ ہے کہ کتنی بڑی سے بڑی مصیبت کیوں نہ آجائے بڑے سے بڑے نرغے میں کیوں نہ پھنس جائے مگر ہرگز ہرگز کبھی بھی خدا کی رحمت اور اس کی امداد و نصرت سے مایوس نہ ہو۔ بلکہ اس کی امداد و اعانت کا امیدوار بن کر اور اس کے فضل و کرم پر توکل کر کے ہمیشہ جدوجہد کرتا رہے مایوسی و نامرادی و ناامیدی مومن کی ایمانی حیات کے لیے سم قاتل و زہر ہلاہل ہے شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے کہ ۔

نہ ہو مایوس' نومیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

حضرات! آج کل اکثر مسلمانان عالم مایوسی میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور ہم مسلمان کیا کریں؟ یہ سب ناامیدی و مایوسی کی باتیں ہیں۔ جو کمزوری ایمان کی دلیل ہیں۔ بہر کیف مسلمان بھائیو! جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ آئندہ اسلام اور مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ تو اس کا جواب میں بار بار عرض کر چکا کہ اسلام و مسلمان نہ کبھی مٹے ہیں نہ قیامت تک مٹ سکتے ہیں۔ بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے اور اسلام و مسلمانوں کا آئندہ پھر بول بالا ہو کر رہے گا۔ کیوں۔ اس لیے کہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت لچک دی ہے
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

مسلمانو! اسلام کی مثال ہوا بھری ہوئی گیند کی طرح ہے کہ اس کو جتنی طاقت اور زور سے تم زمین پر پٹکو گے اتنا ہی زیادہ وہ اچھل کر زمین سے بلند ہوگا۔ اسلام کے دشمن جس قدر اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اتنی ہی اسلام کی شوکت اور مسلمانوں کی کثرت و عظمت بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ لہٰذا اے مسلمانو! تم ایمان و اطمینان رکھو کہ اسلام رب العالمین کا بھیجا ہوا آخری پیغام اور رحمت عالم کی نگاہ عاطفت اور آغوش کرم کا پالا ہوا دینی و ملی نظام ہے اور خداوند قادر و قیوم نے اس کی تکمیل فرما کر اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے آج تک دنیا نے دیکھا ہے اور قیامت تک دنیا والے دیکھتے رہیں گے کہ ؎

کروٹیں دنیا کی اس کا قصر ڈھا سکتی نہیں!
آندھیاں اس کے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

لہٰذا یہ سوال کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل کیا ہے؟ اور اس کا بس ایک ہی جواب ہے کہ اسلام اور مسلمان دنیا میں اسی لیے آئے ہیں کہ باقی رہیں گے۔ اسلام اور مسلمان دنیا میں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ مٹ جائیں گے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل انتہائی تابناک ہے اور ان کی حیات و بقا ایک قدرتی فیصلہ اور خدا کا ناقابل ترمیم دستور ہے اور قرآن گواہ ہے کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ یعنی ہرگز ہرگز خدا کے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

برادرانِ اسلام! اب رہ جاتا ہے وہ دوسرا سوال کہ ''مسلمان کیا کریں'' تو اس کے لیے ہر دم ہر قدم پر قرآن کریم کی یہی رہنمائی ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

لہٰذا تم لوگ اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرو اور اپنے ہر قول و فعل میں اسی آفتاب ہدایت کے نور سے روشنی حاصل کرو۔ اب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کیا ہے۔ تو آپ اگر تاریخ نبوت اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں گے تو رحمت عالم کی مقدس زندگی کے دو رخ آپ کے سامنے آجائیں گے۔ ایک مکی زندگی اور دوسری مدنی زندگی۔

رحمت عالم کی مکی زندگی

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نزول وحی کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں تبلیغ اسلام فرماتے رہے یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان انتہائی اقلیت میں تھے چند غربا و مساکین مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان بے کسوں کا نہ کوئی حامی و مددگار تھا نہ مونس و غمخوار' بلکہ سارا عرب ان کی جان و مال کا دشمن تھا۔ مسلمانوں پر ہر طرف ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے مکہ کی گلیاں تو کیا پہاڑوں اور غاروں میں بھی انہیں پناہ نہیں ملتی تھی حضرت بلال کی پشت پر کوڑے برسائے جاتے اور جب پیٹھ زخمی ہو جاتی تو انہیں گرم گرم ریت پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور ان کے شکم پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ زبان منہ سے باہر نکل جاتی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹا دیا جاتا تھا۔ بی بی سمیہ کی ناف کے نیچے نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ کچھ مسلمان زنجیروں اور رسیوں میں جکڑے ہوئے قید میں تھے کتنوں کو چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیا جاتا تھا غرض مکہ کے ستم گاروں نے مسلمانوں پر ایسے ایسے مظالم کیے کہ ان کے تصور سے بڑے بڑے بہادروں کے دل دہل جاتے ہیں۔ خود رحمت عالم کا یہ حال تھا کہ آپ پر پتھروں کی بارش کی جاتی تھی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے جاتے تھے۔ آپ سجدے میں سر رکھتے تو آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجھری رکھی جاتی تھی۔ تین برس تک آپ کا بائیکاٹ اس طرح کیا گیا کہ آپ شعب ابی طالب میں قیدی کی حیثیت سے محصور رہے ستمگار کفار پانی کی ایک مشک اور اناج کا ایک دانہ اپنے جانتے بھر میں اس گھاٹی کے اندر نہیں

جانے دیتے تھے۔ کئی بار چادر کا پھندا ڈال کر آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی بار بار قاتلانہ حملہ ہوا۔ اہل طائف نے آپ پر اتنے پتھر برسائے کہ پنڈلیاں لہولہان ہو گئیں اور موزہ خون سے بھر گیا تمام اہل مکہ بلکہ عزیز و اقارب یہاں تک کہ آپ کا چچا ابولہب سب کے سب آپ کی جان کے دشمن تھے آہ۔ آہ رحمت عالم پر ایسے ایسے مظالم ہوئے کہ الاماں۔ الاماں!

سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے!
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا بازار طائف میں

مسلمانو! یہ ہے رحمت عالم کی مکی زندگی کا ایک دل ہلا دینے والا مختصر نقشہ مگر تاریخ گواہ ہے خدائی گواہ ہے خود خدا گواہ ہے کہ تیرہ برس تک رحمت عالم ان مظالم و مصائب کو جھیلتے رہے مگر آپ یا مسلمان کبھی ایک منٹ کے لیے بھی بلبلائے نہ مایوس ہوئے نہ کبھی بے صبری کا اظہار کیا بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ظالموں کے ظلم کا مقابلہ کرتے رہے۔

مسلمانو! للہ انصاف! آج ہم مسلمانوں پر ان مظالم کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے مگر ہم خوف سے لرز رہے ہیں۔ ہمارا دامن صبر تار تار ہو چکا ہے قدم اکھڑ گئے ہیں اور نا امیدیوں کا بھوت ہمارے سروں پر سوار ہو گیا ہے اور ہم بار بار گھبرا کر پوچھتے پھرتے ہیں کہ مسلمان کیا کریں؟

مسلمانو! افسوس تمہیں معلوم نہیں کہ ایسے وقت میں تمہیں کیا کرنا چاہئے؟ سنو! تمہارے لیے واحد راہ عمل یہی ہے کہ تمہیں رسول کی مکی زندگی کو پیش نظر رکھ کر وہی کرنا چاہئے جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیرہ برس تک دشمنوں کے نرغے میں محصور ہوتے ہوئے کرتے رہے یعنی صبر و استقامت کے ساتھ خدا پر توکل کر کے اسلام پر عمل اور تبلیغ اسلام کرتے رہنا چاہئے اور اپنی طاقت بڑھاتے ہوئے دشمنان اسلام کی مدافعت کرتے رہنا چاہئے اور خدا کی طرف سے امداد و اعانت کا امیدوار بن کر فتح و نصرت الٰہی کا انتظار کرنا چاہئے۔

مگر افسوس! کہ ہم تبلیغ اسلام تو کیا کرتے اسلام پر خود بھی عمل کرنا چھوڑ دیا اور خدا کی امداد و اعانت سے نا امید ہو کر دشمنان اسلام کی چوکھٹوں پر سر رگڑ رگڑ کر امداد و حفاظت کی بھیک مانگنے لگے۔ توبہ۔ نعوذ باللہ! اے مسلمان ذرا غور تو کر کہ

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

سرورِ عالم کی مدنی زندگی

برادرانِ ملت! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکی زندگی کے مناظر تو آپ دیکھ چکے۔ اب آپ کی دس برس کی مدنی زندگی پر بھی ایک نگاہ ڈالیے ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ میں انصار جیسے جاں نثار آغوشِ اسلام میں آ گئے اور جانباز مسلمانوں کا ایک لشکر تیار ہو گیا تو پھر آپ نے اللہ و رسول کے باغیوں سے جہاد فرمایا۔ بدر و اُحد اور خندق کی مدافعانہ جنگ کے بعد بنو قریظہ و بنونضیر اور خیبر کی فتوحات کے دروازے کھل گئے عرب و عجم کے بادشاہوں کو آپ نے اسلام کی دعوت دی پھر مسلمانوں کو ایسی شوکت نصیب ہو گئی کہ روم و فارس کی سلطنتیں ان کے رعب و جلال سے لرزہ براندام رہنے لگیں۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں آپ فاتحانہ شان کے ساتھ داخل ہو گئے اور خداوند قدوس کا وعدہ پورا ہو گیا کہ:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۔

یعنی اے محبوب! جب اللہ کی مدد آ جائے اور مکہ فتح ہو جائے اور آپ یہ دیکھ لیں کہ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے تو آپ خدا کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح پڑھیے اور اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیے بیشک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانیوالا ہے۔

غرض برادرانِ ملت! رحمتِ عالم کی مکی زندگی اور مدنی زندگی دونوں کو پیشِ نظر رکھئے اور خوب سمجھ لیجئے کہ خوف و امن دونوں حالتوں میں رحمتِ عالم کا اسوۂ حسنہ موجود ہے جب مسلمان اعداءِ دین کے محاصرہ میں پڑ جائیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی پیروی کرنی چاہیئے۔

اور جب امن و طاقت حاصل ہو جائے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی پر عمل کرنا چاہیئے۔

دونوں حالتوں میں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے سرچشمہ ہدایت سے راہنمائی طلب کرنی چاہیئے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

پانچواں وعظ

اولیاء کرام

خاصان خدا ٗ خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

اَلْحَمْدُ لِوَلِيِّهٖ كَمَا يُحِبُّ وَ يَرْضٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْمُرْتَضٰى وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَوْلِيَآءِ الْهُدٰى اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ٥ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؕ (یونس)

برادرانِ ملت! افراطِ محبت و جوش عقیدت کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ آواز بلند نذرانہ درود وسلام پیش کیجئے اللھم صلی وسلم و بارك علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اله واصحابه کثیراً کثیراً

حضرات گرامی! اس دنیا کا عجیب حال ہے کہ اس میں جس طرف نظر اٹھا کر دیکھئے خوف ہی خوف کا عالم ہے اور ہر طرف ڈر ہی ڈر کا دور دورہ ہے۔ اونچے اونچے سر بہ فلک پہاڑ اگر چہ فخر کے ساتھ سینہ تانے کھڑے ہیں اور اپنی پائیداری و سر بلندی پر نازاں ہیں مگر ہر وقت خوف و دہشت سے لرزاں و ترساں ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کہیں کوئی سنگ تراش نہ آ رہا ہو۔ ہرے بھرے تناور درخت اپنے پھولوں ' پھلوں کی رعنائیوں کے ساتھ اگر چہ بظاہر شاداب و شادمان نظر آ رہے ہیں مگر ان کا پتہ پتہ اس خوف سے ہر وقت لرزہ براندام ہے کہ کہیں کوئی کلہاڑی والا تو نہیں آ رہا ہے۔ زمین پر لہلہاتی ہوئی گھاس کو ڈر ہے کہ کہیں چارہ چیروں والا ادھر نہ آ جائے اور چار

پیروں والا اس خوف سے بھاگا پھر رہا ہے کہ کہیں بسم اللہ اللہ اکبر والا نہ آ رہا ہو۔ آفتاب عالم تاب اگرچہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے مگر اس خوف سے چہرہ زرد ہو رہا ہے کہ کہیں گرہن نہ لگ جائے ستارے مسکراتے ضرور ہیں مگر اس خوف سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں صبح کا سپیدہ نمودار نہ ہو جائے اسی طرح کمزور طاقتور سے ڈر رہا ہے مزدور سرمایہ دار سے ڈر رہا ہے سرمایہ دار انکم ٹیکس آفیسر سے کانپ رہا ہے مجرم پولیس سے تھرا رہا ہے غرض اس میں دنیا جمادات ہوں یا نباتات ہوں حیوانات ہوں یا فضائی کائنات عالم اسفل ہو یا عالم اعلیٰ زمین سے آسمان تک ہر طرف خوف ہی خوف کا راج اور ڈر ہی ڈر کا دور دورہ نظر آتا ہے۔

مگر حضرات گرامی! اس خوف اور ڈر سے بھری ہوئی دنیا میں اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر خدا کی ایک ایسی مخلوق بھی آباد ہے جس کو سارے عالم میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں وہ ہر جگہ ہر دم اور ہر حال میں سارے جہان سے بے خوف اور بے غم ہیں انہیں صرف خدا کا ڈر ہے اور ساری خدائی ان سے ڈرتی ہے یہ ساری خدائی سے بے ڈر اور صرف خدا ہی سے ڈرنے والی مخلوق کون ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟ تو برادرانِ ملت! سنو خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اسی مخلوق کا نام "اولیاء اللہ" ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے نہ انہیں کسی چیز کا غم ہے۔

برادرانِ اسلام! قرآن کی اس آیت نے بتا دیا کہ "اولیا" پر نہ کوئی خوف ہے نہ ان کے لیے کوئی غم ان آیت میں دو لفظ ہیں پہلا "خوف" اور دوسرا "حزن" اب خوف و حزن کے معنی سمجھ لیجئے دیکھئے زمانہ آئندہ میں کوئی چیز ایسی ہونے والی ہو جس سے انسان کے دل پر تکدر اور گھبراہٹ پیدا ہو اس کو عربی میں "خوف" اور اردو میں "ڈر" کہا جاتا ہے اور گزشتہ زمانے میں کوئی ایسی چیز فوت یا ضائع ہو گئی ہو جس سے انسان کے قلب پر رنج و تکدر پیدا ہو جائے اس کو عربی میں "حزن" کہتے ہیں جس کا اردو ترجمہ "رنج و غم" قرآن مجید نے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ فرمایا یعنی اولیا پر کوئی خوف بھی نہیں اور ان کے لیے کوئی غم بھی نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کو نہ آنے والے زمانے میں کسی چیز کا ڈر ہے نہ گزشتہ زمانے کا کوئی غم ہے وہ بے خوف بھی ہیں اور بے غم بھی ہیں کیوں نہ ہو؟ سچ تو یہ ہے کہ جب اولیاء کو خدا مل گیا اور یہ اللہ کے بندے اللہ والے ہو گئے تو پھر انہیں خدائی بھر کے خوف و غم کی کیا پروا؟

برادرانِ ملت! اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ جو بندہ اللہ کی یاد میں محو ہو کر اللہ والا ہو گیا وہ سارے جہان کے خوف و غم سے آزاد ہو گیا کیا خوب کہا ہے کسی نے۔

آئی جوان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

حضرات! اب اسی مسئلہ پر مجھے ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی ہے کہ آخر اولیاء کو دنیا میں کسی چیز کا خوف اور ڈر کیوں نہیں ہے؟ تو سنئے بات یہ ہے کہ خوف کیوں ہوا کرتا ہے؟ اور کس کو ہوا کرتا ہے؟ یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ خوف اور ڈر اس کو لگتا ہے جو کمزور ہو۔ جو طاقتور ہو وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا اب سوال یہ ہے کہ اولیاء کمزور ہیں یا طاقتور؟ اگر ہم یہ ثابت کردیں کہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں تو پھر یہ مسئلہ آفتاب عالم تاب کی طرح روشن ہو جائے گا کہ بے شک اولیاء اللہ پر ہرگز کسی چیز کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔ لہٰذا برادران ملت میں اس وقت آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جس سے آپ کو اولیاء اللہ کی بے پناہ طاقت و قدرت کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور آپ کو اس مسئلہ کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو جائے گا کہ چونکہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقت وقدرت والے ہوا کرتے ہیں اس لیے ان لوگوں پر کسی چیز کا خوف و ڈر ہو ہی نہیں سکتا۔

اچھا! اب وہ حدیث سن لیجئے! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ۔ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اَحْبَبْتُہٗ۔ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَاِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنْ

یعنی اللہ عزوجل کا فرمان ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا اس شخص کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی محبوب چیز کے ذریعے میرا اتنا قرب نہیں حاصل کرسکتا جتنا کہ میرے فرائض کو ادا کر کے میرا قرب حاصل کرسکتا ہے اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر میں جب اپنے بندے کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے

اِسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ (رواہ البخاری مشکوۃ ۱۹۷)

وہ چلتا ہے اور وہ اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں۔

بزرگو اور بھائیو! آپ نے حدیث کے مقدس الفاظ بھی سنے اور اس کا ترجمہ بھی سن لیا اب یہ بھی سن لو! کہ خداوند سبوح و قدوس کسی بندے کا کان' آنکھ اور پاؤں ہاتھ بن جانے سے پاک ہے پھر اس حدیث کا مطلب کیا ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے تو عزیزانِ گرامی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب بندوں کے کان' آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت طاقت کا ایک ایسا جلوہ عطا فرماتا ہوں کہ میرے محبوب بندوں کے کان آنکھ اور ہاتھ پاؤں سے ایسے ایسے کام ہونے لگتے ہیں کہ ان کی قدرت و طاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے اب آپ بتایئے! کہ جن بندوں کے کان آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں خدا کی قدرت و طاقت کی جلوہ گری ہو ان بندوں کی قدرت و طاقت اور ان کے تصرفات کا کیا کہنا؟ اب کون کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ بندے کمزور ہو سکتے ہیں نہیں نہیں بلاشبہ یہ بندے جن کے اعضاء میں خدائی قدرت و طاقت کی توانائی جلوہ گر ہوتی ہے یہ ساری خدائی میں ساری کائنات سے بڑھ کر طاقتور ہوں گے اور جب یہ سب سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ کسی چیز سے نہیں ڈریں گے اسی لیے خداوند عالم نے ان کے بارے میں فرمایا کہ لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ یعنی ساری کائنات میں کسی چیز کا بھی ان پر خوف اور ڈر نہیں ہے۔

لوہا اور آگ کی مثال

برادرانِ ملت! خداوند قدوس اپنے کسی محبوب بندے کے اعضاء میں اپنی قدرت و طاقت کی جلوہ فرمائی کردے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے دیکھئے لوہا ٹھنڈا اور اس کا رنگ کالا ہوتا ہے مگر چند منٹ اگر لوہا آگ کی بھٹی میں پڑا رہے تو آگ اس لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ عطا کر دیتی ہے۔ لوہا آگ کی طرح سرخ اور گرم ہو جاتا ہے اور جو کام آپ آگ سے لیتے ہیں وہی کام اب اس لوہے سے بھی لے سکتے ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے؟ کہ لوہا آگ ہو گیا ہرگز نہیں لوہا لوہا ہے اور آگ آگ ہے۔ بلاشبہ اولیاء اللہ بھی جب چند دنوں عشق الٰہی کی بھٹی میں پڑے رہتے ہیں تو خدا اپنی کریمی و رحیمی سے اپنے محبوب بندوں کو اپنی قدرت و طاقت کا ایسا جلوہ عطا فرماتا ہے کہ ان بندوں کی قدرت و طاقت دیکھ کر خدا [illegible] و طاقت یاد آ [illegible]

ہے مگر بندے بندے ہیں اور خدا خدا ہے اسی مضمون کو کسی عارف باللہ نے یوں کہا ہے کہ ۔

خاصانِ خدا خدا نباشند
لیکن زخدا جدا نباشند

یعنی اللہ والے خدا نہیں ہوتے مگر یاد رکھو یہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے بلکہ خدا کی نصرت واعانت اوراس کی قدرت وطاقت ہر دم ہر قدم پر ان بندوں کے ساتھ رہتی ہے!

برادرانِ ملت! جب آگ میں یہ قدرت ہے کہ وہ چند منٹوں میں لوہے کو اپنی گرمی اور اپنا رنگ اوراپنی کیفیت عطا کرسکتی ہے پھولوں میں یہ طاقت وقدرت ہے کہ چند دنوں اگر تل کو پھولوں کی آغوش میں رکھ دیا جائے تو پھول تل میں اپنی خوشبو اپنی تاثیر کا فیض پہنچا دیتے ہیں اور پھول ہیں بسائے ہوئے تلوں کے تیل میں پھولوں کی خوشبو اور پھولوں کی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے تو کیا خالق کائنات اپنے محبوب بندوں کے اعضاء و جوارح میں اپنی قدرت وطاقت کی جلوہ گری نہیں فرما سکتا؟ جو لوگ اولیاء کرام کے تصرفات اوران کی خداداد طاقت وقدرت کے منکر ہیں ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا آگ اور پھول میں تو یہ قدرت ہے کہ وہ اپنے ہم نشین کو اپنا فیض عطا کردے اور خداوند قادر قیوم میں معاذ اللہ یہ قدرت وطاقت نہیں کہ وہ اپنے محبوب بندوں کو اپنی قدرت وطاقت کا جلوہ بخش دے؟ کیا معاذ اللہ آگ اور پھول کی طاقت وقدرت قادر وقیوم کی قدرت سے بڑھ کر ہے؟

یا لوہے اور تل میں فیض لینے کی صلاحیت اولیاء اللہ سے بڑھ کر ہے؟ برادران ملت! جب خداوند جل وعلا کے قادر و قیوم ہونے پر ایمان ہے اور اولیاء اللہ میں فیض حاصل کرنے کی بھی صلاحیت ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ بیشک كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ حق ہے برحق ہے اور بلا ریب وشک خداوند عالم اپنے محبوب بندوں کے اعضاء میں اپنی قدرت وقوت کا ایسا جلوہ دکھاتا ہے کہ بندوں کے اعضاء کی قدرت وطاقت دیکھ کر خدا کی قدرت وطاقت یاد آ جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ جمادات' نباتات' حیوانات کی ساری کائنات پر تصرف و حکومت کرتے ہیں یہاں تک کہ عناصر اربعہ آگ' پانی' مٹی' ہوا ہر چیز پر ان کی سلطنت وحکمرانی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

آگ پر حکومت

برادران اسلام! روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے

دور خلافت میں ایک مرتبہ ایک خوفناک پہاڑی آگ نمودار ہوئی آگ بڑھتی چلی آرہی تھی اور بڑا خطرہ تھا کہ اس آگ سے ہزاروں بستیاں جل کر خاکستر ہوجائیں گی۔
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جناب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یا جناب تمیم داری رضی اللہ عنہ کو اپنی چادر عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس آگ کو میری چادر دکھا دو۔ چنانچہ جیسے ہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چادر مبارک اس آگ سے کے سامنے لائی گئی ایک دم آگ سمٹ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی یہاں تک کہ پہاڑ کے غاروں میں آگ غائب ہوگئی۔
(ازالۃ الخفاء جلد ۲ص ۱۷۳)

ابومسلم خولانی اور آگ

اسی طرح مشہور تابعی حضرت ابومسلم خولانی جو مسلم الثبوت حافظ الحدیث اور محدث کبیر بھی ہیں اور انتہائی متقی و پرہیزگار باکرامت ولی بھی ہیں ان کی مشہور کرامت ہے کہ اسود بن قیس نے جب یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابومسلم خولانی کو اپنی نبوت تسلیم کرانے پر مجبور کیا۔ تو آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا اس ظالم نے نہایت زبردست آگ جلوائی اور جب آگ کے شعلے کافی بلند ہوگئے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ آپ آگ کے شعلوں میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے ٹہلتے رہے یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہوگئی مگر آپ کا جسم تو کیا بدن کے کپڑوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اسود بن قیس آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بلکہ مارے دہشت کے لرزہ براندام ہوگیا۔ اور آپ کو یمن سے نکال دیا اور آپ مدینہ منورہ چلے آئے منقول ہے کہ جب امیر المومنین حضرت فاروق اعظم نے آپ کو دیکھا تو فرط مسرت سے فرمایا کہ الحمدللہ! خداوند کریم نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے اپنے نبی کی امت میں ایک ایسے شخص کا دیدار کرلیا۔ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور زندہ وسلامت رہا۔ (تہذیب التہذیب)

پانی پر حکومت

برادرانِ گرامی! آگ کی طرح پانی پر بھی اولیاء کی حکمرانی دیکھنی ہو تو حضرت فاروق اعظم کی تاریخ پڑھ لیجئے آپ کے دور خلافت میں مصر کا دریائے نیل خشک ہوگیا مصری رعایا مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ اے امیر ہمارا یہ دستور تھا کہ جب دریائے نیل خشک ہوجاتا تھا تو ہم لوگ ایک زندہ

خوبصورت کنواری لڑکی کو دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اس کے بعد دریا جاری ہوا کرتا تھا اب ہم کیا کریں؟ گورنر نے فرمایا کہ ارحم الراحمین اور رحمت للعالمین کا رحمت بھرا دین ہمارا اسلام ہرگز ہرگز ایسے ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا تم لوگ انتظار کرو میں بارگاہِ خلافت میں عریضہ لکھتا ہوں۔ وہاں سے جو حکم ملے گا اس پر عمل کیا جائے گا چنانچہ گورنر کا قاصد مدینہ منورہ آیا اور دریائے نیل کے خشک ہونے کا حال سنایا امیر المومنین یہ خبر سن کر نہ گھبرائے نہ پریشان ہوئے بلکہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ ایک ایسا تاریخی خط لکھا جو تاریخ عالم میں بے مثل وبے مثال ہے آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا مسلمانو! بتاؤ کیا کوئی ایسا بادشاہ بھی ہوا ہے؟ جس نے دریا کے نام فرمان لکھا ہو۔ نہیں ہرگز نہیں کیوں؟ اس لیے کہ دریا کے نام تو وہی فرمان لکھ سکتا ہے جس کی حکومت کا سکہ دریاؤں پر بھی چلتا ہو۔ آپ چونکہ سلطنت ولایت کے بھی تاجدار تھے اور ساری کائنات آپ کے زیر فرمان تھی اس لیے آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا ذرا اس خط کی عبارت بھی سن لیجئے۔ آپ دریائے نیل کے نام اس طرح فرمان تحریر فرماتے ہیں:

اِلٰی نِیْلِ مِصْرَ مِنْ عَبْدِاللّٰہِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ! اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِیْ بِنَفْسِكَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا اِلَیْكَ وَاِنْ كُنْتَ تَجْرِیْ بِاللّٰہِ فَاجْرِ عَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ ۔ (ازالۃ الخفاء ج۲ ص ۱۶۶)	یعنی یہ مصر کے دریائے نیل کے نام اللہ کے بندے عمر بن الخطاب کا خط ہے اے دریائے نیل! اگر تو خود بخود جاری ہوا کرتا تھا تو ہم کو کوئی تیری ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ کے نام پر جاری ہو جا۔

امیر المومنین نے اس خط کو لفافہ میں بند کر کے قاصد کو دیا اور فرمایا کہ اس کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ

فَلَمَّا اَلْقَی كِتَابَهٗ فِی النِّیْلَ جَرٰی وَلَمْ یَقِفْ بَعْدُ ۔	یعنی جوں ہی آپ کا خط دریائے نیل میں ڈالا گیا۔ فوراً دریا جاری ہو گیا اور پھر کبھی خشک نہیں ہوا۔

دریا میں اونٹ گھوڑے

حضرات! اسی طرح حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مدائن کسریٰ کی جانب ایک لشکر بھیجا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر تھے اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کمانڈر تھے جب یہ لشکر دریائے دجلہ کے

کنارے پہنچا۔ اور وہاں کوئی کشتی نہ ملی تو حضرت سعد اور حضرت خالد دونوں آگے بڑھے اور دریا کو مخاطب کرکے فرمایا کہ:

یَا بَحْرُ اِنَّكَ تَجْرِیْ بِاَمْرِ اللّٰهِ فَبِحُرْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِعَدْلِ عُمَرَ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَلَّا خَلَّيْتَنَا وَالْعُبُوْرَ ۔ فَعَبَرَ الْجَيْشُ بِخَيْلِهٖ وَ جِمَالِهٖ وَرِجَالِهٖ اِلَى الْمَدَائِنِ وَلَمْ تَبْتَلَّ حَوَافِرُهَا ۔
(ازالۃ الخفاء ج۲ ص ۱۶۸)

یعنی اے دریا تو خدا کے حکم سے جاری ہے ہم تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور رسول اللہ کے خلیفہ حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دلاتے ہیں تو کیوں نہ ہمیں دریا پار کرنے کے لیے راستہ دیتا ہے۔ چنانچہ یہ لشکر اپنے گھوڑوں' اونٹوں اور آدمیوں کے ساتھ دریا پار کرکے مدائن پہنچ گیا اور کسی جانور کا کھر بھی پانی سے تر نہیں ہوا۔

برادرانِ ملت! یہ دونوں واقعات کتنی واضح دلیل ہیں کہ اولیاء اللہ پانی اور دریاؤں پر بھی حکومت فرماتے ہیں اور دریا بھی ان اللہ والوں کے تابع فرمان ہیں۔

زمین پر حکومت

حضرات! اب یہ بھی سن لیجئے کہ اولیاء اللہ کی حکومت روئے زمین پر بھی ہے چنانچہ علامہ عبدالوہاب سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ شدید زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی امیر المومنین کچھ دیر خدا کی حمد و ثناء کرتے رہے مگر زلزلہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو جلال آ گیا۔ اور آپ نے اپنا درہ زمین پر مار کر فرمایا کہ:

اَقِرِّیْ اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَيْكِ فَاسْتَقَرَّتْ مِنْ وَقْتِهَا ۔ (ازالۃ الخفاء ج۲ ص۱۷۲)

اے زمین! ساکن ہو جا کیا میں نے تیرے اوپر عدل نہیں کیا ہے؟

یہ فرماتے ہی فوراً زلزلہ ختم ہو گیا اور زمین ساکن ہو گئی!

ہوا پر حکومت

اچھا اب یہ بھی سن لیجئے کہ آگ' پانی' اور مٹی کی طرح ہوا پر بھی اولیاء اللہ کی حکومت ہے غالباً آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے بھیجا حضرت ساریہ لشکر کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف تھے ایک دن حضرت امیر المومنین مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ

پڑھ رہے تھے کہ بالکل اچانک زور زور سے چلا چلا کر آپ نے فرمایا کہ:

یَاسَارِیَ الْجَبَلَ۔ یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرلو!

حاضرین مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ تو سرزمین نہاوند میں کفار سے جہاد فرمار ہے ہیں۔ آج امیر المومنین نے انہیں کیسے پکارا؟ پہاڑ کیسا اور پہاڑ کی طرف پشت کرنے کا کیا مطلب؟ سب لوگ متعجب اور حیران ہی تھے کہ نہاوند سے حضرت ساریہ کا قاصد آیا اور اس نے بتایا کہ جوں ہی دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا۔ ایک دم ہمیں شکست ہونے لگی **فَاِذَا بِصَائِحٍ یُصِیْحُ یَاسَارِیَ الْجَبَلَ** ایک دم ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرلو چنانچہ ہم لوگوں نے جیسے پہاڑ کی طرف پشت کر کے اپنی صف بندی کی ایک دم فوراً ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ **فَھَزَمَھُمُ اللہُ تَعَالٰی** اور اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دے دی۔ (مشکوۃ ص ۵۴۶)

برادران ملت! آپ جانتے ہیں کہ آواز کا پہنچانا ہوا کا کام ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہواؤں کے تموج سے ایک کی آواز دوسرے کے کان میں پہنچتی ہے حضرت فاروق اعظم نے بغیر کسی برقی قوت اور بغیر کسی ریڈیو اسٹیشن کے صرف زبان سے فرمادیا۔ مگر ہوا چونکہ فاروقی سلطنت کے کنٹرول میں تھی اس لیے ہوا نے آپ کی آواز کو مدینہ منورہ سے نہاوند تک پہنچا دیا اور حضرت ساریہ اور ان کی فوج نے اس آواز کو سن لیا اور آپ کی اس جنگی ہدایت پر عمل کر کے فتح مبین حاصل کرلی۔ بلاشبہ یہ واقعہ دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کی حکومت ہوا پر بھی ہے!

برادران ملت! آپ نے سن لیا کہ آگ' پانی' زمین ہوا ہر چیز پر اولیاء کی حکومت ہے کون نہیں جانتا؟ کہ آگ' پانی' مٹی' ہوا یہ عناصر اربعہ کہلاتے ہیں تمام کائنات ارضی انہیں چار عنصروں سے بنی ہوئی ہے۔ جب ان چار عنصروں پر اولیاء کی حکومت ہے تو ثابت ہوا کہ ان چار عناصر سے بنی ہوئی تمام چیزوں پر بھی اولیاء کی حکومت ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! برادران اسلام غور کیجئے کہ اولیاء جب تمام جمادات' نباتات حیوانات پر حکمراں ہیں اور ہر چیز ان اللہ والوں کی محکوم اور فرماں بردار ہے تو پھر بھلا اولیاء اللہ سے بڑھ کر طاقت و قدرت والا اس دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ اور جب اولیاء سب سے بڑھ کر طاقت ور ہوئے تو پھر کون سی چیز ایسی ہے کہ اولیاء کرام ان سے ڈریں تمام چیزیں تو خود ان اللہ والوں سے ڈر رہی ہیں پھر بھلا اللہ والے کسی چیز سے کیونکر ڈر سکتے ہیں؟ اس لیے حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ:

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۔ یعنی ان اولیاء پر کسی کا خوف نہیں ہے۔

اور یہ اللہ والے اپنے خدا کے سوا ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے ۔ اولیاء کی نگاہ قہر سے پہاڑ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں۔ دریاؤں کو اشارہ کر دیں تو پورا لشکر دریاؤں کے اوپر آسانی سے گزر جائے اور کسی کا پاؤں بھی تر نہ ہو۔ جنگل کے خوفناک شیران مقدس بندوں کی خدمت گزاری اور سواری میں کام آتے ہیں ۔ اور اولیاء اللہ کے خوف سے جنگل کا بادشاہ شیر لرزہ براندام رہتا ہے۔

حضرت شیبان راعی اور شیر

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں۔ ایک مرتبہ حج کے سفر میں ان کی حضرت شیبان راعی سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت شیبان راعی بے پڑھے لکھے تھے۔ مگر بہت ہی باکرامت ولی تھے دونوں ایک ساتھ سفر کرنے لگے راستہ میں یہ دیکھا کہ۔ ایک تنگ پہاڑی راستے پر ایک خطرناک شیر بیٹھا ہوا ہے اور تمام مسافروں کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ پورے قافلے میں کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس شیر کو دور سے پتھر مار کر بھی ہٹادے اتنے میں حضرت شیبان راعی نہایت بے خوفی اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھے اور جا کر شیر کا کان پکڑ کر اٹھا دیا تو شیر دم ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ (روح البیان ص ۳۲۳)

سبحان اللہ! سچ فرمایا حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ   کہ گردن نہ پیچد زحکم تو ہیچ

یعنی اے مسلمان! تو بھی خدا کے حکم سے گردن نہ موڑ۔ تو خدا کی کوئی مخلوق بھی تیرے حکم سے گردن نہیں موڑے گی۔

شیر کی سواری

حضرات! شیر پر اولیاء کرام کی حکومت کا ذکر آ گیا ہے تو مجھے ایک مشہور شیر سوار بزرگ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلچسپ حکایت یاد آ گئی۔ مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ شہر طالقان سے ایک درویش نے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کا شہرہ سن کر آپ کی زیارت کے لیے خرقان کا سفر کیا یہ درویش حضرت خواجہ کے دروازے پر حاضر ہوا اور کنڈی بجائی! تو آپ کی زوجہ محترمہ نے اندر سے پوچھا کہ تم کون ہو۔ اور کہا سے آئے ہو؟ اور مقصد کیا ہے؟ درویش نے عرض کیا کہ میں طالقان کا ایک درویش ہوں۔ اور میں قطب عالم حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

بی بی صاحبہ بڑی بدمزاج اور حضرت خواجہ کے بارے میں بڑی زبان دراز تھیں ایک دم گرج کر بولیں کہ ارے تم اس مکار و دغاباز سے کیوں ملنے آئے ہو؟ ارے وہ تو بھوتوں کا جال اور گمراہی کا پھندہ ہے۔ خبردار اس سے مت ملنا تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم اس سے نہ ملو۔ اور فوراً یہاں سے اپنے گھر چلے جاؤ۔ بچارا پردیسی درویش بی بی صاحبہ کی ان بدزبانیوں کو سن کر حیران رہ گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یا اللہ! خواجہ خرقانی کی قطبیت اور بزرگی و کرامت کا چرچا تمام عالم میں ہے۔ اور ان کی بیوی صاحبہ ان کے بارے میں اتنا ناشائستہ الفاظ بول رہی ہیں آخر معاملہ کیا ہے۔ اتنے میں کوئی واقف آ گیا اور اس نے کہا کہ اے درویش! ان کی بدزبانی پر دھیان مت رکھ۔ اور تھوڑی دیر انتظار کر اس وقت حضرت قطب الدیار لکڑی کاٹنے کے لیے جنگل تشریف لے گئے ہیں درویش یہ سنتے ہی شوق ملاقات میں جنگل کی طرف چل دیا۔ مگر ابھی تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ،

اندریں بود اوکہ شیخ نامدار زود پیش افتاد برشیرے سوار

درویش اپنے خیالات میں گم صم چلا جا رہا تھا کہ شیخ نامدار حضرت خواجہ خرقانی کو دیکھا کہ آپ ایک شیر پر سوار سامنے سے چلے آ رہے ہیں حضرت خواجہ کی نظر درویش پر پڑی تو بی بی صاحبہ کی بدگوئی سن کر اس کے دل میں جو خطرات و خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ نے اپنے کشف باطنی سے سب کچھ پہچان لیا۔

میرے بزرگو اور بھائیو! ہمارے اور آپ کے تو صرف سر ہی میں آنکھیں ہیں جن سے ہم لوگ دیکھتے ہیں مگر اللہ والوں کے سینے میں بھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور جب وہ سینے کی آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو سر کی آنکھوں کو بند کر کے دیکھ لیا کرتے ہیں۔ کسی شاعر نے لکھا ہے نا کہ۔

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگان عشق آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

جی! عشق الٰہی کے دیوانوں کی ہر چال ہی الٹی ہوا کرتی ہے۔ ہم لوگ تو چیزوں کا آنکھ کھول کر بلکہ بعض لوگ آنکھ پھاڑ پھاڑ کر نظارہ کیا کرتے ہیں مگر اللہ والے اپنے سر کی آنکھوں کو بند کر کے خدا اور خدائی کا دیدار کر لیتے ہیں۔ تو حضرت خواجہ خرقانی نے شیر پر سواری کرتے ہوئے دور ہی سے مراقبہ کر کے درویش کے دل میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کا نظارہ فرما لیا اور۔

دیدش از دور و بخندید آں خدیو گفت آں رامشن اے مفتون دیو

حضرت خواجہ نے درویش کو دور سے دیکھا اور ہنستے ہوئے فرمایا کہ اے شیطانی

خیالات کے فریب خوردہ درویش! میری بیوی کی باتوں پر کان مت دھر نا سن! میری بیوی کی بدگوئی اور بدزبانی کا ایک بڑا خاص راز ہے جس کی تجھے خبر نہیں تو بھلا اس راز کو کیا سمجھ سکتا ہے؟

اے درویش! سن:

گر نہ صبرم می کشیدے بار زن　　　　کے کشیدے شیر نر بیگار من

اگر بیوی کا بار گراں میرا صبر نہ اٹھاتا تو بھلا شیر نر کب اور کس طرح میری بیگاری کرتا؟

کانبیا رنج خساں بس دیدہ اند　　　　زیں چنیں ماراں بسے پیچیدہ اند

خدا کے مقدس انبیاء علیہم السلام بھی ایسے کمینوں سے ہمیشہ دکھ اٹھاتے رہے۔ اور ایسے سانپوں سے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ اللہ والوں کا یہی دستور ہے کہ وہ جس قدر کمینوں کی ایذاؤں پر صبر کرتے ہیں اسی قدر ان کے درجات و مراتب میں ترقی ہوتی رہتی ہے یہ راز ہے کہ میری بیوی میرے حق میں ہمیشہ اسی طرح کی بدگوئی کر کے مجھے ایذا دیتی ہے اور میں اس کی ان ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہوں اور اس طرح مجھے انبیاء علیہم السلام کی سنت پر عمل کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے۔

حضرات! بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اولیاء کرام کو خداوند عالم نے ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے کہ کائنات عالم ان کے زیر فرمان ہے اور وہ چرندے' پرندے' درندے تمام جانوروں بلکہ نباتات' جمادات' حیوانات' بلکہ دریاؤ' پہاڑوں' جن وانس غرض تمام مخلوقات پر حکومت کرتے ہیں۔ اس لیے بھلا کون سی ایسی چیز ہے جس سے وہ ڈریں گے؟ اسی لیے خداوند قدوس نے اولیاء کی شان میں فرمایا:

لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔　　یعنی اولیاء کرام پر کسی چیز کا خوف نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! ان اللہ والوں کے درجات و مراتب اور بارگاہ خداوندی میں ان کی مقبولیت و محبوبیت کا کیا کہنا؟ بخاری شریف کی ایک حدیث ہے جس کے مصداق مجذوب اولیاء ہیں۔

مجذوب اولیاء

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِـالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّہٗ یعنی بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال الجھے ہوئے اور وہ گرد و غبار میں اٹے ہوئے ہوتے ہیں ایسے خستہ حال ہوتے ہیں کہ اگر وہ لوگوں کے دروازوں پر جائیں تو لوگ حقارت سے انہیں دھکا دے کر نکال دیں۔ لیکن خدا کے دربار میں

ان کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ کسی بات کی قسم کھالیں تو پروردگار عالم ضرور ضرور ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے اور ان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان کا کہا ہوا کلام اگرچہ اللہ کے بندے کی زبان سے نکل رہا ہے مگر تم یہ سمجھو کہ وہ اللہ کا فرمان ہے جو ایک بندے کی زبان سے نکل رہا ہے گویا جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے وہی تقدیر الٰہی ہوا کرتی ہے۔

حضرت مولائے روم انہی لوگوں کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

بے ادب ہرگز نہ باشی باملنگ — ہست او دریائے وحدت رانہنگ

خبردار! ہرگز مجذوبوں کے ساتھ کبھی بے ادبی مت کرنا یہ لوگ دریائے وحدت کے مگر مچھ ہیں جس طرح مگر مچھ دریا میں بے خوف وخطر پھرتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ ہر خوف وغم سے بے نیاز ہو کر دنیا میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔

گرچہ ظاہر می شود از خاکسار — باطنش از نور معنی برشمار

اگرچہ ظاہر میں یہ لوگ خاک آلود میلے کچیلے ہوتے ہیں مگر ان کے باطن کو نور حقیقت سے مالا مال سمجھو۔

قبل مردن خویش را فانی کند — درجہان دین سلطانی کند

یہ لوگ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ۔ پر عمل کرتے ہوئے موت سے پہلے ہی فانی ہو جاتے ہیں مگر دین کی دنیا میں یہ لوگ بادشاہی کرتے ہیں۔

برادرانِ ملت! اس سے بڑھ کر بادشاہی اور کیا ہوگی؟ کہ جو کچھ ان کی زبان سے نکل جاتا ہے خداوند قدوس ان کی بات پوری فرما دیتا ہے۔

نہ جانے کیا ہے؟

حضرات! احمد آباد میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمۃ کی کرامت کا حال تو غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا ایک لکڑی پڑی ہوئی تھی حضرت قطب عالم علیہ الرحمۃ رات میں تہجد کے وقت اٹھے تو اس لکڑی سے آپ کے پاؤں میں ٹھوکر لگ گئی بے ساختہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے کہ لوہا ہے؟ لکڑی ہے؟ کنکر ہے؟ نہ جانے کیا ہے؟ لوگوں نے صبح کو دیکھا تو اس میں لوہا، لکڑی، کنکر پتھر سب کچھ تھا اور ایک ایسی چیز بھی اس میں نمودار ہوگئی کہ کسی نے اس نہیں پہچانا اور سب نے یہی کہا کہ ”نہ جانے کیا ہے؟“ آج بھی یہ لکڑی کا ٹکڑا احمد آباد سے

چند میل دور بڑوہ میں حضرت قطب عالم علیہ الرحمۃ کے مزار کے قریب رکھا ہوا ہے۔اور ہر دیکھنے والا اس میں لوہے، لکڑی، کنکر، پتھر کو تو پہچان لیتا ہے مگر اس خاص چیز کو دیکھنے والا دیکھ کر یہی کہتا ہے کہ نہ جانے کیا ہے؟ حد ہوگئی کہ اس کو کاٹ کر انگریز لندن لے گئے اور اس کی لیبارٹری میں جانچ پڑتال کرتے رہے اور آخر مجبور ہو کر ان لوگوں نے بھی یہ کہہ دیا کہ نہ جانے کیا ہے؟ دیکھا آپ نے حضرت قطب عالم کی زبان سے جو کچھ نکلتا گیا۔ خداوند عالم نے وہ سب اس لکڑی میں پیدا فرما دیا اور آپ کی زبان مبارک سے یہ نکلا کہ ''نہ جانے کیا ہے؟'' تو خداوند عالم نے اس میں ایک ایسی چیز بھی پیدا فرما دی جس کے لیے سب لوگ قیامت تک یہی کہتے رہیں گے کہ ''نہ جانے کیا ہے؟''

تیری قبر پر بچھو، تیری قبر پر گدھے

حضرات! امروہہ ضلع مراد آباد میں حضرت شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے آپ جب امروہہ میں تشریف لائے تو حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمۃ نے آپ کو امروہہ میں قیام سے منع فرمایا۔ مگر چونکہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشد کے حکم سے امروہہ آئے تھے اس لیے آپ نے حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمۃ کی بات نہیں مانی ایک دم شاہ نصیر الدین علیہ الرحمۃ کو جلال آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ ''تیری قبر پر بچھو رہیں گے'' حضرت شاہ ولایت بھی جلال میں آ گئے اور آپ نے فرما دیا کہ تیری قبر پر گدھے رہیں گے۔ حضرت شاہ نصیر الدین نے فرمایا کہ اب تم نے کہہ دیا تو میری قبر پر گدھے تو ضرور رہیں گے مگر پیشاب اور لید سے گندگی نہیں پھیلائیں گے تو حضرت شاہ ولایت نے بھی فرمایا کہ تم نے کہہ دیا ہے تو میری قبر پر بچھو ضرور رہیں گے مگر یاد رکھنا کہ وہ کسی کو ڈنک نہیں ماریں گے۔

برادرانِ ملت! آج بھی امروہہ جا کر تم اپنی آنکھوں سے یہ دونوں کرامتیں دیکھ سکتے ہو کہ حضرت شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بکثرت بچھو ملتے ہیں مگر درگاہ کے احاطہ میں ڈنک نہیں مارتے۔ میں نے خود بارہا ان بچھوؤں کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے ان کے ڈنگوں پر انگلی رکھ دی ہے مگر کبھی کسی بچھو نے ڈنک نہیں مارا۔ اور آج بھی اگر کمہاروں کا گدھا گم ہو جاتا ہے اور وہ دودھ بتاشہ لے کر حضرت شاہ نصیر الدین کے مزار پر حاضری دیتے ہیں تو کھویا ہوا گدھا ان کے مزار کے پاس مل جاتا ہے مگر کبھی کسی گدھے وہاں لید یا پیشاب نہیں کیا۔

برادرانِ ملت! یہ سب کیا ہے؟ یاد رکھو! یہ وہی بات ہے کہ ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود! ..... گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

یعنی اولیاء کا کہا ہوا۔ اللہ کا فرمان ہوتا ہے اگر چہ یہ اللہ کے بندے کی حلق سے نکلا ہوا کلام ہوتا ہے خیر برادرانِ ملت! ان واقعات کے ذکر سے بات بڑھ گئی اب میں پھر آپ کی توجہ اسی مضمون کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے کان' آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں اپنی قدرت و طاقت کا ایک خاص جلوہ عطا فرماتا ہے اور اللہ والوں کے اعضاء کی قدرت وتوانائی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کی قدرت وطاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت وطاقت یاد آ جاتی ہے۔ اللہ والوں کے کان کی قوت سماعت دیکھنی ہو تو حضرت فاروق اعظم کی ایک کرامت سنو!

یالبیکاہُ یالبیکاہُ

حضرت فاروق اعظم نے ایک مرتبہ بہت دور جہاد کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ ایک دن آپ نے مدینہ منورہ میں زور زور سے یہ فرمایا کہ: ''یَا لَبَّیکَاہُ یَا لَبَّیکَاہُ'' یعنی اے شخص میں تیری پکار پر حاضر ہوں میں تیری پکار پر حاضر ہوں۔

لوگوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا کہ امیر المومنین کس کی پکار پر لبیک فرمار ہے ہیں؟ لیکن جب وہ لشکر مدینہ واپس آیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اپنی فتوحات کا تذکرہ کرنے لگا تو امیر المومنین نے فرمایا کہ ان باتوں کو چھوڑ دو پہلے یہ بتاؤ کہ جس شخص کو تم نے زبردستی دریا میں اتارا تھا اس کا کیا حال ہوا؟ سپہ سالار نے لرزتے ہوئے عرض کیا کہ امیر المومنین میں نے اس کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ چونکہ مجھے لشکر کو دریا کے پار لے جانا تھا اس لیے پانی کی گہرائی کا اندازہ کرنے کے لیے اس کو برہنہ کر کے پانی میں اترنے کا حکم دیا تھا لیکن موسم بہت سرد تھا اس کو سردی لگ گئی اور کانپتے ہوئے اس نے دو مرتبہ یا عمراہ یا عمراہ کہہ کر آپ کو پکارا اور اس کی روح پرواز کر گئی جب اہل مدینہ نے یہ سنا تو ان لوگوں کی سمجھ میں آ گیا کہ امیر المومنین نے جو دو مرتبہ یا لبیکاہ یالبیکاہ فرمایا تھا اسی مظلوم کی پکار کا جواب تھا امیر المومنین نے سپہ سالار کو ڈانٹا اور فرمایا کہ تم اپنے مال سے اس کے وارثوں کو اس کا خون بہا ادا کرو۔ اور خبردار! آئندہ کسی مجاہد سے کبھی ایسا کوئی کام نہ لینا جو اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کا مقتول ہو جانا بڑی سے بڑی ہلاکی سے بھی بڑھ کر ہلاکت ہے۔ (ازالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۱۷۲)

برادرانِ ملت! آپ نے غور فرمایا سینکڑوں میل کی دوری پر ایک مجاہد یا عمراہ کہہ کر امیر المومنین کو پکارتا ہے تو آپ اس کی آواز کو سن لیتے ہیں پھر نگاہ اٹھا کر اس کو دیکھ بھی لیتے ہیں اور اس کی فریاد کا جواب بھی دیتے ہیں۔

مسلمانو! اللہ بتاؤ؟ کیا ہمارے اور آپ کے کان اور آنکھ میں یہ طاقت وقوت ہے؟ ہرگز نہیں کیوں؟ اس لیے کہ یہ کام تو اسی کان اور آنکھ سے انجام پا سکتا ہے جن کانوں اور آنکھوں میں خداوند عالم کی قوت وقدرت کی جلوہ گری ہوا اور ایسے کان اور ایسی آنکھ صرف ان محبوبان بارگاہ الٰہی کے پاس ہیں جس کو حدیث میں كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ ۔ فرمایا گیا کہ خدا ان بندوں کے کان ہو جاتا ہے جن سے یہ لوگ سنتے ہیں اور خدا ان بندوں کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے یہ لوگ دیکھتے ہیں۔ پڑھیے درود شریف!

اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد واصحبه وبارك وسلم ۔

برادرانِ ملت! یہ تو امیر المومنین فاروق اعظم کی کرامتیں ہیں جو صحابی رسول اور جانشین پیغمبر ہیں۔ ان کی شان ولایت کا تو کیا کہنا؟ میرے بزرگو اور بھائیو! ان کے غلامان دوسرے اولیاء کرام کی ایسی بے شمار کرامتیں ہیں کہ انہوں نے سینکڑوں میل دور کی چیزوں کو دیکھ لیا ہزاروں میل سے پکارنے والوں کی فریادیں سن لیں اور ان کی امداد بھی فرمائی۔

شیخ صنعانی کا انجام

حضرات گرامی! حضور سیدنا محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے جب اپنے وعظ کی مجلس میں یہ اعلان فرمایا کہ:

اَلاَ اِنَّ قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ ۔ یعنی سنو میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔

تو تین سو تیرہ صاحبان حال اور اولیاء کرام نے اپنا اپنا سر جھکا کر ادب سے عرض کیا کہ:

بَلْ عَلَى الرَّاْسِ وَالْعَيْنِ یعنی اے محبوب سبحانی! آپ کا قدم ہماری گردنوں پر نہیں بلکہ آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور آنکھوں پر ہے۔ (بہجۃ الاسرار)

مگر ایک بزرگ حضرت شیخ صنعانی علیہ الرحمۃ جو سینکڑوں میل دور تھے انہیں غیرت آ گئی اور انہوں نے اکڑ کر فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی تمہارا قدم میری گردن پر نہیں ہے۔

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے سینکڑوں میل کی دوری سے شیخ صنعانی کی آواز کو سن لیا اور ان کو دیکھ کر پہچان بھی لیا پھر آپ پر غوثیت کا جلال طاری ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ: "علیٰ رقبة رجل الخنزیر" ۔ یعنی شیخ صنعانی کی گردن پر خنزیر کا قدم ہوگا۔

اللہ اکبر! حضرت غوثیت مآب کے فرمان کا یہ اثر ہوا کہ شیخ صنعانی اپنے چار سو مریدوں کو ساتھ لے کر حج کے لیے جا رہے تھے مگر راستے میں ایک عیسائی کی لڑکی پر عاشق

ہوگئے اور نکاح کا پیغام دے دیا عیسائیوں نے کہا کہ ہماری قوم کا رواج ہے کہ ہونے والا دولہا چند دنوں اپنی سسرال کی خنزیریں چرایا کرتا ہے۔ مسلمانو! خدا کی پناہ شیخ صنعانی خنزیر چرانے لگے اور خنزیر کا چھوٹا بچہ جو چل نہیں سکتا تھا شیخ صنعانی نے اس کو اپنے کندھے پر اٹھایا تمام مریدین برگشتہ ہوکر چلے گئے۔ مگر دو مخلص مریدوں نے ساتھ نہیں چھوڑا اور کہا کہ ہمارا شیخ اس وقت عتاب میں پڑ گیا ہے جب اچھی حالت میں ہم نے شیخ کا ساتھ نہیں چھوڑا تو اس حالت میں بھی ہم شیخ کو نہیں چھوڑ سکتے شیخ صنعانی کو عیسائیوں نے گرجا گھر میں نکاح کے لیے بلایا۔ اور وہ ایک ہاتھ میں شراب کا پیالہ اور دوسرے ہاتھ میں خنزیر کے گوشت کا برتن لے کر چلے اس حالت میں دونوں نے بغداد شریف کی طرف منہ کر کے حضرت غوث الاعظم کی درگاہ میں استغاثہ وفریاد کیا۔ حضرت غوث اعظم کو رحم آ گیا اور آپ نے شیخ صنعانی کے قلب پر ایسا تصرف فرمایا کہ ناگہاں ان کا دل بدل گیا اور انہوں نے خنزیر کا گوشت اور شراب کا پیالہ پھینک دیا اور توبہ واستغفار کر کے کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے لوٹ آئے اور دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ مجھے فوراً بغداد شریف لے چلو چنانچہ پاپیادہ بغداد شریف روانہ ہو گئے اور مریدوں سے فرمایا کہ میں بارگاہ غوثیت کا مجرم ہوں تم لوگ میرا چہرہ سیاہ کر کے اور میرے ہاتھ پاؤں میں رسی باندھ کر بارگاہ غوث میں لے چلو تاکہ وہ میرے حال پر رحم فرما کر مجھے معاف کردیں چنانچہ مریدوں نے حکم کی تعمیل کی مگر شیخ صنعانی جب اس حال میں بغداد شریف پہنچے تو حضرت غوث اعظم نے آپ پر یہ کرم فرمایا کہ آگے بڑھ کر شیخ صنعانی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور ان کی سلب شدہ ولایت دوبارہ انہیں مل گئی پھر حضرت غوث اعظم نے فرمایا کہ اے شیخ صنعانی! میں نے جو یہ اعلان کیا کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے تو میں نے اپنی طرف سے اعلان نہیں کیا تھا بلکہ خدا کی طرف سے میں یہ کہنے پر مامور کیا گیا تھا تم نے اس کا انکار کیا اس لیے تم خدا کی طرف سے ایسے خطرناک عتاب میں مبتلا کیے گئے اس کے بعد حضور غوث اعظم نے انہیں حمام میں بھیج کر غسل کا حکم دیا اور پھر اپنا لباس خاص عطا فرما کر اپنی مسند پر بٹھا کر اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمایا۔ (تفریح الخاطر فی مناقب عبدالقادر)

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ حضرت غوث الاعظم نے سینکڑوں میل کی دوری پر شیخ صنعانی کے انکار کو سن لیا انہیں دیکھ لیا پھر انہیں عتاب میں مبتلا کر دیا پھر مریدوں کی فریاد سن کر انہیں عتاب سے نکال لیا یہ ہیں اولیاء کی قدرت وطاقت کے آفتاب تجلیاں!

غوث اعظم کی کھڑاؤں

اسی طرح شیخ عبدالحق حریمی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ۳ صفر ۵۵۵ھ کو ہم لوگ حضرت غوثیت مآب کے مدرسہ میں حاضر تھے ہم نے بچشم خود دیکھا کہ حضرت غوث اعظم نے وضو فرمایا اور اپنی گیلی کھڑاؤں کو یکے بعد دیگرے ہوا میں پھینک دیا اور وہ دونوں نظروں سے غائب ہو گئیں کسی کی ہمت نہیں ہوئی کچھ دریافت کرتا سب خاموش رہے ۲۳ دنوں کے بعد بلاد عجم سے ایک قافلہ آیا جس نے آپ کی دونوں کھڑاؤں اور کچھ نذر پیش کی اور ان قافلہ والوں نے بتایا کہ ہم لوگ ایک جنگل میں تھے کہ ناگہاں ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا ہمارے چند آدمی مارے گئے اور ڈاکوؤں نے ہمارے قافلہ کو لوٹنا شروع کر دیا جب ہم لوگ مقابلہ سے لاچار ہو گئے تو ہم نے بلند آواز سے یہ کہا کہ ''اَغِثْنِیْ یَا شَیْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ'' اور کچھ نذر بھی مان لی اس کے بعد ناگہاں جنگل میں ایک خوفناک آواز آئی جس سے سارا جنگل دہل گیا اور یہ کھڑاؤں ڈاکوؤں کے سردار کے سر پر لگی اور وہ فوراً ہی ہلاک ہو گیا پھر دوسری کھڑاؤں بھی ایک بڑے ڈاکو کے سر پر لگی اور وہ بھی مر گیا ڈاکوؤں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ہمارا سارا مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ ہم نے کھڑاؤں کو دیکھا تو وہ گیلی تھیں۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات! یہ واقعہ بھی دلیل ہے کہ سینکڑوں میل دور سے فریادی کی پکار کو جناب غوثیت مآب نے سن لیا اور پھر حملہ آور ڈاکوؤں کو دیکھ بھی لیا کہ وہ کہاں ہیں؟ پھر اتنی دور سے اپنی کھڑاؤں سے مار کر انہیں ہلاک کر دیا۔ یقیناً یہ اسی آنکھ کان اور یہ ہاتھ کے کارنامے ہیں جن میں حضرت حق جل مجدہ کی طاقت وقدرت کی جلوہ فرمائی ہے۔

نجم الدین کبریٰ کا لوٹا

اسی طرح حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کے مرید امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ پر سکرات کے عالم میں شیطان نے حملہ کیا اور توحید الٰہی کی تین سو ساٹھ دلیلیں جو آپ بیان فرمایا کرتے تھے شیطان نے سب کو توڑ پھوڑ کر رد کر دیا اور آپ بدحواس ہو گئے حضرت خواجہ سینکڑوں میل دور وضو فرما رہے تھے امام رازی کا حال دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے اپنا لوٹا چلا کر شیطان کو مارا۔ اور فرمایا کہ فخر رازی! تم کہہ دو کہ میں نے دل سے خدا کو ایک مانا۔ مجھے دلیل کی ضرورت نہیں ہے نجم الدین کبریٰ کا لوٹا امام فخر الدین رازی کے سرہانے گرا اور امام رازی نے اپنے پیر کی آواز سن لی پھر آپ نے شیطان سے یہ فرما دیا کہ میں نے بلا

دلیل کے اپنے دل سے خدا کو ایک مان لیا ہے لا الــہ الا اللہ مــحمد رسول اللہ پڑھا اور امام رازی کا خاتمہ بالخیر ہو گیا۔

پڑھیے درود شریف: اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ الہ واصحبہ وبارك وسلم ۔

یار کی خوشبو

برادرانِ اسلام! حضرت سلطان العارفین خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کی مشہور کرامت ہے کہ ایک دن آپ خرقان نامی گاؤں کے قریب سے گزرے تو سانس اوپر کو کھینچنے لگے جیسے کسی چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہوں۔ مریدوں نے عرض کیا کہ حضور کس چیز کی خوشبو سونگھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو ان خرقان گاؤں سے اپنے ایک یار کی خوشبو آ رہی ہے مولانائے روم نے اس حکایت کو بڑی شان وشوکت سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

آں شنیدی داستان بایزید کو زحال بوالحسن پیش چہ دید

مولانا فرماتے ہیں کہ تم نے خواجہ بایزید بسطامی کی وہ حکایت بھی سنی ہے؟ کہ آپ نے خواجہ الوالحسن خرقانی کی پیدائش سے برسوں پہلے ان کا حال دیکھ لیا تھا۔

کاندریں وہ شہر یارے می رسد گفت بوئے خویش زیارے می رسد

آپ نے یہ فرمایا کہ مجھ کو اس گاؤں سے اپنے یار کی خوشبو آ رہی ہے کیونکہ اس گاؤں میں ایک شاہ ولایت پیدا ہونے والا ہے پھر آپ نے سن مہینہ تاریخ سب کچھ بتا دیا کہ وہ کس وقت پیدا ہوں گے ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضور ان کا نام کیا ہے

چیست نامش گفت نامش بوالحسن حلیہ اش واگفت زابرو تاذقن!

تو آپ نے فرمایا کہ ان کا نام ابوالحسن ہو گا پھر آپ نے بھوں سے لے کر ٹھوڑی تک ان کا پورا پورا اور صاف صاف حلیہ بھی بتا دیا کہ ان کی آنکھ ایسی ناک ایسی اور خسار ایسے ہوں گے۔

چنانچہ آپ کے بتائے ہوئے وقت اور تاریخ پر خرقان میں خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے روایت ہے کہ جب خواجہ ابوالحسن سن شعور کو پہنچے تو حضرت خواجہ بایزید بسطامی کے مزار پر جا کر مراقبہ کیا۔ چنانچہ خواجہ بایزید بسطامی ایک دن قبر سے باہر ظاہر ہوئے اور ان کو سینے سے لگا کر اپنی نسبت وخلافت سے سرفراز فرما دیا مورخین کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی کی وفات کے ۳۹ برس بعد خواجہ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے۔

برادرانِ اسلام! یہ ہے اللہ والوں کی بصارت کا عالم کہ جو بچہ ابھی برسوں بعد پیدا

ہونے والا ہے اس کی خوشبو سونگھ کر اس کو دیکھ لیا۔ ناک نقشہ اور حلیہ بھی دیکھ لیا۔ ان کے مراتب و درجات کو بھی دیکھ کر بتا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولائے روم فرماتے ہیں کہ

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　　از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

یعنی اولیاء کرام کی نظر کا تو یہ عالم ہے کہ لوح محفوظ اولیاء کی نظروں کے سامنے رہتی ہے لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے؟ کون نہیں جانتا کہ ازل سے ابد تک کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لوح میں نہ لکھی ہوئی ہو۔

برادرانِ ملت! سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں' لاکھوں اولیاء کی ایسی کرامتیں منقول ہیں کہ انہوں نے سینکڑوں' ہزاروں میل کی چیزوں کو دیکھ لیا دور دراز کی آوازوں کو سن لیا اور اپنا ہاتھ بڑھا کر سینکڑوں' ہزاروں میل کی دوری پر طرح طرح کا تصرف فرمایا مگر آج کل کے منکرین اولیاء ان کرامتوں پر تعجب کر کے مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ان روایتوں کو بے سر پیر کی لغویات بتاتے ہیں اس لیے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید سے بھی اس قسم کی ایک کرامت سنا دوں۔ کیونکہ قرآن کی صداقت پر تو منکرین اولیاء بھی ایمان رکھتے ہیں!

آصف بن برخیا کی کرامت

حضرات! تخت بلقیس کا واقعہ غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا۔ قرآن مجید کی سورۂ نمل میں ہے کہ بلقیس شہر سبا کی رانی تھی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو خط لکھا کہ تم اپنے درباریوں کے ساتھ مسلمان ہو کر میرے دربار میں حاضر ہو جاؤ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار میں بیٹھ کر ارشاد فرمایا:

قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۔

اے درباریو! تم میں کون ایسا ہے؟ کہ بلقیس اور اس کے درباریوں کے مسلمان ہو کر یہاں آنے سے پہلے ہی بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے۔

قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۔

ایک بڑا سرکش جن بولا کہ میں وہ تخت آپ کے پاس آپ کا اجلاس برخواست ہونے سے پہلے ہی حاضر کر دوں گا اور آپ یقین فرمائیے کہ مجھے اس کی قوت ہے اور میں نہایت امانت دار ہوں۔

جن کی بات سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس سے بھی جلد اس تخت

کولانے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اس وقت دربار میں حضرت آصف بن برخیا بھی حاضر تھے یہ حضرت سلیمان علیہ اسلام کے وزیر تھے اور بہت ہی صاحب کرامت ولی تھے انہوں نے کیا کہا؟ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ

انہوں نے عرض کیا جنہیں کتاب الٰہی کا علم تھا کہ میں اس تخت کو ایک پلک مارنے سے پہلے ہی حاضر کردوں گا۔

چنانچہ حضرت آصف بن برخیا نے ہاتھ بڑھا کر ایک سکینڈ میں تخت بلقیس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں حاضر کردیا۔

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ۝

پھر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شخص شکر کرتا ہے اور جو یہ ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے پروا اور بڑا اکرم والا ہے۔

برادرانِ ملت! روایت ہے کہ تخت بلقیس اسی ہاتھ لمبا چالیس ہاتھ چوڑا تھا سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع و مزین تھا اور اتنا وزنی تھا کہ بہت بڑی جماعت اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ ہٹا سکتی تھی مگر حضرت آصف بن برخیا نے پہلے اتنی دور سے اس تخت کو دیکھا کہ وہ کہاں ہے؟ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کو اٹھالائے۔ مسلمانو! قرآن نے ہمیں بتادیا کہ ایک ولی کی نظر کا کمال اور اس کے ہاتھوں کی قدرت و طاقت کا کیا عالم ہوتا ہے؟ یاد رکھئے کہ حضرت آصف بن برخیا نبی نہیں تھے بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کی ولی تھے اور یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھئے کہ جتنی عظمت و طاقت والا نبی ہوگا۔ اس کی امت کے اولیاء بھی اسی لحاظ سے عظمت و طاقت والے ہوں گے کیونکہ یہ مسئلہ اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہر ولی کی کرامت درحقیقت اس کے نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے تو جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے ایک ولی کی کرامت کا یہ حال ہے تو پھر حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بھی نبی ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کی امت کے اولیاء حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت اولیاء سے افضل و اعلیٰ ہی ہوں گے۔ تو اگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء ہزاروں میل کی دوری پر ہونے والے واقعات اور اشیاء دیکھ لیں۔ سینکڑوں میل دور سے

فریادیوں کی فریاد کو سن لیں اور لوگوں کی فریادرسی فرمائیں تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟

محترم سامعین!

كَرَامَةُ الْاَوْلِيَآءِ حَقٌّ ۔ یعنی اولیاء کرام کی کرامت حق ہے۔

یہ عقائد کا مسلمہ مسئلہ ہے لہٰذا اولیائے کرام کی کرامتیں برحق ہیں اس کا انکار اعلیٰ درجے کی شقاوت ومحرومی اور بدترین بدمذہبیت ہے۔ درحقیقت ان منکرین اولیاء کو خبر نہیں کی بارگاہ کبریا میں اللہ والوں کی مقبولیت ومحبوبیت کا کیا عالم ہے؟ اولیاء کرام پر خداوند قدوس کا کتنا پیار ہے۔ اس کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک حکایت سنئے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک ولی

مولانا رومی علیہ الرحمۃ ایک حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ۔

آمد از حق سوئے موسیٰ ایں عتیب ! کائے طلوع ماہ دیدہ تو زجیب

یعنی خدا کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کچھ تھوڑا سا عتاب ہوا۔ اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تم کو یہ معجزہ عطا فرمایا کہ تم اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالتے ہو تو تمہاری ہتھیلی چاند کی طرح چمکنے لگتی ہے۔

مشرقت کردم زنور ایزدی من حقم رنجور گشتم نامدی

میں نے تمہیں اپنے نور سے جگمگا دیا اور میں تمہارا خدا ہوں۔ لیکن میں بیمار ہو گیا تو تم میرے پاس نہیں آئے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام خداوند قدوس کا یہ عتاب سن کر حیران رہ گئے اور جناب باری تعالیٰ میں عرض کیا کہ۔

گفت سبحانا تو پاکی از زیاں ایں چہ رمزے ہست یارب کن بیان

اے خداوند سبحان! تو حرج ومرض ہر قسم کے نقصان سے پاک ہے اور تو یہ فرما رہا ہے کہ میں بیمار ہو گیا۔ تو اے میرے سبحان تو کس طرح بیمار ہو سکتا ہے؟ میں اس رمز کو نہیں سمجھ سکا الٰہی تو اس راز کو مجھ سے بیان فرمادے۔

گفت آرے بندۂ خاص گزیں گشت رنجور آں منم نیکش ببیں

تو باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ! میرا ایک خاص برگزیدہ بندہ بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی بیماری کو میں یوں کہہ رہا ہوں کہ میں بیمار ہو گیا تھا کیوں؟ اس لیے کہ

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء

جو شخص خدا کے ساتھ ہم نشینی کا خواستگار ہو اس کو چاہئے کہ وہ اولیاء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت میں بیٹھے۔

اللہ اکبر! مسلمان بھائیو! غور کرو کہ اولیاء کرام کو بارگاہ رب العزت میں کس قدر تقرب کتنی مقبولیت و محبوبیت ہے کہ خداوند سبوح و قدوس ان کی بیماری کو اپنی بیماری' ان کی خدمت کو اپنی خدمت ان کی ہم نشینی کو اپنی ہم نشینی فرما رہا ہے۔

اولیاء پر خدا کا پیار

بزرگانِ ملت! اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی سن لیجئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے یوں فرمائے گا کہ:

يَابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ ۔	اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہو گیا تھا تو میری بیمار پرسی کے لیے نہیں آیا؟
قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	بندہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! تو کیسے بیمار ہوتا اور میں کیسے تیری بیمار پرسی کے لیے آتا جب کہ تو سارے جہاں کا پالنے والا ہے۔
قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ	اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! کیا تجھے نہیں معلوم! کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہو گیا تھا لیکن تو اس کی عیادت کے لیے نہیں آیا۔
اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَنِیْ عِنْدَهٗ	کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس بندے کی بیمار پرسی کے لیے آتا تو اس بندے کے پاس تو مجھے یعنی میری رضا کو پالیتا۔
يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ	اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔
قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ	بندہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں کس طرح تجھ کو کھانا کھلاتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔
قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ	باری تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تجھ کو یہ علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔

اَمَا عَلِمْتَ لَوْ اَنَّكَ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ ۔	کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو میرے اس بندے کو کھانا کھلاتا تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا۔
يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ ۔	خداوند تعالٰی فرمائے گا کہ اے آدم کے بیٹے میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔
قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	بندہ عرض کریگا کہ اے پالنہار! میں تجھے کس طرح پانی پلاتا جبکہ تو سارے عالم کا پالنے والا ہے۔
قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهٗ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ ۔	باری تعالٰی عزاسمہ فرمائے گا کہ خبردار میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس پانی کو میرے پاس پاتا۔

(مشکوٰۃ شریف ۱۳۳)

بہر کیف برادرانِ ملت! بہت سے ایسے اللہ کے بندے ہیں جو بظاہر میلے کچیلے غبار آلود ہوتے ہیں مگر تمہیں کیا معلوم؟ کہ یہ اللہ کے دربار میں کتنے مقبول و محبوب ہوتے ہیں۔ اسی لیے شیخ سعدی نے فرمایا کہ ؎

خاکسان ران جہاں رابحقارت منگر   تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی اس دنیا میں میلے کچیلے خاکسار بندوں کو حقارت کے ساتھ مت دیکھو تمہیں کیا خبر؟ شاید اس گرد میں کوئی میدان ولایت کا شہ سوار چھپا ہوا ہو۔ مثل مشہور ہے کہ کبھی کبھی گدڑی میں بھی لعل ہوا کرتا ہے۔

خستہ حال فقراء

اس لیے خستہ حال فقراء جو کبھی کبھی کھانا پانی کا سوال کرتے رہتے ہیں ہرگز ہرگز ان کو حقارت کے ساتھ جھڑکنا نہیں چاہئے بلکہ اگر ہو سکے تو ان کے سوال کو پورا کر دینا چاہئے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کتنی نفیس بات فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ؎

خورش دہ بہ دراج و کبک و حمام   کہ روزے ہمائے بیفتد بہ دام

یعنی تیتر، چکور، کبوتر سب کو دانہ کھلاتے رہے ممکن ہے کسی دن ہما بھی تمہارے جال میں آ جائے۔ مسلمانو! ہما وہ پرندہ ہے جس کے گھر آ جائے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے مطلب یہ ہے کہ تم سب کو جو تمہارے دروازے پر آ جائے کھانا کھلاتے رہو۔ جب تمہارے دروازے پر کھانا ملتا رہے گا تو تیتر، چکور، کبوتر جیسے ایرے غیرے بھی آتے اور کھاتے رہیں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی

دن کوئی ہماصفت اللہ والا بھی تمہارے گھر پر آ جائے۔تو تمہاری قسمت کا ستارہ چمک اٹھے گا!

آپ یہ حدیث سن چکے کہ اللہ والوں کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ ۔یعنی محبوبان بارگاالٰہی اگر خدا سے کسی چیز کا سوال کرتے ہیں تو ارحم الرحمین ضرور ضرور انہیں مراد عطا فرما دیتا ہے!

حضرت ذوالنون مصری

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت شاید آپ لوگوں نے سنی ہوگی۔آپ ایک کشتی میں مسافروں کے ساتھ سفر فرما رہے تھے اتفاق سے کسی مسافر کا بٹوہ گم ہوگیا کشتی میں سب سفید پوش جنٹل مین ہی تھے ایک حضرت ذوالنون مصری ہی میلے کچیلے خستہ حال تھے۔ سب نے آپ ہی پر شک کیا اور آخر کشتی کے ناخدا نے ڈانٹ کر آپ سے کہا کہ ؎

ولق بیرون کن برہنہ شوز دلق ! تازتو فارغ شود اوہام خلق

گدڑی اتار کر برہنہ ہو جاؤ۔ہم تمہاری تلاشی لیں گے تا کہ تم پر جو لوگوں کو چور ہونے کا گمان ہے وہ بدگمانی دور ہو جائے۔حضرت کے قلب نازک پر بڑی ٹھیس لگی اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی ؎

گفت یارب مرغلامت راخساں متہم کردند فرماں بررساں !

اے پروردگار! تیرے بندے کو ان کمینوں نے تہمت لگائی ہے اب تو میری برات کا فرمان بھیج دے! پھر کیا ہوا! سنو! اور عبرت پکڑو۔

چوں بدرد آمد دل درویش زاں . سر بروں کردند ہر سو ماہیاں

جب درویش کا دل اس تہمت سے درد مند اور دکھی ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ دریا میں ہر طرف مچھلیوں نے سر نکال دیا۔

صد ہزاراں ماہی از دریائے پر! دردہان ہر یکے درے چو در

لاکھوں مچھلیاں بھرے ہوئے دریا میں منہ نکالے ہوئے تھیں اور ہر مچھلی کے منہ میں قیمتی موتی تھے ؎

دُر چند انداخت درکشتی و جست مرہوا را ساخت کرسی ونشست !

آپ نے چند موتی مچھلیوں کے منہ سے لے کر کشتی میں ڈال دیئے اور پھر ہوا میں معلق ہو کر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح کوئی کرسی پر بیٹھا ہو۔کشتی پانی پر چل رہی تھی اور آپ کشتی کے اوپر ہوا میں بیٹھے ہوئے کشتی کے ساتھ چلے جا رہے تھے کشتی والے آپ کی اس کرامت سے ڈر

کرلرزہ براندام ہو گئے اور آپ سے معافی طلب کرنے لگے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے! یہ ہے بارگاہ کبریا میں اولیاء اللہ کی محبوبیت کا عالم اسی لیے تو مولائے روم نے فرمایا ہے کہ۔

اولیاء راہست قدرت از الہ　　تیر جستہ باز گردانند زراہ

اولیاء کو خدا کی طرف سے یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کمان سے چلے ہوئے تیر کو اگر چاہیں تو راستہ میں سے واپس لوٹا سکتے ہیں۔ پڑھئے درود شریف:

اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد وبارك وسلم

بہر حال! برادرانِ اسلام! آپ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا مضمون ایک حد تک سمجھ چکے کہ اولیاء پر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہے اور اسکا راز یہ ہے کہ اولیاء اپنی طاقت وقدرت میں جو انہیں خدا کی طرف سے عطا ہوئی ہے تمام اشیاء سے بڑھ کر ہیں اور ساری کائنات ان کے زیرِ فرمان ہے! اب اس آیت کریمہ کے اگلے حصہ کا ترجمہ بھی سنئے! ارشاد خداوندی ہے کہ

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ .　　یعنی اولیاء کو کوئی غم بھی نہیں ہے۔

نہ دنیا میں ان کے لیے کوئی غم نہ آخرت میں۔ اولیاء غمگین کیوں نہیں ہوتے۔ اس کا راز بھی سن لیجئے کسی انسان کو رنج وغم کب اور کیوں ہوتا ہے؟ دیکھئے کسی تکلیف پر یا کسی نعمت کے فوت ہونے پر یا کسی نعمت کے زوال پر عموماً انسان کو غم ہوا کرتا ہے۔ مگر یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ اگر انسان کو کسی تکلیف کے بعد کوئی بہت بڑی راحت مل جائے یا کسی نعمت کے فوت یا زائل ہونے کے بعد اس نے بڑی نعمت مل جائے تو انسان کا غم غلط ہو جاتا ہے اور اس پر کوئی رنج وغم باقی نہیں رہتا۔ اولیاء اللہ کو چونکہ سب سے بڑی نعمت‘ سب سے بڑی دولت‘ سب سے بڑی لذت یہ مل جاتی ہے کہ انہیں محبوب حقیقی کا وصال مل جاتا ہے۔ اسی لیے ان پر کسی تکلیف‘ کسی نعمت کے فوت ہونے اور کسی دولت کے برباد ہونے کا کبھی کوئی غم ہی نہیں ہوتا۔ اللہ اللہ مسلمانو! سوچو تو سہی کہ جس کو خدا مل گیا۔ بھلا اس کو اب کس چیز کا غم ہو سکتا ہے؟ خدا کے وصال کی لذت تو کسی صاحب حال سے پوچھو جو اپنا سب کچھ تج کر رات دن کوچہ یار میں یہ صدا لگاتے پھرتے ہیں کہ۔

ہر جفا ہر ستم گوارا ہے　　اتنا کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

برادرانِ گرامی! دنیا کا غم تو کس شمار وقطار میں ہے؟ آخرت کا غم درحقیقت ایک بہت بڑا غم ہے۔ مگر اولیاء کو ارحم الرحمین نے آخرت کے غم سے بھی آزاد فرما دیا ہے اس بارے میں

بھی ایک حدیث سن لیجئے۔

اولیاء اور آخرت

نبی آخرالزمان، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ مِنْ عِبَادَ اللهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَآءَ وَلَا شُهَدَآءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللهِ ۔

یعنی خدا کے بندوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء مگر قیامت کے دن خدا کے دربار میں ان کے مراتب و درجات پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔

قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَلَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَهَا ۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں خبر دیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ قوم ہیں کہ بغیر کسی رشتہ داری کے اور بغیر کسی مال کے لین دین کے صرف اللہ کی رحمت یعنی اسکے دین کی وجہ سے ایک دوسرے سے دینی محبت کرتے رہتے ہیں۔

فَوَاللهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ تَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ ۔

خدا کی قسم ان کے چہرے نور کے ہوں گے اور وہ نور کے اوپر ہوں گے جب سب لوگ ڈر رہے ہوں گے اس وقت وہ بے خوف ہوں گے اور جب سب لوگ غمگین ہوں گے اس وقت وہ بے غم ہوں گے۔

اس کے بعد آخر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

سن لو! اولیاء اللہ نہ ان پر کوئی خوف ہے نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۶)

عزیزانِ ملت! دیکھ لو اولیاء کی شان کہ آخرت میں بھی وہ بے خوف اور بے غم ہوں گے۔

اچھا برادرانِ اسلام! اب اگلی آیت کا ترجمہ بھی سن لیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۔

یعنی اولیاء وہی لوگ ہیں۔ جو صاحب ایمان اور متقی ہیں۔

مسلمانو! سن لو۔ قرآن نے بتا دیا کہ ولی کے لیے صاحب ایمان اور متقی یعنی پابند شریعت ہونا ضروری ہے اس سے پتا چلا کہ شریعت کی مخالفت کرنے والا ہرگز ہرگز خدا کا ولی نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو! یہ قرآن اور حدیثوں کا ارشاد ہے کہ۔

خلاف پیغمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے راستہ اختیار کیا وہ ہرگز کبھی بھی ولایت کی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔

محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پے مصطفےٰ

اے سعدی! یہ محال ہے کہ بغیر پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے کوئی شخص تصوف کی راہ کو پا سکے۔

لہٰذا بزرگو! اور بھائیو! میں بلا خوف لومۃ لائم علی الاعلان عرض کرتا ہوں کہ اس زمانے میں جو سینکڑوں خلاف شرع پیر نظر آتے ہیں اور ننگا راشاہ' چنگا راشاہ' بھنڈ راشاہ جو داڑھی مونچھ منڈائے' سرگھٹائے پھرتے ہیں۔ نہ استنجا' نہ طہارت' نہ روزہ' نہ نماز گانجہ بھنگ اور افیون کی پینک میں مست قلندر بنے پھرتے ہیں اچھے خاصے ہوش وحواس میں رہتے ہوئے بھی مجذوب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ شریعت کے باغی اور تصوف کے دشمن ہرگز ہرگز کبھی ولی نہیں ہو سکتے ان لوگوں کی بیعت' ان سے عقیدت قطعاً حرام وناجائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی فاسق کی تعظیم کی جاتی ہے تو غضب خداوندی سے عرش دہل جاتا ہے۔ بہرحال اب میں آیت کریمہ کے آخری حصے کا بھی ترجمہ سنا کر آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ مولیٰ عزوجل نے اولیاء پر اپنے انعاموں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللهِ ذٰلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيْمُO

ان اولیاء کے لیے دنیاوی زندگی اور آخرت میں خوشخبریاں ہیں! اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہ بہت ہی بڑی کامیابی ہے۔

حضرات! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فِي الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ بِالْجَنَّةِ یعنی اولیاء کرام کے لیے دنیا میں اس طرح بشارت ہے کہ خداوند کریم ان کو دنیا میں صاحب کرامت بنائے گا اور آخرت میں انہیں اپنے رضوان وغفران کا شرف عطا فرما کر جنت میں داخل فرمائے گا۔

بہرحال یہ اولیاء کرام روئے زمین پر خدا کے فضل واحسان کا نشان ہیں۔ ان سے محبت وعقیدت رکھنا علامت ایمان اور ان سے بغض وعناد سراسر خسران وحرمان کا سامان ہے مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اولیاء کرام کی محبت وعقیدت کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ اور دونوں جہان میں ان کے فیوض وبرکات سے سرفراز فرمائے (آمین)

وما علینا الا البلاغ

چھٹا واعظ

دعوتِ فلاح

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی بالھدی ارسل رسلہ ۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الذی اوضح سبلہ وعلیٰ الہ واصحبہ الذین اعد اللہ لھم نزلہ ۔ وعلیٰ اولیآئہ الذین جاھد وافی سبیلہ فاصابو افضلہ ۔ اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحونo

سلموا یا قوم بل صلوا علی لصدر الامین
مصطفیٰ ما جآء الا رحمۃ للعلمین

حضرات سامعین! سرکار نامدار احمد مختار شفیع روز شمار کے دربار گوہر بار میں درود وسلام کا نذرانہ بہ آواز بلند پیش کیجئے اور پڑھئے:

صلی اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ وسلاماً علیک یا رسول اللہ ۔

برادرانِ اسلام! اس وقت دنیا میں جتنے بھی ادیان و مذاہب ہیں سب کا اصلی مقصد یہی بتایا جاتا ہے کہ انسان اللہ تک پہنچ جائے اور اللہ کا بندہ اللہ والا ہو جائے اور یہ واقعہ ہے کہ انسانی ترقی کی سب سے بڑی معراج یہی ہے کہ ایک انسان قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہو جائے خدا کی قسم! اگر جمال الٰہی کی ایک تجلی کسی طالب مولیٰ کی بندہ نوازی فرمادے تو زمین و آسمان کے خزانوں کی دولتیں اس بندے کی جوتیوں پر قربان ہو جائیں ۔ اور بڑے سے بڑے

تاجدار اس بندے کے دربار میں اپنی مرادوں کی بھیک مانگنے کو سرمایہ افتخار سمجھیں اور اگر اس محبوب بندے کی جوتیوں کا ایک ٹکڑا بادشاہوں اور شہنشاہوں کو نصیب ہو جائے تو وہ اس کو اپنے تاج کا طرہ بنا کر اپنی سربلندی کی معراج پر وجد و رقص کریں مسلمانو! اس بندے کی شان بندگی کا کیا کہنا؟ جو دیدار خداوندی کی دولت لازوال سے مالا مال ہو جائے سبحان اللہ! ایک انسان اور قرب خداوندی کی معراج؟ ایک بندہ اور اس کے سر پر دیدار الٰہی کے شرف کا تاج یہ وہ نعمت عظمٰی ہے کہ ہزاروں طالبان مولیٰ اس حسرت و تمنا میں اپنے تخت و تاج کو لات مار کر جنگلوں اور بیابانوں میں دیوانہ وار پھرتے رہے اور ایک تجلی کے انتظار اور حسرت دیدار میں اپنی قیمتی جانوں کو نثار کر دیا۔ کسی طالب مولیٰ نے کیا خوب کہا ہے۔

جنت میں بھیج یا مجھے دوزخ میں ڈال دے
جلوہ دکھا کے پر مری حسرت نکال دے

یعنی اے میرے خدا! تو میرا مالک ہے اور میں تیرا بندہ ہوں میں بہر حال میں تیری رضا پر راضی ہوں تجھے اختیار ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے یا مجھے دوزخ میں ڈال دے۔ مگر میرے دل کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز اور میری حسرتوں اور ارمانوں کا کعبہ مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ تو مجھے اپنے دیدار پر انوار کا ایک جلوہ دکھا دے ایک بزرگ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم دوزخ سے اسی لیے ڈرتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں کہ وہ خداوند کریم کے قہر و غضب کا مقام ہے اور ہم جنت کے مشتاق و طالب ہیں تو صرف اسی لیے کہ وہ مولیٰ کی رضا و خوشنودی کا مقام ہے بہر حال جہنم سے بیزاری اور جنت کی طلب گاری دونوں اسی جذبے سے ہے کہ مقصود ذات باری تعالیٰ ہے!

خیر تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اس دنیا میں ہر دین و مذہب والا اپنا مقصد اصلی یہی بتاتا ہے کہ کسی طرح انسان خدا تک پہنچ جائے؟ اور کسی طریقے سے اللہ کا بندہ اللہ والا بن جائے؟ چنانچہ ہر دین و مذہب والوں نے اپنے اپنے نظریات کے مطابق خدا تک پہنچنے کا راستہ بتایا ہے دوسرے ادیان و مذہب کے بتائے ہوئے راستے کون ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا بلکہ میں اس وقت یہ چاہتا ہوں کہ ہمارے مقدس دین یعنی اسلام نے خدا تک پہنچنے کا جو سیدھا اور صاف راستہ بتایا وہ آپ کے سامنے پیش کر دوں۔

برادرانِ گرامی! قرآن مجید کی جو آیت میں نے خطبے کے بعد تلاوت کی ہے اس میں رب العالمین جل جلالہ نے اسی مضمون کو ارشاد فرمایا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ اور خدا

کا بندہ بارگاہ کبریا میں کس طرح مقرب ہو کر اللہ والا بن سکتا ہے اس کا طریقہ کیا ہے؟

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی اے ایمان والوں! تم اللہ سے ڈرو۔ اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

حضرات! اس آیت نے بتا دیا کہ فلاح یعنی اللہ تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ یہ چاروں منزلیں کون کون ہیں تو فرمایا کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سب سے پہلے ایمان کی منزل ہے اتَّقُوا اللّٰهَ دوسری منزل خوف الٰہی ہے۔ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ تیسری منزل وسیلہ ہے وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔

پہلی منزل ایمان

برادرانِ ملت! ایمان! یہ لفظ تو ہم اور آپ بہت زیادہ بولتے اور سنتے رہتے ہیں مگر کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ ایمان کے معنی کیا ہیں؟ مسلمانو! یہ بڑی عظمت والا لفظ ہے ایمان اللہ اکبر کیا چیز ہے ایمان! یہی ایمان ہی تو شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت تمام کمالات انسانیت کی جان ہے یہی ایمان ہی تو دین محمدی کی رفیع الشان عمارت کا سنگ بنیاد ہے۔ یہی ایمان ہی تو وہ دولت بے بہا ہے جس کی تحصیل و بقا کے لیے تمام انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے خدا کی قسم زمین و آسمان' سارے جہاں میں ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی انمول دولت ہی نہیں مگر افسوس صد ہزار افسوس کہ ہم مسلمان ایمان کو سمجھتے ہی نہیں اور نہ کبھی اس کی حقیقت پر غور ہی کرتے ہیں بلکہ ہم لوگ اس لفظ کو اس قدر جا و بے جا استعمال کرنے لگے کہ سچ پوچھو تو یہ لفظ ہی مردہ ہو کر رہ گیا ہے مسلمان بھائیو! یہ واقعہ ہے بعض الفاظ غلط استعمال سے مردہ ہو جایا کرتے ہیں دیکھ لیجئے! ایک لفظ ہے "حق" یہ لفظ کیسا باوزن' کس قدر جاندار اور کتنا پر معنی ہے؟ مگر آج کل اس کا استعمال اتنا غلط ہونے لگا ہے؟ کہ خدا کی پناہ! کچہری اور تھانے میں چلے جایئے! اور بالکل خلاف قانون' قطعاً غلط' بلکہ حق و انصاف کا خون کرنے والا کام کرا لیجئے اس کے بعد کچہری کا پیش کار' اور تھانے کا تھانیدار ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے کہ مولانا صاحب میرا حق تو دیدیجئے؟ دیکھا آپ نے؟ لے رہا ہے "ناحق" مگر اس کا نام رکھتا ہے "حق" بتایئے! لفظ حق جب غیر معنی میں استعمال ہوا تو یہ لفظ مر گیا یا نہیں؟ بالکل یہی حال لفظ ایمان کا ہے' ایک

چارسوبیس، پکا ابلیس، کافر اگر اتفاق سے اس نے کسی سودے کا دام ٹھیک بتادیا تو ہم کہنے لگتے ہیں کہ یہ بڑا ایماندار ہے سبحان اللہ! کافر اور ایمان دار؟ کہیئے؟ لفظ ''ایمان'' مر گیا یا نہیں؟ بھلا سوچئے تو سہی کہ کہاں کفر اور کہاں ایمان؟

برادرانِ ملت! اصل بات یہ ہے کہ ہم لفظ ایمان کی عظمت شان سے واقف ہی نہیں۔ اور ہمارا ذہن اسلامی اس لفظ کے مفہوم و معانی کی لذتوں سے ذوق آشنا ہی نہیں اس لیے بڑی ضرورت ہے کہ پہلے ایمان کے معنی سمجھ لیجئے۔ سنیئے! ایمان عربی زبان کا لفظ ہے اس کا اردو میں ترجمہ ہے ''مان لینا'' قرآن مجید میں جابجا آیا ہے کہ:

اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ یعنی اللہ و رسول کو مان لو!

حاضرین کرام! اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جان لینا اور پہچان لینا۔ یہ اور بات ہے اور جان پہچان کر پھر دل سے مان لینا یہ اور بات ہے یاد رکھئے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف جان پہچان لینے سے ہرگز ہرگز کوئی مومن اور صاحب ایمان نہیں ہوتا۔ مومن اور صاحب ایمان تو اللہ و رسول کو مان لینے سے ہوا کرتا ہے۔ قرآن گواہ ہے کہ:

یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ۔ یعنی یہود و نصاریٰ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے تھے۔

مگر یہود و نصاریٰ مومن اور صاحب ایمان نہیں ہوئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ رسول کو صرف جانتے پہچانتے تھے مانتے نہیں تھے تو میرے بزرگو اور بھائیو! اچھی طرح سمجھ لو کہ ایمان نام ہے اللہ و رسول کو مان لینے کا اور یہ مان لینا کوئی معمولی بات نہیں ہے یہ بہت بڑی بات ہے ماننے والے کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے مان لیا تو پھر مان لیا ماننے والا جب کسی کو مان لیتا ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو برگشتہ نہیں کرسکتی۔ پروانہ شمع کو مان گیا ہے بلبل پھول کو مانے ہوئے ہے چکور چاند کو ماننے والا ہے تو کیا دنیا میں کوئی ایسی طاقت ہے؟ جو پروانے کو شمع سے متنفر کردے جو بلبل کو پھول کی محبت سے توبہ کرادے؟ کیا دنیا میں کسی کو یہ قدرت ہے کہ چاند دیکھ کر چکور کی مستانہ اڑان کو روک دے؟ نہیں ہرگز نہیں! تو پھر سمجھ لو کہ اللہ و رسول کے ماننے والے کی شان اور اس کی آن بان کا کیا عالم ہوگا؟ ہزاروں آندھیاں چلیں، سینکڑوں طوفان آئیں زمین پھٹ جائے آسمان ٹوٹ جائے مگر کیا مجال ہے کہ ایک مومن کا اللہ و رسول کے ساتھ رشتہ ایمان ٹوٹ جائے مومن اپنا تخت و تاج، اپنی بادشاہی و شہنشاہی، اپنا مال، اپنی اولاد،

اپنی جان ہر چیز قربان کر دے گا مگر اللہ و رسول سے اپنی والہانہ گرویدگی جس کا نام ایمان ہے ہر گز ہر گز ایک سچا مسلمان اسکو برباد کرنا گوارا نہیں کر سکتا بڑے سے بڑا خوف بڑی سے بڑی امیدیں اور لالچ بھی ایک صاحب ایمان کے قدم کو متزلزل نہیں کر سکتیں صحابہ کرام کی مقدس پیٹھوں پر کوڑے برسائے گئے۔ چٹائیوں میں لپیٹ کر ان کے ناکوں میں دھوئیں پہنچائے گئے انگاروں پر لٹائے گئے سولیوں پر لٹکائے گئے۔ مگر زمین و آسمان گواہ ہیں خدائی گواہ ہے خدا گواہ ہے کہ باوجودیکہ ان کے ایمان کو برباد کرنے کے لیے کافروں نے ہر قسم کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر یہ اللہ و رسول کے ماننے والے اور توحید و رسالت کے متوالے ایک بال کے کروڑویں حصے کے برابر بھی جادۂ ایمان سے منحرف نہیں ہوئے بلکہ صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر اپنے ایمان پر قائم رہے۔

عبداللہ بن حذافہ کی استقامت

حضرات! مجھے اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ کا دل ہلا دینے والا عبرت آموز واقعہ یاد آ گیا ہے حضرت عبداللہ بن حذافہ بھی اسی مجاہدین کے ساتھ جنگ شام میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے ہرقل بادشاہ روم نے عبداللہ بن حذافہ کو طرح طرح کا لالچ دے کر ورغلایا بلکہ یہاں تک کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم عیسائی دین قبول کر لو تو میں اپنی چہیتی بیٹی سے تمہاری شادی کر دوں گا اور اپنی آدھی سلطنت کا تم کو بادشاہ بنا دوں گا عبداللہ بن حذافہ نے انتہائی حقارت کے ساتھ ہرقل کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ اے ہرقل! تیری بیٹی اور تیری آدھی بادشاہت تو کیا چیز ہے۔ میرے ایمان کا تو یہ جذبہ ہے کہ آسمان و زمین کی بادشاہی کو میں اللہ و رسول کی محبت پر قربان کرتا ہوں بادشاہ نے انتہائی برہم ہو کر دھمکی دی اور کہا کہ اے عبداللہ! اگر تم نے عیسائی دھرم قبول نہیں کیا تو میں تم سب لوگوں کو کڑاہی میں کھولتے ہوئے تیل کے اندر ڈال کر جلا دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا اے ہرقل! تیری ایسی لاکھوں دھمکیاں بھی ہمیں دین محمدی سے نہیں ہٹا سکتیں۔ اور تو کان کھول کر سن لے! کہ جب تک ہمارے جسم میں خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس باقی رہے گی ہم اسلام پر قائم رہیں گے اور ہرگز ہرگز ہم کبھی بھی نصرانیوں کا دین قبول نہیں کر سکتے عبداللہ بن حذافہ کی تقریر سن کر ہرقل مارے غصے کے سرخ ہو گیا اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں تیل ڈال کر پکایا جائے اور اسی کھولتے ہوئے تیل میں ان مجاہدین اسلام کو ڈال دیا جائے چنانچہ جب دیگ میں تیل کھولنے لگا تو ہرقل نے کہا کہ پہلے قید خانے سے ایک مجرم کو لا کر عبداللہ بن حذافہ کے سامنے کھولتے ہوئے تیل

میں ڈال دو چنانچہ ایک قیدی کو لایا گیا اور کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایک لمحہ میں اس طرح جل بھن گیا کہ ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حذافہ کو جلادوں نے کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنا چاہا تو عبداللہ بن حذافہ رونے لگے۔ ہرقل نے پوچھا کہ عبداللہ تم روتے کیوں ہو؟ آپ نے فرمایا کہ اے ہرقل! تم ہرگز ہرگز کبھی یہ گمان نہ کرنا کہ میں جان کے ڈر سے رو رہا ہوں توبہ توبہ حاشا و کلا!

اے ہرقل! میں تو اس وقت اس خیال سے رو پڑا کہ افسوس! میری ایک ہی جان ہے جو راہِ مولیٰ میں قربان ہو رہی ہے حیف صد حیف! کہ دربار خداوندی میں یہ میرا کتنا حقیر تحفہ ہے کاش! مجھے ہزاروں لاکھوں جانیں ملی ہوتیں اور میری ہر ایک جان اسی طرح میرے مولیٰ کی راہ میں قربان ہو جاتی تو شاید میرے لئے رضائے الٰہی کا کچھ سامان ہو جاتا۔ بادشاہ حضرت عبداللہ کے استقلال سے حیران اور ان کی تقریر سے انتہائی متاثر و متعجب ہو گیا اور جلادوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو کچھ دنوں کی مہلت دے دو اور ان لوگوں کو جیل خانوں میں بند کر دو۔ اتنے میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم کا مشہور فرمان ہرقل کے نام آ گیا کہ اے ہرقل! میرا یہ خط ملتے ہی تو عبداللہ بن حذافہ سہمی کو رہا کر دے۔ اگر تو ایسا کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ ورنہ میں تیرے پاس ایسے جوانمردوں کا لشکر بھیج دوں گا جنہیں کوئی بیوپار اور تجارت ذکر الٰہی اور نماز سے روک نہیں سکتی ہرقل حضرت فاروق کے فرمان والا شان کو پڑھ کر خوف و دہشت سے لرزہ براندام ہو گیا۔ اور عبداللہ بن حذافہ کو اسی مجاہدین کے ساتھ رہا کر دیا۔ (اسد الغابہ)

مسلمانو! دیکھ لو۔ ایمان پر استقامت کی بدولت عبداللہ بن حذافہ کی جان بھی بچ گئی اور ان کا ایمان بھی سلامت رہا۔

مجاہد دولہا اور جنتی باراتی

حضرات گرامی! مجاہدین کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنے کا ذکر آ گیا تو مجھے تین دوسرے بھی مجاہدین اسلام کا واقعہ یاد آ گیا ملک شام کے تین بھائی جو اعلیٰ درجے کے بہادر سوار اور بہترین مجاہد تھے رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا بادشاہ روم نے ان تینوں کی نوجوانی اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر کہا کہ تم لوگ اگر نصرانی ہو جاؤ تو میں اپنی شہزادیوں سے تمہارا نکاح کر دوں گا اور تم تینوں کو بادشاہت بھی عطا کر دوں گا ان تینوں بھائیوں نے انکار کر دیا تو تین دیگوں میں بادشاہ نے روغن زیتون پکانے کا حکم دیا تین دن تک تیل کھولتا رہا اور روزانہ ان تینوں کو دکھایا جاتا رہا کہ یا تو نصرانیت قبول کر لو یا اس کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ لگاؤ مگر یہ

ایمان کے مجسمے پہاڑوں کی طرح ایمان پر مستقیم رہے پہلے بڑے بھائی کو ظالموں نے تیل میں ڈالا پھر منجھلے بھائی کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈبو دیا اور دونوں بھائیوں نے یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کھولتے ہوئے تیل میں غوطہ مارا اور شہادت سے سرفراز ہو گئے جب چھوٹے بھائی کو دیگ کے قریب لایا گیا تو بادشاہ کے ایک درباری کو رحم آ گیا اور اس نے کہا کہ اے بادشاہ اس کو چالیس دنوں کی مہلت دیدیجئے۔ میں اسکو بہلا پھسلا کر نصرانی بنالوں گا۔ درباری اس مجاہد کو اپنے گھر لایا اور اپنی خوبصورت جوان لڑکی کو اسکے پاس رکھ دیا تاکہ وہ لڑکی اس مجاہد کو اپنے حسن پر فریفتہ کر کے اس کو نصرانی بنالے۔ مگر یہ متقی مجاہد دن بھر روزہ رکھتا اور ساری رات نوافل پڑھتا درباری کی لڑکی اس مجاہد کے تقویٰ اور عبادت سے اس قدر متاثر ہوگئی کہ وہ اس مجاہد پر خود عاشق ہوگئی اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئی اور رات کو دو گھوڑے لا کر مجاہد سے کہا کہ چلو ہم دونوں اس شہر سے دور نکل جائیں اور وہاں ہم نکاح کر کے ایک ساتھ رہیں چنانچہ یہ دونوں وہاں سے اس طرح نکل گئے کہ رات کو سفر کرتے اور دن کو کہیں چھپ رہتے یہاں تک کہ یہ دونوں ایک رات چلے جارہے تھے کہ چند سواروں کے گھوڑا دوڑانے کی آواز آئی مجاہد نے قریب پہنچ کر دیکھا تو اس کے وہ دونوں بھائی تھے جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیئے گئے تھے اور ان کے ساتھ چند فرشتوں کی جماعت بھی تھی مجاہد نے اپنے دونوں بھائیوں کو سلام کیا اور حال دریافت کیا تو وہ دونوں کہنے لگے کہ بس ہم نے تیل میں ایک غوطہ لگایا اس کے بعد ہم جنت الفردوس میں پہنچ گئے اور اب ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے یہاں آئے ہیں تاکہ اس نیک لڑکی کے ساتھ تمہارے نکاح میں شرکت کریں چنانچہ دونوں شہید بھائیوں نے فرشتوں کے ساتھ نکاح میں شرکت کی اور پھر روانہ ہوگئے اور یہ دولہا دولہن سلامتی کے ساتھ ملک شام میں پہنچ گئے۔ (شرح الصدور)

مسلمانو! دیکھو یہ ہے ایمان کی شان کہ کھولتے ہوئے تیل میں یا محمداہ کا نعرہ لگاتے ہوئے کود پڑے اور جنت الفردوس میں پہنچ گئے مگر افسوس صد افسوس! کہ آج کا مسلمان اسمبلی اور پارلیمنٹ کی ایک کرسی کے لیے قرآن کی آیۃ الکرسی کو بیچ ڈالتا ہے صرف حکومت کی خوشنودی کے لیے کفار و مشرکین کے مرگھٹوں پر پھول چڑھاتا پھرتا ہے اور اسلامی شعائر کو کفار و مشرکین کے چشم و ابرو کے اشاروں پر برباد و غارت کر رہا ہے آہ آہ مسلمانو! کہاں ہمارے ان اسلاف جیسے مجسمہ ایمان؟ اور کہاں آج کل کے غارت گر ایمان؟ افسوس ہائے افسوس

ہائے گزری ہوئی شوکت مرے ایمانوں کی!
گردنیں خم تھیں کلیسا کے نگہبانوں کی!

کیا قیامت ہے کہ اب ناقہ سوار ان عرب
پیروی کرتے ہیں کفار حدی خوانوں کی

اب خدا ہی مری کشتی کو بچائے تو بچے!
ظلمتیں یاس کی ہیں شام ہے طوفانوں کی

بہرحال برادرانِ ملت! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دربار خداوندی میں رسائی کی چار منزلوں میں سے پہلی منزل ایمان ہے یاد رکھئے کہ کوئی بے ایمان ہرگز ہرگز خدا تک نہیں پہنچ سکتا۔

لہٰذا مسلمان بھائیو! اگر خدا تک پہنچنے کی آرزو ہے تو پہلے صاحب ایمان اور کامل الایمان مسلمان بن جایئے!

دوسری منزل خوف الٰہی

بہرحال ایمان کے بعد دوسری منزل کیا ہے؟ اب اس کو بھی سن لیجئے ارشاد ربانی ہے کہ:

اِتَّقُوا اللّٰہَ ۔ یعنی تم لوگ خدا سے ڈرو۔

سبحان اللہ! خوف خداوندی کا کیا کہنا؟ مسلمان بھائیو! یاد رکھو کہ ہر نیکی کا سرچشمہ خدا سے ڈرنا ہے اور ہر گناہ کا سرچشمہ خدا سے نہ ڈرنا ہے جو خدا سے ڈرے گا وہ رات کے اندھیرے میں بند کوٹھری کے اندر بھی گناہ سے بچے گا اور نیک عمل کرے گا اور جس کے دل میں خوف الٰہی نہیں ہوگا۔ وہ مکان میں میدان میں، تنہائی میں مجمع میں ہر جگہ گناہ کرے گا اور کہیں بھی نیک عمل نہیں کرے گا۔

مسلمانو! خوفِ الٰہی کا بڑا مرتبہ ہے قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۔ یعنی جو شخص اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو نفسانی خواہشوں سے روک لیا۔ تو یقیناً جنت میں اس کا ٹھکانا ہے!

صاحبو! بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگلی امتوں میں ایک ایسا مومن تھا جس نے اپنے لڑکوں سے مرتے دم وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو تم لوگ میری لاش کو جلا دینا اور میری راکھ کو کچھ دریاؤں میں ڈال دینا اور کچھ خشکی میں اڑا دینا چنانچہ اس کے لڑکوں نے یہی کیا لیکن فوراً ہی پروردگار عالم نے اس کے جسم کے تمام ذرات کو جمع کر دیا اور اس سے دریافت

فرمایا کہ اے میرے بندے! تو نے ایسی وصیت کیوں کی تھی؟ تو اس بندۂ مومن نے عرض کیا کہ الٰہی میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا تھا میں نے اپنی ناقص عقل سے یہ سمجھا تھا کہ اگر میرے جسم کے ذرات اس طرح بکھر جائیں گے تو پھر میں خدا کے دربار میں حاضری سے بچ جاؤں گا ارحم الرحمین نے فرمایا کہ اے میرے بندے! تیرے اس خوف الٰہی کی وجہ سے میں نے تجھ کو بخش دیا۔ (مشکوۃ ص ۲۰۷)

برادرانِ اسلام! خوف الٰہی کا رتبہ سننا چاہتے ہو تو حضرت امام غزالی سے پوچھو جو شریعت وطریقت دونوں سمندروں کے پیراک' اور جامع الفریقین ومجمع البحرین ہیں وہ اپنی کتاب منہاج العابدین میں تصوف کے چار درجات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ مَوْتٰی اِلَّا الْعُلَمَآءَ۔ وَالْعُلَمَآءُ کُلُّهُمْ نِيَامٌ اِلَّا الْعٰمِلِيْنَ۔ وَالْعٰمِلُوْنَ کُلُّهُمْ فِیْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ۔ وَالْمُخْلِصُوْنَ کُلُّهُمْ عَلٰی خَطَرٍ اِلَّا الْخَآئِفِيْنَ۔

یعنی تمام انسان مردہ ہیں زندہ صرف وہی لوگ ہیں جن کے سینوں میں علم نبوت کی روح ہے اور علماء اگرچہ زندہ ہیں مگر سب سو رہے ہیں جاگتے صرف وہی علماء ہیں جو اپنے علم پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اور عمل کرنے والے بھی سب کے سب گھاٹے میں ہیں۔ نفع اٹھانے والے صرف وہی لوگ ہیں جن کے عمل میں اخلاص بھی ہے اور عمل میں اخلاص رکھنے والے بھی سب کے سب خطرے میں رہتے ہیں تمام خطرات سے نجات پانے والے وہی ہیں جو علم و عمل واخلاص کے باوجود خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

تصوف کے چار درجات

برادرانِ ملت! حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ تصوف کے چار درجے ہیں پہلا درجہ علم شریعت ہے اس کے اوپر دوسرا درجہ عمل ہے اس کے اوپر تیسرا درجہ اخلاص ہے اسکے اوپر چوتھا درجہ خوف ہے۔

مسلمان بھائیو! اب ذرا ان درجات کی تھوڑی سی تفصیل بھی سنتے چلئے سب سے پہلا درجہ علم شریعت ہے۔

علم: امام غزالی نے فرمایا کہ:

اَلنَّاسُ کُلُّهُمْ مَوْتٰی اِلَّا الْعُلَمَآءَ۔ یعنی علماء کے سوا تمام لوگ مردہ ہیں۔

بھائیو! یہ سمجھنے کی بات ہے کہ لوگ کھاتے پیتے بھی ہیں سوتے جاگتے بھی ہیں چلتے پھرتے بھی ہیں مگر پھر بھی سب کے سب مردہ ہیں یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ کھانے پینے سونے جاگنے اور چلنے پھرنے کا نام ایمانی زندگی نہیں ہے۔ کھانا' پینا' سونا جاگنا' چلنا پھرنا یہ تو حیوانی زندگی کے آثار ہیں۔ ایمانی زندگی تو درحقیقت دل کی زندگی ہے جس کو کسی صاحب دل نے خوب کہا ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

اور یہ دل کی زندگی جو ایمانی زندگی ہے۔ درحقیقت اس کی روح علم نبوت ہے اسی لیے قرآن مجید نے فرمایا کہ

هَلْ يَسْتَوِيَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ ۔ — کیا علم والے اور بے علم دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

نہیں ہرگز نہیں کیونکہ علم والے زندہ ہیں اور بے علم مردہ ہیں اور زندہ و مردہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے لہٰذا خوب سمجھ لیجئے کہ بغیر علم نبوت کے دل کی زندگی محال ہے اور یہی وجہ ہے کہ تصوف کا سب سے پہلا درجہ علم ہے چنانچہ کسی عارف نے کہا ہے

علم ہی جب نہیں تم میں تو عمل کیا ہوگا
جس خیابان میں شجر ہی نہیں پھل کیا ہوگا

عمل: اب علم کے اوپر دوسرا درجہ عمل کا ہے جس کو امام غزالی نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

وَالْعُلَمَاءُ كُلُّهُمْ نِيَامٌ اِلَّا الْعَامِلِيْنَ ۔ — یعنی تمام علماء سو رہے ہیں بیدار صرف وہی علماء ہیں جو عمل کرنے والے ہیں۔

علم کے بعد عمل بڑی اہم چیز ہے اور بے عمل عالموں کے لیے بڑی زبردست وعیدیں ہیں۔ قرآن مجید میں بے عمل عالموں کی بڑی عبرت خیز مثال بیان فرماتے ہوئے خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۔ — یعنی جن لوگوں کو توریت کا علم دیا گیا پھر ان لوگوں نے اس پر عمل نہیں کیا تو ان کی مثال اس گدھے جیسی ہے جو کتابوں کا بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہے۔

حضرت شیخ سعدی اسی آیت کے مضمون کا کتنے حسین پیرایہ میں ترجمہ فرماتے ہوئے

لکھتے ہیں کہ

علم چنداں کہ بیشتر خوانی چو عمل در تو نیست نادانی

یعنی تم کتنا ہی زیادہ سے زیادہ علم پڑھ لو لیکن اگر تم میں عمل نہیں ہے تو تم بے علم و نادان ہی ہو

نہ محقق بود نہ دانش مند چار پائے بروکتا بے چند

نہ تم محقق ہو سکتے ہو۔ نہ تم دانش مند کہلا سکتے ہو بلکہ تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی چوپائے کے اوپر چند کتابیں لدی ہوئی ہیں۔

آں تہی مغز راچہ علم و خبر کہ بروہیزم است یا دفتر

اس خالی مغز چوپائے کو کچھ علم و خبر نہیں ہے کہ اس کی پیٹھ پر لکڑی لدی ہوئی ہے یا کتابوں کا دفتر ہے۔

بزرگان ملت! اس بے عملی اور بداعمالی کے دور میں علماء حق کے نمونے میں تمہیں کہاں سے دکھاؤں جو علوم نافعہ و اعمال صالحہ کے خزانوں کی دولت سے مالا مال تھے!

چند باعمل علماء حق

حضرات! آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجود یہ کہ درس فقہ و حدیث اور فتاویٰ کی بے پناہ مصروفیات تھیں پھر کپڑوں کی تجارت کا مشغلہ بھی تھا صاحب اہل و عیال بھی تھے مگر چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے رہے اور ساری رات نوافل میں مشغول رہتے تھے جیل خانہ کی جس کوٹھڑی میں آپ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے سات ہزار ختم قرآن مجید پڑھا۔ عمر بھر نہ کبھی جھوٹ بولے نہ کسی کی غیبت کی نہ کوئی مشتبہ لقمہ کھایا۔

امام احمد بن حنبل حدیث شریف کا درس دیتے تھے اور فتاویٰ لکھتے تھے ان مصروفیتوں کے باوجود روزانہ بلاناغہ تین سو رکعت نفل نمازیں پڑھتے تھے ابوبکر بن محمد انصاری نے چالیس برس تک رات میں بستر سے پیٹھ نہیں لگائی تمام رات نوافل پڑھتے اور اتنا طویل سجدہ کرتے تھے کہ ان کی پیشانی اور ناک پر سجدوں کا بہت نمایاں نشان پڑ گیا تھا ابوبکر بن عیاش کوفی کے وصال کے وقت ان کی صاحبزادی رونے لگیں تو فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! کیوں روتی ہو؟ کیا ڈرتی کہ تمہارے باپ کو عذاب دیا جائے گا؟ اے نور نظر! تمہیں کیا خبر! کہ میں نے اپنے مکان کے صرف ایک کونے میں چوبیس ہزار ختم قرآن مجید پڑھا ہے بشر بن مفضل روزانہ چار سو

رکعت نفل پڑھتے تھے اور تمام عمر صوم داؤدی کے پابند رہے یعنی ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے ثابت بن اسلم بنانی رات بھر نوافل پڑھتے اور روزانہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت بھی کرتے اور ہمیشہ روزہ دار بھی رہتے اور صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر تو کسی بندے کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرمائے تو مجھ کو ضرور یہ توفیق دینا کہ اپنی قبر میں نماز پڑھتا رہوں چنانچہ آپ کی دعا مقبول ہوئی کہ آپ کے دفن کے بعد اچانک نیچے سے ایک اینٹ ٹوٹ گئی اور قبر میں سوراخ ہو گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ تو آپ کی مشہور کرامت ہے کہ مدتوں آپ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز ہزاروں انسان سنتے رہے (ان واقعات کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب اولیاء رجال الحدیث پڑھو)

برادرانِ اسلام! علماء سلف کیسے عالم باعمل تھے اگر اسکے نمونے آپ کو سناتا رہوں تو رات ختم ہو جائے گی مگر بات ختم نہیں ہوگی۔

اخلاص

اچھا اب تصوف کا تیسرا درجہ اخلاص یا نیک عمل کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ فِيْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ یعنی علم بھی پڑھا عمل بھی کیا مگر پھر بھی سراسر نقصان ہی نقصان میں رہیں گے نفع میں صرف وہی عمل کرنے والے رہیں گے جن کے عمل میں اخلاص بھی ہو عمل کی مقبولیت کے لیے اخلاص شرط ہے بغیر اخلاص کے کوئی عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول ہی نہیں ہوتا۔ اخلاص کیا ہے؟ محترم سامعین! اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ عمل کو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے مکرو ریا کے لیے یا شہرت یا لذت نفس کے لیے جو عمل کیا جاتا ہے وہ ہرگز خدا کے دربار میں مقبول نہیں ہوتا قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے اس طرح اخلاص کا حکم فرمایا کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ میری نماز، میری قربانی میری زندگی، میری موت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔

ایک قاری، ایک سخی، ایک شہید

برادرانِ اسلام! مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی۔ یہ وہ حدیث ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور قال رسول اللہ کہا تو

دہشت وہیبت سے بیہوش ہو گئے اسی طرح تین مرتبہ قال رسول اللہ کہا اور بے ہوش ہو گئے پھر جب سنبھلے تو یہ حدیث بیان فرمائی کہ قیامت کے دن ایک قاری ایک سخی ایک شہید دربار خداوندی میں پیش ہوں گے خداوند عالم قاری سے سوال کرے گا اے میرے بندے میں نے تجھ کو اپنی قسم قسم کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ قاری عرض کرے گا کہ خداوندا! میں نے علم پڑھا دوسروں کو پڑھایا تبلیغ کی پھر خداوند عالم فرمائے گا کہ اچھا! اے میرے بندے! اتنا اور بتادے کہ یہ ساری خدمات تو نے میری رضا کے لیے کی تھی یا اس لیے تو نے یہ کارنامے انجام دیئے تھے کہ دنیا میں لوگ تجھے قاری کہیں گے؟ قاری عرض کرے گا کہ الٰہی واقعہ تو یہی ہے کہ میری نیت یہ تھی کہ لوگ مجھے قاری کہیں گے خداوند قہار و جبار فرمائے گا کہ اے میرے بندے! تیری یہ مراد تو میں نے دنیا ہی میں پوری کردی کہ ہر شخص سے تجھ کو قاری کہلا دیا اب میرے دربار میں تیرے لیے کوئی جزا نہیں ہے اور یہ شخص منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا پھر سخی سے خداوند عالم سوال فرمائے گا کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا! تو وہ عرض کرے گا! اے میرے پروردگار میں نے ہر نیک کام میں اپنی دولت خرچ کی ہے مالک عالم فرمائے گا کہ اتنا اور بتادے کہ تیری نیت کیا تھی؟ میری رضا کے لیے سخاوت کرتا تھا یا اس نیت سے تو سخاوت کرتا تھا کہ دنیا والے تجھے سخی کہیں گے سخی عرض کرے گا کہ الٰہی میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھے سخی کہیں گے خلاق عالم فرمائے گا کہ تیری یہ مراد تو میں نے دنیا میں پوری کردی ہر چھوٹے بڑے سے تجھے سخی کہلا دیا اب تیرے لیے میرے دربار میں کوئی جزا نہیں ہے اور یہ شخص بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کردیا جائے گا پھر شہید سے رب العزت یہی سوال فرمائے گا! کہ تو نے میری نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟ وہ کہے گا کہ اے پروردگار میں نے جہاد کیا! اور تیری راہ میں لڑتے لڑتے اپنے خون کا آخری قطرہ اور زندگی کی آخری سانس قربان کر کے شہید ہو گیا۔ مالک الملک اس سے فرمائے گا کہ میری رضا کے لیے سر کٹایا تھا یا دنیا میں بہادر کہلانے کی نیت تھی؟ شہید اقرار کرے گا کہ الہ العالمین! واقعی میری نیت تو یہی تھی کہ لوگ مجھ کو بہادر کہیں گے رب بے نیاز فرمائے گا کہ تیری جو نیت تھی وہ تو میں نے دنیا ہی میں پوری کردی کہ اپنے بندوں نے تجھ کو بہادر کہلا دیا۔ اب تیرے لیے میرے یہاں کوئی جزا نہیں ہے اور قہار و جبار حکم فرمائے گا کہ اے فرشتو! اس کو بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں داخل کردو۔

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے؟ قاری، سخی، شہید تینوں اپنے اپنے اعمال صالحہ کے باوجود اس لیے جہنم میں ڈالے گئے کہ ان کے اعمال میں اخلاص نہیں تھا۔ بلکہ یہ لوگ ریاکاری

اورشہرت کے طالب تھے اسی لیے امام غزالی نے فرمایا کہ:

وَالْعَامِلُوْنَ كُلُّهُمْ فِيْ خُسْرَانٍ اِلَّا الْمُخْلِصِيْنَ ۔ یعنی عمل کرتے والے بھی گھاٹے میں ہیں انہیں لوگوں کا عمل نفع بخش ہوگا جن کے اعمال میں اخلاص بھی ہوگا۔

شیر خدا کا اخلاص

حضرات! صحابہ کرام اپنے اعمال میں کیسے پیکر اخلاص تھے؟ اس کا بھی ایک نمونہ دیکھ لیجئے۔ فاتح خیبر علی حیدر شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ میدان جہاد میں ایک کافر پہلوان کی مقابلے کے لیے نکلے۔ اب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کے حملہ کی باری تھی۔ آپ نے ذوالفقار کی ایک چمکی دی اور ناگہاں حریف کا ٹیکا پکڑ کر جو ایک جھٹکا دیا تو پہلوان بدحواس ہوکر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ آپ جھپٹ کر اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور قدرت پکار اٹھی کہ۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

آپ نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ فرمایا کہ اتنے میں اس بدنصیب نے کیا حرکت کی؟ تو بہ نعوذ باللہ! مولائے روم فرماتے ہیں۔

اوخیو انداخت بر روئے علی! افتخار ہر نبی و ہر ولی

اس ظالم نے شیر خدا کے اس مقدس چہرے پر تھوک دیا جس چہرے پر تمام انبیاء کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا دلدل سوار ہمارا فرمانبردار ہے اور تمام اولیاء کو بھی فخر ہے کہ علی جیسا سید الاولیاء ہمارا مولیٰ ہے جونہی اس نے آپ کے چہرے پر تھوکا آپ نے تلوار کو میان میں رکھ کر فرمایا کہ جا! اب میں تجھ کو قتل نہیں کروں گا پہلوان حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ اے علی! میں اس فلسفے کو نہیں سمجھ سکا کہ تم نے مجھ جیسے دشمن اسلام کو قابو میں پا کر اس طرح کیوں چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا کہ افسوس! تو نے اسلام کو نہیں سمجھا اگر تو اسلام کے فلسفہ عمل کو سمجھ لیتا تو ہرگز ہرگز کبھی تو اسلام کے خلاف تلوار نہ اٹھاتا سن! جب میں گھر سے جہاد کے لیے نکلا تھا تو صرف رضائے مولا کے لیے جب میں تیرے حملوں کو روک رہا تھا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے جب تیرا سر کاٹنے کے لیے تیرے سینے پر بیٹھا تھا تو صرف رضائے الٰہی کے لیے لیکن جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میں بھی آخر انسان ہوں۔ اس وقت میرا کیا حال ہو گیا؟ سن!

چوں تو خیو انداختی بر روئے من نفس جنبید و تبہ شد خوئے من

جب تو نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں جوشِ انتقام پیدا ہو گیا اور میرا حال بدل گیا اب اس حال میں اگر تجھ کو قتل کر دیتا تو:

نیم بہر حق شدے نیمے ہوا ۔۔۔ شرکت اندر کار حق نبود روا

تیرا قتل آدھا تو خدا کی رضا کے لیے ہوتا...... اور آدھا میرے نفس کے لیے ہو جاتا اور خدا کے کام میں یہ شرک جائز نہیں ہے۔ اس لیے مسلمان کا ہر عمل صرف خدا کی رضا مندی کے لئے ہونا چاہئے سبحان اللہ! حضرات! شیر خدا کی اس ایمان افروز تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پہلوان کے دل و دماغ میں ایمان کا نور جگمگا اٹھا اس نے اپنی تلوار سے اپنے زنار کو کاٹ کر پھینک دیا اور کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے علی! گواہ رہنا کہ میری یہ تلوار جو اسلام کے خلاف میان سے نکلی تھی۔ اب تمام عمر یہ تلوار اسلام کی نصرت اور حمایت کے لیے بے نیام رہے گی۔

حضرات! دیکھ لیجئے! یہ ہے اخلاص عمل کی تاثیر کا جلوہ! مگر بھائیو! آج کل اخلاص کہاں؟ اس زمانے کا مسلمان جو بھی عمل کرتا ہے اس میں نام و نمود اور شہرت و ریا کا شائبہ ضرور ہو جاتا ہے۔

حاجی عبدالکریم نمازی عبدالرحیم

آج کل تو وہی بات ہے کہ بمبئی میں ایک صاحب نے کسی سے پوچھا کہ بھائی تمہارا نام کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ''حاجی عبدالکریم'' پھر اس نے پوچھا کہ جناب کا اسم شریف؟ تو یہ بولا کہ میرا نام ہے ''نمازی عبدالرحیم'' حاجی عبدالکریم نے تعجب کے ساتھ پوچھا کہ بھائی! یہ نمازی عبدالرحیم کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اجی! تم نے بلیک مارکیٹ کے پیسے سے ایک مرتبہ حج کر لیا تو کہتے ہو حاجی' لکھتے ہو حاجی' سائن بورڈ پر حاجی' یہاں تک کہ اپنا نام بتاتے ہو تو اس میں بھی حاجی کا پچر لگاتے ہو اور میں روزانہ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں تو میں نے اگر اپنے نام کے ساتھ نمازی کا ٹائٹل لگا لیا تو کون سا گناہ ہو گیا؟ جو نمازی عبدالرحیم سن کر آپ کے کان کھڑے ہو گئے۔

ایک عابد اور شیطان

حضرات! ایک دلچسپ واقعہ سنئے! ایک گاؤں کے کچھ لوگ شیطان کے ورغلانے سے ایک درخت کی پوجا کرنے لگے اس گاؤں میں ایک بہت بڑے عابد رہتے تھے۔ انہیں جلال آ گیا اور کلہاڑی لے کر اس درخت کو کاٹنے کے لیے چل پڑے۔ راستے میں شیطان ان سے

لڑنے لگا کہ میں ہرگز اس درخت کو کاٹنے نہیں دوں گا عابد صاحب اور شیطان میں کشتی ہونے لگی اور عابد صاحب نے کئی مرتبہ شیطان کو پچھاڑا۔ آخر شیطان عاجز ہو کر کہنے لگا کہ حضرت! آپ کیوں اس درخت کو کاٹنے کی زحمت اٹھا رہے ہیں؟ آپ اپنے عبادت خانے میں تشریف لے جایئے میں روزانہ آپ کے مصلے کے نیچے ایک اشرفی رکھ دیا کروں گا آپ اس سے اپنی سحری اور افطاری کا انتظام بھی کیجئے اور خیرات بھی کرتے رہیئے اور سکونِ قلب کے ساتھ خدا کی عبادت بھی کرتے رہیئے عابد صاحب ایک اشرفی کا نام سن کر لالچ کے پھندے میں گرفتار ہو گئے اور واپس چلے آئے ایک ہفتہ تک تو شیطان ان کے مصلے کے نیچے اشرفی رکھتا رہا پھر اشرفی رکھنا بند کر دیا۔ عابد صاحب روز مصلیٰ جھاڑتے رہے مگر اشرفی ندارد۔ اب پھر عابد صاحب کو جلال آیا اور شیطان کی وعدہ خلافی پر آگ بگولہ ہو کر کلہاڑی اٹھائی اور درخت کاٹنے کے لیے چل پڑے راستہ میں شیطان ملا عابد صاحب غصہ میں تھے ہی شیطان کو دیکھتے ہی بدن میں آگ لگ گئی اور شیطان کو پچھاڑنے کے لیے جھپٹے تو شیطان نے عابد کو اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کر ان کا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا۔ عابد صاحب بار بار شیطان سے لڑتے رہے مگر ہر مرتبہ شیطان ان کو پچھاڑتا رہا جب عابد صاحب حیران ہو گئے تو شیطان کہنے لگا کہ حضرت جی! اب خیریت اسی میں ہے کہ آپ اپنی خانقاہ میں جا کر حق ہو کرتے رہیئے پہلی مرتبہ آپ مجھ پر اس لیے غالب آ گئے تھے کہ آپ اخلاص کے ساتھ محض خدا کی رضا کے لیے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے اب آپ میں اخلاص نہیں رہا۔ اب تو آپ اس لیے درخت کو کاٹنے جا رہے تھے کہ میں نے آپ کو اشرفی نہیں دی یاد رکھئے کہ صرف اخلاص والے بندے ہی شیطان پر غالب ہو سکتے ہیں۔ اب آپ میں اخلاص نہیں رہا تو آپ ہرگز ہرگز شیطان پر غالب نہیں ہو سکتے۔

برادرانِ ملت! حقیقت تو یہی ہے کہ بغیر اخلاص کے عمل بیکار ہے مگر آج کل اخلاص کہاں؟ جس کو دیکھئے نام و نمود اور شہرت کا بھوکا ہے!

خوفِ خداوندی

خیر! اچھا اب تصوف کا آخری اور سب سے بلند درجہ بھی سن لیجئے امام غزالی فرماتے ہیں کہ: وَالْمُخْلِصُوْنَ كُلُّهُمْ عَلٰى خَطَرٍ اِلَّا الْخَآئِفِيْنَ۔ یعنی علم و عمل اور اخلاص کے باوجود بھی مسلمان خطروں میں گھرا ہوا ہے کہ کہیں یہ سب غارت نہ ہو جائے خطرہ سے محفوظ وہ مسلمان ہے جو علم و عمل اور اخلاص کے بعد خدا سے ڈرتا ہے حضرات! گناہ کر کے کوئی شخص خدا سے

ڈرے اگر چہ یہ خوف خدا بھی بڑا درجہ رکھتا ہے مگر علم وعمل اور اخلاص کی دولتوں کا پونجی پتی ہوتے ہوئے جو مسلمان خدا سے ڈرتا ہے اس خوف خداوندی کی عظمتِ شان کا کیا کہنا؟ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا واقعہ غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا؟ عید کے دن لوگ کاشانہء خلافت پر حاضر ہوئے تو کیا دیکھا؟ آپ دروازہ بند کرکے زاروقطار رورہے ہیں لوگوں نے حیران ہوکر تعجب سے پوچھا کہ امیر المومنین آج عید کا دن ہے آج تو شادمانی ومسرت اور خوشی منانے کا دن ہے یہ خوشی کی جگہ رونا کیسا؟ آپ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ:

هٰذَا يَوْمُ الْعِيْدِ وَهٰذَا يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۔ اے لوگو! یہ عید کا دن ہے اور وعید کا دن بھی ہے۔

آج جس کا تمام روزہ مقبول ہوگیا بلاشبہ اس کے لیے آج عید کا دن ہے لیکن آج جس کا روزہ مردود کرکے اس کے منہ پر ماردیا گیا ہو اسکے لیے تو آج وعید کا دن ہے اور میں اس لیے رو رہا ہوں کہ:

وَاَنَا لَا اَدْرِیْ اَمِنَ الْمَقْبُوْلِیْنَ اَمْ مِنَ الْمَطْرُوْدِیْنَ ۔ یعنی مجھے یہ پتا نہیں ہے کہ میں مقبول ہوا ہوں یا پھٹکار دیا گیا ہوں۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو۔ فاروقِ اعظم کا روزہ؟ اور مقبول نہ ہو؟ کیا معنی؟ یقیناً آپ کا روزہ مقبول تھا' بیشک مقبول تھا' بلاشبہ مقبول تھا مگر یہ وہی خوف الٰہی کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ علم وعمل اور اخلاص سبھی کچھ ہے مگر اسکے بعد بھی خوف الٰہی سے تھرارہے ہیں کہ نا معلوم میرا روزہ مقبول ہوا یا نہیں؟ پڑھیے درود شریف:

اللهم صل على محمد وعلى آل محمد وبارك وسلم

حضرات! سلف وصالحین میں خوف الٰہی کے عجیب عجیب نمونے ملتے ہیں صرف دو واقعات سن لیجیے۔

فضیل بن عیاض

حضرت فضیل بن عیاض جو ایک مشہور صاحب کرامت ولی ہیں یہ پہلے بڑے زبردست ڈاکو تھے ایک رات ڈاکہ ڈالنے کے لیے کسی مکان کی دیوار پر چڑھ رہے تھے مالک مکان تلاوت کررہے تھے ناگہاں فضیل بن عیاض کے کان میں یہ آواز پڑی کہ:

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ۔ کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر الٰہی کے لیے نرم پڑجائیں۔

یہ آیت تاثیر ربانی کا تیر بن کر فضیل بن عیاض کے دل میں چبھ گئی خوف خداوندی سے تھرا گئے اور بے اختیار منہ سے نکل گیا کیوں نہیں اے میرے رب اب اس کا وقت آ گیا روتے ہوئے دیوار سے اتر گئے اور ایک سنسان کھنڈر میں بیٹھ کر رونے لگے اتنے میں وہاں ایک قافلہ آیا اور قافلہ والے آپس میں کہنے لگے کہ یہیں رات کو ٹھہر جاؤ رات میں سفر مت کرو کیونکہ فضیل ڈاکو اسی اطراف میں رہتا ہے آپ قافلہ والوں کی باتیں سن کر اور زیادہ رونے لگے کہ ہائے افسوس! میں کتنا بڑا گنہگار ہوں کہ میرے ڈر سے امت رسول کے قافلے رات کو سفر نہیں کرتے روتے روتے سچی توبہ کر لی اور عہد کیا اب باقی زندگی بیت اللہ شریف کی مجاوری اور عبادت میں گزاروں گا صبح کو اٹھ کر پہلے درس گاہ حدیث میں گئے اور اس قدر محنت سے علم حدیث پڑھا کہ علم حدیث کے امام ہو گئے پھر عبادت میں یکتائے روزگار ہوئے ان پر خوف الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ اگر کوئی ان کی مجلس میں اللہ کا نام لے لیتا تو یہ خوف سے کانپنے لگتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ حاضرین مجلس کو ان پر رحم آ جاتا جس دن ان کا انتقال ہوا تو امام وکیع یہ اعلان کرتے پھرتے تھے کہ اے لوگو! آج خوف خدا دنیا سے رخصت ہو گیا۔ (تہذیب التہذیب)

بغداد کا شہزادہ

اسی طرح ہارون رشید خلیفہ بغداد کا ایک لڑکا جو صالحین میں سے تھا ایک مرتبہ دربار شاہی کے کسی جشن میں کسی قاری نے خوف الٰہی کی ایک آیت تلاوت کر دی سن کر اس شہزادہ کا دل خوف خداوندی سے لرز اٹھا جشن چھوڑ کر یہ شہزادہ صرف ایک قرآن شریف اور زنبیل لے کر شاہی محل سے نکل پڑا اور کسی گمنام گاؤں کے ایک کھنڈر میں جا کر رہنے لگا ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ معمار بن کر مزدوروں کے ساتھ مزدوری کرتا اور اسی مزدوری کی رقم سے خورد نوش کا انتظام کر کے ہفتہ بھر عبادت میں مصروف رہتا اور رات بھر سجدے میں سر رکھ کر خوف الٰہی سے رویا کرتا ابو عامر نامی ایک رئیس ایک مرتبہ معمار کی تلاش میں بازار گیا دیکھا کہ چاند جیسی صورت والا معمار مزدوروں کے جھرمٹ میں تلاوت کر رہا ہے ابو عامر نے جب کام کے لیے کہا تو اس معمار نے فرمایا کہ میری شرط یہ ہے کہ نماز کے وقت کام چھوڑ دوں گا اور ہفتہ میں ایک ہی دن کام کروں گا ابو عامر نے شرط منظور کر لی اور گھر لا کر دیوار بنانے کا کام سپرد کر دیا اس معمار نے ایک دن میں اتنا کام کر دیا کہ دوسرے معمار ایک ہفتہ میں بھی نہیں کرتے ابو عامر نے شام کو مزدوری دے دی اور طے کر لیا کہ آٹھویں دن پھر اسی معمار کو لاؤں گا مگر جب ابو عامر

معماروں کے بازار میں گیا تو پتا چلا کہ وہ معمار فلاں کھنڈر میں بیمار پڑا ہے ابو عامر نے جا کر دیکھا تو معمار زمین پر پڑا ہوا ایک کچی اینٹ کا تکیہ لگائے ہوئے نزع کی حالت میں ہے ابو عامر نے سلام کیا اور معمار کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا معمار نے آنکھیں کھول کر منع کیا اور کہا کہ میرا سر اسی طرح اینٹ پر رکھ دو اور روتے ہوئے یہ دو شعر پڑھے۔

يَا صَاحِبِىْ لَاتَغْتَرِرْ بِتَنَعُّمٍ　　فَالْعُمْرُ يَنْفَدُ وَالنَّعِيْمُ يَزُوْلُ
وَاِذَاحَمَلْتَ اِلَى الْقُبُوْرِ جَنَازَةً　　فَاعْلَمْ بِاَنَّكَ بَعْدَهَا مَحْمُوْلُ

یعنی اے میرے ساتھی! دنیا کی نعمتوں پر دھوکا مت کھانا کیونکہ عمر فنا ہونے والی ہے اور نعمت زائل ہونے والی چیز ہے اور جب بھی تو کسی جنازہ کو قبرستان لے جائے تو یقین کر لے کہ اس کے بعد اسی طرح ایک دن تجھ کو بھی لوگ قبرستان لے جائیں گے۔ اس کے بعد معمار نے کہا کہ اے ابو عامر بہت ہی اچھا ہوا کہ تم اس وقت میرے پاس آ گئے اب تم میری چند وصیتیں سن لو۔ جب میری روح پرواز کر جائے تو تم مجھے سنت کے مطابق غسل دینا اور میرے بدن کے پرانے کپڑوں ہی کا کفن مجھ کو پہنا کر گور غریباں میں دفن کر دینا اور میری یہ زنبیل اور یہ تہبند گورکن کو دے دینا اس کے بعد میری یہ انگوٹھی اور میرا قرآن مجید خلیفہ بغداد ہارون رشید کے پاس لے کر تم خود جانا اور کہہ دینا کہ یہ ایک غریب الوطن نوجوان مسلمان کی امانت ہے جو طیان تھا یعنی مٹی گارے کا کام کرتا تھا اس کا انتقال ہو گیا اس نے یہ انگوٹھی اور قرآن مجید آپ کے پاس بھیجا ہے اور سلام کے بعد یہ پیغام عرض کیا ہے کہ:

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا تَمُوْتَنَّ عَلٰى غَفْلَتِكَ هٰذِهٖ۔　　یعنی اے امیر المومنین! خبردار تم اپنی غفلت کی حالت میں مت مرجانا بلکہ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا۔

معمار نے ابو عامر سے یہ سب کہا اس کے فوراً ہی بعد معمار کی وفات ہو گئی ابو عامر نے معمار کو اس وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنا کر گور غریباں میں دفن کر دیا اب ابو عامر نے معمار کی آخری وصیت پر عمل کرنے کے لیے انگوٹھی اور قرآن مجید لے کر بغداد کا سفر کیا عجیب اتفاق کو ابو عامر جس دن بغداد پہنچا اس دن خلیفہ ہارون رشید کا شاہی جلوس نکلا ہوا تھا ابو عامر سڑک کے کنارے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر جلوس کا منظر دیکھنے لگا جب ابو عامر کی نظر خلیفہ پر پڑی تو چلا کر ابو عامر نے کہا کہ اے امیر المومنین! ایک غریب الوطن مسلمان طیان کی دو امانتیں ہیں جو بے کسی کی حالت میں انتقال کر گیا آپ ان دونوں امانتوں کو مجھ سے لے لیجیے ابو عامر کی پکار سن کر خلیفہ نے سواری روک دی ابو عامر نے بڑھ کر انگوٹھی اور

قرآن مجید خلیفہ کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا کہ اس مرنے والے نوجوان طیان نے سلام کے بعد آپ کو یہ پیغام دیا ہے کہ اے امیر المومنین تم اپنی غفلت کی حالت میں مت مرجانا بلکہ اللہ عزوجل سے ڈرتے رہنا خلیفہ نے جوں ہی انگوٹھی اور قرآن مجید کو دیکھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبانے لگیں اور بھرائی ہوئی آواز میں یا طیان یا طیان کہہ کر رو پڑا پھر مصاحبوں کی طرف اشارہ کیا کہ اس شخص کو ساتھ لے لو۔ جب جلوس ختم کر کے خلیفہ شاہی محل پہنچا تو ابو عامر کو طلب کیا ابو عامر جب دربار پہنچا تو دیکھا کہ خلیفہ قرآن مجید کو سینے سے لگائے ہوئے اور انگوٹھی پر نظر جمائے زار و زار رو رہا تھا جب خلیفہ کی نظر ابو عامر پر پڑی تو کہنے لگا کہ اے ابو عامر تو نے اس معمار طیان کو پہچانا؟ ہائے اے ابو عامر! تو نے اس کو نہیں پہچانا ارے وہ تو میرا نورِ نظر میرا شاہزادہ تھا قرآن مجید کی ایک آیت سن کر خوفِ الٰہی سے اس کے سینے میں دل پاش پاش ہو گیا اور اسی وقت وہ میرا لختِ جگر خوفِ خداوندی کا مجسمہ بن کر میرے شاہی محل کو چھوڑ کر جنگل میں چلا گیا میں نے برسوں اس کو تلاش کیا مگر کہیں اس کا پتا نہیں چلا ہائے آج معلوم ہوا کہ میرا لعل! معمار طیان بن کر مزدوری کرتا تھا اور اسی حالت میں وہ ایک گمنام گاؤں کے سنسان کھنڈر میں وفات پا گیا اے ابو عامر! یہ وہی انگوٹھی ہے جو میں نے اپنے ہاتھ سے اپنے شہزادے کو پہنائی تھی اور یہ وہی قرآن مجید ہے جو میں نے اس شہزادے کے پڑھنے کے لیے بہترین کاتب سے لکھایا تھا اور سنہرے روپہلے نقش و نگار سے اس مرصع و مزین کیا تھا پھر خلیفہ نے ابو عامر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ہائے ابو عامر! تم نے اسی ہاتھ سے میرے بچے کو غسل دیا اور کفن پہنا کر دفن کیا؟ پھر ابو عامر کے ہاتھ کو خلیفہ کبھی بوسہ دیتا اور کبھی اپنے سینے پر رکھ کر زار و قطار روتا تھا یہاں تک کہ خلیفہ روتے روتے نڈھال ہو گیا۔ (روض الریاحین)

برادرانِ ملت! غور کیجئے! اور عبرت پکڑیے! عباسی سلطنت کا شاہزادہ ہو کر خوف الٰہی کا یہ پیکر کس طرح شاہی محل کو ٹھوکر مار کر ایک گمنام کھنڈر اور غار میں غریب الوطنی کی موت مرنے کو پسند کرتا ہے اور شاہی دسترخوان کی نعمتوں سے منہ موڑ کر مزدوری کی کمائی سے خشک روٹی کے ٹکڑوں کو نعمتِ عظمیٰ سمجھ کر کھاتا ہے اور اس طرح خوفِ ذوالجلال، صدقِ مقال، رزقِ حلال کی سعادتوں سے سرفراز ہو کر اپنے ربِ کریم کے غفران و رضوان کی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

تیسری منزل وسیلہ

خیر! بہر حال میں نے عرض کیا کہ خدا تک پہنچنے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے ان میں سے ایمان اور خوف الٰہی۔ دو منزلوں کا بیان تو آپ سن چکے اب تیسری منزل کا

حال بھی سنیے۔ارشاد خداوندی ہے کہ:

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ ۔ یعنی دربار خداوندی میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو۔

حضرات! وسیلہ کا مسئلہ آ گیا ہے تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ کچھ ذرا اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے عرض کر دوں۔ دیکھئے اس دنیا کا ایک نام ہے عالم اسباب اس کا کیا مطلب ہے ؟دنیا عالم اسباب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کا کوئی کام بے سبب' بے ذریعہ بے وسیلہ کے ہوتا ہی نہیں۔ دیکھئے خداوند کریم بڑا قادر ہے اگر وہ چاہے تو ہمارے گھروں میں روزانہ پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے یہ اسکی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے کون نہیں جانتا چالیس برس تک بنی اسرائیل پر من وسلویٰ اترتا رہا شہد جیسا حلوہ اور بھنی ہوئی بٹیریں خداوند کریم آسمان سے نازل فرماتا تھا۔اور بنی اسرائیل! کھاتے تھے قرآن مجید گواہ ہے کہ رب کریم ارشاد فرماتا ہے کہ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔ ہم نے اے بنی اسرائیل! تم پر من وسلویٰ نازل کیا۔

اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی کہ:

رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ اے پروردگار! ہمارے اوپر آسمان سے ایک دستر خوان اتار دے۔

تو خداوند عالم نے آسمان سے ایک دستر خوان اتار دیا جس میں روٹی اور مچھلی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے آسمانی دستر خوان کے نفیس پکوان کو کھایا۔ بہر حال یہ عرض کرنا ہے کہ خداوند کریم اگر چاہے تو ہمارے گھروں میں بھی پکا ہوا کھانا بھیج سکتا ہے بلاشبہ یہ خدا کی قدرت تو ہے لیکن اس کی عادت نہیں ہے۔ بلکہ غذا کے بارے میں بھی اس کا دستور یہی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اور اس دنیا کا کوئی کام بے سبب' بے ذریعہ' بے وسیلہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ رب العزت خود ارشاد فرماتا ہے کہ:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (عبس)

یعنی آدمی کو چاہیے کہ اپنے کھانوں کو دیکھے کہ ہم نے اچھی طرح پانی برسایا پھر زمین کو خوب چیرا۔ تو اس میں اناج اگایا' اور انگور اور چارہ' زیتون' کھجور اور گھنے باغ' میوے اور دوب' تمہارے فائدے کے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے!

عزیزان ملت! کون نہیں جانتا کہ ایک روٹی تک پہنچنے کے لیے ہمیں کتنے اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے پہلے بارش ہوتی ہے۔ پھر زمین کو گوڈ کر ہم اس میں بیج ڈالتے ہیں پھر پودا زمین پھاڑ کر نکلتا ہے۔ پھر ہم اس کو کاٹتے ہیں پھر مالش کر کے اناج نکالتے ہیں۔ دیکھ لیجئے ہل بیل کا وسیلہ' آبپاشی کا وسیلہ' ہنسیا کا وسیلہ' پھر اناج کو پیستے ہیں پھر آگ جلاتے ہیں پھر آٹا گوندھتے ہیں پھر توا آگ پر رکھتے ہیں تب جا کر روٹی پکتی ہے۔ غور کیجئے کہ آگ کا وسیلہ توے کا وسیلہ ہاتھوں کا وسیلہ اتنے وسائل کے بعد روٹی تیار ہوئی۔ اب بھی کام نہیں چلا اب روٹی کو سامنے رکھ کر کہئے کہ آ جا روٹی منہ میں تو ہرگز روٹی منہ میں نہیں جا سکتی بلکہ ہاتھ سے توڑیئے پھر لقمہ بنا کر منہ میں ڈالیے۔ پھر منہ کی سنگر مشین چلایئے غرض ہاتھ کا' دانت کا' زبان کا وسیلہ پکڑیئے تب کہیں جا کر خدا خدا کر کے روٹی حلق کے اندر گئی۔

حضرات! دیکھا آپ نے؟ ایک روٹی تک پہنچنے کے لیے ہمیں کتنے وسیلوں کی ضرورت پڑی؟ اس لیے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں کا کوئی کام بے سبب بغیر ذریعہ بلا وسیلہ نہیں ہوتا!

اسی طرح خدا کی قدرت ہے کہ ہمارے گھروں میں لڑکے لڑکیاں آسمان سے برسا دے اور شادی بیاہ اور ازدواجی زندگی کے تمام جھنجھٹوں سے ہمیں فرصت مل جائے کیونکہ بلاشبہ خداوند تعالیٰ تو ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر چاہے تو تنہا مرد سے سینکڑوں انسان پیدا کر دے چنانچہ کون نہیں جانتا کہ حضرت حوا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا فرما دیا اسی طرح اگر خدا چاہے تو تنہا عورت سے سینکڑوں انسان پیدا فرما دے۔ چنانچہ ہمارا' آپ کا ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند عالم نے کنواری مریم سے پیدا فرما دیا۔ اسی طرح اگر خدا چاہے تو بغیر مرد عورت کے ہزاروں انسان پیدا فرما دے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو خلاق عالم نے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرما دیا قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہو گئے تو ان کا حال ایسا ہے جیسے آدم علیہ السلام کو خدا نے اس مٹی سے پیدا کیا اور یہ فرمایا کہ ہو جا تو آدم علیہ السلام ہو گئے۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ خدا کی قدرت تو یہ ہے کہ بلا مرد و عورت کے ہزاروں انسان پیدا فرما دے۔ مگر اس کی عادت نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں کوئی کام چونکہ بلا سبب' بغیر ذریعے اور وسیلے کے نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے اس کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو مرد و

عورت کے ملاپ سے پیدا کیا ہے۔ چنانچہ آپ کو اگر ایک بچہ حاصل کرنا ہے۔ تو شادی کیجئے۔ پھر میاں بیوی کے تعلقات قائم کیجئے۔ پھر نطفہ سے جما ہوا خون' پھر گوشت کی ایک بوٹی' پھر کہیں جا کر ایک بچہ ہوگا۔

برادرانِ اسلام! آپ نے غور کیا؟ کہ جب ایک روٹی اور ایک بچہ تک پہنچنے کے لیے بہت اسباب اور وسیلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو پھر بھلا خدا تک پہنچنے کے لیے کیا۔ ہمیں کسی وسیلے کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ کہیے کہ پڑے گی' ضرور پڑے گی۔ کیونکہ جس طرح اس دنیا میں ہر کام کے لئے ذرائع اسباب اور وسیلوں کی ضرورت ہے اسی طرح ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے بھی یقیناً بلاشبہ وسیلہ کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ارشاد خداوند عالم ہے کہ۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ یعنی تم لوگ خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ خدا تک پہنچنے ک لیے پہلی منزل ایمان ہے اور دوسری منزل تقویٰ ہے اور تیسری منزل وسیلہ ہے۔

اللہ والے وسیلہ ہیں

اب رہا یہ کہ سوال کہ خدا تک پہنچنے کے لیے کس کو وسیلہ بنائیں؟ تو حضرات اس کو سمجھنا بہت ہی آسان ہے۔ دیکھو اگر تم کو لندن پہنچنا ہے۔ تو یقیناً تم کو اس سے ملنا پڑے گا جو لندن تک پہنچ چکا ہو۔ اسی طرح اگر تم کو بمبئی پہنچنا ہے تو تمہیں اس سے ملنا پڑے گا۔ جو بمبئی تک پہنچ چکا ہو۔ کیونکہ وہی تم کو راستہ اور سفر کا طریقہ وغیرہ بتائے گا۔ تو اسی طرح اگر تم کو خدا تک پہنچنا ہے۔ تو اس سے ملنا پڑے گا جو خدا تک پہنچ چکا ہے۔ بس مسئلہ حل ہو گیا کہ جو لوگ خدا تک پہنچے ہوئے ہیں۔ وہی خدا تک پہنچنے کے لیے تمہارا وسیلہ بن سکتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے ہمیں بتا دیا کہ خدا تک پہنچنے والوں کے چار گروہ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاo

پہلا گروہ نبیوں کا' دوسرا گروہ صدیقوں کا' تیسرا گروہ شہیدوں کا' چوتھا گروہ صالحین یعنی اولیاء کا اور یہ لوگ بہترین مددگار ہیں۔

برادرانِ ملت! اب آپ اچھی طرح سمجھ گئے کہ ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے ان چار مقدس جماعتوں کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ آج تک جتنے اولیاء ہوئے اگر چہ وہ مادرزاد ولی کیوں نہ ہوں مگر سب نے کسی نہ کسی شیخ اور مرشد سے ضرور وابستہ ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا اسی طرح حضرت غوث اعظم رضی عنہ کو کون نہیں جانتا کہ آپ مادرزاد ولی ہیں مگر باوجود یہ کہ

آپ آسمان ولایت وکرامت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ پھر بھی شیخ ابوسعید مخزومی کے مرید ہو کر ان کا وسیلہ پکڑا اس طرح خواجہ حضرت بہاء الدین نقشبندی' حضرت خواجہ معین الدین چشتی' حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہم سب کے سب ماں کے شکم ہی سے آفتاب ولایت بن کر چمکے تھے۔ مگر سب نے مشائخ کا وسیلہ پکڑا اور وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ پر عمل کیا اب اگر اس چودھویں صدی کے کچھ سرپھرے یوں کہتے پھریں کہ ہمیں وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تو تم خود ہی سمجھ لو کہ ضرور ان کے دماغوں کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہو گیا ہے ورنہ کون عاقل یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت غوث اعظم' خواجہ بہاء الدین نقشبندی' خواجہ معین الدین چشتی' خواجہ شہاب الدین سہروردی کو تو وسیلہ کی ضرورت تھی۔ مگر اس زمانے کے بدھو' خیراتی' نھو' شبراتی کو وسیلہ کی ضرورت نہیں ہے۔ معاذ اللہ! مولائے روم نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہیں مرد تنہا کہ بے پیر ایں سفر ہست بس دور و دراز و پر خطر

یعنی خبردار! بغیر پیر کا وسیلہ پکڑے ہوئے اس راستے میں اکیلے مت چل پڑو کیونکہ بغیر پیر کے وسیلہ کے یہ راستہ بہت دور دراز اور خطرناک ہے۔

برادرانِ ملت! یاد رکھو کہ اللہ والوں سے محبت وعقیدت رکھنا۔ ان سے توسل کرنا ان سے بیعت کرنا ان کی قبروں پر مراقبہ کر کے فیض حاصل کرنا یہ سب وسیلہ پکڑنے کی صورتیں ہیں اسی لیے اہل سنت وجماعت اس کے قائل و عامل ہیں۔

چوتھی منزل مجاہدہ

بہرحال اب چوتھی منزل کے بارے میں بھی کچھ مختصر عرض کرتا ہوں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ ۔ یعنی تم لوگ خدا کی راہ میں مجاہدہ کرو

حضرات! چوتھی منزل مجاہدہ ہے مجاہدہ کیا ہے؟ خدا کی راہ میں کوشش کرنا نفس کشی' ریاضت' کم کھانا' کم سونا' کم بولنا' ہر قسم کی نفلی عبادات زیادہ سے زیادہ کرتے رہنا اور ہر دم ہر لحظہ معبود حقیقی کا مراقبہ اور دھیان رکھنا یہ سب مجاہدہ کی صورتیں ہیں اللہ! اکبر اولیاء کرام نے کیسے کیسے مجاہدے کئے ہیں کہ اس دور میں تو ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بغداد کے برج عجمی میں کیسے کیسے نفس کش مجاہدات کئے' مہینوں اناج کا ایک دانہ نہیں کھایا اور صرف پانی پی کر روزے رکھتے رہے اور مہینوں پانی نہیں پیا۔ انگور کے ایک یا دو دانوں سے سحری و افطاری کرتے رہے بہت سے اولیاء پہاڑوں کے غاروں میں معتکف ہو کر

برسوں مراقبہ میں رہے۔ بہت سے اولیاء عمر بھر صائم الدہر اور قائم اللیل رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت بہاء الدین نقشبندی فرماتے ہیں کہ ؂

یک لحظہ دِلا! غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

یعنی ایک سیکنڈ بھی اے دل! تو اس محبوب سے غافل نہ رہنا نہ معلوم کب وہ تجھ پر نگاہ کرم فرمادے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جب نگاہ کرم فرمائے اس وقت تو بے خبری میں رہے اور اس کی نگاہ کرم کے فیضان سے محروم رہ جائے۔ غرض اولیائے کرام نے بڑے بڑے دشوار مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں تب جا کر ان پر معرفت الٰہی کے دروازے کھلے ہیں اور وہ بارگاہ قدس میں مقرب ہو کر سلطنت ولایت و کرامت کے تاجدار بنے ہیں۔ سچ ہے ؂

عطار ہو' رومی ہو' رازی ہو' غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

مگر افسوس! صد ہزار افسوس! کہ آج نوافل کے ذریعہ مجاہدہ تو کجا؟ ہم مسلمان خدا کے فرائض سے بھی غافل ہیں نماز و روزہ' حج و زکوٰۃ کو ہم نے چھوڑ رکھا ہے اور ہمارے سروں پر غفلت و سرکشی کا ایسا عفریت مسلط ہو گیا ہے کہ ہم نہ حقوق اللہ کی پروا کرتے ہیں نہ حقوق العباد کی۔ پھر بھلا ہمیں کس طرح معرفت الٰہی کی راہیں نظر آ سکتی ہیں؟ افسوس! عوام تو عوام آج کل کے پیروں کا حال دیکھ کر تو اور بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ کم کھانا' کم بولنا' کم سونا بہترین مجاہدہ ہے۔ مگر آج کل خدا کی پناہ! ایسے ایسے ہم مسلمانوں میں کھانے والے پیر ہیں کہ ان کے پاس پیٹ نہیں ربڑ کے تھیلے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے سنت خور پیر کی حکایت سنی ہوگی۔

سنت خور پیر

صاحبو! ایک پیر صاحب کسی مرید کے یہاں نازل ہو گئے ان کے پیٹ کی ٹینکی بہت بڑی تھی۔ مرید نے گوشت روٹی جو کچھ پکایا تھا۔ پیر صاحب سب کھا گئے۔ مگر ربڑ کی تھیلی نہیں بھری۔ تو ڈانٹ کر فرمایا کہ نمکین کے بعد کچھ میٹھا بھی کھلاؤ؟ تم کو نہیں معلوم کہ نمکین کے بعد میٹھا کھانا سنت ہے۔ غریب مرید سیر بھر گلاب جامن لایا۔ پیر صاحب سب کچھ کھا گئے مگر پیٹ ابھی "هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" کا نعرہ لگا رہا تھا۔ پھر پیر صاحب نے گرم ہو کر کہا کہ اب کچھ نمکین کھانا لاؤ؟ میٹھے کے بعد نمکین کھانا سنت ہے۔ مرید پھر ہوٹل سے گوشت روٹی لایا۔ پیر صاحب یہ بھی چٹ کر گئے۔ پھر کہا کہ اب پانی لاؤ۔ پانی پی کر بولے کہ کچھ اور کھانا لاؤ۔ کھانے کے بیچ میں

پانی پینا سنت ہے۔ مرید کچھ اور لایا۔ پیر صاحب اس کو بھی کھانے لگے۔ اتنے میں مرید کا لڑکا آ گیا۔ پیر صاحب نے پوچھا کہ اس لڑکے کا کیا نام ہے؟ مرید نے کہا کہ حضور! اس کا نام فرض ہے۔ پیر صاحب کہنے لگے کہ کیسا بھونڈا نام تم نے رکھا ہے؟ مرید کہنے لگا کہ حضور! کیا کرتا اگر میں کہہ دیتا کہ لڑکے کا نام سنت ہے تو حضور اس لڑکے کو بھی کھا جاتے کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضور ہر سنت کو کھائے چلے جاتے ہیں۔ اسی ڈر سے میں نے لڑکے کا نام فرض بتایا ہے۔

بہر حال عزیزانِ ملت! خداوند عالم نے فرمایا کہ دربار خداوندی میں مقرب ہونے کے لیے چار منزلوں کو طے کرنا ضروری ہے۔ پہلی منزل ایمان ہے۔ دوسری منزل تقویٰ ہے۔ تیسری منزل وسیلہ ہے' چوتھی منزل مجاہدہ ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم ان منزلوں کو طے کریں۔ پھر خداوند قدوس سے یہ امید رکھیں کہ وہ اپنے کرم سے ضرور ہمیں اپنے دربار کا قرب عطا فرمائے گا۔

حضرات! یاد رکھئے کہ رب کریم کو کرم فرماتے دیر نہیں لگتی۔ وہ کریم اگر چاہے تو ایک لمحہ میں اپنے بندے کو اپنے دربار میں باریاب فرما کر اپنے دیدار پرانوار سے نواز دے۔

بہلول دانا اور خلیفہ بغداد

حضرات! مجھے اس موقع پر حضرت بہلول دانا علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ خلیفہ بغداد ہارون رشید بادشاہ نے ایک مرتبہ اپنا قاصد بھیج کر آپ کو دربار میں بلایا۔ قاصد نے آ کر عرض کیا کہ جناب! آپ کو امیر المومنین شاہی محل میں یاد فرما رہے ہیں۔ آپ نے بڑی حقارت کے ساتھ جواب دیا۔ کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہوگا۔ میں تو اس کو کبھی یاد نہیں کرتا۔ قاصد نے ہزار کوشش کی مگر آپ کسی طرح دربار میں جانے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ ایک دن آپ شاہی محل کے نیچے مست مولیٰ بنے چلے جا رہے تھے کہ ہارون رشید بادشاہ نے محل کے اوپر سے آپ کو دیکھ لیا۔ فوراً حکم دیا کہ کمند ڈال کر بہلول دانا کو محل میں کھینچ لاؤ۔ چنانچہ اوپر سے کمند پھینکی گئی اور آپ ایک لمحہ میں محل کے اندر پہنچ گئے۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ حضرت یہ بتا دیجئے؟ کہ آپ خدا تک کیسے پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے میں تمہارے پاس پہنچ گیا۔ خلیفہ نے دریافت کیا کہ میرے پاس آپ کیسے پہنچے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے خدا تک پہنچا۔ خلیفہ نے کہا حضور! میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین! دیکھئے اگر میں آپ کے دربار میں پہنچنے کی کوشش کرتا تو میں پہلے عرضی لکھتا۔ پھر گھنٹوں میں نہا دھو کر اچھے لباس پہن کر ملاقات کی تیاری کرتا۔ پھر محل کے دروازے پر آ کر آپ کی اجازت کا انتظار کرتا۔ پھر بھی

نہ معلوم میں دربار میں باریاب ہوتا یا نہیں ہوتا۔ مگر آپ نے جب مجھے باریاب فرمانا چاہا تو کمند ڈال کر ایک لحہ میں باریاب فرمادیا۔ بس یہی حال خدا تک پہنچنے کا ہے کہ وہ مالک و مولیٰ جس کو اپنے دربار میں اپنا سرفراز فرمانا چاہتا ہے۔ تو اس کو ایک لحہ میں اپنے کرم کی کمند ڈال کر اپنے دربار میں اپنا قرب عطا فرمادیتا ہے۔ اور اگر وہ نہیں چاہتا تو سینکڑوں برس تک اس کی یاد اور تمنا کرنے کے باوجود بھی کوئی اس کے دربار میں باریاب نہیں ہوسکتا۔

بہرکیف سامعین کرام! میری گزارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی زندگی میں ایک ایمانی انقلاب پیدا کیجئے اور قرآن مجید کی بتائی ہوئی چار منزلوں کو طے کر کے قرب خداوندی کی سعادت حاصل کیجئے۔ مولیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ یعنی اگر تم لوگ ایمان و تقویٰ اور وسیلہ ومجاہدہ کی چار منزلوں کو طے کرلوگے تو تم فلاح پاجاؤ گے۔

مسلمانو! سب سے بڑی فلاح اور کامیابی کیا ہے؟ خدا کی قسم! سب سے بڑی فلاح یہی ہے کہ اللہ کا بندہ اللہ والا ہوجائے۔ یادرکھو کہ جو خدا کا ہوجاتا ہے ساری کائنات اس کی ہوجاتی ہے۔ اگر تم اللہ والے ہوگئے تو ساری کائنات تمہاری فرمانبردار ہوجائے گی اور تم دونوں جہان کی عزتوں اور کرامتوں کی سلطنت کے تاجدار بن جاؤ گے۔

بس اب میں اپنی تقریر کو ختم کر کے آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھا ئیے۔ میں بارگاہ صمدیت میں ایک مناجات عرض کرتا ہوں آپ لوگ صدق دل سے آمین کہیں۔

مناجات

کفر وظلمت سے بچا صاحب ایماں کر دے — یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے
ہم ہیں محتاج کرم تجھ کو کوئی بات نہیں — تو جو چاہے تو بیاباں کو گلستاں کر دے
روح توحید کو ہر قلب میں پیدا کر دے — نورِ اسلام سے عالم کو فروزاں کر دے
ہم کو پھر اپنی حقیقت سے خبردار بنا — ہم کو اسلاف کا پھر تابع فرماں کر دے
پھر جہاں پھونک دیں آتش کدۂ شوق سے ہم — پھر زمانے میں ہمیں شعلہ بداماں کر دے

پھر ہمیں سجدۂ مقصود کا دیوانہ بنا
پھر جبینوں کو ہماری مہہ تاباں کر دے

وما علینا الاالبلاغ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ واَصحبہ اجمعین O

ساتواں وعظ

فضیلت نماز

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات
(اقبال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی فرض الصلوٰۃ علی المومنین بقولہ تعالیٰ وارکعوا مع الراکعین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الذی جعل الصلاۃ عماد الدین ۞ وعلیٰ الہ وصحبہ المصلین ۔ وعلینا معہم اجمعین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۔ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰاکِرِیْنَ۞ (ھود)

برادرانِ ملت! میری سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات ایک ایک بار بآواز بلند درود شریف کا ورد کریں۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد و بارك وسلم۔

برادرانِ گرامی! خداوند عالم کے فرائض اور اس کی عبادتیں تو بہت ہیں اور درحقیقت تخلیق انسان کا مقصد ہی فرائض خداوندی کی ادائیگی اور عبادات ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ۔ یعنی انسان اور جن کو ہم نے اس لیے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ہماری عبادت کریں۔

لیکن نماز تمام فرضوں میں اہم الفرائض اور تمام عبادتوں میں افضل العبادات ہے۔ اسی لیے خداوند عالم نے قرآن مجید میں تمام فرائض و عبادات سے کہیں زیادہ بڑھ کر اہتمام کے

ساتھ نماز کا حکم دیا اور بار بار نئے عنوانوں کے ساتھ نماز کی فرضیت واہمیت کا ذکر فرمایا۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ

اَقِیْمُو الصَّلٰوۃَ — یعنی نماز قائم کرو

کہیں یوں حکم فرمایا کہ

حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ ○ — یعنی تمام نمازوں، خصوصاً بیچ والی نماز یعنی عصر کی حفاظت کرو اور اللہ تعالیٰ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

کہیں اس طرح حکم دیا کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُو اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ — اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد طلب کیا کرو۔

کہیں اس انداز میں امر فرمایا کہ

وَاْمُرْ اَھْلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْھَا — اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے۔ اور خود بھی اس کا اہتمام کرتے رہیے۔

کہیں اس طرح ترغیب دلائی کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ — نماز یقیناً بے حیائی اور بری باتوں سے روک دیتی ہے۔

کہیں نماز ترک کرنے والوں پر یوں وعید فرمائی کہ

فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلٰوتِھِمْ سَاھُوْنَ — — خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز کو بھول جاتے ہیں اور وقت گزار کر پڑھنے اٹھتے ہیں۔

حضرات! اس آیت میں ویل کا لفظ آیا ہے۔ ''ویل'' کیا ہے؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''ویل'' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ قصداً نماز چھوڑنے والوں کو جہنم کی اس وادی میں داخل کیا جائے گا۔ جس کا نام ''ویل'' ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں رب عزوجل اس طرح نماز کرنے ترک والوں پر وعید شدید فرماتا ہے کہ

فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا — یعنی ان کے بعد کچھ ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا۔ اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی۔ تو عنقریب انہیں سخت عذاب سے ملنا ہو

گا جو بہت ہی طویل وشدید ہوگا۔

اِس آیت میں غی کا لفظ ہے۔حدیث شریف سے پتا چلتا ہے کہ ''غی'' بھی جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے۔اس میں بے نمازیوں زنا کاروں' شرابیوں' سودخواروں اور ماں باپ کو ایذا دینے والوں کو عذاب دیا جائے گا۔کہیں خداوند عالم نے نماز کی عظمت کا اظہار فرماتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ٥

یعنی صبر اور نماز سے مدد طلب کرو اور بے شک یہ نماز بہت ہی دشوار چیز ہے۔مگر ان لوگوں پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں ان پر کچھ دشوار نہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بلاشبہ وہ اپنے رب سے قیامت میں ملنے والے ہیں اور مرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

الغرض نماز کی فرضیت پر جتنی تاکیدیں اور نماز چھوڑنے پر جس قدر وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔اتنی کسی دوسرے فرائض کے بارے میں تاکیدیں اور وعیدیں نازل نہیں ہوئیں کیوں؟ اس لیے کہ نماز اہم الفرائض اور افضل العبادات ہے۔

نماز عرش پر

برادرانِ ملت! نماز کے اہم الفرائض العبادات ہونے کا اس سے بھی پتا چلتا ہے کہ خداوند عالم نے تمام فرائض وعبادات کا حکم زمین پر نازل فرمایا مگر جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی تو مالک عرش مجید نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس عرش پر مہمان بلا کر شب معراج میں تحفہ عطا فرمایا۔

اسلام کا ستون

حضرات! حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔سب سے اول اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔پھر اس کے بعد نماز قائم کرنا'

رَمَضَانَ○ زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

حضرات! اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کو ایک ایسے خیمے سے تشبیہ دی ہے جو پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں سے کلمہ شہادت تو وہ ستون ہے جو خیمہ کے بیچ میں ہوتا ہے اور باقی چار ارکان یعنی نماز روزہ زکوٰۃ اور حج ورروزہ ان چار ستونوں کے مانند ہیں جو خیمہ کے چاروں کونوں پر ہوتے ہیں۔ اب اگر خیمہ کے بیچ کا ستون گر پڑے جب تو خیمہ کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور اگر درمیان کا ستون تو موجود ہو مگر چاروں کونوں کے ستون گر پڑیں تو اگرچہ خیمہ کھڑا ہو جائے گا مگر اس کے چاروں کنارے قائم نہیں رہیں گے اور اگر ان چاروں ستونوں میں سے کوئی ایک ستون گر پڑا تو خیمہ کے اس جانب کا حصہ گرا ہوا ہو گا اور پورا خیمہ اپنی استقامت و خوبصورتی کے ساتھ قائم نہیں رہے گا۔ تو اس تمثیل و تشبیہ کا حاصل یہ ہوا کہ اگر کسی نے کلمہ شہادت ہی کو چھوڑ دیا۔ جب تو اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا ہی نہیں ہو گا اور وہ مسلمان ہی نہیں رہے گا۔ اور اگر کسی نے نماز' زکوٰۃ اور حج ورروزہ چاروں ارکان کو چھوڑ دیا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو ہو جائے گا اور وہ مسلمان تو کہلائے گا۔ مگر اس کے اسلام میں چاروں طرف نقصان ہی نقصان اور خلل ہی خلل رہے گا۔ اور اگر ان چاروں ارکان میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑ دے گا۔ تو اگرچہ اس کے اسلام کا خیمہ کھڑا تو رہے گا مگر اس میں استقامت اور خوبصورتی نہیں رہے گی۔ یعنی اگرچہ وہ مسلمان تو کہلائے گا مگر اس کا اسلام ناقص اور عیب دار ہو گا۔

ایک حدیث میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے ایسا عمل تعلیم فرمایئے کہ جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے۔ تو ارشاد فرمایا کہ تو خدا کی عبادت میں کسی کو شریک مت کر' نماز قائم رکھ' زکوٰۃ دے' رمضان کا روزہ رکھ اور حج کر۔ اس حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز اسلام کا ستون ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

بہرحال اسلام کے پانچوں ارکان اگرچہ سب کے سب انتہائی اہم ہیں۔ مگر ان چاروں ارکان میں نماز سب سے زیادہ اہم الفرائض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

یعنی نماز دین کا ستون ہے۔ جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے دین کو برباد کر دیا۔

نماز احب الاعمال ہے

حضرات! مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! تمام اعمال میں سب سے زیادہ خداوند تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل محبوب ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ نماز۔ پھر میں نے عرض کیا کہ نماز کے بعد کس عمل کی محبوبیت زیادہ ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ والدین کے ساتھ بہترین سلوک کرنا۔ پھر میں نے سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ تو فرمایا کہ جہاد کرنا۔ (بخاری ومسلم)

حضرات! دیکھئے اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد محبوبیت و افضلیت میں نماز تمام اعمال سے مقدم اور بڑھ کر ہے۔ سبحان اللہ! نماز کی محبوبیت کا کیا کہنا؟ ایک نمازی جب نماز پڑھ لیتا ہے۔ تو اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ خوش ہو کر اس بندے کے سر سے گناہوں کا بوجھ اتار کر اس بندے کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے۔

نمازی کے گناہ جھڑ جاتے ہیں

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاڑوں میں مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے گئے۔ پت جھڑ کا زمانہ تھا۔ ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکڑ کر ہلایا تو ان کے پتے گرنے لگے۔ پھر آپ نے حضرت ابوذر کو پکارا۔ تو انہوں نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضر خدمت ہو گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے بدن سے اس طرح گناہ گر پڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے یہ پتے۔

نماز پنج گانہ کا ثواب

حضرات! خطبہ کے بعد میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اب اس کی شان نزول اور ترجمہ بھی سن لیجئے۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ ایک صحابی سے کوئی گناہ صادر ہو گیا وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فلاں گناہ ہو گیا ہے مجھے اس کی سزا دیجئے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تھوڑی دیر کے بعد یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰی لِلذّٰكِرِیْنَ ۝

یعنی نماز قائم کیجئے دن کے کناروں میں اور رات کے کچھ حصہ میں بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

حضرات! دوپہر دن کا درمیانی حصہ ہے۔ دن کا ایک کنارہ دوپہر کے پہلے ہے اس میں نماز فجر ہے اور دن کا دوسرا کنارا دوپہر کے بعد ہے۔ اس میں نماز ظہر و عصر ہے۔ اور رات کے کچھ حصوں میں نماز مغرب و عشاء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز پڑھ لینے سے گناہ صغائر معاف ہو جاتے ہیں۔ ان صحابی سے کوئی گناہ صغیرہ ہوا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نماز پنج گانہ کی بدولت ان کا گناہ مٹ گیا۔ چنانچہ ان صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم خاص میرے ہی لیے ہے؟ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! بلکہ یہی حکم میری تمام امت کے لیے ہے۔ میری امت میں جو شخص بھی پنج وقتہ نماز پڑھے گا۔ ان نمازوں سے اس کے تمام گناہ صغیرہ مٹتے اور دور ہوتے رہیں گے۔

آسمانی فرشتوں کی عبادتیں

حضرات! ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ شب معراج میں جب صاحب لولاک سیار الافلاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی سیر فرمائی۔ تو پہلے آسمان کے فرشتوں کو یہ عبادت کرتے دیکھا کہ ذکر الٰہی میں مشغول ہیں' دوسرے آسمان کے فرشتوں کو رکوع میں دیکھا' تیسرے آسمان کے فرشتوں کو سجدے میں پایا' چوتھے آسمان کے فرشتے التحیات پڑھ رہے تھے' پانچویں آسمان کے فرشتوں کو تسبیح پڑھتے ملاحظہ فرمایا' چھٹے آسمان کے فرشتوں کو تکبیر پڑھتے دیکھا اور ساتویں آسمان کے فرشتوں کو سلام پڑھنے میں مشغول دیکھا۔ فرشتوں کی ان عبادتوں کے مناظر دیکھ کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! رب العزت میری امت کو کسی ایسی عبادت کا حکم فرماتا جس میں ان فرشتوں کی یہ ساری عبادتیں جمع ہوتیں۔ چنانچہ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کی یہ تمنا پوری فرما دی کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر نماز فرض فرما دی۔ جس میں ذکر الٰہی' رکوع' سجدہ' التحیات' تسبیح' تکبیر سلام سبھی کچھ ہے اور فرما دیا کہ اے محبوب! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی امت میں جو شخص پانچوں وقت کی نماز پڑھے گا وہ ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کی عبادتوں کا ثواب پائے گا۔ (درۃ الناصحین)

روزانہ پانچ مرتبہ غسل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آقا نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ؟ اگر کسی بندے کے دروازے پر ایک نہر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر کچھ میل باقی رہ جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ نہیں۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی نہیں رہے گا۔ تو ارشاد فرمایا کہ

فَکَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلٰوتِ الْخَمْسِ یَمْحُوا اللّٰہُ بِہِ الْخَطَایَا (صحیحین)

یعنی یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے کہ اللہ عزوجل ان پانچوں نمازوں کی وجہ سے نمازی کے تمام گناہوں کو دور فرما دیتا ہے۔

آنکھ کی ٹھنڈک

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنئے۔ ارشاد مبارک ہے کہ

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ الطِّیْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

یعنی تمہاری دنیا کی تین ہی چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ اول خوشبو دوسری بیویاں اور تیسری چیز یہ ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

اللہ اکبر! سن لیا آپ نے۔ نماز وہ عبادت ہے کہ اس سے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔

حضرات! آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ سنئے آنکھ میں ٹھنڈک پیدا ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہو۔ تو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے نماز سے انتہائی فرح وسرور اور اعلیٰ درجے کی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

حضرات! آج ہم میں سے کون ہے؟ جو محبت رسول کا دعویٰ نہیں کرتا۔ مگر کبھی ہم نے اور آپ نے غور کیا کہ کون ایسا محب اور عاشق ہے جو اپنے محبوب کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے اور اپنے محبوب کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر للہ انصاف سے بتایئے۔ کہ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو پنج وقتہ نماز باجماعت پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے ہیں؟ مسلمانو! تمہاری غیرت ایمانی کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے تم غور کرو۔ اور سوچو!

کہ وہ نبی رؤف ورحیم جو ہم تم پر اس قدر مہربان ہیں کہ جب پیدا ہوئے تو یَا رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ کہتے ہوئے پیدا ہوئے۔ زندگی بھر ساری ساری رات بیدار رہ کر اور تہجد گزار بن کر ہماری مغفرت کی دعائیں فرماتے رہے۔ آج قبر انور میں بھی وہ نبی رحمت ہماری بخشش کے لیے دعائے مغفرت فرمارہے ہیں۔ کل میدان محشر میں بھی ہم گنہگاروں کی شفاعت کے لیے بےقرار رہیں گے۔ مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ۔

کہیں گے اور نبی اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ — مرے حضور کے لب پر اَنَا لَهَا ہوگا

عزیز بچے کو جس طرح ماں تلاش کرے — خدا گواہ! یہی حال آپ کا ہوگا

کوئی کہے گا دہائی ہے یا رسول اللہ — تو کوئی قدموں سے انکے لپٹ گیا ہوگا

کسی کو لے کے فرشتے چلیں گے سوئے جحیم

یہ ان کا راستہ پھر پھر کے دیکھتا ہوگا

الغرض وہ نبی رحمت قبر میں' میدان محشر میں' پل صراط پر' میزان عمل پر' حوض کوثر پر اور ہر جگہ ہماری محبت میں بےقرار رہیں گے۔ مگر ہم اتنے بے مروت' جفا پیشہ اور احسان فراموش ہیں کہ ایسے رحمت ومہربانی والے نبی رحیم ورسول کریم کی آنکھوں کو ٹھنڈک نہیں پہنچاتے۔ انہیں خوش نہیں کرتے اور وہ بھی کس طرح؟ دھن و دولت لٹا کر نہیں' اولاد کو قربان کر کے نہیں' اپنی جان دے کر نہیں۔ صرف اس طرح کہ پنج وقتہ اپنے خالق و مالک کے حضور سر بسجود ہو کر نماز ادا کر لیں۔ افسوس! صد ہزار افسوس! اس سے بڑھ کر ہماری بے مروتی و بے غیرتی اور کیا ہوگی؟ مسلمانو! غور کرو! اگر واقعی ہم کو حضور سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہوتی تو ضرور ضرور ہم ان کی تمام محبوب چیزوں سے بھی محبت کرتے اور پنج وقتہ نماز پڑھ کر ضرور ضرور ہم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتے۔ صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ

فَمَنْ ادَّعٰی مَحَبَّةَ اللّٰهِ وَخَالَفَ سُنَّةَ نَبِیِّهٖ وَهُوَ كَذَّابٌ بِنَصِّ كِتَابِ اللّٰهِ ۔ لِاَنَّ مَنْ اَحَبَّ اَحَدًا یُحِبُّ خَوَاصَّهٗ اَلْمُتَّصِلِیْنَ بِهٖ فَهٰذَا هُوَ قَانُوْنُ الْعِشْقِ

یعنی جو شخص اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے نبی کی سنت کی مخالفت کرے۔ اسکے جھوٹے ہونے پر خدا کی کتاب صراحت کیساتھ اعلان کرتی ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی سے محبت کرے گا تو یقیناً وہ اپنے محبوب کی خواص اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے محبت کرے گا۔ یہی عشق ومحبت کا قانون ہے۔

اسی مضمون کو کسی عربی شاعر نے کتنے نفیس انداز میں کہا ہے ۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَا طُعْتَهُ　　اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو ضرور ان کی فرمانبرداری کرتا۔ کیونکہ بلاشبہ ہر عاشق اپنے معشوق کا فرمانبردار ہوا کرتا ہے۔ پڑھئے درود شریف: اللهم صل علىٰ محمد و علىٰ ال محمد و صحبه وبارك وسلم

سجدہ اور خدا کا تقرب

حضرات گرامی! فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اَقْرَبَ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ (مشکوٰۃ ص ۸۴)　　یعنی بندے کو سب سے زیادہ خدا کی نزدیکی اس وقت حاصل ہوتی ہے جس وقت وہ سجدے میں ہوتا ہے۔

مسلمانو! بتاؤ؟ کون ایسا مسلمان ہوگا؟ جو خداوند قدوس کی نزدیکی اور اس کے قرب کا طالب نہ ہو۔ مومن کی سب سے بڑی تمنا یہی ہے کہ خداوند کریم اس کو اپنی بارگاہ میں مقرب بنا لے۔ مگر افسوس! اس پروردگار عالم نے اپنے سب سے زیادہ تقرب کا جو ذریعہ بتایا ہے یعنی نمازوں کا سجدہ۔ آج ہم اس سے انتہائی غافل ہیں۔

برادران اسلام! یاد رکھئے کہ ارحم الراحمین ہمارا مالک و مولیٰ اپنے بندوں پر بڑا رحیم و کریم ہے اور وہ قادر و قیوم بڑا غیور بھی ہے۔ اس لیے جو بندہ اس کے حضور سجدہ میں گر کر ناک زمین پر رگڑتا ہے تو پھر وہ غیرت والا مالک و مولیٰ اپنے بندے کی پیشانی کو کسی کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔ بلکہ اس بندے کی پیشانی کو اتنا سربلند فرما دیتا ہے کہ آسمان کی رفعت و سربلندی بھی اس بندے کی عظمت کو جھک جھک کر سلام کرنے لگتی ہے۔ سچ ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے　　ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

نماز فلاح دارین ہے

عزیزان ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ نماز صرف آخرت ہی میں کام آنے والی چیز ہے۔ نہیں نہیں! نماز مومن کے لیے دنیا و آخرت دونوں جہان کی فلاح کا سامان ہے۔ جہنم کے عذاب اور دنیا کی مصیبتوں کے حملوں سے بچنے کے لیے مومن کے پاس نماز سے بہتر کوئی ڈھال نہیں۔

جناب حذیفہ صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ　　یعنی جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی

وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ نَزَعَ اِلَى الصَّلٰوةِ ۔ (ابوداؤد وغیرہ)
سخت معاملہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

کیوں؟ اس لیے کہ نماز اللہ کی رحمت کا سامان ہے اور ہر مصیبت اور بلا کے وقت نماز کی طرف دوڑ پڑنا۔ گویا اللہ کے دامن رحمت میں پناہ لینا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کے حفظ وامان میں پہنچ گیا۔ پھر کیا مجال ہے؟ کہ دنیا وآخرت کی کوئی مصیبت بھی اس کا بال بیکا کر سکے۔ چنانچہ تمام انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا ہمیشہ یہی معمول رہا کہ وہ مصائب و آلام کے ہجوم کے وقت نماز میں مشغول ہو جاتے۔ ہمارے سلف صالحین صحابہ وتابعین اور مومنین وصالحین پر بھی جب بلائیں اور مصیبتیں حملہ آور ہوتیں تو وہ نماز کی طرف دوڑ پڑتے تھے اور نماز کی برکت سے ارحم الراحمین غیب سے ان کی فتح وفلاح کا سامان پیدا فرما دیتا تھا۔

جان ومال کی سلامتی

عزیزانِ ملت! مجھے اس وقت کوفہ کے ایک قلی کا واقعہ یاد آ گیا۔ ذرا غور سے سنئے۔ بڑا ہی عبرت آموز واقعہ ہے۔ کوفہ میں ایک بہت ہی امین اور قابل اعتماد قلی رہتا تھا جو لوگوں کی قیمتی امانتیں دور دور کے شہروں میں پہنچایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ لوگوں کا قیمتی سامان اور نقدی وغیرہ لے کر خچر پر سوار ہو کر سفر میں روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک مکار ڈاکو جو اپاہج بن کر بیٹھا ہوا تھا ملا۔ مکار ڈاکو قلی سے گڑ گڑا کر کہنے لگا۔ بھائی میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ خدا کے لیے تم مجھے اپنے خچر پر سوار کر لو۔ میں تمہیں ایک دینار کرایہ دوں گا۔ بھولا بھولا قلی مکار ڈاکو کے دام فریب میں آ گیا اور رحم کھا کر مکار ڈاکو کو خچر پر سوار کر لیا۔ قلی عام سڑک پر چلنے لگا تو مکار ڈاکو نے کہا کہ بھائی! یہ راستہ تو بہت لمبا ہے۔ میں تمہیں بہت قریب کا راستہ بتاتا ہوں۔ اس راستے میں گھاس پانی بھی بہ افراط ملے گا۔ قلی اس مکار ڈاکو کے فریب میں آ گیا اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑا۔ لیکن ابھی تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک خوفناک جنگل آ گیا۔ قلی نے دیکھا کہ وہاں بہت سی لاشوں کی ہڈیاں اور کھوپڑیاں پڑی ہیں اور آگے راستہ بند ہے۔ وہاں پہنچ کر یہ مکار ڈاکو خچر سے اترا اور کمر سے خنجر نکال کر قلی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ قلی نے حیران ہو کر کہا کہ بھائی! یہ کیا کر رہے ہو؟ مکار ڈاکو گرج کر بولا کہ خبردار! اب تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ دیکھ لو یہ سب تمہارے جیسے مسافروں کی کھوپڑیاں ہیں۔ جن کو میں نے فریب سے یہاں لا کر قتل کیا ہے اور ان کا مال لوٹ لیا ہے۔ قلی نے نہایت عاجزی سے کہا کہ بھائی! تم سارا مال وسامان لے لو مگر خدا کے لیے مجھے قتل نہ کرو۔ ہر چند عاجزی کے ساتھ روتا اور

گڑگڑاتا رہا اور جان کی امان مانگتا رہا مگر وہ سفاک ڈاکو جس کے سینے میں دل کی جگہ شاید سخت پتھر کا ٹکڑا تھا۔ بالکل رحم نہیں کھایا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر قلی نے کہا کہ اچھا! تم مجھے دو رکعت نماز پڑھ لینے دو۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر دینا' جلاد ڈاکو نے قہقہہ لگایا اور کہا اچھا جلد کر قلی نے نماز شروع کر دی۔ الحمد اللہ شریف پڑھنے کے بعد پریشانی میں کوئی سورت یاد نہیں آئی۔ ادھر جلاد ڈاکو خنجر چمکا چمکا کر تقاضا کر رہا تھا کہ جلدی نماز ختم کر بے اختیاری میں قلی کی زبان پر یہ آیت جاری ہوگئی۔ کہ

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ یعنی خدا کے سوا کون ہے؟ جو مجبور کی پکار کو سنے۔ جب وہ مجبور اس کو پکارے۔

قلی اس آیت کو پڑھنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو کی دھار اس کے رخسار پر بہنے لگی۔ ابھی ایک رکعت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ اچانک جنگل میں سے ایک سوار نمودار ہوا اور اس مکار ڈاکو کی گردن پر ایسی شمشیر ماری کہ اس کا سر کٹ کر گر پڑا اور ایک دم اس کی لاش پر غیبی آگ کے شعلے بلند ہو گئے۔ قلی نے سلام پھیر کر دیکھا تو ڈاکو کی لاش جل کر خاک ہو چکی تھی۔ قلی نے سجدہ شکر ادا کیا اور غیبی سوار سے دریافت کیا کہ خدا کے لیے اتنا بتا دیجئے کہ آپ کون ہیں؟ اور کس طرح تشریف لائے؟ غیبی سوار کہنے لگا کہ میں اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ فرمانے والے مالک و مولیٰ کا ایک بندہ ہوں۔ اور اسی کے حکم سے میں تمہاری مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اب تم بے خوف ہو جاؤ۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ (نزہۃ المجالس)

نماز جنت سے زیادہ پیاری

مسلمان بھائیو! یہی وجہ ہے کہ تمام صالحین امت نماز سے والہانہ عشق رکھتے تھے۔ سرکار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو رکعت نماز دنیا اور اس کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے۔ صحابہ کرام کے نماز سے عشق وشغف کا کیا کہنا؟ دور تابعین میں امام محمد بن سیرین کا ایک مقولہ سن لو! آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے یہ اختیار دے دیا جائے کہ یا تو میں جنت میں داخل ہو جاؤں یا دو رکعت نماز پڑھ لوں تو میں دو رکعت نماز پڑھنے کو جنت میں داخل ہونے سے زیادہ پسند کروں گا۔ کیونکہ جنت میں داخل ہونا میری اپنی خواہش کا ذریعہ ہے اور دو رکعت نماز میرے رب کی رضا کا سامان ہے۔

ایک مجددی کا نماز سے عشق

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کے ایک نامی گرامی خلیفہ شیخ عبدالواحد

لاہوری علیہ الرحمہ ہیں۔آپ نے ایک مرتبہ عالموں سے پوچھا کہ جنت میں تمام نعمتیں تو ہوں گی۔بتایئے کہ جنت میں نماز بھی ہوگی یانہیں؟ عالموں نے کہا کہ حضرت! جنت میں نماز کہاں سے ہوگی؟ جنت تو اعمال صالحہ کی جزا کا مقام ہے۔وہاں اعمال صالحہ کی تکلیف کہاں سے ہوگی؟ یہ سن کر شیخ عبدالواحد لاہوری علیہ الرحمہ نے ایک سرد آہ کھینچی اور رونے لگے۔پھر نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا کہ بغیر نماز کے جنت میں کس طرح چین نصیب ہوگا؟ مسلمانو! ان سعید و پاکباز روحوں سے نماز کی لذت پوچھو کہ انہیں جنت میں بھی بغیر نماز کے کوئی لطف نصیب نہیں ہوگا۔

نماز کے انعامات

حضرات! امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ نماز پنج گانہ کی پابندی کرنے والے کو نو چیزیں انعام میں ملیں گی۔اول خداوند تعالیٰ اس کو اپنا محبوب بنالے گا۔ دوسرے اس کو تندرستی عطا فرمائے گا۔تیسرے فرشتے اس کی حفاظت فرمائیں گے۔چوتھے اس کے گھر میں برکت ہوگی۔پانچویں اس کے چہرے پر صالحین کا نور ہوگا۔چھٹے اس کا دل نرم ہو جائے گا۔ساتویں وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائے گا آٹھویں جہنم سے نجات پائے گا نویں جنت میں اس کو ایسے لوگوں کا پڑوس نصیب ہوگا۔جن کی شان میں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی بشارت آئی ہے۔یعنی قیامت میں ان کو نہ کوئی خوف ہوگا۔نہ غمگین ہوں گے۔(منبہات ابن حجر)

اس طرح ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ نماز۔

۱-رضاالٰہی کا سبب ہے۔	۲-فرشتوں کی محبوب چیز ہے۔
۳-انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔	۴-نور معرفت ہے۔
۵-برکت رزق ہے۔	۶-ایمان کی جڑ ہے۔
۷-بدن کی راحت ہے۔	۸-دشمنوں کے مقابلہ کے لیے ہتھیار ہے
۹-شفاعت کرنے والی ہے۔	۱۰-قبر کا چراغ ہے۔
۱۱-وحشت قبر کی مونس ہے۔	۱۲-مقبولیت دعا ہے۔
۱۳-منکر نکیر کے جواب میں آسانی کرنیوالی ہے۔	۱۴-ظلمت میں روشنی ہے۔

۱۵- آتشِ جہنم کے لیے آڑ ہے۔ ۱۶- میزانِ عمل کا بوجھ ہے۔
۱۷- پل صراط پر جلدی سے گزارنے والی ہے۔ ۱۸- جنت کی کنجی ہے۔ (تنبیہ الغافلین)

نماز نور و برہان و نجات ہے

حضرات! نمازی کے اجرِ عظیم اور بے نمازی کے وبال کے بارے میں ایک حدیث بھی سنئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهُ نُوْرٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ ۔ (درمنثور وغیرہ)

یعنی جو نماز کی پابندی کرے گا تو نماز قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی اور حساب کے وقت دلیل ہوگی اور نجات کا سامان ہوگی اور جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے گا۔ اس کے لیے قیامت کے دن نہ نور ہوگا۔ نہ دلیل ہوگی نہ نجات ہوگی اور اس کا حشر فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

توبہ توبہ! نعوذ باللہ! خدا کی پناہ بے نمازیو! عبرت پکڑو۔ دیکھ لو بے نمازیوں کا حشر کتنے برے برے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ فرعون کو تو بچہ بچہ جانتا ہے کہ یہ کافر ہے جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ یہاں تک کہ قہرِ الٰہی نے اس کو دریائے نیل میں غرق فرما دیا۔ اور ہامان بد نصیب اسی فرعون کا وزیر تھا۔ یہ بھی فرعون کے ساتھ غرق ہو گیا۔ ابی بن خلف کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ یہ کون تھا؟

ابی بن خلف

حضرات! ابی بن خلف مکہ کا وہ کافر ہے جس نے قبل ہجرت حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دھمکی دی تھی کہ اے محمد! میں نے ایک گھوڑا خاص اسی لیے پالا ہے کہ اس پر سوار ہو کر میں تم کو قتل کروں گا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں یہ فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں تجھ کو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ چنانچہ جنگِ اُحد کے دن اس خبیث نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کیا۔ صحابہ نے اس کی گردن اڑا دینے کا ارادہ کیا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو منع فرما دیا اور خود ایک صحابی کا نیزہ لے کر اس مردود کی گردن پر مارا۔ ایک ہلکی سی خراش آئی مگر ابی بن خلف اس مار کی تاب نہ لا کر بلبلاتے ہوئے بھاگ نکلا اور

چلانے لگا کہ خدا کی قسم! محمد نے مجھے قتل کر ڈالا۔ کفار نے اس کو غیرت دلائی کہ اتنا بہادر ہو کر ایک ذرا سی خراش لگ جانے پر اس قدر بلبلا رہا ہے؟ ابی بن خلف کہنے لگا کہ محمد نے مجھ سے مکہ میں کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے جب بھی میں مر جاتا۔ اے لوگو! یہ خراش تمہاری نظر میں ایک معمولی خراش ہے مگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مار ہے مجھے اس میں اتنی تکلیف ہو رہی ہے کہ اگر میرا درد تمام لشکر میں تقسیم کر دیا جائے تو سارا لشکر ہلاک ہو جائے۔ غرض اسی طرح تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے ابی بن خلف مکہ مکرمہ پہنچنے سے ایک دن پہلے ہی راستہ میں ہلاک ہو گیا۔

برادرانِ ملت! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین کافر جہنمی وہ بدنصیب ہے۔ جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہو یا جس کو کسی نبی نے قتل کیا ہو۔ آپ نے سن لیا کہ ابی بن خلف وہ ملعون کافر جہنمی ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی مار سے فی النار ہوا ہے۔

بے نمازی صحابہ کی نظر میں

حضرات! امام ترمذی عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر جانتے تھے۔ سوا نماز کے۔ چنانچہ امیر المومنین فاروق اعظم و عبد الرحمان بن عوف و ابو ہریرہ و عبداللہ بن عباس و جابر بن عبداللہ و معاذ بن جبل و ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ مذہب تھا کہ بلا عذر نماز چھوڑ دینے والا کافر ہے اور بعض آئمہ مثلاً امام احمد بن حنبل و اسحٰق بن راہویہ و عبداللہ بن مبارک و امام نخعی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ تارک نماز کافر ہو گیا۔ اگرچہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تارک نماز کی تکفیر نہیں فرماتے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ جس نے بلا عذر نماز کو چھوڑ دیا وہ اگرچہ کافر تو نہیں ہوا مگر اس نے کافر کا کام کیا کیونکہ نماز چھوڑ دینا کافر کا کام ہے۔ بہر حال پھر بھی یہ کیا تھوڑی بات ہے کہ بے نمازی کچھ صحابہ اور کچھ اماموں کے نزدیک کافر ہے۔ توبہ نعوذ باللہ!

جماعت کی فضیلت

برادرانِ ملت! نماز کی فرضیت و اہمیت کے بارے میں تو میں بہت کافی عرض کر چکا ہوں، اب کچھ جماعت کی اہمیت و فضیلت کے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بہت سے لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں مگر جماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ حالانکہ جس طرح نماز کے بارے میں سخت تاکیدیں اور ترک پر بہت شدید وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح جماعت کے لیے بھی

حدیثوں میں بہت زیادہ تاکیدی احکام آئے ہیں۔ چند احادیث پیش کر دیتا ہوں۔ ہدایت فرمانا رب العالمین کا کام ہے۔

نجات کے دو پروانے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ لَايُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَ تَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (ترمذی)

یعنی جو چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز باجماعت پڑھے کہ اس کی تکبیر اولیٰ نہ چھوٹے۔ تو اس کے لیے دو نجات نامے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ ایک دوزخ سے چھٹکارا پانے کا اور دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

حضرات! نماز باجماعت کے اجر و ثواب کا یہ حال ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً (بخاری)

یعنی جماعت کی نماز اکیلے آدمی کی نماز پر ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اور بعض روایات میں پچیس درجے کا ذکر ہے۔

بہر حال اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں کی نمازوں میں زیادہ اخلاص ہوتا ہے انہیں ستائیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے اور جن کی نمازوں میں اخلاص کی کچھ کمی رہتی ہے تو انہیں پچیس درجے کی فضیلت کا ثواب ملتا ہے۔ بہر کیف جماعت کا ثواب پچیس درجے کا ہو یا ستائیس درجے کا سوال یہ ہے کہ اگر ہم کو معلوم ہو جائے کہ ہمارا مال اپنے شہر میں ایک روپے کا بکے گا۔ اور اگر ہم سمندر پار جا کر اس مال کو فروخت کریں تو یہ پچیس یا ستائیس روپے میں بکے گا۔ تو برادرانِ ملت! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم میں سے ہر شخص سمندر پار جا کر اپنا مال فروخت کرے گا۔ کیونکہ پچیس گنا یا ستائیس گنا کا نفع چھوڑنا کوئی بھی گوارا نہیں کرے گا۔ مگر کس قدر حیرت ہے کہ گھر سے صرف چند قدم چل کر مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے میں ایک نماز پر ستائیس نماز کا ثواب ملتا ہے۔ مگر پھر بھی بہت سے لوگ گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں اور جماعت کی پرواہ نہیں کرتے۔

مسلمانو! کاش ہم اپنے سلف صالحین کی زندگی پر ایک نظر ڈالتے کہ وہ خوش نصیب مسلمان نماز تو نماز جماعت تو جماعت، کبھی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔

محمد بن سماعہ اور جماعت

حضرات! غالباً آپ لوگوں نے میری کتاب ''اولیاء رجال الحدیث'' میں محمد بن سماعہ محدث کا تذکرہ پڑھا ہوگا۔ یا علماء سے ان کا حال سنا ہوگا۔ یہ حضرت امام ابو یوسف و حضرت امام محمد شاگردان امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔ ایک سو تین برس کی عمر پائی۔ یہ روزانہ دو سو رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ یہ فرماتے ہیں کہ مسلسل چالیس برس تک میری ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ جس دن میری والدہ کا انتقال ہوا اس دن ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی تو میں نے اس خیال سے کہ جماعت کی نماز پچیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ اس نماز کو میں نے اکیلے پچیس مرتبہ پڑھا۔ اسی درمیان میں مجھے غنودگی آ گئی تو کسی نے خواب میں آ کر کہا کہ پچیس نمازیں تو تم نے پڑھ لیں۔ مگر فرشتوں کی آمین کا کیا کرو گے؟ حدیث شریف میں آیا کہ امام جب و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو کہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ تو اس فضیلت کو تم بغیر جماعت سے نماز پڑھتے ہوئے کس طرح حاصل کر سکتے ہو؟
(تہذیب التہذیب وغیرہ)

حضرات! اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اکیلے نماز پڑھنے والا اگرچہ ہزاروں مرتبہ اس نماز کو پڑھے گا مگر پھر بھی جماعت کا ثواب اس کو ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غضب

حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تارک جماعت پر اتنا شدید غضب فرماتے ہیں کہ الاماں الاماں! ایک حدیث میں یہاں تک فرمایا کہ

لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ فِتْيَتِیْ فَيَجْمَعُوْا اِلَیَّ حَطَبًا ثُمَّ اٰتِیْ قَوْمًا يُصَلُّوْنَ فِیْ بُيُوْتِهِمْ لَيْسَتْ بِهِمْ عِلَّةٌ فَاُحَرِّقُهَا عَلَيْهِمْ (ابوداؤد)

یعنی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے نوجوانوں کو یہ حکم دے دوں کہ وہ لکڑیاں جمع کر کے میرے پاس لائیں۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس جاؤں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں تاکہ ان کے گھروں کو جلا دوں۔

اللہ اکبر! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی رحمت کا اپنی امت پر یہ عالم ہے کہ

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ

کہ امت کا کسی مشقت میں پڑ جانا ان پر شاق ہے امت کے انتہائی خیر خواہ ہیں۔ مومنین پر بے حد مہربان اور رحم فرما ہیں۔

مگر جماعت چھوڑنے والوں پر ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہے کہ اپنے ہاتھوں سے ان کے گھروں کو پھونک دینے کا ارادہ فرما رہے ہیں۔

تارک جماعت پر بارہ بلائیں

حضرات! تارک جماعت پر رحمت عالم کے غضب کا حال تو آپ سن چکے۔ اب ارحم الرحمین کے قہر و غضب کا منظر بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

مَنْ تَهَاوَنَ بِالصَّلٰوةِ مَعَ الْجَمَاعَةِ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِاثْنَیْ عَشَرَةَ بَلِيَّةً

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو بارہ بلاؤں کے ساتھ عذاب دے گا۔

یہ بارہ بلائیں کون کون سی ہیں۔ سنیے!

ثَلَاثٌ فِي الدُّنْيَا وَ ثَلٰثٌ عِنْدَ الْمَوْتِ وَثَلٰثٌ فِي الْقَبْرِ وَثَلٰثٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تین بلائیں دنیا میں اور تین بلائیں موت کے وقت اور تین بلائیں قبر میں اور تین بلائیں قیامت کے دن۔

اب ان کی تفصیل بھی سن لیجئے۔ تین بلائیں دنیا میں کون کون سی آئیں گی۔ تو ارشاد فرمایا کہ

اَمَّا الثَّلٰثُ الَّتِيْ فِي الدُّنْيَا فَالْاُوْلٰى رَفَعَ اللّٰهُ الْبَرَكَةَ مِنْ رِزْقِهٖ وَالثَّانِيَةُ يَذْهَبُ مِنْهُ نُوْرًا الصّٰلِحِيْنَ وَالثَّالِثَةُ يَكُوْنُ مُبْغَضًا فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ

تین بلائیں جو دنیا میں آئیں گی۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روزی میں سے برکت اٹھا لے گا اور دوسری بلا یہ ہے کہ اس سے صالحین کا نور چلا جائے گا۔ اور تیسری بلا یہ ہے کہ وہ تمام ایمان والوں کے دلوں میں مبغوض ہو جائے گا۔

اللہ اکبر! برادرانِ ملت! آپ نے دنیا کی ان بلاؤں کو کیا سمجھا ہے؟ بھلا رزق کی برکت کا چلا جانا کوئی معمولی بلا ہے؟ اسی طرح صالحین کے نور سے محروم ہو جانا کوئی کم مصیبت ہے؟

یونہی تمام اہل ایمان' انبیاء و مرسلین' ملائکہ مقربین' اولیاء کاملین سب کے دلوں میں قابل نفرت ہو جانا یہ کوئی معمولی عذاب ہے؟ ذرا غور کیجئے کہ آدمی جس محلے میں رہتا ہے اگر پورا محلہ اس سے نفرت کرنے لگے تو پھر ایک غیرت مند آدمی اس محلے میں نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ محلہ تو کیا اس شہر کو چھوڑ دے گا۔ پھر بھلا اس شخص کی بے عزتی و بے آبروئی کا کیا ٹھکانا ہے؟ جس سے خدا کے تمام انبیاء' تمام فرشتے' تمام اولیاء' تمام صالحین نفرت کرنے لگیں۔ کیا بھلا یہ شخص دنیا میں رہنے کے قابل ہے؟ توبہ' نعوذ باللہ۔ اللہ ہر مومن کو ان بلاؤں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

اچھا اب ان تین بلاؤں کا ذکر سنئے جو موت کے وقت تارک جماعت پر آتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاَمَّا الَّتِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ فَالْاُوْلٰی یُقْبَضُ رُوْحُهٗ عَطْشَانًا وَّلَوْ شَرِبَ مَآءَ الْاَنْهٰرِ وَالثَّانِیَةُ یَشْتَدُّ عَلَیْهِ نَزْعَ رُوْحِهٖ وَالثَّالِثَةُ یُخَافُ عَلَیْهِ مِنْ زَوَالِ الْاِیْمَانِ

یعنی موت کے وقت آنے والی تین بلاؤں یہ ہیں۔ پہلی بلا یہ ہے کہ اس کی روح اس حالت میں قبض کی جائے گی کہ وہ پیاسا ہوگا۔ اگر چہ وہ تمام نہروں کا پانی پی لے مگر پھر بھی مرتے وقت پیاسا ہی مرے گا۔ دوسری بلا یہ ہے کہ اس کی جان کنی بڑی سخت ہوگی اور تیسری بلا یہ ہے کہ اس کے ایمان کی بربادی کا خطرہ رہے گا۔

اللہ اللہ! مسلمانو! غور کرو اور عبرت پکڑو کہ پیاسا مرنا' جان کنی کی سختی' ایمان کی بربادی کا خطرہ یہ کتنی ہولناک اور خوفناک بلائیں ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو ان بلاؤں سے بچائے۔ (آمین) آگے ارشاد ہوتا ہے کہ

وَاَمَّا الَّتِیْ فِی الْقَبْرِ فَالْاُوْلٰی یَضِیْقُ عَلَیْهِ سُؤَالُ مُنْكَرٍ وَّنَكِیْرٍ وَالثَّانِیَةُ تَشْتَدُّ عَلَیْهِ ظُلْمَةُ الْقَبْرِ وَالثَّالِثَةُ یَضِیْقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی یَنْضَمَّ اَضْلَاعُهٗ

یعنی وہ تین بلائیں جو قبر میں آئیں گی۔ ان میں سے پہلی بلا یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال میں سختی ہوگی۔ دوسری بلا یہ ہے کہ قبر میں بہت ہی سخت اندھیرا ہوگا اور تیسری بلا یہ ہے کہ قبر اس قدر تنگ ہو جائے گی کہ تمام پسلیاں آپس میں مل جائیں گی۔

اچھا اب قیامت کی تین بلاؤں کا حال بھی سن لیجئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

وَاَمَّا الَّتِیْ فِیْ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

یعنی قیامت میں آنے والی تین بلائیں۔ ان میں

فَالْاُوْلٰی یَشْتَدُّ عَلَیْهِ حِسَابُهٗ وَالثَّانِیَةُ یَغْضَبُ عَلَیْهِ رَبُّهٗ وَالثَّالِثَةُ یُعَاقِبُهُ اللّٰهُ بِالنَّارِ (درۃ الناصحین)

سے پہلی بلا یہ ہے کہ اس کا حساب بڑی سختی کے ساتھ ہوگا۔ دوسری بلا یہ ہے کہ اس پر رب عزوجل کا غضب ہوگا۔ تیسری بلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آگ کا عذاب دے گا۔

نماز میں خشوع

حضرات! نماز و جماعت کا بیان تو آپ حضرات کافی سن چکے ہیں۔ اب ذرا نماز میں خشوع کا بھی بیان سن لیجئے۔ خشوع یعنی قلبی جھکاؤ اور روحانی توجہ۔

سچ پوچھئے تو یہ نماز کی روح ہے۔ اگر نمازوں میں قلب کا جھکاؤ نہیں ہوا تو صرف سر کا جھکا لینا کوئی خاص خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ حق جل جلالہ کا ارشاد کتنا واضح ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ○

یعنی وہی ایمان والے فلاح پانے والے ہیں جن کی نمازوں میں خشوع پایا جاتا ہے۔

برادرانِ ملت! سن لیا آپ نے؟ قابل فلاح وہی نماز ہے جس میں دل کی حضوری اور قلب کا جھکاؤ ہو جائے۔ یعنی خداوند قدوس کی عظمت اور اس کے جاہ و جلال کے تصور سے نمازی کا دل و دماغ خوف و خشیت الٰہی کا خزانہ بن جائے اور جسم کی بوٹی بوٹی اور بدن کا بال بال خدائے لم یزل و لا یزال کے عظمت و جلال سے تھرا جائے اور خدا کی کبریائی اور اس کی شانِ جلال کے تصور کے سامنے ماسوی اللہ کا خیال ہی نہ آئے۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کی نشاندہی فرماتے ہوئے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ (مشکوٰۃ ص ۱۱)

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر اتنی قوی حضوری تمہیں حاصل نہ ہو سکے تو کم سے کم اتنا تو دھیان رکھو کہ وہ مالک و مولیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اسی مضمون کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کیا تو نے نمازی! یہ کبھی غور کیا ہے
تو کون ہے؟ اور سامنے کس کے تو کھڑا ہے
کچھ رعب شہنشاہی بھی ملحوظ ہے تجھ کو
یا منہ سے فقط کہتا ہے "اللہ" بڑا ہے

مگر برادرانِ ملت! ہماری نمازوں میں کتنا خشوع اور دل کا جھکاؤ ہوتا ہے؟ یہ تو ہمیں اور آپ کو خوب معلوم ہے "سر سجدے میں اور دل دغا بازی میں" یہ مثل تو مشہور ہی ہے اور ایک امام چار مقتدیوں کی نماز کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

لطیفہ: سنا ہے کہ پانچ آدمی نماز کی تبلیغ کے لیے چلے۔ دریا کے کنارے پانچوں نماز پڑھنے لگے۔ ایک امام بن گیا اور چار مقتدی ہو گئے۔ عین نماز کی حالت میں دریا کے اندر ایک مچھلی کودی۔ بس اب کہاں برداشت کی طاقت؟ جھٹ ایک مقتدی بول اٹھا کہ کیا کودا۔ دوسرا بھلا کیسے چپ رہتا وہ بولا اجی مچھلی ہوگی۔ تیسرے صاحب جو ذرا بقراط تھے تڑپ کر بولے۔ چپ رہو بولنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چوتھے کو غصہ آ گیا وہ بھی چلا کر بولا کہ تم کیوں بولے تمہاری نماز بھی تو ٹوٹ گئی۔ چاروں کو سن کر امام صاحب بول اٹھے کہ الحمد للہ! میں نہیں بولا۔ اس لیے میری نماز نہیں ٹوٹی۔ مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ آج کل کے مسلمان ایسی نماز پڑھتے ہیں کہ نماز کو مچھلی مارکیٹ بنا ڈالتے ہیں۔

افسوس برادرانِ ملت! کاش ہم سلف صالحین کی نمازوں پر ایک نظر ڈالتے کہ نمازوں میں ان کی توجہ الی اللہ اور خشوع و خضوع کا کیا عالم ہوتا تھا؟ اچھا آیئے۔ اب چند بزرگوں کی نمازوں کا حال سن لیجئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرات! مشہور واقعہ ہے کہ فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ میدان جہاد میں تھے کہ کسی کافر کا تیر آ کر آپ کی مقدس ران میں چبھ گیا۔ لوگوں نے نکالنا چاہا مگر نہ نکل سکا۔ پھر لوگوں نے یہ طے کیا کہ جب آپ نماز میں مشغول ہوں گے اس وقت تیر نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ جب مولائے کائنات نے نماز کی نیت باندھ لی تو لوگ آئے اور جونہی آپ سجدے میں گئے لوگوں نے تیر زور سے کھینچ کر نکال لیا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو دریافت فرمایا کہ شاید تم لوگ تیر نکالنے کے لیے جمع ہوئے ہو؟ لوگوں نے کہا ہم نے تیر نکال لیا۔ آپ نے فرمایا کہ الحمد للہ! مجھے خبر بھی نہیں ہوئی۔ (مثنوی شریف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی نماز

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں موتیا کا پانی اتر آیا۔ طبیب نے کہا کہ آپ کی آنکھوں کا اپریشن کر کے میں علاج کر سکتا ہوں۔ مگر چند دنوں آپ نماز نہیں پڑھ

سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر بھر اندھا رہنا گوارا ہے۔ مگر ایک وقت کی نماز چھوڑنا مجھے گوارا نہیں ہوسکتا۔

منقول ہے کہ آپ اذان کی آواز ہی سن کر زار و زار رونے لگتے تھے اور پھر نماز میں تو اس قدر روتے تھے کہ آپ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح مشہور صحابی ہیں۔ یہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کبھی کوئی وسوسہ یا دنیاوی خیال ان کو نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا کہ آج نماز میں شیطان نے مجھ پر بہت بڑا حملہ کیا۔ اس نے میرے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ میں پوری جماعت میں سب سے افضل ہوں۔ کیونکہ سب لوگوں نے مجھے امام بنایا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! میں اعلان کرتا ہوں کہ آج سے آئندہ اب میں کبھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی نماز

خاندان اہل بیت کے چشم و چراغ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ روزانہ بلا ناغہ ایک ہزار رکعت نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ وضو فرماتے تھے تو خوف الٰہی سے آپ کا چہرہ زرد پڑ جاتا تھا اور آپ کے جسم مقدس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مکان میں آگ لگ گئی مگر آپ نماز میں مشغول رہے۔ لوگوں نے آگ بجھا کر عرض کیا۔ حضور آپ کا مکان جلتا رہا اور آپ نماز پڑھتے رہے؟ ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ میں جہنم کی آگ کے خیال میں اس قدر محو ہو گیا تھا کہ مجھے اس دنیا میں آگ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔

حاتم بلخی رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرات! حاتم بلخی رضی اللہ عنہ جن کا کبار اولیاء میں شمار ہوتا ہے اور یہ حاتم زاہد کے لقب سے مشہور ہیں۔ ایک مرتبہ عصام محدث نے ان سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میرا یہ حال ہوتا ہے کہ گویا کعبہ میری نگاہوں کے سامنے ہے اور میرا پاؤں پل صراط پر ہے۔ اور جنت میرے داہنی جانب اور دوزخ میرے بائیں طرف ہے اور موت کا فرشتہ میرے سر پر ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے۔ اس کے بعد نماز شروع کرتا ہوں اور انتہائی خضوع اور خشوع کے

ساتھ رکوع وسجود کرتا ہوں اور اس طرح نماز پڑھ کر خدا کی رحمت سے قبولیت کی امید بھی رکھتا ہوں۔ اور اس خوف سے روتا بھی ہوں کہ کہیں میری نماز میرے منہ پر نہ ماردی جائے۔ یہ سن کر عصام محدث رونے لگے اور کہا کہ اے حاتم بلخی! تم تیس برس سے اس طرح نماز پڑھتے ہو۔ افسوس! کہ تمام عمر میں مجھے ایک نماز بھی ایسی نصیب نہیں ہوئی۔

حاتم بلخی عمر بھر نماز باجماعت کے پابند رہے۔ ایک مرتبہ ساری زندگی میں ان کی ایک وقت کی جماعت چھوٹ گئی تو آپ رنج وغم سے نڈھال ہو گئے۔ دو ایک احباب تعزیت کے لیے آئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر آج میرا بیٹا مر گیا ہوتا تو آدھا بلخ تعزیت کے لیے میرے پاس آتا۔ مگر میری جماعت فوت ہوگئی۔ تو دو آدمی تعزیت کے لیے آئے۔ افسوس! لوگوں کی نظر میں دین کی مصیبت دنیا کی مصیبت سے ہلکی نظر آنے لگی۔

ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ کی نماز

ایک شخص نے حضرت ذوالنون مصری کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ اس کا بیان ہے کہ جب آپ نے "اللہ اکبر" کہا تو ان پر جلال ربانی کا ایسا غلبہ ہوا کہ گویا ان کی روح پرواز کر گئی اور میرے قلب پر ان کی تکبیر کا یہ اثر ہوا کہ میرا دل خدا کی ہیبت سے لرز اٹھا۔

محمد بن نصر مروزی رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرات! محمد بن نصر مروزی اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے۔ ان کا لقب فقیہ ہے۔ ان کی نماز کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ نماز کی حالت میں ان کی پیشانی پر ایک بھڑ بیٹھ گئی اور اس نے اس زور کا ڈنگ مارا کہ ان کے چہرے پر خون بہہ نکلا۔ مگر یہ سکون واطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ (اولیاء رجال الحدیث)

عبدالرحمٰن بن نعم بجلی رضی اللہ عنہ کی نماز

عبدالرحمٰن بن نعم بجلی تابعی محدث ہیں۔ انتہائی عبادت گزار اور پرہیزگار عالم باعمل تھے۔ حجاج بن یوسف ظالم ان کی حق گوئی پر ان کا دشمن ہو گیا اور ان کو گرفتار کر کے اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا اور پندرہ دن تک دروازے کو مقفل رکھا۔ پھر حجاج نے حکم دیا کہ تالا کھول کر ان کی لاش کو دفن کر دو۔ غالباً لاش سڑ چکی ہوگی۔ مگر جب تالا کھولا گیا تو یہ نظر آیا کہ آپ نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ اطمینان سے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حجاج ظالم آپ کی یہ کرامت دیکھ کر دنگ رہ گیا اور

پھر اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے آپ کو رہا کر دیا۔(اولیاء رجال الحدیث)

معلیٰ بن منصور رضی اللہ عنہ کی نماز

حضرات! معلیٰ بن منصور رازی جو امام ابو یوسف و امام محمد کے شاگرد رشید اور حنفیوں کے مایہ ناز محدث ہیں۔نماز میں ان کا خشوع حد کرامت کو پہنچا ہوا تھا۔ایک مرتبہ عین نماز کی حالت میں بھڑوں کا چھتہ ان کے سر پر گرا۔مگر یہ نہایت اطمینان کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔نماز کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ بھڑوں نے ان کے سر میں اس قدر ڈنگ مارے تھے کہ سر میں کافی ورم ہو گیا تھا۔(اولیاء رجال الحدیث)

منصور بن معتمر رضی اللہ عنہ کی نماز

منصور بن معتمر کوفی دودِ تابعین کے جلیل القدر محدث ہیں۔سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ ابھی ان کا انتقال ہو جائے گا۔داڑھی سینے سے لگی ہوئی خضوع و خشوع کا پیکر بنے ہوئے رات بھر نماز میں مشغول رہتے۔جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان کے پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اے باپ! ہمارے پڑوسی کی چھت پر جو ایک ستون تھا وہ کب گر گیا؟ بچی کے سوال کی وجہ یہ تھی کہ منصور بن معتمر دن میں کبھی چھت پر نہیں چڑھتے تھے۔صرف رات میں چھت پر کھڑے ہو کر ساری رات نماز پڑھتے تھے۔تو وہ بچی یہ سمجھی تھی کہ یہ کوئی ستون ہے۔آپ کی باکرامت عبادت کا اس سے اندازہ لگالو کہ آپ نے ساٹھ برس تک روزانہ دن میں روزہ رکھا اور ہر رات نفل نمازوں میں گزاری۔(اولیاء رجال الحدیث)

اللہ اکبر!

یہ جذب الٰہی کے پھندے کہاں ہیں　　　یہ اللہ کے پاک بندے کہاں ہیں

برادرانِ ملت! میں کہاں تک سلف صالحین کی نمازوں کے خضوع و خشوع کا حال آپ کو سناؤں؟ بس رنج و قلق تو یہی ہے کہ ہم لوگوں نے سلف صالحین کے طریقوں پر چلنا چھوڑ دیا۔ہم نماز بھی پڑھتے ہیں تو وہی مثل صادق آتی ہے کہ سر سجدے میں اور دل دغابازی میں ہوا کرتا ہے۔میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ ہماری نمازوں کو نماز کہنا درحقیقت نماز کی توہین ہے۔مجھے آج کل کے نئے نمازیوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو نماز پڑھ کر اکڑتے پھرتے ہیں کہ ہم نمازی ہیں۔

کسی شاعر نے کتنی عبرت آموز بات کہی ہے۔

نہیں ہے جوش بلالی و حیدری تجھ میں
ستم ہے اپنی نمازوں پہ گر تو ناز کرے
خودی کو چھوڑ کے محو نمازیوں ہو جا
کہ خود نماز ہی تیری ادا پہ ناز کرے

برادرانِ ملت! مجھے اس موقع پر حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نقشبندی دہلوی رضی اللہ عنہ کا ایک قطعہ یاد آ گیا۔ غور فرمایئے کہ ان اللہ والے مقدس اولیاء پر خضوع و خشوع اور خوف و خشیت خداوندی کا کتنا غلبہ تھا؟ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ۔

بر نماز و روزہ و برسو و ساز خود مناز
یار بے پرواست ہر گز بر نیاز خودمناز
انفعال جرم بہتر از غرور طاعت است
مظہر! اے دور از حقیقت! بر نماز خود مناز

یعنی نماز اپنی نماز و روزہ اور اپنے سوز و ساز پر ناز مت کرو۔ کیونکہ یادِ حقیقی یعنی خداوند قدوس بے پرواہ ہے۔ لہٰذا تم اپنے نیاز پر ناز مت کرو۔ گناہ کر کے انسان اپنے جرم پر نادم و شرمندہ ہو جائے یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان کوئی عبادت کر کے غرور کرے۔ اے مظہر! اے حقیقت سے دور! تو اپنی نماز پر کبھی ناز مت کر۔

اللہ اکبر! مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ ہیں خضوع و خشوع کے پیکر اور تواضع کے مجسمے کہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کی تمام منازل طے کر چکے ہیں۔ مگر اپنے کو حقیقت سے دور بتاتے ہوئے اپنے نفس کو تنبیہ فرما رہے ہیں۔ کہ خبردار! ہرگز ہرگز کبھی تم اپنی نماز اور روزے پر غرور اور گھمنڈ نہ کرنا۔ کیونکہ خداوند عالم کی ذات بے نیاز کو تمہارے عجز و نیاز کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ لہٰذا تم اپنی نماز/اپنے نیاز/اپنے سوز ساز پر کبھی ناز نہ کرنا۔ اگر تم سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور تم اپنے جرم پر شرمندہ ہو کر اشک ندامت بہاتے ہوئے خداوند کریم کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کر لو تو تم اس عبادت گزار سے لاکھوں درجہ بہتر ہو جو عبادت کر کے اپنی عبادت پر غرور سے اکڑتا پھرتا ہے۔

محترم بزرگو اور بھائیو! آج کل یہ مرض بہت پھیلا ہوا ہے۔ خصوصاً آج کل کے تبلیغی نمازیوں میں تو اس کی وبا پھیل چکی ہے۔ جس زمانے میں میں گجرات کے دیہاتوں کا دورہ کر رہا تھا۔ تو اکثر جگہ یہ سننے میں آیا کہ کچھ لوگ مسجدوں میں لوگوں کو کلمہ پڑھا کر یہ وعظ سنایا کرتے تھے۔ کہ بھائیو! تم لوگ حضرت غوث پاک کی بزرگی بہت دنوں سے سنتے آ رہے ہو۔ مگر کیا رکھا

ہے غوث پاک میں؟ تم لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور تبلیغ کے چلے میں نکلتے رہو۔ تو تم بھی غوث پاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس تبلیغ کا دیہاتیوں پر یہ اثر پڑا کہ بزرگان دین کی عظمت ان کے دلوں سے نکل گئی اور جس نے چار انگل کی داڑھی رکھ لی اور پانچوں وقت نماز پڑھنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو یہی سمجھنے لگا کہ میں اب حضرت غوث پاک سے زیادہ سے زیادہ جو بھر چھوٹا ہوں۔

نماز کے بعد وحی کا انتظار

چنانچہ آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ ایک ایسا سر پھرا نمازی تھا۔ جو ہر رکعت کے بعد سلام پھیر کر آسمان کی طرف آنکھ پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بھائی! تم ہر دو رکعت کے بعد اوپر گھور گھور کر کیوں دیکھتے ہو؟ تو وہ کہنے لگا کہ اجی! بات یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی پانچ وقتوں کی نماز پڑھتے تھے۔ تو ان پر حضرت جبرائیل علیہ السلام قرآن کی وحی لایا کرتے تھے تو اب میں نے بھی جمعے کے دن سے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔ لہٰذا انتظار کرتا ہوں کہ پورا قرآن تو نہیں مگر دو ایک سورت تو لے کر حضرت جبرائیل میرے پاس بھی آتے ہی ہوں گے۔ اسی لیے سر اٹھا کر اوپر دیکھا کرتا ہوں۔

سن لیا آپ نے ان نئے نمازیوں کا غرور؟ دو رکعت نماز پڑھی اور وحی کا انتظار کرنے لگے۔ ہمارے یوپی کی مثل نئے نمازی اور پھلواڑی کی تسبیح تو آپ نے سنی ہوگی مگر یہ آپ نے نہیں سنا ہوگا کہ نئے نمازی اور وحی کا انتظار اسی کو کہتے ہیں کہ سوئیں بھاڑ میں اور خواب دیکھیں عرش معلیٰ کا۔

مسلمانو! سنو۔ پنج وقتہ باجماعت نمازیں پڑھو اور انتہائی اخلاص اور خضوع وخشوع کے ساتھ پڑھو۔ مگر نمازیں پڑھ کر خدا سے ڈرو اور رو رو کر اور گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگو کہ وہ اپنے کرم سے تمہاری نمازوں کو قبول فرما لے۔ اور ہرگز ہرگز اپنی نمازوں پر غرور اور گھمنڈ مت رکھو بلکہ ہر وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کہیں تمہاری نمازیں تمہارے منہ پر نہ ماردی جائیں۔

مسلمانو! کون نہیں جانتا کہ شیطان کی لاکھوں برس کی عبادت ایک غرور و تکبر کی وجہ سے اس کے منہ پر ماردی گئی۔ اور ابدالآباد تک کے لیے وہ مردود بارگاہ الٰہی ہو گیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے پر ہزاروں سال گر سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

خداوند کریم اپنے مقبول ومحبوب بندوں کے طفیل ہم سب مسلمانوں کو اخلاص اور خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز باجماعت کی توفیق عطا فرمائے اور غرور و تکبیر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ یا رب العلمین۔

وما علینا الا البلاغ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

حقانی تقریریں

تصنیف

حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

نام کتاب ——— حقانی تقریریں
مصنف ——— علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہٗ
اشاعت ——— اکتوبر ۲۰۰۳ء
تعداد ——— ۶۰۰
کمپوزنگ ——— عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور
قیمت ——— روپے

ملنے کا پتہ
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سینٹر 40 اردو بازار لاہور

فہرست حقانی تقریریں

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
نگاہِ اولیں	۱۰	حضرت معاویہ بن الحکم کا قول	۳۶
پندرھواں وعظ		حضرت ذوالخویصرہ کی تعلیم	۳۷
خُلق عظیم	۱۳	دشمنوں کی گواہیاں	۳۹
عربی کے دو شعر	۱۷	ابوسفیان دربار ہرقل میں	۳۹
دعویٰ مع دلیل	۱۹	کفار قریش کا اقرار	۴۰
خلق کیا ہے؟	۲۱	عکرمہ اور صفوان کا اسلام	۴۱
قرآن حضور ﷺ کا خلق ہے	۲۲	درخت اخلاق کی شاخیں	۴۳
اخلاق نبوت کے چند گواہ	۲۲	حلم وکرم	۴۴
حضرت خدیجہ الکبریٰ کی گواہی	۲۴	شرم وحیاء	۴۴
حضرت عائشہ صدیقہ کی شہادت	۲۶	جود وسخا	۴۵
لطیفہ	۲۸	محبت ومروت	۴۵
آیت تخییر	۲۹	ایثار وقربانی	۴۶
خدام کی گواہیاں	۳۱	گوشت پتھر ہو گیا	۴۶
حضرت انس کا بیان	۳۱	تواضع وانکساری	۴۷
حضرت ابوطفیل نے کیا دیکھا؟	۳۲	ساقی کوثر چاہِ زمزم پر	۴۷
حضرت زید بن حارثہ نے کیا کہا؟	۳۳	صبر ورضا	۴۸
شاگردوں کی گواہیاں	۳۶	خوش روئی وملنساری	۴۹

عنوان	صفحہ
سولہواں وعظ	
اُسوۂ حسنہ	۵۰
انسان کس کی پیروی کرے؟	۵۲
نبی اور غیر نبی	۵۳
ایک ڈاکٹر اور نبی	۵۴
ایک جنرل اور نبی	۵۵
ایک لیڈر اور نبی	۵۶
صلح حدیبیہ	۵۷
ہاتھی اور پانچ اندھے	۶۰
عالمی امن کیوں کر ہو؟	۶۲
حدیثِ حقوق	۶۴
حقوقِ زوجین	۶۵
میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس	۶۵
حضرت ابوطلحہ کی مہمان نوازی	۶۷
بی بی اُم سلیم کا شاہکار	۶۷
لیڈی اور صاحب بہادر	۶۹
شادی کی لغو رسوم	۷۰
شہزادیٔ اسلام کی شادی	۷۱
والدین اور اولاد کے حقوق	۷۲
پڑوسی کا حق	۷۳
حقوق المسلمین	۷۳
رشتہ داروں کے حقوق	۷۴
مزدور اور سرمایہ دار	۷۴
حاکم و محکوم	۷۴
اسوۂ رسول کی جامعیت	۷۵
لطیفہ	۷۷
اُمید کی کرن	۷۸
سترہواں وعظ	
خلفاء راشدین	۸۰
فضائل صحابہ	۸۳
خدا کا انتخاب	۸۴
صحابہ کے دوست اور دشمن	۸۶
حضرت صدیق اکبر	۸۹
حضرت صدیق اکبر اور قرآن	۹۰
آپ کی صحابیت	۹۱
سکینہ کس پر اُترا؟	۹۱
افضل البشر بعد الانبیاء	۹۳
حضرت صدیق اکبر اور احادیث	۹۴
حضرت عمر کا قول	۹۶
حضرت علی کا ارشاد	۹۶
نام و نسب	۹۷
زمانہ جاہلیت	۹۷
آپ کا اسلام	۹۷
آپ کی شجاعت	۹۸
آپ کی سخاوت	۹۹
آپ کا علم	۹۹

عنوان	صفحہ
ہجرت کے بعد	۱۰۰
حضرت صدیق اکبر کا ایک خطبہ	۱۰۳
بیعت وخلافت	۱۰۳
آپ کی تنخواہ	۱۰۳
آپ کی سادگی وتواضع	۱۰۴
وفات	۱۰۴
آپ کا وصیت نامہ	۱۰۵
آپ کی خصوصیات	۱۰۵
آپ کی چند اولیات	۱۰۵
امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۰۷
آپ کے فضائل	۱۰۸
حضرت صدیق اکبر کی شہادت	۱۱۰
حضرت علی کا قول	۱۱۰
آپ کی زندگی کے تین دور	۱۱۱
دورِ جاہلیت	۱۱۲
دورِ اسلام	۱۱۲
ہجرت	۱۱۴
نصرت اسلام	۱۱۴
دورِ خلافت	۱۱۶
اسلامی خدمات	۱۱۷
نظامِ سلطنت	۱۱۸
احتساب عمال	۱۱۸
رعایا کی خبر گیری	۱۱۹
آپ کی کرامات	۱۱۹
آپ کی سادگی	۱۱۹
آپ کی شہادت	۱۲۰
آپ کی وصیتیں	۱۲۱
امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۲۳
قرابت رسول	۱۲۳
آپ کا اسلام	۱۲۵
آپ کی ہجرت	۱۲۵
آپ کا علم	۱۲۶
آپ کے فضائل	۱۲۶
آپ کا دورِ خلافت	۱۲۹
آپ کی شہادت	۱۳۰
حضرت مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ	۱۳۳
باغیوں سے خطاب	۱۳۳
امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۶
ولادت	۱۳۶
اخوت رسول	۱۳۷
آپ کا اسلام	۱۳۷
آپ کا عمل	۱۳۸
ایک عجیب وغریب فیصلہ	۱۳۸

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
آپ کی شجاعت	۱۳۹	واقعاتِ شہادت	۱۶۵
فاتح خیبر	۱۴۰	یزید پلید	۱۶۵
آپ کے فضائل	۱۴۱	روضہ پاک پر امام کا آخری سلام	۱۶۹
ابوتراب	۱۴۲	کوفیوں کی ڈیڑھ سو عرضیاں	۱۷۰
حضرت ہارون و حضرت موسیٰ کی تشبیہ	۱۴۳	حضرت امام کوفہ کیوں گئے؟	۱۷۱
روافض کا ایک شبہ	۱۴۴	حضرت مسلم کی روانگی	۱۷۲
ایک رافضی مولوی اور جاہل سنی	۱۴۵	کوفیوں کی بدعہدی	۱۷۴
لطیفہ	۱۴۶	حضرت مسلم کی شہادت	۱۷۵
بیعت خلافت	۱۴۷	حضرت امام کوفہ روانہ ہوئے	۱۷۶
آپ کی شہادت	۱۴۸	کربلا جانے والے اہل بیت	۱۷۸
اٹھارہواں وعظ		حضرت مسلم کی شہادت کی خبر	۱۷۹
شہداء کربلا	۱۵۱	حر اور ایک ہزار سوار	۱۸۰
فضائل اہل بیت	۱۵۵	حضرت امام کربلا میں	۱۸۲
آیت مباہلہ	۱۵۶	ابن سعد	۱۸۳
خطبہ غدیر خم	۱۵۷	اہل بیت پر پانی بند	۱۸۴
خطبہ حجۃ الوداع	۱۵۸	حضرت امام کی استقامت	۱۸۵
امام شافعی کے دو شعر	۱۵۸	دسویں محرم کا قیامت نما دن	۱۸۷
حضرت علی رضی اللہ عنہ	۱۶۰	کربلا میں حسینی کرامات	۱۸۸
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا	۱۶۰	عبداللہ کلبی	۱۹۰
حضرات حسنین رضی اللہ عنہم	۱۶۱	مسلم بن عوسجہ	۱۹۰
اچھی سواری اور پیارا سوار	۱۶۱	وہب بن عبداللہ	۱۹۱
حضرت امام حسن کی شہادت	۱۶۲	حر کی جانبازی	۱۹۴
زمین کربلا کا خونیں منظر	۱۶۲	حضرت قاسم رضی اللہ عنہ	۱۹۹

عنوان	صفحہ
حضرت عباس بن علی رضی اللہ عنہما	۲۰۳
حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ	۲۰۸
حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ	۲۱۲
حضرت امام عالی مقام کی شہادت	۲۱۵
یزیدیوں کی غنڈہ گردی	۲۲۱
رحمت عالم کو صدمہ عظیم	۲۲۱
اندھیرا اور خون کی بارش	۲۲۱
جنوں کی نوحہ خوانی	۲۲۲
یزید پلید کی ہلاکت	۲۲۲
ستم گاروں کا برا انجام	۲۲۳
مختار بن عبید کا کارنامہ	۲۲۴
عبیدہ اللہ بن زیاد کا سر	۲۲۴
ناک میں سانپ	۲۲۵
ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول	۲۲۵
قدرتی انتقام	۲۲۵
انیسواں وعظ	
قربانی	۲۲۸
قربانی کا فلسفہ	۲۳۰
حسینی سادات کی مثال	۲۳۱
فضائل قربانی	۲۳۲
دین میں عقل کا چکر	۲۳۳
ہر بال کے بدلے ایک نیکی	۲۳۴
ایک علمی نکتہ	۲۳۵
خلیل اللہ	۲۳۶
بیٹے کی قربانی	۲۳۷
قربانی کا جانور	۲۴۱
لطیفہ	۲۴۲
قربانی واجب ہے	۲۴۲
قربانی کا طریقہ	۲۴۲
قربانی کا گوشت	۲۴۳
قربانی کی کھال	۲۴۳
تکبیر تشریق	۲۴۳
بیسواں وعظ	
حضرت غوث اعظم	۲۴۵
ولادت اور خاندان	۲۴۷
آپ کا بچپن	۲۴۹
تعلیمی سفر	۲۵۰
ورودِ بغداد	۲۵۱
آپ کا صبر و استقلال	۲۵۱
سوال نہ کرنے کا عہد	۲۵۲
لطیفہ	۲۵۳
آپ کا علمی تبحر	۲۵۴
ایک سو علماء غوث کے قدموں پر	۲۵۴
تصوف و سلوک	۲۵۵
ریاضت و مجاہدہ	۲۵۶
شیطان کا حملہ	۲۵۷

عنوان	صفحہ
بیعت وخلافت	۲۵۸
مسند ارشاد پر	۲۵۹
نبی وعلی کی زیارت	۲۵۹
اعلاء کلمۃ الحق	۲۶۰
آپ کی ہیبت	۲۶۱
آپ کا قدم اولیاء کی گردن پر	۲۶۱
ابوبکر بن ہوارا	۲۶۳
تاج العارفین محمد کا کیس	۲۶۴
حضرت شہاب الدین سہروردی	۲۶۶
علی ہیتی رحمۃ اللہ علیہ	۲۶۶
چند کرامتیں	۲۶۷
پکی ہوئی مرغی زندہ ہوگئی	۲۶۸
چیل کو مار کر زندہ کر دیا	۲۶۸
طوفان سے کشتی نکال دی	۲۶۹
فرزند کی بشارت	۲۶۹
احمد جام کا شیر	۲۷۱
مفت کے اڑھائی لاکھ دینار	۲۷۱
مفلوج اور اندھا شفا پا گیا	۲۷۲
گم شدہ اونٹ	۲۷۳
دریائے دجلہ کا سیلاب	۲۷۳
بارش روک دی	۲۷۴
اشرفیوں سے خون ٹپکا	۲۷۴
کرامتی سیب	۲۷۵
اتباع شریعت	۲۷۶
مسند مشیخت کے شرائط	۲۷۶
وفاتِ مبارک	۲۷۶
آپ کی مقدس بیویاں	۲۷۷
آپ کی اولاد	۲۷۷
تاریخ وفات	۲۷۷

ایصالِ ثواب

میں اپنی اس تالیف کے ذریعے اپنے استاد محترم حضرت صدر الشریعہ مولانا الحاج امجد علی صاحب قبلہ مصنف ''بہار شریعت'' متوفی ۱۳۶۷ھ اور اپنے مرشد طریقت حضرت حافظ الحاج شاہ محمد ابرار حسن خان صاحب قبلہ نقشبندی مجددی متوفی ۱۳۷۰ھ علیہ الرحمۃ و الرضوان اور دوسرے اساتذِ کرام کی ارواحِ طیبہ کو ایصال ثواب کرتا ہوں۔ ناظرین کرام بھی ان بزرگوں کو ایصالِ ثواب فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔

نگاہِ اوّلیں

دل کے نقوش ہیں انہیں رکھنا سنبھال کر
کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

میں اپنے رب کریم کی بارگاہ عظمت میں انتہائی جذبہ تشکر کے ساتھ اپنی جبین عبودیت کو ہزاروں بار سجدۂ شکر سے سرفراز کرتے ہوئے یہ عرض کرنے میں روحانی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ الحمدللہ ''ایمانی تقریریں'' کا تیسرا حصہ بخیر وخوبی حسب وعدہ پورا ہوگیا۔ اور توفیق ربانی کی بدولت اپنی عملی تہی دستی اور بے پناہ مصروفیات کے باوجود میں اپنے احباب وتلامذہ کی ایک دیرینہ تمنا کو پوری کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہوگیا۔

برسوں سے مخلصین کا اصرار تھا کہ میں عام فہم اور سلیس زبان میں چند اسلامی تقریروں کا ایک ایسا مجموعہ قلمبند کردوں جس سے علماء وطلبہ اور عوام سبھی اعلیٰ حسب مراتب مستفید ہوسکیں۔ چنانچہ رمضان ۱۳۸۷ھ کی تعطیل میں قلم برداشتہ سات تقریروں کا ایک مجموعہ مرتب کردیا جو ''ایمانی تقریریں'' کے نام سے طبع ہوکر نذر ناظرین ہوا۔ اور الحمدللہ! کہ مولیٰ عزوجل نے اپنے فضل وکرم سے میری اس حقیر تالیف کو اس قدر قبول فی الارض کی کرامتوں سے نوازا کہ بغیر کسی خاص اعلانِ کے واعظین طلبہ اور عوام نے اس کو ایک نادر الوجود علمی تحفہ سمجھ کر اس جوش و خروش کے ساتھ خرید لیا کہ چند ہی ماہ میں اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ اور اس کے دوسرے حصہ کے لئے احباب کا اس قدر شدید اصرار ہوا کہ تقاضا ناموں کا انبار لگ گیا اور کتاب تحریر کرنے سے پہلے ہی تقریباً دو سو جلدوں کا آرڈر موصول ہوگیا۔ چنانچہ رمضان ۱۳۸۸ھ کی تعطیل میں مجھے انتہائی عجلت کے ساتھ اس کا دوسرا حصہ سات تقریروں کا مجموعہ تحریر کرنا پڑا۔ جو بحمدہ تعالیٰ ''نورانی تقریریں'' کے نام سے مطبوع ہوکر شائع ہوا۔ تو ناظرین کرام نے اس کو بھی

میری امیدوں سے کہیں زیادہ تحسین وآفرین کے ساتھ نوازااور پھراس کے تیسرے حصہ کے لئے تقاضا شروع کر دیا۔اوراس قدران کا اشتیاق بڑھ گیا کہ بعض احباب نے جذبہ شوق میں اس کی طباعت سے پہلے ہی سینکڑوں جلدوں کے آرڈر روانہ کر دیے۔چنانچہ الحمداللہ! کہ آج اس کا تیسرا حصہ نذر احباب کرنیکی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور شہر ٹانڈہ کے مشہور باکرامت ولی حضرت مولانا حقانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی سے شہرت انتساب حاصل کرتے ہوئے چھ تقریروں کا یہ مجموعہ ''حقانی تقریریں'' کے نام سے قدردانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جو مندرجہ ذیل عنوانوں پر مشتمل ہے۔

۱-خلق عظیم ۲-اسوۂ حسنہ ۳-خلفاء رواشدین

۴-شہداء کربلا ۵-قربانی ۶-غوثِ اعظم

مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنی علمی کم مائیگی اور عدیم الفرصتی کے باعث کما حقہ احباب کی تمناؤں کی تکمیل نہ کر سکا اور جیسا کہ چاہئے میں ان تقریروں میں شوکت الفاظ، جدت تراکیب، ندرتِ معانی اور ولولہ انگیز طرزِ بیان کا نمونہ نہیں پیش کر سکا مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے بغیر کسی بخل کے نہایت فراخدلی اور جذبۂ اخلاص کے ساتھ اپنی تقریروں کے خاص خاص عنوان اور مضمون نہایت ہی سادہ الفاظ اور سلیس زبان میں پیش کر دیے ہیں لہٰذا قدردان احباب سے ملتجی ہوں کہ غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے اور میری اس حقیر خدمت کو اپنے دامن قبولیت میں پناہ دے کر میری حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔کیونکہ

سجائی تو ہے بزم ، واعظ نے لیکن
دلوں کی کمی ہے ، نگاہیں بہت ہیں

آخر میں اپنے ان تمام محسنین اور احباب وتلامذہ کا شکر گزار ہوں کہ جنھوں نے اپنی تحسین وآفرین سے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور میری تصنیفات کی اشاعت میں خاص طور پر حصہ لیا۔بالخصوص اپنے تلمیذ ارشد خیر الاذکیا، مولانا الحاج احمد شاہ ایم بخاری کچھی صاحب کے لئے جذبہ اخلاص کے ساتھ دعا گو ہوں کہ موصوف نے مجھ فقیر کو اور میری حقیر تالیفات کو افریقہ جیسے دور دراز ممالک میں بھی روشناس کرایا۔مولیٰ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ قبولیت

دارین کی کرامتوں سے سرفراز فرمائے۔(آمین)

اور تمام ناظرین کرام سے نگاہ کرم کا امیدوار اور دعاؤں کا درخواست گار ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ مجھے بیش از بیش ان دینی خدمات کی توفیق بخشے اور میری تصنیفات کو قبول فرما کر عامتہ المسلمین کے لئے ذریعہ نجات اور باعث ہدایت اور مجھ گناہ گار کے لئے زاد آخرت وسامان مغفرت بنائے۔آمین۔

غرض نقشے است کز ما یاد ماند　　　که ہستی را نمی بینم بقائے

عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
یکم رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ
مطابق ۱۲، نومبر ۱۹۶۹ھ
گھوسی۔ضلع اعظم گڑھ

اس کتاب کے حصہ اول ''ایمانی تقریریں'' میں سات وعظ اور اس کے دوسرے حصہ ''نورانی تقریریں'' میں سات وعظ گزر چکے۔ اب اس کا تیسرا حصہ ''حقانی تقریریں'' پندرہویں وعظ سے شروع ہوتا ہے۔

پندرھواں وعظ

خلقِ عظیم

محمد یعنی وہ نقش نخستیں کلک فطرت کا
کیا جس نے مکمل نسخہ ''اَخلاقِ انسانی''

مناجات

یارب ! زکرم برمن درویش نگر
برحالِ من خستہ و دل ریش نگر
ہر چند نیم لائق بخشائش تو
برمن منگر ، بر کرمِ خویش نگر

نعت

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسٓ ، وہی طٰہٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ نَبِیَّہٗ عَلَی الْعَالَمِیْنَ بِخُلُقٍ عَظِیْمٍ وَھَدَی النَّاسَ بِھَدْیِہٖ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ ، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥ نٓ ٥ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ٥ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ٥ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْراً غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ٥ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔

برادرانِ ملت! صاحب خلق عظیم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت بہ آواز بلند پیش کیجئے اور پڑھیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

بزمِ ہستی کے تاجدار آئے ۔۔۔ گلشن دہر کی بہار آئے
جس کے دامن میں چھپ سکے دنیا ۔۔۔ وہ رسولِ کرم شعار آئے

حضرات گرامی! میں نے اس وقت "سورۃ القلم" کی چند ابتدائی آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے اور آج اپنی تقریر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کے ایک خاص عنوان یعنی اخلاقِ نبوت پر چند کلمات عرض کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

محترم حاضرین! حقیقت تو یہ ہے کہ سیرت مبارکہ کے تمام مضامین کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "خلق عظیم" کا عنوان بھی وہ بحر ناپیدا کنار ہے کہ مجھ جیسے کم علم کے لئے اس اہم موضوع پر تقریر تو کجا؟ لب کشائی کی جرأت کرنا بھی دشوار ہے بڑے بڑے اقلیم سخن کے تاجدار اور میدان فصاحت کے شہسوار جب "نعت رسول" صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل میں پہنچے تو یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یعنی اگرچہ ہزاروں مرتبہ میں مشک وگلاب سے اپنا منہ دھولوں پھر بھی اے محبوب! صلی

اللہ علیہ وسلم آپ کی مداح وثنا تو کیا؟ میں اپنے منہ سے آپ کا نام لینا بھی اعلیٰ درجے کی بے ادبی سمجھتا ہوں۔

تو پھر برادرانِ ملت میں کیا اور میری بساط ہی کیا؟ جو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خلق عظیم'' کے عنوان پر کوئی مبسوط تقریر کرسکوں بہر حال مجھ بے علم و بے عمل کے لئے یہی شرف کیا کم ہے کہ ۔

مَا اِنْ مَّدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
لٰکِنْ مَّدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٖ

یعنی میں تو اپنی تقریر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کما حقہٗ مدح وثنا نہیں کرسکتا۔ لیکن اتنا اعزاز وشرف تو مجھے ضرور ہی حاصل ہو جائیگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس نسبت کی بدولت میری تقریر ضرور مدح وثناء کے قابل ہو جائے گا۔

برادران اسلام! آپ یقین فرمائیں کہ میں تو اتنے ہی شرف پر فخر کے ساتھ اپنے رب کریم کا شکر گزار ہوں اور محض اس تصور ہی پر مست الست ہوں کہ ۔

انہی کی محفل سجا رہا ہوں' چراغ میرا ہے رات ان کی
انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

حضرات! مجھے اس وقت حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ کا ایک شعر یاد آ گیا جو بالکل میرے حال کے مطابق ہے وہ فرماتے ہیں کہ ۔

نمی دانم کی آخر چوں دم دیدار می رقصم
مگر نازم برآں ذوقے کہ میں پیش یار می رقصم

یعنی میں یہ تو نہیں جانتا کہ آخر محبوب کے دیدار کے وقت میں رقص کیوں کرنے لگتا ہوں ؟ لیکن میں تو اس ذوق پر ناز کرتا ہوں کہ میں اپنے یار کے سامنے اچھلتا کودتا اور ناچتا ہوں بس یہی حال ہمارا ہے۔ کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی اور مدح ثناء تو بھلا کہاں سے کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ہم کیا اور ہماری حقیقت ہی کیا؟ لیکن ہم تو صرف اس ذوق تصور پر نازاں ہوکر جوش مسرت سے اچھل کود رہے ہیں کہ ہماری زبان ہے اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے اور ہماری زندگی کی یہ ایک ایسی رات ہے جس میں پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ماوشما تو کس گنتی میں ہیں؟ بڑے بڑے صاحبانِ نظر اور مملکت علوم و معارف کے سلاطین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کی شرح و بیان سے عاجز ہی

رہے حضرت حافظ شیرازی نے کیا ہی خوب فرمایا۔

ایں شرح بے نہایت کر لطف یا گفتند
حرفیست از ہزاراں کا بذر عبارت آمد

یعنی محبوب کے حسن و جمال اور ان کی خوبی لطافت کے بارے میں آج تک جو بے انتہا شرحیں اور تقریریں بیان کی گئیں وہ اس کے ہزارویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہیں جو باقی رہ گئی ہیں۔

عربی کے دو شعر

برادران ملت! نبی بے مثال یعنی پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کا ذکر آ گیا ہے تو عربی کے دو شعر اور سن لیجئے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ شاعر نے کتنے نفیس پیرائے میں جمال نبوت کی تصویر کشی کی ہے؟۔

نَبِیُّ جَمَالٍ کُلُّ مَا فِیْهِ مُعْجِزٌ مِّنَ
الْحُسْنِ لٰکِنْ وَجْهُهُ الْاٰیَةُ الْکُبْرٰی
یُنَادِیْ بِلَالُ الْخَالِ فِیْ صَحْنِ خَدِّهٖ
یُطَالِعُ مِنْ لَاْلَاءِ غُرَّتِهِ الْفَجْرَ

یعنی میرے آقا تو جمال کے نبی ہیں یوں تو ان کے حسن و جمال اور خوبی کی ہر ہر ادا اور ہر ہر چیز ایک معجزہ ہے لیکن خصوصیات کے ساتھ ان کا چہرہ تو آیت کبریٰ یعنی سب سے بڑا معجزہ ہے ان کے گورے گورے مقدس گال کے صحن میں کالے تل کا بلال اذان دینے کے لئے ان کی روشن پیشانی سے صبح صادق کا مطالعہ کرتا رہتا ہے۔

سبحان اللہ! ماشاء اللہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس رخسار میں تل کی کتنی بہترین تشبیہ پیش کی ہے واللہ جی چاہتا ہے کہ اس شعر کو بار بار پڑھتے رہیے اور وجد کرتے رہیے۔ پڑھیے درود شریف جھوم جھوم کر۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

خیر برادران ملت! بہرکیف میری آج کی تقریر کا موضوع ''اخلاق نبوت'' ہے۔ چنانچہ میں نے خطبہ کے بعد جن آیات کریمہ کو تلاوت کیا ہے اب میں ان کا ترجمہ اور تفسیر عرض کرتا ہوں لیکن مناسب سمجھتا ہوں کہ ترجمہ و تفسیر سے پہلے ان آیات بینات کا شان نزول بھی آپ کو

سنادوں اور بتادوں کہ کہاں، کب اور کیوں یہ مقدس آیتیں نازل ہوئیں؟ تو میرے بزرگو اور بھائیو! واقعہ یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ وغیرہ دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار مکہ نے ایک دن انتہائی گستاخی اور بے ادبی کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں کہا کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِىْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ یعنی اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا تم یقیناً مجنون ہو۔

کفار نے گلشن نبوت کے سب سے حسین پھول یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شان میں کتنی بڑی بے ادبی اور گستاخی کی۔ مگر قربان جایئے رحمۃ للعالمین کے خلق عظیم پر کہ آپ نے ظالموں کی اس گستاخی اور بے ادبی کو اپنے دامن عفو وکرم میں چھپالیا اور کفار کو کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ معاف فرمایا۔ لیکن خداوند قدوس کی قہاری اور جباری نے ان دشمنان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معاف نہیں فرمایا۔ بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے مکین جناب جبرئیل امین کو فوراً زمین پر بھیجا اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کے قلب نازک کی تسلی اور کفار لعین کو اپنے قہر و غضب میں گرفتار کرنے کے لئے سورۃ القلم کی ان مقدس آیتوں کو نازل فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ:

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ۔

یعنی اے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے قسم ہے قلم کی اور قسم ہے ان تحریروں کی جو فرشتے لکھ رہے ہیں کہ آپ اپنے رب کی نعمت کے سبب سے مجنون نہیں ہیں اور بلاشبہ آپ ہی کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یقیناً آپ خلق عظیم پر ہیں۔

حضرات! پرودگار عالم ان آیات بینات میں پہلے تو دو عظمت والی چیزوں کی قسم یاد فرماتا ہے پھر اپنے محبوب کی تسلی کے لئے اپنی ان تین عظیم الشان نعمتوں کا تذکرہ فرماتا ہے جن سے اس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں جہان میں نوازا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے پیارے نبی مکرم! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ ان کفار کی گستاخانہ بکواسوں سے ہرگز ہرگز رنجیدہ وملول نہ ہوں مجھے اس قلم کی قسم ہے جس نے لوح محفوظ پر علم "مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ" اور آپ کی مدح وثناء کا سارا مضمون لکھا ہے اور مجھے فرشتوں کی ان تحریروں کی قسم ہے جو وہ دن رات لکھ رہے ہیں۔ کہ آپ بھلا کس طرح مجنون ہو سکتے ہیں؟ آپ تو وہ صاحب فضل وکمال ہیں جو میری ربوبیت کے دامن کرم میں میری ان گنت نعمتوں سے مالا مال ہیں اور

آپ کو تو میں نے وہ بلند و بالا اور عظمت والا رتبہ بخشا ہے۔ کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد ہر شخص کے اجر وثواب کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو جاتا ہے مگر اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کا اجر وثوابِ عظیم قیامت تک کبھی بھی ختم اور منقطع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ آپ کے اجر وثواب کا خزانہ بڑھتا ہی رہے گا آپ کے لئے تو میرا وعدہ ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى — یعنی آپ کی ہر پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔

دنیا میں، قبر میں، حشر میں، جنت میں، ہر جگہ، ہر دم، ہر قدم پر آپ کا درجہ اس قدر بلند سے بلند تر ہوتا رہے گا کہ عرش مجید کی رفعتیں اس کو جھک جھک کر سلام کرتی رہیں گی اور دارین کی عظمتیں اس کے نقش قدم پر تصدق وقربان ہوتی رہیں گی۔ اور اے میرے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ پر تو میرا وہ فضل عظیم ولطیف عمیم ہے کہ میں نے آپ کو نبی کریم، روف و رحیم کے ساتھ مالک خلق عظیم بنا کر بھیجا ہے۔

دعویٰ مع دلیل

حضرات گرامی! غور فرمائیے تو ان آیتوں میں قسم کے بعد والے تینوں جملوں میں گویا دعویٰ اور دلیل کا ربط ہے۔ دیکھئے پہلا جملہ یہ ہے کہ:

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ — یعنی اے محبوب! یہ کفار جھوٹے ہیں آپ ہرگز مجنون نہیں ہیں کیوں؟

اس کی دلیل یہ ہے کہ:

اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ — یعنی مجنون اور دیوانے کا نہ تو کوئی عمل ہی مقبول ہوتا ہے اور نہ اس کو کوئی اجر ملتا ہے۔

اور آپ کے لئے تو اے محبوب! وہ اجر عظیم ہے جو دونوں جہان میں کبھی نہ کم ہونے والا ہے نہ ختم ہونے والا ہے۔ اس لئے آپ بھلا کیوں کر اور کس طرح مجنون ہو سکتے ہیں۔ پھر یہ دعویٰ کہ آپ کا اجر وثواب کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل تیسرا جملہ ہے یعنی کیوں آپ کا اجر وثواب کبھی ختم نہیں ہوگا اس کی دلیل یہ ہے کہ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ — یعنی خداوند قدوس نے آپ کو خلق عظیم کا مالک بنایا ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان کے اخلاق و اعمال ہی پر اجر و ثواب ملتا ہے اور تمام انسانوں کا خلق آپ کے خلق عظیم سے بہت ہی کم درجے کا ہے۔ اس لئے سب کا اجر تو ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے مگر اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ چونکہ صاحبِ خلق عظیم ہیں اس لئے آپ کا اجر عظیم بھی تمام انسانوں کے اجر سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر و بالا ہے اس لئے آپ کا اجر دونوں جہان میں کبھی ختم ہونیوالا نہیں ہے۔

حضرات محترم! یہ تینوں جملے اگرچہ بہت ہی مختصر ہیں لیکن اپنی جامعیت کے اعتبار سے معانی و مطالب کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہیں اگر ایک ایک جملے پر شرح و بسط کے ساتھ تقریر کی جائے تو فضائل و کمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے مگر چونکہ میری آج کی تقریر کا عنوان ''خلق عظیم'' ہے اس لئے میں اس مجلس میں آیات میں سے صرف ایک آیت اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں ذرا غور سے سماعت فرمائیے اور پہلے ایک مرتبہ بہ آواز بلند درود شریف کا ورد فرمائیے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اے میرے بزرگو اور بھائیو!

اس آیت میں خداوند عالم جل جلالہ اپنے پیارے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ خلق عظیم پر ہیں۔

سبحان اللہ حضرات!

ذرا قرآن مجید کا انداز بیان تو ملاحظہ فرمائیے یوں نہیں فرمایا کہ آپ کا خلق عظیم ہے یوں بھی نہیں فرمایا کہ آپ کے پاس خلق عظیم ہے بلکہ یوں فرمایا کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ خلق عظیم پر ہیں۔

یاد رکھیئے کہ ''علیٰ'' عربی زبان میں استعلاء کے لئے یعنی ایک چیز کو ایک چیز کے اوپر بتانے کے لئے آتا ہے جیسے بولتے ہیں کہ:

زَيْدٌ عَلَى السَّطْحِ یعنی زید چھت کے اوپر ہے۔

تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ چھت زید کے نیچے ہے اور زید چھت کے اوپر ہے تو یہاں

بھی اسی طرح ارشاد ہوا کہ:

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تو اسکا بھی یہی مطلب ہوا کہ آپ خلق عظیم کے اوپر ہیں۔

اور خلق عظیم آپ کے نیچے ہے تو حضرات گرامی! اس انداز بیان میں خداوند عالم جل جلالہ نے ایک بہت ہی لطیف اور معنی خیز نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عزتِ کونین وعظمت دارین کی سربلندی حاصل ہے وہ آپ کو ''خلق عظیم'' کی وجہ سے نہیں حاصل ہوئی بلکہ درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ چونکہ ''خلق عظیم'' کو آپ کی نسبت (قدم بوسی) کا شرف حاصل ہو گیا ہے اس لئے خلق عظیم کو آپ کی نسبت کی بدولت عزت وعظمت مل گئی ہے جی ہاں۔

برادران ملت! یہی تو ایک بہت بڑا نکتہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے جس چیز کو بھی نسبت حاصل ہو گئی عزت وعظمت اس کے قدموں پر قربان ہو جاتی ہے سچ کہا کسی شاعر نے۔

گدائے در تری نسبت سے شاہ عالم ہیں
تری نگاہ نے ذرّوں کو آفتاب کیا

بہر حال برادرانِ ملت! مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح سردر انبیا محبوب کبریا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ کے تمام گوشے دوسرے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی سیرتوں پر بدر جہا فوقیت وعظمت رکھتے ہیں۔ اس طرح آپ کی سیرت پاک کا ایک نہایت ہی اہم عنصر یعنی اَخلاق بھی اس قدر انوکھا اور بلند وبالا اور نرالا ہے کہ خداوند قدوس نے اس کو خلق عظیم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرۃ العزیز نے اس مضمون کو کیا خوب ادا فرمایا ہے۔

ترے خلق کو حق نے عظیم کہا — تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے کہ نہ ہوگا شہا — ترے خالق حسن وادا کی قسم

خلق کیا ہے؟

برادرانِ ملت! خلق کیا ہے؟ یہ بھی سن لیجئے' خلق کی جمع اَخلاق ہے۔ انسان کی طبع خصلتوں اور پیدائشی عادتوں کو اَخلاق کہتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اَخلاق ہی انسانیت کا وہ جوہر ہے

بہا ہے جو درحقیقت انسان کی پستی و بلندی کا بڑی حد تک معیار ہے۔ حسن سیرت اور بہترین اَخلاق ہی سے انسان جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہوتا ہے اور سیرت بد اور برے اَخلاق ہی سے بڑے سے بڑا انسان اَسفل السافلین کی پستی میں گر پڑتا ہے۔

قرآن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق ہے

برادرانِ اسلام! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور آپ کے اِخلاقِ عظیم اور آپ کے اَخلاقِ حسنہ کا کیا کہنا؟ ایک مرتبہ اُم المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے سوال کیا۔ اے ام امومنین! آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیے۔ یہ سن کر حضرت اُم المومنین نے برجستہ جواب دیا کہ

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن — یعنی آپ کا خلق قرآن ہے

مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق وشمائل اور آپ کے طبعی خصائل بالکل قرآن مجید کے بتائے ہوئے مکارم اَخلاق کے مطابق تھے ہر وہ قول وعمل اور ہر وہ سیرت وخصلت جس کو قرآن کریم نے قابل مدح وثناء اور لائق تحسین فرمایا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق و عادات اس کا بہتری نمونہ تھے اور سب وہ بری خصلتیں جن کو کلام مجید نے مذموم ٹھہرایا ان سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دامن عصمت ہر طرح پاک تھا الغرض تمام اَخلاقِ شنیعہ وخصائل رذیلہ سے آپ منزہ اور پاک تھے اور تمام خصائل حمیدہ وفضائل جمیلہ کے آپ جامع بلکہ ان کو منزل کمال پر پہنچانے والے تھے چنانچہ حدیث شریف گواہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَفْعَالِ — یعنی میں تو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہی گیا ہوں تاکہ اَخلاق کی بزرگیوں اور اعمال کی خوبیوں کو مرتبہ کمال پر پہنچا کر انہیں مکمل کردوں۔

اَخلاقِ نبوت کے چند گواہ

حضرات گرامی! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اَخلاق کو قرآن مجید نے خلق عظیم بتایا یہ قرآن کا ایک دعویٰ ہے اور تمام دنیا جانتی ہے کہ ہر دعویٰ کے ثبوت کے لئے دلیل اور شہادت کا ہونا ضروری ہے۔ کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے ہرگز قابل قبول نہیں ہوتا اور دنیا کی کسی عدالت میں کوئی مدعی بغیر شہادت پیش کیے ہوئے اپنے دعویٰ میں ہرگز کبھی ڈگری

نہیں حاصل نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں تمام دنیا کو دعوت چیلنج دیتا ہوں کہ آیئے کہ قرآن کے اس دعویٰ پر شہادت اور گواہی طلب کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کو قرآن نے جو خلق عظیم کہا تو اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے کتنی شہادتیں اور کون کون سے گواہ موجود ہیں۔

میرے عزیزو اور دوستو! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی انسان کے اچھے یا برے اَخلاق کو سب سے زیادہ اس کی بیوی جان پہچان سکتی ہے۔ کیونکہ بیوی خلوت اور جلوت میں انسان کی رفیق زندگی اور ساتھی ہوتی ہے اور ہر انسان عموماً اپنی گھریلو زندگی میں تکلفات سے پاک ہوتا ہے اس لئے انسان کے صحیح خدوخال مکان کے اندر گھریلو زندگی میں دیکھے جا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر انسان کی گھریلو زندگی کو سب سے زیادہ اس کی بیوی ہی جان سکتی ہے انسان بازاروں میں' مجلسوں میں' حلقۂ احباب میں تو تکلف کے ساتھ اپنے کو لئے دیے اور سنبھالے ہوئے رہ سکتا ہے مگر گھر کے اندر تو ضرور ہی تکلفات برطرف ہوں گے اور انسان کے طبعی خصائل او رفطری عادتیں ظاہر ہو کر ہی رہیں گی۔ بڑے بڑے پیر جی' میر جی اور جگادری مولوی صاحبان جو مریدوں اور معتقدوں کے درمیان ایسے بگلا بھگت نظر آتے ہیں کہ گویا ابھی ابھی پہلے آسمان سے ٹپک پڑے ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ قبلہ وکعبہ قسم کے لوگ اپنے گھروں کی چاردیواری کے اندر ایسے تقدس مآب اور تقویٰ شعار بن کر رہتے ہونگے حافظ شیرازی صاف صاف کہہ گئے ہیں کہ۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

یعنی یہ واعظ لوگ جو مسجدوں کی محرابوں اور منبروں پر جلوہ گر ہو کر تقویٰ اور تقدس کا وعظ بیان فرمایا کرتے ہیں جب یہی لوگ اپنے مکان کے اندر تنہائی میں ہوتے ہیں تو کچھ دوسرے ہی دھندے کیا کرتے ہیں۔

بہرحال میرا مدعا یہ ہے کہ انسان کے اَفعال واَطوار اور اَخلاق وعادات کو سب سے زیادہ اس کے گھر کے اندر رہنے والی بیوی ہی جانتی اور پہچانتی ہے اس لئے کسی انسان کے طبعی خصائل اور اس کے اَخلاق وشمائل کے بارے میں اگر صحیح صحیح معلومات حاصل کرنی ہوں تو اس کی بیوی کی شہادت اس معاملہ میں نہایت ہی اہم اور قابل وقعت ہوا کرتی ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ صاحب خلق عظیم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق حسنہ کے بارے میں سب سے پہلے امہات المومنین یعنی آپ کی مقدس بیویوں کی شہادت دینی چاہئے تاکہ اَخلاق نبوت کے صحیح صحیح احوال وکیفیات سے دنیا روشناس ہو جائے۔ لہٰذا آیئے سب سے پہلے حضور

اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کی شہادت سنیے۔ جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو بعثت نبوی سے پہلے بھی دیکھا اور نزول قرآن کے بعد بھی برسوں تک آپ کی رفیق زندگی رہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی وہ ایک شوہر کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکی تھیں اور بیوہ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ بی بی خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا جیسی شریف النسب مالدار، تجربہ کار اور طویل مدت تک صحبت یافتہ بیوی کی گواہی کیسی شاندار اور کس قدر اہم اور کتنی بلند پایہ شہادت ہوگی؟

حضرت خدیجہ الکبریٰ کی گواہی

سنیے! بخاری شریف کی روایت ہے کہ نزول قرآن مجید سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے خورد نوش کا سامان لے کر مکہ سے باہر غار حرا میں تشریف لے جا کر کئی کئی راتیں عالم تنہائی میں خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ غار حرا میں اسی طرح عبادت میں مشغول تھے کہ بالکل ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام غار میں نمودار ہوئے اور تین بار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کو زور زور سے اپنے سینے سے چمٹا چمٹا کر نہایت گرمجوشی کے ساتھ معانقہ کیا اور سورۃ اقراء کی چند ابتدائی آیات پڑھا کر تشریف لے گئے یہ پہلا موقع تھا کہ جناب جبرئیل علیہ السلام کی ملکوتی طاقت کا اثر اور وحی الٰہی کا وہ بار گراں آپ پر پڑا کہ جس کی ہیبت و جلالت سے پہاڑ بھی شق ہو کر چور چور ہو جائیں اس لئے شدت خوف سے آپ پر دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی اور لرزہ براندام ہو کر کاشانۂ نبوت کی طرف روانہ ہو گئے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ ـ

یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب ان آیتوں کو لے کر غار حرا سے واپس ہوئے تو آپ کے سینے میں دل لرز رہا تھا۔

جب آپ مکان میں داخل ہوئے تو آپ کو سردی لگنے لگی اور آپ نے کملی اوڑھانے کی فرمائش کی چنانچہ اُم المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کملی اوڑھادی۔ جب آپ کو قدرے سکون ہوا تو آپ نے غار حرا میں پیش آنے والا سارا واقعہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے بیان فرمایا و حضرت بی بی خدیجہ انتہائی توجہ اور کمال حیرت کے ساتھ

تمام واقعات کو سنتی رہیں یہاں تک کہ حضور علیہ والصلوۃ السلام نے یہ فرمایا کہ

"لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِيْ یعنی اے خدیجہ! اس غار کے واقعہ سے میرے قلب پر ایسی ہیبت و دہشت طاری ہے اور میرے دل پر ان کلمات طیبات کی عظمت و جلالت کا ایسا ہوش ربا اثر پڑا ہے کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا ہے۔

حضرات! زبانِ رسالت سے یہ جملہ سن کر جناب اُم المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تڑپ گئیں اور فوراً انتہائی والہانہ جوش محبت میں کہا

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا○ یعنی اے میرے پیارے! ہرگز نہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا کر دے۔

بھلا اللہ تعالیٰ آپ کو کیوں اور کس طرح رسوا فرمائے گا؟ جب کہ آج تک آپ کے اَخلاقِ حسنہ اور عادات کریمہ کا یہ شاندار ریکارڈ رہا ہے کہ:

اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْلُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ (بخاری ج ۱ص ۳) یعنی آپ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ انتہائی بہترین سلوک فرماتے ہیں اور تمام کمزوروں اور ضعیفوں کا بار گراں اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

اور کما کما کر غریبوں اور مفلسوں کی مالی امداد فرماتے رہتے ہیں۔ حرم الٰہی کے مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا آپ کا شیوہ اور خدا کی رضا مندی کے کاموں میں اعانت کے لئے کمر بستہ رہنا آپ کی زندگی کا نصب العین ہے پھر بھلا آپ جیسے انسان کامل بلکہ بنی نوع انسان کے نجات دہندہ ملکوتی صفات والے خلق عظیم کے مالک اور صراط مستقیم کے سالک کو رب العزت کب' کس طرح اور کیوں ذلیل و رسوا فرمائے گا۔

برادرانِ ملت! سن لیا آپ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے اَخلاق و فضائل کے بارے میں کیا شہادت دے رہی ہیں اور آپ کے ان اَخلاقِ حسنہ و اعمال صالحہ پر انہیں کتنا یقین کامل ہے کہ قسم کھا کر کہہ رہی ہیں کہ خداوند قدوس کہیں بھی اور کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل و خوار نہیں فرمائے گا۔ عزیزان گرامی! غور کیجئے کہ یہ ایک بیوی کی اپنے شوہر کے روبرو مکان کے اندر کی گفتگو ہے جو ہر قسم کے تصنع اور تکلفات سے پاک ہے اب آپ ہی فیصلہ کیجئے اور بتائیے کہ اس سے بڑھ کر اَخلاق محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت پر

بھلا اور کون سی شہادت اور دلیل کی ضرورت ہے؟

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت

حضرات گرامی! اَخلاق نبوت کے بارے میں صرف حضرت بی بی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں صرف حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی ایک شہادت نہیں دوسری ازداج مطہرات بھی اسی طرح عمر بھر آپ کے محاسن اَخلاق کی گرویدہ رہیں اور آپ کے نیک خصائل وشمائل کے گن گاتی رہیں اور ہر دم اور ہر قدم پر اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کا ورد فرماتی رہیں۔

حضرات! دوسری ازواجِ مطہرات کا تذکرہ آ گیا ہے تو آیئے! حرمِ نبوت کی سب سے محبوب ترین خاتون جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بھی ایک نہایت ہی اہم گواہی سن لیجئے اس سے پہلے آپ سن چکے کہ جب صحابہ کرام نے اُم المومنین سے اَخلاق نبوت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ — یعنی آپ کے اَخلاق کریمانہ کا کیا کہنا؟

آپ کے اَخلاق تو قرآن کا بالکل ہی نمونہ تھے اسی طرح ایک دوسرے موقع پر وہ اَخلاقِ نبوت کا والہانہ انداز میں تذکرہ کرتی ہوئی فرماتی ہیں کہ:

لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلَا مُتَفَحِّشًا وَلَا سَخَّابًا فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا يُجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةِ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ (مشکوٰۃ ۵۱۹)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بیہودہ گو تھے نہ فحش کلام نہ کبھی آپ بازاروں میں چلا کر بولے اور آپ کی بلند اَخلاقی کا تو یہ عالم تھا کہ آپ کبھی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ ہمیشہ برائی کرنیوالوں کو معاف فرما دیتے اور ان کی برائیوں سے درگزر فرماتے تھے۔

اور برے سے برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ مسلمانو! یہی وہ اَخلاق نبوت ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردی احسن الی من اسا

یعنی برائی کا بدلہ برائی کے ساتھ دینا یہ تو بہت ہی آسان ہے لیکن اگر تم اخلاق نبوت کے پیرو اور متبع ہو تو تمہارے اَخلاقِ حسنہ کی یہ شان ہونی چاہیے کہ جو تمہارے ساتھ برا برتاؤ کرے اس کے ساتھ اچھے سے اچھا سلوک کرو اس طرح ایک دوسرے موقع پر حضرت اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے اَخلاقِ نبوت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا اِمْرَاةً وَّلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْءٌ مِّنْ مَّحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهِ (مشکوٰۃ ۵۱۹)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے سوا اپنے دست مبارک سے کبھی کسی کو نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو اور کسی کو تکلیف پہنچانے والے سے بھی کبھی کوئی انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے۔ ہاں البتہ اگر کوئی شخص خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کا مرتکب ہوتا تو آپ اس سے ضرور انتقام لیتے تھے اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدا کی رضامندی کے لئے ایسا کرتے تھے۔

برورانِ ملت! غور کیجئے کہ اُم المومنین کس درجہ اَخلاقِ نبوت سے متاثر ہیں اور کتنے والہانہ انداز محبت و جوش عقیدت کے ساتھ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں۔

برورانِ ملت! حضرت اُم المومنین کا بیان آپ نے سن لیا کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی عورت یا غلام کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا حالانکہ عرب کا یہ ماحول تھا کہ عورتوں کا انسانی سماج میں کوئی مقام ہی نہیں تھا۔ عرب کے لوگ اپنی جہالت سے عورتوں کو جانوروں سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل سمجھتے تھے اور اپنی عورتوں کو نہایت بیدردی کے ساتھ زدو کوب کیا کرتے تھے۔ مگر اَخلاقِ نبوت نے عرب کے مردوں کا مزاج بدل دیا اور وہی مرد جو عورتوں کو حقیر و ذلیل سمجھ کر مارا پیٹا کرتے تھے۔ عورتوں کی عزت افزائی ان کی قدر دانی اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو انسانی اَخلاق کی بلندی کا معیار سمجھنے لگے کاش! ہم مسلمان بھی اَخلاقِ نبوت کی اس شمع سے روشنی حاصل کرتے اور اپنی عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور بہترین سلوک کا نمونہ پیش کرتے۔

مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرد سے مقابلہ ہو تو مارے ڈر کے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن جب مکان میں داخل ہوتے ہیں تو غریب عورتوں کے ساتھ ایسی بہادری کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رستم اور افراسیاب کے اکھاڑے کے

سب سے سینئر پہلوان یہی ہیں۔ بے زبان عورتوں کو بات بات پر مارنا پیٹنا گالیاں بکنا ہر گھر کا روزمرہ کا معمول بن گیا ہے کچھ لوگ تو موقع پاکر عورتوں کو مارا کرتے ہیں اور کچھ تو ایسے بد نصیب ہیں کہ عورتوں کو مارنے کے لئے باقاعدہ پروگرام بنایا کرتے ہیں۔

لطیفہ

حضرات! مجھے اس وقت ایک بیوی مار قسم کے بہادر کا واقعہ یاد آ گیا یہ صاحب مچھلی کے شکار کے بہت شوقین تھے۔ ایک دن مچھلی کا شکار کر کے لوٹے تو بیوی کو مارنے کا اس طرح پروگرام بنایا کہ میں مچھلی گھر میں رکھ کر باہر چلا جاؤں گا۔ اگر بیوی نے تمام مچھلی پکا ڈالی تو یہ کہہ کر ماروں گا کہ سب کیوں پکا ڈالی۔ کچھ تل کر کل کے لئے رکھنا تھی اور اگر کچھ پکائی اور کچھ تل کر رکھی ہوگی تو یہ کہہ کر ماروں گا کہ کچھ کچی کیوں نہیں رکھی کہ کل میں اس سے شکار کرتا بہر حال آج بیوی کو ماروں گا ضرور۔ اتفاق سے بیوی بڑی ہوشیار تھی اس نے کچھ مچھلی پکائی اور کچھ تل کر رکھ دی اور کچھ کچی چھوڑ دی۔ اب صاحب بہادر گھر میں داخل ہوئے اور تڑپ کر پوچھا کہ سب مچھلی پک گئی یا کچھ تل کر کل کے لئے بھی رکھی ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ کچھ پکالی ہے اور کچھ تل کر رکھ دی ہے۔ صاحب بہادر نے پروگرام کے مطابق ڈنڈا اٹھایا کہ کم بخت کچھ کچی بھی تو رکھ دینا تھی بیوی نے کہا جناب کچھ کچی بھی رکھ دی ہے۔ اب صاحب بہادر کیا کرتے؟ مارنے کا سارا پروگرام تہس نہس ہو چکا تھا۔ مگر ہاتھ میں خارش ہو رہی تھی۔ لگے مارنے کا بہانہ ڈھونڈے۔ گرمیوں کا زمانہ تھا بیوی نے صحن میں پلنگ بچھا دیا تھا۔ صاحب بہادر نے پلنگ پر بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھا تو کہکشاں کی لائن نظر آئی صاحب بہادر نے پوچھا کہ بیوی! یہ آسمان پر سفید لائن کیسی نظر آ رہی ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ یہ آسمان کی سڑک ہے۔ بس پھر کیا تھا کہ صاحب بہادر ڈنڈا لے کر بیوی پر پل پڑے کہ ارے نامراد خبیث! تو نے سڑک کے نیچے میری چارپائی بچھا دی اگر فرشتوں کا ہاتھی گھوڑا سڑک سے پھسلا تو میری جان ہی چلی جائے گیا۔ کمبخت تو نے میری جان ہی مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ کہا اور خوب خوب بیوی کو پیٹا۔ توبہ نعوذ باللہ! ایسے شوہروں سے خدا کی پناہ۔

خیر تو برادران ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا، حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ساری عمر اخلاق نبوت کی عظمت و بلندی کی شہادت دیتی رہیں۔ اور مدح و ثنا کرتی رہیں۔

حضرات ! اَخلاقِ نبوت کے بارے میں ان دو ہی ازواجِ مطہرات کی گواہیاں نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کر چکا ہے وہ اس بات کی شہادت دے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام مقدس بیویاں اخلاقِ نبوت اور سیرت مقدسہ کی اس قدر گرویدہ نظر آتی ہیں کہ دنیا میں شاید ہی کسی بڑے سے بڑے انسان کی بیویاں اس طرح اپنے شوہر کے اَخلاق و عادات کی مداح ہوں گی۔ حالانکہ کاشانہء نبوت میں بیک وقت نو نو بیویاں تھیں اور چند بیویوں والے شوہر کے لئے بڑا مشکل ہے کہ وہ سب بیویوں کی نگاہوں میں یکساں محبوب ہو۔ کیونکہ چند سوکنیں آپ کے تحاسد و تباغض کی وجہ سے اپنے شوہروں پر بھی نکتہ چینیاں کرتی رہتی ہیں۔ مگر خدا کی قسم یہ اَخلاقِ نبوت کا بہت ہی عظیم معجزہ ہے کہ باوجود یہ کہ نو نو بیویاں بیک وقت حرم نبوت میں تھیں اور کاشانہء نبوی کا ترکِ دنیا کے معاملہ میں یہ عالم تھا کہ دو دو ماہ تک مکان میں چولہا نہیں جلتا تھا صرف کھجور اور پانی پر ازواجِ مطہرات کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ کچے جھونپڑوں کے حجرے تھے جن میں دروازے کی بجائے پردے کے لئے کمبلوں کے ٹکڑے لٹکے ہوئے تھے۔ سونے کے لئے چمڑے کے گدے تھے۔ جن میں کھجور کی چھالیں بھری ہوئی تھیں۔ یا موٹے موٹے ٹاٹ کے بستر تھے نہ قیمتی لباس تھا نہ عیش و آرام کا دوسرا کوئی سامان تھا مگر اس کے باوجود یہ نو نو امت کی مقدس مائیں ازواجِ مطہرات اس قدر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت رکھتی تھیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی جمالِ نبوت کی جدائی انہیں گوارا نہ تھی۔ اور ہر دم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری و رضا جوئی میں یہ امہات المومنین اپنا تن من دھن قربان و نثار کرنے کے لئے بے قرار رہتی تھیں۔

آیتِ تخییر

حد ہو گئی کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور خداوند عالم جل جلالہ کا یہ ارشاد ہوا کہ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (احزاب)

یعنی اے نبی اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال اور سامان دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

حضرات! جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اُم المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا کہ اے عائشہ رضی اللہ عنہا! میں تمہارے سامنے ایک بہت ہی اہم تجویز رکھتا ہوں مگر تم جواب دینے میں جلدی مت کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے جواب دینا پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنائی تو اُم المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کو سن کر تڑپ گئیں اور برجستہ عرض کیا کہ

اَفِیْکَ اَسْتَشِیْرُ اَبَوَیَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ یعنی کیا آپ کے بارے میں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں گی؟

ہرگز نہیں بلکہ میرا قطعی فیصلہ ہے کہ

بَلْ اَخْتَارُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یعنی میں حیات دنیا اور اسکی لذت پر لات مارتی ہوں اور میں اللہ اور اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند کرتی ہوں۔

پھر اسی طرح حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام مقدس بیویوں کو الگ الگ بلا کر یہ آیت سنائی اور سب کو یہ اختیار دیا کہ تم چاہو تو طلاق لے لو اور چاہو تو میری زوجیت میں برقرار رہو۔ مگر خدا کی قسم! کسی ایک بیوی نے بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کو چھوڑنا گوارا نہیں کیا اور سب نے یہی جواب دیا کہ

بَلْ اَخْتَارُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یعنی میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔

برادرانِ اسلام! یہ آفتاب عالم تاب سے زیادہ روشن اور تابناک ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات باوجود تنگدستی اور مفلسی کی زندگی کے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق وشمائل اور عادات وخصائل کی خوبیوں پر اس قدر فریفتہ تھیں کہ اپنے عیش وآرام بلکہ اپنی جان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین پر قربان کرنے کو اپنا ایمان سمجھتی تھیں۔ اس سے بڑھ کر اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کے دعویٰ کے ثبوت کے لئے بھلا اور کون سی شہادت کی ضرورت ہوگی؟ کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں کہ کسی انسان کے عادات وخصائل اور اَخلاق وشمائل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ اس کی بیویوں کا بیان اور ان کی شہادت ہے۔ اور یہاں ایک بیوی نہیں بلکہ نو نو بیویاں ہر ایک رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاقِ حسنہ کی انتہائی گرویدہ اور فریفتہ ہو کر اخلاق نبوت کی مداح ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اخلاق نبوت کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے ان امہات المومنین کی شہادت سے بڑھ کر کسی دلیل کی

ضرورت نہیں۔

حضرات! حقیقت تو یہی ہے کہ امہات المومنین کی شہادت و بیان کے بعد کسی دوسری گواہی کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اَخلاق نبوت کی عظمت کے بارے میں مزید چند گواہیاں بھی آپ کو سنادوں۔

خدام کی گواہیاں

حضرات یاد رکھیے! کہ بیویوں کے بعد کسی انسان کے اخلاق و عادات کے بارے میں اس کے نوکروں اور خادموں کی شہادت بھی بہت زیادہ قابل وقعت سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ خادم ہر وقت خلوت و جلوت میں انسان کے ساتھ رہتا ہے اور وہ اپنے آقا کے محاسن اَخلاق یا اَخلاقی کمزوریوں سے بہت زیادہ واقف ہوتا ہے۔ لہٰذا آیئے! اب میں آپ کو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خادموں اور غلاموں کی رائے بھی سنادوں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان

حضرات گرامی! حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نام نامی تو آپ نے سنا ہی ہوگا یہ دربار کے بہت ہی محبوب اور مقرب اور خاص الخاص خادموں میں سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے مسلسل دس برس تک سفر و حضر اور گھر کے اندر اور باہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ مگر

فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِشَیْءٍ لِمَ صَنَعْتَهٗ وَلَا لِشَیْءٍ تَرَکْتَهٗ لِمَ تَرَکْتَهٗ وَکَانَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا

(ترمذی ج۲ص۲۲)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو کبھی اف بھی نہیں کہا اور اگر میں نے کوئی کام مزاج مبارک کے خلاف کر دیا تو کبھی یہ نہیں فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور اگر میں نے کبھی کوئی کام چھوڑ دیا تو اس پر مجھے کبھی نہیں ڈانٹا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑ دیا اور آپ کا اَخلاق تمام دنیا کے انسانوں سے زیادہ اچھا اور بہترین تھا۔

حضرات! اسی طرح ایک مرتبہ جناب انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَخلاق نبوت کا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے لگے کہ

كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتْبَعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ
(مشکوٰۃ ص ۵۱۹)

یعنی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطان کونین ہوتے ہوئے اس قدر صاحب تواضع اور پیکر اَخلاق تھے کہ ہر چھوٹے بڑے کی بیمار پرسی فرماتے اور ہر مومن میت کے جنازے کے پیچھے چلتے اور کمال تواضع سے غلاموں کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔

اس طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَخلاقِ نبوت کے بارے میں کبھی یوں بیان فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سے مصافحہ فرماتے تھے تو جب تک وہ شخص خود اپنا ہاتھ الگ نہ کردے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ سے جدا نہیں کرتے تھے اور نہ اپنا چہرہ اس کے چہرے سے پھیرتے تھے اور کسی مجلس میں بھی اپنے ہم نشینوں کے سامنے کبھی اپنا پاؤں دراز نہیں فرماتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۲۰)

یہی حضرت انس رضی اللہ عنہ خلق نبوی کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے تھے کہ ''نماز فجر'' کے بعد مدینہ منورہ کے خدام برتنوں میں پانی لاتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ برکت کے لئے ان کے پانی میں اپنا دست مبارک ڈبو دیں تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شدید جاڑوں کی صبح کو بھی جب لوگ اپنا برتن لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے اور سردی کی تکلیف کے باوجود سب کے برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں ایک دفعہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ دوش نبوت پر ایک موٹے کنارے کی چادر تھی اچانک ایک اعرابی آیا اور اس زور سے چادر مبارک کو کھنچا کہ آپ اس کے جھٹکے سے اعرابی کے سینے کے پاس آ گئے اور آپ کی گردن پر کھردری چادر کی خراش کا نشان پڑ گیا پھر اعرابی کہنے لگا کہ آپ مجھے اللہ کے مال میں سے کچھ عطا فرمانے کا حکم دیجئے۔ اعرابی کی اس حرکت پر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ غصہ آیا نہ آپ نے اس سے اعراض فرمایا بلکہ ہنس کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کو عطیہ مرحمت فرمانے کا حکم دیا۔ (مشکوٰۃ ص ۵۱۸)

حضرت ابو الطفیل رضی اللہ عنہ نے کیا دیکھا

حضرات! اب دربار نبوت کے ایک دوسرے خادم کی گواہی بھی سن لیجئے۔

حضرت ابوالطفیل صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقام جعرانہ میں اس موقع پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان گوشت تقسیم فرمارہے تھے۔ میں خدمت اقدس میں حاضر تھا تو میں نے یہ دیکھا کہ ناگہاں ایک عورت آئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب آکر کھڑی ہوگئی تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت اس طرح اپنے خلق عظیم کا مظاہرہ فرمایا کہ آپ نے اپنی چادر مبارک اس عورت کے لئے بچھادی اور وہ عورت اس چادر پر بیٹھ گئی۔ میں نے حیران ہوکر پوچھا کہ یہ کون عورت ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کیا کہا؟

حضرات گرامی! اَخلاق نبوت پر آپ بیویوں اور خادموں کی گواہی تو سن چکے اچھا آیئے! اب ذرا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام جناب زید بن حارثہ کو بھی دیکھ لیجئے اور ان کا بھی بیان سن لیجئے۔ کہ وہ آپ کے خلق عظیم سے کس قدر متاثر ہیں اور اَخلاق وشمائل نبوی پر کس طرح دل وجان سے قربان ہیں۔

حضرات! زید بن حارثہ کو آٹھ برس کی عمر میں ڈاکوؤں نے گرفتار کر کے مکہ مکرمہ میں لاکر بیچ ڈالا تھا اور ایک رئیس حضرت حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں انہیں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں تو انھوں نے زید بن حارثہ کو دربار نبوت کی خدمت میں بطور ہبہ نذر کردیا اور زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بن کر خدمت کرنے لگے۔ زید بن حارثہ کا باپ اپنے بیٹے کی جدائی پر دن رات تڑپتا رہتا تھا اور رقت آمیز اشعار پڑھ پڑھ کر بیٹے کی تلاش میں برسوں تک ہر طرف سرگرداں رہا ناگہاں حاجیوں کے ایک قافلہ والوں نے حارثہ کو بتایا کہ تیرا نور نظر زید مکہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ یہ سنتے ہی حارثہ اپنے بھائی کعب کو ساتھ لے کر مکہ آیا اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں اپنے لخت جگر کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ پہلے تو ایک مدت کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹے ایک دوسرے سے لپٹ کر خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ پھر حارثہ کہنے لگا کہ اے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! زید میرا بچہ ہے جو مجھ سے بچھڑ گیا ہے اور میں اس کی جدائی کا صدمہ برداشت نہیں کرسکتا۔ اس لئے جس قدر قیمت آپ

طلب فرمائیں میں دینے کو تیار ہوں۔ مگر للہ! آپ میرے نور نظر کو میرے حوالہ کر دیں حارثہ کی دردبھری داستان سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل جو رحم وکرم کا سمندر تھا ایک دم جوش میں آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ اے حارثہ مجھے قیمت کی کوئی ضرورت نہیں میں بخوشی اجازت دیتا ہوں کہ اگر زید تمہارے ساتھ جانے پر رضامند ہو تو تم اس کو ضرور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر آپ نے زید کو بلا کر فرمایا کہ زید! دیکھ لو یہ حارثہ تمہارے باپ ہیں اور یہ کعب تمہارے چچا ہیں یہ دونوں تمہیں لینے آئے ہیں اور میں خوشی خوشی تم کو اجازت دیتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ اپنے گھر چلے جاؤ اور آزاد ہو کر زندگی بسر کرو پھر حارثہ اور کعب نے بھی انتہائی گرمجوشی کے ساتھ کہا کہ بیٹا! ہم تمہاری جدائی میں انتہائی بے چین اور بے قرار ہیں اور تمہاری ماں اور تمہارے بھائی بہن اور عزیز و اقارب سب تمہارے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ جناب زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور باپ اور چچا کا رقت انگیز بیان سن کر آبدیدہ ہو گئے اور ایک مرتبہ باپ اور چچا کے چہرہ کو دیکھا پھر ایک نظر بھر کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال نبوت کو دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں اپنے رحمت والے آقا کو مخاطب کر کے عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کی آواز تو یہ ہے کہ۔

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
تیرے قدموں میں ہیں جو غیر کا منہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

زید بن حارثہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ اے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حارثہ میرے باپ اور کعب میرے چچا ہیں۔ مگر بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر میں ان کے ساتھ چلا جاتا ہوں تو پھر مجھے آپ کے دربار رحمت کی خدمت و غلامی کا شرف کس طرح حاصل رہے گا؟ یارسول اللہ a ! صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے جمال رخ کا نظارہ ہی تو میری زندگی کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے جمال نبوت کے دیدار سے محروم ہو گیا تو ہرگز ہرگز میرا قلب نازک اس صدمہ جانکاہ کو برداشت نہ کر سکے گا۔ اس لئے میرا یہ قطعی اور حتمی فیصلہ ہے کہ میں اپنے چچا اور باپ کا فرماں بردار اور خدمت گزار رہنے کے لئے تو بہر حال تیار ہوں مگر اے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کی مقدس چوکھٹ چھوڑنے کے لئے ہرگز ہرگز کسی حال میں بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ زید کا چچا کعب حیرت

سے ڈانٹ کر بولا کہ بیٹا زید! ارے تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم آزادی کی زندگی چھوڑ کر غلامی کی زندگی پسند کرتے ہو؟ یہ سن کر جناب زید نے جواب دیا کہ چچا جان! میری اس غلامی کی زندگی پر ہزاروں آزادیاں قربان۔ اس در کی غلامی تو میرے لئے وہ نعمت عظمیٰ ہے کہ اس کے بدلے ہفت کشور کی بادشاہی و شہنشاہی بھی میرے لئے ایک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہے چچا جان! آپ کو کیا خبر کہ محمد عربی فداہ امی وابی کا دربار کیسا شاندار دربار ہے؟ ارے وہ یہ دربار ہے کہ سینکڑوں سلاطین عالم اس چوکھٹ کے سامنے ہاتھ باندھے ہوئے قیامت تک یہ صدا لگاتے رہیں گے کہ۔

ہے شاہوں کو بھی وجہ نیک نامی
شہ خوباں! ترے در کی غلامی
ہر اک شیدا ہے سلطان عرب کا
عراقی ہو کہ رومی ہو کہ شامی

زید کی یہ والہانہ تقریر سن کر جناب زید کا باپ خاموش ہو گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا کہ پیارے بیٹے! اگر تو بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی پر خوش ہے تو تیری خوشی میں میری خوشی ہے یہ کہتے ہوئے اور روتے ہوئے حارثہ اور کعب اپنے وطن کو روانہ ہو گئے مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر جناب زید بن حارثہ کی اس والہانہ محبت کا ایسا اثر پڑا کہ فوراً ہی آپ زید بن حارثہ کا ہاتھ اپنے دست رحمت میں تھامے ہوئے حرم کعبہ میں حطیم کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں بھرے مجمع میں یہ اعلان فرما دیا کہ:

يَا مَنْ حَضَرَ اشْهَدُوْا اَنَّ زَيْدًا اِبْنِي — یعنی اے حاضرین حرم! تم لوگ گواہ ہو جاؤ کہ آج کی تاریخ سے زید میرا غلام نہیں رہا۔ بلکہ میں نے اس کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ (اکمال)

چنانچہ! برسوں تک یہ زید بن محمد کہلاتے رہے اور جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ — یعنی لے پالک بچوں کو ان کے اصلی باپ کی طرف نسبت سے پکارو۔

اس کے بعد لوگوں نے ان کو زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔ اسی پر بس نہیں کہ زید کو آپ نے اپنا بیٹا بنا لیا بلکہ اتنا نوازا کہ اپنی مملوکہ باندی "ام ایمن" سے ان نکاح فرما دیا اور جب ان کے فرزند "اسامہ" پیدا ہوئے تو ان سے اتنی محبت فرماتے رہے کہ انہیں اپنے دوش نبوت پر سوار

کر کے مجمع عام میں تشریف لے جاتے تھے۔ حضرات ! یہ تو آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیارے نواسوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو بھی اپنے مقدس دوش نبوت پر بٹھا کر پیار کا اظہار فرمایا کرتے تھے اس طرح آپ نے اپنے قول وعمل سے اس حقیقت کا اعلان فرمادیا کہ دنیا والو! دیکھ لو! خلق محمدی کی یہ شان ہے کہ بیٹی کا بیٹا اور غلام کا بیٹا دونوں نگاہِ نبوت میں برابر ہیں۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا شفیق جونپوری مرحوم نے۔

جس جگہ تذکرہ فخر انام آتا ہے　　جلی حرفوں میں اسامہ کا بھی نام آتا ہے
ایک کاندھے پہ ہے لخت جگر شیر خدا　　دوسرے کاندھے پہ فرزند غلام آتا ہے

برادرانِ ملت! حضرت زید بن حارثہ کا رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے ماں باپ اور عزیز واقارب کو چھوڑ دینا اور آزادی کی زندگی کو غلامیٔ رسول پر قربان کر دینا کیا اس بات کی ایک عظیم شہادت نہیں ہے کہ حضرت زید بن حارثہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خلق عظیم'' پر کس قدر فریفتہ اور گرویدہ تھے۔

شاگردوں کی گواہیاں

محترم حاضرین! آپ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کے ''خلق عظیم'' پر ازواج مطہرات' خدام اور غلام زید بن حارثہ کی شہادتیں تو سن چکے۔ آیئے! اب ذرا معلم حکمت واَخلاق کے چند شاگردوں کی بھی گواہیاں سن لیجئے۔ کیونکہ استاد کے اَخلاق و عادات کے بارے میں شاگردوں کی شہادت بھی بہت زیادہ اہم اور قابل اعتبار سمجھی جاتی ہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یوں تو میرے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درسگاہ ایمان وعمل کے شاگردوں کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے مگر میں ان میں سے اس وقت صرف دو شاگردوں کی شہادت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ سنیے اور سر دھنیے۔

معاویہ بن الحکم کا قول

حضرات! جناب معاویہ بن الحکم صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ جماعت کی صفوں میں کسی شخص کو چھینک آ گئی چونکہ میں ابھی بالکل ہی نومسلم تھا اور نماز کے مسائل سے بہت ہی کم واقف تھا اس لئے میں نے اس کی چھینک کی نماز ہی میں بلند آواز سے جواب دیا اور زور سے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ"

"کہہ دیا۔ حاضرینِ جماعت میری طرف تعجب سے گھور گھور کر دیکھنے لگے تو مجھے بڑا غصہ آیا اور میں نے نماز ہی میں چلا کر یہ کہہ دیا کہ

وَاثکل اُمّاہُ مَاشَانُکُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَیَّ — یعنی تمہاری موت پر تمہاری ماں روئے کیا بات ہے کہ تم لوگ میری طرف دیکھ رہے ہو؟

پھر کچھ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر مجھے چپ کرانے لگے تو مجھے اور بھی زیادہ غصہ آیا مگر میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو چکے تو باوجود یہ کہ مجھ سے نماز میں اتنی بڑی بڑی غلطیاں ہو چکی تھیں لیکن۔

فَبِأَبِیْ ھُوَ وَاُمِّیْ مَارَاَیْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِیْمًا مِنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا کَھَرَنِیْ وَلَا ضَرَبَنِیْ وَلَا شَتَمَنِیْ — یعنی میرے ماں باپ حضور پر قربان ہو جائیں کہ میں نے آپ سے زیادہ اچھا معلم نہ کسی کو آپ سے پہلے دیکھا نہ آپ کے بعد۔ خدا کی قسم! نہ حضور نے مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا بھلا کہا۔

بلکہ انتہائی کریمانہ انداز اور مشفقانہ لہجے میں فرمایا:

اِنَّ ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ لَا یُصْلَحُ فِیْھَا شَیْءٌ مِّنْ کَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا ھِیَ التَّسْبِیْحُ وَالتَّکْبِیْرُ وَتِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ — یعنی اس نماز میں کسی قسم کی انسانی بات چیت جائز نہیں۔ نماز میں تو صرف تسبیح و تکبیر اور قرآن مجید کی قرات ہی ہونی چاہیے۔

(مشکوۃ ص ۹۰)

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ درس گاہ نبوت کے یہ شاگرد خلق نبوی سے کس قدر متاثر ہیں کہ زندگی بھر قسم کھا کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا گن گاتے رہے اور یہ فرماتے رہے کہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہو جائیں کہ میں نے آپ سے زیادہ اچھا تعلیم دینے والا نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا نہ آپ کے بعد۔

ذوالخویصرہ کی تعلیم

حضرات گرامی! اچھا آیئے اب میں آپ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاگرد کا واقعہ سنادوں جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ نبی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اَخلاق کا کیا عالم تھا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

مسجد نبوی میں تشریف فرماتھے کہ ناگہاں ایک اعرابی وصحابی مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔محدث دارقطنی نے ان کا نام ذوالخویصرہ بتایا ہے۔یہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو بلند آواز سے یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدً وَّلَا تَرْحَمْ مَعَنَا اَحَدًا — یعنی اے اللہ! مجھ پر اور محمد پر رحمت نازل فرما اور ہم دونوں کے ساتھ کسی دوسرے پر مت رحمت فرما۔

ان کی بے تکی اور بے ڈھنگی دعا سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا تم نے تو ایک چوڑی چیز کو بالکل ہی تنگ کر دیا۔مطلب یہ تھا کہ رحمت خداوندی جو تمام عالم کو گھیرے ہوئے ہے تو اس وسیع رحمت کو صرف اپنے لئے اور دوسرے لئے مخصوص ومحدود کر رہا ہے ایسا مت کر بلکہ ساری مخلوقات کے لئے دعا رحمت کر۔پھر اس کے تھوڑی دیر کے بعد یہی بزرگ اٹھے ایک دم ناگہاں مسجد ہی میں پیشاب کرنے لگے۔صحابہ کرام جوش غضب میں ہش ہش کرتے ہوئے ان پر جھپٹے۔مگر سرکار رحمت مدار کا رحم وکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم وکرم او رخلق عظیم دیکھو کہ آپ نے سب کو روک دیا اور آپ نے فرمایا کہ اس کا پیشاب مت کاٹو۔چنانچہ سب لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب انہوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ پیشاب کر لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریب بلا کر انتہائی مشفقانہ وکریمانہ اَخلاق کے ساتھ ان کو یہ تعلیم دی کہ دیکھو! ان مساجد میں پیشاب یا کسی قسم کی گندگی کرنا جائز نہیں ہے۔

اِنَّمَا هِیَ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ۔ — یہ مسجد تو صرف ذکر الٰہی اور نماز اور تلاوت قرآن کے لئے بنائی گئی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے صحابی کو آپ نے حکم فرمایا کہ بڑے ڈول میں پانی لا کر اس کے پیشاب پر بہا کر دھو ڈالو۔(ترمذی ج۱ص۲۱ومشکوۃ ص۵۲)

حضرات! غور فرمایئے کہ بڑے بڑے باوقار صاحب اَخلاق معلمین اس دنیا میں ہوئے اور ہیں مگر مسجد تو بڑی چیز ہے۔ان کی درسگاہ میں کسی شاگرد کا پیشاب کرنا تو بہت بڑی بات ہے اگر تھوک بھی دے تو ہر معلم جوش غضب میں آپے سے باہر ہو جائے گا۔مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے شاگردوں کے ساتھ یہ بلند اور کریمانہ اَخلاق تھا کہ بڑے بڑے جاہل قسم کے اعرابی بارگاہ نبوت میں تعلیم کے لئے حاضر ہوتے تھے اور لاعلمی میں ان سے بہت سی ایسی حرکتیں سادر ہو جاتی تھیں جو ہرگز قابل معافی نہیں ہوتی تھیں۔مگر قربان جایئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اَخلاق حسنہ پر کہ ان کا یہ خلق عظیم ان لوگوں کی تمام غلطیوں کو اپنے

دامن عفو و کرم میں چھپا کر انہیں مقدس تعلیم سے ایسا سنوارتا تھا کہ وہ ساری دنیا کے معلم اَخلاق بن جاتے تھے اور وہ اَخلاق نبوت کی کریمانہ شان سے اس قدر متاثر ہوئے ہوتے تھے کہ تمام عمر وہ کہتے پھرتے تھے کہ حضور پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں کہ میں نے ان سے زیادہ اچھا معلم نہ ان سے قبل کسی کو دیکھا نہ ان کے بعد۔

برادران ملت! دیکھئے یہ ہے کہ میرے آقا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا جلوہ جس کو قرآن کریم نے فرمایا اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ درود شریف پڑھیے اللھم صلی علی سید نا و مولا نا محمد و علی اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم۔

دشمنوں کی گواہیاں

برادرانِ اسلام آپ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق پر ازواج مطہرات خدام غلام اور تلامذہ سب کی گواہیاں سن چکے اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چند دشمنوں کی گواہیاں بھی آپ کو سنا دوں کیونکہ عربی کی ایک مشہور مثل ہے کہ:

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَآءُ یعنی سب سے بڑی فضیلت تو جب ہے کہ دشمن بھی فضیلت کی گواہی دینے لگے۔

ابوسفیان دربار ہرقل میں

حضرات گرامی! جناب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے نام نامی سے کون واقف ہوگا یہ اسلام لانے سے قبل اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی خطرناک دشمن تھے۔ یہ وہی ابو سفیان ہیں جو جنگ اُحد اور جنگ خندق میں لشکر کفار کے سپہ سالار تھے۔ جس وقت ابوسفیان صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل بادشاہ روم کے نام دعوتِ اسلام کا فرمان بھیجا تو ہرقل نے ابوسفیان اور قریش کے دوسرے تاجروں کو دربار میں طلب کر کے حضور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سے سوالات کیے اور ابوسفیان نے اس کے سب سوالوں کا ٹھیک ٹھیک جواب بھی دیا آخر میں جب بادشاہ روم ہرقل نے نبوت کے بارے میں سوال کیا تو ابوسفیان کو صداقت نبوت کی ہیبت سے مجبور ہو کر یہ شہادت دینی پڑی کہ:

يَقُوْلُ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّاتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَآؤُكُمْ وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ یعنی حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ تم لوگ ایک خدائے واحد کی عبادت کرو اور شرک سے بچو اور اپنے باپ داداؤں کی

وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ وَالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ (بخاری ج ا ص ۴۱۲) بکواسوں کو چھوڑ دو اور وہ ہم کو نماز اور سچائی اور پاک دامنی اور بہترین سلوک اور ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیتے ہیں۔

برادران ملت! غور فرمائیے کہ ابوسفیان باوجود یہ کہ اس وقت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن جاں تھے مگر پھر بھی آپ کے فضائل خلق عظیم پر کتنا غیر مبہم بیان اور کس قدر واضح شہادت دے رہے ہیں اور گواہی دے رہے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ کہ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ آفتاب سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر روشن اور تابناک حقیقت ہے سچ ہے کہ خوب فرمایا کسی نے۔

کمالات نبی پردوں میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور ظلمت میں کبھی پنہا نہیں ہوتا

کفار قریش کا اقرار

برادرانِ اسلام! کون نہیں جانتا کہ فتح مکہ کے دن تمام وہ مجرمین جنھوں نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر طرح طرح کے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے تھے سب کے سب گرفتار کر کے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر کیے گئے۔ مکہ کے یہ خونخوار ستم گار سر جھکائے سرکار نامدار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے اور ہر ایک مجرم اپنے اپنے مظالم کو یاد کر کے اپنے اپنے انجام کے تصور سے لرزہ براندام ہو رہا تھا کہ اتنے میں نگاہِ نبوت ان کی طرف اٹھی اور ارشاد فرمایا کہ:

مَاظَنُّكُمْ بِیْ بولو میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

تمام مجرمین اپنی سہمی ہوئی آوازوں میں کہنے لگے کہ:

اَخٌ كَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ كَرِیْمٍ یعنی آپ خود بھی کریم ہیں اور کرم والے بھائی کے بیٹے ہیں۔

اس لئے کریم بن کریم سے ہمیں تو کرم ہی کی امید ہے یہ سن کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا اور فرمایا کہ:

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ فَاذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ یعنی اے اہل مکہ! سزا تو کجا؟ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ آج تمہارے لئے ملامت کا بھی

کوئی لفظ بولو جاؤ سب آزاد ہو۔

اللہ اکبر! وہ لوگ جو دلوں میں تصور جمائے ہوئے تھے کہ آج ہماری ایک ایک بوٹی کاٹ کر چیلوں اور کوؤں کو کھلائی جائے گی اور ہماری لاشیں آگوں میں جلائی جائیں گی۔ ہمارے بچے اور بیویاں لونڈی' غلام بنالئے جائیں گے۔ اور ہمارے گھروں کو جلا کر خاک کا ڈھیر بنادیا جائے گا وہ ایک دم بالکل ناگہاں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان بشارت سن کر دنگ ہو گئے اور ان کے سینوں کی ظلمتوں میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے ایسا چراغاں ہو گیا کہ جذبہ تشکر سے مغلوب ہو کر ہر ایک کی آنکھوں سے اشک ندامت کا سیلاب امڈ پڑا۔ ہر ایک مجرم لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ پڑھ کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پناہ گزیں ہو کر دونوں جہان کی نعمتوں سے مالا مال ہو گیا۔ دم زدن میں ان کے دلوں کی دنیا ہی بدل گئی اور ایک دم پورے ماحول کا نقشہ ہی ردوبدل ہو گیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا۔

جہاں تاریک تھا ظلمت کدہ تھا سخت کالا تھا
کوئی پردے سے کیا نکلا کہ گھر گھر میں اجالا تھا

عکرمہ اور صفوان کا اسلام

حضرات! فتح مکہ کے دن تمام قریش مسلمان ہو گئے مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ کا بیٹا صفوان یہ دونوں اس وقت بھی مسلمان نہیں ہوئے بلکہ یہ دونوں مکہ سے بھاگ نکلے۔

حضرات! اس موقع پر بھی ذرا رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم کا ایک نمونہ ملاحظہ فرمائے کہ آپ نے عمیر بن وہب اور وہب بن عمیر کو اپنی چادر مبارک عطا فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ تم لوگ یہ میری چادر لے کر جاؤ یہ صفوان کے امان کا نشان ہے۔ چنانچہ یہ دونوں چادر مبارک لے کر صفوان کے پاس پہنچے اور صفوان رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امان کا نشان دیکھ کر حیران رہ گیا اور فوراً حاضر خدمت ہو گیا اور صرف چند دنوں میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے اس قدر متاثر ہوا کہ کلمہ پڑھ کر مشرب بہ اسلام ہو گیا اسی طرح عکرمہ جان کے خوف سے بھاگ کر یمن چلا گیا تھا۔ عکرمہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے عکرمہ کے لئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے امان طلب کی۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سب سے بڑے دشمن ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو امان دے دی چنانچہ جب اُم حکیم عکرمہ کو یمن سے بلا کر لائیں اور عکرمہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو سرکار رحمت مدار نے مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر عکرمہ کا استقبال فرمایا کہ:

مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرْ — یعنی خوش آمدید اے ہجرت کرنیوالے سوار

جناب عکرمہ نبی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس خلق عظیم کو دیکھ کر ندامت سے پانی پانی ہو گئے اور فوراً ہی بلند آواز میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری یہ تلوار جو اب تک اسلام کے خلاف چلتی رہی آج سے یہ میری زندگی کی آخری سانس تک اسلام کی نصرت وحمایت میں بے نیام رہے گی۔ چنانچہ حضرت عکرمہ فتح مکہ کے سال ۸ ھ میں اسلام لائے اور اس کے بعد کے تمام اسلامی جہادوں میں انتہائی جانبازی کے ساتھ جہاد فرماتے رہے یہاں تک کہ ۱۳ھ میں جنگِ یرموک کے جہاد میں میدان جنگ کے اندر لڑتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ (اکمال فی اسماء الرجال)

برادرانِ ملت! غور کیجئے کہ عکرمہ بن ابوجہل ہوں یا صفوان بن امیہ، صنادید قریش ہوں یا دوسرے دشمنان اسلام سب کے سب اَخلاق نبوت ہی سے متاثر ہو کر اسلام کی آغوش میں آئے ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جو اکثر کہا کرتے تھے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے وہ آئیں اور بتائیں کہ ان دشمنان اسلام کو کون سی تلوار نے اسلام لانے پر مجبور کیا تھا؟

برادرانِ اسلام! ہاں ہاں ہم بھی کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے مگر اسلام کی یہ تلوار کون سی تلوار تھی؟ حضرات یہ لوہے کی تلوار نہیں تھی۔ بلکہ یہ محبت کی تلوار اور پیار کی تلوار تھی یہ اسلام کی صداقت اور احمد مختار کے خلق عظیم کی تلوار تھی جو انسانوں کی گردنوں کو کاٹتی نہیں تھی۔ بلکہ دلوں کی گہرائیوں میں پیوست ہو کر کفر وشرک کی خار دار جھاڑیوں کو کاٹ کر ان کے دلوں کو چمن کا گلزار بنا دیتی تھی۔ جیسا کہ کسی شاعر نے حق منوانے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

راستی کی تیغ تھی جو تھی مسلمانوں کے پاس
خنجر آہن نہیں ' یہ خنجر اَخلاق تھا

میرے بزرگو اور بھائیو! الغرض حضور نبی عربی فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر آپ نے ازواج مطہرات، خدام، غلام، تلامذہ یہاں تک کہ دشمنوں کی بھی شہادت سن لی اب آپ ہی بتائیے کہ اتنی بڑی بڑی اور ایسی ایسی اہم اور عظیم شہادتوں کے بعد دنیا میں کون ایسا جج

ہوگا جو یہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ کہ جس طرح سورج کی روشنی' چاند کی چمک' آسمان کی بلندی میں کوئی شک وشبہ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح نبی کریم کے خلق عظیم میں بھی کسی ریب وشک کی گنجائش نہیں ہوسکتی اور اور یقیناً تمام دنیا کو یہ ماننا اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہی پڑے گا کہ ۔

وہ مقصود دو عالم مستغاث بزم امکانی
کیا جس نے مکمل نسخہ اخلاق انسانی

یہی وجہ ہے کہ قرآن بھی یہ اعلان کررہا ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران)

یعنی اے محبوب! آپ خدا کی رحمت کے سبب سے تمام مخلوق کے لئے نرم خو اور خوش اخلاق ہو گئے اور اگر آپ بد اخلاق اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے بکھر جاتے۔

چنانچہ برادران اسلام ! سچ پوچھئے تو حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلق عظیم ہی کا یہ کرشمہ تھا کہ بڑے بڑے دشمنان اسلام آپ کے اخلاقِ حسنہ سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ ان کے سینوں میں پتھر سے زیادہ سخت دل پگھل کر موم سے زیادہ نرم ہو جاتے تھے اور ایک دم ان کے دلوں کی دنیا میں اسلام اور بانیٔ اسلام کی حقانیت وصداقت کا وہ آفتاب طلوع ہو جاتا تھا جس سے کفر شرک کی ظلمت کافوراً اور ان کے سینے نور ایمان کی روشنی سے پرنور ہو جاتے تھے۔

درخت اخلاق کی شاخیں

برادران ملت ! اخلاق ایک بہت جامع صفت ہے۔ خلق عظیم کو یوں سمجھئے کہ یہ ایک درخت ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں چنانچہ عفو وکرم' حلم وحیا' جودوسخا' صبر ورضا' مروت و محبت' تواضع وانکساری' خوشروئی وملنساری وغیرہ تمام نیک خصلتیں یہ سب اخلاق کے اثرات و ثمرات ہیں۔

حضرات ! سرکار دو جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم کی یہ بڑی ہی نرالی شان ہے کہ تم اخلاق کے جن شعبوں کو بھی آپ کی ذات مقدسہ میں تلاش کرو گے وہ آپ کی ذات بابرکات میں درجہ اتم موجود ملیں گے۔ چنانچہ عفو وکرم کا حال تو آپ سن چکے کہ کیسے کیسے دشمنوں کو آپ نے اپنے دامن عفو وکرم میں پناہ عطا فرمائی ہے۔

حلم وکرم

حلم وکرم کا یہ عالم ہے کہ ایک اعرابی اس زور سے آپ کی چادر مبارک کو کھینچ لیتا ہے کہ آپ کی نرم ونازک گردن پر خراش پڑ جاتی ہے اور پھر نہایت ہی درشت لہجے میں کہتا ہے کہ
مُرْلِیْ مِنْ مَّالِ اللهِ الَّذِیْ عِنْدَکَ یعنی آپ اللہ کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے میرے لئے دینے کا حکم فرمایئے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس اعرابی کی اس حرکت پر مسکرادیتے ہیں اور اس کو دولت سے مالا مال فرمادیتے ہیں اسی طرح جنگ حنین کے موقع پر ایک جگہ بہت سے اعرابیوں نے آپ کو گھیر لیا اور مال طلب کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک اعرابی جھپٹ کر آپ کی چادر مبارک کو جسم اقدس سے کھینچ کر لے بھاگا مگر سلطان کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتے ہوئے آپ اعرابی کی اس جاہلانہ حرکت پر نہ ناراض ہوئے نہ آپ کی پیشانی اقدس پر کوئی بل آیا بلکہ نہایت ہی کریمانہ انداز میں اور مشفقانہ لہجے میں فرمایا کہ:

اَعْطُوْنِیْ رِدَائِی فَلَوْ کَانَ عَدَدَ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نِعَمًا لَقَسَمْتُهُ بَیْنَکُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِیْ بَخِیْلًا وَّلَا کُذُوْبًا وَّلَا جَبَانًا

(بخاری شریف ج۱ص ۴۴۶)

یعنی تم لوگ میری چادر تو مجھ کو دے دو اور تم لوگ اس بات کا یقین رکھو کہ اگر ان جھاڑیوں کی تعداد میں بھی مویشی ہوتے تو وہ سب میں تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا اور اس کے بعد بھی تم لوگ نہ مجھ کو بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل۔

سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھیے درود شریف۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ
وَعَلٰی آلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

شرم وحیاء

برادران ملت! اسی طرح ''حیاء'' جو اخلاق کی ایک بہت ہی اہم خصلت ہے اگر تم دیکھو تو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن عصمت اس دولت سے مالا مال نظر آئے گا۔ اُم المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

کَانَ اَشَدَّ حَیَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِهَا۔ یعنی پردہ نشیں کنواری عورت سے بڑھ کر آپ کی ذات میں حیا کا جوہر نمودار تھا۔

خلوت وجلوت میں کبھی کسی نے آپ کو برہنہ نہیں دیکھا نہ کسی کے سامنے کبھی آپ پاؤں پھیلا کر بیٹھے نہ کبھی کوئی فحش کلمہ زبانِ مبارک سے نکالا اور بار بار اپنے قول وعمل سے اپنی امت کو یہی تعلیم فرماتے رہے کہ

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْاِیْمَانِ یعنی حیاء درخت ایمان کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔

جود وسخا

جود وسخا کا یہ عالم تھا کہ بارہا اتنا اتنا مالِ غنیمت آیا کہ مسجد نبوی بھر گئی مگر آپ تقسیم فرمانے کے لئے بیٹھے تو اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک کہ سارا مال تقسیم نہ فرمالیا اور خود اپنے گھر کا یہ حال کہ عین اس قوت جب کہ مصلی پر نماز کے لئے کھڑے ہو چکے ہیں ایک دم جلدی جلدی اپنے حجرے مبارکہ میں تشریف لے گئے اور پھر جلدی واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ گھر میں تھوڑا سا سونا رہ گیا تھا تو مجھے یہ پسند نہیں آیا کہ ایک ذرا سا سونا بھی نبی کے گھر میں رات بھر رہ جائے اس لئے میں نے اس کو تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ عمر بھر کبھی سائل کے سوال کو رد نہیں فرمایا جس نے جو مانگا وہ عطا فرمادیا اور کسی سائل کے جواب میں ''نہیں'' کبھی نہیں فرمایا کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

نہ رفت لا بزبان مبارکش ہرگز
مگر در اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

کبھی ''لا'' یعنی ''نہیں'' کا لفظ آپ کی زبان پر نہیں آیا مگر ہاں جب کلمہ شہادت پڑھتے تھے تو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں لفظ ''لا'' آپ کی زبان مبارک پر آتا تھا اور آپ فرماتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے بھی اسی مضمون کو اس طرح ادا فرمایا ہے کہ۔

واہ کیا جو در کرم ہے شہ بطحا تیرا
''نہیں'' سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

محبت ومروت

خدا کے بندوں اور اس کی تمام مخلوق سے محبت ومروت کا یہ عالم تھا کہ خود قرآن گواہ ہے۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌO

یعنی خدا کے بندوں کا کسی مشقت میں پڑ جانا آپ پر انتہائی شاق گزرتا تھا ہر وقت امت کی خیر خواہی اور مومنین پر انتہائی شفقت و مہربانی آپ کی بہت ہی خاص الخاص صفت تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں عرض کر چکا ہوں کہ اہل مدینہ کے غلام اور عورتیں بچے برتنوں میں پانی لے کر سردیوں میں صبح کے وقت حاضر دربار ہو کر یہ درخواست کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈبودیں تا کہ پانی متبرک ہو جائے تو بسا اوقات کڑکڑاتے ہوئے جاڑوں میں جب کہ کمبل سے ہاتھ نکالنا بھی دشوار ہوتا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تھے اور کسی کا دل نہیں توڑتے تھے۔

ایثار وقربانی

اسی طرح آپ کے ایثار وقربانی کی کیفیت کا تو کیا پوچھنا؟ دو دو مہینے کاشانہ نبوت میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ صرف کھجور اور پانی یا دودھ پر خود گزر اوقات فرماتے بلکہ تعلیم امت کے لئے کبھی کبھی کئی کئی فاقے بھی فرمالیا کرتے تھے مگر اپنی امت کی بھوک پیاس برداشت نہیں فرماسکتے تھے بلکہ

بھوکے رہتے تھے خود اوروں کو کھلا دیتے تھے
کیسے صابر تھے محمد ﷺ کے گھر والے

گوشت پتھر ہو گیا

حضرات! اسی سلسلے میں ایک عبرت آموز اور رقت آمیز روایت بھی سن لیجئے۔ ایک دن حضرت اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کسی صحابی نے ایک بوٹی کا ہدیہ بھیجا۔ اُم المومنین نے اس گوشت کو اس خیال سے طاق پر رکھ دیا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت بہت محبوب و مرغوب ہے جب حضور کاشانہ نبوت میں تشریف لائیں گے تو میں یہ گوشت حضور اقدس میں پیش کروں گی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک سائل دروازہ پر آ گیا۔ حضرت اُم المومنین کو یہ یاد نہیں رہا کہ کوئی چیز گھر میں سائل کو دینے کے لائق موجود ہے اس لئے آپ نے سائل کو واپس کر دیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

فَاِنَّ ذَالِكَ اللّٰهُمَّ عَادَمَرُوۃَ لِمَا لَمْ تُعْطُوْهُ السَّائِلِ (مشکوٰۃ ص ۱۶۱) یعنی چونکہ تم لوگوں نے سائل کو نہیں دیا اس لئے وہ گوشت پتھر ہو گیا۔

تواضع وانکساری

حضرات! اسی طرح سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم میں تواضع اور انکساری کا جلوہ دیکھنا ہو تو یہ دیکھ لیجئے کہ باوجود یہ کہ آپ سید المرسلین بھی ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی۔ طٰہٰ ویٰسٓ بھی ہیں اور رحمۃ للعالمین بھی' سلطان کونین بھی ہیں اور شہنشاہ دارین بھی غرض وہ کون سا ایسا فضل وکمال ہے کہ جس سے ذات اقدس مالا مال نہیں وکون سی ایسی عظمت وفضیلت ہے جو آپ کے پایۂ اقدس سے وابستہ نہیں مگر آپ کے تواضع وانکساری کا یہ عالم ہے کہ بار بار اپنے غلاموں سے یہی فرماتے ہیں کہ

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہ میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں۔

فرش زمین پر بیٹھ کر چمڑے کا دسترخوان بچھا کر اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ جو کی روٹی تناول فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ میں اس طرح کھانا پسند کرتا ہوں جس طرح ایک غلام کھاتا ہے۔ میں اس طرح بیٹھنا پسند کرتا ہوں جس طرح ایک غلام بیٹھتا ہے۔ کبھی ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو ایک بندہ ہوں۔

صحابہ کرام کا بیان ہے کہ

كَانَ يُسَوِّيْ بِنَا نَفْسَهٗ یعنی ہر معاملہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات مبارکہ کو ہمارے برابر کیا کرتے تھے۔

دور دور سے امراء ورؤسائے قبائل کے وفد یہ تصور کر کے آتے تھے کہ شہنشاہ مدینہ کسی مرصع تخت پر اپنے شاہانہ تمکنت ووقار کے ساتھ بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ مگر مدینہ آ کر وہ دیکھتے تھے کہ ۔

اک بوریا پہ شاہ رسالت ہے جلوہ گر
اللہ رے! تخت سب سے بڑے تاجدار کا

ساقی کوثر چاہ زمزم پر

حضرات! حد ہو گئی کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمزم پینے کے لئے تشریف لائے تو حضور کے چچا حضرت عباس ساقی زمزم تھے اور ایک چھوٹے سے حوض میں آب زمزم بھرا ہوا تھا اس میں سے وہ حجاج کو پلا رہے تھے۔

حضرت عباس نے اپنے فرزند حضرت فضل کو حکم دیا کہ تم اپنی والدہ کے پاس سے صراحی میں رکھا ہوا صاف ستھرا آب زمزم لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلاؤ کیونکہ اس حوض میں تمام اعرابی حجاج ہاتھ ڈال ڈال کر پانی پیتے ہیں۔مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اتنی خصوصیت بھی گوارا نہیں فرمائی بلکہ یہی فرمایا کہ چچا جان! مجھے بھی اس حوض میں سے پلایئے جس میں سے تمام حجاج پی رہے ہیں۔چنانچہ ساقی کوثر نے اسی عام حوض میں سے آب زمزم نوش فرمایا۔

صبر و رضا

حضرات !اس طرح صبر و رضا کی یہ کیفیت ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

اُوْذِیَ نَبِیٌّ قَطُّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ یعنی کسی نبی کو دنیا والوں نے اتنا نہیں ستایا جتنا مجھے ستایا گیا۔

اللہ اکبر! اہل مکہ نے ظلم وستم کا وہ کون سا ایسا پہاڑ تھا جو آپ پر نہیں توڑا۔آپ پر بارہا پتھروں کی بارش کی۔پورے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کیا اور تین برسوں تک شعب ابی طالب کی ایک گھاٹی میں آپ کو بحیثیت قیدی کے نظر بند رکھا۔جہاں اہل مکہ اپنی دانست میں دانہ پانی نہیں لے جانے دیتے تھے۔حرم الٰہی میں بحالت سجدہ آپ کی پشت مبارک پر اونٹ کی اوجڑی رکھ دیا کرتے تھے۔بار بار قاتلانہ حملے کئے۔دندان مبارک کو شہید کر ڈالا۔پیشانی و رخسار مبارک پر گہرے زخم لگائے طرح طرح کی سازشوں اور سیہ کاریوں کا جال بچھاتے رہے مگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صبر و رضا کا پہاڑ بن کر تمام مصیبتوں پر ایسا صبر فرماتے رہے اور راضی برضا رہے کہ قیامت تک آنے والی نسل انسانی آپ کے صبر و رضا کو دیکھ کر سبق حاصل کرتی رہے گی سچ ہے کہ

بنائے آسماں بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
محمد (ﷺ) تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
فلک نے بارہا انسان کو جنگ آزما دیکھا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد کے سوا دیکھا
خوشی تھی فتح کی ان کو نہ کوئی غم ہزیمت کا
مثال عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا

خوش روئی و ملنساری

اسی طرح آپ کی خوش روئی و ملنساری بھی سارے عالم میں عدیم المثال ہے بڑے بڑے خونخوار دشمنوں سے بھی آپ ایسی خوش خوئی و شیریں کلامی کے ساتھ پیش آتے تھے کہ ان ظالموں کے سینوں میں پتھر سے زیادہ سخت دل آپ کے خلق عظیم سے متاثر ہو کر موم سے زیادہ نرم ہو جاتے تھے۔ الغرض! اخلاص حسنہ کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالیے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس زندگی محاسن اَخلاق کی اسی عظیم اور بلند منزل پر نظر آئے گی کہ آسمانوں کی رفعتیں بھی اسے جھک جھک کر سلام کرتی نظر آئیں گی۔ کیوں نہ ہو کہ ربّ العزت جل وعلا کا ارشاد ہے کہ

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

یعنی بے شک اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ بہت بڑے اور بلند اَخلاق پر ہیں۔

برادرانِ ملت! دعا فرمائیے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اَخلاقِ نبوت کی سچی پیروی کی توفیق بخشے۔ (آمین)

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ – وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن۔

سولہواں وعظ

اُسوۂ حسنہ

ہمیں کرنی ہے شاہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہو گئے تو رحمت پروردگار اپنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی من کان نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَ الطین و علیٰ الہ و اصحابہ اَجْمَعِیْنَ ۔ الیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْ اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (سورۃ احزاب)

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ — کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ — صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

حضرات با آواز بلند درود شریف کا ورد فرمایئے

اللھم صل و سلم وبارك سیدنا و مولانا محمد الہ و صحبہ اجمعین

حضرات ! تقریر سے پہلے ایک نعت شریف عرض کرتا ہوں ۔ جذبہ محبت اور جوش عقیدت کے ساتھ سماعت فرمایئے۔

نعت شریف

احمد مرسل فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
مظہر اول مرسل خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

جسم مزکی روح مصور قلب مجلی نور مقطر
حسن سراپا خیر مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

جس کی ہراول فوج سلیماں جسکے منادی موسیٰ عمراں
جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ علیہ وسلم

جس پہ تصدق وحی الٰہی کنکریاں دیں جسکی گواہی
جس کا تفوق سب پہ مسلم صلی اللہ علیہ وسلم

نظم میں جسکی نعت مطہر اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرْ
اللہ اللہ شان معظم صلی اللہ علیہ وسلم

وہ مصداق دَنٰی فَتَدَلّٰی جس کی منزل عرش معلّٰی
نکتہ ما اوحیٰ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْمُدَّثِرْ اَلْمُزَّمِّلْ ذات اس کی کونین کا حاصل
خاک پہ سجدہ عرش پہ پرچم صلی اللہ علیہ وسلم

جتنے فضائل جتنے محاسن ممکن میں ہوسکتے تھے ممکن
حق نے کیے سب ان میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم

اوج شرف کا بدر وہی ہے بزم رسل کا صدر وہی ہے
بدر منور صدر مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

صدر امم سلطان مدینہ جس کے کف پا کا پسینہ
گل کدہ فردوس کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا پیارا نام محمد فیض موبد فوز مخلد
حسن مجرد نور مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

(اقبال سہیل)

محترم سامعین! اس دنیا میں انسان بھی رہتے ہیں اور قسم قسم کے جانور بھی۔ مگر انسان اور جانوروں میں جہاں بہت سی باتوں میں فرق ہے وہاں ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ جانور اس دنیا میں کوئی پیروی اور تقلید نہیں کرتے اور انسان ضرور کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی کرتا ہے جس طرح ہندوستان کی بکری گھاس اور پتے کھاتی ہے۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ کی بکریاں بھی گھاس اور پتے ہی کھاتی ہیں۔ وہ بسکٹ اور کیک نہیں کھاتی ہیں۔ جس طرح ہندوستان کا کوا کائیں کائیں بولتا ہے اسی طرح لندن اور عرب کے کوے بھی کائیں کائیں بولتے ہیں۔ لندن کے کوئے انگریزی اور عرب کے کوے عربی نہیں بولا کرتے غرض دنیا کی بکریاں ایک ہی غذا کھاتی ہیں اور دنیا بھر کے کوے ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ مگر حضرت انسان کو مت پوچھیے! ہر جگہ کے انسانوں کی غذائیں الگ الگ اور زبانیں جدا جدا ہیں۔ دیکھ لیجئے کابل کا انسان بغیر روٹی اور گوشت کے آسودہ ہی نہیں ہوتا۔ گجراتی بغیر کھچڑی

کڑھی کھائے خوش نہیں ہوتا۔ یو پی والوں کو قورمہ‘ چپاتی اور پلاؤ چاہئے۔ بنگالی مانس بلا مچھلی بھات کے زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ہر ایک کی زبان‘ ہر ایک کا لباس‘ ہر ایک کی تہذیب وتمدن بالکل مختلف اور الگ الگ ہیں۔ ایک کابلی کو سولہ گز کی شلوار‘ لمبی قمیص‘ صدری اور کلاہ والا صافہ چاہئے۔ لکھنو والوں کو چست پاجامہ‘ شیروانی اور اتنی مختصر ٹوپی کہ جیسے خربوزہ کی ایک کھنپ چاند پر رکھی ہے۔ بنگال چلے جایئے تو دھوتی کرتے یا تہمند کرتے کے سوا کوئی لباس ہی نہیں۔ بنگال میں اگر پائجامہ‘ شیروانی اور صافہ پہن کر نکلیے تو آدمی اس طرح گھور گھور کر دیکھتے ہیں کہ گویا چڑیا گھر کا کوئی جانور آ گیا ہے۔ اور کتے بھونک بھونک کر زمین پر سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ دنیا بھر کے انسانوں کے لباس‘ غذا‘ زبان اور تہذیب وتمدن میں اختلاف ہے اور دنیا بھر کے جانوروں کی غذا اور زبان میں یکسانیت ہے تو برادران ملت! اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان اس دنیا میں کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی ضرور کرتا ہے اور جانور ہرگز کبھی کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ ایک بنگالی اگر کابل میں رہنے لگے تو وہ بھی پشتو زبان بولنے لگے گا اور شلوار و لمبی قمیض کے ساتھ کلاہ والا صافہ باندھنے لگے گا اور مچھلی بھات چھوڑ کر تنوری روٹی اور گوشت کھانے لگے گا۔ کیونکہ ایک بنگالی کابل میں رہ کر ضرور کابلی انسانوں کی تقلید اور پیروی کرنے لگے گا۔ مگر ایک کوے کو ساری دنیا میں پھراؤ لیکن وہ کائیں کائیں کے سوا کبھی کوئی دوسری بولی نہیں بولے گا اور اپنی غذا ہرگز کبھی نہیں بدلے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جانور کسی کی تقلید اور پیروی نہیں کرتے بلکہ اپنی زبان‘ طبعی غذا اور پیدائش رہن سہن پابندی کے ساتھ قائم رہتے ہیں۔

حضرات! ان مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اس دنیا میں تقلید کا خوگر اور پیروی کا عادی ہے۔ اس کی طبیعت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے متاثر ہو کر دوسروں کی تقلید اور پیروی کیا کرتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی کی اقتداء و پیروی اور تقلید ضرور کرے گا۔

انسان کس کی پیروی کرے

اب انسان کے لئے یہی سوال بہت ہی اہم اور ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اپنی جسمانی و روحانی ترقی کے لئے کس کی اقتداء اور پیروی کرے اور کس کی تقلید واقتداء انسان کو اس بلند منزل پر پہنچا سکتی ہے۔ جو اشرف المخلوقات کے شایان شان ہے تو اس

سلسلے میں قرآن مجید نے ہماری راہنمائی فرمائی ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — یعنی یقیناً تم لوگوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی سب سے اچھی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کی فلاح دارین کے لئے اگر کسی کی پیروی سب سے اچھی، سب سے بہتر سب سے اعلیٰ ہے تو وہ حضور نبی آخر الزمان، خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا ہے مگر کن انسانوں کے لیے؟ تو فرمایا کہ

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا — جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کا امیدوار ہو اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

برادران ملت! یاد رکھیے کہ درحقیقت انسان کہلانے کا تو صحیح معنوں میں وہی حق دار ہے جو اپنے خالق و مالک کو جانتا اور پہچانتا ہو اور اس کے انعاموں کا شکر گزار اور اس کے فضل و کرم کا امیدوار ہو اور اپنے اعمال و افعال کے محاسبہ کی بھی فکر رکھتا ہو۔ ورنہ وہ انسان جو اپنے مبداء و معاد سے بے خبر اور اپنے خالق و مالک سے نا آشنا اور اپنے اعمال و افعال کے محاسبہ سے غافل ہو وہ حقیقت انسان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ایسے آدمیوں کے بارے میں فرمایا کہ:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (۷ : ۱۷۹)

بہرکیف قرآن مجید نے یہ اعلان فرمادیا کہ ان انسانوں کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا میں سب سے بہترین راہ عمل اور صراط مستقیم یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کی ہر رفتار و گفتار اور اپنے عمل و کردار میں حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی کریں۔

اور درحقیقت عقل سلیم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تقلید اور پیروی اسی کی کرنی چاہیے۔ جس کے بتائے ہوئے طریقے بالکل سچے اور سو فیصد صحیح ہوں اور جس کا علم قطعی و یقینی اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہو اور اس کی ہدایات کے پورے دفتر میں ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی خطا اور غلطی کا احتمال نہ ہو۔

نبی اور غیر نبی

حضرات! یہی وہ منزل ہے کہ جہاں ''مقام نبوت'' ایک بہت خصوصی امتیاز کے ساتھ

روشن اور آشکار ہو جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ایک نبی اور غیر نبی بہت ہی نمایاں ہو کر نمودار ہو جاتا ہے۔ ایک ڈاکٹر' ایک پرفیسر' ایک فلاسفر اور ایک لیڈر بھی ہدایات دیا کرتا ہے اور ایک نبی رشد و ہدایات کا نورانی دفتر پیش فرماتا ہے مگر ایک نبی اور ایک غیر نبی جو کچھ کہتا ہے اپنی اٹکل اور تخمینہ سے سوچ بچار کر کے اپنے قیاس سے ٹٹول کر اور قرائن و علامات سے اندازہ لگا کر کہتا ہے مگر ایک نبی کا فرمان وحی الٰہی اور اس کی حقیقت بعین چشم بصیرت کا مشاہدہ اور نگاہِ نبوت کا معائنہ ہوا کرتا ہے اسی لئے غیر نبی کی باتیں اکثر و بیشتر غلط ہو جایا کرتی ہیں۔ مگر ایک نبی کا ارشاد صادق حق و صداقت کا ایک ایسا آفتاب ہوتا ہے کہ نہ وہ کبھی غروب ہوتا ہے نہ اس میں کبھی گہن لگتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ؎

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی
خدا کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

ایک ڈاکٹر اور نبی

برادرانِ ملت! دیکھئے! ایک بہت ہی ماہر ڈاکٹر ایک مریض کے لئے دوا تجویز کرنے سے پہلے غور سے مریض کا معائنہ کرتا ہے اور نہایت دماغ سوزی اور عرق ریزی کے ساتھ جانچ پڑتال کر کے ایک نسخہ لکھتا ہے مگر دوسرے یا تیسرے ہی دن اس کی تشخیص جب غلط ثابت ہوتی ہے تو مرض کے بارے میں ڈاکٹر کی رائے بدل جاتی ہے اور پھر وہ اسی مریض کے لئے دوسرا اور تیسرا نسخہ لکھتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر نے پہلے دن جو رائے قائم کی تھی وہ احوال و کیفیات سے اندازہ کر کے اور اپنی سمجھ بوجھ سے ٹٹول کر ایک خیال قائم کر لیا تھا۔ اس کو مریض کے بارے میں کوئی قطعی اور یقینی علم نہیں تھا مگر آیئے! اور ایک نبی کو بحیثیت ایک معالج کے دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ ایک نبی اور ایک غیر نبی کے علم میں کتنا عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔

حضرات! روایت ہے کہ ایک صحابی بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے بھائی کو دست آ رہے ہیں کوئی علاج بتایئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اِسْقِہٖ عَسَلاً" اس کو شہد پلاؤ۔ چنانچہ مریض کو شہد پلایا گیا۔ مگر شہد پیتے ہی اور زیادہ دست آنے لگے۔ مریض کا بھائی گھبرایا ہوا آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اب تو پہلے سے بھی زیادہ دست آ رہے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ لہجے میں پھر فرمایا کہ "اِسْقِہٖ عَسَلاً"

اس کو شہد پلاؤ چنانچہ پھر جو شہد پلایا گیا تو دستوں کی شکایت پہلے سے بھی بڑھ گئی۔ مریض کا بھائی پھر حاضر دربار ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اب تو مریض کو بہت زیادہ دست آنے لگے ہیں۔ اب کی مرتبہ ''حکیم عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' نے اپنے پیغمبرانہ عزم کے ساتھ ذرا پر جلال لہجے میں فرمایا کہ

صَدَقَ اللّٰہُ وَ کَذَبَ بَطْنُ اَخِیْکَ یعنی اللہ تعالیٰ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔

اِسْقِہٖ عَسَلاً اس کو شہد پلاؤ چنانچہ اب کی مرتبہ شہد پلاتے ہی دست بند ہو گئے اور مریض مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۴۸)

حضرات! آپ نے دیکھا کہ ایک ڈاکٹر بار بار مریض کے حالات و کیفیات کو دیکھ کر نسخہ بدلتا رہتا ہے مگر ایک نبی برحق بغیر مریض کا معائنہ کئے ہوئے ایک مرتبہ جو نسخہ تجویز فرما دیتا ہے پھر اس کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں؟ اس لئے کہ ڈاکٹر جو کچھ کہتا ہے وہ محض اپنی عقل سے سوچ بچار کر کے اور آلات سے ٹٹول کر اندازہ لگا کر کہتا ہے اس لئے کہ اس کا علم کوئی یقینی اور قطعی نہیں ہوتا۔ مگر ایک نبی جو کچھ کہتا ہے وہ وحی الٰہی سے معلوم کر کے اور اپنی نگاہ بصیرت اور چشم بصارت سے مشاہدہ و معائنہ کر کے کہتا ہے اس لئے اس کا علم قطعی، حتمی اور یقینی ہوتا ہے۔

ایک جرنل اور نبی

حضرات! اسی طرح ایک فوج کا جرنل اگرچہ تمام سامان جنگ اس کے پاس موجود ہوں اور اس کو اپنی فوجی قوت اور عسکری طاقت پر پورا پورا اعتماد بھی ہو، پھر بھی وہ جنگ کے انجام کے بارے میں قطعی طور پر کوئی پیش گوئی کر کے نہ خود مطمئن ہو سکتا ہے نہ کسی دوسرے کو اطمینان دلا سکتا ہے۔ دنیا کا کوئی بھی جرنل ہرگز ہرگز جنگ سے قبل یہ نہیں بتا سکتا کہ اس لڑائی کا انجام کیا ہو گا۔ مگر آیئے اور دیکھئے کہ ایک نبی کی بحیثیت ایک جرنل کے کیا شان ہوا کرتی ہے؟ کون نہیں جانتا کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فوجی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ کل تین سو تیرہ مجاہدین اسلام تھے۔ جن کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں اور سامنے ایک ہزار کفار کا لشکر جرار ہر قسم کے سامان جنگ اور خوفناک ہتھیاروں سے لیس ہو کر لڑائی کے لئے تیار تھا۔ بظاہر مجاہدین اسلام کی فتح و کامرانی کا کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اس کے باوجود

جنگ سے پہلے ہی اس رات میں جس کی صبح کو یہ حق و باطل کا معرکہ گرم ہونے والا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند جاں نثاروں کے ہمراہ میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ دست مبارک میں ایک کھجور کی چھڑی ہے اسی چھڑی سے زمین پر لکیریں کھینچ کر فرماتے ہیں کہ

هٰذَا مَصْرَعُ اَبِیْ جَهْلٍ وَهٰذَا مَصْرَعُ اُمَيَّةَ — یہ ابوجہل کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور یہ امیہ کے بچھڑنے کی جگہ ہے۔

اسی طرح تمام مقتولین کفار کی لاشوں کے گرنے کی جگہیں نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رات ہی میں معین فرمادیں۔ صبح کو ہو بہو جنگ کا یہی انجام ہوا کہ جس جگہ لکیر بنا کر جس کافر کا مقتل بتایا تھا اس لکیر سے بال برابر بھی دور اس کافر کی لاش نہیں ملی۔ اس جنگ میں ستر کفار مقتول ہوئے اور ستر گرفتار ہوئے اور باقی سر پر پیر رکھ کر فرار ہو گئے اور اسلام کی وہ فتح مبین ہوئی۔ جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں۔ جس کو قرآن مجید نے اس طرح بیان فرماتا کہ:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ — بے شک اللہ نے تمہاری اس وقت مدد فرمائی جبکہ تم مسلمان بالکل ہی بے سروسامان تھے۔

برادرانِ ملت

غور فرمایئے کہ دنیا کا کوئی بھی جرنل خواہ کتنا ہی ماہر جنگ کیوں نہ ہو مگر لڑائی سے پہلے ہی وہ جنگ کا انجام ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتا کیوں کہ کسی جرنل کے پاس یقینی اور قطعی علم کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے وہ جو کچھ کہتا ہے اپنی اٹکل اور اندازے سے کہتا ہے اور جو کچھ بتاتا ہے وہ اسباب و ماحول کو دیکھ کر محض اپنے ظن اور قیاس سے بتاتا ہے مگر نبی جس چیز کی خبر دیتا ہے اور جو کچھ بھی کہتا ہے وہ عالم غیب والشہادۃ کی وحی اور نبی کی نگاہ نبوت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی جنگ کے بارے میں ایک جرنل کی رائے اور اسکی پیش گوئیاں اکثر و بیشتر غلط ہو جایا کرتی ہیں۔ مگر ایک نبی کی دی ہوئی خبریں ہرگز ہرگز ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی خلاف واقع نہیں ہوسکتیں۔ کیوں نہ ہو؟ کہ نبی کے بارے میں علیم وخبیر، سمیع وبصیر کا ارشاد ہے کہ

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ — یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! یہ غیب کی خبریں ہیں جو بذریعہ وحی ہم آپ کے پاس بھیجتے ہیں۔

ایک لیڈر اور نبی

حضرات! اسی طرح دنیا کے بڑے بڑے اور سیاسی مدبرین بہت سوچ بچار کر کے کسی حکومت سے سیاسی معاہدات کرتے ہیں اور یہ سوچ سمجھ کر معاہدہ کرتے ہیں کہ یہ معاہدہ سو فیصد ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ مگر معاہدوں کی بعض دفعات حالات و ماحول کے بدل جانے سے سو فیصد مضر ہو جاتی ہیں اور بالآخران معاہدوں کو ختم کرنا یا دفعات کو بدلنا پڑتا ہے یوں ہی بڑی سے بڑی پارلیمنٹ انتہائی غور و خوض اور دماغ سوزی کے بعد ملک کے لئے قانون بناتی ہے مگر چند ہی دنوں میں اس قانون پہ نظر ثانی اور اس کو رد و بدل کرنیکی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہی پارلیمنٹ جس نے اس قانون کو حرف آخر کی حیثیت سے پیش کیا تھا اس قانون کو رد و بدل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ مگر جب ایک نبی کی یہ شان ہے کہ وہ جب کسی قوم یا حکومت سے کوئی معاہدہ کرتا ہے یا ساری دنیا کے لئے کوئی قانون پیش فرماتا ہے تو ہرگز ہرگز قیامت تک اس معاہدہ کی کوئی دفعہ مضر نہیں ہوسکتی اور اس کا قانون کسی حال میں بیکار نہیں ہوسکتا اور ہرگز ہرگز کبھی اس کی کسی دفعہ میں نہ ترمیم کی ضرورت پڑتی ہے نہ رد و بدل کی۔

صلح حدیبیہ

حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ ۶ھ میں چودہ یا پندرہ سو شمع نبوت کے پروانوں کو ساتھ لے کر نبی عربی فداہ امی وابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمرہ کا احرام باندھ کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لا رہے تھے۔ کفار مکہ نے راستہ روک لیا اور آپ حدیبیہ کے میدان میں اتر پڑے۔ کفار مکہ کسی قیمت پر بھی احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا کے گھر خانہ کعبہ تک راستہ دینے پر تیار نہ تھے اور جانثاران اسلام بھی طواف کعبہ کے عزم پر پہاڑوں سے زیادہ مستحکم بنے ہوئے تھے۔ اس اعصابی جنگ کے شدید تناؤ میں ''صلح حدیبیہ'' کا معاہدہ ہوتا ہے کفار مکہ کا نمائندہ جس کا نام ''سہیل بن عمرو'' ہے صلح نامہ تحریر کرانے کے لئے بیٹھتا ہے اور پہلی شرط یہ پیش کرتا ہے کہ ''امسال آپ بغیر عمرہ ادا کئے واپس چلے جائیں'' دوسری دفعہ یہ کہ آپ آئندہ سال اس طرح آ کر مکہ میں تین دن قیام کریں اور عمرہ ادا کریں کہ کوئی ہتھیار غلاف سے باہر اور کوئی تلوار بے نیام نہ ہو۔ تیسری دفعہ یہ کہ اگر ہمارا کوئی آدمی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلا جائے تو آپ پر لازم ہوگا کہ آپ فوراً اس کو مکہ واپس بھیج دیں۔ مگر آپ کا اگر کوئی آدمی مدینہ سے بھاگ کر مکہ آئے گا تو ہم اس کو واپس نہیں کریں گے۔ ان دفعات خصوصاً تیسری کو سن کر صحابہ

کرام جوشِ غضب سے بلبلا اٹھے۔ کہ ہم ہرگز ہرگز ان غیر منصفانہ دفعات کو منظور نہیں کر سکتے۔ بھلا یہ کوئی تک کی بات نہیں کہ تمھارا آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کو واپس کریں اور ہمارا آدمی تمہارے پاس چلا جائے تو تم اس کو واپس نہ کرو ہم اس دھاندلی کو ہرگز ہرگز کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت پریشان اور انتہائی بیزار تھے۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جوشِ اسلامی سے اس قدر مغلوب ہوگئے کہ صبر نہ کر سکے اور بارگاہِ نبوت میں آ کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا ہم حق اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ کیوں نہیں؟ بے شک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ:

فَلِمَ نُعْطِيَ الدَّنِيَّةَ فِي دِيْنِنَا — پھر ہم دین میں یہ ذلت کیوں دی جارہی ہے

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت وقار کے ساتھ اپنے پیغمبرانہ لہجے میں فرمایا کہ اطمینان رکھو میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت عمر اسلامی جذبات سے اس قدر سرشار تھے کہ اب بھی سکون قلب نہیں ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے الجھ پڑے اور ان سے بھی وہی کہا جو بارگاہ رسالت میں عرض کر چکے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گو خود بھی اس دفعہ کو دل سے قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ مگر اتباع نبوت کا جذبہ غالب تھا اس لئے فرمایا کہ:

اِلْزَمْ غَرْزَهٗ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ — اے عمر! ان کی رکاب تھامے رہو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

بالآخر صلح نامہ مکمل ہوگا اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں قربانی کر کے احرام کھول دیا۔ صحابہ کرام پر اس صلح نامہ کی دفعات بیحد شاق اور ناگوار گزر رہی تھیں۔ مگر اطاعت رسول سے کوئی چارہ نہیں تھا۔ بادلِ ناخواستہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناخواستہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قربانی کر کے احرام کھولا اور سب لوگ حدیبیہ کے میدان سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ راستہ میں اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی آیت نازل ہوئی اور خدا قدوس نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! بے شک آپ کو ہم نے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا یہ "صلح حدیبیہ" فتح ہے؟ انہیں تعجب ہو رہا تھا کہ فتح کیسے کہلا سکتی ہے؟ پیغمبر برحق نے انتہائی عزم کے ساتھ پرجلال لہجہ میں فرمایا کہ ہاں ہاں یہ فتح ہے۔ یہ فتح ہے۔ آخر چند دن

گزرنے کے بعد ایک حضرت عمرؓ ہی نے نہیں بلکہ تمام صحابہ کرام بلکہ دنیا کے تمام مدبرین نے اعتراف کرلیا کہ واقعی صلح حدیبیہ اسلام کی فتح مبین تھی۔ کیونکہ اس صلح سے اسلام کو جو ترقی کے مواقع نصیب ہوگئے۔ وہ کسی بھی دوسری ترکیبوں سے اب تک حاصل نہیں ہوئے تھے۔ کیونکہ اس صلح سے مسلمانوں کو روز روز کی جنگوں سے نجات مل گئی اور پورے سکون واطمینان کے ساتھ اسلام کی تبلیغ ہونے لگی۔ پھر جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاہدہ کی رو سے واپس بھیج دیتے تو وہ لوگ مکہ جانے کی بجائے سمندر کے کنارے جا کر مقیم ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ابو بصیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک اچھی خاصی تعداد میں مہاجرین مسلمان ''سیف البحر'' میں مجتمع ہوگئے اور کفار مکہ کے تجارتی قافلوں پر یلغار کرنے لگے اور شرط سے بیزار ہوگئے اور اس دفعہ کو منسوخ کرانے کے لئے بلبلا اٹھے۔ یہاں تک کہ خود ہی مکہ والوں نے اپنی شرط کو منسوخ کر دیا۔

حضرات! غور فرمایئے کہ صلح حدیبیہ کی شرطیں بظاہر اسلام کے حق میں کس قدر ذلت آمیز اور مضر نظر آتی تھیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام شرطوں کو بخوشی منظور فرمالیا کیونکہ دوسرے لوگ اپنی سمجھ بوجھ اور اٹکل سے اس دفعہ کو سمجھ رہے تھے اور پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی الٰہی سے اس دفعہ کا انجام جانتے تھے۔ اس لئے تمام لوگوں کا علم غلط نکلا اور نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کی صداقت کا آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوگیا۔ کیونکہ آپ کا سینہ وحی ربانی کا سفینہ اور آپ کا علم نبوت ''علوم وآخرین'' کا گنجینہ تھا۔

وہ کشافِ سرائر جس نے کھولا چند اشاروں میں
علومِ اوّلین و آخریں کا گنج پنہانی

اسی طرح پیغمبر اسلام نے اپنی امت کے ''معاش ومعاد'' اور فلاح دارین کے لئے جتنے قوانین پیش فرمائے ہیں۔ آج تقریباً چودہ صدیاں گزر چکیں لیکن ان قوانین میں کسی ترمیم یا ردوبدل کی ضرورت پیش نہیں آئی اور پارلیمنٹ کے قوانین کا یہ حال ہے کہ جس طرح سالانہ تقویم اور جنتریاں بدلتی رہتی ہیں اسی طرح پارلیمنٹ کے قوانین ردوبدل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ ڈاکٹر ہوں یا پروفیسر' سیاسی لیڈر ہوں یا ریفارمر سب جو کچھ کہتے ہیں اپنے قیاس وظن اور اٹکل سے کہتے ہیں اور ان میں سے کسی کا علم یقین قطعی نہیں ہوتا اور پیغمبر برحق نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ خدا کا بتایا ہوا ہے اور نبی کی نگاہ

نبوت کا مشاہدہ کیا ہوا بالکل قطعی اور یقینی علم ہوا کرتا ہے۔ جس میں غلطی کا کبھی احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کی چشم بصیرت و نگاہ نبوت سے عالم محسوسات و معقولات کا کوئی گوشہ مخفی ہی نہیں رہ سکتا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے ۔

سر عرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے' تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

حضرات! اسی لئے میں نے عرض کیا کہ بنی نوع انسان کے لئے وہی طریقہ نجات دہندہ ہو سکتا ہے جو نبی کا بتایا ہوا طریقہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے حکم فرمایا ہے کہ:
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی تمہارے لئے رسول اللہ کی پیروی سب سے بہترین ہے۔

برادران ملت! میری اتنی گزارش ہے کہ آپ کو روشنی مل ہو گی۔ کہ مقام نبوت کتنا ارفع و اعلیٰ اور بلند مقام ہے اور ایک نبی اور غیر نبی کے علوم و معارف میں کتنا عظیم الشان فرق ہوتا ہے؟ اس لئے یقین فرمایئے اور ایمان رکھیے کہ ایک غیر نبی لاکھ تعلیم حاصل کر لے اور اپنی علمی و عملی جدوجہد کی بدولت رفعت و عظمت کی ہزاروں منزلیں طے کر لے مگر ہرگز ہرگز کبھی نبی کی عظیم المرتبت منزل بلند کے غبار راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتا کیوں؟ اس لئے کہ۔

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گرد منزل میں نہ
جانے کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد کا

ہاتھی اور پانچ اندھے

حضرات! ڈاکٹروں' فلاسفروں اور لیڈروں کے علوم اور انبیاء علیہم السلام کے علوم میں کتنا عظیم الشان فرق ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے تمثیل کے طور پر نہیں بلکہ تفہیم کے طور پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

سنا ہے کہ پانچ اندھے کسی مسجد میں ایک ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے مسجد کے دروازہ پر کوئی ہاتھی آ گیا بہت سے لوگ ہاتھی دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے اور ایک شور مچ گیا کہ ہاتھی آ گیا ہاتھی آ گیا۔ پانچوں اندھوں کو بھی ہاتھی دیکھنے کا شوق پیدا ہوا چنانچہ ایک صاحب لاٹھی ٹیکتے ہوئے مسجد سے نکلے اور ٹٹولتے ہوئے پہنچے تو ان کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر پڑا۔ انہوں نے نیچے سے اوپر تک ہاتھ پھیرا اور چلے آئے دوسرے صاحب جو پہنچے اور ہاتھ بڑھایا تو ان کا

ہاتھ ہاتھی کے پاؤں سے ٹکرایا۔ وہ کئی بار ہاتھی کے پاؤں پر نیچے سے اوپر تک ہاتھ پھیر کر واپس آ گئے۔ تیسرے صاحب جو آگے بڑھے تو ہاتھی کے پیٹ پر ان کا ہاتھ پہنچا۔ چوتھے صاحب جو ذرا ہاتھ اٹھائے ہوئے ہاتھی دیکھنے کے لئے لپکے تو ان کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑا۔ یہ بزرگ بھی ہاتھی کا کان ٹول کر واپس آ گئے۔ پانچویں صاحب چلے اور ہاتھ بڑھایا تو ان کے ہاتھ میں ہاتھی کی دم آ گئی یہ بھی تھوڑی دیر کے لئے ہاتھی کی دم سہلاتے رہے پھر مسجد میں چلے آئے۔ ہاتھی چلا گیا تو لوگوں نے پوچھا کہ ارے بھائی! نابینا صاحبان! آپ لوگوں نے بھی ہاتھی دیکھا یا نہیں؟ تو پانچوں کہنے لگے کہ ہاں ہاں۔ ہم لوگوں نے بھی خوب اچھی طرح ہاتھی کو دیکھ لیا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اچھا بتایئے! ہاتھی کیسا ہوتا ہے تو پہلے صاحب بولے کہ اجی بس بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارا سوٹا نیچے سے پتلا اور اوپر سے موٹا۔ لوگ سمجھ گئے کہ ان حضرت کا ہاتھ ہاتھی کی سونڈ پر پڑا ہے۔ دوسرا بولا کہ تم بالکل غلط کہتے ہو۔ ہاتھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جیسا ہماری مسجد کا ستون۔ لوگوں کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ حضرت ہاتھی کے پیر سے ٹکرائے ہیں۔ تیسرا کہنے لگا کہ اماں یار رہنے بھی دو۔ ہاتھی مسجد کے ستون کی طرح نہیں ہوتا بلکہ مسجد کی دیوار کی طرح ہوتا ہے لوگ یہ سمجھ کر مسکرا دیے کہ یہ صاحب نے ہاتھی کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر چلے آئے ہیں۔ چوتھے صاحب گرج کر بولے کہ اجی ! کیا تم لوگ غلط سلط بے پر کی اڑ رہے ہو مجھ سے سنو ہاتھی بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے اناج صاف کرنے کا چھاج۔ سب لوگ ہنس پڑے کہ ان کے ہاتھ میں ہاتھی کا کان آیا ہے۔ پانچویں صاحب کڑک کر بولے کہ تم سب غلط کہتے ہو ہاتھی تو بالکل ہماری مسجد کی جھاڑو کی طرح موٹا ہوتا ہے۔ لوگوں کو پتا چل گیا کہ یہ لال بجھکڑ صاحب ہاتھی کی دم پکڑ کر چلے آئے ہیں۔

برادرانِ ملت! دیکھئے یہ پانچوں اندھے اپنی اپنی جگہ مطمئن ہیں کہ ہم نے ہاتھی دیکھ لیا ہے اور ہم کو ہاتھی کا علم ہو گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی نہ جانا کہ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔

بلاتمثیل یہی حال ایک غیر نبی اور ایک نبی کا ہوتا ہے کہ غیر نبی خواہ غیر نبی پروفیسر ہو یا لیڈر رفلاسفر یا ریفارمر ہو وہ جو کچھ کہتا ہے اندھوں کی طرح ٹٹول کر کہتا ہے اور نبی جو کچھ کہتا ہے وہ اپنی خداداد غیر معمولی طاقت والی چشم نبوت سے دیکھ کر کہتا ہے۔ اسی لئے غیر نبی کا علم اکثر و بیشتر غلط نکلتا ہے اور نبی کا علم سو فیصد سچا اور یقینی ہوتا ہے۔

برادرانِ ملت! بہر کیف بات بہت طویل ہو گئی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان فطری

طور پر کسی نہ کسی کی تقلید اور پیروی ضرور کرتا ہے اور یہ عقل کا تقاضا ہے کہ تقلید اور پیروی اس کی کرنی چاہئے جس کی زندگی ہر رُخ رُشد و ہدایت کا نورانی منارہ اور جس کا ہر قول و عمل صداقت و حقانیت کا روشن ستارہ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ ایک ہی ذات والا صفات ہے جس کے بارے میں حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہوا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — یعنی رسول اللہ کی ذات ہی میں تمہارے لئے پیروی کے بہترین نمونے ہیں۔

میرے بزرگو اور بھائیو! یاد رکھئے کہ یہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ہم مسلمان جب تک اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت کا اتباع اور پیروی نہ کریں گے ہرگز ہرگز ہم فلاح دارین سے سرخرو اور سرفراز نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ اپنے اپنے اقوال و افعال اپنی عبادت و ریاضت' اپنی کمائی اور اپنی خوراک و پوشاک اپنی شادی و غمی' اپنی موت و حیات' غرض ہر ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور فرمانبرداری کو اپنا سب سے قیمتی سرمایۂ حیات و سامانِ نجات سمجھیں۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

عالمی امن کیوں کر ہو

مسلمانو! آج دنیا میں جو ہر طرف انسانوں میں ایک بے چینی کی لہر اور بے امنی کا دور دورہ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ آج دنیا نے رہبر اعظم نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔

حضرات! حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں سب سے زیادہ انوکھا پن اور بہترین خوبی یہ ہے کہ آپ کی مقدس تعلیم نے دنیا میں ہر چیز کے کچھ حقوق و حدود مقرر فرما کر ہر چیز کو اس کا اصلی مقام عطا فرمایا ہے اور یاد رکھئے کہ کوئی بھی چیز ہو جب تک اس کو اس کا اصلی مقام نہیں مل جاتا وہ ہمیشہ بے چین اور بے قرار رہتی ہے اور جب اس کو اس کا اصلی مقام حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو ضرور بالضرور اطمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک پتھر کا اصلی مقام زمین کے اوپر ہے۔ اب اگر آپ اس پتھر کو اوپر ہوا میں پھینک دیں تو یہ برابر گردش میں رہتے ہوئے زمین پر گرنے کے لئے بے چین رہے گا اور اس وقت تک ساکن نہیں

ہوگا جب تک کہ وہ اپنے اصلی مقام یعنی زمین پر نہیں پہنچ جائے۔ اسی طرح ایک مچھلی کا اصلی مقام پانی ہے اب اگر آپ کسی مچھلی کو پانی میں سے نکال کر مسہری کے اوپر مخمل کے گدے پر لٹا دیں تو وہ برابر تڑپتی اور بے چین ہی رہے گی۔ اس وقت تک اس کو قرار نہیں ملے گا جب تک وہ اپنے اصلی مقام پانی میں نہ پہنچ جائے۔ یوں ہی اگر آپ کسی انسان کو دریا میں پھینک دیں تو جب تک اس کو کوئی سہارا نہ مل جائے۔ وہ بے چین ہو کر ہاتھ پاؤں مارتا ہی رہے گا۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک کسی چیز کو اس کا اصلی مقام حاصل نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ بے چین اور بے قرار رہتی ہے۔ تو آج دنیا میں انسانوں کی بے چینی اور بے قراری کا راز ہی یہ ہے کہ انسان کو اسکی انسانیت کا اصلی مقام نصیب نہیں ہوا ہے۔ ایک انسان کا اصلی مقام کیا ہے؟ پھر انسانوں کے مختلف طبقات کے اصلی مقامات کون کون ہیں؟ ان تمام مسائل کا حل اور ان تمام سوالوں کا جواب سوائے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور اسوۂ حسنہ کا یہ کمال ہے کہ آپ نے کائنات عالم میں ہر ہر چیز کے حقوق وحدود معین ومقرر فرما کر سب کو اس کا اصلی مقام بخش دیا ہے۔ اس لئے آپ کی مقدس تعلیم پر عمل کر لینے سے ہر ہر چیز کو اس کا اصلی مقام مل جاتا ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر ہر ہر چیز کی بے چینی دور ہو جاتی ہے اور پوری دنیا امن و سکون کی ایک جنت بن جاتی ہے۔

حضرات! کون نہیں جانتا کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جمادات' نباتات' حیوانات' انسان' پھر اس کے مختلف طبقات' یعنی مزدور وسرمایہ دار' کسان و مالک زمین' حکام و رعیت' بچے' عورت' مرد' بوڑھے جوان' پڑوسی' خاندان' یہاں تک کہ خود ایک انسان کے ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان' غرض ہر عضو سب کے حقوق وحدود سب کے وظائف زندگی اور فرائض حیات معین ومقرر فرما کر سب کو اس کا اصلی مقام عطا فرما دیا ہے۔ اس طرح سب کو سکون واطمیان اور امن وامان کی بہشت میں پہنچا دیا ہے۔ اسی لئے قرآن کا فرمان ہے کہ:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" حسنہ یعنی اے انسانو! اگر تمہیں تمام جہان کا سکون واطمیان اور عالمی امن وامان پیارا ہے تو اس کا واحد علاج ہے کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو اور رہبر عالم نبی برحق کے بتائے ہوئے اس اصول پر کاربند ہو جاؤ کہ

فَاٰتُوْا كُلَّ ذِيْ حَقٍّ حَقَّهٗ یعنی ہر حق دار کو اس کا حق دے دو۔

مگر افسوس کہ آج دنیا رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس سنہرے اصول کو چھوڑ کر

''عالمی امن'' کے لئے کبھی ''اقوام متحدہ'' کے آفس کی طرف حریصانہ نگاہوں سے دیکھتی ہے اور کبھی دنیا کے تین بڑوں اور کبھی دنیا کے پانچ بڑوں سے آس لگائے ہوئے تین پانچ کے چکر میں پڑی ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ کے وہ سفید پوش ڈاکو جو ساری دنیا کے حقوق غصب کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ بھلا وہ عالمی امن کیوں کر قائم کر سکتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان لیڈروں سے عالمی امن کی امید رکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ امید رکھے کہ کولتار سے بھرے ہوئے پیپے سے گھی نکلے گا یا کونین سے شکر کی مٹھاس کا کام لیا جائے گا۔ افسوس۔

ان سے ہم کو وفا کی ہے امید
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

حضرات گرامی! اس موقع پر مجھے علامہ اقبال کے چند اشعار یاد آ گئے جس کو انہوں نے ''سلطنت'' کے عنوان سے زیب قرطاس کیا ہے۔

آ بتاؤں تجھ کو رمز آیہ انَّ الملوک — سلطنت اقوام غالب کی ہے اک جادوگری
خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر — پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
ہے وہی ساز کہن مغرب کا ''جمہوری نظام'' — جسکے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب — تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے ''نیلم پری''
گرمی گفتار اعظائے مجالس الاماں — یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو
آہ! اے ناداں ''قفس'' کو ''آشیاں'' سمجھا ہے' تو

حدیث حقوق

حضرات گرامی! رہبر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''عالمی امن'' کے لئے جو ''فَـاٰتُـوْا كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ'' کا انمول اور تیر بہدف نسخہ پیش فرمایا ہے یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پوری حدیث آپ کو سنا دوں۔ پوری حدیث شریف اس طرح ہے کہ ایک صحابی اس قدر عبادت گزار تھے کہ ساری رات عبادت گزار اور دن بھر روزہ دار رہتے تھے۔ نہ انہیں بیوی بچوں کی فکر رہتی تھی۔ نہ اپنے تن بدن کے آرام وراحت کا خیال تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر یہ نصیحت فرمائی کہ تمام دنیا کے انسانوں سے بڑھ کر خدا سے ڈرنے والا اور اس کا متقی بندہ ہوں۔ مگر اس کے باوجود میں رات کے کچھ حصہ میں

آرام کرتا ہوں اور کچھ حصے میں عبادت بھی کرتا ہوں۔ ہر ماہ میں چند دنوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور چند دنوں افطار بھی کرتا ہوں۔ پھر ان صحابی سے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِجَسَدِكَ وَعَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لَعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا اَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتُوْ كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ

یعنی تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ (یا جس طرح آنحضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا)

لہٰذا تم ہر حق والے کو اس کا حق دیا کرو۔

حقوقِ زوجین

برادرانِ ملت! حقوق زوجین کا تذکرہ آیا ہے تو اس معاملے میں بھی تعلیم نبوت کی تجلی کا جلوہ دیکھئے کون نہیں جانتا کہ غریب عورتوں کی ملک عرب بلکہ تمام دنیا میں کوئی عزت وعظمت ہی نہیں تھی۔ مرد عورتوں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے۔ مگر رہبر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس تعلیمات اور اسوۂ حسنہ نے عورتوں اور مردوں کے حقوق وحدود مقرر فرما کر عورتوں کو اتنا بلند اور باعزت مقام بخش دیا کہ تمام اقوامِ عالم کے سماج میں اس کی نظیر و مثال نہیں مل سکتی۔ غور فرمائیے کہ اگر ایک طرف تعلیم نبوت نے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ فرما کر مردوں کو عورتوں پر حاکم بنا دیا تو دوسری طرف وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فرما کر عورتوں کے ساتھ معاشرہ کی بھلائی کا حکم دے کر مردوں کو عورتوں کے حقوق کا محکوم بنا دیا اور اس طرح عورتوں مردوں دونوں کو حقوق وحدود کی بندشوں میں جکڑ کر ایک دوسرے کا حاکم ومحکوم بنا دیا۔ پھر هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ فرما کر عورتوں ومردوں دونوں کو حکم دے دیا کہ تم دونوں ایک دوسرے کا لباس ہو جس طرح لباس آدمی کو راحت وزینت دیتا ہے اسی طرح تم ایک دوسرے کے لئے راحت کا زینت کا سامان بن جاؤ۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس

برادرانِ ملت! آپ نے غور کیا کہ ایک میاں بیوی کے معاشرے اور تعلقات کے بارے میں قرآن مجید نے کتنا حکیمانہ کلام ارشاد فرمایا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ سبحان اللہ! ان چھوٹے چھوٹے دو جملوں میں خداوند قدوس نے میاں بیوی کے تعلقات زوجیت کے تمام گوشوں پر کتنی نفیس روشنی ڈال دی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم عورتوں کا لباس ہو۔ اس آیت میں حضرت حق جل مجدہ نے عورتوں اور مردوں کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ لباس انسان کو گرمی سردی اور قسم قسم کی تکلیفوں سے بچالیتا ہے تو خداوند قدوس نے عورتوں اور مردوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ایک دوسرے کا لباس ہو اس لئے تم اس طرح زندگی بسر کرو کہ ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرو ایک دوسرے کے لئے اپنے عمل و کردار سے زینت بن جاؤ اور ایک دوسرے کی تکلیف کو دور کردو۔

حضرات! کوئی آدمی بھی عیوب و نقائص سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر عورت و مرد میں کچھ نہ کچھ عیوب ضرور ہوں۔ اس لئے ایک بیوی کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کے عیوب کو لباس کی طرح چھپالے اور ہرگز ہرگز کبھی اس کے عیوب کو ظاہر کر کے اس کو ذلیل و خوار اور بدنام و رسوا نہ کرے۔ اسی طرح ہر مرد کا فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے تمام عیوب کا پردہ پوش بن جائے اور ہرگز ہرگز اس کے عیوب کو کسی دوسرے کے سامنے بیان کر کے اس کی تحقیر و تذلیل نہ کرے کیونکہ ہر عورت اپنے شوہر کا لباس ہے اور ہر مرد اپنی عورت کا لباس ہے۔ لباس کا یہی کام ہے کہ پردہ پوشی کرتا ہے۔ پردہ دری نہیں کرتا۔ اسی طرح ہر عورت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے عمل و کردار سے اپنے شوہر کی زندگی کو سنوار دے اور اپنے شوہر کے لئے ذریعہ عزت و سامان زینت بن جائے۔ ہر مرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے چال چلن اور رہن سہن اور حسن سلوک سے اپنی بیوی کی زندگی کو حسین سے حسین تر بنائے اور اپنے مردانہ کارناموں سے اپنی بیوی کے لئے سرمایہ عزت و ذریعہ زینت بن جائے۔ کیونکہ ہر عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کو ہر قسم کی تکلیفوں سے بچائے اور ہر شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رفیق زندگی کی تمام تکلیفوں کو دور کرے کیونکہ ہر عورت اپنے مرد کا لباس ہے اور مرد اپنی بیوی کا لباس ہے۔ لباس کا یہی کام ہے کہ گرمی سردی وغیرہ کی تکلیفوں سے بدن کو بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔

الغرض پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس تعلیم اور اُسوۂ حسنہ نے عورت و مرد کو حقوق و حدود کی بندش میں جکڑ کر ان کی زندگی کو اتنا حسین بنا دیا ہے کہ تمام دنیا کے مصلحین کا دفتر اصلاح اس معاشرہ کی مثال نہیں پیش کر سکتا۔

حضرات! اس بدعملی کے دور میں جب کہ ہر گھر میں جوتے کے اندر دال بٹ رہی ہو۔ میں کہاں سے آپ کو ایسے نمونے دکھاؤں کہ کس طرح ایک عورت اپنے شوہر کی زندگی کو زینت

بخشتی اور حسین بناتی ہے۔ مگر ہاں آیئے! اور رہبر و ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوش تربیت کے پروردہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر نظر ڈالیے تو آپ کو ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ کا جلوہ نظر آ جائے گا۔

ابو طلحہ کی مہمان نوازی

حضرات! روایت ہے کہ حضرت ابو طلحہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک رات بارگاہِ نبوت کے ایک مہمان کو اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی اُمِ سلیم سے پوچھا کہ کیا گھر میں کچھ کھانا موجود ہے؟ بیوی نے عرض کیا کہ صرف ایک آدمی کی خوراک ہے آپ نے حکم دیا کہ بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دو اور کھانا مہمان کے سامنے رکھ دو۔ پھر تم چراغ کی بتی درست کرنے کے بہانے سے اٹھو اور ایک دم چراغ کو بجھا دو۔ ہم اور تم دونوں اندھیرے میں مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ جائیں اور مہمان کو دکھانے کے لئے ہم دونوں برتن میں ہاتھ ڈالتے رہیں اور یوں ہی منہ چلاتے رہیں تاکہ مہمان یہ سمجھے کہ ہم دونوں بھی کھانا کھا رہے ہیں۔ اس طرح مہمان شکم سیر ہو کر کھانا کھالے گا اور ہم بھوکے سو رہیں گے۔ چنانچہ بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پہلے بچوں کو سلا دیا۔ پھر مہمان کے سامنے کھانا رکھ کر چراغ کو بجھا دیا اور میاں بیوی دونوں مہمان کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ مہمان کھاتا رہا اور یہ دونوں میاں بیوی برتن میں ہاتھ ڈالتے اور منہ چلاتے رہے۔ یہاں تک کہ مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا اور اندھیرے میں اس کو یہ معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ میاں بیوی بھوکے رہ گئے ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۲۵)

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے کس طرح ایک مومن مرد اور ایک صاحب ایمان بیوی نے اپنے عزم و صبر سے اپنے گھر کی عزت کو چار چاند لگا دیئے اور آنے والے مہمان پر اپنی غریبی اور مفلسی کا راز ظاہر نہیں ہونے دیا۔ یہ ہے "ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ" کا جلوہ جو رہبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور ان مقدس تعلیم کے سوا کہیں بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔

اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شاہکار

حضرات! بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر آ گیا ہے تو ان کا ایک اور کارنامہ بھی سن لیجئے۔ ان کا ایک بچہ بیمار تھا۔ ان کے شوہر حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب روزی کمانے کے لئے صبح کو مکان سے نکلے تو بچے کی حالت بہت نازک تھی۔ چنانچہ وہ ابھی باہر ہی تھے کہ بچے کا انتقال ہو گیا۔ بی بی اُمِ سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سوچا کہ دن بھر کا تھکا ماندہ میرا شوہر

جب گھر میں آئے گا اور فوراً ہی اس کو بچے کی موت کی خبر معلوم ہوگی تو صدمہ سے اس کے سینے میں دل پاش پاش ہو جائے گا۔ اس لئے بی بی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچے کی لاش کو ایک الگ کوٹھڑی میں رکھ دیا اور خود کھانا پکا کر اور بناؤ سنگار کر کے شوہر کا انتظار کرنے لگیں۔ چنانچہ جب حضرت ابوطلحہ مکان میں داخل ہوئے تو بچے کا حال پوچھا؟ اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہایت اطمینان اور سکون کے لہجہ میں جواب دیا کہ ھَدَأَ نَفَسُهُ یعنی بچے کا سانس ٹھہر گیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ نے یہ سمجھا کہ بچے کے سانس میں جو گھبراہٹ تھی اس میں سکون ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے رات کا کھانا کھایا اور بیوی سے صحبت بھی کی۔ جب سب کاموں سے فارغ ہو کر وہ سونے لگے تو ان کی بیوی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میرے پیارے شوہر! میں تم سے ایک مسئلہ پوچھتی ہوں تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر کسی کی کوئی امانت ہمارے پاس رکھی ہوئی ہو اور وہ شخص دن یا رات میں کسی وقت بھی ہم سے اپنی امانت طلب کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ حضرت ابوطلحہ نے جواب دیا کہ ہمیں خوشی خوشی اس کی امانت دے دینی چاہئے۔ اس کے بعد اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ میرے سرتاج! ہمارا بچہ کیا تھا؟ خدا کی ایک امانت ہی تو تھی۔ آج اس نے اپنی امانت کو ہم سے طلب کر لیا۔ یہ سن کر حضرت ابوطلحہ گھبرا کر بستر سے اٹھ بیٹھے اور حیران ہو کر پوچھا کہ کیا واقعی میرا بچہ انتقال کر گیا۔ اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ بچہ مر گیا اور اس مرحوم کی لاش کوٹھڑی میں رکھا ہوا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ھَدَأَ نَفَسُهُ یعنی اس کا سانس تھم گیا ہے۔ اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا کہ میرے سرتاج! مرنے کے بعد ہی تو انسان کا سانس ٹھہر جاتا ہے۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۹۱۷)

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بے حد رنج ہوا کہ افسوس! میرے بچے کی لاش گھر میں پڑی رہی اور میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور بیوی سے ہم بستری کی۔ بی بی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ میرے پیارے! میں نے اس صاف لفظوں میں آپ کو بچے کی موت کا پتا نہیں دیا تھا کہ اگر گھر میں آتے ہی آپ کو بچے کی موت کا علم ہو جاتا تو آپ دن بھر تھکے ہارے صدمے سے نڈھال ہو جاتے' نہ کھانا کھاتے' نہ چند لمحہ کے لئے بھی بستر سے پیٹھ لگاتے۔ اب جب کہ آپ نے کھانا بھی کچھ لیا اور کچھ آرام بھی کر لیا تو میں نے یہ خبر سنائی ہے اور یہ سب کچھ میں نے آپ کی دلجوئی اور راحت رسانی کے لئے کیا ہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی کے اس جذبہ جاں نثاری وخدمت گزاری پر حیران رہ گئے اور ان کے دل میں اپنی بیوی کی

محبت کا سمندر موجیں مارنے لگا۔ پھر جب ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کے لئے مسجد نبوی میں گئے تو صورت دیکھتے ہی رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ! رات تم میاں بیوی نے جو کچھ کیا پروردگار عالم اس سے خوش ہو گیا اور تمہیں مبارک ہو کہ خداوند عالم عنقریب تمہیں ایسا فرزند عطا فرمائے گا جو مرنے والے بچہ کا نعم البدل ہوگا۔

مسلمانو! اللہ اکبر! بی بی ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سینے میں ایک ماں کا دل تھا۔ ایک ماں کا بچہ مرجائے تو رنج و غم سے اس کا کیا حال ہوگا؟ مگر بی بی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے شوہر کی دلجوئی اور دلداری کے لئے اتنا بڑا پہاڑ اپنے دل پر رکھ لیا کہ بچے کی لاش گھر میں رکھی ہوئی ہے اور وہ اپنے شوہر کی ہر خدمت اس طرح انجام دے رہی ہیں کہ گویا ان کے دل پر کوئی صدمہ ہی نہیں ہے۔ خود صدمات سے نڈھال ہیں۔ مگر شوہر کا دل دکھ جائے یہ گوارا نہیں ہے۔ سبحان اللہ! حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا کہ۔

زن نیک رو نیک خو پارسا
کند مرد درویش را پادشا

یعنی عورت اگر خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ نیک سیرت اور پاک دامن بھی ہو تو وہ اپنے فقیر شوہر کو بھی بادشاہ بنا دیتی ہے۔

برادران اسلام! آپ ہی بتائیے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بی بی اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے میاں بیوی اور محبت زوجین کا بے مثال نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ کس کی تعلیم کا ثمرہ ہے؟ اس کے سوا آپ اور کیا کہیں گے کہ یہ نبی رحمت ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہے۔ کاش مسلمان اپنے مقدس نبی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے تو آج گھر گھر میں جو میاں بیوی کی جنگ کا طوفان آیا ہوا ہے۔ ساری دنیا کو اس جنگ کی آگ سے نجات مل جاتی اور ہر مرد و عورت کی زندگی امن و امان اور خوش حالی کی جنت بن جاتی۔

لیڈی اور صاحب بہادر

مگر افسوس! کہ آج مسلمانوں نے اپنی عورتوں کو لیڈی بنا کر کلبوں اور پارکوں میں آزاد پھرا کر اور انہیں غیر مردوں سے دوستی اور ملاقات کا عادی بنا کر عورتوں کے دلوں سے شوہر کی محبت کا جنازہ نکال دیا۔ آج کون نہیں جانتا کہ بہت سے شوہر اپنی موت کے بستروں پر ہسپتال میں خون تھوک رہے ہیں اور ان کی لیڈیاں کلبوں اور پارکوں میں اپنے دوستوں اور آشناؤں

کے ساتھ گل چھرے اڑا رہی ہیں۔ اسی طرح بہت سے مرد صاحب بہادر بنے ہوئے غیر عورتوں کے ساتھ کلبوں اور پارکوں میں مٹر گشت کرتے پھرتے ہیں اور ان کی بیویاں اپنے شوہر کے پیار و محبت کے لئے ترس ترس کر گھٹتی اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتیں۔ آج ہزاروں لاکھوں عورتیں اپنے شوہروں کی الفت و محبت سے محروم اور ہزاروں لاکھوں مرد اپنی عورتوں کے پریم و پیار سے محض اسی لئے بے بہرہ ہیں کہ ان عورتوں اور مردوں نے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور عورتوں مردوں نے ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کر دیا۔ ان مغرب زدہ لیڈروں کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی　　ڈھونڈ لی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مد نظر　　وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اسی طرح ان مصنوعی صاحب بہادر قسم کے جنٹل مینوں پر بھی اکبر الہ آبادی مرحوم نے نہایت ہی بہترین طنز فرماتے ہوئے بہت ہی خوب لکھا ہے۔

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

برادران ملت! ہائے افسوس! میں کس کس چیز کا رونا آپ کے سامنے رووں؟ مثل مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی" پیدائش سے لے کر موت تک ہم مسلمانوں کی تمام تقریبات سینکڑوں خلاف شریعت اور فضول رسموں سے بھری پڑی ہیں۔ قدم قدم پر اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت ہمارا شیوہ اور خلاف شرع اعمال و افعال ہمارا طریقہ کار بن چکا ہے اور ہم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور رہبر عالم کے اسوۂ حسنہ سے منہ موڑ کر صراط مستقیم سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

شادی کی لغو رسوم

کون نہیں جانتا کہ نکاح سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے مگر کتنے مسلمان ہیں جو اس سنت مبارکہ کو سنت کے مطابق ادا کرتے ہیں؟ آج ہم مسلمان شادی بیاہ میں سینکڑوں ایسی لغو اور فضول رسموں کے وبال میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ جن میں بہت رسمیں سراسر شریعت مطہرہ

کے خلاف ہیں۔ رسم منگنی، فضول خرچیاں ڈال بری کی مسرفانہ بیہودہ رسمیں، ناچ، باجہ، تماشہ، آتش بازی، رت جگا میں رات بھر عورتیں کا ڈھول بجا بجا کر گیت گانا اور رات بھر گلگلے پکا کر صبح کو جھنڈ کی جھنڈ جوان جوان کنواری لڑکیوں کا ڈھول بجا بجا کر گاتے ہوئے مسجد کا طاق بھرنے کے لئے جانا۔ مٹی کا چراغ تیل ڈال کر بھی جلایا جا سکتا ہے۔ مگر آٹے کا چراغ بنا کر گھی سے چراغ جلانا دولہا کو سسرال میں بلا کر جوان جوان لڑکیوں کا اس سے ہنسی مذاق کرنا۔ قدم قدم پر اسراف اور فضول خرچیاں یہ ہم مسلمانوں کی وہ بیہودہ رسمیں ہیں جو سراسر شریعت کے خلاف ہیں اور آج ان فضول خرچیوں ہی کی یہ نحوست ہے کہ مسلمانوں کے سینکڑوں گھرانے تباہ و برباد ہو گئے۔ مگر افسوس! کہ ہم مسلمان ان خلاف شرع رسموں کے اتنے پابند ہو گئے ہیں کہ سینکڑوں جوان لڑکیوں کی صرف اس لئے شادیاں نہیں کی جا رہی ہیں کہ ان فضول رسموں کو ادا کرنے کے لئے روپے نہیں ہیں۔ کاش مسلمان! اپنے پیارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے اور دیکھتے کہ شہنشاہ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کس طرح فرمائی؟

شہزادی اسلام کی شادی

مسلمانو! شہزادی اسلام، جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی پر ایک نگاہ ڈالو اور عبرت پکڑو۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے نکاح کا پیغام آیا اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے اندر انصار و مہاجرین کے مجمع میں خطبہ پڑھا اور عقد فرما دیا۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوگئی۔ حفیظ جالندھری نے اس مقدس شادی کی بہترین منظر کشی کی ہے۔ چند اشعار سن لیجئے۔

مہاجر اور انسان اکابر جمع تھے سارے — اتر آئے تھے گویا دن کو اس تقریب میں تارے
نہ کوئی باجہ گاجا تھا نہ کوئی شور و ہنگامہ — نہ شہنائی نہ نقارہ نہ دف تھی اور نہ دمامہ
نہ رنگا رنگ پوشاکیں نہ کنگن تھا نہ زیور تھا — وہی تھے شاہ مرداں اور وہی ہی مردانہ چہرہ تھا
رسول اللہ خود موجود تھے محراب مسجد میں — کمی کرتا کوئی پھر کس طرح آداب مسجد میں

ہوا یہ عقد عالی شان معمولی طریقے سے
ہوئے تقسیم خرمے غیر معمولی سلیقے سے

اور شہنشاہ دو عالم نے اپنی شہزادی کو جہیز کا سامان دیا۔ ذرا اس کی بھی فہرست سن لو اور

عبرت لو اور عبرت پکڑو کہ آج اگر ہماری لڑکیوں کے جہیز میں "ریڈیو" نہ ہو تو گویا جہیز میں کچھ ملا ہی نہیں۔ مسلمانو للہ ایک طرف اپنی فضول خرچیوں پر نظر کرو اور ایک طرف اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھو اور عبرت پکڑو۔ سنو حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا جہیز کیا تھا؟

متاعِ دنیوی جو حصۂ زہرا میں آئی تھی
کھجوری کھردرے سے بان کی اک چارپائی تھی
گھڑے مٹی کے دو تھے اور اک چمڑے کا گدا تھا
نہ ایسا خوشنما تھا یہ نہ بدزیب اور بھدا تھا
مشقت عمر بھر کرنا جو لکھا تھا مقدر میں
ملی تھیں چکیاں دو تا کہ آٹا پیس لیں گھر میں
وہ زہرا جس کے گھر تسنیم کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھیں مشک ان کو تاکہ خود لایا کریں پانی
چلی تھیں باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں، عفت کا جوڑا، صبر کے گہنے
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئی
توکل کے خزانے، دولت مہر و وفا لائی

برادرانِ ملت! بہرحال یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس عالم میں ہر انسان کے لئے حقوق کی ایسی بندیاں اور ہر قول و عمل پر حدود و احتساب کی ایسی پابندیاں لگا دی ہیں کہ ہر انسان کو اس کا جائز حق اور مناسب مقام مل گیا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا سے اعصابی جنگ اور کشیدگی و اضطراب کا خاتمہ یقینی ہے۔ میاں، بیوی، والدین اور اولاد، بھائی، بہن اور رشتہ دار، اجنبی اور پڑوسی، مزدور و سرمایہ دار، کسان و زمیندار، غریب و مالدار، حاکم و محکوم، بادشاہ اور رعایا سب کے لئے حقوق و فرائض کا ایسا جامع قانون بنا دیا ہے کہ آج دنیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر لے تو "عالمی امن"، جس کی تلاش میں آج ساری دنیا سرگرداں ہے وہ دست بستہ ہر انسان کے قدم چومتا نظر آئے گا۔

والدین و اولاد کے حقوق

آپ غور فرمایئے کہ والدین اور اولاد میں اختلاف اور جھگڑا کیوں ہوتا ہے؟ اگر آپ اس کا تجزیہ کریں گے تو یقیناً اسی نتیجہ میں پہنچیں گے کہ والدین بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے اور بچے والدین کے حقوق سے غافل رہتے ہیں۔ تعلیم نبوت نے ان دونوں کے حقوق معین فرما دیئے ہیں۔ اگر فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا فرما کر اولاد پر حقوق والدین کا یہ بارِ گراں لاد دیا ہے کہ وہ کبھی اپنے ماں باپ کو "اف" بھی نہ کہیں، نہ کبھی جھڑک کر ان سے بات کریں تو فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ (مشکوٰۃ ص ۲۶۱) فرما کر والدین کے سر پر بھی

ایک بہت بڑی ذمہ داری کا پہاڑ رکھ دیا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرتے رہیں۔

پڑوسی کا حق

اسی طرح ہر مسلمان پر اس کے پڑوسی کا بھی حق ہے اور اتنا بڑا حق ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا کہ:

وَاللّٰہُ لَایُؤْمِنُ وَاللّٰہُ لَا یُؤْمِنُ وَاللّٰہُ لَایُؤْمِنُ ۔ یعنی خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں۔ خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں، خدا کی قسم وہ کامل الایمان نہیں۔

قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ کون شخص ہے جس کا ایمان کامل نہیں تو ارشاد فرمایا کہ۔

اَلَّذِیْ لَا یُؤْمِنُ جَارُہٗ بِوَائِقَہٖ (مشکوۃ ص۴۲۲) یعنی اس شخص کا ایمان کامل نہیں جس کا پڑوسی اس کے ظلم اور شر سے بے خوف نہ ہو۔

اور ایک روایت میں یوں ارشاد فرمایا کہ:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ لَایَأْمَنُ جَارُہٗ بِوَائِقَہٗ (مشکوۃ ص۴۲۲) یعنی وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے مظالم سے بے خوف نہ ہو۔

حقوق المسلمین

اسی طرح ہر مسلمان کے بارے میں فرمایا کہ:

اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ (مشکوۃ ص۴۲۲)

یعنی ایک مسلمان ایک مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اس کو ہلاکت میں ڈالے اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا رہیگا۔ اللہ تعالیٰ اس کی روز قیامت کی تکلیفوں اور بے چینیوں میں سے ایک بڑی تکلیف کو دور فرمادے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمادے گا۔

ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا کہ:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ (مشکوٰۃ ص۴۲۲)
یعنی ہر مسلمان پر ہر مسلمان کا خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔

رشتہ داروں کے حقوق

اسی طرح ہر رشتہ دار کا اس کے رشتہ دار پر حق ہے اور اس حق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۰)
یعنی اس قوم پر رحمت الٰہی کا نزول نہیں ہوگا جس قوم میں ایک آدمی بھی اپنے رشتہ دار سے قطع تعلق کرنے والا موجود ہوگا۔

مزدور و سرمایہ دار

اسی طرح مزدور کے حق کو سرمایہ دار کے سر پر مسلط فرمادیا کو وہ مزدور پر ہرگز ہرگز کوئی ظلم نہ کرے اور مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی اس کی مزدوری ادا کردے۔ ایک اور حدیث میں تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ خداوند عالم کا فرمان ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ میں قیامت کے دن ان کے مقابلہ میں مدعی بنوں گا۔ ایک وہ شخص کہ اس نے میرے نام سے کوئی عہد کیا اور پھر عہد شکنی کر کے اپنے وعدے سے پھر گیا' دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد انسان کو غلام بنا کر بیچ دیا اور اسکی قیمت کھائی اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور سے پورا پورا کام لے کر اس کی مزدوری نہیں ادا کی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۵۸)

حاکم ومحکوم

اسی طرح حاکم ومحکوم اور بادشاہ ورعایا کے حقوق مقرر فرما کر ارشاد فرمایا کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (موطا امام محمد)
یعنی ہر شخص حاکم ونگہبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں پرسش کی جائے گی۔

الغرض نوع انسانی کے ہر طبقہ کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص خاص حقوق مقرر فرما کر سب کو اپنی جگہ مطمئن فرمادیا ہے اور ہر ایک کو اس کا خاص حصہ اور اصل مقام بخش دیا ہے۔ اس لئے تعلیم نبوت اور اسوۂ رسول پر عمل کرنے سے دنیا کی طبقاتی جنگ کا خاتمہ اور "عالمی امن" ضروری ہے۔

اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جامعیت

برادرانِ ملت! رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے بارے میں ایک بہت ہی خاص بات اور سن لیجئے۔ وہ یہ کہ چونکہ میرے آقا مدنی تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تمام عالم کے لئے رسالت ہے جیسا کہ خود ارشاد فرمایا کہ:

اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّۃً ۔ یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ جن وانس کے تمام طبقات کے لئے آپ کی ذات بابرکت میں ''اسوۂ حسنہ'' موجود ہے۔ چنانچہ اگر کوئی بادشاہ ہو تو وہ بھی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکتا ہے۔ کیونکہ آپ سلطان کونین اور دونوں جہان کے بادشاہ بھی ہیں۔ اور اگر کوئی فقیر ہو تو اس کے لئے بھی اسوۂ رسول شمع ہدایت بن سکتا ہے۔ کیوں کہ آپ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتے ہوئے بھی فقیری کی زندگی بسر فرماتے تھے اور آپ کی خوراک، پوشاک، مکان وسامان، نشست برخاست ہر چیز میں ''الفقر فخری'' کی تجلیاں نظر آتی تھیں اور اگر کوئی سرمایہ دار ہو تو وہ بھی آپ کے اسوۂ حسنہ سے درس عمل حاصل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ آپ اس قدر دولت دارین کے مالک تھے کہ ایک ایک مجلس میں اپنی امت کے ہزاروں فقیروں کو اتنا اتنا مال عطا فرما دیا کہ فاقہ مست نہال اور دولت سے مالا مال ہو گئے۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دونوں جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اور اگر کوئی مزدور ہو تو وہ بھی اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کر کے بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم امت کے لئے اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ خندق کھودتے اور اپنے سر اقدس پر مٹی کی ٹوکری اٹھاتے رہے۔ اسی طرح ایک لشکر کا سپاہی اور فوج کا جرنل بھی آپ کے اسوۂ حسنہ سے ہدایت حاصل کر سکتا ہے۔ کیوں کہ آپ نے جنگ بدر و اُحد اور غزوۂ خندق وحنین وغیرہ میں اسلامی لشکر کی سپہ سالاری بھی فرمائی اور جنگ اُحد میں ہتھیار پوش ہو کر میدان جنگ میں کفار سے دست بدست قتال بھی فرمایا۔ یوں ہی ایک تاجر بھی آپ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے برسوں تجارت بھی فرمائی اسی طرح ایک منصف اور جج بھی آپ کے طریقہ

سے عمل والے لئے شاہراہ ہدایت بنا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے جج بن کر اپنی امت کے سینکڑوں مقدمات میں اس طرح حق فیصلہ فرمایا کہ تمام دنیا کے عدل وانصاف کا بہترین معیار ہیں۔ اسی طرح ایک کنوارہ اور ایک بیوی بچوں والا دونوں اسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی معاشرت کے لئے روشنی کا منارہ بنا سکتے ہیں۔ کیوں کہ میرے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پچیس برس کی عمر تک کنوارے رہے۔ پھر شوہر بنے۔ پھر بچوں کے باپ بنے۔

غرض ہر انسان خواہ وہ کسی طبقے کا ہو مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا شمال کا رہنے والا ہو یا جنوب کا گورا ہو یا کالا۔ ہر ایک کے لئے ہر جگہ ہر حال میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ''آفتاب ہدایت'' ہے۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ نے

ختم ہائے کا نبیا بگذاشتند

آں بدین احمدی برداشتند

مطلب یہ ہے کہ رموز واسرار دین کی وہ تمام مہریں جن کو انبیاء سابقین نے بغیر توڑے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ پیارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان تمام مہروں کو توڑ کر دین احمدی میں اپنے اسوۂ حسنہ سے رموز واسرار دین کے تمام مخفی خزانوں کو ظاہر فرما دیا۔

قفل ہائے ناکشودہ ماندہ بود

از کف اِنَّا فَتَحْنَا بر کشود

اسرار دین کے خزانوں پر اب تک جتنے قفل بند تھے۔ آپ نے انا فتحنا کی ہتھیلی سے ان تمام تالوں کو کھول دیا۔

بہر ایں خاتم شدہ ست او بجود

مثل او نے بود و نے خواہند بود

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب خاتم النبیین اسی لئے ہوا کہ ہر قسم کی جودوسخا میں نہ کبھی آپ کا کوئی مثل ہوا اور نہ کبھی کوئی آپ کا مثل ہوگا۔

برادران ملت! اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانیت کے اوراق اور مذاہب عالم کے پیشواؤں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ میرے آقا محمد فداہ امی وابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ انسانیت کی صلاح وفلاح کے لئے سب سے بہترین سب سے اعلیٰ سب سے اکمل اور انمول نسخہ کیمیا ہے اور ماضی وحال نیز مستقبل میں انسانیت کو فوز وفلاح اور ترقی درجات کے لئے

دین محمدی اور اسوۂ رسول سے بہتر نہ کوئی دستور ہے۔ نہ کوئی نظام نہ کوئی دین ہے نہ کوئی پیغام!

اسی لئے خالق عالم جل شانہ کا فرمان ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔

یعنی یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کی امید رکھتا ہے۔

مگر ہاں میرے بزرگو اور بھائیو! یہ اور بات ہے کہ جس کو بولنے کی بیماری ہوگی وہ ہمیشہ بولتا ہی رہے گا۔ اس کے سامنے پہاڑ جیسے ہزاروں دلائل بھی پیش کر دو مگر وہ کبھی خاموش نہیں ہوگا۔ جی ہاں! یاد رکھئے کہ بولنے کی بھی ایک بیماری ہوتی ہے اور یہ اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ ٹی بی اور کینسر تک کے ہسپتال موجود ہیں مگر بولنے کی بیماری کا ساری دنیا میں آج تک کوئی شفا خانہ ہی نہیں کھل سکا۔ گویا یہ لاعلاج بیماری ہے۔

لطیفہ

سنا ہے کہ ایک نواب صاحب کے نوکر ''بدھو'' کو بولنے کی بیماری تھی۔ چنانچہ ایک دن نواب صاحب نے فرمایا کہ بدھو مجھ کو کل سسرال جانا ہے لیکن میرا پاجامہ بہت میلا ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے' بدھو بولا کہ حضور کوئی مضائقہ نہیں۔ میرا پائجامہ بہت ہی صاف دھلا ہے' استری کیا ہوا موجود ہے۔ حضور میرا پائجامہ پہن لیں اور میں حضور کا پائجامہ پہن لوں گا۔ چنانچہ نواب صاحب نے ''بدھو'' کا پائجامہ پہنا اور بدھو نے نواب صاحب کا۔ سسرال پہنچ کر نواب صاحب نے بدھو سے فرمایا کہ دیکھو بھئی! سسرال کا معاملہ ہے۔ ہم تو منہ پر رومال رکھ کر خاموش بیٹھے رہیں گے سب لوگوں کے سوالوں کا تمہی جواب دیتے رہنا اور خبردار! تمہیں حضرت حق جل شانہ کی قسم دلاتا ہوں کہ ہرگز ہرگز کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ میں نے نوکر کا پائجامہ پہنا ہے۔ ورنہ میری نوابی کی ساری عزت و آبرو کا سلفہ ہو جائیگا۔ ''بدھو'' نے قسم کھا کر عہد کیا کہ ہرگز ہرگز میں اس راز کو ظاہر نہیں ہونے دوں گا۔ نواب صاحب نے ''دولہا بھائی'' کی شان سے ڈیوڑھی کے اندر ایک پلنگ پر براجمان ہو گئے اور ''بدھو'' ڈیوڑھی کے باہر پھاٹک پر بیٹھ گیا۔ اتنے میں چند معززین نواب صاحب کی ملاقات کے لئے آئے اور بدھو سے پوچھا کہ ارے بھائی! دولہا میاں کہاں ہیں؟ تو بدھو نے جواب دیا کہ صاحب! اگر آپ دولہا میاں

سے ملاقات کے لئے آئے ہوتو میرے پاس بیٹھے۔ ان کا پائجامہ میری ٹانگوں میں ہے اور وہ میرا پائجامہ پہنے ہوئے ہیں۔ نواب اندر سے بدھو کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں گھٹ رہے تھے۔ جب ملاقاتی چلے گئے تو نواب صاحب نے ڈانٹ کر فرمایا کہ اے نالائق! تو نے تو میری عزت کا جنازہ ہی نکال دیا۔ بدھو ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا کہ حضور کیا عرض کروں؟ منہ سے بات نکل گئی۔ واللہ باخدا کہتا ہوں کہ اب نہیں بولوں گا۔ اتنے میں ایک دوسرے ملاقاتی آ گئے اور بدھو سے پوچھا کہ دولہا میاں کہاں ہیں۔ تو بدھو نے جواب دیا کہ دولہا میاں اندر ہیں اور سنئے تو کہ ان کی ٹانگوں میں جو پائجامہ ہے وہ انہیں کا ہے اور یہ شبہ نہ کریں کہ وہ میرا ہے۔ ملاقاتی صاحب کے جانے کے بعد نواب صاحب نے سر پیٹ لیا۔ کہ اے مردود! یہ کیا قیامت ہے؟ تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔ بار بار منع کرتا ہوں کہ پائجامہ کا ذکر مت کر ملعون کہیں مانتا ہی نہیں۔ بدھو گڑ گڑا کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ حضور معاف کر دیں تو بہ کرتا ہوں' کان پکڑتا ہوں کہ اب نہیں بولوں گا کیا کروں؟ منہ سے بات نکل گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دوسرے چند نواب صاحبان ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بدھو سے پوچھا کہ "دولہا میاں کہاں ہیں؟" تو بدھو نے کہا کہ "دولہا میاں اندر ہیں" اور مجھے نہایت قلق اور افسوس ہے کہ میں ان کے پائجامہ کے بارے میں کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ کیوں کہ مجھے ان کے پائجامہ کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت ہی نہیں ہے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لی آپ نے؟ بولنے کی بیماری! ہے کوئی علاج اس کا؟ تو میرے عزیز دوستو! یہ بیماری جس کو ہوگی وہ تو میرے آقا مدنی تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں توہین و تنقیص کی بکواس کرتا ہی رہے گا۔ ورنہ ساری خدائی اور خود خدا گواہ ہے کہ خدا کے نائب اکرم خلیفہ اللہ الاعظم جناب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی جامعیت وافادیت اور اس کی عظمت وافضلیت آفتاب عالمتاب سے زیادہ روشن اور تابناک ہے اور دوست تو دوست بڑے سے بڑے دشمن بھی اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہادی اعظم ورہبر عالم نہ کوئی پیدا ہوا ہے نہ قیامت تک پیدا ہوگا۔

امید کی کرن

لیکن بہر حال اس دور پرفتن میں بھی حضرت حق جل مجدہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب بھی

ایسے کروڑوں مسلمان ہیں جو اپنی زندگی کے ہر گوشہ میں محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر خود بھی عمل کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور دوسرے کو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سیرت پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کی تلقین فرماتے ہی رہتے ہیں۔ یہ مقدس نفوس اپنی اس جدوجہد میں کما حقہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن بہر کیف ان کا یہ مقدس جذبۂ ایمانی ہی اس زمانے میں کیا کم فضیلت رکھتا ہے؟ کہ یہ لوگ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے اور دوسرے کو عمل کی ترغیب دلانے میں ہزاروں رکاوٹوں کے باوجود پہاڑ کی طرح ثابت قدم ہیں۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ ان مخلص نفوس طیبہ کو دیکھ کر بے اختیار زبان پر یہ شعر آ جاتا ہے کہ۔

ہر چند بگولہ مضطر ہے' ہر چند وہ خاک آباد سہی
اک وجد تو ہے' اک رقص تو ہے' بے چین سہی برباد سہی

مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ المبین و آخر دعوانا
ان الحمد للہ رب العالیمن و الصلاۃ و السلام علیٰ
سید المرسلین و علیٰ الہٖ و صحبہ
اجمعین

ستر ہواں وعظ

خلفاء راشدین

جان صداقت' روح عدالت' شان سخاوت' ناز شجاعت
صدیق و فاروق' عثمان وحیدر ! اللہ اکبر اللہ اکبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رب العالمین ولصلاۃ و السلام علیٰ خاتم النبیین و اٰله الطیبین و الطاھرین و اصحابه المکرمین المعظمین و خلفائه الراشدین وعلینا معھم اجمعین الیٰ یوم الدین اما بعد فاعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا-(فتح)

محترم حاضرین! میری سب سے پہلے گزارش یہ ہے کہ حضور سلطان کونین شہنشاہ دارین امام القبلتین ' نبی عربی فداہ امی وابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور پڑھیے۔

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ　　صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ　　صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! میری آج کی تقریر کا عنوان "خلفاء راشدین" ہے اس لئے پہلے میں حضور احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار یار اور خلفاء باوقار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی منقبت میں چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ انتہائی توجہ اور سکون کے ساتھ سنیے۔

جہاں میں جو آئینہ دار نبی ہیں　　حقیقت میں وہ چار یار نبی ہیں
رفیق نبی غم گسار نبی ہیں　　فدائے نبیؐ جاں نثارِ نبی ہیں

بڑا ان کا رتبہ ہے اللہ اکبر
ابو بکر وفاروق وعثمان و حیدر

یہ چاروں خلافت کے مسند نشین میں　　یہ چاروں ارا کین دین مبیں ہیں
یہی باغبان ریاضِ یقیں ہیں　　یہی راز دار رسول امیں ہیں

یہ محبوب سرور یہ مقبول داور
ابو بکر و فاروق وعثمان و حیدر

یہ پروانے ہیں شمع بزمِ حرا کے　　فدائے نبی اور مقرب خدا کے
نمونے ہیں یہ سیرت انبیاء کے　　یہ پتلے وفا کے پیکر، یہ پیکر حیا کے

یہ عدل مجسم، یہ صدق مصور
ابو بکر و فاروق وعثمان و حیدر

یہ معراج ایماں کے ہیں چار زینے　　یہ چاروں میں تاجِ شرف کے نگینے
مجلّی ہیں انوار سے ان کے سینے　　سنوارا ہے ان کو جمال نبی نے!

حرمی، مصفیٰ، مقدس، مطہر
ابو بکر و فاروق وعثمان و حیدر

الٰہی تڑپتی ہے جب تک رگ جاں　　محبت رہے ان کے سینے میں رقصاں
ولا ان کی ہے جانِ دیں روح ایماں　　خدا سے دعا ہے یہی میری ہر آں

رہے تادم مرگ میری زباں پر
ابو بکر وفاروق و عثمان و حیدر

برادران ملت! ہمارے آقا و مولیٰ حضور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و

رب العالمین جل جلالہ نے ایسا بے نظیر اور بے مثال بنا کر اس خاک دان عالم میں بھیجا کہ جن جن چیزوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے تعلق ہو گیا وہ تمام چیزیں بھی بے مثل و بے مثال ہو گئیں۔ اس دنیا میں بہت سی امتیں ہوئیں۔ بڑی بڑی طاقت وقوت والی شان وشوکت والی اطاعت وعبادت والی امتیں ایک دوسرے سے بڑھ کر عالم وجود میں آتی رہیں۔ مگر وہ امت جس کو حضور محبوب کبریا خیر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعلق حاصل ہوا۔ خداوند قدوس نے اس امت کو ایسی شان بے مثالی عطا فرمائی کہ قرآن مجید نے اس کی افضلیت کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ یعنی اے خیر الانبیاء کی امت! تم تمام امتوں میں خیر الامم اور بہترین امت ہو۔

مسلمانو! کون نہیں جانتا کہ یہ آخری امت اگلی امتوں سے طاقت وشوکت عمر کی طوالت اور اطاعت وعبادت میں بہت ہی کم ہے۔ مگر چونکہ اس امت کو خیر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعلق ہے۔ اس لئے یہ امت خیر الامم یعنی تمام امتوں میں سب سے افضل اور بہتر ہے اور نبی بے مثال ہے اس کو نسبت حاصل ہے اس لئے یہ امت تمام امتوں میں بے نظیر اور بے مثال ہے۔ اسی طرح زمانے کو دیکھ لو زمانہ ازل سے ابد تک بہت لمبا چوڑا ہے۔ اور ایک زمانہ دوسرے زمانے سے بہتر ہوتا رہا۔ مگر وہ زمانہ جس کو خیر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعلق ہوا وہ "خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ" کے معزز وممتاز لقب سے سرفراز ہو گیا اور ازل سے ابد تک اس زمانے سے بہتر نہ کوئی زمانہ ہوا ہے نہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی بے شمار عورتیں بڑی بڑی صالحات اور نیک بیبیاں ہوئیں مگر وہ مقدس اور خوش نصیب بیبیاں جو حضور خیر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شرف زوجیت سے سرفراز ہوئیں۔ قرآن مجید نے انہیں سارے جہان کی عورتوں میں بہترین اور بے مثال بتایا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ ۔ یعنی اے نبی کی بیویو! تم سارے جہان کی عورتوں میں ممتاز اور بے مثال ہو۔ بشرطیکہ تم تقوٰی شعاری اور پرہیزگاری کی زندگی پر قائم رہو۔

الغرض! حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت خیر الامم' آپ کا مقدس زمانہ خیر القرون آپ کی ازواج مطہرات "خیر النساء" یعنی تمام جہان کی عورتوں میں بہترین۔ آپ کی آل سارے عالم میں بے مثال۔ تو پھر ظاہر ہے کہ آپ کے وہ اصحاب کرام جو آپ کے منتخب ساتھی'

اعلیٰ درجے کے رفیق' آپ کی شمع نبوت کے پروانے' سچے غم گسار اور حقیقی وفادار و جاں نثار ہیں۔ جن کی صحبت و رفاقت کی رب العالمین نے گواہی دی۔ جن کی نصرت و حمایت کا رحمۃ للعالمین نے خطبہ پڑھا' جن کی عظمت و فضیلت کا قرآن مبین نے اعلان کیا۔ بھلا ان کے درجات و مراتب' ان کے فضائل و کمالات' ان کی خیریت و افضلیت کا کیا کہنا؟

فضائل صحابہ

حضرات گرامی! یہ ایمان ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلاۃ والسلام ''خیر الامم'' یعنی تمام امتوں میں بہترین امت ہے اور اس بہترین امت میں سے بہترین اور افضل و اعلیٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ مسلمانو! تم نے صحابہ کرام کو کیسا سمجھا ہے۔ اللہ اکبر!

برادرانِ ملت! صحابہ کرام یہ وہ مقدس نفوس طیبہ ہیں کہ یہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں فرشِ زمین پر چلتے تھے مگر عرشِ بریں سے ان کے نام خلاقِ عالم کا سلام آیا کرتا تھا۔ صحابہ کرام آسمان تقدس کے وہ آفتاب و ماہتاب ہیں کہ جب یہ خانہ کعبہ کے سامنے خداوند قدوس کے سجدوں کے لئے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھتے تھے تو بیت اللہ بھی تمنائیں کرتا تھا کہ کاش میرے پاؤں ہوتے تو میں چل کر ان خیر الساجدین کی پیشانیوں کو چوم لیتا۔ تو شاید میرا سجدہ بھی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی بلندترین منزل پر پہنچ جاتا۔ فرشتے ان کی سجدہ گاہوں کو اپنی بوسہ گاہ بنانے کے لئے بے قرار اور آسمانوں کے ستارے ان امت کے تاروں کے نظاروں کے لئے نگاہ شوق سے فرش زمین کے طالب دیدار رہتے تھے۔ یہ وہ خوش نصیب مسلمان و کامل الایمان ہیں جنہوں نے اپنی ایمانی نگاہوں سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جلال و جمالِ نبوت کو دیکھا' صحبت اٹھائی۔ خدمت کا شرف حاصل کیا اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چشم و ابرو کے ہر اشارے پر اپنی متاع مال و جان قربان کر دینے کو معراج ایمان سمجھا۔ یہی وہ ''خیر المومنین'' ہیں جن کے لئے رب العالمین نے کہیں یہ فرمایا کہ:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ)

یعنی صحابہ وہ مومنین کاملین ہیں۔ جنہوں نے شہنشاہ رسالت کی نصرت و حمایت اور امداد و اعانت میں سب سے پہلے قدم بڑھایا اور ساری امت پر سبقت لے گئے۔ ان میں سے کچھ کا لقب ''مہاجرین'' ہے اور کچھ کا خطاب انصار

ہے۔ یہ لوگ اور ان کی بہترین پیروی کرنے والے وہ اللہ والے ہیں کہ اللہ ان سے خوش ہو گیا اور وہ اللہ سے خوش ہو گئے۔

کہیں خداوند جل جلالہ نے ان کی مدح وثنا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران)

یعنی وہ صحابہ کرام جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے۔ میں ضرور ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا۔ اور یقیناً میں انہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اللہ کے پاس کا ثواب ہے اور اللہ کے پاس تو بڑے بڑے بہترین ثواب ہیں۔

اسی طرح رسول کے ان مقدس جان نثاروں کو بشارت دیتے ہوئے کہیں یوں فرمایا کہ:

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ (نساء)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام سے یہ بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے۔

غرض صحابہ کرام کی مدح وثنا کی آیاتِ بینات قرآن مجید کے صفحات میں اس طرح چمک رہی ہیں جس طرح آسمان میں ستارے چمک رہے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر آنکھوں میں عرفان کا نور اور دلوں میں ایمان کا ایسا سرور پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک مومن کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں صحابہ کرام کی محبت وعظمت کے ہزاروں چراغ روشن ہو جاتے ہیں اور دنیائے ایمان نور سے معمور بلکہ نور علیٰ نور ہو جاتی ہے۔

خدا کا انتخاب

حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اُولٰئِكَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانُوْا اَفْضَلَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبَرَّهَا قُلُوْبًا وَّاَعْمَقَهَا

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ اصحاب اس امت میں سب سے زیادہ افضل ہیں۔ ساری امت میں سے سب سے زیادہ ان کے دل نیکوکار ان کا علم

عِلْمًا وَاَقَلُّهَا تَكَلُّفًا اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ (مشکوۃ ص ۳۲)

سب سے زیادہ گہرا ان کے اعمال تکلف سے خالی یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے چن لیا ہے۔ اس لئے تم لوگ ان کی فضیلت کو پہچانو!

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش بیانی کی داد نہیں دی جاسکتی۔ ایک جملے میں انہوں نے ایسی شاندار "مدح صحابہ" بیان فرمائی ہے کہ خدا کی قسم اس کو سوچ سوچ کر وجد کرنے کو دل چاہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهٖ وَلِاِقَامَةِ دِيْنِهٖ

یعنی صحابہ وہ ہیں جنہیں خداوند عالم نے اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی اقامت کے لئے سارے عالم میں سے چن لیا ہے۔

سبحان اللہ! ذرا غور تو کیجئے کہ چننے والا کون ہے؟ اور کتنے بڑے بڑے دو کاموں کے لئے چنا ہے۔

چننے والا عالم الغیب والشہادہ ہے۔ جس سے کائناتِ عالم کا کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں تو ظاہر ہے کہ اس علیم وخبیر اور سمیع وبصیر کا چننا کیسا ہوگا؟ اور اس کا چنا ہوا کس پایہ کا بلند رتبہ ہوگا؟ پھر کسی معمولی کام کے لئے چنا نہیں۔ بلکہ وہ بہت ہی اہم اور مہتم بالشان کاموں کے لئے چن لینا۔ ایک تو اس نبی مکرم ورسولِ اعظم کی ہم نشینی اور صحبت اٹھانے کے لئے جو ایسے سید الرسل ہیں کہ تمام انبیاء ومرسلین ان کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے شیدائی اور ان کے امتی کہلانے کے تمنائی رہے۔ دوسرے اپنے اس دین مستقیم "اسلام" کو قائم کرنے کے لئے جو انتظام عالم اور فلاح اُمم کے لئے سب سے زیادہ کامل ومکمل نظام اور خداوند قدوس کا آخری پیغام ہے۔

برادرانِ اسلام! اب اس سے ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ خداوند قدوس نے جن مقدس ہستیوں کو ایسے ایسے دو عظیم الشان کاموں کو انجام دینے کے لئے تمام عالم میں سے انتخاب فرمایا۔ وہ لوگ کتنے جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہوں گے اور ان کے جناب میں حسن عقیدت اور الفت ومحبت کس قدر لازم الایمان اور واجب العمل ہوگی۔

حضرات! اگر کوئی بیٹا اپنے باپ کے منتخب اور گہرے دوستوں سے بغض وعناد رکھے اور نفرت کرے تو ساری دنیا کی یہی فیصلہ ہوگا کہ یہ بیٹا اپنے بیٹے کا انتہائی ناخلف اور نالائق بیٹا ہے اور ہرگز ہرگز یہ بیٹا کبھی بھی اپنے باپ کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔ تو یاد رکھئے کہ کوئی

بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اُمتی کہلانے والا اگر سرکار رسالت کے ان منتخب اور جاں نثار حقیقی دوستوں سے بغض وعناد اور نفرت رکھے گا تو خدا کی قسم وہ انتہائی نالائق امتی کہلائے گا۔ بلکہ درحقیقت وہ امتی کہلانے کا حق دار ہی نہیں ہوگا اور ہرگز ہرگز کبھی بھی وہ بارگاہ رسالت میں مقبول نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خدا اور رسول کے دربار سے اس پر ایسی لعنت اور پھٹکار پڑے گی کہ جہنم اور عذابِ نار کے سوا اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا۔

صحابہ کے دوست اور دشمن

حضرات! صحابہ کرام کی محبت کا ذکر آ گیا ہے۔ تو ایک حدیث بھی سن لیجئے۔ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِیْ

یعنی اے لوگو! میرے اصحاب کے بارے میں خدا کا خوف کرو انہیں میرے بعد نشانہ مت بناؤ۔

کیوں اس لئے کہ:

فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضُهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ

(ترمذی)

جس نے ان لوگوں سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان لوگوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی پس نے اس نے اللہ کو ایذا دی۔ پس اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو عنقریب خداوند قہار اس کو اپنے قہر وغضب میں گرفتار فرمائے گا! تو یہ نعوذ باللہ اس گرفتاری اور پکڑ سے اللہ کی پناہ۔

لہٰذا اے اپنے سینوں میں ایمان کی دولت رکھنے والو! اگر تمہیں دولت ایمان عزیز ہے تو خبردار خبردار کبھی بھی ہرگز ہرگز صحابہ کرام کی شان میں ایک ذرہ کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی بے ادبی کا خیال دل میں نہ آنے پائے ورنہ یاد رکھو! کہ تمہارے ایمان کی دولت غارت اور تمام اعمال صالحہ کا ذخیرہ برباد وا کارت ہو جائے گا اور جو دشمن ایمان ان مقدس بزرگوں کی شان میں بے ادبی کے ساتھ زبان کھولے یقین رکھو کہ بلاشبہ وہ اللہ ورسول کا باغی اسلام کا دشمن ہے اور اس بے ایمان کی صحبت ایک مسلمان کے دین وایمان کے لئے زہریلے سانپ سے زیادہ

خطرناک اور سم قاتل وزہر ہلاہل سے بڑھ کر مہلک ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان بدنصیبوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

اِذَا رَأَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَسُبُّوْنَ اَصْحَابِیْ فَقُوْلُوْا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلٰی شَرِّکُمْ (ترمذی)

یعنی جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے اصحاب کی بدگوئی کرتے ہیں تو تم کہہ دو کہ تمہارے شر پر خدا کی لعنت۔

بہرکیف! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ''خیر الامم'' یعنی تمام امتوں میں افضل و اعلیٰ ہے۔ اور اس امت میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ اور بہتر و بالا مرتبہ صحابہ کرام کا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا ہے کہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مومنین اولین و آخرین میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ''افضل المومنین'' اور مقبول بارگاہ رب العالمین ہیں اور کوئی ولی اور غوث و قطب بلکہ قطب الاقطاب خواہ کتنے ہی بلند سے بلند مرتبہ پر کیوں نہ پہنچ جائے مگر ہرگز وہ کبھی کسی صحابی کا ہمسر نہیں ہو سکتا۔

حضرات! فضائل صحابہ کرام کا یہی وہ مقدس مضمون ہے جس کو خداوند جل وعلا نے ارشاد فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔

یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (صحابہ) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔ تم انہیں دیکھو گے رکوع کرتے اور سجدے میں گرتے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔

سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ۔

ان کی علامات ان کی چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے یہ ان کی صفت توراۃ میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے۔ جیسے ایک کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی۔ پھر وہ دبیز ہوئی۔ پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی۔ کسانوں کو اچھی بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ (الفتح)	اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایمان والوں اور اچھے اچھے عمل کرنے والوں کے لئے بخشش اور بڑے بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور برادرانِ ملت! جس طرح یہ ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام تمام مومنین میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی طرح یہ بھی عقیدہ ہے کہ اصحاب کبار میں "حضرات خلفاء راشدین یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا مرتبہ تمام صحابہ سے زیادہ بلند و بالا اور عظمت والا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا کہ ۔

قرآں میں حق نے خطبہ پڑھا چار یار کا
کتنا بلند رتبہ ہوا چار یار کا
سردار انبیاء کے یہ مسند نشیں ہوئے
ڈنکا بجے جہان میں نہ کیوں چار یار کا

بارگاہ نبوت کے ان وفاداروں اور جان نثاروں یعنی پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چار یاروں کے بارے میں اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کے بھی دو شعر ملاحظہ فرمایئے:

جان و دل تیرے قدم پر وارے
کیا نصیبے ہیں تیرے یاروں کے
صدق و عدل و کرم و ہمت میں
چار سو شہرے ہیں ان چاروں کے

برادرانِ ملت! چونکہ آج میری تقریر کا عنوان "خلفاء راشدین" ہے اس لئے میں پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان جانشینوں کے فضائل و سوانح حیات پر ایک مختصر تقریر پیش کرتا ہوں۔ بغور ملاحظہ فرمایئے اور پہلے با آواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کیجئے اور پڑھیے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سایۂ مصطفیٰ ، مایۂ اصطفا
عزّ و ناز خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

حضرات!

افضل البشر بعد الانبیاء، خلیفہ اول و جانشین مصطفیٰ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یادوفا کے فضائل ومناقب اور ان کی مدح وثنا کا کیا کہنا؟ آپ محبوبِ خدا کے یارِ غار اور شمع نبوت کے جان نثار ہیں۔ آپ اپنے صدق وصفا اور محبتِ حبیبِ خدا کی بدولت اس قدر جامع الکمالات اور مجمع الفضائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اور بارگاہِ خدا ورسول میں آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کا یہ عالم ہے کہ مقدس قرآن کی بہت سی آیات بینات آپ کی شان میں نازل ہوئیں اور احادیث کریمہ میں آپ کے کثرتِ فضائل کا یہ حال ہے کہ خاص آپ کے فضائل میں (۱۸۱) حدیثیں مروی ہیں اور (۸۸) احادیث مبارکہ ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کا نام آیا ہے اور (۱۷) حدیثیں ایسی ملتی ہیں جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام تینوں خلفاء کا تذکرہ ہے اور (۱۴) احادیث مقدسہ میں چاروں خلفاء کا نام نامی واسم گرامی مذکور ہے اور (۱۶) حدیثیں ایسی ہیں جن میں چاروں خلفاء راشدین کے ساتھ ساتھ دوسرے صحابہ کرام بھی شریک فضائل ہیں۔ اس طرح کل (۳۱۶) حدیثوں میں حضرت ابوبکر صدیق کا نام لے کر سرکار دوجہان نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار

اور رفیق جان نثار کے مناقب وفضائل کا اظہار فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ بے شمار آیات و احادیث میں "سابقین اولین" "مومنین ومہاجرین" اور مجاہدین کاملین وغیرہ کے فضائل میں ضمنی طور پر آپ کے فضائل وکمالات اس کثرت سے مذکور ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے۔ الغرض فضائل صدیق اکبر کی آیتوں اور حدیثوں پر نظر ڈالنے کے بعد بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن وحدیث میں جس کثرت سے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار یعنی صدیق باوقار کے محامد ومحاسن کا خطبہ پڑھا گیا ہے۔ اتنا کسی بھی صحابی کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

صدیق اکبر اور قرآن

حضرات! قرآن مجید میں حضرت صدیق اکبر کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کا تذکرہ آ گیا ہے تو اس مجلس میں چند آیتیں اس مضمون کی بھی سن لیجئے۔ قرآن میں حضرت حق جل مجدہ کا فرمان ہے کہ:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۚ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ)

حضرات گرامی! تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ مقدس آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں نازل ہوئی ہے۔ اب آپ اس آیت کا ترجمہ سنیئے! خداوند قدوس مسلمانوں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ	یعنی اے مسلمانو! اگر تم میرے محبوب کی مدد نہ کرو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تو ان کی اس وقت مدد فرمائی جب کفار کی شرارت سے ان کا مکہ سے باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب کہ وہ دونوں غار میں تھے
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ	جب محبوب اپنے "یار غار" سے فرماتے تھے کہ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے
فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ۔	تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنا "سکینہ" اتارا اور اسے لشکروں سے اس کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۔ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

اور کافروں کی بات نیچے ڈال دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

برادرانِ ملت! تمام مفسرین ومورخین کا متفقہ بیان ہے کہ ''غارِ ثور'' میں ہجرت کی رات حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی بھی محبوب خدا کا یارِ وفادار اور رفیق غم گسار نہیں تھا اور واقعی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے یار غار اور وفادار جاں نثار ثابت ہوئے کہ وفاداری و جاں نثاری کی انتہائی منزل بیان کرنے کے وقت آپ کا نام ضرب المثل بن گیا ہے۔ چنانچہ آج بھی اگر کوئی شخص کسی کا انتہائی محب غم گسار اور اعلیٰ درجے کا یارِ وفادار اور رفیق جاں نثار ہوتا ہے تو اس موقع پر کہا جاتا ہے کہ ''فلاں شخص تو فلاں کا یارِ غار'' ہے۔ حضرات! مجھے اس موقع پر اس وقت جناب شبیر امروہی کا ایک قطعہ یاد آ گیا جس کو انہوں نے اپنے مزاح کے مخصوص انداز میں بہت خوب فرمایا ہے ۔

دشمن میں دیکھتا ہوں جیسے یارغار کا
جی چاہتا ہے نوچ لوں منہ اس گنوار کا
قرآں نے اُن کو ''ثانی اثنین'' کہہ دیا
ثانی نہیں خدا کی قسم یارِ غار کا

آپ کی صحابیت

حضرات! اس آیت میں اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا ثبوت قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا صحابی ہونا اتنا قطعی و یقینی ہے کہ اگر کوئی بدنصیب آپ کی صحابیت کا انکار کردے تو وہ قرآن کا منکر اور کافر ہو جائے گا ۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ عنہ)

سکینہ کس پر اترا

اسی طرح اس آیت میں فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ ثابت ہوتا ہے کہ خداوند قدوس نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنا ''سکینہ'' اُتارا۔ یعنی اپنی طرف سے قلبی اطمینان اور روحانی تسکین کا سامان حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب مبارک پر اتار دیا۔ خوب اچھی

طرح سمجھ لیجئے کہ اس آیت میں "علیہ" کی ضمیر کا مرجع یقیناً حضرت ابوبکر صدیق ہی ہیں اور خدا کا "سکینہ" انہیں پر اترا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقدس سینہ تو ہمیشہ اور ہر حال میں سکینہ الٰہی کا سفینہ رہا اور آپ کا قلبی اطمینان تو ایک لحہ کے لئے بھی کبھی زائل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے "غار ثور" میں آپ پر سکینہ اترنے کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔ گھبراہٹ اور بے قراری تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے قلب میں تھی۔ اس لئے انہیں کے دل پر سکینہ اترنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا خداوند قدوس نے اپنے حبیب کے "یار غار" کے قلب کو سکون و قرار بخشنے کے لئے ان پر اپنا سکینہ نازل فرمایا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! یہ ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبۂ بلند کہ خداوند رب العزت جل وعلا ان کی صحابیت پر اپنی شہادت کی مہر لگاتا ہے اور ان کو اپنے محبوب کا "یار غار" فرماتا ہے اور ان کے سفینۂ قلب پر اپنا سکینۂ رحمت نازل فرماتا ہے۔ یہ عز و شرف اور عظمت و کرامت کی وہ سربلندیاں ہیں جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہیں ہوئیں۔ خدا کی قسم! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر صداقت پر یہ اعزاز و اکرام کے وہ تاج شہنشاہی ہیں۔ جن کو دیکھ کر اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ:

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيمِ

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ جس کو چاہے اپنے فضل سے نواز دے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

حضرات! اسی طرح ایک دوسری آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت شان کا بیان کرتے ہوئے قرآن نے اعلان فرمایا کہ:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ○ (الیل)

یعنی جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا وہ سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال اس لئے دیتا ہے تاکہ وہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک عنقریب وہ خوش ہو جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی راہ میں جو اپنا مال خرچ کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ وہ اپنے نفس کو پاک اور ستھرا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے اوپر کسی

کا کوئی احسان نہیں ہے کہ وہ احسان کا بدلہ چکانے کے لئے مال خرچ کرتے ہو۔ ان کا مقصود تو صرف اس قدر ہے کہ ان کا رب کریم ان سے خوش ہو جائے۔ چنانچہ رب العزت نے خوش ہو کر وعدہ فرمالیا کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسی جزاء عطا فرمائے گا کہ وہ بھی اپنے رب سے راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

حضرات! علامہ ابن جوزی اور دوسرے محدثین ومفسرین نے بالاتفاق یہ فرمایا کہ سورۃ والیل کی یہ آخری آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ دستور تھا کہ آپ ان کمزور اور بوڑھے غلاموں کو جو مسلمان ہونے کی بنا پر کفار کے ہاتھوں سے ستائے جاتے تھے۔ اپنی دولت سے خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے ایک روز آپ کے والد حضرت ابوقحافہ نے فرمایا کہ بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ضعیف اور کمزور غلاموں کو خرید خرید کر آزاد کر رہے ہو کاش! اگر تم ان کے بجائے قوی اور جوان غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے تو آڑے وقت میں وہ لوگ تمہارے ساتھ ہو کر تمہاری مدد کرتے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ابا جان! ان غلاموں کی آزادی سے میرا مقصد صرف مولیٰ کی خوشنودی و رضا ہے۔ مجھے ان سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہیں کرنا ہے۔ اسی طرح حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے علم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے سات غلاموں کو خرید کر آزاد فرمایا جن کو محض مسلمان ہونے کی بنا پر تکلیف دی جاتی تھی۔ چنانچہ آپ کے انہیں کارناموں پر سورۃ والیل کی آیات کریمہ آپ کی مدح وثنا کے لئے نازل ہوئیں۔ (تاریخ الخلفاء ص ۴۸)

افضل البشر بعد الانبیاء

حضرات غور فرمایئے! کہ ان آیتوں میں خداوند عالم جل جلالہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''اتقیٰ'' کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ یعنی سب سے زیادہ پرہیزگار اور قرآن مجید کی دوسری آیت میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔۔۔ یعنی خدا کے نزدیک سب سے زیادہ بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

تو بلاشبہ ثابت ہو گیا کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''اتقیٰ'' یعنی سب سے زیادہ

پرہیز گار ہیں تو پھر یقیناً آپ اکرم الحق اور افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں آپ افضل واعلیٰ ہیں۔

حضرات! اسی طرح حضرت مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن میں جو:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	یعنی وہ سچ کو لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی پرہیز گار ہیں۔

اس آیت میں وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جو سچائی کو لانے والے ہیں اور صَدَّقَ بِہٖ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت کی تصدیق کی اوسب سے پہلے ایمان لائے۔(تاریخ الخلفاء)

اسی طرح عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت کہ:

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِیْرٌ o	یعنی بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔(سورۃ التحریم)

اس آیت میں "صالح المومنین" سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔(تاریخ الخلفاء) الغرض اسی طرح قرآن کریم کی بہت سی آیتیں حضرت صدیق اکبر کی مدح وثنا کی خطیب ہیں۔

صدیق اکبر اور احادیث

میرے بزرگو اور بھائیو! قرآن مجید نے کس کس طرح فضائل صدیق اکبر کا خطبہ پڑھا۔ان میں سے چند آیتیں میں آپ کے سامنے پیش کر چکا۔اب میں چاہتا ہوں کہ چند حدیثیں بھی اس مضمون کی آپ کو سنادوں۔یہ تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ احادیث مبارکہ جن میں نام لے کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کو بیان فرمایا ہے۔ان کی تعداد (۳۱۶) ہے مگر میں اس وقت ان میں سے صرف تین حدیثوں کا ذکر کرتا ہوں۔بغور ملاحظہ فرمایئے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد

فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ مِنْ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَکْرٍ (مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

یعنی تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر مجھ پر اپنی صحبت اور اپنے مال سے احسان کرنے والے ابوبکر ہیں۔

دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرمایا کہ:

مَا لِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلَّا وَقَدْ کَافَیْنَاهُ مَاخَلَا اَبَابَکْرٍ فَاِنَّ لَنَا عِنْدَهٗ یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ وَلَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا اَلَا وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ (مشکوٰۃ ص ۵۵۵)

یعنی جس کسی کا بھی احسان مجھ پر تھا میں نے ہر ایک کے احسان کا بدلہ چکا دیا ہے۔ سوائے ابو بکر کے کہ میں نے اس کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے احسانوں کا بدلہ میری طرف سے اسے قیامت کے دن عطا فرمائے گا اور کسی کے مال سے مجھے اتنا نفع نہیں پہنچا جتنا ابوبکر صدیق کے مال سے پہنچا اور اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو اپنا خلیل بناتا تو یقیناً میں ابوبکر کو اپنا خلیل بناتا۔ لیکن سن لو کہ میں اللہ کا خلیل ہوں۔

مسلمان بھائیو! اللہ اکبر! صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جان نثاری رسول کے قربان جایئے۔ اللہ تمام عالم کے محسن اعظم، رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ابوبکر کا اس قدر ممنون احسان مند ہوں کہ میں نے ان کے احسانوں کا بدلہ اس کو دنیا میں نہیں دیا ہے۔ بلکہ خلاق عالم جل جلالہٗ میری طرف سے ابوبکر کو اس کے احسانوں کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائے گا۔

اسی طرح بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بہت سخت علیل ہوئے تو فرمایا کہ:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے باپ ابوبکر بہت ہی نرم دل آدمی ہیں وہ آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَروا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ میری جگہ نماز پڑھائیں۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر وہی عذر پیش کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پر عتاب فرمایا کہ اور پھر تاکید کے ساتھ یہی حکم فرمایا کہ "ابوبکر سے کہہ دو وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں" چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ میں آپ کے مصلی پر امامت کی اور کئی دنوں تک نماز پڑھاتے رہے۔

حضراتِ گرامی! صحیحین کی یہ حدیث حضرت عائشہ وحضرت ابن عباس وحضرت ابن مسعود وحضرت ابن عمر وحضرت ابوسعید وحضرت عبداللہ بن زمعہ وحضرت علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے اور بعض شارحین حدیث نے اس حدیث کو متواتر بتایا ہے اور علماء حق نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ حدیث بہت بہ واضح طور پر دلالت بلکہ تصریح کرتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر مطلقاً تمام صحابہ سے افضل اور خلافت وامامت کے لئے سب سے زیادہ مستحق اور اولیٰ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول

حضرات! یہی تو وجہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سردار ہیں اور اگر حضرت ابوبکر صدیق کے ایمان کو اور تمام روئے زمین کے مومنین کے ایمان کو وزن کیا جائے تو حضرت ابوبکر صدیق کے ایمان کا پلہ غالب اور بھاری رہے گا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الاعلان یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے کا ایک بال ہوتا۔
(تاریخ الخلفاء ص ۵۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد

اسی طرح روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ آپ کے پاس سے گزرے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک کپڑا اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے۔ مولائے کائنات نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ کوئی "نامہ اعمال والا جو اللہ سے ملاقات کرے گا میرے نزدیک اس کپڑا اوڑھنے والے شخص سے زیادہ محبوب نہیں" (تاریخ الخلفاء ص ۵۹)

نام ونسب

بزرگانِ ملت! آپ کا اسم گرامی عبداللہ ہے۔ ''ابوبکر'' آپ کی کنیت اور صدیق و عتیق لقب ہے۔ آپ کے والد کا نام نامی ابو قحافہ عثان اور والدہ کا نام نام الخیر سلمٰی ہے۔ ساتویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرہ خاندانی سے مل جاتا ہے۔ آپ عام الفیل کے ڈھائی برس کے بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

زمانہ ءجاہلیت

حضرات گرامی! قبیلہ قریش میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بہت ہی ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ زبیر بن بکار اور ابن عساکران دونوں محدثین نے یہ فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے ان گیارہ منتخب اشخاص میں سے ہیں۔ جن کو زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں شرف حاصل رہا ہے۔ چنانچہ آپ زمانہ جاہلیت میں خون بہا اور جرمانوں کے مقدمات کا فیصلہ فرماتے تھے جو دور جاہلیت کا بہت بڑا اعزاز تھا۔

(تاریخ الخلفاء ص۳۲)

آپ طبعاً اس قدر باوقار اور صاحب مروت تھے کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام کے مجمع میں کسی نے آپ سے سوال کیا کہ بھلا آپ نے کبھی شراب بھی پی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ معاذ اللہ! کبھی بھی نہیں۔ اس نے پوچھا؟ تو آپ نے برجستہ یہ جواب دیا کہ اس لئے تاکہ میری عزت و شرافت زائل نہ ہو جائے کیونکہ شراب نوشی انسان کی عزت وشرافت کو برباد کر دیتی ہے۔

آپ کا اسلام

حضرات! اسلام میں آپ کا شمار سابقین اولین میں ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت کا یہی قول ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضرت میمون بن مہران جو ایک مشہور محدث ہیں۔ ان سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے اسلام لائے یا حضرت علی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بحری راہب کے زمانے ہی میں ایمان لا چکے تھے اور اس وقت تک تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ لیکن بہر حال بعض صحابہ کرام اور تابعین کا یہ بھی قول ہے کہ سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ

ہیں اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان مختلف اقوال میں سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے بہت ہی اچھی تطبیق اس طرح دی ہے کہ آزاد مردوں میں سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور عورتوں میں سے سب سے پہلے بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں اور بچوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ آپ سابقین اولین میں سے ہیں اور حضرت عثمان' حضرت زبیر بن العوام' حضرت طلحہ' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص وغیرہ جیسے بااثر اور صاحب وجاہت حضرات آپ ہی کی کوششوں سے آغوش اسلام میں آئے۔ کفار نے آپ پر بڑے بڑے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے مگر آپ انتہائی اولوالعزمی اور جوانمردی کے ساتھ کافروں کی سختیوں اور اذیتوں کا مقابلہ کرتے رہے اور اسلام و بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت میں استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور انتہائی جان نثار بن کر ہر دم ہر قدم پر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال قربان کرنے پر تیار رہے۔ جس وقت سے مشرف بہ اسلام ہوئے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات تک کبھی بھی سفر و حضر' صلح و جنگ میں کہیں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ مگر ہاں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا تو حج اور بعض غزوات کے لے مجبوراً بارگاہِ نبوت سے علیحدہ ہوئے۔ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عالم ہے کہ آپ کا یہ قول تھا کہ تمام دنیا کی نعمتوں سے تین ہی چیزیں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ	یعنی رسول اللہ کے روئے پر انوار کا دیدار کرنا اور
وَاِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاَنْ	رسول اللہ پر اپنا مال نثار کرنا اور میری بیٹی کا رسول اللہ
یَّکُوْنَ اِبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ	کی زوجیت کے شرف سے سرفراز رہنا۔

آپ کی شجاعت

حضرات! آپ تمام صحابہ کرام میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ ایک مرتبہ فاتح خیبر حضرت علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ سے سوال فرمایا کہ بتاؤ؟ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر کون شخص ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ آپ! تو مولائے کائنات نے فرمایا کہ میں تو ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑ سے لڑتا رہا ہوں۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون

ہیں؟ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ ہمیں تو نہیں معلوم آپ ہی بتا دیجئے! تو آپ نے فرمایا کہ سنو! سب سے زیادہ بہادر ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جنگ بدر میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک چھوٹے سے خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ اب یہ سوال اٹھا کہ اس خیمہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لئے کون کھڑا رہے گا؟ تو خدا کی قسم! تین سو تیرہ مجاہدین میں سے کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی مگر حضرت ابوبکر ننگی شمشیر ہاتھ میں لے کر تنہا خیمہ نبوی کی حفاظت کرتے رہے اور جو کوئی حملہ آور خیمہ کا رخ کرتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھپٹ کر اس پر حملہ کر دیتے۔ چنانچہ آخر وقت تک کسی کافر کو خیمہ نبوی تک پھٹکنے نہیں دیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ بہادر شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

(تاریخ الخلفاء)

آپ کی سخاوت

حضرات! شجاعت کے ساتھ ساتھ سخاوت بھی انسانی عظمت کا بہت بڑا جوہر ہے۔ چنانچہ سخاوت اور مالی قربانی میں بھی آپ تمام صحابہ کرام سے بڑھ کر ہیں۔ جس دن آپ آغوش اسلام میں آئے۔ آپ کے پاس چالیس ہزار درہم کا سرمایہ تھا۔ اس میں سے پینتیس ہزار تو مکہ مکرمہ میں اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت پر خرچ کر ڈالا۔ باقی پانچ ہزار درہم کی رقم لے کر ہجرت کی اور یہ ساری رقم بھی مدینہ منورہ پہنچ کر احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دی۔ ایک مرتبہ اپنا سارا مال یہاں تک کہ اپنے بدن کے کپڑوں کو بھی راہ خدا میں خیرات کر دیا اور خود ایک کملی پہن کر اس میں بٹن کی جگہ ببول کا کانٹا لگائے ہوئے اپنے گھر کے اندر بیٹھے رہے۔ اس دن حضرت جبرئیل علیہ السلام جب وحی لے کر نازل ہوئے تو وہ بھی ایک کملی اوڑھے ہوئے تھے جس میں بٹن کی جگہ ببول کے کانٹے لگے ہوئے تھے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام! آج تم اس نئے لباس میں کیوں آئے ہو؟ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دے دیا ہے کہ آج سب فرشتے آسمان میں وہی لباس پہن لیں۔ جو لباس میرے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار نے زمین پر پہن رکھا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۹)

آپ کا علم

حضرات! اسی طرح آپ کی علمی جلالت کا یہ عالم ہے کہ آپ بالاتفاق "اعلم الصحابہ"

یعنی تمام صحابہ کرام سے زیادہ علم والے ہیں۔ آپ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ فن قرات کے بھی ماہر تھے۔ اسی طرح علم الانساب اور تعبیر خواب میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور خطبات کی فصاحت و بلاغت میں تو آپ یکتا اور یگانہ روزگار تھے ہر ایک موقع پر جب صحابہ کرام کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آ جاتا تھا تو لوگ آپ ہی کے خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ہمیشہ حدیث سنا کر صحابہ کرام کے مشکل سے مشکل اشکال کو حل فرما دیا کرتے تھے اور آپ اس قدر ذہین و ذکی اور اور صاحب اثر تھے کہ حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے اس وقت ایک مجلس شوریٰ منعقد فرمائی جس میں ابوبکر' عمر' عثمان' علی' طلحہ' زبیر' اسید بن حضیر وغیرہ رضی اللہ عنہما صحابہ کرام موجود تھے۔ تمام صحابہ کرام نے ایک معاملہ میں اپنی رائے دی۔ پھر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاذ بن جبل! تم بولو! تمہاری کیا رائے ہے؟ تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ابوبکر کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔ اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں کہ ابوبکر غلطی کرے۔ (طبرانی)

ہجرت کے بعد

حضرات گرامی! ہجرت سے قبل اور ہجرت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو اسلامی کارنامے پیش کئے۔ تاریخ صحابہ میں اس کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ اسلام لانے کے بعد تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں کفار کی ایذائیں برداشت کرتے رہے اور رحمت عالم کی نصرت و حمایت میں اپنی جان و مال کے ساتھ سینہ سپر رہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ ہجرت کی رات میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کر کے اندھیری رات میں نوکیلے پتھروں کی چٹانوں پر چڑھتے ہوئے "غار ثور" میں پہنچے اور اپنی جان کی بازی لگا کر غار میں پہلے خود داخل ہوئے اور اپنے بدن میں کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کر دیا۔ پھر محبوب خدا کو غار میں لے جا کر اپنے زانوں پر سر اقدس رکھ کر سلا دیا اور خود ایک سوراخ پر اپنی ایڑی لگا کر بیٹھ گئے۔ سوراخ کے اندر سانپ نے بار بار آپ کی ایڑی کو ڈسا اور کاٹ کھایا۔ مگر آپ نے سوراخ سے اپنی ایڑی نہیں ہٹائی۔ یہاں تک کہ درد سے بے قرار ہو کر آپ کے آنسو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رخسار پر ٹپک پڑے اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب راحت سے بیدار ہوئے اور اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ جس سے فی الفور آپ کو شفا مل گئی۔ پھر

مدینہ منورہ پہنچ کر اپنی پوری زندگی بھر تمام مشاہد میں حاضر رہے اور بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حضرات! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اسلامی کارناموں کو بیان کرنے کے لیے تو ایک طویل دفتر بھی ناکافی ہے۔ مگر سنہ ہجری کے اعتبار سے ہر سال چند بڑے بڑے واقعات اس وقت آپ کے سامنے عرض کردیتا ہوں۔

۲ھ جنگ بدر میں خیمۂ نبوی کی حفاظت کرتے رہے اور آپ کے فرزند عبدالرحمٰن بن ابو بکر جب کفار کی طرف سے جنگ کے لیے آئے تو آپ نے ننگی شمشیر لے کر بیٹے کو للکارا اور مقابلہ کے لیے خود آگے بڑھے مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ باپ کی تلوار سے بیٹے کے خون سے آلودہ ہو اس لیے آپ کو عبدالرحمٰن کے ساتھ لڑنے سے منع فرمادیا۔

۳ھ جنگِ اُحد میں شریک ہوکر انتہائی جان بازی کے ساتھ کفار سے جنگ کی اور جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوکر احد کے غار میں تشریف لے گئے تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی حضور کی خبر گیری کے لیے غار میں پہنچے۔

۵ھ جنگ خندق میں فوج کے ایک دستہ کے سپہ سالار رہے اور جس جگہ آپ نے خندق کی حفاظت کی تھی۔ یہاں ایک مسجد تعمیر ہوئی جو آپ کے نام سے منسوب ہوئی۔

۶ھ میدان ''حدیبیہ'' میں جب عروہ بن مسعود ثقفی جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ کفار کے جاسوس بن کر آئے اور دوران گفتگو میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داڑھی پکڑ لی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس کو برداشت نہیں کر سکے اور اپنی تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مار کر اس کا ہاتھ ہٹادیا اور جب عروہ بن مسعود نے یہ کہا کہ اے محمد! جنگ کے وقت یہ آپ کے ساتھی آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر طیش اور جلال آ گیا کہ آپ نے یہ کہہ دیا "اُمْصُصْ بُظْرَ اللَّاتِ" اے ہٹ جا اور اپنی دیوی لات کے پیشاب کا مقام چوس! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ہم محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں؟ یہ غیر ممکن ہے۔ جس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جرات مندانہ جواب دیا تو عروہ بن مسعود ثقفی کو بڑا تعجب ہوا کہ مجھ جیسے معمر اور شاندار سردار کو اس جرأت کے ساتھ جواب دینے والا کون ہے؟ چنانچہ اس نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر ہیں تو کہنے لگا کہ ابوبکر! جا۔ اگر تیرا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا تو میں تجھ کو اس جرأت کا جواب دیتا۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کی شرطوں پر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اعتراض ہوا اور وہ طیش میں

بھرے ہوئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو حضرت ابوبکر ہی کا یہ دم خم تھا کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا کہ "اِلْـزَمْ غَـرْزَهٗ" یعنی اے عمر! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رکاب تھامے رہو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رسول اللہ ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

۷ھ جنگ خیبر میں پہلے دن حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے آپ ہی کے ہاتھ میں جھنڈا دیا۔ دوسرے دن حضرت عمر کو اور تیسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دیا۔ جن کے ہاتھ پر قلعہ خیبر فتح ہوا۔

۸ھ فتح مکہ میں شریک ہوئے اور اپنے والد ابوقحافہ کو بارگاہِ نبوت میں حاضر کیا اور وہ کلمہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۹ھ جنگ تبوک کے موقع پر اپنا سارا مال وسامان یہاں تک کہ بدن کے کپڑوں کو بھی خدا کی راہ میں قربان کر دیا اور جنگ تبوک میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف بھی حاصل کیا۔ اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "امیر الحج" بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا اور آپ نے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متواتر تین دنوں تک بہ آواز بلند سورہ براۃ کا اعلان فرمایا اور یہ حکم دے دیا کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک نہ حج کے لیے آئے اور نہ کوئی ننگے بدن ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کرے۔ (صحیحین وغیرہ)

۱۰ھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور رفاقت میں حج کیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا۔ جو "حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے۔

۱۱ھ حضور اقدس کے ایام علالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم سے نبوت کے مصلی پر امامت فرماتے رہے اسی سال حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مسلمانوں کے لیے ایسا جانکاہ اور ہوشربا حادثۂ فاجعہ تھا کہ بہت سے صحابہ شدت غم سے بے ہوش ہو گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر شخص یہ حال تھا کہ ننگی تلوار لے کر چکر لگاتے تھے اور کہتے پھرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور علیہ ولصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو گئی۔ میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مگر ایسے وقت میں بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوش وحواس بجا اور درست تھے۔ چنانچہ نہایت ہی سکون کے ساتھ آپ حضور اقدس کی چارپائی کے پاس مودبانہ حاضر ہوئے اور چادر مبارک اٹھا کر انتہائی گرمجوشی کے ساتھ پیشانی اقدس پر بوسہ دیا اور کہا

بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتاً یعنی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ موت و حیات دونوں حالتوں میں طیب وطاہر ہیں۔

صدیق اکبر کا ایک خطبہ

اس کے بعد آپ مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور صحابہ کرام کے مجمع میں آپ نے ایک خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ کو سن کر سب کے ہوش و حواس درست ہو گئے اور سب کو تسلی ہو گئی۔

بیعت خلافت

حضرات! حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مقدس زندگی کے تیسرے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ کے زمانہ جاہلیت اور مشرف بہ اسلام ہونے کے دونوں ادوار کا مختصر تذکرہ آپ سن چکے ہیں۔ آپ کی حیات مبارکہ کے تیسرے دور یعنی آپ کے دور خلافت کا بھی کچھ مختصر حال سن لیجئے! بنو ساعدہ کے چھتے کے نیچے انصار و مہاجرین کے مجمع میں کافی بحث و گفتگو کے بعد آپ کی بیعت خاصہ ہوئی اور سب سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کی۔ پھر دوسرے دن مسجد نبوی میں "بیعت عامہ" ہوئی۔

امیر المومنین ہو جانے کے بعد سب سے پہلے آپ نے حضرت اسامہ بن زید کے اس لشکر کو جہاد کے لیے روانہ فرمایا۔ جس کا جھنڈا خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا تھا۔ مگر حضور کی علالت و وفات کی وجہ سے یہ لشکر ٹھہر گیا۔ پھر جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے "مسلیمۃ الکذاب" اور زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے مرتدین سے مسلسل نو ماہ تک آپ جہاد فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ یہ سارے فتنے ختم ہو گئے۔ اس کے بعد روم اور فارس کی سلطنتوں سے جہاد شروع کر دیا اور عراق و شام کے بہت سے علاقے فتح ہو گئے۔

آپ کی تنخواہ

حضرات! ذرا یہ بھی سن لیجئے۔ کہ جانشین پیغمبر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ امیر المومنین بن جانے کے بعد اپنے کندھے پر چادروں کی گٹھڑی لے کر بیچنے کے لیے بازار جانے لگے۔ راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مل گئے اور انہوں نے آپ کو ٹوکا اور کہا کہ اب آپ یہ کام چھوڑ دیجئے کیونکہ اب آپ خلیفہ رسول اور امیر المومنین بن چکے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر میرے اہل

وعیال کیا کھائیں گے؟ یہ سن کر حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما وغیرہ بڑے بڑے اصحاب کبار نے باہم مشورہ کر کے ہر روز کے لیے آدھی بکری کا گوشت اور پیٹ بھرنے کے لیے اناج آپ کے اہل وعیال کے خرچ کے لیے بطور تنخواہ روزینہ مقرر کر دیا اور سال بھر میں دو کپڑوں جاڑے کے لیے اور دو کپڑے گرمی کے لیے مگر وہ بھی اس شرط پر کہ جو کپڑا پرانا ہو جائے اس کو بیت المال میں جمع کر کے نیا کپڑا لیں۔

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تمہیں معلوم ہے کہ میرا پارچہ فروشی کا پیشہ میرے اہل عیال کی پرورش کے لیے کافی تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کی خدمت کی وجہ سے اپنا پیشہ نہیں کر سکتا اس لیے اب میں مسلمانوں کی خدمت کا مزدور ہونے کی حیثیت سے بیت المال سے اپنی خوراک و پوشاک کا سامان لوں گا اور مسلمانوں کا مزدور بن کر ان کے لیے کام کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی سادگی اور تواضع

آپ کی سادگی اور تواضع وانکساری کا یہ عالم تھا کہ محلہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں خلافت سے پہلے بھی اور خلافت کے بعد بھی آپ کے پاس بکریاں لاتی تھیں تو آپ ان بچیوں کے لیے ان کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح روایت ہے کہ مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک اپاہج بڑھیا تھی جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر اپنے معمول کے مطابق بڑھیا کے پاس خبر گیری کے لیے گئے تو خلاف امید یہ دیکھا کہ بڑھیا کے پاس روٹی پانی اور اس کی تمام ضروریات کا سامان کر کے کوئی شخص چلا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ چنانچہ جب انہوں نے اس کی جستجو کی تو دیکھا کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ کو دیکھ کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا بھلا آپ کے سوا یہ کام کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۴)

وفات

حضرات گرامی! آپ کی علالت اور وفات کا مختصر تذکرہ عرض کر کے میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وفات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدمہ جانکاہ سے آپ کی صحت روز بروز گرتی چلی جا رہی تھی اور آپ بہت زیادہ کمزور ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ۷ جمادی الاخریٰ کو بخار شروع ہوا اور پندرہ دن علیل رہ کر تریسٹھ برس کی عمر میں دو برس تین ماہ گیارہ دن مسند

خلافت پر متمکن رہ کر ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ شب سہ شنبہ میں اپنے داعی اجل کو لبیک کہا اور حجرہ منورہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مقدس میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

آپ کا وصیت نامہ

برادرانِ ملت! حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ''وصیت نامہ'' بھی بڑا ہی رقت خیز اور عبرت آموز ہے۔ آپ نے دوران علالت میں سب سے پہلے تو اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان فرمایا۔ پھر آپ نے خاص طور پر تین وصیتیں فرمائیں۔

۱۔ پہلی وصیت یہ ہے کہ میں نے آج تک جتنی تنخواہ بیت المال سے لی ہے۔ میری فلاں زمین بیچ کر وہ ساری رقم بیت المال کو ادا کر دی جائے

۲۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ خلافت کے دوران میرے مال میں تین چیزوں کا اضافہ ہوا ہے ایک حبشی غلام جو مجاہدین کی تلواروں پر صیقل کرتا تھا۔ ایک چادر، ایک پانی بھرنے والی اونٹنی۔ یہ تینوں چیزیں میری وفات کے بعد ''خلیفہ وقت'' کے پاس پہنچا دی جائیں۔

چنانچہ جب امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان چیزوں کو دیکھا تو رو پڑے اور کہا کہ اے ابوبکر! خدا آپ پر رحم فرمائے۔ آپ نے تو اپنے جانشینوں کو بڑی مشکل میں ڈال دیا۔

۳۔ تیسری وصیت یہ فرمائی کہ میرے کفن میں تین کپڑے دیئے جائیں۔ دو چادریں تو یہی جو اس وقت میرے بدن پر ہیں اور ایک نئی چادر شامل کر لی جائے۔

آپ کی خصوصیات

یوں تو آپ کی بہت سی خصوصیات ہیں مگر آپ کی ایک بہت ہی خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کی چار نسل ''صحابی'' ہے۔ خود آپ، آپ کے والد ابو قحافہ، آپ کے فرزند عبدالرحمٰن، اور عبدالرحمٰن کے لڑکے ابو عتیق محمد۔

آپ کی چند اوّلیات

۱۔ سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔

۲۔ سب سے پہلے قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

۳-حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا۔
۴-سب سے پہلے کفار سے لڑے۔
۵-سب سے پہلے خلیفہ ہوئے۔
۶-سب سے پہلے وہ خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔
۷-سب سے پہلے ولی عہد مقرر کیا۔
۸-سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔
۹-سب سے پہلے خلیفہ کا لقب پایا۔
۱۰-اسلام میں سب سے پہلے مسجد بنائی۔
۱۱-امت میں سب سے پہلے جنت میں جائیں گے!

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خدا داد حضرت پہ لاکھوں سلام
فاروق حق و باطل ' امام الہدیٰ
تیغ مسلول شدت پہ لاکھوں سلام

حضرات! جانشین رسالت مآب خلیفہ دوم امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ''ابوحفص'' اور لقب ''فاروق اعظم'' ہے۔ آپ کی والدہ کا نام ''عنتمہ'' ہے۔ جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی ہیں۔ آپ اشراف قریش میں بہت ممتاز ہیں اور آٹھویں پشت میں آپکا خاندانی شجرۂ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے ملتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور نبوۃ کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرات! آپ کی وہ ہستی ہے کہ آپ کے آغوش اسلام میں آتے ہی تاریخ اسلام کا نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک اگرچہ تقریباً ۴۰ یا ۵۰ آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور عرب کے مشہور بہادر حضرت امیر حمزہ سید الشہدا نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر پھر بھی مسلمان اپنے فرائض منصبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز ادا کرنا تو بالکل ہی ممکن نہیں تھا۔ مگر آپ کے اسلام لاتے ہی ایک انقلاب آ گیا اور دفعۃً یہ حالت بدل گئی کہ آپ نے برملا اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ چنانچہ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ:

فَلَمَّا اَسْلَمَ عُمَرُ قَاتَلَ قُرَيْشًا حَتّٰى صَلّٰى عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ یعنی حضرت عمر اسلام لائے تو وہ قریش سے لڑے یہاں تک کہ انہوں نے حرم کعبہ میں نماز پڑھی اور ہم لوگوں نے بھی ان کے ساتھ نماز ادا کی۔

آپ سابقین اولین اور خلفاء راشدین میں بڑی عظیم الشان خصوصیات کے جامعہ ہیں ''بیعۃ الرضوان'' میں شامل ہوئے اور ''عشرہ مبشرہ'' یعنی ان دس خوش نصیب صحابہ کرام میں آپکا شمار ہے جن کو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ساتھ جنتی ہونے کی بشارت دی۔ صحابہ کرام کے کبار علماء اور زیادہ میں بھی آپ بہت ہی خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز ہیں۔(۵۳۹)

احادیث آپ سے مروی ہیں اور آپ کے فتاویٰ اور شرعی فیصلوں کا ایک ایسا عظیم مجموعہ ہے جو فقہ اسلامی کا نہایت ہی قیمتی ذخیرہ اور بہترین عملی سرمایہ ہے۔

آپ کے فضائل

حضرات! آپ کے فضائل ومناقب کا کیا کہنا؟ قرآن کریم کی بہت سی آیات بینات آپ کے فضائل وکمالات کے بارے میں نازل ہوئیں۔ یہاں تک کہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ قرآن کی تقریباً بیس آیتیں ہیں کہ حضرت عمر نے جو رائے دی تھی اسی کے مطابق نازل ہوئیں۔(تاریخ الخلفاء) چنانچہ آپ کا ایک مشہور لقب اَلْمُوَافِقُ رَاْيُهٗ لِلْوَحْيِ وَالْكِتَابِ بھی ہے یعنی آپ کی رائے کے مطابق کبھی کبھی قرآن مجید کی وحی نازل ہوا کرتی تھی اور حدیثوں میں تو آپ کے فضائل اس کثرت سے وارد ہوئے کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فضائل فاروق اعظم کی احادیث میں سے صرف چند حدیثیں اس وقت آپ کے سامنے میں پیش کرتا ہوں۔ بغور سنیے اور حضرت فاروق اعظم کے نورانی فضائل سے اپنی دنیائے ایمان کو سنور فرمایئے۔

حضرات! جناب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب بیان فرماتے ہوئے حضور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عمر بن الخطاب یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

مگر چونکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہی نہیں اس لئے

حضرت عمر نبی نہیں ہوئے۔ سبحان اللہ! اس حدیث سے فاروق اعظم کی قدر عظمت ظاہر ہوتی ہے؟ اور پیغمبر ذی شان کا یہ فرمان حضرت فاروق کی عظمت شان کا کتنا روشن بیان اور ان کا عظیم الشان مدارج علیا کتنا بڑا نشان ہے؟

حضرات! خدا کی قسم آج بھی روضہ منورہ کے حضور میں حضرت فاروق اعظم کے مواجہہ میں کھڑے ہو کر معلم جب اپنے مخصوص لہجے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے اور یہ پڑھتا ہے کہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَامَنْ قَالَ فِيْ حَقِّهٖ سَيِّدُ الْبَشَرِ لَوْ كَانَ مِنْ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَر" تو اس وقت جسم کا رونگٹا رونگٹا عظمت فاروق کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے اور سلام پڑھنے والا کیف وسرور کی ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا فاروق اعظم اپنی پوری عظمت شان کے ساتھ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہیں اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست کرم فاروق اعظم کے سر پر عزت وکرامت کا وہ رفیع الشان تاج فضیلت زیب سر فرما رہا ہے کہ آسمانوں کی رفعتیں اور چاند وسورج کی سربلندیاں اسے جھک جھک کر سلام کر رہی ہیں۔ سبحان اللہ! دربار فاروقی کا سلامی ان کی بارگاہ عظمت میں انتہائی ادب ووقار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَامَنْ قَالَ فِيْ حَقِّهٖ سَيِّدُ الْبَشَرُ لَوْ كَانَ مِنْ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ ۔ یعنی سلام ہو آپ پر اے وہ ذات گرامی کہ جن کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً (حضرت) عمر ہوتے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللہَ جَعَلَ الْحَقَ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ (مشکوٰۃ ص ۵۵۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے حق کو حضرت عمر کی زبان پر رکھ دیا ہے۔

کہ وہ جب بھی اور جو کچھ بھی بولتے ہیں ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں اور ان کی زبان صداقت نشان پر کبھی باطل کا گزر ہی نہیں ہو سکتا! سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کسی نے خوب کہا ہے۔

عظمت انسانیت حق کی رضا جوئی میں ہے
حق پرستی حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

اسی طرح ایک حدیث میں حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

میں نے خواب دیکھا کہ بہت سے لوگ میرے سامنے کرتا پہنے ہوئے پیش کیے گئے تو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کا کرتا ان کے سینے تک ہے اور کچھ لوگوں کا کرتا اس سے زیادہ لمبا ہے مگر جب حضرت عمر میرے سامنے پیش کیے گئے تو ان کا کرتا اتنا لمبا تھا کہ زمین پر گھسٹتا ہوا نظر آیا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ خواب سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! حضرت عمر کا کرتا اتنا لمبا تھا کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر کی دینداری ہے۔(بخاری شریف)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گواہی

حضرات گرامی! امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قلب میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی کتنی عظمت تھی؟ اسکا اندازہ لگانا ہو تو وہ حدیث سنیے جس کو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار یعنی "صدیق جان نثار" نے روایت کیا ہے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم نے امیر المومنین صدیق اکبر کو یہ کہہ کر پکارا کہ

يَا خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ — یعنی اے رسول اللہ کے تمام انسانوں میں سب سے بہترین۔

یہ سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے عمر! اگر تم مجھے ایسا کہتے ہو تو سن لو اور یقین مانو کہ میں نے تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ عَلٰى رَجُلٍ خَيْرٍ مِّنْ عُمَرَ — سورج کسی ایسے پر طلوع نہیں ہوا جو عمر سے بہتر ہو۔

حضرت علی کا قول

اسی طرح اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضرت علی ابن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ

مَا كُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ — اس طرح ہم اس کو کچھ بعید نہیں سمجھتے تھے کہ عمر کی زبان پر "سکینہ" بولتا ہے۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے جو کلمات ادا ہوتے ہیں وہ دلوں کو اطمینان اور روح کی تسکین کا سامان ہوتے ہیں۔ یا سکینہ سے مراد وہ فرشتہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو "حق" کا الہام کیا کرتا ہے!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

الغرض! برادرانِ ملت! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جامع کمالات اور مجمع الفضائل ہونے کی حیثیت سے صحابہ کرام میں ایک بہت ممتاز مرتبہ ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ! عمر بن الخطاب اور ابو جہل بن ہشام میں سے جو تجھے پیارا ہو اس کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت دے اور حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّۃً — یعنی یا اللہ! عمر بن الخطاب کے خاص طور سے مسلمان بنا کر اسلام کو عزت و غلبہ عطا فرما۔

چنانچہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیاری پیاری دعا جناب باری میں مقبول ہوگئی اور حضرت عمر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

آپ کی زندگی کے تین دور

حضرات! امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات میں ایک بڑی خاص خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ آپ اپنی زندگی کے ہر دور میں انتہائی معزز و معظم رہے۔

میرے بزرگو اور بھائیو! تاریخ انسانی میں ایسی ہستیاں تو بہت ملیں گی کہ وہ لوگ مدتوں گوشہ گمنامی میں پڑے رہے۔ پھر وہ ناگہاں اپنی زندگی کے کسی خاص دور میں چمکے اور عزت و عظمت کے تاجدار بن گئے مگر ایسے باکمال لوگ جو اپنی حیات کے ہر دور میں عزت و شرف اور اعلیٰ کارناموں کے ساتھ ممتاز رہے ہوں انتہائی نادر الوجود اور کمیاب ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی انہیں باکمالوں کی فہرست میں بہت نمایاں نظر آتا ہے جو اپنی زندگی کے ہر دور میں کامیابی کی اعلیٰ منزل پر پہنچے۔

برادرانِ ملت! اگر آپ غور کریں گے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مقدس زندگی کے تین دور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ جو در حقیقت ان کی زندگی کے تین بہت ہی اہم موڑ ہیں اور وہ یہ ہے کہ

۱- دور جہالت ۲- دور اسلام ۳- دور خلافت

لہٰذا میں آج کی مجلس میں آپ کے ان تینوں دور حیات پر کچھ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں تاکہ مادر اسلام کے اس سپوت کے گوناگوں خصوصیات اور ان کی عظیم شخصیت کی تجلیات آپ کے دل ودماغ میں جلوہ فگن ہو جائیں۔

دورِ جہالت

حضرات! بچپن میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرفاء کے بچوں کے دستور کے مطابق اونٹ چرایا۔ چنانچہ امیر المومنین ہونے کے بعد ایک مرتبہ ''وادی ضجنان'' میں آپ جب اس جگہ پہنچے جہاں بچپن میں اونٹ چرایا کرتے تھے تو آپ کو اپنا وہ زمانہ یاد آ گیا۔ اس وقت بلند آواز سے آپ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! ایک وہ دن تھے کہ میں چند اونٹوں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا اور آج یہ دن ہے کہ خداوند قدوس کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔

جوانی میں پہلوانی' شہسواری اور خطابت میں اپنے تمام ہم عصروں پر فوقیت لے گئے۔ چنانچہ عرب کے مشہور میلے ''عکاظ'' اور ''ذوالمجاز'' میں جب آپ کشتی لڑتے یا گھڑ دوڑ کے مقابلے میں شریک ہوتے تو بڑے بڑے نامی گرامی پہلوان اور شہسوار آپ کے کمال فن کی داد دیتے اور جب خطیب بن کر کھڑے ہوتے تو فصحائے عرب آپ کی فصاحت و بلاغت اور پر جوش خطابت پر ''احسنت مرحبا'' کا نعرہ بلند کرتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا رواج بہت ہی کم تھا مگر آپ لکھنا بھی سیکھ گئے تھے۔ چنانچہ علامہ باذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے قریش کے پورے قبیلے میں صرف سترہ آدمی لکھنا جانتے تھے۔ انہیں سے ایک حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے اور جب اپنے خاندانی عہدہ سفارت پر فائز ہوئے تو اہل مکہ کے سفیر بن کر بڑے بڑے شاہان عجم کے درباروں میں پہنچے اور اپنی ہوش مندی' تدبر اور معاملہ فہمی کا سکہ بٹھا دیا اور سلاطین عجم سے اپنی ذہانت وسیاست کی بدولت اپنی قوم کے لئے اعزازی تمغہ حاصل کیا۔ الغرض زمانۂ جاہلیت میں ایک خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز اور سارے عرب میں معظم اور صاحب اعزاز رہے۔

دورِ اسلام

حضرات! آپ کی زندگی کا دوسرا اہم دور قبول اسلام ہے۔ آپ کے اسلام لانے کا

واقعہ تو بہت مشہور ہے غالباً آپ لوگوں نے سنا بھی ہوگا کہ آپ اسلام کے بہت سخت دشمن تھے۔ مسلمانوں کو خاص کر اپنی لونڈی "بسینہ" کو بہت بہت مارا پیٹا۔ مگر ایک مسلمان کو بھی وہ اسلام سے برگشتہ نہیں کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر یہ فیصلہ کرلیا کہ (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام کا ہی خاتمہ کر دیں۔ چنانچہ ننگی تلوار لے کر گھر سے نکل پڑے۔ راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ عمر! کہاں چلے؟ یہ بولے کہ آج "محمد" کا فیصلہ کرنے جا رہا ہوں۔ نعیم نے کہا کہ جی! پہلے اپنے گھر کی خبر لو؟ تمہاری بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو مسلمان ہو گئے یہ سن کر حضرت عمر پلٹ کر آئے اور بہن کے گھر پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں گھر میں داخل ہوتے ہی گرج کر بولے کہ تم دونوں بھی ہمارے دین سے پھر گئے ہو؟ یہ کہہ کر بہنوئی کو مارنے لگے۔ جب ان کی بہن اپنے شوہر کو بچانے کے لئے دوڑیں تو بہن کو بھی اتنا مارا کہ لہولہان ہو گئیں۔ مگر ایسی حالت میں بھی پیکر ایمان فاطمہ بنت خطاب استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئیں اور کہہ دیا کہ عمر! تم سے جو ہو سکے کر ڈالو۔ مگر سن لو اسلام اب دل میں سے نہیں نکل سکتا۔ بہن کے ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر ڈالا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے بدن سے خون جاری تھا اور بھی رقت طاری ہوئی اور حضرت عمر کا دل بھر آیا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتے رہے پھر فرمایا کہ اچھا! تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے قرآن شریف کے اوراق لا کر سامنے رکھ دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اوراق اٹھا کر دیکھا تو سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اور ایک روایت میں ہے کہ طٰهٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى پر حضرت عمر کی نظر پڑی۔ قرآن کے معجزانہ الفاظ صداقت کا تیر بن کر قلب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں چبھ گئے۔ اور وہ بے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ وہ وقت تھا کہ محبوب خدا حضرت ارقم کے مکان میں تشریف فرما تھے حضرت عمر نے آستانہ مبارک پر کھڑے ہو کر دستک دی۔ لوگوں نے دروازے کے سوراخ سے دیکھا کہ حضرت عمر شمشیر بکف کھڑے ہیں حضرت عمر کی ہیبت سے صحابہ کرام کو دروازہ کھولنے میں کچھ تردد ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس چچا حضرت امیر حمزہ نے اپنی گرجدار اور باوقار آواز میں فرمایا کہ اجی شمشیر بکف آیا ہے تو کیا ہوا؟ آنے دو۔ اگر مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ میں اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اندر قدم رکھا تو خود رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر فرمایا کہ

کیوں؟ عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پرجلال آواز سے حضرت عمر لرزہ براندام ہوگئے اور نہایت ہی عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے" سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا اور ساتھ ہی تمام صحابہ کرام نے مل کر اسی زور سے "اللہ اکبر" کا نعرہ مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

ہجرت

حضرات! ہجرت تو بہت سے صحابہ نے کی مگر آپ کی ہجرت کے بارے میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم ایک شخص کو بھی نہیں بتا سکتے کہ اس نے علی الاعلان ہجرت کی ہو۔ آپ نے اس شان سے ہجرت کی کہ ہتھیار پہن کر مونڈھے پر کمان لٹکائے اور ہاتھ میں چند تیر لئے کعبہ میں داخل ہوئے۔ طواف کیا پھر "مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کی" اسکے بعد اشراف قریش کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں ہجرت کر کے مدینہ جا رہا ہوں جو شخص اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو وہ میرا راستہ روک کر مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے مگر کسی کافر کی تاب و طاقت نہیں ہوئی کہ آپ کا راستہ روکتا۔ یا آپکا مقابلہ کرتا اور آپ علانیہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مہاجرین اوّلین کے معزز لقب سے سرفراز ہوگئے۔

نصرتِ اسلام

مدینہ منورہ پہنچ کر نصرت و حمایت اسلام کا ایسا شاندار ریکارڈ قائم کر دیا۔ جو تاریخ اسلام میں یقیناً ایک بہت ممتاز شاہکار ہے۔ تمام مورخین اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قَدْ شَهِدَ الشَّاهِدُ كُلَّهَا یعنی ابتداء سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت مبارکہ تک جتنی لڑائیاں پیش آئیں۔ غیر مسلموں سے جو جو معاہدات عمل میں آئے اور اشاعت اسلام کے لئے وقتاً فوقتاً جتنی تدبیریں اور انتظامات کئے گئے ان میں سے ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جو حضرت عمر کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ سفر و حضر صلح و جنگ ہر جگہ ہر حال میں بارگاہ نبوت کے خاص الخاص رفیق و معین رہے اور تن، من، دھن کے ساتھ خدمت دین و نصرت اسلام کے لئے کمر بستہ رہے۔ چنانچہ سن ہجری کے لحاظ سے آپ کے چند کارناموں کو پیش کرتا ہوں۔

۲ھ جنگ بدر میں آپ ایسی چند خصوصیات کے ساتھ مخصوص و ممتاز ہیں جو دوسرے صحابہ کرام کو حاصل نہیں۔ دیکھئے جنگ بدر میں کفار قریش کے تمام قبائل لڑائی کے لئے

آئے مگر حضرت عمر کے قبیلہ ''بنو عدی'' کا ایک آدمی بھی اس جنگ میں شریک نہیں ہوا یہ صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رعب و داب کا اثر تھا کہ سب سے پہلے جنگ بدر میں جو خوش نصیب صحابی شرف شہادت سے سرفراز ہوئے وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام مہجع تھے۔ حضرت عمر کا ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا معزز سردار تھا۔ جب یہ جنگ کے لئے میدان میں نکلا تو حضرت عمر نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار سے اس کا سر اڑا دیا۔

حضرات! فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں ایک بہت ہی بڑی اور خاص خصوصیت یہ ہے کہ اسلام کے معاملہ میں رشتہ داری اور دنیاوی محبت کا اثر ان کے دل پر کبھی غالب نہیں آیا۔ چنانچہ یہ واقعہ جنگ بدر میں آپ نے اپنے ماموں کو اپنی تلوار سے قتل کر دیا۔ اس کی خصوصیت کی ایک بہت ہی روشن مثال ہے۔

۳ھ! جنگ احد میں آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ ایک ایسا وقت آیا کہ اچانک کفار نے مسلمانوں کے پیچھے سے اتنے زور و شور کا حملہ کر دیا کہ مسلمان اس ناگہانی زدوکوب نہ روک سکے اور کافروں نے پتھروں اور تیروں کی ایسی بوچھاڑ کردی کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوگئے۔ پیشانی اقدس پر زخم لگے اور آپ زخموں سے نڈھال ہوکر ایک گڑھے میں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوگئے۔ اس برہمی اور پریشانی میں ناگہاں یہ غل پڑ گیا کہ ''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہوگئے'' جنگ اُحد میں یہ وہ نازک وقت تھا کہ مسلمانوں کا استقلال متزلزل ہوگیا اور جو جہاں تھا وہیں سراسیمہ ہوکر رہ گیا۔ بلکہ بہت سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے مگر اس ہوش رُبا حالت میں بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور پورے عزم واستقلال کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلاں گڑھے میں زندہ سلامت ہیں تو فوراً دوڑ کر خدمت اقدس میں حاضر ہوگئے۔

۵ھ! میں جنگ خندق کا معرکہ پیش آیا تو خندق کے ایک حصہ کی حفاظت کے لئے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاروق اعظم کو معین فرمایا۔ ایک دن کافروں نے اس جگہ سے خندق پار کر کے حملہ کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے آگے بڑھ کر حملہ روکا اور کفار کے لشکر کو درہم برہم کردیا۔ چنانچہ آج بھی یہاں آپ کے نام کی مسجد موجود ہے۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی۔ آپ اس میدان میں بھی اول سے آخر تک موجود رہے

اور بیعۃ الرضوان کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

۷ھ میں جنگ خیبر کی لڑائی میں دوسرے دن سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ ہی کو جھنڈا عطا فرمایا تھا۔

۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اس موقع پر آپ نے ابوسفیان کو دیکھ کر بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مدت کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو سفیان کو امان عطا فرمادی۔

فتح مکہ کے دن جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوہ صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے تو اس وقت بھی فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے ساتھ تھے جب عورتوں کی بیعت کی باری آئی تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اے عمر! تم میری طرف سے ان عورتوں سے بیعت لو۔

۹ھ میں جنگ تبوک کے سفر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

۱۰ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا۔

۱۱ھ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ''سقیفہ بنی ساعدہ'' میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر آپ ہی نے بیعت خلافت کی۔

دورِ خلافت

حضرات! یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آپ کو حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں اپنا ولی عہد اور جانشین مقرر فرمادیا تھا۔ چنانچہ آپ ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو مسند خلافت کو سرفراز فرمایا۔ آپ کے دور خلافت میں بڑی بڑی اسلامی فتوحات حاصل ہوئیں۔

حضرات! سن ہجری کے لحاظ سے چند فتوحات کا تذکرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں جس میں آپ کو یہ اندازہ ہو سکے گا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور خلافت اسلام کی ترقی کے لئے کتنا زرین زمانہ تھا۔

۱۴ھ میں دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، ایلہ فتح ہو گئے اور اسی سال آپ نے لوگوں کو تراویح کی نماز کے لئے جمع فرمایا۔

۱۵ھ میں اردن اور طبریہ صلح سے ہوئے اور اسی سال جنگ یرموک اور قادسیہ کا معرکہ پیش آیا اور اسی سال آپ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ شہر کو آباد کیا اور اسی سال آپ نے مجاہدین کی تنخواہیں مقرر کیں اور جاگیریں عطا فرمائیں۔

۱۶ھ میں اہواز اور مدائن فتح ہوئے اور حضرت سعد نے کسریٰ کے محل میں جمعہ پڑھا اسی سال قنسرین' حلب' تکریت وغیرہ بھی فتح ہوئے اور اسی سال جب حضرت فاروق اعظم تشریف لئے گئے تو بیت المقدس بھی فتح ہو گیا۔ اسی سال آپ نے سنہ ہجری مقرر فرمایا۔

۱۷ھ میں آپ نے مسجد نبوی کو وسیع فرمایا اور اسی سال حجاز کا وہ مشہور قحط پڑا جو تاریخ عرب میں ''عام الرمادہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

۱۸ھ میں جند' نیشاپور' حلوان' حران' نصیبین وغیرہ فتح ہوئے اور انہیں ایام میں ایک زبردست طاعون پھیلا جس کو ''طاعون عمواس'' کہتے ہیں!

۱۹ھ میں قیساریہ' کو اسلامی لشکروں نے لڑ کر فتح کیا۔

۲۰ھ میں مصر فتح ہوا اور تستر کا مشہور قلعہ بھی سر ہو گیا اور اسی سال آپ نے خیبر اور نجران سے یہودیوں کو جلاوطن فرمایا اور خیبر نیز وادی القریٰ کی زمینوں کو مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم فرما دیا۔

۲۱ھ میں اسکندریہ اور نہاوند' فتح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور اس کے بعد ملک عجم میں کوئی سرکش سلطنت باقی نہیں رہی۔

۲۲ھ میں آذربائیجان' دینور' ہمدان' طرابلس الغرب' رے' عسکر وغیرہ مفتوح ہوئے۔

۲۳ھ میں کرمان' سجستان' مکران کے پہاڑی علاقوں اور اصفہان وغیرہ پر آپ نے لشکر بھیج کر سب کو اسلامی سلطنت کا جزو بنا لیا اور اسی سال کے آخر میں حج سے واپسی کے بعد آپ کی شہادت ہو گئی۔ (تاریخ الخلفاء)

اسلامی خدمات

اسلامی فتوحات کے علاوہ اور بھی بڑی بڑی اسلامی خدمات آپ نے اپنے دور خلافت میں انجام دیں مسجد نبوی کو وسعت و رونق دی اور محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آپ کے دور خلافت میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں اور قرآن مجید کی تعلیم اور اس کی نشر و اشاعت کا پوری سلطنت میں ایک ایسا نظام قائم فرمایا جس کی بدولت ہزاروں حفاظ اور

محدثین وفقہاء عالم وجود میں آ گئے دس برس تک ہر سال خود ہی ''امیر الحج'' رہے اور اپنے خطبات اور خطوط وفرامین کے ذریعے اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے اور اپنے عمال حکومت کو بھی تبلیغ اسلام اور تعلیم دین کی نشر اشاعت کی تاکید فرماتے رہے۔

نظام سلطنت

آپ نے اپنے نظام سلطنت میں رعایا کی راحت رسائی' عدل وانصاف' رعایا کی خبر گیری' امن وامان کا قیام' رفاہ عام فوجی نظام' مراکز معاشیات واقتصادیات کا قیام' بیت المال کا بہترین انتظام' الغرض حکومت کے تمام شعبوں کو اس قدر اور اتنے بہترین نظم کے ساتھ قائم فرمایا کہ قیامت تک آنے والی نسلیں' بلکہ اس زمانے کی ترقی یافتہ حکومتیں بھی فاروق اعظم کے ''نظام سلطنت'' سے ہدایت کی روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔

احتساب عمال

حکام اور گورنروں کے احتساب کا یہ عالم تھا کہ ماتحت گورنر جو مختلف ملکوں میں مرکزی خلافت کے نمائندے تھے آپ کی ہیبت سے تھر تھر کانپتے تھے۔ ایک مرتبہ تمام گورنروں کے مال وسامان کا جائزہ لیا تو جوتوں کا ایک جوڑا چھوڑ کر باقی سارا سامان بیت المال میں بھجوادیا۔ مصر کے گورنر عمر بن العاص کے نام فرمان بھیجا کہ گورنر ہونے سے پہلے تمہارے پاس جو سامان تھا اس کو رکھ لو اور اس سے زائد جتنا سامان تم نے فراہم کیا ہے۔ سب بیت المال میں جمع کردو۔ عیاض بن غنم (حاکم مصر) کے متعلق رپورٹ پہنچی کہ وہ ریشم پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ گرفتار کر کے اپنے ساتھ لاؤ۔ عیاض امیر المومنین کے سامنے آیا تو آپ نے اس کو بال کے کمبل کا کرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ اس کے اس کے حوالے کیا اور فرمایا کہ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو ''جاؤ اور بکریاں چرایا کرو'' آپ گورنروں اور حاکموں سے عہد لیا کرتے تھے کہ وہ کبھی ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے' باریک کپڑا نہیں پہنیں گے' چھنا ہوا آٹا نہیں کھائیں گے۔ دربان نہیں رکھیں گے' حاجت مندوں کے لئے دروازے کھلا رکھیں گے' ذرا کسی گورنر یا حاکم میں عیش پسندی کی بو پاتے فوراً اس کو معزول فرمادیتے۔

رعایا کی خبر گیری

رعایا کی خبر گیری کا یہ حال تھا کہ خود ایک بدوی کے لباس میں مدینہ منورہ اور اطراف میں گشت لگا کر راتوں کو پہرہ دیا کرتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک پردیسی بدوی مسلمان کی بیوی کو مدینہ منورہ کے باہر خیمہ میں درد زہ اٹھا۔ میاں بیوی پردیس میں کسمپرسی کی وجہ سے پریشان حال تھے آپ کا گزر ہوا تو یہ حال دیکھ کر آپ اپنی بیوی کو بلا لائے انہوں نے خیمہ کے اندر جا کر عورت کی مدد کی اور آپ اس مسافر کے پاس بیٹھے رہے۔ جب ولادت ہوگئی تو آپ کی بیوی صاحبہ نے آ کر کہا کہ امیر المومنین! مبارک ہو کہ فرزند پیدا ہوا۔ پردیسی بدوی امیر المومنین کا نام سنتے ہی لرزہ براندام ہوگیا اور جذبہ تشکر سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اللہ اللہ! امیر المومنین کی "ملکہ" میری عورت کو بچہ جنانے کے لئے آئی ہیں۔

آپ کی کرامات

آپ انتہائی عبادت گزار، پرہیز گار، صاحب کرامت اور ولایت کے تاجدار بھی ہیں اور آپ کی بہت سی کرامتیں منقول ہیں۔ آپ کی ایک بڑی ہی عجیب اور دلچسپ کرامت یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص سے سوال فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ "جمرہ" (چنگاری) آپ نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا "شہاب" (شعلہ) آپ نے اس کے قبیلے کا نام معلوم کیا۔ تو اس نے کہا کہ "حرقہ" (آگ) آپ نے گاؤں کا نام دریافت فرمایا تو کہا کہ "حرہ" (گرم پتھریلی زمین) آپ نے فرمایا کہ وہ گاؤں کس جگہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ "لظی" (شعلہ والی آگ) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو اپنے اہل عیال کی خبر گیری کر کیونکہ وہ سب جل مرے وہ شخص اپنے گھر گیا تو دیکھا کہ واقعی آگ لگی ہے اور سب گھر والے جل گئے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی سادگی

حضرات! باوجود یہ کہ آپ کے رعب و جلال سے بڑے بڑے بادشاہوں کے دل زیر وزبر ہوتے تھے مگر پھر بھی آپ کی درویشانہ زندگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ رات دن خوف الٰہی سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کے نشان پڑ گئے تھے۔ سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ پیرہن میں تین تین پیوند لگے ہوئے دیکھے گئے ابو عثمان نہدی کہا کرتے تھے کہ میں نے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پائجامہ میں چمڑے کا پیوند لگا دیکھا۔ آپ ہر سال حج کے لئے جاتے تھے۔ مگر کبھی آپ نے کسی منزل پر بھی کوئی خیمہ نہیں کھڑا کیا۔ بلکہ کسی درخت پر کوئی کملی یا چادر ڈال کر اس کے سائے میں بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کی شہادت

برادران ملت! آپ کی شہادت بھی آپ کی ایک بہت بڑی کرامت ہے۔ آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ الشَّھَادَۃَ فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِكَ

یعنی اے اللہ! تو مجھ کو اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے حبیب کے شہر میں موت دے۔

بعض لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ بھلا مدینے میں ان کو کہاں سے شہادت ملے گی؟ شہادت تو میدان جنگ میں ملا کرتی ہے امیر المومنین مدینہ منورہ سے باہر مرنا بھی نہیں چاہتے تھے اور شہادت کی تمنا بھی رکھتے ہیں۔ مگر برادرانِ ملت سچی بات تو یہ ہے کہ۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو
در کریم سے بندوں کو کیا نہیں ملتا

آپ کی یہ پرخلوص دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگئی اور آپ کو مدینہ منورہ ہی میں شہادت نصیب ہوگئی۔

حضرات! آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مغیرہ کا مجوسی غلام ابولولو فیروز اپنے مولیٰ حضرت مغیرہ کے خلاف ایک مقدمہ لے کر دربار فاروقی میں آیا۔ چونکہ مغیرہ حق پر تھے اس لئے عدل فاروقی نے ان کو ڈگری عطا فرمادی! ابولولو فیروز غصے میں جل بھن گیا اور زہر میں بجھا ہوا خنجر لے کر فجر کے وقت مسجد نبوی کی صف اول میں عین محراب کے پیچھے کھڑا ہوگیا۔ جیسے ہی امیر المومنین نے نماز شروع کی اس ملعون کافر نے آپکے مونڈے اور کوکھ میں دو گہرے زخم لگائے اور آپ خون میں لت پت ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ابولولو فیروز بھاگنے لگا۔ اور لوگوں نے اس کو پکڑنا چاہا تو یہ جلدی جلدی خنجر چلاتا ہوا بھاگا اور دوسرے بارہ یا تیرہ آدمیوں کو بھی زخمی کر دیا۔ جن میں سے چھ کی وفات ہوگی آخر ایک عراقی نے اس کے سر پر چادر ڈال کر پکڑ لیا۔ تو اس نے فوراً ہی وہی خنجر اپنے شکم میں مار کر خودکشی کر لی اور مر گیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن

عوف نے نماز فجر پڑھائی اور لوگ آپ کو اٹھا کر مکان پر لائے اور کھجور کا شربت پلایا۔ لیکن وہ زخموں کے راستہ سے باہر نکل گیا پھر آپ کو دودھ پلایا گیا مگر وہ بھی زخموں سے باہر نکلا۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کی زندگی سے ناامید ہو کر عرض کیا کہ امیر المومنین آپ کو جو وصیت کرنی ہو وہ کر دیجئے۔

آپ کی وصیتیں

آپ نے دریافت فرمایا کہ لوگو! بتاؤ؟ میرا قاتل کون ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ابو لولو فیروز۔ آپ نے فرمایا کہ الحمدللہ! کسی مسلمان کا دامن میرے خون سے داغدار نہیں ہوا اور ایک کافر کے ہاتھ سے مجھے شہادت ملی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند عبداللہ سے فرمایا کہ بیٹا جلدی سے حساب کر کے مجھے بتاؤ کہ مجھ پر کتنا قرض ہے۔ انہوں نے حساب کر کے تقریباً چھیاسی ہزار درہم بتایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ نور نظر! اگر یہ قرض میری جائیداد سے ادا ہو سکے تو میری جائیداد فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا۔ ورنہ میرے خاندان بنو عدی سے مدد طلب کرنا اور اگر پھر بھی قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش سے امداد کی درخواست کرنا اور خبردار! قریش کے علاوہ کسی دوسرے قبیلے سے میرے قرض کی ادائیگی کے لئے کچھ ہرگز ہرگز مت طلب کرنا۔ پھر فرمایا کہ بیٹا عبداللہ! اب تم ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر میرا اسلام عرض کرو اور میری یہ تمنا ظاہر کر دو کہ عمر اپنے دونوں ساتھیوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ! ام امومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ رو رہی تھیں۔ جب امیر المومنین کی تمنا اور درخواست سنی تو فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ رکھی تھی مگر خدا کی قسم! میں آج امیر المومنین کو اپنی ذات پر ترجیح دیتی ہوں۔

حضرت عبداللہ واپس آئے اور آ کر جب یہ خوشخبری سنائی کہ ام المومنین نے آپ کو روضہ منورہ میں دفن ہونے کی اجازت دے دی تو آپ نے خداوند کریم کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ میری یہی سب سے بڑی آرزو تھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ امیر المومنین! آپ کسی کو خلافت کے لئے بھی منتخب فرما دیجئے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کام کے لئے چھ شخصیتوں سے زیادہ کسی کو حق دار نہیں سمجھتا۔ جن سے میرے آقا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو کر دنیا سے تشریف لے گئے اور چھ آدمی یہ ہیں۔ عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن، سعد ان میں سے جس کے

متعلق کثرت رائے ہو اس کو خلیفہ مقرر کر لینا چاہیے۔ میرا بیٹا عبداللہ رائے اور مشورہ میں تو شریک رہے گا مگر خلافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ پھر آئندہ ہونے والے خلیفہ کے لئے بھی بہت سی وصیتیں فرمائیں۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۲ھ چہارشنبہ کے دن آپ زخمی ہوئے اور تین دن بعد دس برس چھ ماہ چار دن مسند خلافت پر متمکن رہ کر تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی اور محرم کی پہلی تاریخ کو مدفون ہوئے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عبدالرحمن بن عوف و حضرت عثمان و حضرت علی و حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین نے قبر میں اتارا اور فضل وکمال کا یہ آفتاب عالم تاب زیر زمین ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دُرِّ منثور قرآں کی سلک بہی
زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ
حلیہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

حضرات!

خلیفہ سوم امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوعمرو اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ آپ کی والدہ کا نام اروٰی بنت کریز ہے۔ آپ عام الفیل کے چھٹے سال مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔

قرابت رسول

حضرات! آپ کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ چند طریقوں سے آپ کو قرابت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہے۔ سب سے پہلی قرابت تو یہ ہے کہ پانچویں پشت میں آپ کا نسب نامہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ دوسری قرابت یہ ہے کہ آپ کی نانی ام حکیم بنت عبدالمطلب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھی اور تیسری قرابت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں آئیں۔ چنانچہ حسین جعفی محدث کہا

کرتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک کسی انسان کے لئے یہ شرف حاصل ہوا نہ ہوسکتا ہے کہ نبی کی دو صاحبزادیاں اس کے نکاح میں آئیں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سارے جہان میں آپ ''ذوالنورین'' کے لقب سے ممتاز ہیں۔ نزول وحی سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اپنی صاحبزادی بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح فرمادیا تھا۔ چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ساتھ لے کر حبشہ کو ہجرت فرمائی۔ پھر جب آپ حبشہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیمار ہوگئیں۔ جس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیماری بہت شدید ہو چکی تھی۔ چنانچہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت عثمان کو جنگ بدر میں شرکت کی اجازت نہیں دی۔ ابھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنگ بدر سے واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہو گیا اور جس وقت قاصد جنگ بدر کی فتح مبین کا مژدہ لے کر مدینہ آیا تو اس وقت حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ لیکن باوجود کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ پھر بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مال غنیمت میں سے ایک مجاہد کا حصہ عطا فرمایا اور شرکاء بدر کے ثواب واجر کی بشارت دی۔ اسی لی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بدر سے شمار کیے جاتے ہیں۔ پھر حضرت رقیہ کی وفات کے بعد جلد ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زوجیت سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سرفراز فرما دیا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے۔

نور کی سرکار ﷺ سے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تم کو ذوالنورین ؓ جوڑا انور کا

روایت ہے کہ جب ۹ ھ میں حضرت بی بی ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کا بھی نکاح حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیتا۔ بلکہ ابن عساکر نے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں ان سب کا نکاح عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیتا۔
(تاریخ الخلفاء)

بہر کیف آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور قریش کے معززین میں آپ کا شمار ہے اور اسلام میں سابقین اولین میں سے ہیں اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق اور جانشین ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں شامل اور شیخین اکبرین یعنی حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کے بعد اکرم الخلق وافضل الناس ہیں اور بارگاہ نبوت کے محبوب و معتمد صحابی، خلوت وجلوت کے راز دار اور انتہائی جاں نثار ہیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ''غزوہ ذات الرقاع'' اور غزوہ غطفان' میں تشریف لے گئے تو ان دونوں موقعوں پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا اسلام

آپ قدیم الاسلام ہیں۔ یعنی ابتدائی اسلام ہی میں آپ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ مگر آپ کے اسلام کی خبر سنتے ہی آپ کا سارا خاندان بھڑک اٹھا اور آپ کا چچا حکم بن ابی العاص تو اس قدر برہم ہوا کہ اس نے آپ کو رسی سے جکڑ کر باندھ دیا اور کہنے لگا کہ جب تک تم اسلام سے منہ نہ موڑو گے میں ہرگز ہرگز تمہیں نہیں کھولوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ کہ واللہ! اگر تم میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو جب بھی میں اپنی آخری سانس تک ہرگز ہرگز کبھی اس مقدس دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ حکم بن ابی العاص آپ کے اس عزم و استقلال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور آپ کو رہا کر دیا۔

آپ کی ہجرت

آپ کا لقب صاحب الہجرتین بھی ہے کیونکہ آپ نے دو مرتبہ ہجرت کی ہے۔ ایک مرتبہ حبشہ گئے اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔

حضرات! روایت ہے کہ جب حضرت عثمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہو گئے

تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند کریم حضرت عثمان کی مدد فرمائے کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام کے بعد حضرت عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا علم

علم اور عبادت کے اعتبار سے بھی آپ کو صحابہ کرام میں ایک خصوصی امتیاز تھا۔ آپ چونکہ حافظ قرآن تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کا اس قدرت ذوق وشوق تھا کہ دن رات قرآن پڑھنے میں مشغول رہتے تھے اس لئے آپ پر علوم قرآنیہ کے خزانے برابر منکشف ہوتے ہی رہتے تھے۔ مگر چونکہ آپ پیکر حیا اور انتہائی شرمیلے تھے اس لئے احادیث بہت ہی کم روایت فرماتے تھے مگر پھر بھی ایک سو چھیالیس حدیثیں آپ سے مروی ہیں اور بہت سے جلیل القدر صحابہ اور تابعین روایت حدیث میں آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ بہت ہی سنجیدہ اور کم سخن بھی تھے۔ یہاں تک کہ بیعت خلافت کے بعد پہلی مرتبہ جب خطبہ پڑھنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے تو ''الحمد اللہ'' پڑھا اور خاموش ہو گئے اور یہ کہہ کر منبر سے اتر پڑے کہ لوگو! تم جانتے ہی ہو کہ اول اول گھوڑے پر سوار ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو آئندہ ضرور تمہیں خطبہ سناؤں گا۔

آپ کے فضائل

آپ کے فضائل میں چند آیات اور بکثرت حدیثیں وادر ہوئی ہیں۔ آپ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں ہیں جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینوں کے نام مذکور ہیں اور کچھ حدیثوں میں تنہا آپ ہی کا نام نامی اور اسم گرامی آیا ہے چنانچہ انہیں احادیث میں سے جن میں خصوصیت کے ساتھ صرف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا نام لے کر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چند احادیث اس مجلس میں آپ کو سناتا ہوں۔ درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللھم صل علیٰ سید نا محمد و اله واصحابه اجمعین و بارك وسلم

حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شانہ نبوت میں داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی جلدی اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ میں ایسے آدمی سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (صحیحین) حضرت عبدالرحمٰن بن خباب روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیش العسرہ (جنگ تبوک) کی تیاری کے لئے صحابہ کرام کو ترغیب دے رہے تھے اور لوگ اپنی وسعت اور طاقت کے لحاظ سے مالی امداد دینے کا اعلان کر رہے تھے کہ ناگہاں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک سو اونٹ مع پالان اور سارے سامان کے اس جہاد کی تیاری کے لئے پیش کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر صحابہ کرام کو ترغیب دی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو سو اونٹ مع سامان کے دینے کا اعلان کیا۔ پھر تیسری مرتبہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! تین سو اونٹ مع سامان کے حاضر خدمات کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے منبر سے اتر پڑے کہ اگر آج سے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی نفلی عبادت نہ کریں تو ان کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار دینار لا کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن میں ڈال دیئے تو آپ بار بار ان دیناروں کو الٹ پلٹ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر آج سے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی بھی نفلی عبادت نہ کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (ترمذی)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مرتبہ جنت خریدی۔ ایک مرتبہ اس وقت جب کہ رومہ کا کنواں خرید کر انہوں نے تمام مسلمانوں پر وقف کر دیا اور دوسری مرتبہ جب کہ انہوں نے جنگ تبوک کی تیاری میں سب سے زیادہ مال دیا۔ (تاریخ الخلفاء) اسی طرح میدان "حدیبیہ" میں پندرہ سو صحابہ کرام کی جماعت میں سے مکہ مکرمہ جا کر کفار قریش سے گفتگو کرنے کے نگاہ نبوت نے آپ ہی کو منتخب کیا۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ کی انتہائی دشمنی کے باوجود کسی کو

جرات نہیں ہوئی کہ آپ کے ساتھ کوئی گستاخی یا بےادبی کرتا بلکہ کفار قریش نے آپ سے یہ کہا کہ آپ خانہ کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کر کے اپنا عمرہ ادا کر لیں۔ مگر ہم آپ کے نبی کو ہرگز ہرگز کعبہ کے قریب نہیں آنے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ اے اہل مکہ! بھلا میری یہ مجال ہے کہ میں بغیر محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا کو ساتھ لئے خدا کے گھر کا طواف کر لوں؟

جب اہل مکہ سے گفتگو میں بات بڑھ گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی میں غیر معمولی تاخیر ہو گی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ببول کے درخت کے سائے میں رونق افروز ہو گئے اور اعلان فرمایا کہ تمام اصحاب میرے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کریں کہ جب تک ان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ اور زندگی کی ایک سانس باقی ہے اس وقت تک وہ جہاد فی سبیل اللہ سے منہ نہ موڑیں گے۔ چنانچہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیعت کر لی مگر اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں موجود نہیں تھے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ یا اللہ! یہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے بیعت ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقعہ کو یاد کر کے فرمایا کرتے ہیں کہ ہم لوگوں نے تو اپنے ہاتھ سے بیعت کی۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ہوئی اور حضور کا مقدس ہاتھ ہمارے ہاتھوں سے بے شمار درجے بہتر ہے۔ (بخاری وغیرہ)

اسی طرح حضرت کعب بن مرہ سے مروی ہے کہ ایک دن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک قریبی فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص سر پر کپڑا اڈالے ہوئے گزرا اس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ وہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا۔ کعب بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فوراً کھڑے ہو کر دیکھا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر میں نے حضرت عثمان کو قریب بلایا اور جب ان کا چہرہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہو گیا تو میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا یہی اس دن ہدایت پر ہوں گے تو ارشاد فرمایا کہ ہاں یہی اس دن ہدایت پر ہوں گے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

آپ کا دورِ خلافت

برادرانِ اسلام! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے وقت سے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک ہر دور میں آپ کے اسلامی کارنامے آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں اب وہ وقت آتا ہے کہ کہ آپ مسند خلافت پر رونق افروز ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدفون ہونے کے بعد تیسرے ہی دن وہ چھ اکابر صحابہ کرام جن کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت کا معاملہ سپرد فرمایا تھا متوجہ ہوئے اور سب لوگوں نے بالاتفاق آپ کو امیر المومنین منتخب فرما کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کے دور خلافت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ برابر وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا چنانچہ آپ کی خلافت کے پہلے ہی سال ۲۴ھ میں ملک ''رے'' جو مفتوح ہونے کے بعد اسلامی حکومت کے قبضے سے نکل گیا تھا دوبارہ آپ نے لشکر بھیج کر اس کو فتح کرلیا۔

۲۶ھ میں آپ نے کچھ مکانات خرید کر مکہ مکرمہ کی مسجد حرام کو وسیع کیا اور اسی سال عساکر اسلامیہ نے آپ کے حکم سے ''سابور'' کے قلعہ کو فتح کیا۔

۲۷ھ میں آپ کے حکم سے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بحری بیڑہ تیار کر کے سمندری جہاد شروع کیا اور ''قبرص'' پر حملہ کر کے اس جزیرہ کو بھی مسخر کرلیا۔ اور اسی سال ''ارجان'' اور ''داربجر'' پر بھی قبضہ ہو گیا اور اسی سال آپ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ ابن ابی سرح کو گورنر مقرر فرمایا اور عبداللہ بن ابی سرح نے مصر پہنچ کر افریقہ پر فوج کشی کر کے تمام کوہستانی اور غیر کوہستانی علاقوں کو فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کرلیا اور اس جہاد میں اس قدر کثیر مال غنیمت حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بعض کا قول ہے کہ تین تین ہزار دینار حصہ ملا۔

۲۹ھ میں آپ نے مسجد نبوی کو وسیع فرمایا اور منقش پتھروں سے اس کی دیواروں اور ستونوں کی تعمیر فرمائی اور اس کی چھتوں کو ساگون کی لکڑی سے مزین فرمایا اور مسجد کی لمبائی ایک سو ساٹھ گز اور چوڑائی ڈیڑھ گز کردی۔ اور اسی سال ''اظخر'' وغیرہ بہت سے ممالک مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت کا جزو بن گئے۔

۳۰ھ سے ۳۵ھ تک خراسان کے اکثر شہر اور نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بیہق وغیرہ

مفتوح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے اور ہر چہار طرف سے اس قدر مال کثیر دار الخلافہ مدینہ منورہ میں آیا کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان مالوں کی حفاظت کے لئے چند محفوظ خزانے بنوانے پڑے اور مجاہدین کو اس فراخدلی سے آپ نے روز ینے تقسیم فرمائے کہ ہر سپاہی دولت سے مالا مال ہو گیا۔

۳۵ھ میں آپ شہید ہو گئے جس سے اسلام کی ترقی میں ایک بہت ہی عظیم رخنہ پڑ گیا اور اسلامی سلطنت کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں۔

آپ کی شہادت

حضرات گرامی! آپ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام کا انتہائی دردناک حادثہ فاجعہ ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ مختصر طور پر یہ واقعہ بھی آپ کو سنا دوں۔ بغور سنئے!

حضرات! آپ کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپ بارہ برس تک تخت خلافت کو سرفراز فرماتے رہے۔ شروع کے چھ برسوں میں تو کسی ایک فرد کو بھی آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی بلکہ قریش میں تو آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی محبوب و مقبول تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج میں ذرا سختی تھی اور آپ بہت ہی نرم خو اور حلیم تھے مگر چھ برس کے بعد آپ کے بعض گورنروں اور حاکموں کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے آپ کی مقبولیت اور نیک نامی کو دھچکا لگا چنانچہ کچھ لوگ آپ سے کبیدہ خاطر رہنے لگے۔ اسی دوران میں عبداللہ بن ابی سرح کو آپ نے مصر کا گورنر مقرر فرما دیا۔ اس نے وہاں ایسی ایسی حرکتیں کیں کہ اہل مصر عام طور پر اس کی شکایتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اس کی شکایت کرنے کے لئے دربار خلافت میں بھی حاضر ہوئے اور امیر المومنین نے عبداللہ بن ابی سرح کو زجر و ملامت اور ڈانٹ ڈپٹ کا فرمان بھی لکھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ بلکہ اس ظالم نے شکایت پہنچانے والے مصریوں کو قتل کرا دیا۔ اس سے اہل مصر میں ایک عام ہیجان پیدا ہو گیا اور سات سو آدمیوں کا ایک جتھہ مصر سے مدینہ منورہ آیا اور اکابر صحابہ کرام نے امیر المومنین سے گفتگو کر کے انہیں مصر کے لئے دوسرا گورنر مقرر کرنے پر آمادہ کر لیا۔ بلکہ امیر المومنین نے یہاں تک فرما دیا کہ اہل مصر خود ہی کسی کو گورنر منتخب کر لیں۔ میں عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے ان کے چنے ہوئے گورنر کا تقرر کر دوں گا۔ چنانچہ مصریوں نے حضرت امیر المومنین ابو بکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب کر لیا اور امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی گورنری کا پروانہ اور عبداللہ ابن ابی سرح کی معزولی کا حکم نامہ بھی تحریر فرما دیا اور محمد بن ابی بکر سات سو مصریوں اور کچھ انصار و مہاجرین کے ہمراہ مصر کو روانہ ہو گئے۔ لیکن محمد بن ابی بکر کا قافلہ ابھی تیسری منزل پر تھا کہ ایک حبشی غلام اپنی سانڈنی کو دوڑاتے ہوئے بڑی تیزی سے جاتے ہوئے نظر پڑا۔ قافلہ والوں کو اس پر شک ہوا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ کر تلاشی لی تو اس کی سوکھی مشک میں سے ایک خط نکلا جو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا اور اس خط کا مضمون یہ تھا کہ جس وقت محمد بن ابی بکر اور فلاں فلاں شخص تمہارے پاس پہنچیں تم فوراً ان سبھی کو قتل کر دینا اور تاحکم ثانی تم اپنے عہدہ پر برقرار رہنا۔ اس خط کو پڑھ کر پورا قافلہ دنگ رہ گیا اور سب لوگ مدینہ منورہ واپس چلے آئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ اکابر صحابہ کرام کو جمع کیا اور یہ خط دکھایا خط پڑھ کر سب لوگ غصہ میں بھر گئے اور انصار و مہاجرین تو اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مگر مصریوں نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور محمد بن ابی بکر کی ہمدردی میں ان کے پورے قبیلہ بنو تیم نے چڑھائی کر دی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اکابر صحابہ کرام کے ساتھ وہ خط' غلام اور اونٹنی لے کر بارگاہِ خلافت میں تشریف لائے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ یہ غلام آپ کا ہے؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! پھر اونٹنی کو سامنے پیش کر پوچھا کہ کیا یہ اونٹنی بھی آپ ہی کی ہے؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ اونٹنی بھی میری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خط پیش کر کے دریافت فرمایا کہ کیا یہ خط آپ ہی کا ہے؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قسم کھا کر حلفیہ بیان کہتا ہوں کہ یہ خط نہ میں نے لکھا ہے نہ کسی کو اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے نہ مجھے اسکے متعلق کچھ معلوم ہی ہے۔ پھر خط پر جو مہر لگی ہے اس کے بارے میں سوال کیا گیا کہ یہ مہر کس کی ہے؟ تو امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے مہر دیکھ کر فرمایا کہ ہاں یہ مہر میری ہے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا بیان سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ غلام آپ کا' اونٹنی آپ کی' مہر آپ کی' مگر آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ خط کس کا ہے؟

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے پھر قسم کھا کر فرمایا کہ واللہ نہ میں نے اس خط کو لکھا نہ کسی سے لکھوایا نہ اس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔ نہ میں نے اس غلام کو مصر کی طرف بھیجا۔ امیر المومنین کے حلف کو سن کر ہر چھوٹے بڑے کو پورا یقین ہو گیا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا دامن اس جرم سے پاک ہے اور ہر شخص کو اسکا یقین ہو گیا کہ اس ساری شرارت مروان کی ہے جو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا منشی ہے۔ اسی کے پاس امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مہر رہتی ہے اور اس نے خط امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھ کر اس پر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مہر لگا دی ہے۔ چنانچہ ہر شخص یہ مطالبہ کرنے لگا کہ چونکہ مروان ہی اس جرم کا عظیم مرتکب ہے۔ اس لئے آپ مروان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے۔ اگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ مروان کو مصریوں کے حوالے کر دیتے تو سارا فتنہ دفع ہو جاتا اور ایک بچہ بھی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ مگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ "مروان" خاندانِ بنو امیہ کا آدمی ہے اور اکثر گورنر خاندانِ بنو امیہ ہی کے ہیں۔ اگر مروان کو میں نے ان بپھرے ہوئے لوگوں کے حوالے کر دیا تو یقیناً یہ لوگ اس کو قتل کر ڈالیں گے۔ پھر پورا خاندان بنو امیہ انتقام کے لئے تیار ہو جائے گا اور مسلمانوں میں بہت بڑی خانہ جنگی اور خون ریزی پھیل جائے گی اس لئے آپ نے مروان کو ان لوگوں کے سپرد کرنے میں کچھ پس و پیش کیا۔ اس پر اہل مصر اس قدر برہم ہو گئے کہ ان لوگوں نے پوری طرح امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ پانی کا اندر جانا بھی بند کر دیا۔ ایک دن امیر المومنین رضی اللہ عنہ پیاس کی شدت سے بے قرار ہو گئے تو آپ نے مکان کے اوپر سے جھانک کر فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر یہ کہہ دے کہ وہ ہم پیاسوں کو پانی پلا دیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خبر ہوئی تو آپ نے میٹھے پانی کی چند مشکیں بھیجیں مگر یہ پانی بھی اتنی مشکل سے اندر پہنچا کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے چند غلام باغیوں کے ہاتھ سے زخمی ہو گئے پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ تم دونوں ننگی تلواریں لئے رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے رہو اور ہرگز ہرگز کسی کو اندر داخل نہ ہونے دو۔ اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی

اپنے اپنے لڑکوں کو آپ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ

حضرات! روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی محاصرہ کے دوران میں ایک دن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں اس موقع پر آپ کو تین رائے دیتا ہوں۔ ان میں سے جس کو آپ چاہیں قبول فرمالیں اول یہ کہ آپ نکل کر ان باغیوں سے جنگ فرمائیں۔ آپ خلیفہ برحق ہیں اور بے قصور ہیں اور خدا کے فضل سے تمام دنیائے اسلام آپ کی حمایتی ہے یا پھر خفیہ دروازے سے نکل کر مکہ مکرمہ چلے جایئے۔ وہاں حرم کعبہ کی وجہ سے کوئی آپ سے تعرض نہیں کرے گا۔ یا ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلے جائیں وہ آپ کے بہترین معین و مددگار ہوں گے۔

امیر المومنین رضی اللہ عنہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشورہ سن کر فرمایا کہ میں باہر نکل کر ہرگز کبھی ان لوگوں سے جنگ نہیں کروں گا۔ کیا مجھ سے یہ سکتا ہے؟ کہ میں ''رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کا خلیفہ برحق ہو کر مسلمانوں کا خون بہاؤں؟ نہ میں مکہ مکرمہ جاسکتا ہوں کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قریش کا ایک آدمی حرم کعبہ میں فتنہ وفساد کرائے گا تو اس پر تمام دنیا کا آدھا عذاب ہوگا تو میں اس وعید شدید کا مستحق نہیں بننا چاہتا۔ باقی رہا ملک شام چلا جانا تو یہ بھی مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ میں اپنی ہجرت گاہ اور پیارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے شہر مدینہ کو چھوڑ دوں۔

باغیوں سے خطاب

حضرات! امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے ایام محاصرہ میں چند بار باغیوں کو مخاطب کر کے اپنے فضائل اور اپنی اسلامی خدمات سنا کر اپنی بے گناہی کا ثبوت پیش کیا اور ایک مرتبہ تقریر بھی فرمائی کہ اے لوگو!

تم جانتے ہو کہ بجز تین حالتوں کے کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہوسکتا۔ یا تو وہ قاتل ہو تو قصاص میں اسکا خون بہایا جائے گا وہ مرتد ہو کر اسلام سے پھر جائے تو وہ قتل کیا جائے گا یا

شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے تو وہ سنگسار کر ڈالا جائے گا۔ اور میں نے خدا کی قسم کبھی نہ کسی مسلمان کا خون کیا ہے نہ مرتد ہوا ہوں۔ نہ میں نے زمانہ جاہلیت یا اسلام میں کبھی زنا کیا ہے پھر بھلا تم لوگوں کے لئے میرا خون کس طرح حلال ہو سکتا ہے۔ مگر مصری باغی آپ کے فضائل اور آپ کی بے گناہی کا اقرار کرنے کے باوجود اپنی ضد پر اڑے رہے اور محاصرہ اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

حضرات! چالیس دنوں تک یہ محاصرہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن محمد بن ابو بکر دو باغیوں کو ساتھ لے کر چپکے سے ایک دوسرے مکان میں داخل ہوئے اور وہاں سے چھت پھاند کر یہ لوگ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے اور محمد بن ابو بکر نے غصہ میں بھرے ہوئے امیر المومنین کی داڑھی پکڑ لی۔ اس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے پاس صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت بی بی نائلہ بیٹھی ہوئی تھیں باقی لوگ مکان کے کوٹھے پر تھے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے محمد بن ابو بکر! تو یہ کیا کر رہا ہے! اگر تیرے باپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ کو میرے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھتے تو ان کا کیا حال ہوتا؟ یہ سنتے ہی محمد بن ابو بکر کو مارے شرم کے پسینہ آ گیا اور وہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی ریش مبارک چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ اتنے میں وہ دونوں بدنصیب باغی آ گئے اور انہوں نے انتہائی بے دردی کے ساتھ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ آپ کی زوجہ محترمہ چیخنے چلانے لگیں مگر چونکہ مکان کے باہر باغیوں نے شور غوغا مچا رکھا تھا اس لئے آپ کی آواز کسی نے نہیں سنی۔ آخر حضرت بی بی نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوٹھے پر چڑھ کر لوگوں کو بتایا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے۔ کوٹھے کے اوپر سے لوگ دوڑے ہوئے آئے تو دیکھا کہ واقعی امیر المومنین رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور قاتل فرار ہو چکے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

حضرات! بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ بوقت شہادت آپ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے۔ چنانچہ جب آپ شہید ہوئے تو خون کے چند قطرات فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ کی آیت پر پڑے اور حضرت بی بی نائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب تلوار کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روکا تو ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل اہل مصر میں سے ''حمار'' نامی ایک شخص تھا جس کی آنکھیں نیلی اور سرخ تھیں اور دوسرے مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپ کے قاتل کا نام ''اسود تجیبی'' تھا جو مصری تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرات! جس وقت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہ کو پہنچی تو شدت غم سے سب کے ہوش اڑ گئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اتنا غصہ آیا کہ ایک طمانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور گھونسہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر مارا اور محمد طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی کچھ برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کے ہوتے ہوئے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کس طرح شہید کر دیئے گئے؟ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قاتل دروازے سے نہیں گئے بلکہ دوسرے مکان سے کود کر آئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المومنین کی زوجہ محترمہ سے حال دریافت کیا اور انہوں نے اپنا چشم دید سارا ماجرا سنا دیا۔

حضرات! آپ کی شہادت وسط ایام تشریق ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ میں ہوئی او بعض مورخین کا قول ہے کہ ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ میں آپ کی شہادت ہوئی بوقت شہادت آپ کی عمر شریف بیاسی سال تھی۔ آپ کے جنازہ کی نماز حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اور انہوں نے آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا اور یہی آپ کی وصیت بھی تھی۔

حضرابت! امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا۔ اس سانحہ عظیم کی خبر پھیلتے ہی عالم اسلام میں ایک تہلکہ مچ گیا اور تمام صوبوں کے گورنر خصوصاً بنوامیہ رنج و غم اور غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے اور دنیائے اسلام کا پرسکون ماحول غارت ہو کر ہر طرف شورش کا دور دورہ اور جدال و قتال کا بازار گرم ہو گیا جس سے اتحاد اسلامی کی دیواریں پاش پاش ہو گئیں اور عظمت اسلام کو وہ نقصان عظیم پہنچا کہ قیامت تک بھی اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔

امیر المومنین حضرت علی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتضیٰ شیر حق' اشجع الا شجعین
باب فضل و لایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن' شاہ خیبر شکن
پر تو دست قدرت پہ لاکھوں سلام

حضرات! فاتح خیبر' علی حیدر اسد اللہ الغالب کا اسم گرامی علی بن ابی طالب اور کنیت ''ابوالحسن'' و ''ابوتراب'' ہے۔ آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند ارجمند ہیں اور آپکی والدہ کا نام نامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ آپ سابقین اولین اور علمائے ربانیین میں انتہائی مکرم و معظم اور مہاجرین اوّلین اور عشرہ مبشرہ میں اپنے درجات کے لحاظ سے بہت زیادہ ممتاز اور اعلیٰ و کرام ہیں۔ آپ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوہر نامدار' حسنین کریمین کے پدر بزرگوار' حیدر کرار و صاحب ذوالفقار ہیں اور جس طرح سخاوت وشجاعت میں مشہور خلائق و یگانہ روزگار ہیں اس طرح زہد و اتقا اور عبادات و ریاضت میں بھی سید الخیار و سند الابرار ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور موعظہ و خطابت میں عدیم النظیر اور جود و سخا' علم و حلم میں بھی بے مثال' غرض ہر میدان فضل و کمال کے شہسوار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت تک تمام دنیا آپکو ''مظہر العجائب والغرائب اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب'' کہہ کر پکارتی اور یاد کرتی رہے گی۔

آپ خلفاء راشدین ... سے خلیفہ چہارم جانشین سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

ولادت

۳۰ عام الفیل جبکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ ۱۳ رجب کو جمعہ

کے دن آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہ آپ کی ایک بہت عظیم الشان اور مخصوص فضیلت ہے کہ آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔

(مروج الذہب جلد۵ص۷۵وازالۃ الخلفاء مقصد۲ص۲۵۱) چنانچہ کسی شاعر نے اس طرح اشارہ کرتے ہوئے بہت خوب قطعہ کہا ہے ۔

ممتاز علی کو ہر بشر سے پایا — ہمنام خدائے بحرو بر سے پایا!
پہلے تو علی ملے خدا کے گھر سے — پھر ہم نے خدا کو ان کے گھر سے پایا

اخوتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرات! امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ بھی ایک بڑی خاص خصوصیت ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ ''عقد مواخاۃ'' میں بھی آپ کے بھائی ہیں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں ''بھائی چارہ'' کرایا تو ایک صحابہ کو دوسرے صحابی کا بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آبدیدہ ہوکر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ نے تمام صحابہ کرام کو ''عقد مواخاۃ'' میں ایک دوسرے کا بھائی بنادیا۔ مگر میں یوں ہی رہ گیا اور آپ نے مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا تو رسول خدا صلی اللہ علی وسلم نے نہایت ہی پیار اور محبت سے فرمایا کہ

اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ — یعنی تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔

آپ کا اسلام

آپ نوعمر لوگوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ چنانچہ خود آپ کا بیان ہے کہ دوشنبہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی اتری اور میں منگل کے دن مسلمان ہوا۔ جس وقت آپ اسلام لائے آپ کی عمر شریف دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی جیسا کہ خود آپ کا ایک مشہور معروف شعر ہے ۔

سَبَقْتُکُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ طُرًّا — غُلَامًا مَّا بَلَغْتُ اَوَانَ حُلُمِیْ

یعنی میں نے تم سب سے پہلے اسلام قبول کیا جب کہ میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہیں پہنچا تھا۔ جس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی بت پرستی کے ساتھ ملوث نہیں ہوئے۔ اسی طرح حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی چھوٹی عمر میں

بھی بت پرستی نہیں کی۔

آپ کا عمل

علمائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں عملی عظمت کے اعتبار سے آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے آپ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں روایت کی ہیں اور آپ کے فتاویٰ اور فیصلوں کا انمول مجموعہ اسلامی علوم کے خزانوں کا بہترین قیمتی سرمایہ ہے۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم تمام صحابہ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں اور کبھی یوں بھی دعا مانگتے تھے کہ میں ایسے مقدمہ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہ کرسکیں۔اسی طرح آپ کے بارے میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کوئی ایسا صاحب علم نہیں تھا کہ یہ کہہ سکے کہ جس کو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لے۔اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنے علم وفضل کے اعلانیہ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ فرائض کا جاننے والا معاملہ فہم کوئی شخص بھی نہیں تھا۔عبداللہ بن عیاش بن ربیعہ کا یہ قول ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کمال علم وقرابت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہ حدیث وشجاعت جنگ وسخاوت مال وغیرہ کمالات کے اعتبار سے تمام صحابہ میں ایک خاص فضیلت کے مالک تھے۔(تاریخ الخلفاء)

برادرانِ اسلام! آپ کے فیصلے تو ایسے ایسے نادر اور عجیب ہیں کہ انہیں دیکھ کر وجد آنے لگتا ہے۔

ایک عجیب وغریب فیصلہ

اچھا آیئے! میں اس مجلس میں نمونہ کے طور پر آپ کا ایک ہی عجیب وغریب فیصلہ سنا دیتا ہوں۔زرین جیش کہتے ہیں کہ دو آدمی سفر میں کھانا کھانے کے لئے بیٹھے۔ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔اتنے میں ایک تیسرا شخص بھی آ گیا اور ان دونوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا اور تینوں نے آٹھوں روٹیاں کھالیں۔تیسرا شخص چلتے وقت آٹھ درہم ان دونوں کو دے کر کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے کھایا ہے یہ اس کا عوض ہے۔جب ان درہموں کو دونوں تقسیم کرنے لگے تو اختلاف ہو گیا۔پانچ روٹیوں والا کہنے لگا کہ میں پانچ درہم لوں گا اور تجھ کو تین درہم دوں گا۔مگر تین روٹیوں والا کہنے لگا کہ برابر حصہ لوں گا۔آخر

مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دونوں مقدمہ لے کر گئے۔ آپ نے تین روٹیوں والے سے فرمایا تو وہی لے لے جو یہ تجھ کو دیتا ہے کیونکہ تیری روٹیاں کم تھیں۔ اور اس کی روٹیاں زیادہ تھیں۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ! خدا کی قسم میں اس وقت تک راضی نہیں ہوگا جب تک مجھے میرا پورا پورا حق نہ دلایا جائے آپ نے فرمایا کہ اگر واقعی تو اپنا پورا پورا حق لینا چاہتا ہے تو عدل وانصاف کی رو سے تیرا پورا پورا حق تو ایک ہی درہم ہوتا ہے۔ یہ تو اس کی مہربانی ہے کہ تجھ کو تین درہم دے رہا ہے۔ اس نے حیران ہو کر کہا کہ سبحان اللہ! امیر المومنین رضی اللہ عنہ بھلا یہ کس طرح؟ ذرا مجھے بھی تو سمجھایئے؟ آپ نے فرمایا! کہ اچھا سن! کل آٹھ روٹیاں تھیں اور آدمی تم تین تھے چونکہ آٹھ روٹیاں تین آدمیوں پر برابر برابر تقسیم نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے آٹھ کو تین سے ضرب دے دو یعنی ہر روٹی کے برابر تین تین ٹکڑے کر دو تو ان روٹیوں کے چوبیس ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ تم تینوں میں سے کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ اس لئے یقیناً یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ تینوں نے برابر کھایا۔ اس لحاظ سے تو نے اپنی تینوں کے عوض نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے کھا لئے اور ایک ٹکڑا بچا۔ اب تو خود سمجھ لے کہ درہم دینے والے تے تیرا ایک ٹکڑا کھایا اور اس کے سات ٹکڑے کھائے لہٰذا آٹھ درہم میں سے تجھے ایک درہم ملنا چاہئے اور تیسرے ساتھی کو سات درہم۔ یہ فیصلہ سن کر اس شخص نے کہا کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ! بے شک آپ کا فیصلہ حق ہے اور اب میں راضی ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی شجاعت

برادرانِ ملت! غزوات اور جہادوں میں آپ کی شجاعت اور بہادری کے کارنامے بے شمار ہیں۔ جنگ تبوک کے سوا تمام غزوات میں آپ حاضر رہے اور کفار کے بڑے بڑے بہادروں کو دست بدست جنگ میں اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنگ بدر میں ولید بن عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ جیسے بہادروں کو قتل کیا۔ جنگ احد میں ایسی جانبازی کے ساتھ کفار کے نرغے میں لڑتے رہے کہ سولہ زخم آپ کے بدن پر لگے۔ مگر اس حال میں بھی ذوالفقار چلاتے رہے۔ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود جو ایک ہزار بہادروں کے برابر مانا جاتا تھا۔ آپ نے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کی کھوپڑی کو کاٹتی ہوئی جبڑے تک پیوست ہوگئی۔ عمرو بن عبدود کے بعد ضرار اور جبیرہ آگے بڑھے۔ لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو یہ

دونوں سر پر پیر رکھ کر بھاگ نکلے نوفل بھی کفار کا بڑا بہادر شہسوار تھا۔ مگر یہ بھی ذوالفقار کی مار دیکھ کر فرار ہو گیا اور بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا۔ تو اسد اللہ الغالب خندق میں کود پڑے اور ذوالفقار سے اس مغرور کا بھی خاتمہ کر دیا۔ (سیرۃ النبی)

فاتح خیبر

اسی طرح جنگ خیبر بھی آپ کی شجاعت کے جوہر کا ایک بہت ہی عجیب منظر ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں جھنڈا دیا اور دوسرے دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ مگر فاتح خیبر ہونا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مقدر تھا۔ اس لئے دونوں دن قلعہ خیبر سر نہیں ہوا۔ پھر سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں اس شخص کے ہاتھ میں سپہ سالاری کا پرچم دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا اور وہ شخص اللہ و رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علی وسلم اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس ایمان افروز اور روح پرور خوش خبری کو سن کر ہر مجاہد منتظر تھا کہ دیکھیں کون ایسی خوش نصیبی کا تاجدار ہے؟ جو اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہو کر خداوند پروردگار کے دربار میں دولت دارین کا سزاوار اور حقدار بنتا ہے۔ صبح ہوئی تو اس سعادت کبریٰ کے طلب گار مدنی تاجدار کے دربار میں پیکر تمنا اور سراپا انتظار بن کر حاضر ہو گئے۔ لب پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر مجاہد کی تمنا بھری نگاہیں پروانہ وار نثار ہو رہی تھیں کہ ناگہاں ارشاد فرمایا

اَیْنَ عَلِیُّ ابْنُ اَبِی طَالِبٍ کہاں ہیں علی بن ابی طالب؟

لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہ تو آشوب چشم کی تکلیف سے بے قرار ہیں حکم دیا کہ انہیں بلاؤ۔ حیدرِ کرار حاضر دربار ہوئے تو احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن آپ کی چشم بیمار میں ڈال دیا پھر کیا تھا؟ دم زدن میں آنکھوں کا درد اور سرخی جاتی رہی اور لعاب جاں بخش کا ایسا اعجاز نمودار ہوا کہ آن کی آن میں اس طرح آرام ہوا کہ گویا کبھی بیمار نہیں ہوئے تھے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! یہ پرچم اسلام ہاتھ میں لو اور جاؤ۔ پہلے اسلام کی دعوت دو اور خدا کے حقوق کو سمجھاؤ۔ اے علی! اگر تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت ہو گئی تو یہ تمہارے لئے سب سے بڑی نعمت ہو گی۔

حضرات! روایت ہے کہ جب حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قلعہ کے قریب

پہنچے تو "مُرَحَّبْ" نکلا جو یہودیوں میں سب سے بڑا دلیر شخص تھا اور اس نے آپ کے سامنے یہ رجز پڑھا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّىْ مُرَحَّبُ
شَاكِىْ السِّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ

یعنی یقیناً "خیبر" جانتا ہے کہ میرا نام "مرحب" ہے میں مکمل ہتھیار پہننے والا اور آزمودہ کار بہادر ہوں۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو گئے اور جواب میں رجز کا ایک شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِىْ سَمَّتْنِىْ اُمِّىْ حَيْدَرَهْ
كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرِه

میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام "شیر" رکھا ہے۔ میں جھاڑیوں میں رہنے والے شیر کی طرح خوفناک صورت والا ہوں۔ یہ فرمایا اور ایک تلوار ماری کہ "مرحب" کا سر اڑ گیا اور آپ نے فتح کا اعلان فرما دیا۔ مدارج النبوت میں لکھا ہے کہ جنگ خیبر میں آپ کی ڈھال گر گئی اور یہود اس کو لے بھاگے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قلعہ کے دروازے کو اکھاڑ کر سپر بنا لیا اور جنگ کے بعد آپ نے جب اس دروازے کو پھینک دیا تو سات قوی آدمی اس کو پلٹ نہیں سکتے تھے اور چالیس آدمیوں نے مل کر اس کو اٹھانا چاہا۔ لیکن نہیں اٹھا سکے۔ سبحان اللہ! کیا خوب کہا علامہ اقبال نے۔

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں "نانِ شعیر" پر ہے مدار "قوتِ حیدری"

آپ کے فضائل

بہر حال شہنشاہ ولایت، سید الاصفیاء، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیتیں آپ کی شان میں نازل ہوئیں اور آپ کے فضائل میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جناب مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ ۔ یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس حدیث سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کس قدر کمال قرب بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ میں اس ذات کی قسم کھاتا ہوں کہ جس نے دانے کو پھاڑ کر اگایا اور جس نے روح کو پیدا کیا کہ مجھے نبی عربی فداہ امی وابی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ مجھ سے ایماندار محبت رکھیں گے اور منافق بغض رکھیں گے اسی طرح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ حضور سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''علی کرم اللہ وجہہ'' کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے اور جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی۔''

ابوتراب

حضرات! یوں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سے القاب وخطاب ہیں۔ مگر آپ کو اپنے ناموں میں ''ابوتراب'' بہت پیارا معلوم ہوتا تھا۔ اس نام کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک روز آپ مسجد نبوی میں زمین پر لیٹے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے مقدس ہاتھوں سے آپ کی پشت مبارک پر لگی ہوئی مٹی جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

قُمْ یَا اَبُوْ تُرَابٍ ۔ یعنی اے مٹی کے باپ اٹھو!

دربارِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملا ہوا یہ پیارا پیارا خطاب آپ کو اتنا پسند آیا کہ جو شخص آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارتا تھا آپ اس سے بے حد خوش ہو جاتے تھے کہ اس نام سے سلطان کونین کے لطف وکرم کو یاد کر کے آپ لطف اندوز ہوتے تھے۔ اسی طرح بزاز اور ابویعلیٰ وغیرہ محدثین نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہوا کہ ''اے علی تمہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص مناسبت ہے'' یہودیوں نے ان سے اس قدر بغض رکھا ہے کہ معاذ اللہ! ان کی والدہ ماجدہ مریم پر تہمت لگائی اور نصاریٰ ان کی محبت میں اس حد سے بڑھ گئے کہ معاذ اللہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ اسی طرح ہوشیار ہو جاؤ کہ تیرے حق میں بھی دو گروہ ہوں گے۔ ایک ان

لوگوں کا گروہ ہوگا جو میری محبت میں مجھ کو میرے مرتبہ سے بہت زیادہ بڑھا کر حد سے تجاوز کر جائے گا اور دوسرا وہ گروہ ہوگا جو مجھ سے انتہائی بغض وعداوت رکھے گا اور مجھ پر بہتان لگائے گا۔

برادرانِ ملت! اس ارشاد مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ رافضی اور خارجی دونوں فرقے گمراہ ہیں اور اہل سنت و جماعت یقیناً صراط مستقیم اور حق پر ہیں۔ جو حضرت مولائے کائنات علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتہائی والہانہ محبت وعقیدت رکھتے ہیں اور حد سے تجاوز بھی نہیں کرتے۔

حضرت ہارون وحضرت موسیٰ علیہما السلام کی تشبیہ

حضرات! میں پہلے عرض کر چکا کہ جنگ تبوک کے سوا تمام غزوات ومشاہد میں آپ حاضر رہے جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو "مدینہ منورہ" پر اپنا خلیفہ بنا کر روانہ ہونے لگے تو آپ نے نہایت حسرت کے ساتھ یہ عرض کیا کہ

اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں اپنا خلیفہ بنا کر جنگ میں تشریف لے جا رہے ہیں۔

مطلب یہ تھا کہ مجھ جیسے میدان کارزار کے شہسوار کی شان کے لائق تو یہ تھا کہ میں اپنی شمشیر آبدار ذوالفقار سے کفار کو فی النار کر کے مجاہد فی سبیل اللہ کے اجر وثواب کا حقدار بنتا۔ عورتوں اور بچوں کی نگہداشت اور خبر گیری تو میرے درجات عالیہ کے اعتبار سے بہت ہی ادنیٰ کارنامہ ہے اس موقع پر حضرت حیدر کرار کی بے قراری اور ان کا جذبۂ جاں نثاری دیکھ کر محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی تسکین قلب کے لئے ارشاد فرمایا کہ

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ مِنْ بَعْدِیْ۔

یعنی اے علی! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ میری بارگاہ میں تمہیں وہی درجہ حاصل ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں ملا تھا بس اتنا فرق ہے کہ حضرت ہارون علیہ والسلام کو نبوت عطا ہوئی تھی اور چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس لئے تم نبی نہیں ہو سکتے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضور سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ مطلب تھا کہ

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ والسلام نے چالیس دنوں کے لئے کوہ طور پر جانے کے وقت اپنی امت بنی اسرائیل پر اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا دیا تھا۔ اسی طرح اے علی! میں جنگ تبوک میں روانگی کے وقت مدینہ منورہ پر تم کو اپنا خلیفہ بنا کر جا رہا ہوں۔ تو جو مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کو حاصل تھا۔ وہی عظیم مرتبہ اے علی تم کو میری بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاصل ہو رہا ہے اس لئے یہ تمہارے لئے بہت خوشی کا مقام ہے چنانچہ زبانِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ پیغامِ مسرت سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ قلب حزین کو تسکین حاصل ہوگئی۔

روافض کا ایک شبہ

حضرات! اس حدیث سے روافض اکثر یہ دلیل لاتے ہیں کہ دیکھ لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''حضرت علی کو خلیفہ بلا فصل'' بنا دیا جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ''خلیفہ بلا فصل'' تھے۔ مگر عزیزان گرامی! ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلا فصل کی یہ ایسی دلیل ہے جیسے کسی نے کہا تھا کہ الف' با زبر''اب'' اور غین' فے ۃ'' غف'' لہٰذا ثابت ہوا کہ میرا نام ''محمد یوسف'' خدا کی پناہ! ان علم کے یتیموں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ جنگ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانے کا اس کے سوا اور کیا مطلب تھا کہ تم میری غیر موجودگی میں اہل مدینہ کی اسی طرح نگہداشت کرتے رہو۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی نگہداشت کی تھی۔ اس لئے کہ کون نہیں جانتا؟ کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہی ہوگئی تھی۔ اس لئے اس تشبیہ کا ہرگز کبھی یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ حضرت ہارون علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دنیا سے تشریف لے گئے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا سوال ہی کیا رہ جاتا ہے؟ پھر یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مولائے کائنات کو جنگ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف انتظامی معاملات کا خلیفہ بنایا تھا۔ باقی نمازوں کی امامت کے لئے حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر اس خلافت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت مطلقہ ہوتی۔ تو پھر امامت کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کو کیوں اپنا خلیفہ

بتاتے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر خلیفہ مطلق ہوتے تو وہ نمازوں کے امام بھی ہوتے! پھر یاد رہے کہ اس طرح خلافت تو وقتاً فوقتاً دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ کون جانتا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ''غزوات ذات الرقاع'' اور غزوہ غطفان'' کے موقع پر آپ نے مدینہ پر اپنا خلیفہ بنایا تھا۔ تو کیا بھلا اس سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوگئی۔

رافضی مولوی اور ایک جاہل سنی

حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ روافض کی دلیلوں کو سن کر بلا ساختہ ہنسی آ جاتی ہے کہ کیونکہ میرے نزدیک مکڑی کے جالے کو تو کچھ اہمیت دی جاسکتی ہے لیکن ان لوگوں کی دلیلیں تو ''تَارِ عَنکَبُوت'' سے بھی زیادہ کمزور ہوا کرتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ علما تو علما! اجی بالکل ان پڑھ جہلا بھی اپنی پھکڑ بازیوں سے ان لوگوں کی دلیلوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ صاحبو! مجھے اس وقت ایک رافضی مولوی اور ایک سنی جاہل کا مکالمہ یاد آ گیا ہے۔

رافضی مولوی کہنے لگا کہ اجی تم کو معلوم! حضرت شیخ سعدی تو ''شیعہ'' تھے۔ سنی جاہل بولا! کہ ہرگز نہیں۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ تو پکے سنی تھے۔ رافضی مولوی تڑک کر بولا کہ چپ رہو! تم ان کی کتاب 'بوستان' اٹھا کر دیکھ لو! انہوں نے کیا لکھا ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ

الٰہی بحق بنی فاطمہ — کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامانِ آلِ رسول

دیکھ لو! صاف صاف لکھتے ہیں کہ خداوند! تو اولاد فاطمہ کے طفیل میں میرا ایمان پر خاتمہ فرما اور اے اللہ! تو میری دعا کو خواہ قبول فرمائے خواہ رد فرمائے مگر بہر حال میں ہوں اور میرا ہاتھ ہے اور آل رسول کا دامن۔

سنی جاہل کہنے لگا کہ سبحان اللہ! ''مارے گھٹنا اور پھوٹے آنکھ'' اس سے کیا ہوا؟ آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تو ہم سنی بھی آپ لوگوں سے زیادہ مانتے ہیں پھر بھلا آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماننے سے حضرت سعدی شیعہ کیسے ہوگئے؟ اور بوستان میں آپ کو یہ نظر نہیں آیا؟ کہ حضرت سعدی نے ''مدح صحابہ رضی اللہ عنہ'' کتنے زور کی لکھی ہے؟ رافضی مولوی چونچ پھاڑ کر بولا کہ ارے یہ کیا کہا؟ ارے ''بوستان'' میں ''مدح صحابہ'' کہاں ہے؟ سنی نے کہا کہ اماں! یہ تو وہی بات ہوئی کہ میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور

کڑوا کڑوا تھو تھو؟ سنیے بوستان میں شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ۔

نخستیں ابو بکر پیر مرید عمر پنجہ بر پیچ دیو مرید

سوم شاہ عثمان شب زندہ دار چہارم علی شاہ دُلدُل سوار

دیکھ لیجئے! چاروں خلفاء کی کیسی شاندار مدح فرمائی ہے؟ رافضی مولوی نے جل کر کہا کہ واہ جی واہ! ''نخستیں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیر مرید'' اس مصرع میں بھلا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کون سی بڑی تعریف ہے؟ شیخ سعدی نے ان کو مرید کہا ہے یعنی ایک بوڑھے آدمی تھے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرید ہو گئے تھے۔ سنی بولا کہ اچھا آگے بڑھیے ''عمر پنجہ دیو مرید'' رافضی مولوی نے کہا کہ اس میں بھی عمر کی کون سی تعریف ہو گئی؟ یہی نا۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پنجہ بہت اچھا لڑانا جانتے تھے کہ شیطان کا پنجہ بھی موڑ دیا کرتے تھے۔ سنی نے کہا کہ اچھا ''سوم شاہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ دار'' کو ذرا پڑھیے؟ رافضی مولوی نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ واہ وا! ارے یار اس میں بھلا کیا تعریف ہوئی؟ کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شاہ صاحب تھے جو راتوں کو جاگ کر چوکیداری کیا کرتے تھے۔ جب تینوں خلفاء کی تنقیص و توہین سن کر سنی کو غصہ آ گیا تو جاہل تو تھا ہی بگڑ کر کہا ابے کھٹمل! پھر ''چہارم علی شاہ دلدل سوار'' میں بھی بھلا کون سی بڑی تعریف ہو گی؟ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شاہ جی تھے جو ٹٹو پر چڑھا کرتے تھے (توبہ نعوذ باللہ) اکھڑ جاہل کی پھکڑ بازی سن کر رافضی مولوی تھوتھنی لٹکائے وہاں سے رفو چکر ہو گیا۔

لطیفہ

حضرات! واقعہ تو یہی ہے کہ روافضی کی مضحکہ خیز باتوں پر ہنسی بھی آتی ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ بات پر بات یاد آتی ہے اس وقت مجھے ایک لطیفہ یاد گیا۔

سنا ہے کہ ایک مجتہد صاحب ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے اتفاق سے دو سنی بھی اس ڈبے میں سوار تھے۔ ایک سنی نے پوچھا کہ قبلہ و کعبہ! جناب کا اسم گرامی کیا ہے؟ مجتہد صاحب نے فرمایا کہ میرا نام ''کلب علی'' (علی کا کتا) ہے۔ پھر مجتہد صاحب نے پوچھا کہ آپ کا اسم شرف؟ (توبہ نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد) تو سنی نے ازراہ تمسخر کہا کہ قبلہ کعبہ! کیا عرض کروں؟ میرا نام تو ''خنزیر اللہ'' (خدا کا سور) ہے پھر مجتہد صاحب نے دوسرے سنی کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ اور آپ کا نام! تو اس نے کہا کہ میرا نام ''شتر محمد'' (محمد کا اونٹ) ہے۔ مجتہد صاحب ہنس کر بولے۔ کہ آپ سنی لوگوں کے نام بہت ہی عجیب و غریب ہیں۔ توبہ

تو یہ ''خنزیر اللہ'' اور ''شتر محمد'' بھلا یہ کوئی نام ہیں؟ تو سنی نے نہایت سنجیدگی سے کہا کہ بہر حال ''خدا کا سور'' اور ''شتر محمد'' علی کے کتے سے تو بہتر ہوگا۔

یہ سنتے ہی تمام مسافر ہنس پڑے اور پورا ریل کا ڈبہ دیوار قہقہہ بن گیا اور مجتہد صاحب اس قدر نادم ہوئے کہ انہوں نے اپنا نام بدل ڈالا اور اپنا نام ''غلام علی'' رکھ لیا۔

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جنگ تبوک کے موقع پر جب مولائے کائنات نے نہایت تحسیر اور افسوس کے لہجے میں یہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کی نگہداشت کے لئے خلیفہ بنا رہے ہیں؟ تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو تسلی اور دلداری کے لئے فرمایا کہ ''اے علی! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تمہارا درجہ میری بارگاہ نبوت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دربار میں حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا۔''

حضرات! بلا شبہ اس حدیث سے مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یقیناً اس حدیث میں آپ کی خلافت بھی ثابت ہوتی ہے اور ہمارا یہی اعتقاد بھی ہے کہ حضرت مولائے کائنات یقیناً رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق ہیں۔ لیکن ہمارا اختلاف خلافت بلافصل میں ہے کہ معاذ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہی نہیں تھے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے پہلے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ یقیناً ہمارے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے اور حدیث اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ سے ہرگز ہرگز بھی خلافت بلافصل کا باطل عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔

بیعت خلافت

حضرات! ابن سعد کا قول ہے کہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے ہی دن حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے دست حق پرست پر تمام ان صحابہ نے جو اس وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ بیعت کی اور آپ ''امیر المومنین رضی اللہ عنہ'' ہوگئے۔ پھر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بصرہ پہنچ کر حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا قصاص لینے کے لئے آپ سے ''قاتلوں'' کا مطالبہ کر دیا اور ہزاروں انسان اس مطالبہ میں شریک ہوگئے جس وقت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ خبر ہوئی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے

اور یہاں جمادی الآخر ۳۶ھ میں ''جنگ جمل'' ہوئی۔ جس میں حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے اور طرفین کے ہزاروں آدمی مقتول ہوئے۔ بصرہ میں آپ نے پندرہ روز قیام فرمایا۔ پھر کوفہ تشریف لائے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کا مطالبہ کرتے ہوئے آپ پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ آپ بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھے اور طرفین کی فوجوں کے درمیان کئی روز تک نہایت خونریز جنگ ہوتی رہی۔ یہ لڑائی ''جنگ صفین'' کے نام سے مشہور ہے جو صفر ۳۷ھ میں ہوئی۔ پھر یہ جنگ ایک صلح پر ختم ہوئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''شام'' کو اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ''کوفہ'' کو واپس تشریف لائے۔ کوفہ آ کر خارجی لوگ آپ کی اطاعت سے علیحدہ ہو گئے اور آپ نے خلافت کا انکار کر کے سرکشی شروع کر دی۔ بلکہ لشکر جمع کر کے آپ پر چڑھائی کر دی۔ تو آپ نے ان خوارج کے مقابلہ کے لئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیر قیادت ایک لشکر بھیجا اور حضرت عبداللہ بن خوارج پر غالب آئے اور ان میں سے بہت سے تائب ہو کر کوفہ واپس آ گئے۔ لیکن بہت سے خوارج وہاں سے بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں جا کر مسلمانوں کی بستیوں پر حملے اور راہزنی کرنے لگے تو اس فتنہ کی مدافعت کے لئے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۳۸ھ میں ایک فوج لے کر ''نہروان'' تشریف لے گئے اور ان خواج کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالا اور انہیں مقتول خارجیوں میں ''ذوالشریہ'' بھی مارا گیا۔ جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ یہ وہ بدنصیب خارجی ہوگا جو خروج کرے گا اور اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے مانند ہوگا اور مومنین کی بہترین جماعت اس کو قتل کرے گی۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی شہادت

حضرات! اب آپ کی شہادت کا واقعہ بھی سن لیجئے جو تاریخ اسلام کا بہت ہی دردناک واقعہ ہے۔ تین خبیث قسم کے خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی اور برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی یہ تینوں مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما تینوں کو ایک معین تاریخ میں قتل کر دینا چاہئے۔ چنانچہ برک بن عبداللہ نے حضرت معاویہ کو عمر بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص کو اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کا عہد

کیا او مستدرک میں امام سندی سے یہ منقول ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم ایک خارجی عورت قطام پر عاشق ہو گیا اور اس خبیثہ کی شادی کا مہر تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک لونڈی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قتل کرنا قرار پایا۔ چنانچہ فرزوق شاعر نے کہا کہ

فَلَمْ اَرَمَهْراً سَاقَهٗ ذُوْ سَمَاحَةٍ ۔۔۔ كَمَهْرِ قَطَامٍ بَيِّنٍ غَيْرِ مُعْجَمٍ
ثَـلٰثَةُ الْاٰفٍ وَ عَبْدٌ وَّقَيْنَةٌ ۔۔۔ وَضَرْبُ عَلِيٍّ بِالْحُسَامِ الْمُصَمَّمِ
فَلَا مَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيٍّ وَّاِنْ غَلَا ۔۔۔ وَلَا فَتْكَ اِلَّا دُوْنَ فَتْكِ ابْنِ مُلْجَمٍ

یعنی میں نے کسی جوانمرد کو ایسا مہر ادا کرتے نہیں دیکھا جیسا کہ ''قطام'' کا مہر مقرر ہوا۔ تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک لونڈی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل سے زیادہ گراں کوئی مہر نہیں ہو سکتا اور ابن ملجم نے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکے سے قتل کیا۔ اس سے بڑھ کر کوئی قتل نہیں ہو سکتا۔ بہر حال ابن ملجم کوفہ پہنچا اور ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حسب معمول رات کے پچھلے حصہ میں بیدار ہوئے اور اپنے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ نور نظر! آج رات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ کی امت سے مجھے کوئی راحت نہیں ملی۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم ظالموں کے لئے بددعا کرو۔ تو میں نے یہ دعا مانگی ہے کہ یا اللہ عزوجل! تو مجھے ان لوگوں کے بدلے ان سے بہتر لوگوں کا ساتھ عطا فرما۔ اور ان لوگوں کو میری جگہ ایسا شخص عطا فرما جو ان لوگوں کے حق میں بہت ہی برا ہو۔ ابھی آپ صاحبزادے سے یہ فرما ہی رہے تھے کہ ابن بناح موذن نے آ کر الصلوٰۃ کہا یعنی نماز کو چلئے۔ چنانچہ آپ گھر سے لوگوں کو نماز کے لئے آواز دیتے ہوئے مسجد کو چلے' راستہ میں ابن ملجم چھپا ہوا تھا۔ اس نے دھوکہ سے ناگہاں آپ کی پیشانی پر ایسی تلوار ماری کہ آپ کا چہرہ مبارک کنپٹی تک کٹتا چلا گیا اور تلوار دماغ پر جا کر رکی۔ شمشیر لگتے ہیں آپ نے فرمایا کہ

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔۔۔ رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

پھر چاروں طرف سے لوگ اس بدبخت قاتل پر دوڑ پڑے اور آخر وہ بھاگتے ہوئے پکڑ لیا گیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زخم کی حالت میں جمعہ اور شنبہ کے روز زندہ رہے اور شب یک شنبہ میں وفات پا گئے۔ (تاریخ الخلفاء)

اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ ۱۹ رمضان جمع کی رات میں آپ زخمی ہوئے اور ۲۱

رمضان شب یک شنبہ ۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

حضرت امام وامام حسین وحضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ کے دفن سے فارغ ہو کر حضرت امام حسن نے امیر المومنین کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھ پیر کاٹ کر ٹوکرے میں ڈال دیا اور اس میں آگ لگا دی جس سے اس کی لاش جل کر راکھ ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء)

چار برس اٹھ ماہ نو دن آپ نے خلافت فرمائی اور تریسٹھ سال کی عمر میں رحلت فرمائی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

دردا کہ آفتاب سپہر کمال رفت
دردا کہ شاہ مسند عزو جلال رفت
او بود جان عالم وچوں کر دانتقال
جاں از تن خلائق ازیں انتقال رفت

برادرانِ ملت! حضرات خلفائے راشدین کے فضائل ومناقب اور ان کی مقدس سوانح حیات کا ایک نہایت ہی مختصر تذکرہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے اور یہ ایمان ہے یہ چاروں خلفائے راشدین حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ برحق اور سچے جانشین ہیں اور ان چاروں کی محبت وعظمت اور ان کی پیروی واطاعت ہر امتی کے لئے لازم الایمان و واجب العمل ہے۔ جیسا کہ حضور اللہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

"عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" یعنی تم لوگ میری سنت اور خلفاء الراشدین کی سنت پر عمل کرنے کو لازم پکڑو۔

بلاشبہ یہ آسمانِ ملت کے وہ روشن ستارے ہیں کہ قیامت تک "امت مسلمہ" ان سے ایمان کی روشنی حاصل کرتی رہے گی۔ خداوند قدوس ہم تمام مومنین ومومنات کو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان چار یار کی محبت وعظمت اور اتباع واطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بجاہ سید المرسلین
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ
الہٖ واصحابہ وبارک وسلم

اٹھارہواں وعظ

شہداء کربلا

حق حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدالله الذی اکرم الشهداء با لحیواة اطیبة و الباقیات الصالحات ○ بقوله تعالیٰ وَلَا تَقُولُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ وَاكْرَمُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ علی سید الكائنات و صاحب ا لشفاعات و علیٰ اله و صحبه الذین هم شهداء محبته باحسن الطاعات و نالو بشهادة رسالته جنان الخلد و علی الدرجات و اما بعد فاعوذ بالله من الشيطن الرحيم بسم الله الرحمن الرحيم وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ اَلَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۔ (البقرة)

از فرش تا عرش سما بلغ العلیٰ بکماله
از فوق تا تحت الثریٰ کشف الدجیٰ بجماله
خیر البشر خیر الوریٰ حسنت جمیع خصاله
حضرت محمد مصطفیٰ صلوا علیه واله

برادرانِ ملت! پڑھیے بہ آوازِ بلند درود شریف!

اللھم صل علی سیدنا مولانا محمد و الہ اصحابہ و بارك و سلم

حضرات گرامی! میں آج فضائل اہل بیت اور شہدائے کربلا کے عنوان پر تقریر کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس لیے پہلے "شہداء کربلا" کے امیر کارواں امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک منقبت پیش کرتا ہوں۔ بغور سماعت فرمایئے۔

کیوں خدائی نہ ہو جان و دل سے قربان حسین
بوسہ گاہ مصطفیٰ ہے شہ رگ حسین
آج تک ہیں غیر قومیں بھی ثنا خوان حسین
اللہ اللہ ! کیا عظیم الشان ہے شان حسین
کام آئے بہر حق سب نو نہا لان حسین
ہو گیا نذر خزاں سارا گلستان حسین
مرحبا یہ حق پرستی یہ صداقت پروری
حضرت حر ہو گئے مقتل میں قربان حسین
جان دی لیکن دیا ہرگز نہ دست حق پرست
اللہ اللہ ! کس قدر محکم تھا ایمان حسین
رن میں آتے تھے نظر کشتیوں کے پشتے ہر طرف
وار جب اعدا پہ کرتے تھے جوانان حسین
کوئی خطرہ ہی نہیں شاغل کو روز حشر
تا ابد محفوظ ہے وہ زیر دامان حسین

حضرات گرامی! میری انگوٹھی میں جو ایک نگینہ ہے یہ پہلے پتھر کا ایک ٹکڑا تھا۔ جس کی کوئی زیادہ قدر و قیمت نہیں تھی۔ مگر یہ سینکڑوں بار کاٹا گیا تراشا گیا۔ غرض بڑے بڑے ابتلاء اور امتحان کی منزلوں سے گزرا تو اس کی قدر قیمت بہت بڑھ گئی اور خداوند عالم نے اس کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ یہ انگوٹھی کا نہایت ہی حسین نگینہ بن گیا۔ اسی طرح یہ میری چھڑی پہلے ایک درخت کی شاخ تھی نہ اس میں کوئی خاص جاذبیت تھی۔ نہ کوئی بڑی قدر و قیمت مگر اس کو کلہاڑی سے کاٹا گیا۔ پھر اس پر آراء چلایا گیا اور بسولے سے اس کو بار بار چھیلا گیا۔ پھر اس کے سینے پر سینکڑوں مرتبہ رندا چلا گیا اور تیز دھار والے اوزاروں اور ہتھیاروں سے تراش خراش کر اس میں نقش نگار بنائے گئے۔ غرض سینکڑوں ہزاروں زخم کھانے کے بعد اور طرح طرح مصائب و آلام کی گردش

اور قسم قسم کے ابتلاء اور امتحان کی آزمائش میں مبتلا ہونے کے بعد اس کو یہ جلیل القدر مرتبہ ملا کہ یہ ایک عالم دین کے ہاتھ کا عصا ہے اور اس کی قدر منزلت کا یہ عالم ہے کہ میں اس کو ہاتھ میں لے کر منبر رسول وعظ بیان کرتا ہوں اور اسکا سہارا لے کر جامع مسجد کے منبر پر خطبہ پڑھتا ہوں۔

اسی طرح ''سنگ مرمر'' پتھر کا معمولی ٹکڑا ہوتا ہے مگر جب وہ سینکڑوں بار کوٹا اور ہزاروں بار پیسا جاتا ہے اور بار بار کھرل میں رگڑا جاتا ہے۔ غرض بڑی بڑی مصیبتوں اور بڑے بڑے ہوش ربا اور روح فرسا امتحان سے دوچار ہوتا ہے تو اس پتھر کے ٹکڑے کو اتنا بلند رتبہ نصیب ہوتا ہے کہ لوگ اس کو اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں اور انتہائی محبت اور پیار کے ساتھ لوگ اس کو سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگائے ہیں! اسی طرح گیہوں کا جو دانہ مکان کے اندر سائے میں نہایت آرام وچین کے ساتھ برتن میں پڑا رہتا ہے۔ وہ یا تو گل سڑ کر فنا ہو جاتا ہے یا کسی جاندار کی غذا بن کر نجاست کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ لیکن گیہوں کا وہ دانہ جو زمین میں بو دیا جاتا ہے اور وہ زمین کی گرمی، سورج کی تپش اور بارش کی زحمت، طرح طرح کی تکلیفوں کے امتحان میں جھنجھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک وہ اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے تو اس کو یہ مرتبہ ملتا ہے کہ وہ ایک سرسبز وشاداب اور حسین پودا بن کر اگتا ہے اور وہ فرش زمین کے زینت اور انسانوں کے لیے ذریعہ زندگی اور سامان معاش بن جاتا ہے اور وہ انسانوں کے لیے اتنا محبوب اور جاذب نظر ہو جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اس کا خادم بن کبھی اس کو پانی سے سیراب کرتا ہے اور کبھی اس کے اردگرد کی گھاسوں کو اکھاڑ کر اس کے صحن کی صفائی کرتا ہے اور دن رات پہرہ دار بن کر اس کی حفاظت کرتا ہے۔

برادران ملت! ان مثالوں سے پتا چلتا ہے کہ قانون فطرت اور دستور قدرت یہی ہے کہ اکثر جب بھی کسی کو کبھی کوئی بلند مرتبہ ملتا ہے تو وہ ضرور پہلے ابتلا وآزمائش کے کٹھن امتحان کے دور سے گزرتا ہے اور بغیر مصائب وآلام کی مشقتوں کو جھیلے اور برداشت کیے ہوئے کسی کو بھی کوئی رتبہ نہیں ملا کرتا۔ یہی وہ مضمون ہے جس کو کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

اور یہی وجہ ہے کہ کسی عارف باللہ نے جب عبادت وریاضت کی آزمائشوں کے امتحان فنا میں ثابت قدم رہنے کے بعد جس کو نعمت بقا کی معراج ترقی نصیب ہوتی تو اس نے تمام عالم انسانیت کو یہ درس دیا کہ

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

برادرانِ ملت! عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ:

اَلْعَطَایَا عَلٰی قَدْرِ الْبَلَایَا — یعنی جتنا بڑا امتحان اتنا بڑا انعام

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ — یعنی سب سے زیادہ سخت اور بڑا امتحان حضرات انبیاء علیہم السلام ہوا کرتا ہے۔

پھر ان کے بعد جو جس درجے کا بلند مرتبہ ہوگا اسی قدر سخت اور بڑا اس کا امتحان ہوگا۔ کیوں نہ ہو کہ ؎

منزل عشق میں تسلیم و رضا مشکل ہے
جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے کہ جس کو حضرت حق جل مجدہ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ

یعنی ہم ضرور تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے۔ اور (اے محبوب) خوشخبری سنا دو ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو وہ یہ کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ (البقرہ)

تو عزیزان گرامی! اب غور فرمائیے کہ چونکہ میرے آقا حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا مرتبہ نہایت افضل و اعلیٰ اور بلند و بالا ہے اور خداوند قدوس ان نفوس قدسیہ کو بڑے بڑے اعزاز و اکرام کی سلطنتوں کا تاجدار بنانے والا ہے۔ اس لیے قانون قدرت کا یہی تقاضا ہے کہ ان پاک جانوں کو بھی ضرور ابتلا اور امتحان کی منزلوں سے گزرنا ہوگا اور پھر اتنا بڑا امتحان ہوگا اتنے ہی بڑے انعام کے مستحق اور حقدار ٹھہریں گے۔ چنانچہ یہی

وجہ ہے کہ حضرات اہل بیت نبوت کے مقدس شہزادوں کو میدان کربلا میں خوف بھوک' پیاس اور نقصان جان و مال کے ایسے ایسے مصائب کرب و بلا کے وشر با امتحان سے گزرنا پڑا کہ اگر ہمالیہ کا پہاڑ بھی ہوتا ہے کہ اس کا دامن صبر تار تار ہو جاتا مگر واہ رے! ان شہزادگانِ خاندانِ نبوت کا عزم واستقلال کہ ان مصائب و آلام کے کوہ شکن ہجوم میں بھی صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور ان عظیم الشان امتحان میں کامیاب ہو گئے اور خداوند عالم نے ان کو ''شہادت کبریٰ'' کا انمول انعام عطا فرما کر اعزاز و اکرام کی اس بلند منزل پر پہنچا دیا کہ آسمانوں کی بلند رفعتیں اور آفتاب و ماہتاب کی عرش نما طلعتیں ان کے قدموں کی گرد راہ کو جھک جھک کر سلام کرتی ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ کہ یہ وہ نونہالان گلشن نبوت ہیں کہ جن کے خون کے قطرے قطرے میں علی رضی اللہ عنہ و نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون شامل ہے اور یہ سب کے سب محبوب خدا کے پیارے مولیٰ کے دلارے اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھوں کے تارے ہیں۔

فضائل اہل بیت

حضرات محترم! اللہ اکبر! اہل بیت نبوت کے مراتب علیا اور ان کے درجات کبریٰ کا ذکر آ گیا تو کچھ ذرا اس کا بیان بھی سن لیجئے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ! ''اہل بیت'' کے بیت منازل کے درجات اور ان کے فضائل و کمالات کا کیا کہنا؟ خداوند قدوس جل وعلا ارشاد فرماتا ہے کہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (احزاب)	یعنی اے نبی کے گھر والو! بس خدا یہی چاہتا ہے کہ پلیدی کو تم سے دور فرما دے اور تمہیں خوب پاک اور ستھرا کر دے۔

حضرات! مسلم شریف کی روایت ہے کہ جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صبح کو ایک منقش کملی اوڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ نبوت سے باہر تشریف لائے اور حضرت حسن اور حسین اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اپنی رحمت کالی کملی میں داخل فرما لیا اور اپنے دست رحمت کو خداوند قدوس کا بارگاہ عظمت میں اُٹھا کر یہ دعا فرمائی کہ

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِيْ وَخَاصَّتِيْ اَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا۔	یعنی خداوندا! یہ میرے اہل بیت اور میرے مخصوصین ہیں تو ان سے پلیدی کو دور فرما دے اور انہیں خوب پاک اور ستھرا کر دے

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیاری دعا سن کر اُم المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ وَاَنَا مِنْهُمْ یعنی میں بھی ان میں سے ہوں تو ارشاد فرمایا کہ اِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ بے شک تم بہتری پر ہو اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا کہ ''بلیٰ'' یعنی کیوں نہیں؟ اور ان کو بھی اپنی مقدس کملی میں داخل فرمالیا۔

آیت مباہلہ

حضرات! اسی طرح جب نجران کے عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ آئے تو آپ نے اپنے دلائل نبوت سے ان پر آفتاب کی طرح حق کو ظاہر فرمادیا۔ مگر پھر بھی وہ لوگ معاندانہ روش سے برابر جھگڑتے رہے تو حضرت حق جلا جلالہ نے ''مباہلہ'' کی آیت نازل فرمائی اور حکم فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران)

یعنی جو تم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں جب کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا ہے تو اپنے محبوب ان سے فرمادو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑ گڑا کر دعا مانگیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کو میدان میں نکل کر مباہلہ کرنے کی دعوت دی۔ چنانچہ جب صبح کو نصرانیوں کا گروہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا تو یہ دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں اور دست اقدس میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے ہیں اور حضور ان سب سے فرمار ہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب ''آمین'' کہنا۔ نجران کے سب سے بڑے پادری عبدالمسیح نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگا کہ اے جماعت نصاریٰ میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو ہٹا دے گا۔ لہٰذا ہرگز ہرگز ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم سب ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ نجران کے

نصرانیوں نے ''جزیہ'' دینا منظور کیا۔ مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے کہ اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ نجران والوں پر عذاب بہت قریب آ چکا تھا اگر وہ لوگ مجھ سے مباہلہ کرتے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے اور قہر الٰہی کی آگ سے جنگل جل جاتے اور وہاں کے چرند و پرند تک نیست و نابود ہو جاتے اور ایک سال کے اندر تمام روئے زمین کے نصاریٰ ہلاک و برباد ہو جاتے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ ''مباہلہ'' کے لئے یہ بات ٹھہری تھی کہ اے عیسائیو! تم اپنے بیٹوں کو لے کر میدان میں نکلو اور ہم اپنے بیٹوں کو تم اپنی عورتوں کو لے کر آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم خود آؤ اور ہم خود آئیں۔ اس موقع پر جناب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت نے تمام دنیائے اسلام میں سے جن پاک جانوں کو منتخب فرمایا وہ حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ حضرات! یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما قیامت تک ''ابنای رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کہلاتے رہیں گے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کو اپنا بیٹا فرمایا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص جنتی صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب ''مباہلہ'' کے لئے ان مقدس جانوں کو ساتھ لے کر حضور گھر سے باہر نکلے تو یہ فرمایا کہ:

اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِیْ (مشکوٰۃ ص ۵۶۸) اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

خطبہ غدیر خم

حضرات! زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''غدیر'' کے تالاب کے پاس جو ایک تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اہم اعلان فرمایا کہ:

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔

اسی خطبہ مبارک کا ایک نہایت ہی اہم جزو یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

وَاَنَا تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ اَحَدُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيْهِ الْهُدٰى وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ ثُمَّ قَالَ وَاَهْلُ بَيْتِیْ اُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِیْ اَهْلِ بَيْتِیْ

اے لوگو! میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان دونوں میں سے ایک کتاب اللہ (قرآن) ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے لہٰذا تم لوگ اللہ کی کتاب کو لے لو اور مضبوطی کے ساتھ اس پر عامل رہو۔ پھر یہ ارشاد فرمایا کہ دوسری بھاری چیز جو میں تم میں چھوڑ

(مشکوٰۃ ص ۵۶۸) کر جا رہا ہوں وہ میرے اہل بیت ہیں اور میں تم لوگوں کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

مطلب یہ تھا کہ تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو کہ کہیں تم سے میرے اہل بیت کا حق ادا کرنے میں بال برابر کوتاہی نہ ہونے پائے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ

حضرات! اسی طرح ''حجۃ الوداع'' کا خطبہ جس میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے مجمع میں آپ نے اپنے انتہائی اہم فرامین کا اعلان فرمایا۔ اس خطبہ میں بھی ارشاد فرمایا کہ:

يَـاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَـا اِنْ اَخَـذْتُـمْ بِـهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَيْتِیْ (مشکوٰۃ ص ۵۶۹)

اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے ہرگز ہرگز تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ کون کون سی چیزیں ہیں سن لو وہ اللہ کی کتاب ہے اور میری اولاد ہے جو اہل میرے بیت ہیں۔

حضرات! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ مقدس خطاب' حدیثیں اور قرآن مجید مقدس کی آیات ہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کر رہی ہیں کہ اہل بیتِ نبوت کا مقام عظمت نہایت ہی ارفع و اعلیٰ ہے اور آفتابِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمکے ان چاند تاروں اور فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے ان پیاروں اور دلاروں سے محبت اور حسن عقیدت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اسی طرح حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ وانتہائی جوش ومحبت اور جذبۂ عقیدت کے ساتھ اہل بیت نبوت کو مخاطب کر کے ان کی بارگاہِ عزت میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے عرض فرماتے ہیں کہ:

امام شافعی کے دو شعر

يَا اَهْلَ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ حُبُّكُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰهِ فِی الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ

یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل بیت! تمہاری محبت خدا کی طرف سے فرض ہے اور خداوند قدوس نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے:

اسی طرح ایک مرتبہ خارجیوں نے حضرت امام شافعی علیہ الرحمتہ پر محض اتنی سی بات پر رافضی ہونے کی تہمت لگائی کہ آپ اہل بیت نبوت سے انتہائی والہانہ محبت رکھتے تھے تو اس وقت آپ نے خم ٹھونک کر انتہائی عزم محکم کے ساتھ خارجیوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ:

لَوْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِیٌّ

یعنی اگر آل رسول کی محبت ہی کا نام تمہارے نزدیک رافضی ہونا ہے تو تمام دنیا کے جن وانس گواہ ہو جائیں کہ اس معنی میں یقیناً میں "رافضی" ہوں۔

برادرانِ ملت! ہم سنیوں کے مسلم الثبوت پیشوا اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز کے بھائی مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمتہ نے اپنے ایک قصیدہ میں کتنی شاندار اہل بیت کی مدح وثنا فرمائی ہے۔اس قصیدہ کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ملاحظہ فرمایئے۔

کس زبان سے ہو بیان مدح وشان اہل بیت
مدح گوئے مصطفیٰ ہے مدح خوان اہل بیت
ان کی پاکی کا خدائے پاک کرتا ہے بیان
آیہ تطہیر سے ظاہر ہے شان اہل بیت
ان کے گھر میں بے اجازت جبرائیل آتے نہیں
قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت
رزم کا میدان بنا ہے جلوہ گاہ حسن و عشق
کربلا میں ہو رہا ہے امتحان اہل بیت
کس مزے کی لذتیں ہیں آب تیغ یار میں
خاک وخوں میں لوٹتے ہیں تشنگانِ اہل بیت
فاطمہ کے لاڈلے کا آخری دیدار ہے
حشر کا ہنگامہ برپا ہے میانِ اہل بیت
سر شہید ان محبت کے ہیں نیزوں پر بلند
اور اونچی کی خدا نے قدر و شانِ اہل بیت
گھر لٹانا' سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جان عالم ہو فدا! اے خاندان اہل بیت
اہل بیت پاک سے گستاخیاں بے باکیاں

لَعْنَةُ اللهِ عَلَيْكُمْ ! دشمنان اہل بیت

بے ادب گستاخی فرقے کو سنا دے اے حسن
اس طرح کہتے ہیں سنی داستان اہل بیت

حضرات گرامی! آپ سن چکے ہیں کہ حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم کو اپنا اہل بیت فرمایا۔ سبحان اللہ! خاندان نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان نونہالوں کی عظمت شان کا کیا کہنا؟ حضرت مولائے کائنات کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

حضرت علی

عَلِيٌّ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ — یعنی علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں۔

سبحان اللہ! مطلب یہ ہے کہ میرا گوشت ان کا گوشت ہے اور میرا خون ان کا خون ہے اللہ اکبر! یہ ہے مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کا بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وہ کمال قرب کہ جس کی ندرت ولطافت کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ جس کو خداوند قدوس نے ایمانی نگاہ محبت اور عرفانی فہم وفراست سے نوازا ہے۔ اللہ۔ اللہ

مِنْ تبعیضیہ لا کر عَلِيٌّ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ — فرمایا کہ علی میرے بدن کا جزو ہیں اور میں علی کے بدن کا جزو ہوں۔

اللہ اکبر! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کمال کرم تو دیکھو کہ علی کو اپنے بدن کا ٹکڑا اور اپنے کو علی کے بدن کا ٹکڑا ارشاد فرمایا اور اعلان فرمادیا کہ میرا دوست علی کا دوست اور علی کا دوست میرا دوست ہے اور میرا دشمن علی کا دشمن اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے۔ برادرانِ ملت! نبی وعلی کا وہی معاملہ ہے جیسا امیر خسرو نے کہا ہے کہ۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدی تو جان شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری!

یعنی میں "تو" ہو گیا۔ "تو" میں ہو گیا۔ میں تیرا بدن ہو گیا اور تو میری جان ہو گیا۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں دوسری چیز ہوں اور تو دوسری چیز!

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل کے بارے میں کیا

پوچھتے ہو؟ یہ نورِ نبوت کا وہ ٹکڑا ہیں جن کے بارے میں صاف صاف فرمادیا کہ:

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ اٰذَاھَا فَقَدْ اٰذَانِیْ — یعنی فاطمہ میری بیٹی تو میرے بدن کی ایک بوٹی ہے جس نے اس کا دل دکھایا اس نے مجھے دُکھ پہنچا کر ایذا دی۔

حضرات حسنین کریمین

اسی طرح حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے مراتب دُرجات کا یہ عالم ہے کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی ان دونوں کو اپنے سینہ نبوت سے چمٹا کر کبھی دوش انور پر بٹھا کر یہ دعا فرماتے تھے کہ:

ھٰذا ن ابْنَایَ وَابْنَا بِنْتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا (مشکوٰۃ ص ۵۷۰) — یعنی یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تو بھی ان دونوں سے محبت فرما اور تو ان لوگوں سے بھی محبت فرما جو ان دونوں سے محبت رکھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

فَیَشُمُّھُمَا وَیَضُمُّھُمَا (ترمذی ج ۲ ص ۲۲۰) یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں شہزادوں کو سونگھتے تھے اور اپنے سینے سے چمٹایا کرتے تھے۔ سبحان اللہ! دنیا میں سب لوگ تو اپنے پیارے بچوں کو چومتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان دلاروں کو سونگھا کرتے تھے۔ کیوں نہ ہو؟ کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان پیاروں کے بارے میں فرمادیا کہ ھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا یعنی حسن و حسین دونوں میرے "پھول" ہیں جو خدا نے مجھے دنیا میں عطا فرمائے ہیں اور یہ ظاہری بات ہے کہ پھول سونگھے جاتے ہیں۔ پھول چومے نہیں جاتے اس لئے حضور حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے دونوں پھولوں کو سونگھا کرتے تھے۔ سبحان اللہ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے۔

کیا بات؟ رضا اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس کی حسین اور حسن پھول

اچھی سواری پیارا سوار

حضرات! ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کمال محبت سے

اپنے دوش نبوت پر سوار کر کے چل رہے تھے تو کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا کہ:
نِعْمَ الْمَرْکَبُ رَکِبْتَ یا غلام اے بچے تیری سواری کتنی اچھی ہے؟
سبحان اللہ! تو سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً ارشاد فرمایا کہ یعنی وَنِـعْـمَ الـرَّاکِبُ هُوَ یعنی اے میرے صحابی رضی اللہ عنہ! تو نے یہ دیکھ لیا کہ سواری کتنی اچھی ہے؟ مگر یہ بھی تو دیکھ! کہ سوار کتنا پیارا ہے؟ (مشکوٰۃ ص ۵۷۱)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت

میرے بزرگو اور بھائیو! ریحانۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خاتم الخلفاء حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ ۱۵ رمضان ۳ھ کی شب میں مدینہ طیبہ کے اندر تولد ہوئے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چند ماہ چند روز مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ پھر آپ نے تخت خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو تفویض فرما دیا۔ اس کے بعد کسی خبیث نے آپ کو زہر کھلا دیا۔ زہر کے اثر سے آپ کو اسہال کبدی لاحق ہوا اور آنتوں کے ٹکڑے کٹ کٹ کر اسہال میں خارج ہونے لگے۔ اس سلسلے میں چالیس روز سخت تکلیف رہی اور ۵ ربیع الاول ۴۹ھ میں آپ نے اس دار ناپائیدار سے مدینہ منورہ میں دار آخرت کی طرف رحلت فرمائی اور شہادت سے سرفراز ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

اور جنۃ البقیع میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت بی بی فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں جگر گوشہ رسول فرزند بتول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدفون ہوئے۔ قریب وفات جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ آپ کو کس نے زہر دیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ اس کو قتل کر دو گے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بے شک! تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر میرا گمان ہے اگر واقعی وہی میرا قاتل ہے تو خداوند قہار و جبار جل جلالہٗ منتقم حقیقی ہے وہی اس سے میرے خون کا انتقام لے گا۔ اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میرے سبب سے کوئی بے گناہ مارا جائے۔ بہر حال کسی کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ آپ کا قاتل کون ہے؟ بعض مورخین نے یہ لکھ دیا ہے کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس آپ زوجہ نے یزید پلید کے حکم سے آپ کو زہر دیا اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لالچ میں اس نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے۔ اس لئے بغیر کسی صحیح سند کے کسی مسلمان پر امام کے قتل کا الزام لگانا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

حضرات! اہل بیت کو قاتل کا علم تھا یا نہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے دریافت کرنے پر بھی قاتل کا نام نہیں بتایا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں نے اپنی آخری عمر تک "جعدہ سے کوئی شرعی مواخذہ بھی نہیں فرمایا تو پھر جعدہ" کو بھی قاتل ٹھہرانے والا کون ہے؟ اس لئے تعجب نہیں کہ خارجیوں کا ایک بدترین تبرا ہو کہ حضرت امام رضی اللہ عنہا کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی تہمت لگا رہے ہیں۔

(نعوذ باللہ) واللہ تعالیٰ علم!

زمین کربلا کا خونی منظر
حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور اُن کے رفقاء کی شہادت

حضراتِ گرامی! سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا کی ولادت باسعادت ۵ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' اور نام نامی ''حسین'' اور لقب ''سبط رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' اور ''ریحانۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ہے۔

اللہ اکبر! جگر گوشۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرزند بتول رضی اللہ عنہا، راکب دوش پیمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کربلا کے غازیوں کے امیر لشکر، امام عالی مقام، شہید کربلا، حضرت امام حسین سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے عظمت شان کس زبان کی طاقت ہے کہ کماحقہ بیان کر سکے۔

حضرات! مجھے اس وقت ایک ''نظم'' کے چند بند یاد آ گئے۔ جس کو میں حسینی سرکار رضی اللہ عنہم میں بطور نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ بغور سنیئے!

جو دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین

جو جوان بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا
خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین　　جو بہتر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین
راہ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین　　کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین
زیر خنجر جس کا سجدہ عظمت اسلام ہے
جس کا ہر تیور رسول پاک کا پیغام ہے
اللہ اللہ! راکب دوش پیمبر وہ حسین　　فاطمہ کا نور دیدۂ جانِ حیدر وہ حسین
عظمت اخلاص و قربانی کا پیکر وہ حسین　　کربلا کے غازیوں کا ہر لشکر وہ حسین
پرچم حق تاابد جس کا اسلامی ہو گیا
زندہ جاوید جس کا نامِ نامی ہو گیا
دین کی خاطر تھی جس کی زندگانی وہ حسین　　کٹ گئی اسلام میں جسکی جوانی وہ حسین
خلد میں کی حق نے جسکی مہمانی وہ حسین　　مل گئی جس کو حیات جاودانی وہ حسین
نامِ نامی جس کا لوح دہر پر مرقوم ہے
فرش سے تاعرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

واقعاتِ شہادت

حضرات محترم! رجب ۶۰ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بمقام دمشق لقوہ کی بیماری میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔ آپ نے وقت وفات یہ وصیت فرمائی کہ میرے پاس حضور رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ تبرکات ہیں جن کو میں نے اپنی زندگی بھر اپنی جان سے زیادہ عزیز تر سمجھ کر اپنے خزانہ میں محفوظ رکھا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار مبارک چادر اقدس، قمیص انور، موئے مبارک اور ناخن منور کے تراشے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تہبند شریف اور مقدس پیرہن کا کفن دیا جائے اور میرے اعضاء سجدہ اور آنکھوں میں موئے مبارک اور تراشہائے ناخن منور رکھ کر قبر میں لٹا کر ارحم الراحمین کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو دفن کیا۔

یزید پلید

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ کا ناخلف اور انتہائی شقی اور بدنصیب بیٹا "یزید" تخت سلطنت پر فرعون زمانہ بن کر بیٹھا اور اس نے اپنی بیعت لینے کے لئے اطراف سلطنت میں ہر طرف فرمان اور قاصد روانہ کئے۔

حضرات! یزید کون تھا اور کیسا تھا؟ معاذ اللہ! یزید بن معاویہ اموی وہ بدترین شخص ہے جس کی پیشانی پر اہل بیت نبوت کے خون ناحق کا قیامت تک نہ مٹنے والا سیاہ داغ ہے۔ یہی وہ بد نصیب اور شقی القلب ظالم ہے جس پر قیامت تک تمام دنیائے اسلام تحقیر وملامت کے پتھر برساتی رہے گی۔

یہ ننگ خاندانِ بنی امیہ ۲۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ملیسون بنت بحدل کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ انتہائی بدشکل' موٹا بھدا' پورے بدن پر بال انتہائی بدخلق' بدمزاج' فاسق وفاجر' شرابی وبدکردار' ظالم وغدار اور انتہائی بے ادب وگستاخ تھا۔ محرکات کے ساتھ نکاح اور سود وغیرہ منہیات شرعیہ کو اس بے دین نے علانیہ رواج دیا۔ حضرت عبداللہ بن حنظلۃ الغسیل نے فرمایا کہ واللہ! ہم نے یزید پر اس وقت خروج کیا جب ہم کو یہ ڈر ہو گیا کہ کہیں یزید کی بداعمالیوں اور بدکاریوں کی وجہ سے ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کے پتھر نہ برسنے لگیں (واقدی) اسی طرح ایک مرتبہ کسی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما کے دربار میں یزید کو امیر المومنین کہہ دیا۔ تو آپ نے اس کو بیس درہ مار کر سزا دی کہ یزید جیسے بدترین شخص کو "امیر المومنین" کہنا جرم عظیم ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جوان صحابہ کرام میں شمار کیے جاتے ہیں جو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے راز دار اور صاحب اسرار ہیں۔ آپ نے ۵۹ھ میں یہ دعا مانگی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ رَاسِ السِّتِّیْنَ وَاِمَارَۃِ الصِّبْیَانِ

یعنی یا اللہ! میں ۶۰ھ کی شروعات اور لڑکوں کی حکومت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ ۶۰ھ میں یزید کی حکومت ہوگی اور یہ بڑے فتنوں کا وقت ہوگا۔ اس لئے آپ نے اس سے پناہ مانگی۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوگی اور ۵۹ھ ہی میں آپ کی وفات ہوگئی۔ (تاریخ الخلفاء)

بہرکیف یزید پلید نے تخت سلطنت پر قابض ہونے کے بعد اس نے ہر طرف اپنی بیعت کے لئے حکم نامے اور قاصد بھیجے۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے حاکم ولید بن عتبہ کو یزید نے یہ فرمان بھیجا کہ تم میرا یہ فرمان دیکھتے ہی سب خاص وعام اور عمائد مدینہ سے میری بیعت لو اور خاص کر حضرات امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو تو ایک لمحہ کی بھی مہلت نہ دینا اور سب سے پہلے ان لوگوں سے بیعت لینا۔ چنانچہ یزید کا فرمان ملتے ہی ولید بن عتبہ نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ

ہاؤس) میں بلایا اور یزید کا فرمان سنا کر آپ سے بیعت کا طالب ہوا۔ امام عالی مقام نے صاف صاف فرما دیا کہ یزید اپنے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی وجہ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ اس لئے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی اس کی بیعت نہیں کر سکتا۔ سچ ہے

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رو باہی

جب وقت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار فرما دیا۔ تو ولید بن عتبہ نے آپ کو بہت نرمی کے ساتھ سمجھایا اور اس کے خطرناک انجام کی طرف توجہ دلائی۔ مگر جب آپ نے پورے عزم محکم کے ساتھ بیعت سے انکار فرما دیا تو ولید بن عتبہ نے آپ کو پورے اعزاز کے ساتھ رخصت کر دیا اور عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ اس معاملہ میں جلد بازی کے ساتھ کوئی فیصلہ نہ فرمائیں بلکہ اس وقت آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لے جائیں اور اطمینان سے سوچ بچار کر کے کوئی فیصلہ فرمائیں اور کل اسی طرح پھر یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو بہتر ہوگا۔

حضرات! امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ بیعت کے انکار سے یزید نابکار انتہائی مشتعل ہوگا اور میری جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو جائے گا۔ لیکن فرزند رسول سے بھلا یہ کب ممکن تھا؟ کہ تقویٰ اور دیانت کو ٹھکرا کر محض اپنی جان بچانے کے لئے ایک فاسق نابکار اور فاجر بدکار کو خلافت کا حق دار تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کی تباہی اور دین وملت کی بربادی کا کچھ خیال نہ کریں۔

مسلمانو! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر امام عالی مقام یزید کی بیعت فرما لیتے تو یقیناً یزید اس کو آپ کا احسان عظیم سمجھ کر آپ کی انتہائی قدر ومنزلت کرتا اور فرط محبت سے آپ کے قدم دھو دھو کر پیتا اور بنی امیہ کے خزانوں کی کنجیاں آپ کی مقدس جوتیوں پر ڈال دیتا۔ آپ کو بیشمار مال و دولت بھی دیتا۔ بلکہ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی پیش کر دیتا۔ مگر امام برحق کی حق پرست نگاہوں کے سامنے آفتاب بن کر یہ حقیقت چمک رہی تھی کہ اگر میں یزید کی بیعت کر لیتا ہوں تو نظام اسلام درہم برہم ہو کر ملت اسلامیہ میں ایسا عظیم فساد برپا ہو جائے گا جس کا دور کرنا ناممکن اور محال ہو جائے گا۔ دین مٹ جائیگا اور پرچم اسلام کی دھجیاں پارہ پارہ ہو کر فضائے آسمان میں بکھر جائیں گی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جب آپ یزید کی بیعت فرما لیتے تو آپ کی بیعت یزید کی ہر بدکاری کے جواز کے لئے سند بن جاتی اور تمام مسلمان یہ سمجھ لیتے کہ آپ کی بیعت یزید کا ہر عمل اسلام کے مطابق

ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہی کہتا کہ اگر یزید اسلام کے خلاف عمل کرتا تو بانیٔ اسلام کے نور نظر اور ملت اسلام کے عظیم رہبر امام عالی مقام ہرگز کبھی اس کی بیعت نہ فرماتے۔ برادران اسلام! یہی وہ واحد سبب تھا کہ جگر گوشۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفرزند بتول رضی اللہ عنہا نے بڑے بڑے آلام و مصائب کو برداشت فرمایا۔ بلکہ اپنے پھولے پھلے گلشن کو اپنی نظروں کے سامنے ظلم وعدوان کی خزاں سے ویران وبرباد ہوتے دیکھا۔ بلکہ اپنے خون کا آخری قطرہ اور اپنی زندگی کی آخری سانس خدا کی راہ میں قربان کر کے ملت اسلامیہ کی ڈوبتی اوڈگمگاتی کشتی کے طوفان سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچا دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام کا پرچم سربلند ہو گیا۔

حضرات گرامی! یزید نے تمام اہل مدینہ میں سب سے پہلے امام عالی مقام ہی سے بیعت کا مطالبہ اس لئے کیا کہ اس کو یہ معلوم تھا کہ اگر حضرت امام بیعت فرمالیں گے تو پھر روئے زمین میں کسی کو میری بیعت سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہے گی مگر حضرت امام عالی مقام کی استقامت اور انکار بیعت سے اس کا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور یزید مارے غیظ وغضب کے آگ بگولہ ہو گیا اور یہاں تک اپنی خباثت پر اتر آیا کہ اس نے حاکم مدینہ ولید کو یہ فرمان بھیج دیا کہ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ میری بیعت سے انکار کریں تو سر کاٹ کر میرے یہاں روانہ کر دے۔ جب اس مضمون کے چند حکم نامے متواتر ولید کے پاس پہنچے تو ولید نے مجبور ہو کر امام عالی مقام کو یزید پلید کے اس ناپاک منصوبہ سے آگاہ کیا۔ آپ نے مخلصین صحابہ سے مشورہ کیا تو لوگوں نے آپ کو یہ صلاح دی کہ ایسے ماحول میں آپ کا مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلا جانا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ آپ نے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر نے مکہ مکرمہ کی روانگی کا عزم فرمالیا۔ سامان باندھے جانے لگے۔ اونٹوں پر کجاوے کس ڈالے اور اہل نبوت کا یہ مقدس قافلہ مدینۃ الرسول کی جدائی کے صدمے سے روتے ہوئے اپنے گھروں سے نکل پڑا اور امام عالی مقام اپنے نانا جان کے روضہ اقدس پر آخری سلام کے لئے حاضر ہوئے۔

برادران ملت! اس روح فرسا منظر کے تصور سے دل ودماغ کے گوشے گوشے میں صدمات میں اضطراب و بے قراری اور آنکھوں میں گریہ وزاری اور اشک باری ایک طوفانی سیلاب امنڈ پڑتا ہے کہ اللہ اللہ! کیا آفتاب و ماہتاب کی آنکھیں کبھی وہ منحوس دن بھی دیکھیں گی؟ کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آغوش نبوت کا پالا حضرت علی اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہم کی آنکھوں کا اجالا۔ حسین سیدا علیٰ اس طرح مدینہ منورہ سے نکالا جائے گا۔ مسلمانو! آہ آہ ایک وہ دن تھا کہ ان کے نانا جان نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ کو اپنے مقدم میمنت لزوم

سے سرفراز فرمایا تھا تو اہل مدینہ کے بوڑھے اور جوان جھوم جھوم کر یہ استقبالیہ نظم گاتے تھے کہ۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاع

اور مدینہ منورہ کی ننھی ننھی بچیاں فرط مسرت میں اپنی باریک اور سریلی آواز سے یہ نغمہ گاتی تھیں کہ۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَار

یعنی ہم بنی نجار کی چھوٹی بچیاں ہیں۔ واہ رے! ہمارے اچھے دن! کہ اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہو جائیں گے۔ ہر طرف فرح وسرور کا بول بالا اور مدینہ میں اجالا ہی اجالا تھا اور آج وہ دن ہے کہ اہل مدینہ کا ہر چھوٹا بڑا اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یادگار کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مدینہ سے رخصت ہوتا دیکھ کر بے قرار اور رنج وغم سے اشکبار ہے اور مدینہ منورہ کے ہر گھر میں رنج وغم کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آرہا ہے۔ افسوس!۔

مرد ردے است اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر آہے کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

یعنی اس تصور جانکاہ سے میرے دل میں ایسا درد ہے کہ اگر بیان کروں تو زبان جل جائے گی اور اگر آہ کھینچتا ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ میری ہڈیوں کا مغز جل کر خاک ہو جائے گا۔

روضہ منورہ پر امام رضی اللہ عنہ کا آخری سلام

بہر حال برادران ملت! حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ اقدس سے نکل کر اپنے نانا کے آخری سلام کے لئے حاضر ہو رہے ہیں۔

مزار مصطفیٰ پر شام ہوتے ہی امام آئے اجازت کی غرض سے آخری کرنے سلام آئے
کہا روکر سلام اے تاجدار عالم امکاں سلام اے سرور عالم سلام اے سرور ذیشاں
ذرا دیکھو تو میرے چہرے سے اٹھا کر گوشہ داماں حسین ابن علی پر تنگ ہیں طیبہ کی اب گلیاں

یزید دور ہے اسلام ہے سرکار خطرے میں
نواسہ آپ کا اس وقت ہے دشمن کے نرغے میں

حضرات گرامی! ۴ شعبان ۶۰ ھ کو جمعہ کی رات میں مدینہ منورہ سے آپ مکہ مکرمہ کے لئے اپنے اہل عیال اور خدام کے ہمراہ روانہ ہو گئے جب آپ کی سواری چلی تو راہ میں جو لوگ ملتے حیرت سے سوال کرتے کہ یا ابن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مدینہ منورہ چھوڑ کر کہاں کی تیاری ہے؟ آپ یہ سن کر فراق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زار زار روتے اور اپنے دل بے قرار کا حال زار سنا کر دوسروں کو بھی رُلاتے۔ جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو تمام باشندگان حرم بوڑھے اور جوان خوشی میں یہ ترانہ پڑھتے ہوئے استقبال کے لئے دوڑ پڑے کہ

جن سے روشن ہے مدینہ وہ قمر آتے ہیں
جن کا معدن ہے نجف میں وہ گہر آتے ہیں
حضرت سرور عالم کے پسر آتے ہیں
سیدہ فاطمہ کے لخت جگر آتے ہیں!

پھر آپ مکہ مکرمہ پہنچ کر بقیہ شعبان اور رمضان وشوال وذیقعد نہایت ہی امن وامان کے ساتھ رہے اور اہل مکہ آپ کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے تھے۔ سعید بنؓ عاص جو یزید کی جانب سے مکہ مکرمہ کا گورنر تھا اس نے بھی آپ کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ لیکن اس نے مکہ مکرمہ میں آپ کی تشریف آوری اور اہل مکہ کی آپ کے ساتھ بے پناہ عقیدت کی اطلاع یزید کے پاس روانہ کر دی جس سے یزید اور بھی زیادہ انتہائی برہم ہو گیا۔

کوفیوں کی ڈیڑھ سو عرضیاں

برادرانِ ملت! یزید کی انتہائی کوششوں کے باوجود صرف اہل شام نے یزید کی بیعت کی اہل عراق خصوصاً کوفہ والے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں درخواستیں بھیج رہے تھے اور آپ کی تشریف آوری اور آپ کی بیعت کے لئے انتہائی مشتاق و تمنائی تھے۔ مگر امام عالی مقام ہمیشہ انکار فرماتے رہے اب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی کے بعد اہل عراق کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا۔ چنانچہ اہل عراق کی تمام جماعتوں کے سرداروں اور سربراہوں نے آپ کی خدمت میں خطوط اور عرضیاں روانہ کیں اور تقریباً ڈیڑھ سو خطوط اور التجانامے اس مضمون کے آپ کی خدمت میں بھیجے گئے کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم "شیعان علی" ہیں او آپ کے والد بزرگوار شیر

خدا، دلدل سوار کے انتہائی فرماں بردار و جاں نثار ہیں اور آپ کے ہوتے ہوئے ہم یزید پلید جیسے فاسق و بدکار کے مظالم میں گرفتار ہیں۔ ہم یزید کی گراہیوں اور اس کی شرعی حکومت سے بیزار اور آپ کی بیعت و اطاعت کے لئے بے قرار ہیں۔ آپ جلد سے جلد کوفہ تشریف لا کر ہمیں یزید کی ظالمانہ و فاسقانہ بیعت و اطاعت سے بچالیں۔ ہم چشم براہ ہو کر آپ کا انتظار کر رہے ہیں اور عہد و اقرار کرتے ہیں کہ ہم اپنی جان و مال کے ساتھ آپ کے وفادار و جاں نثار رہیں گے۔ آپ فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جگر بند علی رضی اللہ عنہ و بتول رضی اللہ عنہا ہیں۔ امت کی ہدایت و دستگیری آپ کا منصب ہے لہٰذا تشریف لا کر ہماری ہدایت و دستگیری فرمائیں۔

اس طرح کی درخواستوں اور التجاؤں کے تسلسل نے امام عالی رضی اللہ عنہ مقام کے سامنے ایک بہت ہی اہم اور قابل توجہ مسئلہ پیدا کر دیا۔ جس سے اغماض و اعراض کرنا ممکن نہ تھا۔

امام کیوں کوفہ گئے؟

اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ اگر کوئی قوم کسی ظالم و فاسق کی بیعت پر راضی نہ ہو اور وہ کسی ایسے شخص سے بیعت کی درخواست کرے جو ہر اعتبار سے اہل اور بیعت و اطاعت کا حقدار ہو اور وہ شخص اس قوم کی استدعا اور درخواست کو ٹھکرا دے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ وہ شخص اس قوم کو اسی ظالم و فاسق کے حوالہ کرنا چاہتا ہے اب غور فرمائیے کہ امام جو ہر طرح امیر المومنین ہونے کے اہل اور مستحق تھے مگر اس وقت کوفیوں کی ان درخواستوں کو قبول نہ فرماتے تو قیامت کے دن دربار خداوندی میں کوفیوں کے اس مطالبہ کا امام کے پاس کیا جواب ہوتا؟ کہ یا اللہ! ہم نے ہر چند امام سے بیعت کی درخواست کی لیکن امام برحق نے ہماری عرضیوں کو ٹھکرا دیا اس لئے ہمیں یزید کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر اس کی بیعت کرنی پڑی۔

حضرات! یہ ایک ایسا مسئلہ امام کے سامنے درپیش ہو گیا کہ اس مسئلہ کا بجز اس کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ امام عالی مقام کوفیوں کی درخواست منظور فرما کر کوفہ تشریف لے جائیں چنانچہ جب بڑے بڑے اصحاب کبار مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر، حضرت ابوسعید، حضرت ابوواقد لیثی وغیرہم رضی اللہ عنہم نے آپ کو کوفہ کے سفر سے منع فرمایا تو آپ نے ان کے سامنے یہی مسئلہ پیش فرمایا کہ آخر اہل کوفہ کی استدعا کو رد کرنے کے لئے میرے پاس عذر شرعی کیا ہے؟ الغرض! برادران ملت! حضرت امام کے سامنے ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ آن پڑا تھا۔ ایک طرف جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اصرار تھا کہ آپ ہرگز کوفہ تشریف نہ لے جائیں

دوسری طرف کوفیوں کی درخواست رد کرنے کے لئے آپ کے پاس کوئی عذر شرعی نہ تھا اس لئے آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو بھیجا جائے۔ اگر کوفیوں نے بدعہدی و بے وفائی کی تو عذر شرعی مل جائے گا اور اگر وہ اپنے عہد پر قائم رہے تو صحابہ کو تسلی و اطمیان دلایا جاسکے گا۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی روانگی

چنانچہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا اور اہل کوفہ کے نام یہ فرمان والاشان تحریر فرمایا کہ اہل کوفہ! میں تمہارے بے پناہ اصرار سے متاثر ہو کر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنا کر روانہ کرتا ہوں! اگر تم لوگوں نے اپنے قول پر ثابت قدم رہ کران کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انہوں نے مجھ کو تمہاری وفاداری و جان نثاری کی اطلاع دے دی تو فوراً میں بھی کوفہ کا عزم سفر کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت مسلم اپنے دو بچوں محمد اور ابراہیم کو ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہو گئے اور کوفہ پہنچ کر مختار بن عبید کے مکان پر قیام فرمایا اور اس میں شبہ نہیں کوفیوں نے آپ کا بہت ہی شاندار استقبال کیا اور پناہ جذبہ عقیدت و جوش محبت کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ چالیس ہزار کوفیوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کر لی اور ان لوگوں کے جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لشکر سیلاب کی طرح بڑھ کر یزید سلطنت کو غارت و برباد کر دے گا اور یزید کو جان بچانے کے لئے کوئی راہ نہیں ملے گی۔ چنانچہ حضرت عسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے کوفہ اور اہل عراق کی عقیدت و بیعت سے مطمئن ہو کر امام عالی مقام کی خدمت میں یہ عریضہ لکھ کر بھیج دیا کہ چالیس ہزار کے لشکر جرار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کی جاں نثاری و وفاداری کا عہد کر لیا ہے۔ لہٰذا جلد از جلد آپ کوفہ تشریف لائیں تا کہ جلد سے جلد خدا کے بندوں کو ظالم یزید کے شر سے نجات دلائی جائے اور آپ کی خلافتِ حق کا پرچم سر بلند کر کے خدا کو عدل وانصاف سے بھر دیا جائے۔

کوفہ کے گورنر حضرت نعمان بن بشیر صحابی رضی اللہ عنہ باوجود یہ کہ یزید کے گورنر تھے مگر چونکہ اہل بیت کے محب تھے اس لئے انہوں نے معمولی طور راہل کوفہ کو حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی بیعت سے منع کر کے ضابطہ کی کارروائی پوری کر دی اور اس معاملہ میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں فرمائی اور اس طرح خاموش ہو کر بیٹھے رہے کہ یزید کو بھی ان واقعات کی اطلاع نہیں دی۔ مگر یزید کے خاص جاسوس مسلم بن یزید حضرمی اور عمارہ بن ولید بن عقبہ نے یزید کو یہ اطلاع کر دی۔ کہ مسلم

بن عقیل کوفہ تشریف لائے ہیں اور ہزاروں آدمی ان کے ہاتھ پر امام حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے ہیں لیکن کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی ہے۔ یزید یہ خط پڑھ کر غیظ وغضب میں جل بھن گیا اور فوراً کوفہ کا گورنر بنا بھیج دیا۔ عبیداللہ بن زیاد انتہائی ظالم اور بلا کا فریبی ومکار تھا۔ اس نے اپنی فوج کو تو قادسیہ میں چھوڑا اور خود حجازی لباس پہن کر چند آدمیوں کے ہمراہ خاموشی کے ساتھ رات کی تاریکی میں کوفہ پہنچا اور اپنے دارالامارۃ (گورنمنٹ ہاؤس) میں داخل ہو گیا اور رات بھر یزید کے حواریوں سے پوری رپورٹ سن کر صبح کو ابن زیاد نے کوفہ کے تمام رؤسا اور عمائدین کو انتہائی فریب اور چالاکی سے قلعہ کے اندر بلا کر قلعہ کا پھاٹک بند کر لیا۔ انہیں حکومت کا فرمان پڑھ کر سنایا اور خوب خوب ڈرایا دھمکایا۔ پھر اس نے محمد بن اشعث کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ اس وقت حضرت مسلم ہانی بن عروہ کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ محمد بن اشعث نے ہانی بن عروہ کو فوراً گرفتار کر کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اس وقت حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے اپنے متوسلین کو پکارا۔ تو دم زدن میں چالیس ہزار کا لشکر آپ کے سامنے حاضر ہو گیا اور ابن زیاد کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ اگر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ حملہ کا حکم فرما دیتے تو چند منٹوں میں قلعہ فتح ہو جاتا اور ابن زیاد گرفتار ہو کر پابزنجیر آپ کا قیدی بن جاتا اور یہی لشکر طوفان کی طرح بڑھ کر یزید کے تخت وتاج کو بھی اپنے قدموں کا فٹ بال بنا کر یزیدی سلطنت کا نام ونشان مٹا دیتا۔ مگر برادرانِ ملت! سچی بات اور واقعی حقیقت تو یہی ہے کہ۔

لاکھ تدبیر کرے بندہ تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے قلعہ کا محاصرہ تو کر لیا مگر لشکر کو حملہ کا حکم نہیں دیا اور ایک رحم دل اور عادل بادشاہ کی طرح آپ مصالحت کی گفتگو کا انتظار فرمانے لگے۔ ابن زیاد جو انتہائی مکار وعیار تھا اس نے اس وقفہ سے پورا فائدہ اٹھالیا۔ چنانچہ اتنی دیر میں اس نے کوفہ کے رؤسا اور عمائدین کو مجبور کر دیا کہ وہ قلعہ کی فصیل پر چڑھ کر اپنے عزیزوں اور زیر اثر لوگوں کو حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت سے علیحدہ کر دیں۔ یہ رؤسا اور عمائد پہلے سے قلعہ کے اندر قید تھے۔ ابن زیاد نے ان لوگوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی جماعت کو نہ منتشر کیا تو میں تم لوگوں کو اسی قلعہ کے اندر انتہائی بیدردی کے ساتھ ذبح کر ڈالوں گا اور پھر یزید شامیوں کا لشکر جرار بھیج کر تمہارے بچے بچے قتل اور تمہاری بستیوں کو تاخت وتاراج کر ڈالے گا۔

کوفیوں کی بے وفائی

حضرات! ابن زیاد کی یہ دھمکی سن کر عراق کے سرداروں اور سورماؤں کا حال پتلا ہو گیا اور سب کے سب لرزہ براندام ہو کر ہانپتے کانپتے قلعہ کی فصیل پر آئے اور رو رو کر اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور حاشیہ برداروں سے کہنے لگے کہ اللہ! ہم پر رحم کرو اور حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دو! دیکھ لو! ہم اس وقت ابن زیاد کی قید میں ہیں۔ اگر تم لوگوں نے اس قلعہ کو فتح بھی کر لیا تو تمہارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد ہمارے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ پھر یزید خاموش نہیں بیٹھے گا بلکہ اس لشکر تمہیں روند ڈالے گا اور تمہارے ایک ایک بچے کو قتل کر کے تمہارا نام و نشان مٹا دے گا۔ لہٰذا اپنے انجام پر نظر ڈالو۔ ہمارے حال پر رحم کرو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔

حضرات! افسوس کہ ابھی ابھی جو لشکر جناب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے چشم و ابرو کے اشارے پر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ اپنے سرداروں کی اتنی سی تقریر سن کر منتشر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز شروع کی تو صرف پانچ سو آدمی رہ گئے تھے۔ جو آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوئے لیکن جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو یہ فرار ہو چکے تھے اور آپ کے ننھے ننھے دو بچوں کے سوا ایک آدمی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ کوفہ کی مسجد' غربت و مسافرت کا عالم' کوئی حال پوچھنے والا نہیں۔ حیران ہیں کہ کدھر جائیں؟ کہاں قیام کریں؟ چھوٹے چھوٹے بچوں کو کہاں کہاں سے کھلائیں' کہاں سلائیں؟ افسوس کہ کوفہ کے اتنے بڑے شہر میں بنی ہاشم کے اتنے بڑے معزز مہمان کے لئے کوئی اپنا دروازہ تک کھولنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں جبکہ نہ کوئی یار و مددگار ہے نہ مونس و غم خوار۔ بار بار آپ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد آتی تھی اور سوچ سوچ کر صدمات سے آپ کے سینے میں دل پاش پاش ہو جاتا تھا کہ ہائے افسوس! میں نے امام عالی مقام کو یہ خط لکھ دیا ہے کہ چالیس ہزار جاں نثاروں کا لشکر تیار ہے۔ آپ فوراً کوفہ تشریف لے گئے یقیناً جگر گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرزند بتول رضی اللہ عنہا میرا خط پڑھ کر مع اہل و عیال کوفہ کے لئے روانہ ہو چکے ہوں گے اور یہاں کوفیوں کی بدعہدی کا یہ حال ہے کہ اناج کا ایک دانہ اور پانی کا ایک قطرہ دینا تو بڑی بات ہے کہ بات کرنے والا بھی نہیں اور میرے ہاتھ پر اپنی جان و مال فدا کرنے کا عہد اور بیعت کرنے والے ہی ابن زیاد کے ساتھ ساز باز کر کے میرے قتل کا

منصوبہ بنارہے ہیں۔ہائے گلشن زہرا کا سب سے حسین پھول حسین فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے خبری میں کوفہ پہنچ کران غداروں کے نرغے میں کیسے کیسے مظالم کی بادصرصر کا نشانہ بنے گا۔ یہ سوچ سوچ کر دل زخمی اور جگر گھائل ہورہا تھا۔اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں آپ کو پیاس لگی۔ سامنے ایک مکان نظر آیا جہاں "طوعہ" نامی ایک عورت کھڑی تھی۔آپ نے اس سے پانی مانگا۔ اس نیک بندی نے آپکو پہچانا اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ اپنے گھر میں بٹھا کر پانی پلایا۔ اتنے میں عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ کے کوتوال "عمر بن حریث" اور "محمد بن اشعث" کو آپ کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ان گستاخوں کی بے ادبی پر آپ کو ہاشمی جلال آ گیا اور اپنی تلوار لے کر ان ظالموں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے اور آپ کے شیرانہ حملوں سے بہت سے سپاہی زخمی ہوئے اور بعض مارے بھی گئے۔یہ دیکھ کر کہ ہاشمی جوان کی شمشیر بے نیام قہر الٰہی کا پیغام بن کر سینکڑوں کوفیوں کو لقمہ اجل بناڈالے گی اور فوج کا یہ چھوٹا سا دستہ ہرگز ہرگز کبھی حضرت مسلم کو گرفتار نہ کر سکے گا۔تو فریب کا پتلا محمد بن اشعث یہ چال چل گیا کہ امن وصلح کا اعلان کر دیا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور ہم آپ سے جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں ہم تو صرف حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ آپ گورنمنٹ ہاؤس تشریف لے چلیں اور عبیداللہ بن زیاد سے گفتگو کر کے معاملہ طے فرمالیں۔حضرت مسلم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں بھی جنگ نہیں چاہتا۔اس وقت تو میں کیا جنگ کروں گا؟ جب چالیس ہزار کا لشکر میرے ساتھ تھا۔اس وقت بھی میں نے لڑنے کا ارادہ نہیں کیا اور گفتگوئے مصالحت کا انتظار کرتا رہا۔میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور میں بخوشی ابن زیاد سے گفتگو کر کے تمام حجت کے لئے تیار ہوں۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت

چنانچہ یہ دونوں مکار حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں فرزندوں کو انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ لے کر قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ابن زیاد بدنہاد نے پہلے ہی سے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ ننگی تلواریں کھینچے کھڑے رہو اور جوں ہی حضرت مسلم رضی اللہ عنہ قلعہ کے دروازے میں داخل ہوں فوراً انہیں دھوکے میں قتل کر ڈالو۔چنانچہ بہت سے شقی دروازے کو دونوں جانب ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے اور جیسے ہی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ قلعہ کے پھاٹک میں داخل ہوئے۔سفاکوں نے اچانک آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔آپ اس وقت رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ کی آیت تلاوت فرمارہے تھے اور قبل

اس کے آپ اپنی تلوار کو نیام میں نکال کر حملہ فرمائیں کسی بدنصیب نے ایسی تلوار ماری کہ آپ شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ پھر آپ کے دونوں صاحب زادوں کو بھی ظالموں نے اپنی تیغ ستم سے شہید کر دیا اور آپ کے مہربان میزبان ہانی بن عروہ کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا اور ان سب شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھرا کر خوب خوب اپنی بے حیائی و شقاوت و سنگ دلی و مہمان کشی کا مظاہرہ کیا۔

برادرانِ ملت! کوفہ والوں کی اس بدعہدی دغابازی اور بے وفائی پر قیامت تک آنے والی نسل انسانی نفرت و ملامت کرتی رہے گی کہ ایسے معزز و محترم مہمان کہ جسے بڑی بڑی تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ ڈیڑھ سو عرضیاں بھیج کر بلایا اور پھر اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی نصرت و حمایت کا عہد محکم کیا اور پھر اس طرح اسے بے کسی و بے بسی کے عالم میں خونخوار دشمنوں کے حوالہ کر دیا کہ وہ اور اس کے ننھے ننھے بچے ان کوفیوں کے سامنے تہ تیغ کر دیئے گئے اور یہ بے حیا و بے غیرت قوم ان مظلموں کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ و بازار میں پھرانے کا تماشہ دیکھتی رہی۔

حضرات گرامی! حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں کی شہادت ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو ہوئی اور یہی وہ تاریخ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت مسلم کا خط پڑھ کر اپنے اہل عیال کے ہمراہ مکہ مکرمہ سے کوفہ کو روانہ ہوتے ہیں اور امام عالی مقام کو کچھ بھی پتا نہیں ہے کہ وہاں حضرت مسلم پر خط تحریر کرنے کے بعد کیا گزری؟

حضرت امام رضی اللہ عنہ کوفہ روانہ ہوئے

حضرات گرامی! میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کا خط ملاحظہ فرما لینے کے بعد کوفیوں کی دعوت قبول فرما لینے میں تشویش و تردد کی کوئی بات ہی نہ تھی اور چالیس ہزار انسانوں کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جانے اور بیعت کر لینے کے بعد کسی قسم کے خوف و ہراس کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور کوفہ کے "شیعان علی" کے عذر اور بے وفائی کا بظاہر کوئی شبہ تک نہ تھا۔ اس لئے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے سفر کوفہ کا عزم فرمالیا اور ۳ ذوالحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل و عیال اور عزیزوں اور رفیقوں اور غلاموں کو ساتھ لے کر کل بیاسی آدمیوں کے قافلہ سالار بن کر آپ مکہ مکرمہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں ستر یا بہتر سوار اور باقی پیادہ پا تھے۔

حضرات! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلم رضی اللہ عنہ کے خط سے پورا پورا اطمیان ہو چکا تھا مگر پھر بھی اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کو اصرار کے ساتھ اس سفر سے روک رہے تھے۔

خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ عمر' حضرت جابر' حضرت ابوسعید خدری' حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہم تو آپ اس سفر سے روکنے کے لئے انتہائی اصرار بلیغ کر رہے تھے اور سب کے سب آخر تک یہ کوشش کرتے رہے کہ آپ کوفہ تشریف نہ لے جائیں۔ لیکن حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ ان مخلص صحابہ کرام کی استدعا قبول فرمانے سے مجبور تھے۔ کیونکہ آپ کو یہ خیال تھا کہ چالیس ہزار عقیدت مندوں کی مخلصانہ التجاؤں کو جو دین کی حمایت و پاسداری کے جذبات سے بھری ہوئی ہیں۔ ٹھکرا دینا اہل بیت نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کے شایان شان نہیں ہے۔ پھر حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے دعوت نامہ کو رود کرنا اور ان کی پر خلوص استدعا کو بے التفاتی کی نظر سے دیکھنا بھی ہرگز ہرگز امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کو گوارا نہیں ہو سکتا تھا اس لئے حضرت امام رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعینکی استدعا کو قبول فرمانے سے معذرت فرمادی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے روتے ہوئے آپ کو رخصت فرمایا۔

برادران ملت! حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کوفیوں کی بدعہدی کا تجربہ تھا اس لئے وہ ان کی طرف سے ہرگز مطمئن نہ تھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اے امام رضی اللہ عنہ! اگر آپ کسی کی بات نہیں مانتے اور کوفہ کے سفر پر آپ کو اصرار ہی ہے تو کم از کم میری اتنی ہی عرض داشت قبول فرمالیجئے کہ عورتوں اور بچوں کو ہمراہ نہ لے جایئے۔ مگر آپ اس پر بھی راضی نہ ہوئے۔ برادران ملت! اصل بات تو یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا مٹنے والا نہیں۔ بہت ہی سچ کہا ہے کہ کسی شاعر نے۔

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر' ساری عمر گو سیتی رہے

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تقدیر میں تو غربت و مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں میدان کربلا کے اندر شہادت لکھی ہوئی تھی۔ اس لئے بھلا آپ کوفہ کیوں نہ تشریف لے جاتے۔ آپ کو تو شہادت کی کشش کھینچے لئے جا رہی تھی اور حضرت امام رضی اللہ عنہ کا اس وقت وہی حال تھا جو کسی نے کہا ہے کہ۔

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
عشق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

برادران اسلام! بہرحال حضرت امام رضی اللہ عنہ اپنے بیاسی انسانوں کے مختصر قافلہ کے ساتھ کوفہ روانہ ہو گئے۔ اس مقدس قافلہ میں اہل بیت نبوت کے کون کون سے شہزادے

تھے؟ میں چاہتا ہوں کہ ان کی فہرست بھی آپ کو سنادوں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ خاندانِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کیسے کیسے روشن ستارے کربلا کی زمین میں غروب ہوئے اور کیسے کیسے انمول لعل و گوہر اس دشت کربلا میں مدفون ہوئے۔

کربلا جانے والے اہل بیت

میرے بزرگو اور بھائیو! اس سفر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے تین فرزند ہمراہ تھے۔ حضرت علی اوسط جن کا لقب زین العابدین ہے۔ یہ حضرت شہر بانوں کے بطن سے تھے۔ ان کی عمر اس وقت بائیس سال کی تھی اور بیمار تھے۔ امام عالی مقام کے دوسرے صاحبزادے علی اکبر یعلیٰ بنت ابی مرہ کے شکم سے تھے ان کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔ یہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام عالی مقام کے تیسرے فرزند علی اصغر جن کی والدہ بنی قضاء میں سے تھیں۔ یہ شیر خوار بچے تھے۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں جن کی عمر سات برس کی تھی اور ان کی والدہ کا نام رباب بنت امراءالقیس تھا۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں تھیں ایک حضرت شہر بانو اور دوسری حضرت علی اصغر رضی اللہ عنہ کی والدہ۔ ان کے علاوہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے چار نوجوان فرزند حضرت قاسم بن حسن، حضرت عبداللہ بن حسن، حضرت عمر بن حسن، حضرت ابو بکر بن حسن رضی اللہ عنہم بھی امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور یہ سب کربلا میں شہید ہوئے اور حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پانچ فرزند حضرت عباس بن علی، حضرت عثمان بن علی، حضرت عبداللہ بن علی، حضرت محمد بن علی، حضرت جعفر بن علی رضی اللہ عنہم ہمراہ تھے۔ یہ سب جام شہادت سے سیراب ہوئے اور حضرت عقیل بن طالب کی اولاد میں حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ تو اپنے دو فرزندوں محمد اور ابراہیم کے ساتھ کوفہ میں شہید ہو چکے تھے لیکن تین فرزند حضرت عبداللہ بن عقیل، حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل، حضرت جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہم بھی ہمراہ تھے۔ مسلم بن عقیل کربلا میں حاضر ہو کر شہید ہوئے۔ اسی طرح حضرت امام رضی اللہ عنہ کے دو بھانجے حضرت محمد بن عبداللہ اور حضرعون بن عبداللہ جو امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے صاحب زادگان ہیں کربلا میں یہ دونوں بھی شہادت سے سرفراز ہوئے۔ عورتوں میں سے حضرت امام کی بہن حضرت زینب اور دوسرے شہدائے اہل بیت کی بیویاں بھی ہمراہ تھیں۔ اہل بیت میں سے سترہ حضرات امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ رتبہ شہادت سے مشرف ہوئے اور حضرت امام زین العابدین (بیمار)

اور دوسرے کم عمر شہزادگان مثلاً عمر بن حسن اور محمد بن عمر بن علی قیدی بنائے گئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔(سوانح کربلا)

حضرات حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ بہت تیزی کے ساتھ سفر فرما رہے تھے۔جب آپ ایک مشہور منزل "ذات عرق" پر پہنچے تو "بشری بن غالب اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔جو حضرت امام رضی اللہ عنہ نے ان سے کوفہ کا حال دریافت فرمایا تو انہوں نے خواب دیا کہ "اہل کوفہ کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے اور آگے بڑھے تو مشہور شاعر "فرزدق" سے ملاقات ہوئی۔" اس نے بھی یہی جواب دیا۔بہرحال حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اپنا سفر جاری رکھا۔یہاں تک کہ "بطن الرمہ" کے مقام پر عبیداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔یہ اہل بیت کے بہت ہی جاں نثار اور شیدائی تھے۔انہوں نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو انتہائی اصرار کے ساتھ اس سفر سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ اہل کوفہ پر ہرگز ہرگز اعتماد نہ فرمائیں۔کوفہ میں اب تک یزید کا گورنر موجود ہے اور وہاں آپ کا تشریف لے جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔مگر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی وہی جواز دیا کہ جو مکہ مکرمہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیا تھا اور یہ فرما کر آپ آگے بڑھ گئے کہ لَنْ يُّصِيْبَنَا اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا یعنی ہمیں وہ مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہماری لئے مقدر فرمادی ہے۔

حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر

الغرض حضرت امام منزل بہ منزل سفر فرماتے ہوئے جا رہے تھے اور اب تک کوفہ میں امام مسلم رضی اللہ عنہ کی شہادت اور وہاں کے انقلابی حالات سے بالکل ہی بے خبر تھے کہ ایک دم ناگہاں منزل "ثعلبیہ" پر "بکر اسدی" سے ملاقات ہوئی جو کوفہ سے آ رہے تھے انہوں نے قدم بوس ہو کر کوفہ کی تازہ ترین حالات سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو آگاہ کیا اور حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں کی شہادت کے عبرت خیز اور دردناک حالات کو مفصل طور پر بیان کیا۔حضرت امام رضی اللہ عنہ کوفیوں کی غداری اور عہد شکنی کی داستان سن کر حیران رہ گئے اور شدت غم سے دل مسوس کر بے چین و بے قرار ہو گئے۔اتنے میں حضرت مسلم رضی اللہ عنہ شہید کی ایک چھوٹی بچی جو اس سفر میں ساتھ تھیں۔حضرت امام رضی اللہ عنہ کے سامنے آ گئیں۔حضرت امام رضی اللہ عنہ نے انہیں انتہائی محبت و شفقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور ان کے سر پر دست شفقت پھیرنے لگے اور بے

اختیار آنسوؤں کی دھار آپ کی مقدس رخسار پر جاری ہوگئی۔ وہ شہزادی ان قرائن سے تاڑ گئیں اورعرض کرنے لگیں کہ چچا جان آج تو آپ میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں جس طرح یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے میں آپ کو پروردگار کی قسم دلاتی ہوں سچ سچ بتایئے؟ کیا میرے بابا جان شہید تو نہیں ہو گئے؟ بچی کے اس سوال پر حضرت امام رضی اللہ عنہ کا دامن صبر تار تار ہو گیا اور آپ بے اختیار شدت غم سے بے قرار ہو کر زار زار رونے لگے اور تمام اہل بیت نبوت آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ نے حضرت مسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے فرزندوں کی شہادت اور کوفیوں کی بدعہدی کا سارا حال سنایا۔ یہ سن کر بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے ابن رسول! اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ اپنے اور اپنے اہل بیت پر رحم فرمائیں اور یہیں سے واپس تشریف لے چلیں۔ چنانچہ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے واپسی کا ارادہ فرمالیا مگر حضرت مسلم رضی اللہ عنہ کے بھائیوں نے رو رو کر عرض کیا کہ اے امام رضی اللہ عنہ! اب بھائی کی ایسی دردناک اور مظلومانہ شہادت کے بعد ہم لوگ زندہ رہ کر کیا کریں گے؟ واللہ! ہم تو ضرور کوفہ جائیں گے اور اپنے بھائی اور بھتیجوں کے خون ناحق کا بدلہ لیں گے یا خود بھی شہید ہو کر خلد بریں میں اپنے بچھڑے ہوئے بھائی سے جاملیں گے۔ یہ سن کر امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہت اچھا! اگر تم لوگوں کی یہی خوشی ہے کہ تو چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ جو تمہارا حال ہوگا وہ میرا حال بھی ہوگا کیونکہ تمہارے بعد میری زندگی بے لطف اور میرا جینا وبال ہوگا۔ چنانچہ قافلہ آگے چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ناگہاں یہ نظر آیا

حر اور ایک ہزار سوار

کوفہ کا ایک مشہور بہادر اور جنگجو شہسوار حر بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوا ہے۔ حر نے حضرت امام رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اے فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے کوفہ کے یزیدی گورنر عبید اللہ بن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لیے بھیجا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ معذرت بھی پیش کی ہے کہ خدا گواہ ہے کہ میں بادل ناخواستہ آیا ہوں اور مجھے آپ کی مقدس جناب میں بال برابر جرات و گستاخی بھی انتہائی ناگوار ہے لیکن میں اس ظالم کے حکم سے مجبور ولاچار ہوں۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے حر! میں اس شہر میں خود بخود نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اہل کوفہ نے مجھے ڈیڑھ سو خطوط لکھ کر بلایا ہے اور یہ خطوط اکثر ان ہی لوگوں کے دستخط اور مہر سے لکھے گئے ہیں جو اس وقت تمہارے اس لشکر میں میری

گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔ حر نے قسم کھا کر کہا کہ واللہ! مجھ کو اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے کہ آپ کے پاس کب خطوط بھیجے گئے؟ اور کن کن لوگوں نے خطوط بھیجے؟ اور میں نہ آپ کو چھوڑ سکتا ہوں اور نہ واپس لوٹ سکتا ہوں یہ سن کر حضرت امام رضی اللہ عنہ نے خطوط کا تھیلا الٹ دیا اور فرمایا کہ دیکھ لو یہ خطوط کا انبار ہے ان کو پڑھ لو۔ ان کی مہریں دیکھ لو۔ پھر آپ نے نام لے لے کر پکارا کہ اے شیث ربعی! اے قیس بن اشعث! اے زید بن حارث! سچ سچ بولو! کیا تم لوگوں نے عرضیاں لکھ لکھ کر اور قسمیں دے دے کر مجھے نہیں بلایا ہے؟ امام رضی اللہ عنہ کی پکار سن کر یہ سب بے حیا اور نابکار شرم سے گردنیں جھکائے کھڑے رہے اور کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد امام رضی اللہ عنہ نے تمام حجت کیلئے یہ بھی فرمایا کہ بہر حال اے کوفیو! اگر تم لوگ اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں قدم رکھوں ورنہ میں اس کے لئے تیار ہوں کہ یہیں سے واپس اپنے وطن چلا جاؤں۔

حضرات! ابھی حر سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک دم نہایت ہی تیزی کے ساتھ سانڈنی سوار آیا اور عبید اللہ بن زیاد کا یہ خط حر کو دیا کہ جس مقام پر تمہیں میرا خط ملے ۔تم حضرت امام رضی اللہ عنہ کو اسی مقام پر روک لو نہ انہیں کوفہ شہر میں داخل ہونے دو اور نہ وطن واپس لوٹنے دو۔ خط پڑھ کر حر نے عرض کیا کہ اے ابن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! دیکھ لیجئے آپ کو گرفتار کرنے کے لئے عبید اللہ بن زیاد کا کس قدر اصرار ہے؟ اس لئے اب میں بالکل ہی مجبور و لاچار ہوں کہ میں آپ کو کسی طرح چھوڑ نہیں سکتا۔ حر نے یہ کہا لیکن شدت غم سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھرانے لگی۔

برادران ملت! اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حر کے دل میں اہل بیت کی بے پناہ عظمت تھی چنانچہ وہ نمازوں میں برابر حضرت امام رضی اللہ عنہ ہی کی اقتدا کرتا رہا۔ لیکن وہ ابن زیاد بدنہاد کے ظلم و استبداد سے لاچار و مجبور تھا اور اس کو یہ ڈر تھا کہ اگر بال برابر بھی وہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی رعایت کرتا تو ایک ہزار لشکر کی موجوگی میں یہ راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگر ابن زیاد کو پتا چل جاتا تو وہ حر اور اس کے پورے خاندان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔ اسی خوف سے حر اپنی بات پر اڑا رہا۔ یہاں تک کہ جگر گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرزند بتول رضی اللہ عنہا کوفہ کی راہ سے ہٹ کر کربلا کی اس بے آب و گیاہ سرزمین میں اترنا پڑا۔ جہاں سر چھپانے کو درخت کا ایک پتہ اور پیاس بجھانے کو پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہیں تھا۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ کربلا میں

حضرات! ۲ محرم ۶۱ ھ کی تاریخ اسلامی تاریخ میں وہ ناقابل فراموش تاریخ ہے کہ اسی تاریخ میں ابن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کے ایک مختصر سے قافلہ کے ساتھ کربلا میں نزول فرمایا۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اس مقام کا نام دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ اس میدان کا نام کربلا ہے۔ کربلا کا نام سنتے ہی حضرت امام رضی اللہ عنہ کا ماتھا ٹھنکا۔ کیونکہ بچپن ہی سے آپ کی شہادت کی شہرت تھی اور حضرت امام رضی اللہ عنہ کو خوب معلوم تھا کہ کربلا کا میدان ہی وہ خوفناک بیابان ہے جہاں اہل بیت نبوت کا مقدس خون نہایت بے دردی کے ساتھ بہایا جائے گا اور اس بیابان کا راز شہدائے اہل بیت کے خون سے رنگین ولالہ زار بنایا جائے گا۔

برادرانِ ملت! ابھی حضرت امام رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں اطمینان سے بیٹھے بھی نہ پائے تھے اور آپ کا سارا سامان یوں ہی بے ترتیب ادھر ادھر پڑا ہوا تھا کہ ایک دم کوفہ سے عبید اللہ بن زیاد کا قاصد یہ خط لے کر پہنچتا ہے کہ آپ یزید کی بیعت کیجئے یا جنگ کے لئے تیار ہو جایئے۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھ کر حقارت کے ساتھ زمین پر ڈال دیا اور فرمایا کہ ”میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں ہے۔“

برادرانِ اسلام! کیا ستم ہے؟ کہ ڈیڑھ سو خطوط بھیج کر آپ کو بلایا تو اس لئے گیا ہے کہ اہل کوفہ وعراق آپ کے دست حق پرست پر بیعت کریں گے۔ لیکن جب وہ معزز مہمان سفر کی مشقتیں برداشت کر کے تشریف لاتے ہیں تو ان کا حق مہمانی اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ زہر میں بجھائے نیزے اور چمکتی ہوئی برہنہ تلواریں دکھا کر انہیں یزید پلید جیسے عیب مجسم کی بیعت پر مجبور کیا جاتا ہے۔ جس کی بیعت کسی طرح امام کے لئے جائز ہی نہیں تھی۔ اللہ اکبر! ان کوفیان پر دغا او دشمنان بے حیا کو ذرا بھی غیرت نہیں آئی کہ جس مہمان مکرم کو ہزاروں تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ بلایا ہے اس کیساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ مسلمانو! غالباً دنیا میں ایسے عظیم الشان مہمان کے ساتھ اتنے بڑے ظلم وعدوان کا بدترین سلوک نہ کبھی ہوا ہے نہ آئندہ کبھی ہوگا جو فاطمہ کے لعل اور علی کے نونہال کے ساتھ کوفیان بدخصال نے روا رکھا۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ کو ان غداروں کی بدعہدی پر انتہائی حیرت تھی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے پاس اس خط کا کوئی جواب نہیں۔

حضرات! ابن زیاد حضرت امام کا جواب سن کر اور زیادہ آتش غیظ وغضب میں جل کر کباب ہو گیا اور انتہائی طیش میں آ کر لشکروں کو تیاری کا حکم دے دیا اور عمر بن سعد کو اس لشکر جرار کا سپہ سالار بنا کر

زمین کربلا کی طرف مارچ کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔

ابن سعد

حضرات! ابن سعد ایک جنتی صحابی سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور وہ اہل بیت کی عظمت و جلالت سے خوب واقف تھا۔ اس لئے وہ اس فوج کا سپہ سالار سے پہلوتہی کرنے لگا۔ بلکہ صاف انکار کر دیا کہ میں فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون ناحق سے اپنے دامن کو داغدار نہیں کر سکتا۔ مگر ابن زیاد نے اس کو مجبور کر دیا کہ یا تو وہ ایران کی گورنری سے دست بردار ہو جائے یا حضرت امام رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

حضرات گرامی! حرصِ دنیا اور حکومت کی طمع وہ بری بلا ہے کہ جب یہ عفریت بن کر کسی کے سر پر سوار ہوتی ہے تو وہ کتنا استقامت کا پہاڑ کیوں نہ ہو۔ مگر اس کے قدم کو متزلزل ہی کر دیتی ہے۔ چنانچہ ابن سعد گورنری کے لالچ میں باوجود ناگوار سمجھنے کے حیدر کرار کے گوہر آبدار' جوانان جنت کے سردار' حسین نامدار کا گلا کاٹنے کے لئے تیار ہو گیا اور پانچ ہزار پیادہ و سوار کی فوج جفا کار کا سپہ سالار بن کر کربلا کے میدان کارزار کی طرف روانہ ہو گیا اور ساتویں محرم منگل کے دن کربلا میں پہنچ کر دریائے فرات کے کنارے پڑاؤ کیا اور اپنا فوجی مرکز قائم کیا اور پانچ سو مسلح سواروں کا دریائے فرات کے کنارے پہرہ بٹھا دیا کہ خبردار! پانی کا ایک قطرہ بھی ساقی کوثر کے فرزند اور اہل بیت کے خیمہ اطہر کے اندر پہنچنے نہ پائے اور ابن زیاد بدنہاد برابر کوفہ سے فوجیں روانہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ابن زیاد کے پاس بائیس ہزار پیادہ و سوار جمع ہو گئے۔ (سوانح کربلا)

برادرانِ اسلام! کتنی حیرت کا مقام ہے کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے ساتھ کل بیاسی انسانوں کا قافلہ ہے۔ ان میں عورتیں بھی ہیں اور بچے بھی بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ ان ہی بیاسی مسافروں میں عابد بیمار بھی ہیں اور اصغر شیر خوار بھی۔ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے بھی نہیں آئے ہیں اور ان لوگوں کے پاس سامان جنگ اور کافی ہتھیار بھی نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے مقابلے کے لئے بائیس ہزار کا لشکر تیار کر کے بھیجا جاتا ہے۔ مگر اس پر بھی کوفہ کے بڑے بڑے دلاوروں اور جنگ بہادروں کے دل لرز رہے ہیں اور خوف دہشت سے لرزہ براندام ہو رہے ہیں۔

برادرانِ ملت! کیوں نہ ہو؟ ان روباہ صفت کوفیوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج ہم کس سے جنگ کرنے کے لئے آئے ہیں؟ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آج فاتح خیبر علی حیدر اسد اللہ الغالب' علی بن ابی طالب کی کچھار کے شیران حق سے مقابلہ ہے اور انہیں اس بات کا پورا پورا یقین

تھا کہ۔

علی کا گھر بھی وہ گھر ہے کہ جس گھر کا ہر ایک بچہ
جہاں پیدا ہوا شیر خدا معلوم ہوتا ہے

اہل بیت پر پانی بند

حضرات! ان دنیا کے کتوں کو اچھی طرح تجربہ تھا کہ ہم ان خدا کے شیروں کے مقابلہ کی تاب نہیں لاسکتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان ظالموں نے یہ تدبیر اختیار کی کہ پہلے ان شیر خدا کے شیروں پر پانی بند کر کے انہیں پیاس کی شدت سے نڈھال کر دیا جائے اور جب یہ بالکل ہی مضمحل اور جاں بلب ہو جائیں تو ان سے جنگ شروع کی جائے۔ اسی لئے ابن سعد نے حکم دیا کہ دریائے فرات کا ٹھنڈا ٹھنڈا میٹھا پانی یہود و نصاریٰ نوش کر سکتے ہیں۔ کفار و مشرکین اس سے سیراب ہو سکتے ہیں۔ کتے اور خنزیر بھی پی سکتے ہیں مگر ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نونہال اور فاطمہ کے لال کو اس پانی کا ایک قطرہ بھی نہ دیا جائے۔ اللہ اکبر۔

تیری قدرت جانور تک آب سے سیراب ہوں
پیاس کی شدت سے تڑپتے بے زبان اہل بیت

برادرانِ ملت! کیا تاریخ اسلام کا یہ قیامت نما سانحہ کبھی بھی نسل انسانی فراموش کر سکتی ہے؟ کہ دریا کے کنارے ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے فاطمہ زہرا کی آنکھوں کے تارے پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے تڑپتے تھے۔ اللہ اللہ کتنا ہوش ربا اور روح فرساوہ منظر ہوگا؟ کہ گلشن فاطمہ کا سب سے ننھا پودا دودھ پیتا بچہ ''علی اصغر'' ماں کی گود میں بھوک پیاس سے تڑپ رہا ہے تین دن کی بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے۔ بھوکا پیاسا بچہ بار بار ماں کے سینے میں منہ لگاتا ہے مگر جب اسے دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں ہوتا تو وہ کبھی بلک بلک کر زار زار روتا ہے اور کبھی بسور بسور کر منہ بگاڑتا ہے۔ کبھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی ماں کا اداس چہرہ دیکھتا ہے۔ کبھی ماں کی گود میں مچل مچل کر اپنی سوکھی زبان اپنے خشک ہونٹوں پر پھیرتا ہے۔ بے زبان بچہ بول نہیں سکتا مگر حیران ہے کہ میری ماں کے سینے میں جو رحمت کے دو چشمے تھے وہ آج کیوں خشک ہو گئے؟ میں پہلے اسی سینے سے منہ لگاتا تو میرا منہ دودھ سے بھر جاتا تھا۔ مگر آج کیا ہو گیا کہ ان دودھ کے چشموں سے مجھے ایک قطرہ بھی دودھ نہیں مل رہا ہے؟ اللہ اللہ! ریگستانی میدان، چلچلاتی ہوئی دھوپ، گرم گرم ریت، جھلستی ہوئی لو کے تھپیڑے، علی اصغر شیر خوار

کے پتلے پتلے نرم و نازک گلابی ہونٹ جن کی نزاکت پر گلاب کی ننھی ننھی پنکھڑیاں قربان ہوتی تھیں۔ آج اس قیامت نما گرمی کی شدت اور پیاس کی تپش سے خشک ہو کر کالے پڑ گئے ہیں اور یہ نور کی تصویر پیاس کی شدت سے جاں بلب ہے۔ ماں تا کی ماری دکھیاری ماں جو خود بھی بھوک پیاس سے مضمحل تھی اپنے اس نور نظر کی بے قراری اور گریہ زاری کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بے تاب ہو جاتی تھی اور بار بار اس کے سینے میں صدمات سے شیشہء دل پاش پاش ہو جاتا تھا مگر صبر و شکر کے سوا ان استقامت کے مجسموں کی زبان پر کوئی دوسرا لفظ نہیں آتا تھا۔ اللہ اللہ! ۔

وہ جلتی ریت کی گرمی وہ دھوپ اور پیاس کی شدت
کریں صبر و تحمل، میر کوثر ایسے ہوتے ہیں

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی استقامت

الغرض دوسری محرم سے دسویں محرم تک اسی طرح اہل بیت کا یہ مظلوم قافلہ کربلا میں مقیم رہا اور روزانہ ابن زیاد کا قاصد یہی پیغام لاتا رہا کہ اے امام رضی اللہ عنہ! اگر آپ اپنا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر اس کی بیعت فرمالیں تو یہ بائیس ہزار کا لشکر جو آپ کے خون کا پیاسا کھڑا ہے آپ کے قدم دھودھو کر پیئے گا اور یزید آپ کی مقدس جوتیوں کو اپنا تاج بنا کر اپنے خزانوں کی کنجیاں آپکے قدموں پر ڈال دے گا۔ آپ کو عزت و دولت ملے گی۔ کسی صوبے کی گورنری اور حکومت بھی ملے گی اور اے امام! اگر آپ نے یزید کی بیعت نہیں کی تو آپ اور آپ کے اہل بیت کے مقدس خون سے کربلا کی زمین رنگین بنادی جائے۔ آپکے ننھے ننھے بچے قتل کر دیئے جائیں گے اور آپ کی گود کے پالے نونہال کو آپ کی نظروں کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور پھر ان شہیدوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر ان کی ہڈیوں کو چکنا چور کر دیا جائے اور ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور دمشق کے بازاروں میں پھرایا جائے گا اور ان کی لاشیں کربلا کی زمین میں بے گور کفن پڑی رہیں گی۔ کوفہ کے غنڈے آپ کے خیمہ کو لوٹ کر جلا دیں گے اور اہل بیت کی شہزادیوں اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ان عفت مآب بیٹیوں کو جنہوں آفتاب و ماہتاب کو نگاہوں میں احترام کے سبب اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ بے پردہ اونٹوں پر بٹھا کر بلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک چلنے پر مجبور کیا جائے گا۔

الغرض حضرت امام رضی اللہ عنہ کو اس قدر لالچ دی گئی اور حرص و طمع کے ایسے ایسے سنہرے اور دل کش مناظر امام رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کئے گئے کہ اگر ہمالیہ بھی ہوتا تو اس کے پائے

استقامت میں لغزش آ جاتی اور اس قدر ڈرایا گیا کہ اور ایسی ایسی خوفناک دھمکیوں سے مرعوب کیا گیا کہ اگر رستم بھی ہوتا تو اس کے حوصلے پست ہو جاتے اور وہ مارے دہشت کے ان ظالموں کے سامنے سر نیاز جھکا دیتا۔ مگر برادرانِ ملت! فرزند فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا جن کے خون کے قطرے قطرے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون شامل تھا وہ ان آفات و مصائب کے ہجوم میں بھی عزم و استقلال کا پہاڑ بن کر کھڑے رہے اور نقصان مال و جان کے بڑے بڑے طوفان میں بھی ان کے پائے استقامت کو لغزش و جنبش نہیں ہوئی اور آپ ہمیشہ یہی جواب دیتے رہے کہ اے کوفیو اور یزیدیو! میں اس وقت ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوا ہوں کہ جہاں سے دو راستے نکلتے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ میں یزید کی بیعت کر لوں تو یہ صحیح ہے کہ مجھے عزت و دولت اور کسی صوبے کی گورنری ضرور ملے گی اور یزید میرا ممنون احسان مند ہو کر مجھ پر جان و مال سے قربان ہو جائے گا لیکن اس کا انجام یہ ہوگا کہ میرا پاک ہاتھ یزید کے ناپاک ہاتھ پر پہنچتے ہی دین محمدی کا پرچم سرنگوں ہو جائے گا اور اسلام کا وہ درخت جس کو میرے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے خون سے سینچ سینچ کر ہرا بھرا کیا ہے۔ ایک دم اس کی شاخیں او ٹہنیاں بے دینیوں کی باد صرصر سے تاخت و تاراج ہو جائیں گی اور عظمت اسلام فنا اور شوکت دین مٹ جائے گی اور دوسرا راستہ ہے کہ میں یزید کی بیعت نہ کروں تو یہ بالکل صحیح ہے کہ میں اور میرے اہل بیت انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے جائیں گے اور پھر ان شہیدوں کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کر ان کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کوچہ بازار میں گشت کرایا جائے گا اور اہل بیت اطہار کو بے پناہ مصائب اور نقصانِ جان و مال سے دو چار ہونا پڑے گا لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پرچم اسلام کی عظمت کا نشان بلند سے بلند ہو جائے گا اور شہداء کربلا کے خون سے سیراب ہو کر اسلام کا ہرا بھرا درخت اس قدر سر سبز و شاداب ہو جائے گا کہ قیامت تک الحاد و بے دینی کی کوئی خزاں اس کے موسم کو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ کر سکے گی۔ لہٰذا اے یزیدیو! میرا آخری فیصلہ یہی ہے کہ ہم خود بہتر زخم کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑیں گے مگر ہم کسی حال میں بھی اسلام کے پرچم عظمت کو سرنگوں نہیں ہونے دیں گے۔ کٹ جائیں گے مگر ہم قرآن کا ایک لفظ بھی کٹنے نہیں دیں گے، ہم مٹ جائیں گے مگر فرمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک زیر زبر بھی مٹنے نہیں دیں گے اور آخری دم تک ہمارا یہی نعرہ اور اعلان رہے گا کہ

جو جان مانگو تو جان دیں گے جو مال مانگو تو مال دیں گے
مگر نہ ہوگا یہ ہم سے ہرگز نبی کا جاہ و جلال دیں گے

چنانچہ کربلا کا ذرہ ذرہ گواہ ہے کہ فاطمہ کے لال نے دنیا کی دولت وحکومت پر ٹھوکر مار کر راہ حق میں آنے والی تمام مصیبتوں کا خوش دلی کے ساتھ خیر مقدم کیا اور اپنا گلا کٹانا اور گھر لٹانا گوارا کر لیا مگر یزید پلید کی بیعت کر کے اسلام کے دامن تقدس کو داغدار کرنا منظور نہیں فرمایا۔ سبحان اللہ!

گھر لٹانا سر کٹانا کوئی تجھ سے سیکھ لے
جان عالم ہو فدا اے خاندان اہل بیت

برادرانِ ملت!

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اس جنگ کو ٹالنے کی انتہائی جدوجہد فرمائی لیکن جفا کار وستم گار قوم نے مصالحت کی کوئی بات ہی منظور نہیں کی اور حضرت امام کو یقین ہو گیا کہ اب اس جنگ کو دفع کرنے کا کوئی طریقہ باقی ہی نہیں رہ گیا کیونکہ یہ لوگ نہ شہر کوفہ میں داخل ہونے دیتے ہیں نہ یزید کے پاس لے جانے پر رضامند ہوتے ہیں نہ وطن جانے دیتے ہیں نہ ملک چھوڑنے پر ان کو تسلی ہوتی ہے اس وقت مجبوراً حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اپنے خیمہ کے گرد ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ خندق کھودی گئی اور صرف ایک راستہ رکھا گیا جہاں سے نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے اور خندق میں آگ جلا دی گئی تاکہ اہل خیمہ دشمنوں کی یلغار سے محفوظ رہیں۔

دسویں محرم کا قیامت نما دن

حضرات! دسویں محرم ۶۱ھ جمعہ کا پر آشوب دن آ گیا اور دنیا سے سفر کرنے والے غریب الوطن مسافروں نے اپنی زندگی کی آخری نماز فجر ادا کر لی۔ ادھر سورج طلوع ہوا۔ ادھر ابن سعد نے اپنے بائیس ہزار لشکر کو ان غریبان بے وطن کا خون بہانے کے لئے میدان میں لا کر جنگ کا نقارہ بجا دیا اور خود پہلا تیر چلا کر جنگ کی ابتدا کر دی گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفرزند بتول رضی اللہ عنہ پر چلایا ہے۔

حضرات! حضرت امام رضی اللہ عنہ یہ منظر دیکھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر اتمام حجت کے لئے میدان کارزار میں تشریف لائے اور خون ناحق کا عذاب سنا کر اور اپنے حسب ونسب اور فضائل کا بیان کر کے ستم گاروں کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش فرمائی۔ لیکن حضرت امام رضی اللہ عنہ کا خطبہ ابھی تمام بھی نہیں ہوا تھا کہ ستم شعاروں نے شور وغل مچانا شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ اے امام! ہم آپ کے فضائل سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے اس وقت تو جنگ

کے لئے آپ کسی کو میدان میں بھیجئے۔

کربلا میں حسینی کرامات

حضرات! ظالموں کا یہ گستاخانہ جواب سن کر حضرت امام رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہو گئے اتنے میں یزید کے لشکر کا ایک بے باک مالک بن عروہ گھوڑا کدا کر سامنے آ گیا اور اس نے جب خیمہ کے گرد آگ دیکھی تو انتہائی بے ادبی کے ساتھ یہ کہا کہ اے حسین تم نے وہاں کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی؟ حضرت امام نے فرمایا کہ:

كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ　　　اے دشمن خدا تو جھوٹا ہے کیا تیرا گمان یہ ہے کہ جہنم میں جاؤں گا۔

امام کے جان نثاروں میں سے حضرت مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ نے انتہائی طیش میں آ کر اس بدزبان کے منہ پر تیر مارنے کی اجازت طلب کی۔ مگر حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہیں نہیں! ہماری طرف سے ہرگز کوئی جنگ کی ابتداء نہ کرے تا کہ ہمارے خون ناحق کا پورا پورا وبال ان ہی ظالموں کی گردن پر رہے۔ لیکن حضرت امام رضی اللہ عنہ نے مجروح دل سے یہ دعا مانگی کہ خداوند تو اس بدنصیب کو نار دوزخ سے پہلے ہی آگ کے عذاب میں مبتلا کر۔ چنانچہ فوراً ہی مالک بن عروہ کا گھوڑا پھسلا اور یہ اس طرح گرا کہ گھوڑے کی رکاب میں اسکا پاؤں الجھ گیا اور گھوڑا اس کو گھسیٹتے ہوئے خندق کی طرف لے بھاگا اور یہ خندق کی آگ میں گر کر خاک کا ڈھیر ہو گیا۔

اسی طرح ایک اور دریدہ دہن نے یہ کہہ دیا کہ "اے حسین رضی اللہ عنہ" تم کو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ اس لفظ سے حضرت امام رضی اللہ عنہ کا جگر شق ہو گیا اور آپ نے جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی تو فوراً اس بے باک کو قہر میں گرفتار کر۔ چنانچہ ایک دم اس خبیث کو بیت الخلاء کی حاجت ہوگئی اور یہ ننگا ہو کر ایک جھاڑی میں قضائے حاجت کے لئے بیٹھا۔ اچانک ایک سیاہ زہریلے بچھو نے اسکو ڈنگ مارا اور یہ درد سے بلبلاتا ہوا نجاست میں لت پت ہو کر بھاگا اور لشکر کے سامنے تڑپ تڑپ کر ذلت و رسوائی کی موت مر گیا۔

اسی طرح ایک بدلگام مزنی نے نہایت گستاخی کے ساتھ یہ کہا کہ "اے حسین" دیکھو لو فرات موجیں مار رہا ہے مگر تم کو اس میں سے ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا اور تم پیاسے مر جاؤ گے" حضرت امام نے اس کے لئے دعا مانگی کہ:

اَللّٰهُمَّ اَمِتْهُ عَطْشَانًا　　　یعنی اے اللہ! اس کو پیاسا مار۔

چنانچہ ایک دم مزنی کا گھوڑا بھاگ نکلا اور یہ اس کو پکڑنے کے لئے دوڑا تو اس پر پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا۔ مگر جب پانی پیتا تھا تو ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ یہاں تک کہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

حضرات گرامی! چاہئے تو یہ تھا کہ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی ان ایمان افروز کرامتوں کو دیکھ کر ظالموں کے سینے میں دل لرز جاتا اور وہ اس سے عبرت پکڑ کر امام کے خون ناحق سے باز آجاتے مگر یہ شرارت کے مجسمے جن کے سروں پر حرص دنیا عفریت بن کر مسلط ہو چکی تھی۔ ان عبرت آموز کرامات سے کوئی سبق نہ لے سکے بلکہ اور زیادہ گستاخی و بے باکی کے شیطان مجسم بن کر رجز گاتے ہوئے ہتھیار چمکا چمکا کر حضرت امام رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لئے میدان جنگ میں نکل آئے۔

لیکن حضرت امام رضی اللہ عنہ اور ان کے جان نثار ساتھی بھی ان کی کثرت اور شیطانی طاقت سے نہ ڈرے نہ جھجکے بلکہ سب کے سب خوف و ہراس سے بے نیاز ہو کر جذبہ شہادت سے سرشار اور خدا کی راہ میں اپنا سر کٹانے کے لئے بے قرار تھے۔ چنانچہ خاندان اہل بیت کے جوانوں اور حیدر کرار کی کچھار کے شیروں نے انتہائی دلیری کے ساتھ آگے بڑھ کر اس طرح داد شجاعت دینے کا عزم کر لیا کہ۔

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

مگر قرب وجوار کے وہ جان نثار جو اس حادثہ کی خبر پا کر حاضر دربار ہو گئے تھے۔ وہ حضرت امام رضی اللہ عنہ کے قدموں پر گر کے مچل گئے اور عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! یہ غیر ممکن ہے کہ جب تک ہم سے ایک جان نثار بھی باقی ہے اہل بیت نبوت کا خون زمین پر گر پڑے اس لئے پہلے ہم اپنا سر آپ کے قدموں پر قربان کریں گے۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ان وفا شعاروں نے میدان جنگ میں نکل کر ایسی شجاعت و جاں نثاری کا مظاہرہ کیا کہ دشمنوں کے دلوں پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔ یہاں تک کہ لڑتے لڑتے یہ تمام جاں نثار راہ خدا میں اپنی جانیں قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرات! ان وفادار جان نثاروں کے نام اور ان کے جانبازیوں اور سرفروشیوں کے تذکرے تاریخ کی کتابوں میں اس طرح نقش وفا بن کر چمک رہے ہیں کہ قیامت تک گردش لیل ونہار ان کو محو نہیں کر سکتی اگر میں ان جانبازوں کا ذکر شروع کر دوں تو تقریر بہت ہی طویل ہو جائے

گی لیکن بہر حال پھر بھی ان میں چند باوفاؤں کا ذکر سن لیجئے!

عبداللہ کلبی

حضرات! لشکر اعداء میں سب سے پہلے جو دو شقی القلب حضرت امام سے لڑنے کے لئے نکلے وہ دونوں عبیداللہ بن زیاد کے غلام تھے۔ ایک کا نام بسار اور دوسرے کا سالم تھا۔ یہ دونوں بد نصیب اپنی صفوں سے نکل کر مبارک باد طلب کرنے لگے ان دونوں کی صورت دیکھ کر حضرت عبد اللہ کلبی جوش جہاد میں آپے سے باہر ہو گئے اور حضرت امام سے اجازت لے کر ان دونوں کے مقابلہ کے لئے نکل پڑے۔ بسار نے بڑھ کر آپ پر تلوار کا وار کیا مگر آپ نے ایک دم کمال ہنر مندی سے ایسا پینترا بدلا کہ دشمن کا وار خالی گیا اور پھر پلٹ کر شمشیر آبدار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا خبیث خون میں لت پت ہو کر زمین کر ڈھیر ہو گیا۔ سالم اپنے ساتھی کو اس طرح قتل ہوتا دیکھ کر غصہ میں آ گیا اور جھلا کر آپ پر تلوار سے حملہ کر دیا آپ نے اس کے وار کو بائیں ہاتھ پر روکا تو آپ کی انگلیاں اڑ گئیں۔ مگر آپ نے بھی جھپٹ کر اس کو اسی شمشیر ماری کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ عبداللہ کلبی اپنی بیوی کے ساتھ جان نثاری کے لئے آئے تھے ان کی بیوی نے جب یہ دیکھا کہ میرے شوہر کی انگلیوں سے خون کے فوارے جاری ہیں تو جوش جہاد میں بے خود ہو گئیں اور خیمہ کی ایک چوب ہاتھ میں لے میدان میں نکل پڑیں اور اپنے شوہر کو جوش دلاتے ہوئے کہنے لگیں کہ شاباش میرے پیارے شوہر! شاباش میں تیرے قربان! میرے سرتاج تم جلدی جلدی ان یزیدی طاغوتوں کو موت کے گھاٹ اتار کر آل نبی پر قربان ہو جاؤ میں بھی تمہارے ساتھ شہادت کی تمنا میں میدانِ جنگ میں اندر نکل پڑی ہوں۔ یہ کہہ کر دشمنوں کی طرف دوڑ پڑیں۔ لیکن امام نے فرمایا کہ اے بی بی! تم آگے نہ بڑھو تم عورت ہو میں ہرگز ہرگز تمہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ کا فرمان سن کر یہ بی بی صاحبہ مجبوراً واپس آ گئیں مگر حضرت عبداللہ کلبی آخری دم تک انتہائی جانبازی اور سرفروشی کے ساتھ لڑتے رہے اور بہت سے یزیدیوں کو موت کی آغوش میں سلا کر خود بھی عروس شہادت سے ہم آغوش ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

مسلم بن عوسجہ

اسی طرح مسلم بن عوسجہ جو حضرت شیر خدا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد اور اہل بیت کے انتہائی وفادار جان نثار تھے اور جوش جہاد اور جذبہ شہادت سے سرشار تھے۔ حضرت امام

کے قدموں کا بوسہ لے کر میدان کارزار میں نکلے تو ایک انتہائی مغرور پہلوان آپ سے جنگ کے لئے تلوار چمکتا ہوا آگے بڑھا اور آپ پر تلوار سے قاتلانہ وار کیا۔ لیکن آپ نے اس کے وار کو روک کر اس کے سینے میں اس طرح نیزہ مارا کہ پشت سے پار ہو گیا اور اس کو نیزہ کی نوک پر اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ اس کے سر کا بھیجا پاش پاش ہو کر بکھر گیا۔ پھر آگے پیچھے کئی جنگ آزما شہسوار فیل مست کی طرح ٹکرائے مگر جب آپ کی براق تلوار کا ہاتھ بڑھا تو آپ نے سب کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور آپ کی ہیبت وشجاعت سے دشمنوں کی فوج زیر وزبر ہونے لگی اور پورے لشکر میں تہلکہ مچ گیا۔ آخر کار ابن سعد نے اپنی فوج کو للکارا کہ اے بزدلو! تمہیں شرم نہیں آتی؟ کہ ایک آدمی کو تم لوگ قتل نہیں کر سکتے مجبوراً اس نے فوج کے دستہ کو حکم دیا کہ تم لوگ چاروں طرف سے یلغار کر کے اس کو محاصرہ میں لے لو اور پھر سب کے سب یکبارگی حملہ کر کے اس کا سر کاٹ لو۔ چنانچہ دوبارہ صفت کوفیوں نے اس شیر حق کو زغے میں لے لیا اور تیر تلوار اور نیزوں کی مار سے اس شہسوار کو گھوڑے سے گرا دیا اور آپ کو گھوڑے سے گرتا ہوا دیکھ کر حضرت امام اور حبیب بن مظاہر فوراً دوڑ پڑے اور سرھانے کھڑے ہو کر پکارے کہ مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ! شہادت مبارک اے مجاہد جاں باز گھبراؤ نہیں۔ تمہارے بہت سے ساتھی جنت میں پہنچ چکے ہیں اور ہم بھی بہت جلد تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ میں ذرا ذرا سی جان باقی تھی۔ امام کی آواز سن کر آپ نے آنکھیں کھول دیں اور جب دیکھا کہ ابن رسول اللہ سرھانے کھڑے ہیں تو لبوں پر مسکراہٹ کے آثار نمودار ہوئے اور ایک دم روح پرواز کر گئی!۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس جوش جہاں پر قربان جایئے اور اس ذوق شہادت کی لذت کا کیا کہنا؟

بہ ناز رفتہ باشدز جہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپر دن بہ سرش رسیدہ باشی

وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرات! اسی طرح حضرت وہب بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ کی مجاہدانہ سرفروشی کی داستان قیامت تک فراموش نہیں کی جا سکتی۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے بہت ہی حسین اور خوبصورت

نوجوان تھے اور ان کی شادی کو ابھی صرف سترہ روز ہی ہوئے تھے ان کی ماں نے کہا کہ بیٹا آ
میرے رسول کا پیارا نواسہ اور حضرت خاتون جنت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہ کا نور نظر بے یار و مد
گار دشمنوں کے نرغے میں گرفتار اور رنج و غم کا شکار ہے۔ اے بیٹا! اس لئے میری تمنا ہے کہ تیرا
خون جو میرے دودھ سے بنا ہے آج اس کا ایک ایک قطرہ راہ حق میں بہا کر تو اپنی جان اہل بیت
پر قربان کر کے میری مغفرت کا سامان کر دے۔ چنانچہ وہب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی نویلی دلہن
اور اپنی والدہ کو ساتھ لے کر کربلا میں آئے اور حضرت امام سے اجازت لے کر گھوڑے پر سوار
ہے اور کوندتی ہوئی بجلی کی طرح میدان جنگ میں پہنچ گئے اور مجاہدانہ لہجے میں جھوم جھوم کر رجز کا
شعر پڑھنے لگے۔

حُسَيْنٌ اَمِيْرٌ وَنِعْمَ الْاَمِيْر
لَهُ لَمْعَةٌ كَالسِّرَاجِ الْمُنِيْر

یعنی اے یزیدیو! سن لو میرا اعلان ہے کہ یزید "امیر المومنین" نہیں ہے بلکہ "امیر المومنین"
حسین ہیں اور وہ بہترین امیر المومنین ہیں ان کی چمک دمک روشن چراغ کی طرح منور ہے۔ یزید
ی فوج کے بڑے بڑے سورما اور جنگجو بہادر آپ کے مقابلہ کے لئے آئے مگر جو بھی سامنے آیا
آپ نے تلوار سے اس کا سر اڑا دیا اور بہت سے ظالموں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنی ماں اور بیوی
کے پاس آئے۔ یہ دونوں جناب وہب بن عبداللہ کی مجاہدانہ جاں بازیوں کا نظارہ دیکھ دیکھ کر خوش
ہو رہی تھیں۔ آپ نے عرض کیا کہ اے میری مقدس ماں! اب تو آپ مجھ سے خوش ہو گئیں؟ ماں
نے دل کھول کر دعائیں دیں اور کہا کہ بیٹا! میں تجھ سے خوش تو ہو گئی لیکن میرے لال! میری خوشی
کی معراج تو جب ہو گی کہ میدان جنگ میں دشمنوں کی ضرب سے تیرا جسم چھلنی ہو جائے اور
سرخ پوش دولہا بن کر عروس شہادت کو آغوش میں جنتی مہمان اور میرے رسول عربی شفاعت
سامان بن جائے۔ پھر وہب بن عبداللہ نے اپنی روتی ہوئی نئی نویلی دلہن کے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی
دی۔ اتنے میں دشمنوں کی صفوں میں سے محکم بن طفیل ایک نامی گرامی شامی پہلوان مست ہاتھی
طرح جھومتا ہوا نکلا اور "ہال من مبارز" کہہ کر جناب وہب کو جنگ کی دعوت دینے لگا۔ حضرت
وہب اس کی آواز سن کر فوراً ہی گھوڑے پر سوار ہو گئے اور اپنی مقدس ماں اور پیاری دلہن کو آخری
سلام کر کے شیر نر کی طرح میدان جنگ کی طرف بڑھے اور محکم بن طفیل کے مقابلے کے لئے تیار
ہو گئے۔ محکم بن طفیل اپنے انتہائی غرور کے نشہ میں سرشار تھا۔ اتراتا ہوا آگے بڑھا اور انتہائی
لاپروائی کے ساتھ جناب وہب پر تلوار کا وار کیا۔ مگر جناب وہب نے انتہائی پھرتی اور چابکدستی

کے ساتھ اس کو نیزہ مار کر انی پر اٹھا کر لیا اور زور سے زمین پر پٹخا کہ اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں یہ دیکھ کر اشقیاء کے لشکر پر ایسی ہیبت اور سراسیمگی چھا گئی کہ یزیدی لشکر کا دل ہل گیا۔ چنانچہ حضرت وہب نیزہ ہلا ہلا کر بار بار یزیدی سورماؤں کو للکارتے اور جنگ کی دعوت دیتے تھے۔ مگران بزدلوں میں سے کسی کی تاب اور ہمت نہیں پڑتی تھی کہ آپ کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلتا۔ ادھر جناب وہب شوق شہادت میں اس قدر وارفتہ ہو رہے تھے کہ دم بھر کے لئے قرار نہیں تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ کوئی بھی میرے مقابلہ کے لئے میدان میں نہیں نکلتا تو آپ خود ہی دشمنوں کو للکارتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے قلب لشکر تک پہنچ گئے اور اپنے نیزے کی مار سے بڑے بڑے بہادروں کو چھید کر چھلنی بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ آپ کا نیزہ ٹوٹ گیا پھر آپ نے بپھر کر تلوار نکالی اور اپنی شمشیر آبدار کی مار سے بہت سے ظالموں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ آپ جوش جہاد میں انتہائی جاں بازی کے ساتھ تلوار چلا رہے تھے کہ اچانک کسی خبیث نے نشانہ باندھ کر آپ کے گھوڑے کی پیشانی پر ایسا تیر مارا کہ گھوڑا نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ پیادہ پا ہو گئے۔ اتنے میں ابن سعد نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ اس کا محاصرہ کر لو چنانچہ ہر طرف سے اشقیاء نے دھاوا کر کے اس بہادر مجاہد کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے اور اس طرح نیزہ و تلوار سے لگاتار حملہ کرنے لگے کہ آپ لاچار ہو کر زمین پر گر پڑے اور ایک شقی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر کاٹ لیا اور حضرت امام کے سامنے پھینک دیا۔ وہب کی ماں نے دوڑ کر اپنے بیٹے کے سر کو اپنی گود میں اٹھا لیا اور انتہائی پیار اور محبت کے ساتھ پیشانی چوم کر اپنے کلیجے سے لگا لیا۔ شیر دل ماں بار بار اپنے مجاہد اور شہید بیٹے کے سر کو بوسہ دیتی تھی اور کہتی تھی کہ اے میرے سپوت بیٹے! اے میرے بہادر بیٹے! خدا گواہ ہے کہ آج تو نے میرے دودھ کا حق ادا کر دیا۔ اے بیٹا تجھے مبارک ہو۔ خدا علیم ہے کہ آج تیری ماں تجھ سے خوش ہو گئی۔ پھر ماں نے اپنے بیٹے کا سر دلہن کی گود میں رکھ دیا اور کہا کہ بیٹی! تجھے مبارک ہو کہ جب میدان محشر میں خدا کا منادی تجھے ایک شہید کی بیوہ کہہ کر پکارے گا تو اس وقت تیرا سر فخر سے اونچا ہو جائے گا کہ تو اس مجاہد جاں باز کی رفیق زندگی ہے جو تیرے بستر عروسی سے اٹھ کر آیا اور خدا کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اور اپنے خون میں نہا کر سرخ پوش دولہا بن کر شہادت کی دلہن سے ہم آغوش ہو گیا۔ دلہن نے والہانہ جوش محبت کے ساتھ ساتھ اپنے سرتاج کے سر کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ مگر اس کے گورے گورے گال اور کالے کالے حسیں بالوں کو خاک و خون میں لت پت دیکھ کر اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور شدت غم سے اس کا حال اس قدر نڈھال ہو گیا کہ گرم گرم آنسوؤں کی دھار اس کے رخساروں پر

بہنے لگی اور باوجود ضبط کے ایک چیخ نکل گئی اور زبان حال سے اس شوہر کے کٹے ہوئے سر سے یہ کہا
کہ ۔

رفتی و مرا خبر نہ کر دی
بر بے کسی ما نظر نہ کر دی

پھر ایک سرد آہ کے ساتھ اس کا طائر روح پرواز کر کے اپنے دولہا کے ساتھ ہم آغوش ہو گیا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت حر رضی اللہ عنہ کی جانبازی

حضرات گرامی! کربلا کے ان جاں نثارانِ اہل بیت میں جنہوں نے دنیا کی دولت وعزت کو ٹھوکر مار کر اپنی عزیز جانوں کو حضرت امام کے قدموں پر قربان کر کے دونوں جہاں میں سرخروئی حاصل کی ان میں حر بن یزید ریاحی کا نام نامی بھی قیامت تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حر یزید لشکر میں ایک دستہ کے سپہ سالار کی حیثیت سے کھڑے تھے مگر جس وقت ابن سعد نے اپنے لشکروں کو حضرت امام کی طرف یلغار کا حکم دیا تو ایک دم حر کے چہرے پر انتہائی پریشانی اور بے قراری کے آثار نمودار ہو گئے ۔ چہرہ زرد ہو گیا اور خوف و ہراس سے قدم ڈگمگانے لگے۔ حضرت حر کے بھائی جناب مصعب بن یزید نے جب بھائی کا یہ حال دیکھا تو حیران ہو کر کہا کہ بھائی جان! آپ تو میدان کارزار کے بہت پرانے تجربہ کار شہسوار ہیں۔ میدان جنگ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ نے تو اس سے پہلے بڑے بڑے خونی منظر دیکھے ہین۔ مگر آج آپ کا کیا حال ہے؟ کہ آپ پر اس قدر وحشت ودہشت سوار ہے کہ آپ انتہائی پریشانی و بے قرار نظر آرہے ہیں۔ حر نے کہا کہ میرے پیارے بھائی! میں وہ بہادر نہیں کہ میدان جنگ دیکھ کر گھبرا جاؤں میں تو ضرب وحرب کو بچوں کا کھیل سمجھتا ہوں۔ لیکن آج کی جنگ خدا گواہ ہے کہ یہ اللہ و رسول سے جنگ اور اپنی عاقبت سے لڑائی ہے اس لئے اس جنگ کے تصور ہی سے میرے سینے میں دل لرز رہا ہے اور میرے رونگٹا رونگٹا لرزہ براندام ہو رہا ہے۔ بھائی مصعب! میں یہ ڈیکھ رہا ہوں کہ ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھلے ہوئے ہیں اور ایک طرف آتش جہنم زن ہیں اور میں اس وقت جنت وجہنم کے درمیان میں کھڑا ہوں۔

حضرت حر رضی اللہ عنہ نے بھائی کو یہ جواب دے کر ابن سعد کو پکارا اور کہا کہ کیا واقعی تو ابن رسول اللہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالے گا؟ ابن سعد نے کہا کہ ہاں بے شک صرف امام حسین رضی اللہ

عنہ ہی کو نہیں بلکہ میں تو گلشن نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک ایک پھول کو مسل ڈالوں گا اور اہل بیت کے ایک ایک بچے کو ذبح کر کے دم لوں گا۔ حضرت حر نے کہا کہ کیا تجھے حضرت امام رضی اللہ عنہ کی پیش کی ہوئی مصالحت کی شرطیں منظور نہیں؟ ابن سعد نے جھلا کر کہا کہ بالکل نہیں۔ اب تو حضرت امام رضی اللہ عنہ سے جنگ کے سوا کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔ ابن سعد کا یہ شرارت آمیز جواب سن کر حضرت حر کے دل میں ایک حقانیت کے سینکڑوں چراغ روشن ہو گئے اور آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ اے مردود تو کل قیامت کے دن خدا جل جلالہ کے سامنے کیا جواب دے گا؟ اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائے گا؟ خدا عزوجل کی قسم! اگر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں جب بھی میں ابن رسول اللہ اور نور چشم حیدر کرار پر تلوار نہیں اٹھا سکتا۔ حر نے یہ کہا اور ایک دم گھوڑا اکدا کر حضرت امام کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور قدم بوس ہو کر عرض کرنے لگا کہ اے جگر گوشہ رسول رضی اللہ عنہ ورسول وفرزند بتول رضی اللہ عنہ! میں وہی روسیاہ ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا تھا۔ مگر خدا کی قسم مجھے یہ وہم بھی نہیں تھا کہ یہاں تک نوبت پہنچے گی اور یہ بدبخت اشقیاء آپ کا سر کاٹنے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن بہر حال میں اب تائب ہو کر بارگاہ عالی میں حاضر ہو گیا ہوں۔ للہ! حضور والا میرے جرموں کو اپنے دامن عفو وکرم میں چھپا کر اب مجھے اہل بیت پر جان قربان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ حضرت امام نے حر کو اپنے قدموں سے اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور یہ بشارت دی کہ میں نے تیری خطا معاف کر دی اور میری دعا ہے کہ خداوند ستار وغفار بھی تیری توبہ کو قبول فرمائے۔ حر حضرت امام کی زبان سے یہ مژدہ جاں فزا سن کر باغ باغ ہو گیا اور جنگ کی اجازت پا کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح دشمنان اہل بیت کی صفوں پر قہر الٰہی بن کر جھپٹا۔ حر کے بھائی مصعب نے یہ دیکھا کہ میرا بھائی نعمت دارین سے سرفراز اور دولت کونین سے مالا مال ہو گیا تو اس کے دل میں بھی حقانیت کا ولولہ اور حق شناسی وحق پرستی کا جذبہ دجوش پیدا ہو گیا اور وہ بھی گھوڑا دوڑ کر بھائی کی طرف بڑھا یزیدیوں نے یہ سمجھا کہ بھائی سے بھائی لڑنے کے لئے جا رہا ہے لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا ہی نہ رہی جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مصعب جناب حر سے یہ کہنے لگا کہ میرے بھائی! خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرے لئے خضر راہ بن گیا اور تو نے مجھے بڑی ہلاکت سے نجات دلائی میرے بھائی میں بھی تیرے ساتھ اہل بیت کی عظمت میں اپنی جان قربان کر کے دونوں جہان کی سلطنت عزت کا سلطان بننے کی تمنا رکھتا ہوں۔ حر نے خوش ہو کر اپنے بھائی مصعب کو گلے سے لگا لیا اور دونوں بھائی یزیدی لشکر کے سامنے سینہ تان کر جوش جہاد میں بھرے ہوئے کھڑے ہو گئے اور پہلے حر نے میدان میں نکل کر رجز کا یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الْحُرُّ وَاَنَا مُقْرِی الضَّیْفِ اَضْرِبُ فِیْ اَعْنَاقِکُمْ بِالسَّیْفِ

میں حر ہوں اور مہمان نواز ہوں میں تلوار سے تمہاری گردنیں اڑادوں گا۔

ابن سعد اپنے لشکر کے ایک سپہ سالار یعنی حر کی شیرانہ گرج دار آواز سن کر گھبرا گیا اور اس نے بہت کچھ سوچ بچار کر کے ایک بہت ہی نامی پہلوان یعنی شیطان صفت صفوان کو بھیجا کہ حر کو سمجھا بجھا کر میرے پاس لے آ اور اگر وہ نہ مانے تو اس کا سر کاٹ لے۔ چنانچہ صفوان چلا اور حر کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے حر ہم تیری عقل ودانائی پر ناز کرتے تھے۔ مگر آج ہم تری نادانی پر ماتم کرتے ہیں کہ تو نے اس لشکر جرار سے نکل کر اور یزید کے گراں قدر انعام واکرام کو ٹھکرا کر ان چند بے کس مسافروں کا ساتھ دیا ہے جن کے توشہ دانوں میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور جن کی مشکوں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے۔ افسوس! تیری عقل کہاں ماری گئی؟ حر نے تڑپ کر جواب دیا کہ مردود میں نادانی نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ تم لوگ اپنی حماقت اور نادانی کا ماتم کرو کہ تم لوگوں نے طاہر کو چھوڑ کر نجس کو قبول کیا اور دنیائے فانی کے چند درہم ودینار کے بدلے عالم باقی کی انمول اور لازوال نعمتوں کو بیچ ڈالا۔ اے ظالمو! تم میں سے کون نہیں جانتا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا پھول فرمایا ہے مگر تم گلشن رسالت رضی اللہ عنہ کے اس پھول کو مسل کر پامال کرنے کے لئے تیار ہو گئے ہو۔ لیکن یادرکھو کہ جب تک میرے جسم میں خون کا قطرہ بھی باقی ہے میں گلشن نبوت کے اس پھول پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ میں یزید کے انعام وکرام کے خزانوں کو ٹھوکر مارتا ہوں۔ مجھے تو نعلین مصطفیٰ کو اپنے سر تاج بنانے کی تمنا ہے۔ تم دریائے فرات کے پانی پر ناز کرتے ہو میں ساقی کوثر کے مقدس ہاتھوں سے کوثر وسلسبیل کا جام پینے کا امیدوار اہوں "صفوان" نے بہت کچھ چرب زبانی سے کام لیا۔ مگر اس نے جب دیکھ لیا کہ حضرت حر کا سینہ اہل بیت کی محبت کا سفینہ بن چکا ہے اور کوئی حرص اور لالچ اس کے قدم کو جادہ مستقیم سے برگشتہ نہیں کر سکتا۔ تو اس نے دھوکا سے جناب حر کے سینہ پر ایک تیر مار دیا جناب حر تیر کھا کر زخمی شیر کی طرح صفوان پر نیزہ سے حملہ آور ہوئے اور نیزہ کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ اس کے سینے میں مارا کہ سینہ کو چھیدتا ہوا پشت کے پار ہو گیا اور اس کو گھوڑے کی زین سے نیزے پر اٹھا کر اس زور سے زمین پر پٹخا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ فوراً ہی مر گیا۔ صفوان کے تین بھائی جو بہت ہی نامور جنگ جو تھے اپنے بھائی کو یوں قتل ہوتا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور پہلے دو بھائی حر کے مقابلے پر آئے اور دونوں نے حر پر بیک وقت حملہ کر دیا مگر حر نے شمشیر آبدار کی مجاہدانہ مار سے دونوں کا سر اڑا دیا۔ تیسرا بھائی بھاگ نکلا لیکن حر نے گھوڑا اچکا کر اس کا تعاقب کیا اور بھاگتے ہوئے اس کی

پیٹھ میں ایسا نیزہ مارا کہ سینے سے پار ہو گیا اور غش کھا کر گھوڑے سے گر پڑا اور حر نے شمشیر کی ایک ضرب سے اس کا بھی کام تمام کر دیا۔ صفوان اور اس کے تینوں بھائیوں کو قتل کر کے جناب حر حضرت امام رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! کیا اب آپ مجھ سے راضی ہو گئے۔ حضرت امام نے فرمایا کہ نَعَمْ اَنْتَ حُرٌّ "ہاں بے شک میں تجھ سے خوش ہوں اور تجھے یہ خوشخبری دیتا ہوں کہ تو جہنم سے آزاد ہے۔ جناب حر یہ بشارت سن کر فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور پھر میدان میں آ کر انتہائی جانبازی سے لڑنے لگے اور بہت سے ظالموں کو قتل کر کے پھر امام رضی اللہ عنہ کے سامنے آئے اور سوکھی زبان دکھا کر عرض کرنے لگے کہ اے امام اب تشنہ کامی حد سے بڑھ چکی ہے اور پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہو چکی ہے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حر! میرے عزیز حر! ذرا دیر صبر کرو اور راہ حق میں اپنا سر کٹا کر حضور ساقی کوثر کے مقدس ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ۔ حر یہ خوشخبری سن کر میدان جنگ میں جام شہادت کی تمنا میں سرفروشاں جنگ کرنے لگے اور لشکر اعدا پر آپ کی شجاعت کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ بڑے بڑے بہادروں کے قدم اکھڑ گئے لیکن ابن سعد نے جب اپنے لشکروں کو ڈانٹا کہ تم لوگ ایک سپاہی کو قتل نہیں کر سکتے؟ تو بہت سے سفاکوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ پر اس قدر تیر برسانے لگے کہ آپ کا گھوڑا زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑا اور آپ پیدل ہو کر ایک جم غفیر سے تنہا لڑنے لگے۔ چاروں طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے اور بہت سے پیادے اور سوار نیزہ و تلوار سے آپ پر وار کر رہے ہیں۔ مگر عزم و استقامت کا کوہ گراں بار بنے ہوئے میدان میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ ایک سفاک ظالم نے آپ پر ایسا نیزہ چلایا کہ آپ اس کے کاری زخم کی تاب نہ لا سکے اور ایک جان نثار وفادار کی طرح داد شجاعت دے کر جگر گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفرزند بتول رضی اللہ عنہا کی نصرت وحمایت میں اپنی جان قربان کر کے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ حر کو میدان جنگ سے اٹھا کر لائے اور اپنے زانوں اقدس پر ان کا سر رکھ کر اپنے دامن اطہر سے ان کے چہرے کے گرد وغبار کو صاف کرنے لگے۔ حر میں ابھی ذرا سی جان باقی تھی آنکھیں کھول دیں اور جب یہ دیکھا کہ میرا سر فرزند رسول رضی اللہ عنہ کی گود میں ہے تو اپنے مقدر کی خوش بختی پر ناز کرتے ہوئے فردوس بریں کو روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

حضرت امام رضی اللہ عنہ حر کی وفاداری اور جاں نثاری کو یاد کر کے روتے تھے اور یوں فرماتے تھے کہ

وَنِعْمَ الْحُرُّ حُرُّ بَنِی رِیَاحِی صَبُوْرٌ عِنْدَ مُشْتَبِكِ الرِّمَاحِ
یعنی حر بن یزید ریاحی بہت ہی اچھا حر ہے جو نیزوں کے جمگھٹے میں بھی صابر رہا
وَنِعْمَ الْحُرُّ اِذْ نَادٰی حُسَیْنًا وَجَادَ بِنَفْسِهٖ عِنْدَ الصَّبَاحِ
اور حر کتنا اچھا ہے کہ اس نے حسین کو پکارا اور صبح کے وقت اس نے اپنی جان کی سخاوت کردی۔

حر کی شہادت کے بعد ان کے بھائی مصعب رضی اللہ عنہ اور حر کے فرزند علی رضی اللہ عنہ بن حر اور حر کے غلام نمرہ رضی اللہ عنہ یہ تینوں بھی انتہائی جاں بازی کے ساتھ یزیدی لشکر سے لڑتے ہوئے جام شہادت سے سیراب ہو گئے۔

الغرض اسی طرح اہل بیت کے تمام رفقاء وجاں نثاران نوبت بہ نوبت میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر اپنی جانیں قربان کر چکے اور پچاس سے زیادہ جاں نثاران اہل بیت شہید ہو چکے۔ اب صرف خاندان اہل بیت باقی رہ گئے ہیں اور دشمنان خونخوار انہیں کے خون کے پیاسے ہیں اور جوانان اہل بیت بھی گو مٹھی بھر ہیں۔ مگر یزیدیوں کے لشکر جرار کے سامنے عزم و استقامت کا ناقابل تسخیر پہاڑ بن کر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہر جوان شوق شہادت میں امام رضی اللہ عنہ کی نصرت و حمایت کے لئے پروانہ وار نثار ہونے پر تیار ہے۔ نہ کسی کا حوصلہ پست ہے نہ کوئی جنگ سے فرار کا خواست گار ہے ہر ایک کی یہی تمنا ہے اور ہر ایک کا یہی اصرار تھا کہ پہلے جاں نثاری کا ان کو موقع دیا جائے۔ چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت نبوت کے نوجوانوں نے خاک کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت اور جاں نثاری کے جو نقوش بنائے ہیں۔ قیامت تک گردش لیل ونہاران کو مٹا نہیں سکتی۔ خاندان اسد اللہ الغالب کے شیران حق نے اپنے مجاہدانہ حملوں سے کربلا کی زمین کو زیر وزبر کر دیا اور ان کی اسد اللہ تلواروں کی ضرب سے بڑے بڑے بہادروں کے سینوں میں دل لرزنے لگے۔ ہاشمی جوانوں نے کربلا کی تشنہ زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا۔ ان کی تیغ بے نیام دشمنوں کے لئے موت کا پیغام اور ان کے نیزہ وسنان ظالموں کے حق میں قضا کا فرمان تھے۔ جدھر رخ کرتے دشمنوں کی صفیں درہم برہم ہو جاتیں اور یہ قلب لشکر تک پہنچ کر اس طرح دشمنوں کا قتل عام کرتے تھے کہ گویا سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے اسی طرح ہر ہاشمی جوان اپنی جاں بازی اور شجاعت کے جوہر دکھا کر اور سینکڑوں بد باطنوں کو موت کے گھاٹ اتار کر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ پر اپنی جان قربان کر کے شہید ہوتا رہا۔ یزیدی یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے انہیں مار ڈالا اور یہ لوگ مر گئے لیکن زمین کربلا کا ذرہ ذرہ اور ساری خدائی پکار رہی تھی اور خود خدا یہ اعلان فرما تا رہا تھا۔

بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ   یعنی کبھی کوئی اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لائے کہ یہ لوگ مر گئے۔

یہ مرے نہیں ہیں بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا کسی نے۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

حضرات گرامی! یوں تو خاندان اہل بیت کے ہر ایک جوان نے اس حق و باطل کے عظیم معرکہ میں انتہائی جذبۂ ایمانی و جوشِ اسلامی کے ساتھ اپنی قیمتی جان کو قربان کر کے دونوں جہاں کی سرخروئی حاصل کی اور ایسی سرفروشی و جاں بازی کے ساتھ دشمنانِ دین کا مقابلہ کیا کہ کربلا کی زمین کا ذرہ ذرہ تحسین و آفرین کا نعرہ بلند کرنے لگا۔ مگر میں اس وقت چند شہداء اہل بیت کی شہادتوں کی تفصیل مناظر کی بھی جھلکیاں آپ کے سامنے عرض کر دیتا ہوں تاکہ آپ بھی اس کو سن کر اپنی اسلامی رگوں کے قطرات خون میں جذبۂ ایمانی کی حرارت محسوس کرنے لگیں۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرات! آپ نے جب جناب قاسم بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی سنا ہوگا یہ اہل بیت کے بہت سے جوانوں کی شہادت کے بعد حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کی اجازت طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی بھتیجے یعنی حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزندار جمند اور حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختر نیک اختر بی بی سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ان کی نسبت بھی طے ہو چکی ہے۔ بوٹا سا قد ر نوجوانی کا عالم سبزہ آغاز ایک پیکر حسن و جمال ہے جو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گردن کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت بھری نظروں سے بھتیجے اور ہونے والے داماد کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا۔ قلب میں ایک ٹھیس لگی اور دل کے جذبات آنسو بن کر پلکوں پر نمودار ہوئے فرمایا کہ بیٹا قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تم میرے مرحوم بھائی کی نشانی اور یادگار ہو بھائی مرحوم مجھے داغ مفارقت دے گئے اب ان کی یاد آنے پر تمہیں دیکھ کر تسلی حاصل کرتا ہوں۔ بھلا مجھے کب اور کس طرح یہ گوارا ہو سکتا ہے؟ کہ تم میرے سامنے خاک و خون میں تڑپتے ہوئے گلا کٹاؤ اور میں دیکھتا ہوں بیٹا! میں اس صدمہ جانکاہ کو برداشت کرنے کی تاب و طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے میں تمہیں جنگ میں جانے کی اجازت نہیں

دے سکتا۔ لیکن جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے قراری اور گریہ وزاری دیکھ کر اور ان کے اصرار سے مجبور ہو کر بالآخر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شوق شہادت میں اس قدر وارفتہ تھے کہ اجازت پاتے ہی خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی جلدی جنگی لباس پہن کر ہتھیاروں سے مسلح ہو کر پہلے خیمہ میں تشریف لے گئے اور سب اہل خیمہ کو آخری سلام کر کے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ مامتا کی ماری جاں چھڑکنے والی پھوپھی اور دلہن بننے کی آس لگانے والی منگیتر بی بی سکینہ نے دنیا سے سفر کرنے والے مسافر کا آخری دیدار کیا اور جوش غم سے سب کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں کہ اب چند منٹوں میں یہ نور کی تصویر خاک وخون مل جانے والی ہے۔

جب امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آخری سلام کر کے روانہ ہونے لگے تو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر نہایت گرم جوشی کے سات بھتیجے کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دعائیں دے کر دعا فرمائی جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رخصت ہو کر جوش جہاد سے بھرے ہوئے گھوڑا دوڑا کر اشقیاء کی صفوں کے سامنے پہنچ گئے اور رجز کے چند اشعار پڑھ کر فرمایا کہ اے یزیدیو! اب جس کے سر موت سوار ہو وہ میرے سامنے آئے اور میری شمشیر آبدار کی اسد اللہ مار سے اپنے خون میں نہائے۔ شہزادے کی اس ہاشمی للکار سے گروہ اشقیاء پر ایسی ہیبت سوار ہو گئی کہ باوجود بار بار کی پکار اور للکار کے کسی میں یہ جرات و ہمت نہیں ہوئی کہ آپ کے سامنے آتا ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ یزیدی لشکر میں سے کوئی بھی حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ کے لئے نہیں نکلتا تو اس نے ازرق شامی سپہ سالار کو پکارا جو یزید کی طرف سے سالانہ دس ہزار دینار تنخواہ پاتا تھا۔ جب ازرق شامی ابن شامی ابن سعد کے پاس پہنچا تو ابن سعد نے کہا کہ اے ازرق! دیکھ بڑی دیر سے یہ نوجوان مقابلہ کی دعوت دے رہا ہے مگر ہمارے لشکر میں سے کسی کو بھی یہ جرات نہیں ہوتی کہ اس کے چیلنج کا جواب دے سکے اس لئے اب میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو ایک ہزار سوار لے کر اس کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکل پڑ۔ ازرق نے غضب ناک ہو کر کہا کہ اے ابن سعد تجھے شرم نہیں آتی؟ کہ تو مجھ جیسے نامی گرامی پہلوان کو جس کی ہیبت سے مصر و شام و زمین دہل رہی ہو ایک ایسے کمسن لڑکے سے لڑنے کے لئے بھیج رہا ہے جس کے منہ سے ماں کے دودھ کی بو آ رہی ہے۔ اے ابن سعد! سارا مصر و شام جانتا ہے کہ میں اکیلا ایک ہزار بہادران نامدار کا مقابلہ کرتا ہوں کیا آج میں ایک بچے کے مقابلے میں جا کر اپنی ناک کٹا دوں؟ اگر میں نے اس بچے کو قتل

کر دیا جب بھی میں بدنام ہو جاؤں گا کہ میں نے ایک بچے سے جنگ کی۔ خدا کی قسم! اگر تو میرے جسم کے پرزے پرزے اڑا دے گا۔ جب بھی میں ایک بچے کے خون سے اپنی تلوار کو آلودہ نہیں کروں گا۔ ابن سعد نے کہا کہ اے ارزق! ارے تو کس گھمنڈ میں ہے؟ تو ان کی کمسنی اور نازک بدنی کو مت دیکھ۔ افسوس! تو انہیں پہچانتا نہیں کہ یہ کون ہیں؟ ارے یہ شیر دل حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندار جمند اور فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ خدا کی قسم! اگر یہ بھوکے پیاسے نہ ہوتے تو یہ اکیلے ہی قہر الٰہی کی بجلی بن کر ہمارے پورے لشکر کے خرمن زندگی کو خاکستر بنا ڈالتے۔ جب ابن سعد نے لگا تار اصرار سے ازرق شامی کو مجبور کیا تو اس نے کہا کہ اے ابن سعد! خواہ کچھ بھی ہو جائے مگر میں اس بچے سے تو نہیں لڑوں گا۔ لیکن تیری خواہش ہے تو اس جنگ میں میرے چار فرزند موجود ہیں جو شجاعت و دلاوری میں شہرہ آفاق ہیں۔ میں ان میں سے ایک کو بھیج دیتا ہوں۔ وہ چند منٹوں میں اس کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔ چنانچہ ازرق کا ایک بیٹا صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیمتی تلوار چمکاتا ہوا اور بادل کی طرح گرجتا اور لہراتا ہوا میدان میں نکلا۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو آتا دیکھ کر نہایت بے خوفی کے ساتھ یہ فرمایا کہ افسوس! تیرے باپ کو تجھ پر رحم نہیں آیا؟ کہ تجھ کو میری تلوار کا لقمہ بننے کے لئے میدان میں بھیج دیا؟ اچھا آگے بڑھ۔ چنانچہ جیسے ہی وہ حملہ کے لئے آگے بڑھا۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا خنجر اس کے شکم میں جھونک دیا اور وہ اس زخم کی تاب نہ لا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ پھر آپ نے نہایت ہی پھرتی سے چابک دستی کے ساتھ جھپٹ کر اس کی تلوار چھین لی اور اس کے لمبے لمبے بالوں کو پکڑ کر جو گھوڑا دوڑایا تو وہ گھسیٹتے گھسٹتے مر گیا۔ پھر آپ نے اس کی لاش کو گھوڑے کی ٹاپوں سے روند کر اس ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ ازرق کا دوسرا بیٹا اپنے بھائی کو اس طرح قتل ہوتا دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا اور دیوانہ وار آگے بڑھ کر ایک دم جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مڑ کر ایسا پینترا بدلا کہ دشمن کا وار خالی گیا اور آپ نیپ لٹ کر اس کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ اِدھر سے اُدھر پار ہو گیا اور وہ وہیں گھوڑے سے گر کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر ازرق کا تیسرا بیٹا حملہ کے لئے جھپٹا تو آپ نے اس کو بھی ایک نیزہ مار کر ہلاک کر ڈالا۔ اب ازرق کا چوتھا بیٹا اپنے تینوں بھائیوں کا انتقام لینے کے پاگلوں کی طرح تلوار گھماتا ہوا دوڑ پڑا اور منہ میں جھاگ بھر کر گالیاں دینے لگا۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بدلگام! ہوش میں آ۔ عورتوں کی طرح گالیاں اور کوسنے دینا مردوں کی شان نہیں

ہے۔ اگر جرات ہے تو آگے بڑھ کر حملہ کر وہ کہنے لگا کہ قاسم! تم نے میرے تین بھائیوں کو قتل کر دیا۔ خدا کی قسم جب تک میں تمہیں قتل کر کے اپنے بھائیوں کا بدلہ نہ لے لوں گا مجھے قرار نصیب نہیں ہوسکتا۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہنس کر فرمایا کہ مت گھبرا۔ میں تجھے قرار دینے اور تجھ کو تیرے بھائیوں کے پاس پہنچادینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ کہا اور تلوار کا ایک بھر پور جچا تلا ہاتھ مارا مغرور کا سیدھا ہاتھ کٹ کر دور جا پڑا اور وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ آپ نے للکارتے ہوئے اس کا تعاقب فرمایا۔ مگر وہ اپنے لشکر میں جا گھسا اور زخم کی تاب نہ لا کر گھوڑے سے گر پڑا اور مر گیا۔

ازرق اپنے چار ہونہار اور مشہر شہسوار بیٹوں کو اس طرح ذلت کے ساتھ قتل ہوتا دیکھ کر غیظ وغضب میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھا اور منہ جھاگ بھر کر غصہ میں دانت پیستے ہوئے اور جھلاہٹ میں داڑھی کے بال نوچتے ہوئے گھوڑا کدا کر میدان میں نکل پڑا اور کہنے لگا کہ بچے! تم نے بچوں کو تو مار لیا لیکن اب تجھ کو مجھ سے پالا پڑا ہے۔ سنبھل جا! کہ اب تیری زندگی کے صرف چند ہی لمحات باقی رہ گئے ہیں۔

جناب قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حقارت کیساتھ اس کو جواب دیا کہ ازرق! ذرا ہوش کی دوا کر۔ تو شامیوں کے لئے طاقت کا پہاڑ ہوگا ابھی تک تو نے ہاشمی کچھار کے شیروں کو نہیں دیکھا ہے۔ ہماری رگوں میں حیدر کرار کا خون ہے ہماری نگاہ قہر وجلال کے سامنے تو ایک مکھی اور مچھر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ازرق یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر اور بھی آگ بگولہ ہو گیا اور نیزہ بازی شروع کر دی۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ برابر کی چوٹیں ہیں تو غضب ناک ہو کر تلوار نکال لی۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی تلوار کھینچ لی اور آگے بڑھے تو ازرق نے آنکھیں پھاڑ کر غور سے دیکھا اور حیران ہو کر پوچھا کہ قاسم! یہ تلوار تو میرے لڑکے کی ہے یہ تمہارے ہاتھ کہاں سے آ گئی؟ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہنس کر فرمایا کہ ہاں تیرا بیٹا اپنی یادگار کے طور پر یہ تلوار مجھے اس لئے دے گیا ہے تا کہ اسی سے میں تجھے موت کا ذائقہ چکھا کر تجھے تیرے بیٹوں کے پاس پہنچادوں۔ ازرق یہ سن کر فرط غضب سے پھر گیا اور جوں ہی حملہ کے لئے تلوار اٹھائی۔ حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ازرق! سنبھل۔ ہم تجھے بڑا شہسوار سمجھتے تھے مگر تم تو بالکل ہی اناڑی نکلے۔ تم کو اپنے گھوڑے کی پیٹی کا بھی دھیان نہیں کہ وہ ڈھیلی ہو چکی ہے؟ ازرق جلدی جھک کر گھوڑے کے تنگ کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی کمر پر تلوار کا ایسا بھر پور ہاتھ مارا کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا اور آپ

اچھل کر اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ کہ **یا عما العطش العطش** چچا جان پیاس پیاس! امام تشنہ کام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نور نظر! ذرا دیر اور صبر کرو۔ عنقریب تم نانا جان کے مقدس ہاتھوں سے جام کوثر پی کر سیراب ہو جاؤ گے۔ چچا جان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان سن کر حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر میدان کی طرف پلٹ پڑے اور یہ دیکھا کہ ابن سعد قلب لشکر میں کھڑا ہو کر یزیدی فوجوں کی کمان کر رہا ہے۔ آپ نے سوچا کہ کیوں نہ اس خبیث کو قتل کر کے سرخرو ہو جاؤ۔ چنانچہ برق خاطف کی طرح گھوڑا اچکا کر قلب لشکر میں پہنچ گئے مگر دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا اور چاروں طرف سے آپ پر نیزہ و تلوار کی بوچھاڑ شروع کر دی یہاں تک کہ ۲۷ زخم کھا کر آپ نڈھال ہو گئے اور گھوڑے سے گر پڑے۔ شیث بن سعد منحوس نے آپ کے سینہ پر ایک نیزہ مارا اس وقت آپ نے یا عما اور کئی فرمایا یعنی اے چچا جان! میری خبر گیری فرمایئے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھتیجے کی دردناک آواز سن کر دوڑ پڑے اور دیکھا کہ پیکر نور خون میں لت پت تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقدس لاش کو انتہائی محبت سے گود میں رکھ لیا اور چہرۂ پرنور سے خاک و خون کے دھبوں کو صاف کرنے لگے۔ اتنے میں قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاں باز نے آنکھیں کھول دیں اور اپنا سر امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوشِ رحمت میں دیکھ کر فرط مسرت سے مسکرائے اور ایک دم اپنی نقد جان خلاق ہر دو جہاں کے نام پر قربان کر کے دار لجناں کے مہمان بن گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

برادرانِ ملت! اسی طرح حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تینوں بھائی عبداللہ بن حسن اور عمر بن حسن اور عمر بن ابوبکر بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی انتہائی جانبازی کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت عباس بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما

برادرانِ ملت! اب وہ وقت آ گیا ہے کہ اسد اللہ الغالب حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند جناب عباس علمدار حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میدان کارزار کی اجازت طلب کر رہے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بھائی جان! سب بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں نے بھوکے پیاسے جام شہادت نوش کر لیا۔ لیکن اب ننھے ننھے بچوں کا پیاس سے تڑپنا اور ان کا بلکنا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ للہ! اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی جان پر کھیل کر

ایک مشک پانی لاؤں اوران پیاسوں کو سیراب کروں۔حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ زارزار رونے لگے اور فرمایا کہ بھائی عباس میرے علمدار تم ہی ہو۔اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارے بعد میرا علم کون اٹھائے گا؟ اور میرے قلب مجروح پر مرہم کون لگائے گا؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ (رضی اللہ عنہ)! میری جان آپ پر قربان! خدا کی قسم اب زندگی میں کوئی مزا باقی نہیں رہا یہ سر گردن پر ایک بارِ گراں معلوم ہوتا ہے اور میں دنیا سے بالکل تنگ آچکا ہوں۔بس اب میری آخری تمنا یہی ہے کہ ساقی کوثر کے دلاروں کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی پلا کر میں بھی جلد سے جلد بھائیوں اور بھتیجوں کے پاس پہنچ جاؤں۔حضرت عباس کے اصرار سے مجبور ہو کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اجازت دے دی۔

حضرات! جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت طاقتور بہادر اور انتہائی تجربہ کار شہسوار تھے اور کیوں نہ ہو؟ کہ آپ حیدر کرار کی قوت بازو کے وارث نامدار تھے۔جس وقت آپ ایک مشک کاندھے پر لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہوئے تو مصری تلوار چمکاتے ہوئے رزم گاہ میں تشریف لائے تو سرزمین کربلا کا ذرہ ذرہ پکار اٹھا کہ۔

کس شیر کی آمد ہے کہ رَن کانپ رہا ہے ‌ ‌ رَن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے ‌ ‌ ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ کر حیدر کے پسر کو
جبریل اتر آئے سمیٹے ہوئے پر کو

کیا شان ہے ؟اللہ رہ ضیا رخ انور ‌ ‌ کیا نور ہے جس نور سے ڈھالیں تھیں منور
بس دامن صحرا پہ گری نور کی چادر ‌ ‌ جن آنکھیں بچھانے لگے ہر ایک قدم پر
دکھلائی جو انی کی چلن جب کبھی رک کر
سینہ سے لگایا پیر نے جھک کر

میدان میں آکر آپ نے اپنی گرجدار آواز میں فرمایا کہ اے کوفیان بے وفا اور اے شامیان پر دغا! تم لوگوں نے جگر گوشہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفرزند بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ڈیڑھ سو عرضیاں بھیج کر مہمان بلایا اور جب وہ مقدس مہمان سفر کی مشقیں برداشت کر کے تمہاری زمین میں رونق افروز ہوا تو۔

مسافروں کو نہ دی ایک بوند پانی کی
بلا کے گھر میں غرض خوب مہمانی کی

اے ظالمو! میں اب بھی کہتا ہوں کہ تم لوگ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق سے باز آجاؤ اور ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے بچوں کو اس طرح پیاس سے نہ تڑپاؤ۔ تم لوگ نواسہ رسول اور گلشن فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سب سے ننھے پھول یعنی اصغر کی پیاس پر رحم کھاؤ کہ وہ نور کی صورت اور حسن کا جمال کا نرم و نازک پیکر پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر بھوکی پیاسی ماں کی گود میں دم توڑ رہا ہے۔ کم از کم اتنا پانی تو دے تو گلشن نبوت کا یہ ننھا پودا تو سیراب ہو جائے۔

حضرات گرامی! بے رحم کوفیوں اور شامیوں کے سینوں میں دل کی جگہ شاید پتھر کا کوئی ٹکڑا تھا کہ جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سن کر ذرا بھی انہیں رحم نہیں آیا۔ بلکہ ابن سعد اور شمر وشیث چلا چلا کر کہنے لگے کہ اے عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ! جب تک حسین بن علی یزید کی بیعت نہ کریں گے خدا کی قسم ہم ہرگز ہرگز ان کے خیمہ میں پانی کی ایک بوند بھی نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ اس طرح اہل بیت کے ایک ایک بچے کو بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالیں گے۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنوں کا یہ ظالمانہ جواب سن کر جوش جہاد میں بے خود ہو گئے اور گھوڑا چمکا کر بجلی کی طرح خنجر آبدار اور چمکتی تلوار دھواں دھار چلاتے ہوئے اور گروہ اشقیاء کو موت آغوش میں سلاتے ہوئے آگے بڑھے۔ ابن سعد نے جب آپ کو آتے دیکھا تو گھبرا کے چلانے لگا کہ خبردار! میرے سپاہیو! بہت ہی چاک و چوبند اور ہوشیار رہنا۔ اس لئے کہ ؎

آتا ہے خبر دار! اب عباس علم دار　　ناگاہ زمین رن کی ہوئی مطلع انوار
ہر چار طرف سے یہ اٹھا غلغلہ ایک بار　　ہوشیار 'خبر دار' خبر دار' خبر دار

اے صلی علیٰ کیا پسر شیر خدا ہے
یہ شیر خدا گر نہیں' شمشیر خدا ہے

صحرا ہوا پر نور زہے طلعت عباس　　لرزہ ہے دلیروں میں زہے ہیبت عباس
ملتا ہے مزہ دل کو زہے صورت عباس　　کیا حسن ہے؟ کیا جاہ؟ زہے شوکت عباس

بازوے حسین آتا ہے شمشیر زنی کو
یا شیر خدا آتے ہیں' خیبر شکنی کو

الغرض عباس علمدار اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر دشمنان ستم شعار صفوں کے سامنے سینہ تان کر مجاہدانہ شان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور نیزہ ہلا ہلا کر فرمانے لگے کہ ؎

اعداء کو سنا کر کہا کون آتا ہے؟ دیکھیں   نیزہ کو ہلا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
تیروں کو ملا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں   شمشیر دکھا کر کہا کون آتا ہے دیکھیں
ہم شیر ہیں ہم کو کوئی للکار سکے گا
تلوار تو کیسی؟ کوئی دم مار سکے گا
ہاں مجھ کو رکھو یاد' میں حیدر کا پسر ہوں   اور باغ نبوت کے شجر کا میں ثمر ہوں
میں دیدۂ ہمت کے لئے نور نظر ہوں   پیاسا ہوں مگر ساقی کوثر کا پسر ہوں
واللہ ! میری ضرب طمانچہ ہے بلا کا
دلبند ہوں میں شیر خدا شر خدا کا
ہوشیار ہو ! میں فاتح خیبر کا پسر ہوں   مقائے حرم ساقی کوثر کا پسر ہوں
میں شیر خدا قاتل عنتر کا پسر ہوں   عباس مرا نام ہے حیدر کا پسر ہوں
پانی کے لئے آتا ہوں تم روک تو دیکھو
شیروں کی لڑائی ہے ذرا لوک تو دیکھو

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کہ گھوڑا دوڑا کر دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے ہوئے اس زور شور سے آگے بڑھے کہ گرد وغبار کے بادل میں یزیدی لشکر کا دل بادل درہم برہم ہوگیا اور باوجود یہ کہ دشمنان کور باطن چرخ شجاعت کے اس روشن کا ستارے کو چاروں طرف سے بادلوں کی طرح گھیر کر نیزہ تلوار کا مینہ برسا رہے تھے۔ مگر پھر بھی حیدر کرار کی گود کا پالا شہسوار کئی ہزار پیادہ وسوار کو مارتے کاٹتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گئے اور مشک کو پانی سے بھر لیا اور زبردست حملہ آور مار دھاڑ کی وجہ سے آپ پر بے انتہاء پیاس کا غلبہ ہوگیا چنانچہ شدت تشنگی سے بیتاب ہوکر آپ نے چلو بھر پانی ہاتھ میں لے کر چاہا کہ پی لیں تاکہ تازہ دم ہوکر اعداء سے لڑتے ہوئے پانی کی مشک خیمہ اہل بیت میں پہنچادیں مگر جوں ہی پانی منہ کے قریب لے گئے عابد بیمار اور علی اصغر شیر خوار کی پیاس یاد آ گئی۔ آپ کی غیرت ایمانی نے یہ قبول نہیں کیا کہ ساقی کوثر کے بیٹے تو پیاس سے تڑپتے رہیں اور میں پانی سے سیراب ہوجاؤں۔ چنانچہ فوراً ہی آپ نے چلو کا پانی پھینک دیا اور فرمایا کہ اے دریائے فرات! گواہ رہنا کہ تیرا ایک ایک قطرہ اس وقت تک مجھ پر حرام ہے جب تک کہ میں ساقی کوثر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دلاروں کو بھر بھر پیٹ پانی نہ پلالوں۔ یہ کہا اور مشک کو داہنے کاندھے پر لٹکا کر خیمہ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ ابن سعد نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا کہ خبردار۔ ہوشیار! اگر یہ مشک خیمہ اہل بیت میں پہنچ گئی اور شیر خدا

کے شیروں کو پانی مل گیا تو تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہے گا کہ جس کے بچے یتیم اور جس کی بیویاں بیوہ نہ ہو جائیں۔ یہ سنتے ہی سپاہ شام نے عباس تشنہ کام کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا اور تیر تلوار کی بارش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ نوفل مردود نے پیچھے سے دھوکا دے کر ایسی تلوار چلائی کہ آپ کا داہنا بازو شہید ہو گیا اور آپ نے جھپٹ کر بائیں کاندھے پر مشک لٹکائی۔ پھر کسی ستم شعار نے ایسی تلوار ماری کہ آپ کا بایاں بازو بھی کٹ کر دور زمین پر گر پڑا۔ جب دونوں بازو کٹ گئے تو آپ نے جھک کر مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا اور گھوڑے کی رکاب سے دشمنوں کو ٹھوکر مارتے ہوئے خیمہ کی طرف بڑھتے چلے جا رہے تھے کہ ناگہاں کسی ظالم نے ایسا تاک کر مشک پر تیر مارا کہ مشک میں سوراخ ہو گیا اور پانی گرنے لگا یہاں تک کہ آپ جب خیمہ کے پاس پہنچے تو مشک میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں تھا اور جسم زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ نڈھال ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑے اور آخری وقت میں یہ کہہ کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا کہ یَا اَخَاهُ اَدْرِكْ اَخَاكَ یعنی اے بھائی! اپنے بھائی کی خبر لیجئے۔ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے اس آواز پر بیتابانہ دوڑ کر پہنچے تو کیا دیکھا؟ کہ عباس علمدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ خون میں نہائے بہشت بریں کا سرخرو ستارہ بننے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زور سے آہ کھینچی کہ کربلا کی زمین شدت غم سے دہل گئی اور آپ کو اپنی آغوش رحمت میں اٹھا کر خیمہ اطہر میں لائے اور زبان مبارک پر غم میں ڈوبے ہوئے یہ کلمات تھے۔

اَلْاٰنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ وَقَلَّتْ حِیْلَتِیْ — یعنی اب میری کمر ٹوٹ گئی اور میرا کوئی سہارا نہ رہا۔

پھر آپ روتے ہوئے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون آلود چہرے پر اپنا منہ رکھ کر اے بھائی اے بھائی کہہ کر پکارتے لگے۔

چلائے گر کے لاش پہ شبیر نامدار — بھائی تمہاری نرگسی آنکھوں پہ میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمہیں بھائی کا انتظار — آنکھیں پھرا کے ڈھونڈتے مجھ کو بار بار

شاید زبان ہے بند جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

بے تاب ہے حسین' برادر! جواب دو — اے میرے نوجواں مرے صفدر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبط پیمبر جواب دو — اے نور چشم ساقی کوثر جواب دو!

لکنت زبان خشک کو ہے' تشنہ کام ہیں
بھائی تمہارے سر کی قسم! ہم تمام ہیں

یہ بات سن کر نزع میں عباس تھرتھرائے　　قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ کے آئے
دوبار سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے　　رخ وں دہن حسین کے قدموں کے پاس لائے

ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ!

حضرات! اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے بھائی یعنی عثمان بن علی و محمد بن علی و جعفر بن علی سب یکے بعد دیگرے نہایت ہی جوش جہاد کے ساتھ لڑتے ہوئے راہ حق میں اپنا گلا کٹا کر شہید ہو گئے۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرات گرامی! اب امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آپ کے نور نظر حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہیں اور میدان جنگ کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ اللہ اکبر! عجیب وقت ہے کہ چہیتا بیٹا شفیق باپ سے سر کٹانے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔

اگر تو صاحب اولاد ہو گا
تجھے اولاد کا غم یاد ہو گیا

عزیزانِ ملت! درحقیقت حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بڑے امتحان کا وقت تھا۔ اٹھارہ برس کا جوان بیٹا' بڑھاپے کا سہارا' پیری کا عصا اجازت دیں تو کس قلب و جگر سے؟ اور نہیں اجازت دیتے تو گلشن رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گل شاداب رنج و غم سے کملایا جاتا ہے کیونکہ اس آرزومند شہادت کو شوق جہاد نے اس قدر وارفتہ بنا دیا تھا کہ اگر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو میدان جنگ میں جانے سے روک دیتے تو صدمات سے ان کے سینے میں شیشہ دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ چاروناچار امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دینی ہی پڑی۔

حضرات! حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ''شبیہ پیمبر'' ہے یعنی ان کی شکل و صورت اور چہرے کا نقشہ ہو بہو جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب دیدار محمد کا شوق بے تاب کرتا تھا تو وہ دور دور سے سفر کر کے مدینہ منورہ آتے تھے اور علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ انور کا جمال دیکھ کر ان کے دلوں کو تسلی حاصل ہو جاتی تھی۔ یہ نور کا پیکر اور تنویر مصطفیٰ کا مرقع جس کے جمال صورت پر ہزاروں رعنائیاں

تصدق اور جس کے قدموں پر نوجوانی کی لاکھوں بہاریں قربان ہورہی تھیں۔ جس وقت میدان جنگ کا ارادہ کر کے روانہ ہونے لگا تو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور تبرکات کا صندوق کھول کر بہترین تبرکات جو محفوظ تھے نکال کر لائے اور عروس شہادت کی گود میں قیامت تک سونے والے دولہا کو ان مقدس تبرکات سے آراستہ فرمادیا اور اپنے شہزادہ علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس شان سے میدان میں بھیجا کہ۔

قبائے رحمت عالم ﷺ پہنائی جسم اطہر پر — شہ خیبر کے پٹکے سے کمر باندھی گئی کس کر
سر انور پہ رکھا خود اپنی زرہ پہنائی — بڑھائی جوشن وچار آئینہ سے شان رعنائی
سجائے دست وبازو و نیزہ شمشیر و خنجر سے — دعا مانگی اٹھا کر دست رحمت رب اکبر سے
الٰہی ! یہ میرا لخت جگر ہے راحت جاں ہے — یہ تیری راہ میں سو جاں سے لب ہونے کو قرباں ہے
خداوند جہاں ! مقبول فرما میری قربانی — عطا کر صبر اس کو جب ہو اس پر تیر بارانی

دعائیں دیں کہا نور نظر ! جاؤ خدا حافظ
رہ حق میں عدو سے جنگ فرماؤ ! خدا حافظ

غرض مقدس باپ کی پیاری پیاری دعاؤں سے دامن بھر کر یہ اسد اللہ شیر میدان میں آیا اور ذوالفقار حیدری چمکا کر مجاہدانہ لہجے میں رجز کا یہ شعر پڑھا کہ۔

اَنَا عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنُ بْنِ عَلِیْ
نَحْنُ اَھْلَ الْبَیْتِ اَوْلٰی بِالنَّبِیْ !

یعنی اے گروہ اشقیاء! تم مجھے جان لو اور پہچان لو کہ میرا نام علی اکبر ہے اور میں امام حسین کا بیٹا ہوں اور امام حسین فاتح خیبر علی حیدر کے نور نظر ہیں اور یاد رکھو کہ ہم ''اہل بیت'' ہیں اور سن لو کہ خدا کے اس آسمان کے نیچے اور خدا کی اس زمین کے اوپر خدا کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہیں ہے۔

شہزادہ نے جس وقت یہ رجز پڑھی تو آپ کی مجاہدانہ ہیبت سے ریگستان کربلا کا ذرہ ذرہ کانپ اٹھا اور کور باطن یزیدیوں کو جب شبیہ پیمبر علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرۂ انور پر جمال مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجلیاں نظر پڑیں تو وہ محو حیرت بن کر ابن سعد سے پوچھنے لگے کہ یہ کون سوار آ گیا؟ کہ جس کے حسن و جمال کی تجلیاں نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ یہ امام حسین کے فرزند ہیں جو جمال صورت میں ہم شکل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمال سیرت و وارث علی مرتضیٰ ہیں۔ یہ سن کر یزیدی فوج میں ایک سناٹا چھا گیا اور ان کے

ضمیر کی آواز نے انہیں جھنجھوڑا کہ اللہ اکبر! تنویر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانی تصویر پر کون تلوار اٹھانے کی جرأت کرسکتا ہے؟ لیکن یزید پلید کے انعام واکرام کی طمع کا بھوت ان کے سروں پر سوار تھا اور دنیا کی حرص نے انہیں اس قدر اندھا بنا دیا کہ وہ اہل بیت کی قدر و منزلت اور اپنے کرتوت کی شامت ونحوست کو جانتے ہوئے بھی اپنی شقاوت سے باز نہیں آئے اور آلِ رسول کے خون ناحق کا نہ مٹنے والا دھبہ اپنی پیشانیوں پر لگا کر دونوں جہاں کی روسیاہی میں گرفتار اور قہر قہار وغضب جبار کے سزاوار بنے! بہرکیف علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعداء کی صفوں کے سامنے کھڑے ہوکر ایک نعرہ مارا اور فرمایا کہ اے ستم گارو! اگر تمہیں آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خون کی پیاس ہے تو تم میں جو سب سے زیادہ بہادر ہو اس کو میدان میں بھیجو اور تم کو زور بازوئے حیدر دیکھنا ہو تو میرے سامنے آؤ۔ شہزادہ عالی وقار کی مجاہدانہ للکار سن کر لشکر اشرار سہم گیا اور کسی میں بھی یہ ہمت وجرات نہیں ہوئی کہ ذوالفقار حیدری کا سامنا کرتا جب بار بار کی للکار کے باوجود کوئی خونخوار آگے نہیں بڑھا تو آپ نے فوراً ہی گھوڑا کدا کر دشمنوں کی صفوں پر حملہ کردیا اور جس طرف رخ کیا ستم گاروں کا آہنی لشکر کائی کی طرح پھٹتا چلا گیا ایک ایک وار میں کئی کئی دیو پیکر خونخواروں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈال دیا۔ کبھی لشکر کے میمنہ پر قہر الٰہی کی بجلی گرائی تو خوف وہراس سے دلاوروں کا لشکر زیروزبر ہوگیا اور کبھی پلٹ کر فوج کے میسرہ پر عقاب کی طرح جھپٹے تو بہادروں کی صفوں کو درہم برہم کرڈالا اور کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگا کر نیزہ کی ضرب اور تلوار کی مار کا جوہر دکھایا تو گردن کشوں کے سر موسم خزاں کی پتوں کی طرح جھڑ کر گرنے لگے۔ ہر طرف ایک شور برپا ہوگا اور بڑے بڑے سورماؤں کے اوسان خطا اور بڑے بڑے جنگجو بہادروں کی ہمتیں شکستہ اور حوصلے پست ہو گئے۔ شیر حق کا حملہ نہ تھا بلکہ قہر الٰہی کا ایک عذاب عظیم تھا جو ان کے سروں پر برقِ خاطف بن کر مسلط ہوگیا تھا۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگا دیئے اور کربلا کی زمین کو ظالموں کے خون سے رنگین بنا ڈالا۔ لیکن تیز دھوپ تپتا ہوا ریگستان جھلسا دینے والی گرم گرم لو کے تھپیڑے میں دوڑ دھوپ اور حملوں کی شدت نے اس مجاہد جاں باز کو پیاس سے بے قرار کردیا۔ چنانچہ آپ پلٹ کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور مہربان باپ کو اپنی زبان دکھا کر عرض کیا کہ **یا اباہ العطش** یعنی ابا جان پیاس کا غلبہ ہے مگر یہاں پانی کہاں تھا؟ جو اس تشنہ شہادت کو سیراب کیا جائے۔ شفیق باپ نے اپنی انگشتری عنایت فرمائی اور کہا کہ بیٹا! اس کو منہ میں رکھ لو۔ مقدس باپ کی مشفقانہ تسلی سے کچھ تسکین ہوئی تو پھر رزمگاہ کا رخ کیا اور فرمایا کہ

اے گروہ اشرار! جس کے سر پر موت سوار ہو وہ میرے سامنے آئے اور ذوالفقار کی مار کا مزہ چکھ لے۔ آپ نے کئی بار للکارا تو مبارز طلب فرمایا۔ مگر کسی بہادر کا قدم آگے نہیں بڑھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بھوکے شیر کے سامنے بکریوں کا ایک گلہ ہے جو جان کے خوف سے دم بخود اور لرزہ براندام ہے۔

یہ منظر دیکھ کر ابن سعد نے طارق پہلوان سے کہا کہ اے طارق! بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک اکیلا ہاشمی نوجوان میدان میں تم ہزاروں کو للکار رہا ہے۔ مگر تم میں سے کوئی بھی ایسا غیرت مند نہیں ہے جو اس کا مقابلہ کرے۔ اے طارق! اگر تو بڑھ کر اس نوجوان کا سر کاٹ لے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے عبداللہ بن زیاد سے موصل کی گورنری کا پروانہ دلا دوں گا۔ دنیا کا کتا طارق گورنری کے لالچ میں فرزند رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون بہانے کے لئے دوڑ پڑا اور نیزہ تان کر حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ مگر اسد اللہ شجاعت کے وارث نے کمال ہنر مندی سے دشمن کے وار کو رد کر دیا اور خود آگے بڑھ کر طارق کے سینے میں ایسا نیزہ مارا کہ اس کی پیٹھ سے پار ہو گیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی مر گیا اور شہزادہ نے اپنے گھوڑے کی ٹاپ سے اس لاش کو روند کر اس کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا۔ طارق کے بیٹے عمرو بن طارق نے اپنے باپ کو اس ذلت کے ساتھ قتل ہوتے دیکھا تو اس پر خون سوار ہو گیا اور وہ غصہ میں آگ بگولہ ہو کر چلاتا ہوا آگے بڑھا اور مجنونوں کی طرح حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کرنے لگا مگر آپ نے ایک ہی نیزہ کی مار سے اس کو بھی اس کے باپ کے پاس پہنچا دیا۔ طارق کا دوسرا بیٹا طلحہ بن طارق باپ اور بھائی کا انتقام لینے کے لئے شعلہ جوالہ کی طرح اچھلتا کودتا تلوار لے کر گھوڑے پر سوار ہوا اور حضرت علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر چڑھ دوڑا۔ مگر آپ نے اس کو پکڑ کر ایسا جھٹکا دیا کہ وہ گھوڑے سے گرنے لگا۔ پھر آپ نے اس کو اس زور سے زمین پر پٹخا کہ اس کا دم نکل گیا اور حضرت علی اکبر کی ہیبت حیدری سے یزیدی لشکر میں زلزلہ آ گیا ابن سعد نے غصہ میں آ کر معراع بن غالب کو حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ وہ نہایت ہی متکبرانہ انداز میں نیزہ ہلاتا ہوا آپ کی طرف بڑھا اور جیسے ہی اس نے نیزہ تانا آپ نے نیزہ پر ایسی تلوار ماری کہ اس کا نیزہ قلم ہو گیا اور پھر اس کے سر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کا سر دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گر پڑا۔ ابن سعد نے جب یہ دیکھا کہ اب کسی بہادر میں اس شیر حق کے مقابلہ کی تاب و ہمت نہیں ہے تو اس نے ایک بہادر پہلوان کو حکم دیا کہ وہ ایک ہزار سواروں کو ساتھ لے کر پہلے ان کا محاصرہ کرے پھر دور سے تیروں کی

بارش کی جائے اور جب یہ شیر خدا کا شیر زخمی ہو کر مضمحل ہو جائے تو اس کو نیزوں سے چھید کر تلوار سے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ستم شعاروں نے ایک بارگی چاروں طرف سے گھیرا ڈال کر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ زخموں سے چکنا چور ہو کر چمن فاطمہ کا یہ غنچۂ حسین اپنے خون میں نہا کر رنگین ہو گیا اور ابن نمیر نے آپ کے سینہ انور پر ایسا نیزہ مارا کہ آپ گھوڑے کی زین سے زمین پر تشریف لائے اور شفیق باپ کو پکارا کہ یا اباہ ادر کنی ابا جان اپنے نور نظر کو سنبھالیے۔ شہزادہ کی پکار حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے تابانہ گھوڑا دوڑا کر میدان میں پہنچے اور آپ کو اٹھا کر خیمہ میں لائے اور شبیہ پیمبر کے چہرہ انور سے خون آلود غبار اپنے دامن اطہر سے صاف کرنے لگے۔ اتنے میں علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنکھیں کھول دیں اور آخری بار حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دیدار کر کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور بہشت بریں کو روانہ ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادیدۂ تر لخت جگر کی لاش کو فرش زمین پر لٹا کر زبان حال سے یہ فرمایا کہ۔

جب خاک پر لٹا چکے لاش پسر امام ۔۔۔ تا دیر روئے پھر یہ زمین سے کیا کلام
میں ابن بوتراب ہوں مظلوم و تشنہ کام ۔۔۔ اور ہے یہ میرا لخت جگر بدر لالہ فام
ایذا دیجیو کہ مرا گلعزار ہے
برچھی کے پھل سے اس کا کلیجہ فگار ہے

حسرت زدہ جہاں سے اٹھا ہے یہ مہ جبین ۔۔۔ سن سن کر اس کا واقعہ روئیں گے مومنین
تیغوں سے پاش پاش ہے سب جسم نازنین ۔۔۔ رکھ کر اس کو احتیاط سے دامن میں اے زمین
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسین کی
اب ہے ترے سپرد امانت حسین کی

حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرات گرامی! ابھی امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو زمین پر لٹا کر اٹھے ہی تھے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن حضرت بی بی زینب حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شیر خوار بچے علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لئے ہوئے تشریف لائیں اور کہنے لگیں کہ بھائی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اب ہم سے علی اصغر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی پیاس دیکھی نہیں جاتی۔ بھوکی پیاسی ماں کے سینے میں دودھ خشک ہو چکا ہے اور شیر خوار بچہ پیاس سے بیتاب اور تشنگی کی شدت سے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہا ہے۔ پھول جیسا حسین ورنگین چہرہ بھوک پیاس اور تپش سے مرجھا گیا ہے اور اس کے پتلے پتلے گلابی رنگ کے ہونٹ جن کی نزاکت ورنگینی پر گلاب کی کلیاں قربان ہوتی تھیں۔ پیاس کی شدت سے کالے پڑ گئے ہیں اس کا رونا بلکنا اور تڑپنا مچلنا دیکھنے کی اب ہمارے اندر تاب نہیں ہے اس لئے بھائی جان! میری یہ رائے ہے کہ آپ اس ننھی سی جان کو میدان میں لے جا کر ستم گاروں کو دکھایئے۔ شاید ان سنگ دلوں کو اس بچے کی پیاس پر رحم آجائے اور وہ چند گھونٹ اس بچے کو پانی پلادیں۔

بہن کے اصرار سے مجبور ہو کر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے نورِ نظر علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی گود میں اٹھا کر سیاہ دل دشمنوں کے سامنے تشریف لے گئے کہ اے میرے نانا جان کا کلمہ پڑھنے والو! میں اپنے تمام شہزادگان اہل بیت کو تو تمہاری بے رحمی اور جور و جفا کی نذر کر چکا اب یہ میرا سب سے چھوٹا بچہ ہے جو گلشن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے ننھا پودا ہے جو پیاس کی شدت سے دم توڑ رہا ہے۔ میرا یہ بے زبان بچہ اس نے اب تک کسی سے کوئی سوال نہیں کیا ہے۔ مگر آج یہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں کو تمہاری طرف پھیلا کر تم سے دریائے فرات کے چند گھونٹ پانی طلب کر رہا ہے اگر تمہارے باغی ہیں تو ہم ہیں تمہارے دشمن ہیں تو ہم ہیں۔ تم ہمیں پانی مت دو مگر اس نور کی تصویر اور حسن کی مورت کی پیاس پر رحم کھاؤ اور خدا کے لئے تم میرے لال اور چمن فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نونہال کو چند گھونٹ دریائے فرات کا پانی لادو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میدان محشر میں تمہیں اپنے نانا جان کے ہاتھ سے بھر بھر پیٹ کوثر و سلسبیل کا جام پلادوں گا۔

برادرانِ ملت! ابھی حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل ہلا دینے والی تقریر جاری ہی تھی کہ حرملہ بن کاہل مردود نے زہر کا بجھا ہوا تیر ایسا باندھ کر مارا کہ علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خشک حلقوم کو چھیدتا ہوا حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو میں چبھ گیا۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیر کھینچ کر نکالا تو خون کا فوارہ علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گلے سے ابلنے لگا۔ پیاسے بچے نے فوراً ہی دم توڑ دیا اور ننھی سی لاش خون میں نہا گئی۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسرت بھری نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ننھے شہید کی لاش کو اپنے کلیجے سے چمٹا کر اور چادر میں چھپائے ہوئے آہستہ آہستہ خیمہ کی طرف روانہ ہوئے خیمہ کے دروازہ پر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن دوسری پردہ نشینان

اہل بیت کے ساتھ امام کی آمد کا انتظار کر رہی تھیں۔ امام کو دور سے آتا دیکھ کر حضرت بی بی زینب حضرت بی بی سکینہ سے کہنے لگیں کہ بیٹی سکینہ! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی مل گیا اور پیاسا بچہ پانی سے سیراب ہو کر باپ کی گود میں سو گیا ہے۔ کیونکہ جب بچہ جا رہا تھا تو پیاس سے تڑپتا اور مچلتا ہوا گیا تھا لیکن اب ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتا اور بڑے سکون سے باپ کی گود میں سوتا چلا آ رہا ہے لیکن حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خیمہ میں پہنچ کر خون میں نہائی ہوئی ننھے شہید کی لاش کو چادر میں سے نکالا تو یہ منظر دیکھ کر مستورات حرم کی چیخ نکل گئی۔

پھر وہاں سے آئے جو لاشہ لئے ہوئے شبیر	کھڑی تھیں ڈیوڑھی پہ اور رو رہی تھیں سب دلگیر
قریب آ کے یہ بولے حسین پر تنویر	سدھارے اصغر بے شیر کھا کے حلق پہ تیر

تمہارا ماہ لقا' خون میں بھر گیا بانو
تڑپ کے گود میں مرحوم' مر گیا بانو۔

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ننھی سی لاش کو گود میں دیا اور فرمایا کہ بہن زینب! صبر کرو اور شکر ادا کرو کہ خدا نے ہماری یہ سب سے چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی اور بہن زینب! خدا کا سجدہ شکر ادا کرو کہ مجاہدین کربلا کا سب سے ننھا سپاہی بھی اپنے خون کا آخری قطرہ راہ حق میں قربان کر کے دونوں جہان میں سرخرو ہو گیا۔ حضرت بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو گود میں لیا اور کہنے لگیں کہ ہائے! میں اب اس کو کس طرح اس ماں کے پاس لے کر جاؤں؟ میں تو اس کو ابھی ابھی اس کی ماں سے یہ کہہ کر لائی تھی کہ میں تیرے بچے کو پانی پلانے کے لئے جا رہی ہوں۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس وقت ماں کی گود میں علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کو دیا تو ماں نے ہائے میرا لال! کہہ کر لاش کو اپنے کلیجے سے لگا لیا اور روتے ہوئے کہا کہ بیٹا! ایک مرتبہ اور اپنی ماں کے سوکھے ہوئے پستان میں منہ لگا لو۔ کیونکہ اب تم کو اپنے سینے سے لگانا مجھے کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ ہائے افسوس! ۔

پھول تو دو دن بہار جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے کہ جو بن کھلے مرجھا گئے

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی شہادت

ساعت آہ و بکا و بے قراری آ گئی
سید مظلوم کی رن میں سواری آ گئی
ساتھ والے بھائی بیٹے ہو چکے ہیں سب شہید
اب امام بے کس و تنہا کی باری آ گئی

حضرات گرامی! اب یہ وقت آ گیا ہے کہ تمام احباب اور جوانان اہل بیت شہید ہو چکے ہیں۔ صرف حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ایک فرزند امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ باقی رہ گئے ہیں جو بستر بیماری پر انتہائی ضعف و نقاہت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جب حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنہا جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیماری اور توانائی کے باوجود مجاہدانہ عزم کے ساتھ ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ ابا جان! پہلے مجھے سر کٹانے کی اجازت دیجئے یہ نہیں ہوسکتا کہ میرے ہوتے ہوئے آپ شہید ہو جائیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بیٹا! میں تمہیں ہرگز کبھی میدان جنگ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ تمہارے سوا اب اہل بیت کی ان مستورات کا کوئی محرم باقی نہیں رہ گیا ہے ان بیکسان غریب الوطن کو وطن تک کون پہنچائے گا اور ان کی نگہداشت اور خبر گیری کون کرے گا؟ میرے جد و پدر کی جو امانتیں میرے پاس ہیں وہ کس کو سپرد کی جائیں گی؟ میری نسل اور حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے چلے گا؟ میرے بعد جانشین تمہارے سوا اب کون ہوگا؟ بیٹا زین العابدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یہ ساری امیدیں تمہاری ذات سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا اے جانِ پدر! تم ہرگز ہرگز میدان جنگ کا قصد نہ کرو اور دیکھو ضعف و ناتوانی سے تمہارے قدم ڈگمگا رہے ہیں۔ لہٰذا تم بستر پر لیٹ جاؤ۔ پھر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت سی وصیتیں فرمائیں اور اپنے سینے کے باطنی علوم و اسرار سے انہیں سرفراز و فیض یاب فرما کر اپنا جانشین بنایا اور خود اس شان سے میدان کا قصد فرمایا کہ مصری قبا زیب تن فرمائی اور تبرکات میں سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس عمامہ سر پر باندھا اور حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی ڈھال پشت پر رکھی اور حیدر کرار کی تلوار ذوالفقار کا گلے میں ہار پہنا اور تمام اہل خیمہ کو صبر و شکر کی

وصیت فرما کر اور سب کو اپنا آخری دیدار دکھا کر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

اللہ اکبر! اہل خیمہ نے اس ہوش رُبا منظر کو کن آنکھوں سے دیکھا ہوگا؟ ناز کے پالے بچوں کے سروں سے شفقت پدری کا سایہ اٹھ رہا ہے اور مقدس بیویوں کا سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ غریب الوطن، بیکس مسافروں کا قافلہ حسرت بھری نگاہوں سے اپنے امیر کارواں کے چہرے کا آخری نظارہ کر رہا ہے۔ پردہ نشینان حرم خوف و ہراس اور حسرت یاس کی خاموش تصویریں بنی ہوئی کھڑی ہیں اور سب کی آنکھوں سے اشک غم کے موتی ٹپک ٹپک کر ان کے قدموں پر قربان ہو رہے ہیں۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب کو خدا کے سپرد کیا اور میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کئی دن کی بھوک پیاس سے مضمحل اور بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں کے غم سے نڈھال ہیں اور سامنے ہزار ہا خون کے پیاسے خونخواروں کا لشکر سمندر کی طرح موجیں مار رہا ہے مگر حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی رگوں کے اندر خون کے قطرے قطرے میں رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خون شامل تھا۔ ان مصائب و آلام کے ہجوم میں صبر و تحمل اور عزم اور استقامت کے پہاڑ بن کر خونخوار اشرار کے مقابل مجاہدانہ شان و شوکت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور پہلے اپنی پر جلال آواز اور مجاہدانہ لہجے اور ایک ولولہ رجز پڑھی جس کے چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

وَالِدِیْ شَمْسٌ وَّ اُمِّیْ قَمَرٌ	وَاَنَا الْکَوَاکِبُ ابْنُ النَّیِّرَیْنِ
میرے باپ سورج ہیں اور میری ماں چاند	اور میں ستارہ ہوں اور ان دونوں چاند و سورج کا بیٹا ہوں
مَنْ لَّہٗ جَدٌّ کَجَدِّیْ فِی الْوَرٰی	اَمْ کَاُمِّیْ فِیْ جَمِیْعِ الثَّقَلَیْنِ
تمام مخلوق میں کس کا نانا میرے نانا کے مثل ہے؟	اور تمام جن وانس میں کون ہے جس کی ماں میری ماں جیسی ہو؟
فَاطِمَۃُ الزَّھْرَاءُ اُمِّیْ وَاَبِیْ	فَارِسُ الْخَیْلِ وَرَامِی النَّبْلَتَیْنِ
فاطمہ زہرا میری ماں ہے اور میرے باپ دلدل	سوار اور ایک کمان سے دو تیر چلانے والے ہیں
ھَازِمُ الْاَبْطَالِ فِیْ ھَیْجَانِہٖ	یَوْمَ بَدْرٍ وَّاُحُدٍ وَّ حُنَیْنٍ
میرے باپ نے بدر و احد اور حنین کی لڑائیوں میں	بڑے بڑے دلاوروں کو شکست دے دی ہے

پھر آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ پڑھا جس میں اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی کو آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن و آشکار کر دیا۔ چنانچہ آپ کے کلمات طیبات کو سن کر یزیدی لشکر کے بہت سے لوگ متاثر ہو کر زار زار رونے لگے لیکن شمر وغیرہ خبثاء نے یہ دیکھ کر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے لوگوں کے قلوب متاثر ہو رہے ہیں اور حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور آپ کی بے گناہی اور مظلومیت کا آفتاب طلوع ہو کر لوگوں کے دلوں میں ایک نورانی انقلاب پیدا کر دے گا۔ تو ان لوگوں نے ایک دم شور و غل مچانا شروع کر دیا کہ آپ یا تو یزید کی بیعت کیجئے یا پھر جنگ کے لئے تیار ہو جایئے اس کے سوا ہم کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہیں!

حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے کور باطنو! مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دلوں پر باطنی شقاوت کی مہر لگ چکی ہے لیکن میرا یہ خطبہ صرف اتمام حجت کے لئے تھا تا کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے حق اور امام کو پہچانا نہیں تھا اس لئے لاعلمی میں ہم نے اہل بیت کا خون بہایا تھا۔ الحمد اللہ! کہ میں تمہارا یہ عذر ختم کر چکا اب رہا یزید کی بیعت کا سوال؟ تو یہ مجھ سے کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں باطل کے سامنے سر جھکاؤں اور اپنا پاک ہاتھ یزید پلید کے ناپاک ہاتھ پر رکھ کر بیعت کروں۔ لہٰذا اب تم اپنا ارادہ پورا کر لو اور جس کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجنا چاہتے ہو اس کو سامنے بھیج دو۔ ابن سعد نے سب سے پہلے تمیم لئیم کو جو ملک شام کا نامور سردار تھا۔ جنگ کے لئے بھیجا اور وہ بے حیا یزید کے انعام و اکرام کے لالچ میں ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر کاٹنے کے لئے نہایت غرور کے ساتھ تلوار چمکاتا ہوا آیا۔ مگر ابھی وار کے لئے اس کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذوالفقار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ تمیم کا سر کٹ کر گیند کی طرح دور جا کر گرا۔ پھر یزید ابطحی جس کی دلاوری کی عراق و مصر بلکہ شام و روم تک میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ نہایت متکبرانہ انداز میں شیطانی چال چلتا ہوا حملہ کے لئے بڑھا اور ایک دم اچانک حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تلوار چلا دی۔ مگر آپ نے اس کے وار سے بچ کر اس کی کمر پر ایسی تلوار ماری کہ وہ ککڑی کی طرح کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر ابن سعد کا حکم پا کر ایک تیسرا سرکش پہلوان نعرہ مارتے اور شور مچاتے ہوئے آگے بڑھا اور بڑے گھمنڈ سے کہنے لگا کہ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب ہوشیار ہو جاؤ۔ میں وہ جنگجو دلاور ہوں کہ پورے شام و عراق میں میری شجاعت کا ڈنکا بج رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور فوج شرار کو یقین ہو گیا کہ یہ ضرور

امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کام تمام کر دے گا۔ امام نے اس کی گستاخانہ چال دیکھی تو ڈانٹ کر فرمایا کہ اے شامی گنوار کے بیٹے تو کس کے سامنے اتنی ڈینگیں مار رہا ہے؟ کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ ہوش کی دوا کر۔ ادھر ادھر مت دیکھ۔ سامنے نظر کر تیرے مقابل فاتح خیبر علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شجاعت کا وارث شیر نر کھڑا ہے۔ شامی پہلوان یہ سن کر اور زیادہ طیش میں بھر گیا اور چیخ کر بولا کہ حسین! سنبھلنا میں وہ شمشیر مارتا ہوں کہ اگر پہاڑ پر ماروں تو پہاڑ سرمہ بن جائے یہ کہا اور امام پر تلوار چلادی۔ مگر امام نے اس کا وار خالی دے کر اس کی کمر پر ذوالفقار کا ایک جچا تلا ہاتھ مارا کہ ایسا معلوم ہوا کہ ایک کھیرا تھا جو کٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور اس ضرب حیدری کی ہیبت سے زمین کربلا کا ذرہ ذرہ دہل گیا اور قدرت پکار اٹھی کہ ؎

شاہ مردان' شیر یزداں' قوت پروردگار
لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی 'لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوْالْفِقَار

پھر تو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قہر الٰہی کی بجلی بن کر لشکر اشرار پر ٹوٹ پڑے اور جو سامنے آیا ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ کسی کو نیزے کی انی پر اٹھا کر اس زور سے پٹخا کہ اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئیں کسی کو اس کا پٹکا پکڑ کر جھٹکا دیا تو اس کو گھوڑے سے زمین پر پٹخا اور اس پر گھوڑا دوڑا کر گھوڑے کی ٹاپ سے اس کو روند کر پامال کر دیا۔ کسی کی پشت پر تلوار ماری تو وہ دو ٹکڑے ہو کر گھوڑے سے گر پڑا کسی کے سر پر ذوالفقار کا وار کیا تو خود و مغفر کے پرزے پرزے اڑا دیئے۔ کسی کی گردن پر شمشیر حیدری چلائی تو اس کا سر کٹ کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ غرض ریتلی زمین کو دشمنوں کے خون سے رنگین بنا ڈالا اور ریگستان کربلا میں بہادروں کے سروں کو کھیت میں بو دیا اور آپ کی ہیبت و شجاعت کا دشمنوں کے دلوں پر ایسا سکہ بیٹھا کہ یزیدی لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ ابن سعد نے جب اپنے لشکریوں میں ہول اور ساری فوج کو ڈانواں ڈول ہوتے دیکھا تو اس نے یہ سمجھ لیا کہ دست بدست کی جنگ میں تو ہماری ساری فوج بھی حیدری شیر حق کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ اس لئے اس نے محاصرہ کر کے حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ہر چہار طرف سے فوج اشرار نے یلغار کر کے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا۔ پھر دور سے تیر اندازی کی بارش شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک زہر میں بجھا ہوا تیر حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس مقدس پیشانی پر لگا جس کو ہزاروں بار محبوب پروردگار عزوجل نے محبت اور پیار سے چوما تھا۔ تیر لگتے ہی خون کا فوارہ چہرہ انور پر بہہ نکلا اور آپ غش کھا کر گھوڑے کی زین سے زمین پر اتر پڑے۔ پھر ظالموں نے نیزہ و شمشیر کی مار سے آپ کو اس قدر زخمی کر دیا کہ نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ بہتر زخم کھا کر زمین پر بیٹھ

گئے اور شیطان صفت سنان نے سینۂ اقدس پر نیزہ مارا اور آپ جب سجدہ میں گر پڑے تو شمر مردود نے تلوار ماری اور آپ شہید ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

برادرانِ ملت! ایک روایت میں یہ ہے کہ دس سوار آپ کے قتل کے لئے آگے بڑھے مگر جو سامنے آتا خوف اور شرم سے پیچھے لوٹ جاتا۔ لیکن شمر' سنان' خولی' شبل یہ چاروں خبثاء آپ کے سامنے آئے اور شمر مردود آپ کے سینۂ اقدس پر سوار ہو گیا۔ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ستم گارو! آج جمعہ کا دن ہے اور سورج ڈھل گیا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ میرے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے خطباء یا تو منبروں پر میرے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خطبہ پڑھ رہے ہوں گے یا نماز جمعہ ادا کر رہے گے افسوس اس وقت حسین بن علی ایسی بے کسی و بے بسی کے عالم میں ہیں کہ نماز جمعہ نہیں ادا کر سکتا۔ لیکن اے شمر! تو ذرا دیر کے لئے میرے سینے سے ہٹ جاتا کہ میں جس حال میں ہوں۔ خدا کا فرض ادا کرلوں۔ چنانچہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیمم فرما کر نماز شروع کر دی۔ قرات بھی پڑھ لی۔ رکوع بھی کر لیا' سجدہ بھی کرلیا۔ مگر برادرانِ ملت! یہ سجدہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کا تو پہلا ہی سجدہ تھا مگر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا یہی آخری سجدہ تھا۔ ابھی آپ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا تھا کہ سنان نے نیزہ مارا اور شمر نے تلوار چلا دی اور آپ شہید ہو گئے۔ پھر خولی نے یا شبل نے آگے بڑھ کر سر اقدس کو تن مبارک سے جدا کر دیا اور حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مقدس خون جس کے ایک ایک قطرہ کی قیمت زمین و آسمان اور اس جہان کا سارا سامان بھی نہیں ہو سکتا۔ یزید ستم گاروں نے ۱۰ محرم ۶۱ھ جمعہ کے دن کربلا میں انتہائی بے دردی کے ساتھ بہا دیا۔ لیکن مسلمانو! کربلا زمین کا ذرہ ذرہ قیامت تک یہ پکارتا اور اعلان کرتا رہے گا۔

جو زیر خنجر قاتل ادا نماز کرے
نماز ایسے نمازی پہ کیوں نہ ناز کرے

عزیزانِ ملت! آج حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو ہماری نظروں کے سامنے نہیں ہے مگر ان کے مقدس خون کا قطرہ قطرہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو کربلا کی زمین سے یہ ولولہ انگیز اور رنگین پیغام دین دیتا رہے گا کہ

خون میں نہاؤ' زخم سہو' سر فدا کرو
جب وقت آئے دین پہ یوں حق ادا کرو

برادرانِ ملت! مرنا تو سب کو ہے مگر جب گوشہء رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفرزند نے سجدہ میں سر کٹا کر اپنے نانا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ کی عملی تفسیر اور وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ کا یہ درس حیات دیا کہ مسلمانو! مرو تو اس شان سے مرو کہ۔

حلق پر تیغ چلے' سینے پہ جلاد رہے
لب پہ ہونا تیرا' دل میں تری یاد رہے

برادرانِ ملت! افسوس! تاریخ اسلام میں یہ کیسا خون رلانے والا سانحہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والوں نے ہی ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر بہتر زخم لگا کر ان کا سر کاٹ لیا اور گلشن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تاخت و تاراج کر کے خانہ اہل بیت کے اس روشن چراغ کر بجھا دیا جس سے تمام دنیائے اسلام میں ہدایت کی روشنی تھی۔

برادرانِ اسلام! آہ آہ! اس صدمہ جانکاہ سے دل گھائل' قلب مجروح جسم لرزہ براندام اور آنکھیں اشک بار ہیں۔ افسوس! صد افسوس! ؎

یہ عنایتوں کی جزا ملی' یہ ہدایتوں کا صلہ ملا!
جو چراغ نور نبی کا تھا اس کربلا میں بجھا دیا
یہ حسین تیرا ہی کام تھا کہ سب اپنے لال فدا کئے
تجھے ان ستاروں نے ڈوب کر شب غم کا چاند بنا دیا
جو حسین خیمے میں جائیں گے وہاں جا کے کس کو دکھائیں گے
جسے ماں کی گود سے لائے تھے اسے زیر خاک سلا دیا
یہ سنان و تیر کی دعوتیں یہ علی کے لعل کی ہمتیں
کبھی نوجواں کا جگر دیا کبھی بے زبان کا گلا دیا
چمن آپ اپنا لٹا گئے بہار دین خدا رہے
نہ جما جو رنگ بہار سے تو لہو بھی اپنا ملا دیا

برادرانِ ملت! دربارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آلِ رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور پڑھیے۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

یزیدیوں کی غنڈہ گردی

حضرات! امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یزیدیوں نے خیمہ اطہر کا سارا سامان لوٹ لیا اور خیمہ کو جلا ڈالا اور اپنے مقتولوں کو تو دفن کیا اور تمام شہداء کربلا اہل بیت کا سرکاٹ کران کی مقدس لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند کران کی ہڈیوں کو بھی چکنا چور کر دیا اوران کی سر بریدہ لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ کر اور تمام شہداء کرام کے سروں کو نیزوں پر چڑھا کر کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک گشت کرایا۔ پھر عبیداللہ بن زیاد نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس کو آراستہ کیا اور دربار عام منعقد کر کے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر اقدس کو اپنے تخت کے نیچے رکھا اور بے ادبی کی پھر شمر ناپاک کے ساتھ ان مقدس سروں کو یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سر مبارک اور اہل مبارک کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمراہی میں مدینہ منورہ روانہ کیا اور حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر اقدس حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا یا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں مدفون ہوا۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صدمہ عظیمہ

حضرات گرامی! اس حادثہ فاجعہ سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب نازک پر جو صدمہ جانکاہ گزرا وہ اندازہ و قیاس سے باہر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز دوپہر کو میں خواب میں حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پرانور سے مشرف ہوا اور میں نے دیکھا کہ حضور کے گیسوئے معنبر چہرہ انور پر بکھرے ہوئے ہیں اور دست مبارک میں ایک خون سے بھری ہوئی بوتل ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میری جاں آپ پر قربان۔ یہ بوتل کیسی ہے؟ اور اس قدر رنج و ملال کی کیا بات ہے تو ارشاد فرمایا کہ یہ میرے لخت جگر حسین اور ان کے جاں نثار رفیقوں کا خون ہے جس کو میں آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس تاریخ اور وقت کو یاد رکھا اور جب چند دنوں کے بعد خبر آئی تو معلوم ہوا کہ یہی وقت تھا کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کئے گئے تھے۔ (بیہقی)

اندھیرا اور خون کی بارش

حضرات روایت ہے کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے روز آپ کا مقدس

خون زمین پر گرتے ہی دن میں ہر طرف اندھیر چھا گیا اور تین دن کامل بغیر بدلی کے دھوپ غائب رہی اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا رہا۔ آسمان سے خون کی بارش ہوئی اور اس دن بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا اور فضا پر رنج اور اداسی کے آثار نمودار نظر آتے تھے۔ (بیہقی)

جنوں کی نوحہ خوانی

حضرات! انسان تو انسان حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا رنج وغم جنوں نے بھی منایا۔ چنانچہ محدث ابونعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی ہے کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر اس طرح نوحہ پڑھتے ہوئے سنا کہ ؎

مَسَحَ النَّبِیُّ جَبِیْنَهٗ فَلَهٗ بَرِیْقٌ فِی الْخُدُوْدِ
اَبَوَاهُ مِنْ عُلْیَا قُرَیْشٍ جَدُّهٗ خَیْرُ الْجُدُوْدِ

یعنی حسین کی مقدس پیشانی کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسح فرمایا تھا۔ جس کا نوران کے چہرہ انور پر چمک رہا ہے ان کے ماں باپ قریش کے اعلیٰ ترین افراد میں سے ہیں اور ان کے نانا تمام جہان سے بہترین ہیں۔

یزید پلید کی ہلاکت

حضرات گرامی! امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یزید بالکل ہی بے لگام ہو گیا اور اس کے ظالمانہ دور حکومت میں ظلم وعدوان اور بداعمالی وعصیان سے خدا کی زمین بلبلا اٹھی۔ زنا' سود' شراب خوری وحرام کاری کی ہر طرف گرم بازاری ہو گی۔ نماز وروزہ وحج وزکوٰۃ کی پابندیاں اٹھ گئیں اور شعائر اسلام کی علی الاعلان بے حرمتی ہونے لگی اس فرعون زمانہ کی سرکشی اور شیطانیت اس حد تک بڑھی کہ ۶۳ھ اس نے مسلم بن عقبہ کو بارہ یا بیس ہزار لشکر کا سپہ سالار بنا کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا حکم دیا اور اس لشکر اشرار نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار اور مدینہ منورہ کے کوچہ وبازار میں وہ طوفان برپا کیا کہ جس کو دیکھ کر کفار بھی نادم وشمسار ہو جائیں۔ ان فرعون صفت خونخواروں نے سات سو صحابہ کرام علیہم الرضوان کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کیا اور دوسرے عام مسلمانوں کو ملا کر دس ہزار مومنین کو ذبح کر ڈالا۔ ان شیطانی فوج داری نے مسجد نبوی کے ستونوں میں گھوڑے باندھے اور اہل مدینہ کے ساتھ ایسی ایسی بدتمیزیاں کیں کہ ان کے تصور سے بھی جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال براندام

اور نڈھال ہو جاتا ہے۔ پھر یہی طاغوتی لشکر مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوا۔ راستہ میں امیر لشکر مر گیا۔ تو دوسرا سپہ سالار مقرر ہوا اور ان شیطانوں نے کعبہ معظمہ پر سنگباری کی اور حرم محترم میں نجاست پھینکی۔ پھر کعبہ معظمہ میں آگ لگادی جس سے غلاف کعبہ اور چھت جل گئی اور کعبہ کے تمام تبرکات کو جلا ڈالا۔ انہیں تبرکات میں حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے فدیہ میں قربانی کئے ہوئے دنبہ کے وہ سینگ بھی جل گئے۔ جو سینکڑوں برس سے کعبہ میں بطور تبرک رکھے ہوئے تھے کئی دنوں تک کعبہ بے غلاف رہا اور باشندگانِ حرم سخت مصیبتوں میں مبتلا رہے آخر کار یزید پلید قہر قہار وغضب جبار میں گرفتار ہوا اور تین برس سات مہینے تخت حکومت پر شیطانیت کر کے ۱۵ ربیع الاول ۶۴ھ کو جس دن اس کے حکم سے کعبہ معظمہ میں آگ لگائی گی۔ انتالیس برس کی عمر پا کر ملک شام کے شہر حمص میں قسم قسم کے امراض خبیثہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گیا۔

یزیدی فوج کو جب اپنے طاغوت کی موت کا پتا چلا تو وہ ذلیل وخوار ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہونے لگے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی فوجوں نے باشندگان حرم نے ان ستم گاروں کو کتوں اور چوہوں کی طرح دوڑا دوڑا کر مار ڈالا۔

ستم گاروں کا برا انجام

حضرات! یزید کی ہلاکت کے بعد اہل حجاز ویمن اور عراق وخراسان والوں نے تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مصر وشام والوں نے یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کو تخت پر بٹھایا۔ معاویہ بن یزید انتہائی نیک وصالح اور عبادت گزار مسلمان تھا اور اپنے باپ کی بداعمالیوں سے عمر بھر بیزار رہا۔ بادل ناخواستہ یہ تخت حکومت پر بیٹھا لیکن حکومت سنبھالنے کے بعد سے تا دم مرگ بیمار ہی رہا اور چالیس دن یا چند ماہ کے بعد اکیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ موت کے وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین بنا دیں تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس حکومت میں کوئی لذت وحلاوت نہیں پائی تو میں اس تلخی میں دوسروں کو کیوں مبتلا کروں؟ میں نے تم سب لوگوں کو اپنی بیعت سے آزاد کیا۔ تم لوگ جس کو چاہو یہ سلطنت دے دو۔

برادرانِ ملت! مقام عبرت ہے کہ وہ سلطنت جس کو یزید نے اہل بیت نبوت کے خون پر قائم کیا جس سلطنت کی بقا اور استحکام کے لئے ہزاروں بے گناہوں کو قتل وغارت کیا۔ خود یزید بھی اس سے بہت ہی کم مدت تک مستفید ہو سکا اور آج اسی یزید کا بیٹا اس سلطنت کو اپنی ٹھوکر سے مار رہا ہے

۔معاویہ بن یزید کی موت کے بعد مصر وشام والوں نے بھی حضرت عبداللہ بن زبیر کی بیعت کرلی اور آپ پوری دنیائے اسلام کے امیر "المومنین" ہوگئے۔ پھر مروان بن الحکم نے بغاوت کی اور مصر وشام پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ ۶۵ھ جب مروان بن الحکم مرگیا تو اس کا بیٹا عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا اور اسی عبدالملک بن مروان کے عہد میں "مختار بن عبید" کو کوفہ میں غلبہ واقتدار حاصل ہوا۔

مختار بن عبید کا کارنامہ

حضرات! مختار بن عبید نے برسراقتدار آتے ہی سب سے پہلے قاتلان حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انتقام لینے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس نے کوفہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں تخت پر بیٹھ کر ''ابن سعد'' کو طلب کیا۔ ابن سعد کا بیٹا حفص حاضر ہوا تو مختار نے ڈانٹ کر پوچھا کہ تیرا باپ کہاں ہے؟ حفص نے جواب دیا کہ اے امیر! وہ تو ایک مدت سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوکر عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مختار نے غصہ میں سرخ ہوکر کہا کہ ''نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی'' آج وہ گوشہ نشین ہوکر عبادت گزار بن گیا ہے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے دن وہ گوشہ نشین عبادت گزار کیوں نہیں بنا؟ آج وہ ایران کی گورنری کا خواب کہاں گیا جس کی حرص وتمنا میں اس خبیث نے ابن رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرایا تھا۔ اس کے بعد مختار نے ابن سعد کو گرفتار کرایا اور طرح طرح کا عذاب دے کر ابن سعد اور اس کے بیٹے حفص اور شمر وغیرہ تمام قاتلان امام کو قتل کردیا اور ان کے سروں کو حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوتیلے بھائی محمد بن الحنفیہ کے پاس بھیج دیا پھر مختار نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ جو شخص بھی معرکہ کربلا میں یزیدی لشکر میں شامل رہا ہو اس کا قتل عام کیا جائے۔ چنانچہ یہ حکم سنتے ہی کوفیوں میں بھگدڑ مچ گئی مگر مختار کی فوجوں نے ان سب کا تعاقب کیا اور جس کو جہاں پایا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرڈالا اور ان کی لاشوں کر جلا کر ان کے گھروں کو لوٹ لیا۔ خولی بن یزید نے امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر کاٹا تھا وہ بھی گرفتار کرکے مختار کے دربار میں گھسیٹ کر لایا گیا۔ مختار نے پہلے تو اس کے ہاتھ کٹوائے پھر اس کو سولی پر لٹکایا پھر آگ میں جھونک دیا گیا۔ اسی طرح اس سعد کے تمام لشکر اشرار کو طرح طرح کے عذابوں کے ساتھ قتل کیا اور چھ ہزار کوفی جو یزیدی لشکر کے ساتھ کربلا میں تھے ان میں سے ہر ایک کو مختار نے قتل کردیا۔

عبیداللہ بن زیاد کا ناپاک سر

عبیداللہ بن زیاد جو کوفہ کا یزیدی گورنر تھا اور جس نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

اہل بیت کو کربلا میں قتل کرایا۔ یہ تیس ہزار کی فوج لے کر "موصل" میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ مختار نے ابراہیم بن مالک اشترا کو فوج کا سپہ سالار بنا کر اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ موصل سے پندرہ کوس کی دوری پر دریائے فرات کے کنارے دونوں لشکروں میں دن بھر جم کر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر کار شام تک ابراہیم کا لشکر فتح یاب ہو گیا اور عبید اللہ زیاد اسی میدان میں محرم کی دسویں تاریخ ۶۷ھ کو دریائے فرات کے کنارے قتل ہوا اور اس کا سارا لشکر بھی مقتول ہو گیا۔ ابراہیم نے عبید اللہ بن زیاد کا سر کاٹ کر مختار کے دربار میں کوفہ بھیجا اور مختار نے دربار آراستہ کر کے مجمع عام میں عبید اللہ بن زیاد کے سر کو اپنے تخت کے نیچے ٹھیک اسی جگہ پر رکھوایا جس جگہ اس بدنصیب نے ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر کو رکھوایا تھا۔

ناک میں سانپ

حضرات! ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جس وقت ابن زیاد بدنہاد کا ناپاک سر مختار کے دربار میں لا کر زمین پر رکھا گیا تو ناگہاں ایک سانپ غیب سے نمودار ہوا اور وہ تین دفعہ اس کی ناک میں داخل ہوا اور منہ سے نکلا۔ پھر ایک دم غائب ہو گیا اور کسی کو آج تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا۔

ایک لاکھ چالیس ہزار مقتول

برادرانِ ملت! حاکم محدث کی روایت ہے کہ کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے حبیب پر یہ وحی بھیجی تھی کہ قوم یہود نے حضرت زکریا علیہ السلام کو قتل کیا تو ان کے ایک خون کے بدلے ستر ہزار اور ستر ہزار یعنی ایک لاکھ چالیس ہزار شامی و کوفی مقتول ہوں گے۔ چنانچہ حضرت حق جل مجدہ کا وعدہ پورا ہوا کہ مختار کی لڑائی میں ستر ہزار شامی و کوفی قتل ہوئے اور پھر عباسی سلطنت کے بانی عبداللہ بن سفاح کے ہاتھ سے ستر ہزار شامی و کوفی مارے گئے۔

قدرتی انتقام

حضرات گرامی! قاتلان امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں سے جو بدبخت قتل سے بچے وہ طرح طرح کے ذلت آمیز و عبرت خیز قدرتی عذابوں میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ وہ بدنصیب جس نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر اقدس شکار بند سے باندھا تھا۔ بڑا خوبصورت اور حسین جوان تھا مگر اس واقعہ کے بعد اس کی صورت ایسی مسخ ہو کر بگڑ گئی کہ وہ ایک دم کالا روسیاہ اور کریہہ المنظر ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے بتایا کہ کربلا سے

واپسی کے بعد روزانہ خواب میں دو خوفناک آدمیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے جلتی ہوئی آگ پر اوندھا لٹکاتے ہیں۔ اس طرح ہر روز میرا چہرہ جلتا اور پگھلتا رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ میرا چاند سا منہ سیاہ ہوگیا یہ خبیث تادم مرگ اسی بلا میں گرفتار رہ کر مر گیا۔

اسی طرح جابر بن یزید ازدی جس نے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمامہ سر مبارک سے اتار کر اپنے سر پر باندھ کر خوشی میں رقص کیا تھا اس پر یہ قہر الٰہی ٹوٹ پڑا کہ فوراً ہی پاگل ہوگیا۔ گندی نالیوں کا پانی پیتا اور گوبر اور دوسری نجاستیں کھاتا پھرتا تھا مجبوراً اس کے گھر والوں نے اس کو زنجیر میں جکڑ دیا اور اس حالت میں وہ زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

جعونہ حضرمی جس نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کرتا اتار کر پہن لیا تھا وہ مردود بھی کوڑھی ہوگیا اور اس کے جسم کی کھال اور سر داڑھی کے بال سڑ سڑ کر زمین پر گر پڑے۔

اسود بن حنظلہ نے حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلوار پر قبضہ کر لیا تھا وہ بھی جذام میں مبتلا ہوا اور اس کے تمام بدن پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے یہاں تک اس کا سارا بدن سڑ گیا۔

حرملہ کاہل جس نے حضرت علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقوم پر تیر مارا تھا وہ اس عذاب میں گرفتار ہوا کہ اس کا اگلا رخ شکم کی جانب ہر وقت کی طرح جلتا تھا اور پیٹھ حصہ برف سے زیادہ ٹھنڈا رہتا تھا۔ پشت کی طرف وہ ہمیشہ آگ جلائے رکھتا اور شکم کی طرف ہر ویت پانی جھڑکتا اور پنکھا جھلتا رہتا تھا اور اس کو پیاس کی شدت رہا کرتی تھی کہ وقت پانی پیتا رہتا تھا۔ مگر اس کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔ آخر اسی مصیبت میں گرفتار رہتے ہوئے سر پٹک پٹک کر ہلاک ہو گیا۔ الغرض گلشن زہرا کے لہلاتے باغ کو اجاڑ کر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شیشہ دل کو پاش پاش کرنے والے دشمنان امام سے کوئی بھی قدرت کے قاہرانہ انتقام سے نہیں بچا اور سب کے سب قہر قہار و غضب جبار میں گرفتار ہو کر عذاب دارین کے سزاوار ہوئے۔

برادرانِ ملت! یاد رکھئے کہ دنیا میں جس طرح ہر چیز کی خاص خاص تاثیریں ہیں۔ اسی طرح عدل اور ظلم کی بھی خاص خاص تاثیرات ہیں۔ یاد رکھیے کہ عدل کی تاثیر آبادی ہے اور ظلم کی تاثیر بربادی۔ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمہ کیا خوب فرماتے ہیں کہ

گندم از گندم بروید جو از جو
از مکافات عمل غافل مشو

یعنی گیہوں بونے سے گیہوں اُگتا ہے اور بونے سے جو اُگتا ہے بوؤ گے وہی کاٹو گے اس لئے اپنے عمل کی جزا اور پاداش سے غافل نہ ہو۔ مشہور مثل ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

برادرانِ ملت! مقام عبرت ہے کہ صرف چند برسوں میں دشمنان امام قدرت کے قاہرانہ انتقام میں مبتلا ہوکر دنیا میں نیست ونابود ہو گئے اوران کا نام ونشان بھی مٹ گیا۔ سچ کہا کہ کسی شاعر نے کہ۔

دیدی؟ کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں امام نہ داد کہ شب راسحر کند

یعنی شمع نے پروانے کا خون ناحق کیا۔ تو تم نے اس کا انجام بھی دیکھا؟ کہ پروانے کے خون ناحق نے شمع کو اتنی دیر بھی اماں نہیں دی کہ وہ صبح تک روشن رہ سکے بلکہ صبح ہونے سے پہلے ہی شمع بھی بجھادی گی؟

برادرانِ ملت! میری تقریر کافی طویل ہوگی حالانکہ بہت سے واقعات بطور اختصار بھی ذکر نہ کرسکا۔ بہرحال اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔ لیکن آیئے! حضرات شہداء کرام کی خدمت میں سلام عقیدت عرض کرکے اس مبارک مجلس کو دعا پر ختم کریں۔

سلام

مرتضٰی کے دلاروں پہ لاکھو ں سلام — چشم زہرا کوتاروں پہ لاکھوں سلام
نورعینین مولٰی علی پر درود — ہاشمی نامداروں پہ لاکھوں سلام
بھوکے پیاسئے غریب الوطن خستہ جاں — باخدا روزہ داروں پہ لاکھوں سلام
سر ہتھیلی پہ رکھ کر جو ساتھی ہوئے — ان بہتر سواروں پہ لاکھوں سلام
قتل کی شب جو عبادت رہے — ان تہجد گزاروں پہ لاکھوں سلام
قوت بیکساں دستگیر جہاں — بے بسوں کے سہاروں پہ لاکھوں سلام
جن کے ایماں سے ایماں نے پایا فروغ — ایسے ایمانداروں پہ لاکھوں سلام

وما علینا الا لبلاغ

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

والصلوۃ والسلام علیٰ حبیبہ سیدا لمرسلین و الہ وصحبہ اجمعین

انیسواں وعظ

قربانی

اے مسلماں! سن یہ نکتہ درس قرآنی میں ہے عظمت
اسلام و مسلم و صرف قربانی میں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ الْحَقُّ وَلِقَاءُ کَ حَقٌّ وَ قَوْلُکَ حَقٌّ اَلْجَنَّۃُ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ـ

حضرات گرامی!

دربار رسالت میں بہ آواز بلند درود وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلِّمْ
صَلٰوۃً وَّسَلَامٌ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اے مسلماں ! سن یہ نکتہ درس قرآنی میں ہے
عظمت اسلام و مسلم صرف قربانی میں ہے

زندگی جاوداں مومن کی قربانی میں ہے
لذت آب بقا تلوار کے پانی میں ہے

حضرات گرامی! میری آج کی تقریر کا عنوان ''قربانی'' ہے قربانی کیا ہے؟ میرے بزرگو اور بھائیو! ''قربانی'' دین کی شان اور اسلام کا ایک بڑا نشان ہے۔ قربانی رب جلیل کے مقدس خلیل حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء مرسلین علیہم السلام کی سنت اور پروردگار عالم جل جلالہٗ کے دربار میں بندوں کی بہترین عبادت ہے یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء اور رسولوں کی امتوں کے لئے قربانی کا حکم نازل ہوا ہے۔ چنانچہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

یعنی ہر ایک امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر کردی تا کہ وہ بے زبان جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کریں۔

برادرانِ ملت! قربانی بظاہر ایک جانور کو خدا کے نام پر ذبح کردینے کا نام ہے لیکن یاد رکھئے کہ قربانی کا مقصد محض جانوروں کو ذبح کردینا ہی نہیں۔ بلکہ درحقیقت قربانی کی روح یہ ہے کہ بندہ ایک خاص فدا کارانہ جذبہ اخلاص سے اپنے قلب و دماغ کو منور کرکے اپنے اندر ایثار و فدا کاری ایمانداری و نیکوکاری تقویٰ و پرہیزگاری کا کمال پیدا کرے۔ دیکھئے قرآن کریم کتنے واضح اور صاف لفظوں میں قربانی کا مقصد بیان فرما رہا ہے ارشاد ربانی ہے کہ:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

یعنی ہرگز خدا کے دربار میں نہ قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے نہ ان کا خون لیکن ہاں البتہ تمہاری پرہیزگاری وہ انمول نیکوکاری ہے جو دربار باری میں باریاب ہو جاتی ہے۔

جانتا ہے بارگاہ حق کے آئین و اصول
دل کے ٹکڑوں کی یہاں پر نذر ہوتی ہے قبول

یہی وجہ ہے کہ ہر عمل خیر کی طرح قربانی میں بھی اخلاص کا جذبہ شرط ہے چنانچہ خطبہ کے بعد سورہ انعام کی جو آیت کریمہ میں تلاوت کی ہے اس میں خداوند قدوس نے ہمیں اسی اخلاص عمل کی دولت بے بہا کما کر دارین کی دولت سے مالا مال ہونے کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ فرما دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہی

ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

مسلمانو! اس آیت نے جھنجھوڑ کر بتا دیا کہ در حقیقت وہی قربانی مقبول ربانی اور قربانی کہلانے کی مستحق ہے جس میں یہ جذبہء اخلاص کارفرما ہو کہ وہ صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو! لیکن

برادرانِ ملت! افسوس تو یہی ہے کہ ہم مسلمان صرف خون کے چند قطرات بہا دینے ہی کو قربانی سمجھ بیٹھے ہیں اور ہم خلیل اللہ اور دوسرے جلیل القدر پیغمبروں کی اس سنت مبارکہ کے مقصد اعلیٰ کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ قربانی کے اغراض و مقاصد اور اس کے ثمرات و نتائج کیا ہیں؟ بہت کم ایسے اہل نظر ہیں جو قربانی کے پردے میں چھپے ہوئے جذبات وفاداری و فداکاری کے جلوؤں کا نظارہ کر سکیں۔ ہاں البتہ وہ بندگان خدا جن کی آنکھوں میں بصارت کی روشنی کے ساتھ دلوں میں بصیرت کا نور بھی ہے وہ جانتے پہچانتے اور مانتے ہیں کہ ۔

جب تک ابراہیم کی فطرت نہ ہو پیدا
قربانی بھی آذر ہے عبادت بھی ہے نمرود

اور در حقیقت مسلمانو! یہ بہت ہی اہم اور ضروری چیز ہے کہ مومن ہر چیز کو آنکھوں کی بصارت سے دیکھنے کے ساتھ ساتھ دل کی بصیرت کے نور سے بھی مشاہدہ کرتا رہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
ارنی میں بھی کہہ رہا ہوں مگر — یہ حدیث کلیم و طور نہیں

قربانی کا فلسفہ

برادرانِ گرامی! ظاہر میں نگاہیں تو یہ دیکھتی ہیں کہ قربانی میں بندے کا مال خرچ ہوتا ہے مگر یاد رکھئے کہ قربانی کرنے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ قربانی کرنے سے مال بڑھتا چلا جاتا ہے کیونکہ قربانی کا فلسفہ یہ ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جاتی ہے وہ ہرگز کم نہیں ہوتی بلکہ وہ ہمیشہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو جانور خدا کے نام پر قربان کئے جاتے ہیں ان کے نسل میں بے پناہ برکت اور ان کی تعداد میں بے شمار اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر قربان نہیں کئے جاتے ان کی نسل گھٹتی اور ان کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

حضرات گرامی! کبھی آپ نے اس پر غور کیا؟ کہ گائے' بھینس' اونٹنی سال بھر میں ایک جنتی ہیں۔ بھیڑ' بکری بھی بمشکل دو تین ہی بچے دیتی ہیں۔ دیکھ لیجئے۔ ان جانوروں کی پیداوار بہت ہی کم ہے اور خرچ کا یہ عالم ہے کہ روزانہ ملک میں لاکھوں بھیڑ بکریاں اور گائے بھینس ذبح ہوتی ہیں اور ہزاروں بیمار ہو کر مر جاتی ہیں مگر پھر بھی ان جانوروں کی نسل میں اتنی برکت ہے کہ آج ایک ایک میدان میں ہزاروں بھیڑ بکریوں کا ریوڑ تم دیکھتے ہو اسی طرح چراگاہوں میں سو سو دودھ والی گائیوں اور بھینسوں کو تم اکٹھا ایک جگہ چرتے ہوئے دیکھ سکتے ہو مگر کتیا سال میں پانچ پانچ اور چھ چھ بچے جنتی ہے اور خنزیر کے تو دس دس اور بارہ بارہ بچے ایک مرتبہ پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھ لو ان جانوروں کی پیداوار کتنی زیادہ ہے اور خرچ بہت ہی کم یا بالکل ہی نہیں مگر پھر بھی کہیں سو دو سو کتے اور ہزار دو ہزار خنزیر ایک جگہ نظر نہیں آتے۔ اب یہ سوال بہت ہی اہم ہے کہ کیا وجہ ہے کہ گائے بھینس اور بھیڑ بکری باوجود یہ کہ ان کی پیداوار بہت ہی کم ہے اور خرچ بہت زیادہ ہے پھر بھی ان کی تعداد روز بروز بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے اور خنزیر اور کتے ان کی پیداوار بہت زیادہ ہے اور خرچ بہت ہی کم پھر بھی ان کی تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے تو۔

برادرانِ ملت! اس سوال کا حقیقی جواب یہی ہے کہ چونکہ گائے بھینس اور بھیڑ بکریاں خدا کے نام پر قربان کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کی نسل میں برکت ہوتی ہے اور ان کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے اور کتے خنزیر وغیرہ حرام جانوروں کی چونکہ قربانی نہیں ہوتی اس لئے ان کی نسل گھٹتی اور تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے۔ لہٰذا اس قانون فطرت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جائے گی وہ ہمیشہ بڑھتی اور ترقی کرتی رہے گی اور جو چیز خدا کی راہ میں قربان نہیں کی جائے گی۔ وہ ہمیشہ گھٹتی اور تنزل پزیر ہوتی رہے گی۔

حسینی سادات کی مثال

حضرات گرامی! کون نہیں جانتا کہ حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے صرف تنہا حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ سلامت جنگ سے لوٹے اور یزیدی فوج ہزاروں کی تعداد میں زندہ سلامت اپنے گھروں میں پہنچی۔ مگر تنہا ایک امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل اور اولاد میں خداوند کریم نے اتنی برکت عطا فرمائی۔ کہ آج عرب وعجم' حل وحرم' چار دانگ عالم میں حسینی سادات کرام کی اولاد لاکھوں کی تعداد میں موجود ہے مگر بائیس ہزار یزیدی لشکر کی نسل منقطع ہو گئی اور آج ان اولاد میں ایک بچہ بھی کہیں روئے زمین

پر موجود نہیں ہے ان کا خاندان بلکہ نام ونشان تک دنیا سے مٹ گیا۔ کیوں؟ آخر اس کی وجہ کیا ہے تو عزیزو اور دوستو! سچ پوچھو تو اس کا فلسفہ یہی ہے کہ چونکہ امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدا کی راہ میں قربان ہو گئے اس لئے خداوند عالم عزوجل نے ان کی نسل میں اتنی برکت عطا فرمائی اور یزیدی لشکر چونکہ اس کی قربانیاں خدا کی راہ میں نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کی نسل ہی منقطع ہو گئی۔ اسی طرح جو مال خدا کی راہ میں قربان کیا جاتا ہے اس مال میں سے اس قدر خیر کثیر اور بے پناہ برکت وترقی ہوتی ہے کہ روز بروز بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور جو مال خدا کی راہ میں قربان نہیں کیا جاتا رفتہ رفتہ وہ مال برباد ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔

الغرض! قربانی کا یہ گہرا فلسفہ ہے کہ جو چیز بھی خدا کی راہ میں قربان کی جائے گی وہ بڑھتی ہی جائے گی اور جو چیز خدا کی راہ میں قربان نہیں کی جائے گی وہ گھٹتی ہی چلے جائے گی۔ لہٰذا برادرانِ ملت! قربانی کے اس فلسفے کو ہرگز مت بھولو اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی پیش کرتے ہی رہو اور یقین وایمان رکھو کہ قربانی سے ہرگز ہرگز جان ومال میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ جان ومال کے حق میں قربانی کا وہی اثر ہوتا ہے جو موسم بہار کا گلشن وگلزار پر اثر ہوتا ہے جس طرح خشک اور مردہ زمین موسلا دھار بارش کے اثر سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اسی طرح قوموں کی جان ومال کی خشک کھیتیاں قربانیوں کے باران رحمت سے ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہیں۔

فضائل قربانی

بہر حال! برادرانِ ملت! میں اس وقت ذوالحجہ کی قربانی کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا بغور سماعت فرمائیے۔ خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قربانی کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ؕ

یعنی اے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ اپنے رب عزوجل کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

حضرات! قربانی کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا

یعنی قربانی کے دنوں میں ابن آدم کا کوئی عمل خدا کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں ہے اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگ اور بال اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بیشک

وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ عِندَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبلَ اَنْ يَّقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فَطِيبُوْا بِهَا نَفْسًا (مشکوۃ ص ۱۲۸)

قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی خدا کے نزدیک مقام مقبولیت میں پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس کو خوش دلی کے ساتھ کرو۔

برادرانِ ملت! اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے کہ قربانی کے دنوں میں ابن آدم کا کوئی عمل بھی خدا کے نزدیک قربانی سے زیادہ پیارا نہیں ہے۔

مسلمانو! اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کے جانور کو زندہ ہی خیرات کردے۔ یا قربانی کے جانور کو تول کر اس کے وزن کے برابر سونا اور چاندی بھی خیرات کر دے۔ بلکہ سونے اور چاندی کا پہاڑ اور جواہرات کا خزانہ بھی اگر خدا کی راہ میں لٹا دے تو قربانی کے ان تین دنوں میں اس کو ثواب عظیم نہیں مل سکتا جو قربانی کے جانور کو خدا کی راہ میں ذبح کردینے سے ملتا ہے کیوں نہ ہو کہ قربانی کے جانور کو خدا کی راہ میں ذبح کرنے سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تاریخی قربانی کا انمول یادگار کا جو ایمان افروز مظاہرہ ہوتا ہے اور مومن کے دل و دماغ میں جو ایثار و قربانی کا آفتاب و ماہتاب طلوع ہوتا ہے وہ بھلا سونے اور چاندی کا پہاڑ خیرات کردینے سے کہاں حاصل ہوسکتا ہے؟ مسلمانو! اس اصول کو یاد رکھو کہ عبادت درحقیقت وہی عبادت ہے جو اللہ و رسول کے بتائے ہوئے قانونی طریقے سے ادا کی جائے۔

دین کی عقل کا چکر

حضرات! یہ حدیث ان مسلم نما ملحدوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو اپنے ترقی پسند مسلمان کہتے ہوئے عبادت اور شریعت کے مسائل میں اپنی ملحدانہ عقل کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ قربانی کے جانور ذبح کردینے سے تو زیادہ اچھا یہی ہے کہ قربانی کے جانور کی قیمت کسی قومی فنڈ میں دے دی جائے۔ مسلمانو! ان عقل کے یتیموں کو جو اردو کے چند رسائل پڑھ کر اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ سے صرف جو بھر چھوٹا سمجھنے لگتے ہیں۔ کون سمجھائے؟ کہ کیا عقل کے نزدیک قانون اور طریقہ کار کا بھی کوئی رتبہ و مقام ہے یا نہیں؟ ذرا غور تو کیجئے کہ گورنمنٹ نے یہ قانون اور طریقہ کار مقرر کیا ہے کہ اگر تم کو بیعنامہ کی دستاویز لکھنی ہو تو جتنی مالیت کی جائیداد ہے اسی حساب سے سرکاری اسٹامپ خرید کر اس بیع نامہ کی دستاویز لکھو۔ اب اگر کوئی شخص اسٹامپ کی قیمت سے زیادہ قیمتی نوٹوں پر کوئی دستاویز لکھ دے اور کہے کہ ہم نے اسٹامپ سے زیادہ قیمتی کاغذ پر یہ دستاویز لکھی ہے تو کیا عدالت میں قانوناً یہ درست قرار دی جا

سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ دستاویز ہرگز عدالت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح موٹر اور ہوائی جہاز بنانے والے نے یہ قانون اور طریقہ کار مقرر کیا ہے کہ یہ پٹرول ہی سے چل سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی ترقی یافتہ احمق موٹر اور ہوائی جہاز کی ٹنکی میں عطر شمامتہ العنبر بھر کر اسٹارٹ کرنا چاہے اور اپنی حماقت سے یہ کہے کہ میں نے اس کی ٹنکی میں پٹرول سے زیادہ قیمتی چیز ڈال دی ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا اس کے بارے میں یہی کہے گی کہ شاید اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی پرزہ ڈھیلا پڑ گیا ہے یا اس کی ترقی پسند طبیعت کا جانور اس کی عقل کی کھیتی چر گیا ہے۔

برادرانِ ملت! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس طرح بیع نامہ دستاویز اسٹامپ پر لکھی جا سکتی ہے۔ نوٹ پر نہیں لکھی جا سکتی اور جس طرح موٹر اور جہاز پٹرول ہی سے چل سکتے ہیں۔ عطر سے نہیں چل سکتے۔ اس طرح اسلام کی تمام عبادتیں بھی اس وقت عبادت شمار کی جائیں گی۔ جب وہ اسلامی قانون اور شرعی طریقہ کار کے مطابق ادا کی جائیں۔ چنانچہ قربانی بھی اس وقت اسلامی قربانی شمار ہوگی اور اس پر اجر وثواب ملے گا۔ جب قربانی اسلام کے بنائے ہوئے قانون اور شرعی طریقہ کار کے مطابق کی جائے گی اور اسلام نے قربانی کو مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ کہہ کر یہ بتا دیا کہ جب تک جانور کو ذبح نہیں کیا جائے گا۔ اس وقت تک قربانی کا اجر وثواب نہیں مل سکتا۔ اب اگر کوئی شخص قربانی کے جانور کی قیمت کو خیرات کر کے قربانی کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص بیع نامہ کی دستاویز نوٹ پر لکھ رہا یا موٹر کی ٹنکی میں عطر بھر کر چلانا چاہتا ہے۔

بہر حال! میرے بزرگو اور بھائیو! اللہ و رسول کا یہی حکم ہے کہ عید الاضحیٰ کی قربانی کا ثواب عظیم اسی صورت میں حاصل کیا جاتا ہے کہ عبادت کی نیت سے اخلاص کے ساتھ قربانی کے جانور کے نام ذبح کیا جائے۔ قربانی کے جانور کی قیمت خیرات کرنے یا قومی فنڈ میں دینے سے ہرگز ہرگز قربانی کا نہ ثواب ملے گا نہ قربانی کا واجب ادا ہوگا۔

ہر بال کے بدلے ایک نیکی

بہر حال برادرانِ ملت! قربانی کی فضیلت میں ایک اور حدیث بھی سن لیجئے۔ حضرت زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن صحابہ کرام نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاھٰذِا الْاَضَاحِی — یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان قربانیوں کی حقیقت کیا ہے۔

تو ارشاد فرمایا کہ:

سُنَّۃُ اَبِیْکُم اِبْرَاھِیْمَ — یعنی یہ تمہارے پدر بزرگوار حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی سنت ہے۔

پھر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ:

فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ — یعنی اے اللہ کے رسول ان قربانیوں سے ہم کو کتنا ثواب ملے گا؟

تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ — یعنی قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔

ایک علمی نکتہ

حضرات! اس حدیث میں اہل عمل کے لئے ایک بڑا ہی لطیف اور لذیز نکتہ یہ ہے کہ شعرۃ اور حسنۃ دونوں ہی نکرہ ہیں۔ مگر شعرۃ کی تنوین تنکیر تحقیر کے لئے اور حسنۃ کی تنوین تنکیر تعظیم کے لئے ہے جس کا یہ مطلب ہوا کہ قربانی کے جانور کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر بال کے بدلے اتنی بڑی سے بڑی اور عظیم سے عظیم سر نیک ملتی ہے کہ بندہ اس نیکی کی عظمت کا تصور اور اس کی حد بندی بھی نہیں کر سکتا۔ سبحان اللہ! وہ مالک و مولیٰ بڑا ہی جواد و کریم ہے وہ بندے کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر بڑے سے بڑا اجر عطا فرمائے تو اس کے فضل و رحمت سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ خود اپنے کمال کرم سے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ:

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ — یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

برادرانِ ملت! اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کو سُنَّۃُ اَبِیْکُم اِبْرَاھِیْمَ فرمایا کہ سنت ابراہیم کا ذکر آ گیا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ رب جلیل کے مقدس خلیل کی قربانی اور ان کے ذبح عظیم کا تذکرہ بھی مختصر لفظوں میں آپ کو سنا دوں۔ اچھا اس ذکر پاک

سے پہلے ذرا با آواز بلند ایک بار درود شریف کا ورد فرمالیجئے۔

اللھم صل علی سیدنا محمد و علی اله و اصحابه و بارك و سلم

خلیل اللہ

سامعین کرام! خدا کے مقدس پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ والسلام بڑے جلیل القدر اور عظیم المرتبت رسول ہیں۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے اور حضور پر نور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبیوں میں آپ کا رتبہ سب سے افضل ہے۔ آپ نے پرچم توحید کی سربلندی کے لئے نمرود جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے طاغوت سے جہاد فرمایا اور آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں بے خطرہ کود پڑے۔ آپ کعبہ کے بانی اور ابوالانبیاء ہیں یعنی آپ کے بعد ہونے والے تمام نبیاء کرام علیہم السلام آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔

خدا کی شان کہ بہت دنوں تک آپ کے گھر میں کوئی فرزند نہیں تھا اور آپ فرزند صالح کی تمنا میں بار بار رب کریم کے دربار میں دعائیں مانگتے رہتے تھے اور اس طرح عرض کرتے تھے کہ:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی اے میرے پروردگار! مجھے نیک بیٹا عطا فرما۔

دردمند دل سے اخلاص کے ساتھ نکلی ہوئی آپ کی دعا بارگاہ خداوند میں مقبول ہوئی کیوں نہ ہو؟ سچ ہے کہ ۔

جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا

چنانچہ بڑھاپے میں آپ کی بیوی حضرت حاجرہ کے بطن سے آپ کے فرزند حضرت اسماعیل پیدا ہوئے ظاہر ہے کہ جو بچہ بڑی بڑی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد ملا ہوگا وہ باپ کی نظر میں کتنا عزیز اور کس قدر زیادہ پیارا ہوگا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس فرزند جمیل وجمیل سے بہت زیادہ محبت فرمانے لگے۔

حضرات! روایت ہے کہ فرشتوں نے ایک مرتبہ خدا کی بارگاہ عظمت میں یہ سوال عرض کیا کہ اے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل فرمایا اور ارشاد فرمایا ہے کہ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا لیکن حضرت ابراہیم کا تو یہ حال ہے کہ اب ان کے قلب میں ان کے فرزند کی محبت بھی پیدا ہو چکی ہے۔ اے پروردگار! تیرا خلیل اور دوست کہلانے کا تو وہی حقدار ہو سکتا ہے جس کے قلب میں تیری محبت کے سوا کسی دوسرے کی گنجائش ہی نہ ہو۔

برادران ملت! یہی وجہ ہے کہ خداوند نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس طرح امتحان

لیا کہ ان کے نور نظر حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم دے دیا۔ تا کہ فرشتوں کے سوال کا پورا پورا جواب ہو جائے اور آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت عالم آشکار ہو جائے کہ بلاشبہ حضرت ابراہیم خلیل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خدا کی راہ میں اپنے اس اکلوتے لاڈلے بیٹے کو قربانی کے لئے پیش کر دیا۔ جس کو بڑی بڑی تمناؤں اور التجاؤں کے ساتھ خدا سے مانگا تھا اور جس کو بڑے لاڈ اور پیار سے پالا تھا۔ چنانچہ فرشتوں کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ بے شک ''خلت'' کا تاج حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر زیب دیتا ہے اور واقعی آپ خلیل اللہ اور اللہ کے دوست ہیں۔

بیٹے کی قربانی

بزرگانِ ملت! احادیث کریمہ کا مضمون ہے کہ آٹھویں ذوالحجہ کی رات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں یہ دیکھا کہ ایک فرشتہ اللہ کا حکم سنا رہا ہے کہ اے ابراہیم! قربانی کرو۔ آپ نے صبح اٹھ کر ایک سو اونٹوں کو قربانی کر دی۔ مگر دوسری رات بھی یہی خواب نظر آیا۔ تو آپ نے علی الصبح دو سو اونٹوں کی قربانی کر دی۔ مگر تیسری رات بھی یہی حواب دیکھا تو آپ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میں کیا چیز تیری راہ میں قربان کروں؟ اس وقت خداوند کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابراہیم! تم میری راہ میں اس چیز کو قربان کرو جو دنیا میں تم کو سب سے زیادہ پیاری ہے۔ آپ سمجھ گئے کہ میرے فرزند اسماعیل کی قربانی کا حکم ہے۔ پھر آپ نہ گھبرائے نہ فکر مند ہوئے بلکہ میدان تسلیم و رضا کے شہسوار بن کر بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ والسلام کی عمر سات برس یا تیرہ برس کی تھی اور آپ بہت ہونہار اور صاحب حسن و جمال تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت حاجرہ سے فرمایا کہ اے نیک بخت بیوی! آج تمہارے نور نظر کی ایک بہت بڑے بادشاہ کے دربار میں دعوت ہے یہ سن کر پیکر محبت ماں فرط مسرت سے جھوم اٹھی اور اپنے لخت جگر کو نہلا دھلا کر عمدہ نفیس پوشاک پہنا کر آنکھوں میں سرمہ بالوں میں کنگھی کر کے اپنے لعل کو دولہا بنا کر باپ کے ہاتھ بیٹے کی انگلی پکڑا دی۔ حضرت خلیل اللہ اپنی آستین میں رسی اور چھری چھپائے ہوئے ذوالحجہ کی دس تاریخ کو مکہ مکرمہ سے منیٰ کی گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے اور جب وادی منیٰ میں پہنچے تو اپنے فرزند سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! تمہاری کیا رائے ہے؟ مہربان باپ کی تقریر سن کر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے مقدس باپ! آپ ضرور خدا کے حکم پر

عمل کریں۔ ابا جان! آپ اطمینان رکھیں کہ میں نہ روؤں گا نہ چلاؤں گا اور نہ فریاد کروں گا۔ بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں صبر و استقامت کا پہاڑ بن کر خدا کی راہ میں قربان ہو جاؤں گا اور خداوند سبحان کے رضوان و غفران کی سربلندیوں سے سرفراز ہو جاؤں گا۔ ابا جان! اس سے بڑھ کر بھلا میری خوش نصیبی کی اور کیا معراج ہوگی؟ کہ میرے سر کی قربانی خدا کی راہ میں قبول ہو جائے۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا کیا نہ ہوا

پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام عرض کرنے لگے کہ ابا جان! میری تین وصیتوں پر دھیان رکھیے گا سب سے پہلی وصیت تو یہ ہے کہ آپ قربانی کے وقت میرے ہاتھ پاؤں کو خوب جکڑ کر رسی سے باندھ دیں تاکہ بوقت ذبح میرا تڑپنا دیکھ کر آپ کو کہیں رحم نہ آ جائے۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ آپ مجھ کو منہ کے بل لٹائیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے سینے میں دل دھڑک جائے اور آپ کا ہاتھ جنبش کر کے رک جائے۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ میرے ذبح ہونے کی خبر میری ماں کو نہ دیجئے گا ورنہ مامتا کی ماری میری ماں دکھیاری ماں میرے غم کو برداشت نہ کر سکے گی اور شدت غم سے اس کے سینے میں شیشہ دل پاش پاش ہو جائے گا۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں کو رسی سے باندھ کر ایک پتھر کی چٹان میں لٹایا اور اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے نور نظر کے حلقوم پر چھری چلا دی۔ لیکن شان خداوندی کا جلوہ دیکھئے کہ تیز چھری حضرت اسماعیل کی گردن کو نہیں کاٹ سکی۔ اسی مرحلہ پر باپ کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا اور روتے ہوئے بارگاہ کبریا میں عرض کرنے لگے کہ یاالٰہی! تیرے خلیل سے کون سی ایسی تقصیر ہوئی؟ جو قربانی قبول نہیں ہو رہی ہے اور چھری کے نیچے لیٹے ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی رو رو کر کہنے لگے کہ خداوند! مجھ سے کون سا ایسا قصور ہو گیا؟ جو میرے سر کی قربانی بارگاہ کرم میں قبولیت سے سرفراز نہیں ہو رہی ہے۔

پھر حضرت خلیل خوف خداوندی سے لرزتے ہوئے چھری کو پتھر پر تیز کرنے لگے اور دوبارہ پوری قوت سے ذبح کرنا چاہا۔ مگر پھر بھی چھری نے کام نہیں کیا تو آپ نے جوش غضب میں چھری کو زمین پر پٹک دیا۔ اس وقت چھری زبان حال سے عرض کرنے لگی کہ اے ابراہیم! آپ مجھ پر کیوں خفا ہو رہے ہیں؟ میں کیا کروں؟ ایک مرتبہ مجھ سے خدا کا خلیل کہتا

ہے کہ کاٹ اور ستر مرتبہ رب جلیل فرماتا ہے کہ مت کاٹ۔ تو اے خلیل اللہ! اللہ آپ ہی بتا دیجئے کہ میں خلیل کا کہنا مانوں یا رب جلیل کی فرمانبرداری کروں؟ مسلمانو! یہ وہ منظر تھا کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے بھی حضرت خلیل اللہ کے جذبہ وفاداری و جوش فدا کاری پر تحسین و آفرین کا نعرہ بلند کرنے لگے اور رب العالمین نے فرمایا کہ فرشتو! دیکھ لو بلاشبہ ابراہیم میرا خلیل ہے۔ دیکھ لو! کس طرح میرا خلیل میری راہ میں اپنے محبوب فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے اعلان کر رہا ہے کہ ابراہیم کے قلب میں خدا کے سوا کسی کی محبت کی گنجائش نہیں ہے۔

بالآخر حضرت خلیل اللہ کے اس فدا کارانہ جذبہء اخلاص و ایثار پر پروردگار کو ایسا پیار آ گیا کہ جناب جبرائیل امین کو یہ حکم دیا کہ اے جبرائیل! جنت سے ایک مینڈھا لا کر حضرت اسمٰعیل کی جگہ لٹا دو اور جناب اسمٰعیل کو اٹھا کر ان کے ہاتھ پاؤں کی رسیاں کھول دو۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک بہشتی دنبہ لا کر لٹا دیا اور خداوند کریم نے حکم دیا کہ اے ابراہیم اب چھری چلاؤ۔ چنانچہ اب کی مرتبہ جو حضرت خلیل نے ذبح کیا تو چھری چل گئی اور قربانی ہو گئی مگر جب آنکھ کی پٹی کھول کر دیکھا تو یہ منظر نظر آیا کہ ایک فربہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے اور حضرت اسمٰعیل ایک طرف کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ اس وقت حضرت جبرائیل نے اللہ اکبر اللہ اکبر! کا نعرہ بلند کیا اور حضرت اسمٰعیل نے "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پڑھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان پر وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کا کلمہ جاری ہو گیا۔ (صاوی شریف وغیرہ)

برادران ملت! باپ بیٹے کی یہ گفتگو اور قربانی خلیل کی داستان جمیل قرآن مجید کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے کہ:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ

یعنی جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام باپ کے ساتھ دوڑنے کے قابل ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تو اے بیٹا اب تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے؟

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

جناب اسمٰعیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ ابا جان! خدا نے آپ کو جس بات کا حکم دیا ہے اس کو کر ڈالیے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

فَلَمَّا اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ

یعنی جب باپ اور بیٹے دونوں نے ہمارے حکم پر سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا اس وقت کا حال نہ پوچھ ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم بیشک تو نے خواب کو سچ کر دکھایا بیشک ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی صلہ عطا فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِی الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرَاهِيْمَ

یعنی بے شک یہ بہت ہی کھلا امتحان تھا اور ہم نے ایک بہت بڑا ذبحہ ان کے فدیہ میں دے کر انہیں بچا لیا اور ہم نے پیچھے آنے والی نسلوں میں ان کی تعریف باقی رکھی۔ ابراہیم پر ہمارا اسلام ہو۔

برادرانِ ملت! سن لیا آپ نے؟ یہ ہے قربانی خلیل و جاں نثاری ذبیح کا وہ ایمان افروز منظر کہ آفتاب و ماہتاب کی آنکھوں نے نہ کبھی روئے زمین پر یہ نقشہ دیکھا ہے نہ آئندہ دیکھنے کی امید ہے مسلمانو! بالکل سچ فرمایا کہ کسی شاعر نے۔

یہ آساں ہے کہ انسان چھوڑ دے سب مال و زر اپنا
یہ آساں ہے کہ انساں چھوڑ دے تخت سلیمانی
یہ آساں ہے کہ انساں رنج اٹھائے سختیاں جھیلے
یہ آساں ہے کہ اپنی جاں بھی دے دے بہ آسانی
یہ سب آسان سے آسان تر ہے جان من! لیکن
بہت مشکل ہے اپنے ہاتھ سے بیٹے کی قربانی
کیا بیٹے کو قرباں راہ حق میں اپنے ہاتھوں سے
نہیں دنیا میں کوئی بھی خلیل اللہ کا ثانی

برادرانِ اسلام! قربانی خلیل اللہ کا یہ ایمان افروز اور عبرت آموز واقعہ درحقیقت قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کے لئے بہت بڑی ہدایت کا سامان ہے اور عید الاضحیٰ کی قربانی اس واقعہ کی مقدس یادگار ہے اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قربانی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ یعنی یہ قربانی حضرت ابراہیم خلیم اللہ کی سنت اور ان کے

جوش و وفاشعاری و جذبہ فدا کاری کی ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔ **فطیبوا بھا نفسا** لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ انتہائی خوشدلی اور جذبہ ایمانی و جوش اسلامی کے ساتھ قربانی کرے۔

مگر ہاں! یہ ضروری ہے کہ اس قربانی سے سنت ابراہیم پر عمل اور رضائے الٰہی کے سوا دوسری کوئی نیت نہ ہو اگر کسی ریا کاری و شہرت کے لئے یا محض گوشت کھانے کے مقصد سے قربانی کی تو ہرگز ہرگز اس کی قربانی دربار خداوندی میں مقبول نہیں ہوگی۔ قرآن مجید میں احکم الحاکمین نے صاف صاف لفظوں میں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے کہ **انما یتقبل اللہ من المتقین** یعنی صرف ان ہی بندوں کی قربانیاں بارگاہ کبریا میں شرف قبولیت کے ساتھ باریاب ہوتی ہیں۔ جن کے اعمال میں تقویٰ شعاری و پرہیزگاری کی روح کام کر رہی ہو!

قربانی کا جانور

حضرات! قربانی کا جانور نہایت فربہ، تندرست اور خوبصورت ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ فرمان خداوندی ہے کہ:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ یعنی تم ہرگز ہرگز اس وقت تک نیکی نہیں پا سکتے جب تک کہ خدا کی راہ میں اپنے محبوب ترین چیزوں کو نہ خرچ کرو۔

حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

سَمِّنُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّهَا عَلَی الصِّرَاطِ مَطَایَاکُمْ۔ یعنی تم لوگ فربہ جانوروں کی قربانیاں کرو کہ یہ قربانی کے جانور پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

مگر بھائیو! آج کل ہم مسلمانوں کا تو یہ حال ہے کہ اگر صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں تو ایسی چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جو اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ انہیں مکان میں رکھا جاسکے آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ ایسے تہبند، رومال، ساڑیاں اور چادریں جو دنیا کے بازاروں میں نہیں بک سکتیں۔ سیٹھ صاحبان انہیں اس لئے رکھ لیتے ہیں کہ رمضان شریف میں مدرسوں یا مسجدوں میں چندہ کے طور پر یا فقیروں کو خیرات دے کر حاتم کی قبر کی لات ماریں گے اور ہر طرف اپنی تجارت کا ڈھول پیٹیں گے۔ بھائیو! اس موقع پر مجھے ایک لطیفہ یاد آ گیا۔

لطیفہ

سنا ہے کہ ایک مرتبہ کسی رئیس نے کسی فقیر کو بہت ہی پرانی اور پھٹی ہوئی چادر خیرات میں دی۔ فقیر بڑا ہی مسخرہ تھا اس نے چادر کو بوسہ دے کر کہا کہ سبحان اللہ اس میں تو کلمہ بھی لکھا ہوا ہے اور زور زور سے پڑھنے لگا کہ لا الـه الا الله ۔ لا اله الا الله ۔کسی نے کہا۔ ارے بھائی پورا کلمہ پڑھو۔ لا اله الا الله کے ساتھ محمد رسول الله بھی پڑھو۔ تو فقیر کہنے لگا کہ بھائی ! یہ چادر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے کی ہے اس لئے اس پر صرف لا الـه الا الله لکھا ہوا ہے۔ اس چادر کی جتنا لکھا ہوا میں اتنا ہی پڑھ رہا ہوں۔ یہ سن کر رئیس شرمندہ ہو گیا اور نئی چادر فقیر کو دے دی۔ خیر توبہ نعوذ باللہ ! آپ سب لوگ ایک مرتبہ میرے ساتھ بلند آواز میں پورا کلمہ طیبہ پڑھیے !

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اور ایک بار درود شریف بھی پڑھ لیجئے۔

اللهم صل على سيدنا محمد و بارك وسلم

قربانی واجب ہے

ذوالحجہ کی دسویں' گیارہویں' بارہویں تاریخیں قربانی کے مخصوص دن ہیں۔ مگر پہلا دن افضل ہے۔ جہاں نماز عید ہوتی ہے۔ وہاں نماز عید سے پہلے قربانی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ نماز عید کے بعد قربانی کی جائے۔ ہاں البتہ وہ چھوٹے چھوٹے گاؤں جہاں نماز عید نہیں ہوتی وہ لوگ دسویں ذوالحجہ کو صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔ مگر ان کے لئے بھی افضل یہ ہے کہ طلوع آفتاب کے بعد قربانی کریں۔

قربانی کرنے کا طریقہ

اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور کو ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود اچھی طرح ذبح نہ کر سکے تو دوسرے شخص سے اپنی موجودگی میں ذبح کرائے اور ذبح سے پہلے یہ دعا پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ یہ دعا پڑھ کر جانور کو بائیں پہلو پر قبلہ رخ لٹا کر ذبح کرنے والا اپنا دایاں پاؤں جانور کے شانے پر رکھ کر اور اَللّٰهُمَّ لَكَ وَمِنْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَكْبَر پڑھ کر تیز چھری سے جلد ذبح کر دے۔ جانور پکڑنے والا بھی تکبیر پڑھتا رہے۔ اگر قربانی اپنی طرف سے ہو تو اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَمِنْ حَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ اور اگر دوسرے کی جانب سے قربانی ہوتی تو "منی" کی جگہ "من" کے بعد اس شخص کا نام مع ولدیت ذکر کرنا چاہئے۔

قربانی کا گوشت

حضرات گرامی! قربانی کے گوشت کے تین حصے کئے جائیں ایک حصہ فقراء و مساکین پر صدقہ کر دینا چاہئے اور ایک حصہ دوستوں اور عزیزوں کے یہاں بھیج دینا چاہئے اور ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے رکھ لینا چاہئے اور اگر کل گوشت خود ہی کھالیں۔ یا کل گوشت دوستوں اور رشتہ داروں کو دے دیں یا تمام گوشت فقراء و مساکین پر صدقہ کر دیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے مگر اس کا خاص طور پر خیال رکھنا بہت ضروری ہے کہ اس متبرک گوشت میں سے کسی کافر کو ایک بوٹی بھی ہرگز ہرگز نہ دیں۔

قربانی کی کھال

حضرات گرامی! قربانی کی کھال میں بھی اکثر بے احتیاطی کرتے ہیں اس لئے اس کے بارے میں بھی کچھ عرض کر دیتا ہوں۔ قربانی کی کھال بیچ کر اپنے اوپر خرچ کرنا یا قصاب کی اجرت میں دینا یا جانور کی قیمت میں وضع کرنا منع ہے۔ اگر اپنے کام میں لانے کی نیت سے کھال فروخت کر دی ہے تو اس کی قیمت کا صدقہ کر دینا واجب ہے۔ ہاں بعینہ کھال اپنے مصرف میں لائیں یا اس کے بدلے میں کوئی باقی رہنے والی چیز مصلیٰ، ڈول، چھلنی وغیرہ بنالیں تو جائز ہے۔ اس زمانے میں سنی مدارس عربیہ کے غریب و نادار طلبہ ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں۔ کیونکہ اس میں صدقہ کا بھی ثواب ہے اور تعلیم دین کی اعانت کا اجر عظیم بھی۔

تکبیر تشریق

حضرات! عشرہ ذوالحجہ و ایام تشریق میں تکبیر تشریق کی بھی بہت ہی اہمیت ہے جس سے

اکثر لوگ غافل ہیں۔اس لئے اس مسئلہ پر بھی خاص طور سے توجہ کی ضرورت ہے۔مسئلہ یہ ہے کہ نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہویں کی عصر تک ہر نماز پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔ایک بار بلند آواز سے تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے اور تین بار افضل ہے تکبیر تشریق یہ ہے کہ:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد تکبیر تشریق سلام پھیرنے کے بعد فوراً واجب ہے۔نفل وسنت اور وتر کے بعد تکبیر واجب نہیں اور جمعہ کے بعد واجب ہے اور نماز عید کے بعد بھی یہ تکبیریں پڑھ لیں۔امام اگر تکبیر تشریق نہ کہے جب بھی مقتدی پر کہنا واجب ہے۔وما علینا الا البلاغ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ و الہ وصحبہ اجمعین ۔

بیسواں وعظ

غوثِ اعظم

غوث اعظم بمن بے سرو ساماں مددے
قبلہ دیں! مدد دے کعبہ ایماں مددے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اَوْلِیَاءَہٗ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ وَھُمْ مُھْتَدُوْنَ وَقَالَ تَعَالٰی فِیْ شَانِھِمْ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ انْکَشَفَ عَلَیْہِ سِرُّمَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ وَ بَشَّرَ بِہِ الْاَنْبِیَاءُ وَصَدَّقَ بِہِ الْمُرْسَلُوْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْ جَاھَدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ وَھُمْ مُفْلِحُوْنَ وَعَلَی الْغَوْثِ الْاَعْظَمِ وَحِزْبِہِ الَّذِیْنَ تَوَاصَوْابِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْمَلُوْنَ وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

برادرانِ ملت! بصد ادب واحترام بارگاہ رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور بہ آواز بلند پڑھئے۔

اللھم صل اللہ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد
والہٖ وصحبہ وبارک وسلم

حضرات گرامی! میں آج حضرت سبحانی حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جلانی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات اور آپ کی کرامات کے بارے میں چند کلمات عرض کرنے کے

لیے حاضر ہوا ہوں اور مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ کو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز کی ایک منقبت سنادوں۔

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا؟ — اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا — شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا
تو حسینی، حسنی، کیوں نہ محی الدین ہو — اے خضر! مجمع بحرین ہے دریا تیرا
قسمیں دے دے کہ کھلاتا ہے پلاتا تجھے — پیارا اللہ ترا' چاہنے والا تیرا
سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے — افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں — ہاں اصیل ایک نواخ رہے گا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبے کا طواف — کعبہ کرتا ہے طواف دروالا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں' مٹ جائیں گے اعدا تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے — جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا

ہیں! رضا یوں نہ بلک تو نہیں جید تو نہ ہو
سید جید ہر دہر ہے مولیٰ تیرا

بزرگو اور بھائیو! اولیاء کرام تو بہت ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ کشف و کرامات اور مجاہدات و تصرفات کی بعض خصوصیات کے لحاظ سے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اولیاء کی جماعت میں ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء متقدمین میں سے بہت سے باکمال اور بڑے بڑے صاحبان کشف و حال بزرگوں نے آپ کے ظہور کی بشارتیں دی ہیں اور اولیاء متاخرین میں سے ہر ایک آپ کی مقدس دعوت کا نقیب اور آپ کی مدح وثنا کا خطیب رہا اور علماء سلف و خلف نے آپ کے بلند درجات اور تصرفات و کرمات کے بارے میں اس قدر کتابیں تحریر فرمائیں کہ شاید ہی کسی ولی کے بارے میں مستند تحریروں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہو۔ آپ کی بزرگی وولایت اس قدر مشہور اور مسلم الثبوت ہے کہ آپ کے ''غوث اعظم'' ہونے پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ عزیز الدین بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی ولی کی کراماتیں اس قدر تواتر کے ساتھ ہم تک نہیں پہنچی ہیں جس قدر تواتر کے ساتھ حضرت غوث اعظم کی کراماتیں ثقات سے منقول ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے بڑے بڑے علماء دہر اور اولیاء عصر نے آپ کے تبحر علمی

اور درجہ ولایت کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ کی شان میں ایسے ایسے کلمات تحسین ارشاد فرمائے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

نسبی شرافت اور خاندانی وجاہت کے علاوہ علمی جلالت' علمی عظمت' کمال ولایت کثرت کرامات کی جامعیت آپ کی یہ دو خاص الخاص خصوصیات ہیں جو بہت کم اولیاء کو حاصل ہوئیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیاء اللہ اپنے اپنے دور میں چاند کی طرح چمکے اور چند دنوں ان کی شہرت ومقبولیت کا ڈنکا بجتا رہا مگر رفتہ رفتہ چودھویں کے چاند کے طرح ان کے ذکر وشہرت کی روشنی گھٹتی اور کم ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ دنیا ان کے ناموں کو بھی فراموش کر گئی۔ مگر حضرت محبوب سبحانی غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجود دے آٹھ سو اٹھائیس برس کا طویل زمانہ گزر گیا۔ مگر آپ کی شہرت کے آفتاب کو کبھی گہن نہیں لگا۔ بلکہ ہمیشہ آپ کی ولایت وکرامت کا ڈنکا چاروں دانگ عالم میں بجتا ہی رہا اور آج بھی آپ کی عظمتوں اور کرامتوں کا آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک چمکتا رہے گا۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افق نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا

ولادت اور خاندان

حضرات گرامی! حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکم رمضان ۴۷۰ھ کو ایران کے ایک شہر گیلان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید ابو صالح جنگی دوست اور والدہ کا نام ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ ہے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ اور والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ خاندان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وابستہ ہے۔ اس لیے خاندانی شرافت اور نسبی وجاہت کے اعتبار سے حسنی سید بھی ہیں اور حسینی سید بھی۔ اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا۔

تو حسینی حسنی کیوں نہ محی الدین ہو
اے خضر مجمع بحرین ہے دریا تیرا

حضرات! آپ کی خاندانی وجاہت کا کیا کہنا؟ آپ کا خاندان گویا گوہر ولایت کی کان

ہے۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل ہمیشہ اس خاندان کے افق سے ولایت کے آفتاب طلوع ہوتے رہے آپ کے والدین' نانا جان' پھوپھی جان' آپ کے فرزند سب کے سب ولایت کے آسمان پر ستاروں کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت ابو صالح رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور صالحین اولیاء میں تقویٰ شعاری اور پرہیز گاری کے اعتبار سے نہایت پرہیز گار اور انتہائی عبادت گزار تھے۔ اسی طرح آپ کی والدہ ماجدہ بھی تقویٰ و پرہیز گاری میں وحیدہ دہر وفریدہ عصر تھیں۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ ولادت کے وقت آپ کی والدہ کی عمر ساٹھ برس کی تھی۔ تجربات شاہد ہیں اور اطباء کا یہ فیصلہ ہے کہ اس عمر میں اولاد پیدا ہونا کسی عورت کے لیے محال عادی ہے۔ مگر یہ بھی آپ کی ایک قابل ذکر کرامت ہے کہ اس عمر میں آپ کے نورانی شکم سے ولایت کا ایسا آفتاب طلوع ہوا جس کی ہدایت کی روشنی نے سارے عالم کو منور کر دیا۔

آپ کے نانا حضرت شیخ عبداللہ صومعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اتنے بڑے جلیل القدر زاہد و عابد اور مستجاب الدعوات وصاحب کرامات ولی تھے کہ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے جو سو فیصد صحیح ہوا کرتی تھیں اور ابوعبداللہ قزوینی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ سمرقند کے سنسان بیابان میں ہمارے احباب کے قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا۔ اس مصیبت کے وقت قافلہ والوں نے اپنی مدد کے لیے شیخ عبداللہ صومعی کو پکارا اور آپ فوراً ہی قافلہ میں تشریف فرما ہو گئے اور بلند آواز سے فرمایا کہ:

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا اللّٰهُ تَفَرَّقِیْ عَنَّا یَا خَیْلُ — پاک اور مقدس ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے اے سوارو! ہم سے دور بھاگ جاؤ۔

یہ سنتے ہی تمام ڈاکو جو گھوڑوں پر سوار تھے ایک دم فرار ہو گئے اور پورا قافلہ ڈاکوؤں کی لوٹ مار سے محفوظ رہا اور شیخ عبداللہ صومعی بھی ایک دم وہاں سے غائب ہو گئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر کہیں نہیں ملے۔ قافلہ والوں کا بیان ہے کہ جب ہم گیلان واپس آئے اور لوگوں سے شیخ عبداللہ صومعی کی اپنے قافلہ میں تشریف آوری اور ان کی امداد کا ذکر کیا تو گیلان والوں نے کہا کہ:

وَاللّٰهِ مَا غَابَ الشَّیْخ (قلائد الجواہر ص ۳) — یعنی خدا کی قسم عبداللہ صومعی ایک لحہ کے لیے بھی گیلان سے غائب نہیں ہوئے۔

اسی طرح آپ کی پھوپھی "سیدنا عائشہ" بھی بڑی صاحب کرامات ولیہ تھیں۔ ایک مرتبہ گیلان میں بارش بالکل نہیں ہوئی اور خلق خدا قحط کے وبال سے بدحال ہو گئی لوگ آپ کی

خدمات میں دعا کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے اپنے صحن میں جھاڑو دے کر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور یہ کہا کہ

رَبِّ اَنَا كَنَسْتُ فَرْشَ اَنْتَ یعنی اے میرے پروردگار! میں نے جھاڑو دے دی تو چھڑکاؤ کر دے۔

اتنا عرض کرنا تھا کہ ناگہاں آسمان پر بادل منڈلانے لگے اور ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ لوگ نہال اور خوش حال ہو گئے۔ (بہجۃ الاسرار)

آپ کا بچپن

حضرات! تمام علماء اور اولیاء کا اتفاق ہے کہ آپ مادرزاد ولی ہیں۔ چنانچہ ولادت کے بعد ہی آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ آپ رمضان میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کبھی دودھ نہیں پیتے تھے یہ کرامت اس قدر مشہور ہوئی کہ اطراف گیلان میں ہر طرف یہ چرچا تھا کہ:

وُلِدَ لِلاَشْرَافِ وَلَدٌ لَا يَرْضَعُ فِيْ رَمَضَانَ (قلائد الجواہر ص ۳) یعنی سادات کے گھر میں ایک بچہ ایسا پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن بھر دودھ نہیں پیتا۔

حضرات! بچپن میں عام طور پر بچے کھیل کود کے شوقین ہوا کرتے ہیں۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ آسمان قطبیت کا یہ روشن ستارہ کھیل کود میں مارا مارا پھرے۔ اس لیے آپ لڑکپن ہی سے لہو ولعب سے متنفر اور دور رہے۔ آپ نے خود اپنے بچپن کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

كُلَّمَا هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَبَ مَعَ الصِّبْيَانِ اَسْمَعُ قَائِلاً يَقُوْلُ اِلَيَّ يَامُبَارَكُ (بهجة الاسرار) یعنی جب کبھی میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرتا تو میں سنتا تھا کہ کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا ہے کہ اے برکت والے میری طرف آ جا۔

سبحان اللہ کیا خوب فرمایا جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے ؎

رہے پابند احکام شریعت ابتدا ہی سے
نہ چھوٹا شیر خواری میں بھی روزہ غوث اعظم کا
"اِلیَّ یا مبارک" آتی تھی آواز خلوت میں
یہ دربار الٰہی میں ہے رتبہ غوث اعظم کا

حضرات! ایک مرتبہ لوگوں نے حضور غوثیت مآب سے عرض کیا کہ آپ کو اپنی ولایت کا

علم کب ہوا؟ تو فرمایا کہ دس برس کی عمر میں جب میں مکتب میں پڑھنے کے لیے جاتا تھا تو ایک غیبی آواز آتی تھی کہ جس کو تمام اہل مکتب سنا کرتے تھے کہ:

اِفْسَحُوْا لِوَلِیِّ اللہِ (قلائد الجواہر ص۹) یعنی اللہ کے ولی کیلئے جگہ کشادہ کردو۔

حضرات! ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ شفقت پدری کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی ابو احمد عبداللہ کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام آپ کی والدہ ماجدہ ہی نے فرمایا۔ ابو احمد عبداللہ تو عالم شباب ہی میں رحلت فرما گئے مگر آپ اٹھارہ سال کی عمر تک گیلان ہی میں مختلف درس گاہوں کے اساتذہ سے علم حاصل فرماتے رہے۔ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔ پھر علومِ عربیہ کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

تعلیمی سفر

اور اٹھارہ برس کی عمر میں اپنی والدۂ ماجدہ سے اجازت لے کر تحصیل علم کے لئے سفر فرمایا اور گیلان سے چار سو میل سے زائد کا سفر کر کے ۴۸۸ھ میں بغداد شریف پہنچے اسی سفر میں ڈاکوؤں کا مشہور واقعہ درپیش ہوا۔ یعنی آپ کا قافلہ ہمدان سے آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے ایک دم قافلہ پر یلغار کر کے سارے قافلہ کو لوٹ لیا۔ ایک رہزن آپ کے پاس بھی آ کر کہنے لگا کہ میاں صاحبزادے تمہارے پاس بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے پاس چالیس دینار ہیں جو میری گدڑی میں سلے ہوئے ہیں۔ ڈاکو نے بگڑ کر کہا کہ صاحبزادے! ہم سے مذاق مت کرو۔ ہم ڈاکو ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں مذاق نہیں کرتا بلکہ سچ سچ کہتا ہوں کہ میرے پاس چالیس دینار ہیں۔ ڈاکوؤں کے سردار نے آپ کی تلاشی لی تو حیران رہ گیا کہ واقعی آپ کی گدڑی میں سے چالیس دینار نکل پڑے۔ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا کہ میاں صاحب زادے! سب لوگ تو ہم ڈاکوؤں سے اپنی دولت کو چھپاتے ہیں اور تم نے بلا کسی سختی کے اپنی دولت کو ظاہر کر دیا۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کا راز یہ ہے کہ گھر سے چلتے وقت میری مقدس ماں نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی اور عہد لیا تھا کہ بیٹا! تم کبھی کسی حالت میں بھی جھوٹ مت بولنا۔ اس لئے میں ہرگز ہرگز کبھی بھی اپنی والدۂ ماجدہ کی وصیت اور ان کے عہد کو فراموش نہیں کر سکتا۔ ڈاکوؤں کا سردار آپ کی اس صدق بیانی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ ایک آہ کھینچ کر بولا کہ آہ افسوس! میاں صاحبزادے! تم اپنی ماں کے فرمان اور اس کے عہد و پیمان کو نہ توڑ پاتے ہو۔ یہ کہہ کر

روتے ہوئے وہ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور صدقِ دل سے تائب ہو گیا۔ ڈاکوؤں نے اپنے سردار کو توبہ کرتے دیکھا تو کہنے لگے کہ جب تم رہزنی میں ہمارے سردار تھے تو اب توبہ میں بھی تم ہمارے سردار ہو۔ چنانچہ تمام ڈاکوؤں نے بھی توبہ کر کے قافلہ والوں کا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور سب کے سب عبادت و ریاضت میں مشغول ہو کر اپنے دور کے بہترین صالحین بن گئے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

هُمْ اَوَّلُ مَنْ تَابَ عَلٰی یَدِیْ — یعنی یہ سب سے پہلا گروہ تھا جو میرے ہاتھ پر تائب ہوا۔ (قلائد الجواہر ص ۹)

ورود بغداد

بغداد شریف پہنچ کر وہاں کی مشہور درسگاہ "جامعہ نظامیہ" میں بحیثیت ایک طالب علم کے داخل ہوئے اور بڑے بڑے مشہور علماء کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر علوم کی تکمیل فرمائی۔ علامہ ابوزکریا یحییٰ بن علی سے علم و ادب پڑھا اور ابوالوفاء علی بن عقیل اور محمد بن قاضی ابویعلیٰ اور قاضی ابوسعید مخرمی وغیرہ باکمالوں سے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ابو غالب محمد بن الحسن باقلانی وغیرہ تقریباً سترہ محدثین کی درسگاہوں میں علم حدیث پڑھ کر مہارت نامہ حاصل کیا اور تمام مروجہ عربیہ میں پورا پورا تجربہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ خود قصیدہ غوثیہ میں آپ نے فرمایا کہ ؎

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا
وَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِیْ

یعنی میں علم پڑھتا رہا یہاں تک کہ "قطب" ہو گیا اور تمام مولاؤں کے مولیٰ اللہ عزوجل کی طرف سے مجھے سعادت کے خزانے مل گئے۔

آپ کا صبر و استقلال

حضرات! آپ بہت ہی صابر اور مستقل مزاج تھے چنانچہ آپ کو زمانہ طالب علمی میں اپنی تنگ دستی کے سبب بڑی بڑی شدید تکلیفیں اٹھانی پڑتی تھیں۔ والدہ ماجدہ کبھی کبھار کچھ مختصر درہم و دینار بھیج دیا کرتی تھیں۔ اسی سے خورد و نوش کا کام چلتا تھا۔ ایک مرتبہ بغداد میں بڑا ہی خوفناک قحط پڑا۔ اس وقت آپ کو سخت مصائب و آفات کا سامنا کرنا پڑا۔ فاقوں پر فاقے ہوتے تھے یہاں تک کہ فاقوں سے نڈھال اور بھوک سے بے تاب ہو کر ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے تشریف لے گئے تاکہ درختوں کے پتے یا جنگلی پھل ہی کھا کر کچھ سکون حاصل

کریں۔ مگر جس طرف جاتے ہر جگہ مساکین کا ہجوم پاتے اور کہیں بھی کھانے کے لائق کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ پھر شہر کی طرف واپس آئے اور جب بھوک سے آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور چند قدم چلنا بھی محال ہو گیا تو ایک مسجد میں جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اتنے میں کیا دیکھا؟ کہ ایک عجمی شخص مسجد میں آیا اور بھنا ہوا گوشت اور روٹی تھیلے سے نکال کر کھانے لگا۔ اتفاقاً اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے کہا کہ آؤ بھائی! تم بھی کھانا کھالو۔ آپ نے پہلے تو انکار فرما دیا مگر اس کے اصرار سے مجبور ہو کر دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ اس نے آپ کا حال پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں گیلان کا رہنے والا ہوں اور تحصیل علم کے لئے بغداد آیا ہوں۔ یہ سن کر وہ چونکا اور کہا کہ میں بھی گیلان ہی کا باشندہ ہوں۔ اچھا تم بتاؤ؟ کہ تم گیلان کے رہنے والے اس طالب علم کو جانتے ہو جس کا نام ''عبدالقادر'' ہے آپ نے فرمایا کہ وہ تو میں ہی ہوں۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ رو رو کر کہنے لگا کہ سیدزادے! خدا کی قسم میں نے تم کو بہت تلاش کیا مگر تم نہیں ملے اور بغداد میں میری ساری رقم خرچ ہو گئی۔ تمہاری والدہ نے چند درہم تمہارے لیے بھیجے تھے جو میرے پاس امانت تھے۔ لیکن آج کہ تین دن کے مسلسل فاقوں سے میں جاں بلب ہو گیا تو میں نے تمہاری امانت میں سے یہ کھانا خریدا ہے۔ خدا کی قسم یہ کھانا تمہارا ہے اور میں تمہارا مہمان ہوں۔ میں نے انتہائی مجبوری کے عالم میں تمہاری امانت میں خیانت کا جرم کیا ہے۔ اللہ میرا یہ قصور معاف کر دے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو معاف فرما دیا اور اس کے پاس سے باقی درہموں کو لے کر اس کی دلجوئی کے لیے اس میں سے کچھ درہم اس کو عطا فرما کر رخصت کیا۔ (قلائد الجواہر)

سوال نہ کرنے کا عہد

حضرات! روایت ہے کہ اسی قحط بغداد کے وقت بہت سے طالب علم غلہ وصول کر لینے کے لیے دیہاتوں میں جانے لگے تو آپ بھی ان کے ساتھ چلے گئے اور ایک گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان کی نظر جمال غوثیت پر پڑی تو وہ اپنی فراست باطنی سے تاڑ گئے کہ یہ ذرہ کبھی آفتاب بن کر چمکنے والا ہے۔ چنانچہ ان بزرگ نے آپ کو سامنے بلا کر فرمایا کہ بیٹا عبدالقادر! طالبان حق کبھی کسی کے سامنے سوال کے لیے ہاتھ نہیں پھیلاتے پھر انہوں نے آپ سے عہد لیا کہ کبھی سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام عمر اپنے عہد کے پابند رہے اور بڑی سے بڑی مشکلات میں بھی کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا۔

برادرانِ ملت! حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عہد اور یہ عمل ان پیرزادوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے جو دن رات مریدوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں اور ہر وقت کسی نہ کسی فرمائش اور سوال سے اہل دنیا کے سامنے اپنی خاندانی وجاہت کو پامال کرتے رہتے ہیں اور سوائے لینے کے کسی کو کچھ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

لطیفہ

حضرات! مجھے اس وقت ایک پیرزادہ صاحب کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ سنا ہے کہ پیرزادہ صاحب دریا میں گر پڑے اور ڈوبنے لگے۔ فوراً ہی کوئی شریف آدمی دوڑ پڑا اور بولا کہ حضور! دیجئے ہاتھ تو پیرزادہ صاحب پیچھے ہٹ گئے اور ڈبکی کھانے لگے۔ اتنے میں ان کا مرید جوان کا مزاج داں تھا آ گیا اور کہا کہ حضور "لیجئے ہاتھ" تو فوراً پیرزادہ صاحب نے ہاتھ بڑھا دیا اور دریا میں سے نکل آئے۔ شریف آدمی نے پوچھا کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ میں نے جب کہا کہ حضور "دیجئے ہاتھ" تو آپ پیچھے ہٹ گئے اور ڈوبنے لگے اور جب مرید نے کہا کہ حضور لیجئے ہاتھ تو آپ نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر نکل آئے تو پیرزادہ صاحب نے فرمایا کہ "کچھ نہیں" بس دیجئے اور لیجئے کا فرق ہو گیا۔ آپ نے "دیجئے ہاتھ" کہا تھا اور پیرزادے لوگ کبھی دیجئے کا لفظ سننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ خواہ ہم ڈوب ہی کیوں نہ جائیں۔ ہم تو بس "لیجئے" سننے کے خوگر ہیں اس لیے جب مرید نے لیجئے ہاتھ کہا تو حسب عادت ہمارا ہاتھ بڑھ گیا اور ہماری جان بچ گئی۔

برادرانِ ملت! اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور پرانے بزرگوں میں "پیری مریدی" کا شغل اللہ کی رضا کے لیے تھا اور اب نااہلوں نے اس کو روٹی کا دھندا بنا لیا ہے۔ اب تو یہ حال ہے کہ کسی مسخرے شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

باندھے کوئی رومال روٹی کے واسطے — کپڑے جو پہنے لال روٹی کے واسطے
سر پر بڑھائے بال تو روٹی کے واسطے — ہیں سارے کشف و حال تو روٹی کے واسطے
آیا اگر جلال تو روٹی کے واسطے تسبیح ذوالجلال — دکھلایا گر جمال تو روٹی کے واسطے قوالی اور
تو روٹی کے واسطے — حال تو روٹی کے واسطے
گدی کا ہے کا جدال تو روٹی کے واسطے — قبروں پہ ہے دھمال تو روٹی کے واسطے
آٹے کا ہے سوال تو روٹی کے واسطے — لائے کہیں سے دال تو روٹی کے واسطے

برادرانِ ملت! ان ہی حالات کو دیکھ کر علامہ اقبال نے بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہا کہ

قم باذن اللہ جو کہتے تھے وہ رخصت ہوئے
خانقاہوں میں ''مجاور'' رہ گئے یا گورکن

بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طالب علمی کا زمانہ بڑی ہی عسرت اور تنگدستی کی حالت میں گزرا۔ مگر صبر و استقلال اور عزم و استقامت کے ساتھ برابر تحصیل علم میں مشغول رہے یہاں تک کہ علمی تبحر اور کمال میں اپنے دور کے عالم بے مثال بن گئے اور ہر طرف آپ کے علمی جلالت کا سکہ بیٹھ گیا۔

علمی تبحر

حضرات! آپ کے علمی کمال کا یہ حال تھا کہ جب بغداد میں آپ کی مجالس وعظ میں ساٹھ ساٹھ اور ستر ستر ہزار سامعین کا مجمع ہونے لگا تو بعض عالموں کو حسد ہونے لگا کہ ایک عجمی شخص کو بغداد میں اس قدر مقبولیت کیوں کر حاصل ہوگئی؟ چنانچہ حافظ ابو العباس احمد بن احمد بغدادی اور علامہ حافظ عبدالرحمٰن بن الجوزی جو دونوں اپنے وقت میں علم کے سمندر اور حدیثوں کے پہاڑ شمار کیے جاتے تھے آپ کی مجلس وعظ میں بغرض امتحان حاضر ہوئے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ جب حضور غوثیت مآب نے وعظ شروع فرمایا تو ایک آیت کی تفسیر بیان فرمانے لگے۔ پہلی تفسیر سنائی تو ان دونوں عالموں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دونوں نے تصدیق کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اسی طرح گیارہ تفسیروں تک تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر سر ہلاتے اور تصدیق کرتے رہے مگر جب حضرت غوثِ اعظم نے بارہویں تفسیر بیان فرمائی تو اسی طرح چالیس تفسیریں اس آیت کی آپ نے بیان فرماتے ہوئے چلے گئے اور یہ دونوں محو حیرت بنے سنتے اور سر دھنتے رہے۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ رجعنا من القال الی الحال لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اب قال سے ہم حال کی طرف پلٹے۔ یہ فرمایا اور ایک مرتبہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا نعرہ بلند فرمایا تو ساری مجلس میں ایک جوش کیفیت اور اضطراب پیدا ہوگیا اور علامہ ابن جوزی نے جوش حال میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ (بہجۃ الاسرار)

ایک سو علماء غوث رضی اللہ عنہ کے قدموں پر

حضرات! اس طرح مفرج بن نبہان کا بیان ہے کہ بغداد کے ایک سو بلند پایہ علماء آپ

کی مجلس وعظ میں امتحان کے لیے گئے۔ ہر ایک نے ایک ایک مشکل سے مشکل مسئلہ سوال آپ کے لیے اپنے ذہن میں رکھا۔ لیکن جس وقت آپ وعظ کی کرسی پر رونق افروز ہوئے تو قبل اس کے کہ کوئی سوال کرے آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر مراقبہ فرمایا۔ پھر یکا یک آپ کے سینہ اقدس سے ایک نورانی تجلی نمودار ہوئی اور بجلی کی طرح کو موجود تمام علماء کے سینوں میں پیوست ہوئی اور سب کے سب چیخ مار کر اپنے کپڑوں کو پھاڑنے لگے اور اپنی اپنی پگڑیاں پھینک کر برہنہ سر کرسی کی طرف دوڑ پڑے اور اپنا اپنا سر غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قدموں میں ڈالنے لگے پھر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ہر ایک کو اپنے سینے سے لگا لگا کر ان کے مشکل مسائل کا جواب دینا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے سوالوں کا جواب پورا ہو گیا اور سب سکون کے ساتھ بیٹھ کر وعظ سننے لگے۔ مفرج بن نبہان کہتے ہیں کہ وعظ ختم ہونے کے بعد ان علماء سے ملا اور دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہو گیا ہے؟ تو ان لوگوں نے بتایا کہ جیسے ہی ہم سوال کی نیت سے مجلس میں حاضر ہوئے اچانک ایک دم سارا علم ہی سلب ہو گیا اور ہم اپنے علمی کمال کے زوال پر بیقرار ہو کر بلبلا اٹھے۔ لیکن جب غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ہم کو اپنے سینے سے لگایا تو ہمارا علم واپس آ گیا۔ بلکہ اس قدر زیادہ شرح صدر حاصل ہو گیا کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے جوابوں سے ہمارے دلوں کے بند دروازے کھل گئے اور ہم علوم سے مالا مال ہو گئے۔ (قلائد الجواہر)

بہر حال آپ کا علمی کمال اس قدر بلند پایہ ہے کہ اصاغر و معاصرین تو کجا؟ آپ کے اساتذہ نے آپ کے علمی تبحر اور فضل و کمال کا اعتراف فرماتے ہوئے آپ کو بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ ابو سعید مخرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آپ کے استاد فقہ اور شیخ خرقہ ہیں۔ بارہا یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے عبدالقادر! وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری ذات مرجع خلائق ہو گی اور تم سے رشد و ہدایت کا ایسا دریا جاری ہو گا جس سے فیض حاصل کر کے ہزاروں بندگان خدا سیراب ہوں گے۔

تصوف و سلوک

حضرات گرامی! علوم عربیہ اور فقہ و حدیث میں کامل مہارت اور تکمیل کے بعد آپ ''علوم و تصوف'' کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت ابو الخیر حماد بن مسلم دباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی خانقاہ میں حاضر ہو کر علم تصوف کا درس حاصل کرنے لگے۔

حضرات! حضرتِ ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے تمام صوفیہ اور مشائخ کے مسلم الثبوت استاد الکل ہیں۔ ان کا اصل وطن ''رحبہ'' ہے مگر یہ بغداد کے محلّہ مظفریہ میں رہا کرتے تھے۔ انتہائی مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت صوفی باصفا تھے۔ عربی زبان میں انگور کا شیرہ بیچنے والوں کو ''دباس'' کہتے ہیں۔ آپ چونکہ رزق حلال طلب کرنے کے لیے ''شیرہ انگور'' فروخت کیا کرتے تھے اس لیے دباس کہلاتے ہیں۔ آپ کی ایک بڑی ہی خاص ظاہر کرامت یہ تھی کہ آپ کے شیرہ پر بھیڑیا مکھی کبھی نہیں بیٹھتی تھی۔

برادرانِ ملت! حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضری دینے کے بارے میں خود حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ علم ظاہر سے فارغ ہونے کے بعد میرے قلب میں کچھ وسوسے اور خطرات کی کیفیت محسوس ہوئی تو میں نے حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ میں یہ دعا مانگی کہ الٰہی! تو مجھے اپنے کسی ایسے بندے کی صحبت نصیب فرما جو میرے خطراتِ نفس اور قلبی وسوسوں کو دور کردے چنانچہ دوسرے دن جب میں محلّہ مظفریہ سے گزر رہا تھا تو ایک باوقار بزرگ نے اپنا دروازہ کھول کر مجھے میرا نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ تم نے رات میں کیا دعا مانگی تھی؟ میں ان کی ہیبت سے اس قدر مرعوب اور پراگندہ دماغ ہوگیا کہ مجھے اپنی دعا کا خیال نہیں آیا اور میں کچھ نہ بول سکا تو انہوں نے میری خاموشی پر غضب ناک ہو کر اتنے زور سے اپنا دروازہ بند کرلیا کہ دروازہ کی خاک اور دھول اڑ کر میرے اوپر پڑ گئی۔ پھر میں جب کچھ دور چلا تو مجھے اپنی دعا کا خیال آگیا اور میں فوراً واپس جا کر ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور اپنے شبہات اور وسوسوں کو ان کے سامنے عرض کیا تو انہوں نے مجھ پر کچھ ایسا تصرف فرمایا کہ میرے شبہات ایک دم دور ہوگئے اور مجھے ان سے ایسی والہانہ عقیدت پیدا ہوگئی کہ ایک مدت دراز تک ان کی خدمت میں حاضر رہ کر علم طریقت اور تصوف کا درس لیتا رہا اور راہ سلوک کی منزلیں طے کرتا رہا۔ پھر فرمایا کہ یہ بزرگ حضرت ابوالخیر حماد بن مسلم دباس رحمہم اللہ تھے۔ (قلائد الجواہر ص ۱۲)

ریاضت ومجاہدہ

علم ظاہر وباطن کی تکمیل کے بعد آپ ریاضت ومجاہدہ میں مشغول ہوگئے اور بڑے

بڑے مجاہدے کیے۔ برسوں مدائن اور ایوان کسریٰ کے کھنڈرات میں چلے اور مراقبے کرتے رہے۔ کئی کئی ماہ کے بعد صرف گری پڑی مباح چیزیں کھا لیتے اور پانی نہیں پیتے کبھی کبھی صرف پانی پی لیا کرتے اور مہینوں تک کچھ نہیں کھاتے۔ ویرانوں اور جنگلوں میں بھوکے پیاسے گشت کرتے رہتے اور کبھی کبھی چالیس چالیس دنوں تک بے آب و دانہ مسلسل عبادت و ریاضت میں مشغول رہ کر خواہشات نفسانیہ سے جہاد فرماتے رہتے۔ احمد بن یحییٰ ناقل ہیں کہ میں نے خود حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں پچیس برس تک عراق کے جنگلوں میں پھرتا رہا اس وقت نہ میں لوگوں کو پہچانتا تھا نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے اور میں برابر چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر سے نماز پڑھتا رہا اور پندرہ سال تک مسلسل نماز عشاء کے بعد سے صبح تک روزانہ بلا ناغہ ایک ختم قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہا۔

برادرانِ ملت! ان ہی ریاضت ومجاہدات کے دوران کچھ دنوں کے لیے آپ پر جذب و سکر کی کیفیت بھی طاری ہوگئی تھی۔ چنانچہ بعض وقت آپ جنگلوں اور ویرانوں میں دوڑتے پھرتے اور آپ کو یہ خبر نہیں ہوتی تھی کہ کہاں جا رہے ہیں؟ جب صحو اور ہوشیاری کی کیفیت نمودار ہوتی تو آپ اپنے کو کسی دور دراز مقام پر پاتے اور کبھی کبھی آپ پر ایسی کیفیت بھی وارد ہو جاتی تھی کہ بیابانوں اور ویرانوں میں زور زور سے چلا چلا کر ذکر بالجہر کرتے اور نعرہ مارتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کو دیوانہ سمجھنے لگتے تھے۔

شیطان کا حملہ

حضرات! مجاہدہ کے ان ایام میں شیطان نے بارہا آپ پر حملہ کیا اور طرح طرح سے آپ کو لغزش میں ڈالنا چاہا مگر جب کبھی بھی شیطان آپ پر حملہ کرتا تو آپ ہاتف غیبی کی یہ آواز سنتے تھے کہ:

قُمْ اِلَیْھِمْ قد ثبتناك تثبیتا وایدناك تائیدا

یعنی اے عبدالقادر! تم ان شیطانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھو کیونکہ ہم نے تمہیں ثابت قدم رکھا ہے اور ہماری تائید تمہارے ساتھ ہے۔

حضرات! حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے فرزند شیخ سید موسیٰ کا بیان ہے کہ حضرت

غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سیاحت کے دوران کسی ایسے میدان میں پہنچ گئے جہاں پانی کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ جب آپ پر انتہائی شدید پیاس کا غلبہ ہوا تو کیا دیکھا؟ کہ نا گہاں ایک بادل کا ٹکڑا آ گیا اور بارش ہونے لگی جس سے آپ سیراب ہو گئے پھر یکا یک ایک روشنی ظاہر ہوئی اور ایک صورت نظر آئی اور اس نے پکار کر کہا اے عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور میں نے تمام حرام چیزوں کو تیرے لیے حلال کر دیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے اعوذ باللہ من الشطان الرجیم پڑھا اور یہ فرمایا کہ اے ملعون! تو دور ہو جا۔ یہ فرماتے ہی ایک دم وہ روشنی غائب ہو گئی اور وہ صورت دھواں بن کر پھیل گئی اور اس میں سے یہ آواز آئی کہ جا! اے عبدالقادر! رضی اللہ عنہ آج تجھ کو تیرے علم نے بچالیا ورنہ یہ وہ جگہ ہے کہ اس سے پہلے ستر اولیاء طریقت کو میں نے یہاں گمراہ کر کے ان کی ولایت کو غارت و برباد کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اے شیطان! میرا علم بھلا کیا بچا سکتا ہے؟ جب تیرا علم تجھ کو نہیں بچا سکا۔ میں اپنے علم سے نہیں بلکہ اپنے رب کے فضل و کرم کی بدولت تیرے شر سے محفوظ رہا۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ حضور! آپ نے یہ کس طرح پہچان لیا؟ کہ یہ شیطان ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے گمراہ کن قول سے کہ تمام حرام چیزوں کو تیرے لیے حلال کر دیا فوراً میں نے پہچان لیا کہ یہ شیطان ہی ہے کیونکہ خداوند قدوس کبھی بھی فحش اور حرام چیزوں کو کسی کے لیے حلال نہیں فرماتا۔ (قلائد الجواہر ص ۲۰)

بیعت وخلافت

برادرانِ ملت! حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ برسہا برس کے مجاہدہ کے بعد میں نے ایک مرتبہ خدا سے یہ عہد کر لیا کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا۔ جب تک خدا مجھے نہ کھلائے اور کچھ نہ پیوں گا جب تک خدا نہ پلائے۔ پھر چالیس دنوں تک بغیر کچھ کھائے پیے رہ گئے۔ یہاں تک کہ خواجہ ابوسعید مخزمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس سے گزرے پھر اپنے گھر مجھے بلایا اور اپنے ہاتھ سے مجھے کھلایا اور پلایا اور فرمایا کہ عبدالقادر! تم نہیں کھا پی رہے ہو۔ بلکہ میں خدا کے حکم سے تمہیں کھلا پلا رہا ہوں۔ تمہارا عہد پورا ہو گیا۔ پھر آپ نے مجھے خرقہ پہنا کر اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات گرامی! خواجہ ابوسعید مخزمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

لَبِسَ عَبْدُالْقَادِرِ الْجِیْلِیُّ مِنِّیْ خِرْقَةً وَّلَبِسْتُ مِنْهُ خِرْقَةً یَتَبَرَّکُ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنَّا بِالْاٰخِرِ
(قلائد الجواہر ص ۵)

عبد القادر جیلانی نے میرے ہاتھ سے ایک خرقہ پہنا اور میں نے عبد القادر کے ہاتھ سے ایک خرقہ پہنا تا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے برکت حاصل کریں۔

مسند ارشاد پر

حضراتِ گرامی! آپ نے شیخ طریقت حضرت خواجہ ابوسعید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ سے ایسی والہانہ محبت ہوگئی کہ انتہائی شفقت فرمانے لگے۔ یہاں تک کہ جب آپ اپنے مرشد کے مدرسہ میں مسند درس پر بیٹھے تو اس قدر طلبہ کا ہجوم ہو گیا کہ مدرسہ کی عمارت تنگ ہوگئی پھر آپ نے توسیع عمارت کے لیے اہل بغداد کو متوجہ فرمایا۔ تو امراء نے اپنی دولت سے اور فقراء نے اپنی محنت سے ایک بہت ہی وسیع اور شاندار عمارت تیار کردی اور یہ مدرسہ آپ کے اسم گرامی سے منسوب ہوکر ''جامعہ قادریہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا اور اس مدرسہ میں صرف اہل بغداد ہی نہیں بلکہ دور دراز کے ممالک اسلامیہ کے طلبہ بھی آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کے لیے اس مدرسہ میں آنے لگے۔ چنانچہ سینکڑوں طلبہ یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر سند تکمیل لینے کے بعد مختلف ممالک میں جاتے اور اصلاح خلق و اعلاء کلمۃ الحق کی سعادت دارین سے سرفراز ہوتے۔ اس طرح تھوڑی سی مدت میں آپ کے خلق کے علمی فیوض و برکات سے علماء مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت تیار ہو گی جو دور دور کے بلاد و امصار میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنے لگی جس سے لاکھوں بندگانِ خدا کو ہدایت نصیب ہوئی۔

درس کے ساتھ آپ نے عوام کے لیے وعظ کی مجلس بھی قائم فرمادی تا کہ عوام بھی آپ کے فیض عام سے محروم نہ رہیں اور رشد و ہدایت کا سلسلہ دراز سے دراز تک ہوتا چلا جائے۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و علی رضی اللہ عنہ کی زیارت

برادرانِ ملت! حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع شروع میں میرے وعظ میں بہت کم سامعین ہوتے تھے۔ مگر ناگہاں ایک دم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے دیدار پر انور سے مشرف فرمایا اور کمال شفقت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میرے

پیارے فرزند! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں ایک عجمی شخص ہوں میں فصحاء عراق کے سامنے بھلا بولنے کی جرات کس طرح کر سکتا ہوں؟ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تم اپنا منہ کھولو۔ جب میں نے منہ کھولا تو سات مرتبہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ	یعنی تم حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف دعوت دو۔

پھر اس کے بعد میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت سے سرفراز ہوا تو انہوں نے چھ مرتبہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔ میں نے عرض کیا کہ چھ مرتبہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ سات مرتبہ کیوں نہیں اپنا لعاب دہن عطا فرمایا؟ تو ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب کے لیے چھ ہی مرتبہ لعاب دہن تمہیں بخشا ہے تاکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ برابری کا شبہ نہ پیدا ہو سکے۔ اس کے بعد میرے گویائی اور وعظ کی تاثیر کا یہ عالم ہو گیا کہ ستر ہزار سامعین دور دور سے اونٹوں' گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہو کر میرے وعظ کی مجلس میں آنے لگے اور بڑے بڑے علماء و مشائخ کے علاوہ رجال الغیب اور جنوں کی جماعت بھی وعظ میں آنے لگی اور دوسرے کفار اسلام قبول کرتے۔ (قلائد الجواہر ص ۱۳)

اعلاء کلمۃ الحق

حضرات گرامی! حق گوئی اور اعلاء کلمۃ الحق ایک مرد مومن کا بہت ہی اعلیٰ ایمانی جوہر ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

امر بالمعروف اور نہی المنکر ہر مومن خصوصاً علماء حق کے لیے بہت اہم لازم الایمان اور واجب العمل فریضہ ہے کیوں نہ ہو کہ۔

عظمت انسانیت حق کے رضا جوئی میں ہے
حق پرستی' حق شناسی اور حق گوئی میں ہے

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ یعنی افضل ترین جہاں یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے روبرو حق بات کہہ دی جائے۔

چنانچہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق گوئی اور اعلان کلمۃ الحق میں نہایت ہی جری اور نڈر تھے۔ بڑے بڑے سلاطین اور امراء کو حق کے معاملہ میں آپ جھنجھوڑ کر رکھ دیتے۔ خلیفہ بغداد "المقتفی لامر اللہ" نے جب ابوالوفاء یحییٰ جیسے ظالم کا عہدہ سپرد کر دیا۔ تو آپ نے برسر منبر خلیفہ وقت کو اپنے وعظ میں للکارا اور صاف صاف کہہ دیا کہ اے خلیفہ! تو نے ایک جابر و ظالم کو خدا کے بندوں پر حاکم بنا دیا ہے تو ہوش رکھ کہ کل خداوند جبار و قہار کے دربار میں تجھ کو نادم و شرمسار ہو کر اس کا جواب دینا پڑے گا۔ آپ کے قہر و جلال کی ہیبت سے خلیفہ کے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال لرزہ براندام ہو گیا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ابوالوفا یحییٰ کو فوراً ہی عہدہ قضا سے معزول کر دیا۔

آپ کی ہیبت

برادرانِ ملت! حضور غوثیت مآب کی خداداد ہیبت بھی آپ کی ایک مستقل کرامت ہے۔ شیخ ابوالحسن بغدادی فرماتے ہیں کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی ہیبت والے تھے۔ اگر کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ لیتے تو وہ آپ کے رعب اور دبدبہ سے سہم جاتا اور بلکہ بسا اوقات لرزہ براندام ہو جاتا تھا ایک مرتبہ جامع مسجد میں آپ کو چھینک آئی۔ آپ نے الحمد اللہ کہا تو حاضرین مسجد نے آپ کی چھینک کا جواب دیتے ہوئے جب یرحمک اللہ کہا تو لوگوں کی آواز سے مسجد گونج گئی۔ خلیفہ وقت "مستنجد باللہ" نے جب شور سنا تو اس نے دریافت کیا کہ یہ کیسی آواز ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھینک آئی اور حاضرین مسجد نے آپ کی چھینک کا جواب دیا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ وقت آپ کی ہیبت سے سہم گیا۔ (بہجۃ اسرار)

آپ کا قدم اولیاء کی گردن پر

حضرات گرامی! روایت ہے کہ ایک دن آپ نے وعظ میں برسر منبر یہ فرمایا کہ:

قَدَمِيْ هٰذَا عَلٰى رَقَبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللهِ یعنی میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

چنانچہ آپ کی زبان مبارک سے یہ اعلان سن کر اس وقت تین سو تیرہ صاحبان حال

اولیاء اللہ جو مجلس وعظ میں حاضر تھے سب نے اپنا اپنا سر جھکا دیا اور عرض کیا کہ:

بَلْ عَلَى الرَّاسِ وَالْعَيْنِ یعنی اے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا قدم ہماری گردنوں ہی پر نہیں بلکہ آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور ہماری آنکھوں پر ہے۔

اور ان بزرگوں نے اپنے کشف سے یہ بھی دیکھا کہ تمام روئے زمین کے اولیاء آپ کے فرمان پر اپنی اپنی گردنیں جھکائے کھڑے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کے قلب مبارک پر تجلیات ربانیہ کا نزول ہو رہا تھا اور بارگاہ رسالت سے عطا کیا ہوا خلعت کرامت اولیاء کرام کے اژدھام میں فرشتے آپ کو پہنا رہے تھے۔ شیخ مکارم علیہ الرحمتہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت اولیاء نے یہ مشاہدہ فرمایا کہ قطبیت کا جھنڈا آپ کے سامنے گاڑا گیا اور غوثیت کا تاج آپ کے سر اقدس پر رکھا گیا۔ جس کو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ

كَسَانِيْ خِلْعَةً بِطَرَازِ عَزْمٍ وَتَوَّجَنِيْ بِتِيْجَانِ الْكَمَالِ

یعنی میرے رب نے مجھے اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی خلعت پہنائی اور فضل وکمال کا تاج میرے سر رکھ دیا ہے۔

طُبُوْلِيْ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ وَشَاء وسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِيْ

یعنی زمین وآسمان میں میری شان کے نقارے بجتے ہیں اور نیک بختی کے نقیب میرے روبرو حاضر رہتے ہیں۔

اَنَا الْجِيْلِيْ وَ مُحِيِ الدِّيْنِ اِسْمِيْ وَاَعْلَامِيْ عَلٰى رَاسِ الْجِبَالِ

میں جیلان کا رہنے والا ہوں اور محی الدین میرا نام ہے اور میرا اقبال کے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں۔

حضرات! روایت ہے کہ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اعلان خدا کے فرمان سے تھا۔ چنانچہ حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ لگا دینے سے اندھے اور کوڑھی شفا پاتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اعلان سے "مقام فردیت" کی طرف اشارہ ہے۔ اگر بعض دوسرے اولیاء بھی مقام فردیت سے سرفراز ہوئے مگر اس کے اعلان کا بجز حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی دوسرے کو خدا نے حکم نہیں دیا۔ چنانچہ اس مقام فردیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اپنے قصیدہ میں ارشاد فرمایا کہ ۔

اَنَا فِیْ حَضْرَۃِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِی
یُصَرِّفُنِیْ وَحَسْبِیْ ذُوْالْجَلَالِ

یعنی قرب الٰہی کی منزل میں مجھے وہ مقام حاصل ہے جس میں تنہا اور اکیلا میں ہی ہوں اور میرا رب مجھے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتا رہتا ہے اور وہ عظمت و جلال والا مولیٰ میرے لیے کافی ہے۔

حضرات گرامی! ایک طرف عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی شہادت نہیں ہے بلکہ دوسرے بڑے بڑے اولیاء کرام نے بھی آپ کے کمالات ولایت کی شہادت اور بشارت دی ہے۔

ابو بکر بن ہوارا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چنانچہ مشہور بزرگ ابو بکر ہوارا البطائحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنکی مشہور کرامت یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو خواب میں اپنا خرقہ پہنایا اور جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو خرقہ موجود پایا اور جن کا یہ ارشاد ہے کہ جو چالیس بدھ مسلسل میری قبر کی زیارت کرے گا وہ جہنم سے آزاد ہوگا اور جو میرے روضہ میں داخل ہو گیا اس کو آگ نہیں چھوئے گی۔ چنانچہ اب بھی آپ کی یہ کرامت ہے کہ آپ کی قبر کے پاس گوشت اور مچھلی نہ پک سکتی ہے نہ بھن سکتی ہے۔ آپ نے برسوں پہلے یہ غیب کی خبر دی تھی کہ عراق میں آٹھ اولیاء ولایت کے درجہ اوتاد پر فائز ہوں گے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ معروف کرخی' احمد بن حنبل' بشر حافی' منصور بن عمار' جنید بغدادی' سری سقطی' سہیل بن عبد اللہ تستری عبد القادر جیلانی جب لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور! یہ عبد القادر جیلانی کون ہیں؟ تو فرمایا کہ ایک عجمی سید ہیں۔ یہ گیلان میں پیدا ہوں گے اور بغداد ان کا مسکن ہوگا اور پانچویں صدی میں ان کا ظہور ہوگا اور وہ ولایت کے تمام فردیت کی ایسی منزل بلند پر فائز ہوں گے کہ ایک دن وہ برسر منبر یہ اعلان فرمائیں گے کہ:

قَدَمِیْ ھٰذَا عَلٰی رَقَبَۃِ کُلِّ وَلِیِّ اللہِ   یعنی میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

تو تمام اولیاء زمانہ ادب سے اپنی اپنی گردنیں جھکا کر عرض کریں گے کہ:

بَلْ عَلَى الرَّاسِ وَالْعَيْنِ (قلائد الجواہر ص ۷۸ وغیرہ)

یعنی اے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمہارا قدم ہماری گردنوں ہی پر نہیں بلکہ تمہارا قدم ہمارے سروں اور آنکھوں پر ہے۔

جو فرمایا کہ دوش اولیاء پر ہے قدم میرا
لیا سر کو جھکا کر سب نے تلوا غوث اعظم کا

تاج العارفین محمد کا کیس رحمۃ اللہ علیہ

حضرات! اس طرح تاج العارفین ابوالوفا محمد کا کیس رحمۃ اللہ علیہ جو عراق کے سید المشائخ اور امیر الاولیاء ہیں۔ جن کے مریدوں میں سترہ بادشاہ بھی تھے جو آپ کے جھنڈے کے نیچے مودبانہ چلا کرتے تھے اور جن کا قول تھا کہ کوئی انسان اس وقت تک سجادہ مشیخیت پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کو کاف سے قاف تک کا علم نہ حاصل ہو جائے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! کاف سے قاف تک کے علم کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ کاف سے مراد کُنْ فَيَكُوْنُ اور قاف سے مراد وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ ہے یعنی قیامت کا دن۔ مطلب یہ ہے کہ ازل سے قیامت تک کا علم جب تک کسی کو منجانب اللہ کشف سے نہ حاصل ہو جائے اس کو شیخ بن سجادہ نشین نہیں ہونا چاہیے۔ شیخ عزاز رحمۃ اللہ علیہ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ تاج العارفین ابوالوفا محمد کا کیس رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کیا ارشاد کیا فرماتے ہیں؟ تو فرمایا کہ "مَا اَقُوْلُ فِيْمَنْ اُبَاهِيْ بِهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" یعنی اس شخص کے بارے میں میرا قول کیا پوچھتے ہو؟ وہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن کے سبب سے میں قیامت کے دن فخر کروں گا کہ ایسے ایسے باکمال میری امت میں ہیں۔ یہ ۱۲ رجب ۴۱۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول ۵۰۱ھ کو بغداد کے قریبی شہر "قلیمیا" میں وفات پائی۔ (قلائد الجواہر ص ۸۱)

غرض تاج العارفین محمد کا کیس علیہ الرحمۃ جوان کمالات کے جامع بزرگ تھے۔ ان کا واقعہ ہے کہ یہ بغداد شریف میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور ان کے وعظ میں ہزاروں بندگان خدا سامعین بن کر حاضر ہوا کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا کہ ابھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدرسہ نظامیہ میں ایک طالب علم تھے اور نوجوانی کا عالم تھا ایک دن آپ بھی وعظ سننے کے لیے گئے اور جیسے ہی مجلس میں ہی بیٹھے حضرت تاج العارفین محمد کا کیس رحمۃ اللہ علیہ کی نظر آپ پر

بڑی آپ نے حاضرین کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو مجلس سے باہر نکال دو۔ چنانچہ حکم پاتے ہی لوگوں نے حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہاتھ سے پکڑ کر مجلس سے باہر کر دیا۔ مگر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بالکل ہی رنجیدہ نہیں ہوئے۔ بلکہ پھر مجلس میں لوٹ کر آ گئے اور حضرت تاج العارفین محمد کا کیس رحمتہ اللہ علیہ نے پھر حکم دیا کہ اس لڑکے کو مجلس سے باہر نکال دو چنانچہ لوگوں نے پھر آپ کو مجلس سے نکالا اور تمام حاضرین حیرت سے دیکھنے لگے کہ یہ عجیب لڑکا ہے کہ بار بار مجلس سے نکالا جاتا ہے مگر پھر چلا آتا ہے۔ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب بھی کبیدہ خاطر نہیں ہوئے اور تیسری بار پھر مجلس میں داخل ہو گئے۔ اب کی مرتبہ حضرت تاج العارفین محمد کا کیس رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لوگو! اس لڑکے کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ لوگ آپ کو پکڑ کر کرسی کے پاس لے گئے تو حضرت تاج العارفین محمد کا کیس علیہ الرحمتہ نے کھڑے ہو کر حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں نے اس لڑکے کو دو مرتبہ اپنی مجلس سے اس لیے نکالا تھا تاکہ تم لوگ اچھی طرح اس کو دیکھ لو اور جان پہچان لو کہ یہ کون ہے؟ اے اہل بغداد! تم لوگ اس ولی کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اس لیے کہ یہی وہ ہیں جو میرے بعد ''قطب الاقطاب'' ہونے والے ہیں۔ پھر اپنا عصا، تسبیح، مصلیٰ، سجادہ وغیرہ عطا فرما کر ارشاد فرمایا کہ بیٹا عبدالقادر! ابھی تمہارا لڑکپن ہے اور ہمارا بڑھاپا ہے۔ بیٹا! میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ تم ایک دن قطبیت کی منزل بلند پر سرفراز ہونے والے ہو اور ایسا وقت بھی آنے والا ہے کہ تم ایک دن وعظ میں بر سر منبر کہہ دو گے کہ میرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے۔ تو تمام روئے زمین کے اولیاء ادب سے اپنا اپنا سر خم کر کے عرض کریں گے کہ اے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! آپ کا قدم تو ہمارے سروں اور ہماری آنکھوں پر ہے۔ پھر آپ نے اپنی داڑھی پکڑ کر ارشاد فرمایا کہ بیٹا! عبدالقادر! جب تمہارا یہ وقت آئے تو تم میری اس سفید داڑھی کو یاد رکھنا۔ (بہجۃ الاسرار)

بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت تاج العارفین محمد کا کیس رحمتہ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا:

كُلُّ دِيْكٍ يَصِيْحُ وَيَسْكُتُ اِلَّا دِيْكُكَ فَاِنَّهٗ يَصِيْحُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

یعنی اے بیٹا عبدالقادر! ہر مرغ بولے گا اور چپ ہو جائے گا مگر تمہارا مرغ قیامت تک بولتا رہے گا یعنی تمہارا سلسلہ اور تمہاری ولایت

کا چرچا قیامت تک جاری رہے گا۔

اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ نے فرمایا کہ ۔

مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں
ہاں اصیل ایک نواسنج رہے گا تیرا

شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

اسی طرح حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ جو سلسلہ سہروردیہ کے امام اور مشائخ عراق کے مقتدر و مسلم الثبوت پیشوا ہیں۔ اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سید المساکین، حجۃ العارفین امام الصدیقین صدر المقربین ہیں۔

علی ہیتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرات گرامی! حضرت شیخ علی ابی نصر ہیتی رحمۃ اللہ علیہ بغداد کے ان چار بزرگوں میں سے ایک ہیں جو خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ فرما دیتے تھے۔ ایک دن حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وعظ میں حاضر تھے ناگہاں ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ تو ایک دم حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے منبر سے اتر کر مودبانہ ان کے پاس کھڑے ہو گئے جب حضرت علی ہیتی رحمۃ اللہ بیدار ہوئے تو عرض کیا کہ اے غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ! مجھے ابھی ابھی خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار حاصل ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اسی لیے تو میں ادب کے ساتھ منبر سے اتر کر مودبانہ ان کے پاس کھڑا ہو گیا تھا۔ تمہیں خواب میں دیدار نصیب ہوا اور میں بیداری میں دیدار پر انوار سے سرفراز ہوا۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات! یہی وجہ ہے کہ شیخ علی ہیتی رحمۃ اللہ علیہ جب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہے تو سب سے پہلے آپ ہی نے آگے بڑھ کر آپ کا قدم اٹھا کر اپنی گردن پر رکھ لیا تھا۔ اللہ اللہ! سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ نے ۔

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

غرض برادران ملت! بڑے بڑے جلیل القدر اولیاء اللہ نے آپ کی مدح ثنا کا خطبہ

پڑھا اور آپ کے حضور مطیع و فرمانبردار ہو کر حاضر ہوئے اور آپ کی عظمت کا اعتراف کر کے آپ کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہوئے۔ چنانچہ اسی فضل ربانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے لاثانی قصیدہ میں ارشاد فرمایا کہ ؎

فَقُلْتُ لِسَائِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوا ۔۔۔ بِحَالِي وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِ

یعنی میں نے تمام قطبوں سے یہ کہہ دیا کہ تم لوگ میرے مقام عظمت کو تسلیم کر کے سب کے سب میرے رنگ میں رنگ جاؤ اور میرے اکھاڑے کے مرد میدان بن جاؤ۔

وَهُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِيْ ۔۔۔ فَسَاقِي الْقَوْمِ بِا الْوَافِي مَلَالِ

تم لوگ ہمت کرو اور خوب پیو کہ تم میرے لشکر ہو کیونکہ ساقی نے مجھے خوب بھر بھر کر جام پر جام پلایا ہے۔

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِيْ مِنْ بَعْدِ سُكْرِيْ ۔۔۔ وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِيْ وَ اتِّصَالِ

تم لوگوں نے میرے مست ہو جانے کے بعد میرا بچا ہوا جھوٹا پیا ہے اس لیے تم میرے بلند و بالا مقام اور قرب کو نہیں پا سکتے۔

مَقَامُكُمُ الْعُلٰى جَمْعًا وَّلٰكِنْ ۔۔۔ مَقَامِيْ فَوْقَكُمْ مَا زَالَ عَالِ

تم لوگوں کے مقامات ولایت بھی اگرچہ بہت ہی بلند و بالا ہیں لیکن قرب الٰہی میں میرا مقام تم لوگوں سے بہت اونچا ہے اور ہمیشہ اونچا ہی رہے گا۔

چند کرامتیں

حضرات گرامی! اب میں چاہتا ہوں کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے شمار کرامتوں میں سے چند کرامات بھی آپ کو سنا دوں جس سے ان شاء اللہ آپ کے دلوں کی دنیا میں غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عقیدت کا چراغ روشن ہو جائے گا۔

حضرات محترم! قلائد الجواہر کے مصنف حضرت علامہ شیخ محمد یحیٰی بن حنبلی کا ارشاد ہے کہ تمام فقہا اور فقراء کا اجماع ہے کہ بغداد شریف میں چار ایسے اولیاء گزرے ہیں جو اپنی زندگی میں بھی قسم قسم کے محیر العقول تصرفات فرماتے رہے اور وفات کے بعد اپنی قبروں میں بھی زندوں کی طرح تصرفات فرماتے رہتے ہیں اور وہ چار و اولیاء یہ ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ معروف کرخی، شیخ عقیل منبجی، شیخ حیاۃ بن قیس حرانی رحمہم اللہ۔ اسی طرح بغداد میں چار اولیاء

ہوئے جو خدا کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دیتے اور مردوں کو زندہ فرما دیا کرتے تھے اور ان چاروں کے نام یہ ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ احمد رفاعی، شیخ علی بن ابی نصر ہیتی شیخ بن بطو رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (قلائد الجواہر ص ۴۷)

پکی ہوئی مرغی زندہ ہوگئی

حضرات! ایک بڑھیا نے اپنے لڑکے کو بارگاہ غوثیت میں پیش کر کے عرض کیا اس کو اپنی غلامی میں قبول فرمائیں اور اس کو تصوف و سلوک کی تعلیم فرمائیں۔ چنانچہ یہ لڑکا عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گیا۔ ایک دن لڑکے کو دیکھنے کے لیے آئی تو دیکھا کہ اس کا لڑکا جو کی روٹی بغیر سالن کے کھا رہا ہے اور ریاضت و مجاہدہ کے اثر سے بہت دبلا اور لاغر بھی ہو گیا ہے۔ پھر جب بڑھیا بارگاہِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر ہوئی تو یہ دیکھا کہ آپ مرغی کا گوشت تناول فرما چکے ہیں اور اسکی ہڈیاں برتن میں پڑی ہوئی ہیں۔ بڑھیا نے عرض کیا کہ حضور! آپ نے میرے بچے پر شفقت نہیں فرمائی۔ آپ نے فرمایا کیسے؟ تو بڑھیا جھلا کر بولی کہ واہ! آپ تو اڑائیں مرغیاں اور میرا بچہ کھائے جو کی روٹیاں؟ یہ کہاں کی شفقت ہے یہ سن کر حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرغی کی ہڈیوں کو جمع فرما کر اپنا دست مبارک ان پر رکھ دیا اور فرمایا کہ:

قُوْمِیْ بِاِذْنِ اللہِ الَّذِیْ یُحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ

یعنی اے مرغی! تو اس خدا کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو گلی سڑی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔

حضرت کا یہ فرمان سنتے ہی مرغی زندہ ہو کر کھڑی ہو گئی اور بزبان فصیح یہ پڑھا کہ:

لَآاله الا اللہ محمد اللہ رسول اللہ الشیخ عبد القادر ولی اللہ

(قلائد الجواہر ص ۴۷)

چیل کو مار کر زندہ فرما دیا

ایک مرتبہ آپ کی مجلس وعظ میں ایک چیل چلاتی ہوئی اوپر سے گزر گئی جس سے سامعین کی توجہ پراگندہ ہوگئی تو آپ پر ایک دم غوثیت کا جلال طاری ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ:

یَارِیْحُ خُذِیْ رَاْسَ ھٰذِہِ الْحِدَاءَۃَ

یعنی اے ہوا! اس چیل کا سر اڑا دے۔

حاضرین مجلس کا بیان ہے کہ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان ہوتے ہی چیل کا سر

ایک طرف کٹ کر گر پڑا اور اس کا دھڑ دوسری طرف جا کر گرا۔ پھر وعظ سے فارغ ہو کر آپ کرسی سے نیچے اترے اور چیل کے سر اور دھڑ کو ملا کر بسم اللہ پڑھا اور ہاتھ پھیر دیا تو وہ زندہ ہو کر اڑ گئی (خلاصۃ المفاخر) برادرانِ ملت! یہی وہ آپ کے خدادار تصرفات ہیں جن کو قصیدہ غوثیہ میں فرمایا۔

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّيْ فَوْقَ مَيْتٍ　　لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى

یعنی میں اگر اپنا راز کسی مری ہوئی لاش میں ڈال دوں۔ تو وہ یقیناً مولیٰ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جائے گی۔

وہ کہہ کر قم باذن اللہ جلا دیتے ہیں مردوں کو
بہت مشہور ہے احیاء مولیٰ غوثِ اعظم کا

طوفان سے کشتی نکال دی

برادرانِ ملت! حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسہ میں پڑھنے والے طلبہ کا بیان ہے کہ ایک دن دوران درس میں حضرت کا چہرہ مبارک ایک دم سرخ ہو گیا اور اپنی چادر کے نیچے ہاتھ ڈال کر نکالا تو ہاتھ سے پانی ٹپکنے لگا۔ آپ کے جلال و ہیبت کی وجہ سے کسی کو کچھ دریافت کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔ مگر طالب علموں نے دن تاریخ اور مہینہ نوٹ کر لیا۔ دو ماہ کے بعد کچھ سوداگر حاضر خدمت ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضور! ہم سمندر میں اپنی کشتی پر تجارت کا مال لاد کر آ رہے تھے کہ یکا یک سمندر میں طوفان آ گیا اور طوفان کے طلاطم اور موجوں کے تھپیڑوں میں ہماری کشتی ڈگمگانے لگی اور قریب تھا کہ ہمارا بیڑہ غرق ہو جائے مگر جب ہم نے اس مصیبت کے وقت میں آپ کو پکارا اور ''یا غوث المدد'' کا نعرہ لگایا تو ہم نے یہ دیکھا کہ پانی کی سطح پر ایک قدرتی ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے ہماری کشتی کو طوفان کی موجوں سے نکال کر سلامتی کے ساتھ ساحل نجات پر پہنچا دیا۔ (برکات قدریت)۔

جہاد تاجراں گرداب سے فوراً نکل آیا
وظیفہ جب انہوں نے پڑھ لیا غوثِ اعظم کا

فرزند کی بشارت

حضرات! آپ کے عقیدت مندوں میں خضر حسینی موصلی تھے۔ آپ نے ان کو بشارت

دی کہ تیری پشت سے ایک لڑکا محمد نامی پیدا ہوگا۔ جو ایک نابینا حافظ سے قرآن مجید حفظ کرے گا اور تو طویل عمر پا کر بحالت ہوش وحواس مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ۶۰۱ھ میں ان کے فرزند محمد پیدا ہوئے اور ایک نابینا حافظ سے قرآن پڑھ کر سات ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور خضر نے حسینی نوے سال ایک ماہ اور سات دن کی عمر پا کر مقام اربل میں داعی اجل کو لبیک کہا اور آخر عمر تک ان کے ہوش وحواس قائم رہے۔ (بہجۃ الاسرار) سبحان اللہ! سچ فرمایا مولانا اجل الدین رومی علیہ الرحمہ نے۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء　　　　از چہ محفوظ است؟ محفوظ از خطا

یعنی خداوند قدوس اپنے اولیاء کی آنکھوں میں وہ قدرت وطاقت بخش دیتا ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر لوح محفوظ کی تحریروں کر پڑھ لیتے ہیں اور لوگوں کی تقدیروں پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ خود حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ

عَیْنِیْ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ　　　　یعنی میری آنکھ لوح محفوظ کو دیکھتی رہتی ہے۔

برادرانِ ملت! امام شعرانی نے طبقات کبریٰ میں فرمایا ہے کہ عارف باللہ وہ ہے جس کے دل میں خداوند عالم نے ایک ایسی تختی رکھ دی ہے کہ ملک وملکوت کے تمام اسرار موجودات اس میں منقوش ہو جاتے ہیں اور وہ سب کو اپنے علم وکشف سے جانتا اور اپنی چشم بصیرت سے دیکھتا رہتا ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ السانی نے نفحات الانس میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ عزیزان علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ تمام روئے زمین اللہ والوں کی نظر کے سامنے ایک دستر خوان کے مانند ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ تمام روئے زمین اولیاء کی نگاہ کے سامنے ناخن کی طرح سے ہے کہ روئے زمین کی کوئی شے ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا　　　　کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالٖ

یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھا جس طرح کوئی رائی کے دانے کو دیکھتا ہے اور وہ بھی منٹ دومنٹ کے لیے نہیں بلکہ ''علیٰ حکم اتصال'' یعنی مسلسل لگاتار ہمیشہ یوں ہی دیکھتا رہتا ہوں اور علی الاتصال ہر دم اور ہر حال میں سارا جہاں میرے پیش نظر رہتا ہے۔

احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا شیر

حضرات! مشہور بزرگ شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ جو زندہ فیل کہلاتے ہیں۔ شیر کی سواری فرماتے تھے اور ان کا دستور تھا کہ جس خانقاہ میں تشریف لے جاتے اپنے شیر کی خوراک کے لیے ایک گائے طلب فرماتے اور تمام بزرگوں پر ان کی ہیبت کا اسقدر سکہ بیٹھا ہوا تھا کہ ہر شیخ بلا چون وچرا ایک گائے کا نذرانہ پیش کر دیتا۔

چنانچہ بغداد شریف آئے تو یہاں حسب عادت خادم کو خانقاہ غوث میں بھیج کر ایک گائے کا مطالبہ فرمایا۔ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا کہ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ ہمارے مہمان ہیں اس لیے ضرور ان کا مطالبہ پورا کیا جائے گا اور آپ نے ایک گائے بھیج دینے کا حکم فرما دیا۔ شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کو جب خادم نے خبر دی کہ گائے آرہی ہے تو وہ اکڑ کر بولے کہ دیکھ لیا تو نے ہمارا دبدبہ؟ بہر حال حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خادم گائے لے کر چلا۔ تو ایک دبلا پتلا کتا جو خانقاہ غوثیہ کے لنگر خانہ کی ہڈیوں پر گزر بسر کرتا تھا اور دروازے پر پڑا رہتا تھا وہ بھی گائے کے ساتھ چلا اور جیسے ہی شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا شیر گائے پر جھپٹا۔ کتے نے ایک دم لپک کر شیر کا گلا پکڑ لیا اور اپنے پنجوں سے شیر کا پیٹ پھاڑ ڈالا اور کتا گائے کو ہانک کر خانقاہ غوثیہ میں لے آیا۔ حضرت شیخ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیر کا حال زار دیکھ کر اور ایک لاغر کتے کی جرات کا مشاہدہ کر کے سمجھ گئے کہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تصرف ہے اور یقیناً یہ میرے غرور کا جواب ہے۔ چنانچہ آپ شرمندہ ہو کر حاضر دربار ہوئے اور سرکار غوثیت میں معافی کے خواستگار اور نظر کرم کے طلب گار ہوئے سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے۔

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

مفت کے ڈھائی لاکھ

حضرات! شیخ زین الدین ابو الحسن نزیل رحمۃ اللہ علیہ مصر جب بغداد شریف آئے تو ان کے ساتھیوں کے پاس چھری کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہی چھری فروخت کر کے ان لوگوں

نے چاول خرید کر کھایا مگر پھر بھی بھوکے رہے جب یہ لوگ دربار غوثیت میں پہنچے تو حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے لوگو! جلدی ان بھوکوں کے لیے کھانا لاؤ۔ ان لوگوں نے چھری بیچ کر چاول کھایا ہے مگر پھر بھی بھوکے ہیں۔ روٹی اور کشک لاؤ اور روٹی شہد لاؤ۔ شیخ ابوالحسن کے دل میں شہد کی خواہش تھی۔ خادم نے ان کے آگے کشک رکھ دیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوالحسن کے سامنے شہد رکھوان کو شہد کی خواہش ہے۔ شیخ ابوالحسن جناب غوثیت مآب کے اس کشف سے حیران رہ گئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ دوڑ کر قدموں میں گر پڑے۔ اس وقت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "مرحبا بواعظ مصر" یعنی واعظ مصر! خوش آمدید! شیخ ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! میں تو اتنا بڑا جاہل ہوں کہ مجھے ٹھیک سے سورۃ فاتحہ بھی پڑھنا نہیں آتی۔ بھلا میں مصر کا واعظ کیسے ہو سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ امر رب یہی ہے کہ جو میں کہتا ہوں۔ چنانچہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ایک سال میں اعلیٰ درجے کے واعظ ہو گئے بوقت رخصت حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ دیکھو۔ دمشق کے قریب تم کو ایک فوج ملے گی جو مصر پر حملہ کرنا چاہتی تم ان لوگوں سے کہہ دینا کہ یہ حملہ اس وقت ناکام رہے گا آئندہ سال حملہ کامیاب رہے گا۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں سے کہہ دیا پھر جب مصر پہنچے تو بادشاہ مصر حملہ کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ آپ نے شاہ مصر کو بشارت دی کہ تم اطمینان رکھو کہ حملہ آور کامیاب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حملہ آور فوج فرار ہو گئی تو مصر کے بادشاہ نے شیخ ابوالحسن کو سوا لاکھ دینار انعام دیا۔ پھر آئندہ سال حملہ آوروں نے مصر پر حملہ کیا تو ان کا حملہ کامیاب ہو گیا۔ تو ان لوگوں نے بھی شیخ ابوالحسن کو سوا لاکھ دینار انعام دیا۔ اس طرح شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ ڈھائی لاکھ دینار پا کر مالا مال ہو گئے اور یہ سب کچھ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کا طفیل تھا۔ (بہجۃ الاسرار)

مفلوج اور اندھا شفایاب ہو گیا

حضرات! مہلک اور لاعلاج مریضوں کو بھی آپ کی کرامتوں سے اکثر شفا مل جاتی تھی۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے کہ بغداد کے مشہور تاجر ابو غالب نے دعوت کی۔ جب آپ اس کے مکان پر پہنچے تو عراق کے بڑے بڑے علماء و مشائخ پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔ انواع و اقسام کے کھانے دستر خوان پر چنے گئے۔ پھر لوگوں نے ایک بند ٹوکرا لا کر

مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ تمام علماء آپ کی ہیبت و جلالت سے خاموش بیٹھے رہے مگر آپ نے فرمایا کہ ٹوکرا میرے سامنے لاکر کھولو۔ جب ٹوکرا کھولا گیا تو اس میں ابو غالب تاجر کا اندھا اور فالج زدہ لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ حضور غوثیت مآب نے سمجھ لیا کہ اس دعوت کا مقصد یہی ہے کہ اس بچے کو علماء و مشائخ کے سامنے دعا کے لیے پیش کیا جائے۔ چنانچہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بچے کو دیکھ کر فرمایا کہ "قم باذن اللہ معافی" یعنی اے لڑکے! تو خدا کے حکم سے شفایاب ہو کر کھڑا ہو جا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ لڑکا بینا اور تندرست ہو کہ زمین پر دوڑنے لگا۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر مجلس میں ایک شور برپا ہو گیا اور حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموشی کے ساتھ اٹھ کر بغیر کھانا کھائے اپنی خانقاہ میں آ گئے۔

شفا پاتے ہیں صد ہا جاں بلب امراض مہلک سے
عجب دارالشفاء ہے آستانہ غوثِ اعظم کا

گم شدہ اونٹ

بشر قرظی کے چار اونٹ خطرناک جنگل میں رات کو گم ہو گئے۔ انہوں نے اپنی حیرانی و پریشانی کے عالم میں "المدد یاغوث" کا نعرہ لگا کر بارگاہ غوثیت میں فریاد کی تو یکایک انہوں نے دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والے سفید بزرگ ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے مجھ کو بلا رہے ہیں۔ لیکن جب ٹیلہ پر جا کر میں نے دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ مگر جب ٹیلے سے نیچے کی طرف نظر گئی تو میں نے یہ دیکھا کہ میرے چاروں اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں انہیں پکڑ لایا اور قافلہ میں شامل ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ میری راہنمائی فرمانے والے وہ بزرگ یقیناً غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ (بہجۃ الاسرار)

دریائے دجلہ کا سیلاب

برادرانِ ملت! بغداد کے مسلم الثبوت باکرامت بزرگ حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دریائے دجلہ میں اتنا خطرناک سیلاب آ گیا کہ شہر بغداد کے غرق ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ اہل بغداد فریاد کے لیے بارگاہ غوثیت میں حاضر ہوئے تو آپ اپنا عصا لے کر اٹھے اور دریا کے کنارے جا کر اپنا عصا دریا کی پرانی حد پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ

اے دجلہ! خبردار اپنی حد سے آگے نہ بڑھنا۔ اس کے بعد فوراً ہی دجلہ کی طغیانی ختم ہونے لگی اور آہستہ آہستہ پانی اصلی حد پر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ (بہجۃ الاسرار)

حضرات گرامی! کیوں نہ ہو؟ کہ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ
لَصَارَ الْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِ

یعنی اگر میں اپنا راز دریا میں ڈال دوں تو اس کا پانی زمین میں جذب ہو کر خشک ہو جائے۔

بارش روک دی

حضرات! یہی حضرت عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مدرسہ کے صحن میں وعظ فرما رہے تھے کہ ایک دم بارش ہونے لگی اور سامعین میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی تو آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا کہ ''میں لوگوں کو جمع کرتا ہوں اور تو منتشر کرتا ہے''؟ آپ کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ مدرسہ کے صحن میں بارش بند ہوگئی اور مدرسہ کے باہر بدستور پانی برستا رہا۔ (بہجۃ الاسرار)

ہوا موقوف فوراً ہی برسنا اہل مجلس پر
جو پایا ابر باراں نے اشارہ غوثِ اعظم کا

اشرفیوں سے خون ٹپکا

حضرات! خلیفہ بغداد مستنجد باللہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اشرفیوں کی دس تھیلیاں لے کر بارگاہ غوثیت میں نذرانہ پیش کرنے کے لیے لایا۔ آپ نے اس کا نذرانہ قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ تو وہ اپنی بادشاہی کا رعب جما کر اصرار کرنے لگے۔ خلیفہ کا تیور اور اصرار دیکھ کر آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے دو تھیلیوں کو دونوں ہاتھوں میں لے کر نچوڑا تو ان تھلیوں سے خون ٹپکنے لگا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے خلیفہ! تجھے شرم نہیں آتی کہ تو مجھے ایسا مال دیتا ہے جس میں مسلمانوں کا خون بھرا ہوا ہے۔ خلیفہ یہ منظر دیکھ کر مارے ڈر کے بے ہوش ہو گیا اور آپ نے تڑپ کر فرمایا کہ:

وَعِزَّۃِ الْمَعْبُوْدِ لَوْ لَاحُرْمَۃُ اِتِّصَالِہٖ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتَرَکْتُ الدَّمَ یَجْرِیْ اِلٰی مَنْزِلِہٖ

یعنی مجھے عزت معبود کی قسم ہے اگر اس کو خاندان نبوت سے نسبت نہ ہوتی تو میں اس خون کو اس کے محل تک بہا دیتا۔ (بہجۃ الاسرار)

کرامتی سیب

حضرات! اسی طرح ایک مرتبہ خلیفہ بغداد بارگاہ غوثیت میں سلام کے لیے حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور! آج آپ کی کوئی کرامت دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بولو! کیا چاہتے ہو؟ خلیفہ نے عرض کیا کہ حضور! اس وقت سیب کھانے کو جی چاہتا ہے۔ یہ سیب کا موسم نہیں تھا۔ مگر حضرت نے ہوا میں اپنا ہاتھ اٹھایا تو دست مبارک میں دو سیب مبارک آ گئے۔ آپ نے ایک خلیفہ کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دوسرا اپنے ہاتھ میں رکھا۔ پھر جب آپ نے سیب کو کاٹا تو بالکل سفید اور نہایت ہی شیریں نکلا اور خلیفہ نے سیب کو کاٹا تو سڑا اور بدبودار نکلا۔ خلیفہ حیران ہوا تو آپ نے فرمایا کہ سیب تو دونوں ہی یکساں تھے مگر ایک پر ظالم کا ہاتھ پڑا تو وہ خراب ہو گیا۔ خلیفہ انتہائی شرمندہ ہوا اور آپ نے اس کرامت سے اس کو ہدایت فرمائی کہ وہ ظلم سے باز رہے۔ (بہجۃ الاسرار)

برادرانِ ملت! میں کہاں تک آپ کی کرامتیں بیان کروں۔ جمادات، نباتات، حیوانات پر آپ کے قسم قسم کے تصرفات کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں کیوں نہ ہو کہ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی اپنے خداداد اختیارات و تصرفات کا بیان اپنی زبان سے فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ
وَوَقْتِیْ قَبْلَ قَلْبِیْ قَدْ صَفَا لِیْ

یعنی اللہ کے تمام بلاد و امصار میرے زیر اقتدار اور فرماں بردار ہیں اور میری یہ حکومت میرے تصفیہ قلب کے پہلے ہی سے ہے۔ یعنی میں پیدائشی ولی اور صاحب تصرف ہوں۔

وَمَا مِنْہَا شُہُوْرٌ اَوْ دُہُوْرٌ تَمُرُّ وَ تَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ
وَتُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاْتِیْ وَ یَجْرِیْ وَتُعْلِمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِیْ

یعنی جو مہینہ اور سال گزرتا ہے وہ میرے پاس حاضر ہوتا ہے اور مجھے ان تمام باتوں کی

خبریں دیتا ہے۔ جو اس مہینے اور سال میں ہونے والی ہوتی ہیں تو تم میرے اس بیان میں شک کر کے جھگڑا نہ کرو۔

اتباع شریعت

برادرانِ ملت! آپ تمام عمر بندگان خدا کو علم دین حاصل کرنے اور اتباع شریعت کرنے کی تعلیم و تلقین فرماتے رہے آپ نے اپنی زبان اور قلم کو تبلیغ دین کے لیے وقف فرما دیا اور صرف غربا اور فقراء ہی کو نصیحت نہیں فرمائی بلکہ امراء و سلاطین کو بھی عدل و انصاف اور اتباع شریعت کا حکم دیتے رہے اور مشائخ اور سجادہ نشینوں کو بھی ہمیشہ اس مسند کا اہل بننے کی تاکید فرماتے رہے۔

مسند مشیخیت کی شرائط

چنانچہ آپ کا یہ مشہور ارشاد ہے کہ جب تک کسی شخص میں یہ بارہ خصلتیں نہ پیدا ہو جائیں اس کو شیخ بن کر سجادہ مشائخ پر بیٹھنا جائز نہیں ہے اور وہ بارہ خصائل کون کون ہے۔ ذرا غور سے سن لیجیے۔

۱-عیب	۷-نیک باتوں کا حکم دینا
۲-رحم دلی	۸-بری باتوں سے منع کرنا
۳-شفقت	۹-مسکینوں کو کھانا کھلانا
۴-مہربانی	۱۰-عبادت کے لیے راتوں کو جاگنا
۵-سچائی	۱۱-ضروریات دین کا علم حاصل کرنا
۶-حق گوئی	۱۲-سخاوت و جواں مردی اختیار کرنا

قلائد الجواہر ص ۱۳

وفات مبارک

آپ نے اپنی وفات سے چند دنوں پہلے ہی اپنے عزیز اقرباء کو بتا دیا تھا کہ اب میری وفات کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ علیل ہو گئے اور دو ماہ تک علالت کا سلسلہ جاری رہا۔ آخری وقت میں آپ نے کچھ دعاؤں کا ورد شروع فرمایا اور دعا کے آخر میں لا الہ الا

اللہ محمد رسول اللہ پڑھا اور اکیانوے برس کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو رات میں آپ نے وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبدالوہاب قادری نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور مدرسہ قادریہ کے ایک سائبان کے نیچے مدفون ہوئے۔ بغداد جدید میں آج بھی آپ کا مزار پرنوار عوام وخواص کے لیے فیض بخش ہے۔ کیوں نہ ہو کہ حضور غوثیت مآب کا یہ جہانگیری اعلان موجود ہے کہ۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا   اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

یعنی اگلوں کے سورج غروب ہو گئے لیکن ہمارا سورج ہمیشہ بلندی کے افق پر روشن رہے گا اور کبھی غروب نہیں ہوگا۔

آپ کی مقدس بیویاں

حضرات! حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار عورتوں کو اپنے عقد نکاح سے نوازا جن کے نام یہ ہیں۔

۱-بی بی مدینہ ۲-بی بی صادقہ ۳-بی بی مومنہ ۴-بی بی محبوبہ

یہ چاروں بیویاں صالحات اور آپ کے فیوض وبرکات سے اہل کرامات تھیں۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے سید شاہ عبدالجبار کا بیان ہے کہ میری والدہ کی یہ کرامت تھی کہ جب وہ کسی اندھیرے گھر میں داخل ہوتی تھیں تو خود بخود گھر روشن ہو جاتا تھا۔

آپ کی اولاد

حضرات! مختلف تاریخوں کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ آپ کے یہاں انچاس بچے پیدا ہوئے جن میں بیس صاحبزادے اور باقی صاحبزادیاں تھیں۔ آپ کے مشہور فرزندوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱-سید عبدلوہاب ۲-سید عبدالرزاق ۳-سید عبدالعزیز
۴-سید محمد یحییٰ ۵-سید عبداللہ ۶-سید عبدالجبار
۷-سید محمد عیسیٰ ۸-سید ابراہیم ۹-سید محمد موسیٰ ۱۰-سید محمد

یہ تمام شہزادگان علم وعمل کے آفتاب بن کر چمکے اور ان میں سے زیادہ سید عبدالرزاق۔
[illegible]ئے۔

تاریخ وفات

کسی عربی شاعر نے آپ کی تاریخ وصال میں یہ کمال کیا ہے کہ ایک ہی مصرع میں تاریخ ولادت اور مقدار عمر اور تاریخ وفات تینوں کو بیان کردیا ہے ۔

اِنَّ بَـازَ اللهِ سُـلْطَـانَ الرِّجَـالِ
جَاءَ فِیْ عِشْقٍ وَّ مَاتَ فِیْ کَمَالِ

عشق کے عدد چار سو ستر تاریخ ولادت ہے اور ''کمال'' کے عدد اکیانوے مقدار عمر ہے اور اکیانوے کو چار سو ستر میں ملا دیں تو پانچ سو اکسٹھ ہوتے ہیں ۔ جو تاریخ وفات ہے۔

وما علینا الا البلاغ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین
وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہٖ محمدٍ
وّاٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین ۔

رائے گرامی

حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہٗ ایڈیٹر جام نور
ومہتمم فیض العلوم جمشید پور وموسس ادارہ شرعیہ پٹنہ

حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مدظلہ کا ان اکابر علماء کی صف اول میں شمار ہے۔ جو تدریس وافتاء اور تقریر وتحریر وغیرہ تمام علمی میدانوں کے شہسوار اور اپنی فنی مہارتوں میں یکتائے روزگار ہیں۔ بلبل ہزار داستان کی طرح ہر مجلس میں چہکتے اور گلہائے رنگا رنگ کی طرح ہر چمنستان میں کھلتے اور مہکتے رہتے ہیں۔ ملک کے سینکڑوں مشاہیر علماء آپ کے علمی فیضان کی یادگار ہیں۔ علامہ موصوف ایک پختہ کار مصنف اور باکمال قلم کار بھی ہیں۔ چنانچہ آپ کی ولولہ انگیز وایمان افروز تقریروں کے پانچوں مجموعے ''ایمانی تقریریں'' ''حقانی تقریریں'' ''قرآنی تقریریں'' ''عرفانی تقریریں'' ''نورانی تقریریں'' آپ کی قلم کاری کے نہایت اعلیٰ شاہکار ہیں۔ بالکل سادہ مگر انتہائی پرکشش لفظوں میں جس طرح مختلف عنوانوں پر آپ نے اپنی تقاریر کو سپرد قلم فرمایا ہے۔ بلاشبہ یہ پانچوں کتابیں آپ کی فنی مہارت کی آئینہ دار ہیں۔ رب العزت علامہ موصوف کو تادیر سلامت رکھے اور آپ کے فیوض وبرکات کو عمر خضری وبخت سکندری بخشے۔ آمین

ارشد القادری

جمشید پور یکم جنوری ۱۹۷۰ء

قطعہ تاریخ

از حضرت مولانا محمد کبیر الدین صاحب مخفی نگپوری مدظلہ

مرحبا اعظمی کی تقریریں — سب خاص و عوام ہیں محفوظ
ہر سطر جس کی سلسبیل کی موج — در معنی ہیں جس کے ہر ملفوظ
واہ ! حقانی ہیں یہ تقریریں — حق نما بہر واعظ و موعوظ
خطبہ وعظ بھی، لطائف بھی — اور خطیبانہ رنگ بھی ملحوظ

فکر تاریخ جب ہوئی مخفی
بولا ہاتف کہ دانش محفوظ

قطعہ تاریخ

از حضرت مولانا قدرت اللہ صاحب عارف رضوی بستوی مدظلہ

اللہ اللہ ! اعظمی کا قلم — ایک دریا ہے فیض کا جاری
ایسی تقریر لکھی حقانی ! — مرد مومن پہ کیف ہے طاری
پر اثر ' پر کشش ہر اک عنوان — ہو بہاروں میں جیسے گل باری
ہر لطائف میں نکتہ ایمان ! — ہر مواعظ میں کیف و بیداری
ولولہ خیز و پر اثر مضمون — ساحرانہ بیاں ' اداکاری

نام عارف ہے اس کا حقانی
اور تاریخ مظہر الباری

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

قرآنی تقریریں

تصنیف

حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللہ

نام کتاب	———	قرآنی تقریریں
مصنف	———	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہ
اشاعت	———	اکتوبر ۲۰۰۳ء
تعداد	———	۶۰۰
کمپوزنگ	———	عبدالسلام/قمرالزمان راکل پارک لاہور
قیمت	———	روپے

ملنے کا پتہ

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

فہرست قرآنی تقریریں

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اکیسواں وعظ		مسجد نبوی کے چند ستون	۴۲
خداوندی جلال و جمال	۱۲	حضرت ابولبابہ کی توبہ	۴۳
ایک فلسفی اور صوفی	۱۴	قبر انور کے حضور حاضری	۴۷
نیکی اور بدی کی تاثیر	۱۷	قبر منور سے اعلانِ مغفرت	۴۷
ایک صالح کا باغ	۱۸	وسیلہ کے ذریعے حاضری	۴۹
حضرت نوح علیہ السلام کی تقریر	۲۰	توبہ و استغفار	۵۱
استغفار کے چار فائدے	۲۱	قطب المدار کا مناظرہ	۵۲
بدی کی تاثیر	۲۳	شفاعتِ رسول ﷺ	۵۶
قومِ عاد کی ہلاکت	۲۴	تیئسواں وعظ	
قومِ ثمود کی بربادی	۲۵	دربارِ نبوت ﷺ کا ادب	۵۹
قومِ سبا کا انجام	۲۸	شانِ نزول	۶۲
بائیسواں وعظ		تین بشارتیں	۶۴
مغفرت کی تین شرطیں	۳۴	مختارِ دو عالم ﷺ	۶۵
امام اعظم علیہ الرحمۃ کی عمر	۳۵	علم غیب رسول ﷺ	۶۶
شانِ نزول	۳۷	ثابت بن قیس کی زندگی	۶۶
لطیفہ	۴۱	ثابت بن قیس کی شہادت	۶۷
دربارِ رسول ﷺ کی حاضری	۴۱	ثابت بن قیس کی کرامت	۶۷

مضمون	صفحہ
امام مالک اور ہارون رشید	۶۸
آیتِ حجاب	۷۱
بنی تمیم کے اعراب	۷۲
قبر نے ٹھکرا دیا	۷۳
منہ ٹیڑھا ہو گیا	۷۴
عبرت آموز لطیفہ	۷۵
چوبیسواں وعظ	
رسول کا علم غیب	۷۹
ساری دنیا پیش نظر	۸۱
علومِ آدم کی فہرست	۸۴
شاہد	۸۵
آیت کی چند تفسیریں	۸۷
آیاتِ علم غیب رسول ﷺ	۹۱
وہابی دلائل کا رد	۹۳
تطبیق آیات	۹۵
پانچ چیزوں کا علم	۹۷
علم قیامت	۹۸
بچہ دانی میں کیا ہے؟	۱۰۰
کل کیا کرے گا؟	۱۰۲
کون کہاں مرے گا؟	۱۰۲
علم غیب رسول اور صحابہ	۱۰۳
مالک بن عوف کے دو شعر	۱۰۵
حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ایک نعت	۱۰۶
انصاری بچیوں کا گیت	۱۰۷
خلاصۂ کلام	۱۰۸
علم نبوت کی تین قسمیں	۱۰۸
پچیسواں وعظ	
نعرۂ رسالت	۱۱۰
رسول ﷺ کو رشتوں سے پکارنا	۱۱۴
نعرۂ رسالت	۱۱۵
نبی یا ولی کو پکارنا	۱۱۶
نماز میں نبی ﷺ کو سلام	۱۱۷
ایک عجیب دعا	۱۱۸
دلچسپ لطیفہ	۱۱۹
بزرگانِ دین کا عمل	۱۲۰
دور سے پکارنا شرک نہیں	۱۲۲
غیر اللہ سے استعانت	۱۲۳
ایک عجیب عمل	۱۲۴
مردوں کو پکارنا شرک نہیں	۱۲۴
منکرین کی دلیل کا رد	۱۲۵
چھبیسواں وعظ	
بشریت مصطفےٰ ﷺ	۱۲۹
اس آیت کا مطلب	۱۳۰
شیخ محقق کی تحقیق	۱۳۲

مضمون	صفحہ
امام رازی کی تفسیر	۱۴۴
دستار بندی کی مثال	۱۴۵
رسولوں کو بشر کہنا بے ادبی ہے	۱۴۸
ایک سوال اور جواب	۱۴۸
کفار کی بولی	۱۴۹
خاتمہ	۱۴۳
ستائیسواں وعظ	
اسلامی زندگی	۱۴۵
تورات وانجیل کی حیثیت	۱۴۸
چراغ اور سورج کی مثال	۱۴۹
داڑھی کی اہمیت	۱۵۱
اسلامی سلام	۱۵۲
السلام علیکم کے معنی	۱۵۳
شیطان تمہارا دشمن ہے	۱۵۵
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ابلیس	۱۵۵
دو صاحب اخلاص بزرگ	۱۵۷
اٹھائیسواں وعظ	
تفسیر سورۂ تبت یدا	۱۶۰
شان نزول	۱۶۲
ابولہب کا انجام	۱۶۶
ام جمیل کی پھانسی	۱۶۷
ابولہب اور اُم جمیل جہنمی	۱۶۷
لطیفہ	۱۶۷
پہلا نکتہ	۱۷۰
دوسرا نکتہ	۱۷۰
تیسرا نکتہ	۱۷۱
چوتھا نکتہ	۱۷۲
انتیسواں وعظ	
تین محبوب خصائل	۱۷۵
رسول ﷺ کی تین پیاری چیزیں	۱۷۹
خوشبو	۱۷۹
ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہما	۱۸۱
نماز	۱۸۱
محبوباتِ صدیق رضی اللہ عنہ	۱۸۲
جمالِ نبوت کا نظارہ	۱۸۲
قدمِ رسول پر دولت کی نچھاور	۱۸۳
لختِ جگر نکاحِ رسول میں	۱۸۳
فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی محبوب چیزیں	۱۸۴
امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۱۸۴
پرانا کپڑا	۱۸۴
عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی محبوبات	۱۸۵
بھوکوں کو کھانا کھلانا	۱۸۵
ننگوں کو کپڑا پہنانا	۱۸۶

مضمون	صفحہ
تلاوتِ قرآن	۱۸۶
مولائے کائنات کی مرضیات	۱۸۷
مہمان کی خدمت	۱۸۷
گرمیوں کا روزہ	۱۸۷
جہاد میں تلوار کی مار	۱۸۷
جبرئیل علیہ السلام کی پسندیدہ چیزیں	۱۸۸
کونسی تین چیزیں خدا کو پسند ہیں؟	۱۸۸
بذل استطاعت	۱۸۹
گریہء ندامت	۱۸۹
فاقہ پر صبر	۱۸۹
تیسواں وعظ	
فلسفہء موت	۱۹۱
اچھی موت اور بری موت	۱۹۴
نیکوکار اور بدکار کی موت	۱۹۵
نیکوکار اور بدکار کی قبریں	۱۹۸
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر ناظر ہیں	۲۰۰
شہید کی موت	۲۰۲
موت کے مشتاق	۲۰۴
حضرت بلال رضی اللہ عنہ بستر موت پر	۲۰۴
موت کا شوق	۲۰۶
لطیفہ	۲۰۶
ہر مرنے والا برابر نہیں	۲۰۹
لاش آسمان کی طرف چلی	۲۰۹
ہنسنے والے مردے	۲۱۰
موت کے بعد ہاتھ اُٹھایا	۲۱۱
شہید نے سر اُٹھا کر جواب دیا	۲۱۱
وفات کے بعد انگلی ہلتی رہی	۲۱۱
ہر قبر یکساں نہیں	۲۱۲
قبر میں نماز	۲۱۲
قبر میں امداد کا وعدہ	۲۱۳
کفن سالم بدن ترو تازہ	۲۱۳

فاتحہ

میں اپنی اس تالیف کے ذریعے اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ اور تمام علماءِ اہل سنت واولیاءِ امت وشہداءِ ملت ومجاہدین صداقت رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارواحِ طیبہ کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں۔

ناظرین کرام بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

(مؤلف)

پہلی نظر

اُٹھائے کچھ ورق لالہ نے' کچھ نرگس نے' کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑا لی قمریوں نے' طوطیوں نے' عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

ناظرین کرام:

ایک مدت دراز سے بعض سعادت مند تلامذہ اور مخلص احباب کا شدید تقاضا اور مخلصانہ اصرار تھا کہ میں اپنی چند تقریروں کو قلمبند کر کے طبع کرادوں تا کہ واعظین وطلبہ اور عوام بھی اپنی اپنی استعداد و بساط کے مطابق ان مواعظ سے بہرہ مند و فیضیاب ہوں۔

چنانچہ سب سے پہلے میں نے رمضان ۱۳۸۷ھ میں سات وعظوں کا ایک مجموعہ تحریر کردیا۔ جو ''ایمانی تقریریں'' کے نام سے شائع ہوا جس کو بحمدہ تعالیٰ عوام وخواص نے بے حد پسند کیا اور ملک بھر میں مقبول ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کا دوسرا حصہ تحریر کرنے کیلئے مخلصین نے اتنا شدید تقاضا شروع کردیا کہ میں ان کے جذباتی اصرار اور محبت بھرے خطوط کے انبار سے چشم پوشی کی تاب نہ لا سکا اور انکار یا فرار کا کوئی راستہ ہی نظر نہیں آیا۔ چنانچہ رمضان ۱۳۸۸ھ کی تعطیل میں سات تقریروں کا ایک دوسرا مجموعہ مرتب کرنا پڑا۔ جو ''نورانی تقریریں'' کے نام سے شائع ہوکر نذرِ ناظرین ہوا اور بحمدہ تعالیٰ اس کو بھی قدردان احباب نے میری امیدوں سے کہیں زیادہ پسند فرمایا اور تحسین وآفرین کے خطوط سے مجھ کمترین کو نوازا اور اس کا تیسرا حصہ تحریر کرنے کیلئے اس قدر اپنے اشتیاق اور تمناؤں کے اظہار سے مجھ پر اخلاقی دباؤ اور بار ڈالا کہ باوجود علالت کے انتہائی عجلت میں رمضان ۱۳۸۹ھ کی تعطیل میں چھ تاریخی تقریروں کا ایک تیسرا مجموعہ لکھ دینا پڑا۔ جو ''حقانی تقریریں'' کے نام سے موسوم ہوکر زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اور قدردانوں نے انتہائی

گرم جوشی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لے لیا اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ تینوں کتابیں جو میری منتخب تقریروں کا خلاصہ اور بیس مواعظ کا مجموعہ ہیں اس قدر مقبولِ خواص وعوام ہوئیں کہ نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے علماء اور واعظین نے ان کو اپنی تقریروں کا ماٰخذ اور سرمایہ بنایا۔ بلکہ انگلینڈ وافریقہ کے اردو دان اربابِ علم واحبابِ ملت نے بھی اس کو ایک نادر الوجود علمی تحفہ سمجھ کر اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا اور مجھ فقیر کو اپنے دعاناموں اور مبارکبادی کے خطوط سے سرفراز فرمایا۔ اور اس مقبولیت کے بارے میں بجز اس کے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم ورنہ میں کیا؟ اور میری پراگندہ تحریروں کی حقیقت ہی کیا؟

لیکن ان تین جلدوں کی بیس تقریریں پڑھ لینے کے بعد بھی تشنگانِ مواعظ کی پیاس نہیں بجھی۔ چنانچہ بہت سے تلامذہ واحباب نے اس سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے بار بار شدید اصرار کیا۔ جن میں عزیز ارشد وتلمیذ اسعد مولانا الحاج سید احمد شاہ بخاری ساکن ونجھاں ضلع آبڑاسا (کچھ) سلمہ اللہ الاحد خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جن کو فقیر کے تلامذہ میں صلاح وتقویٰ اور اخلاص وسعادت مندی کے اعتبار سے ایک خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ اسی طرح محب محترم جناب صوفی محمد عباس خاں صاحب قادری خطیب مسجد بنی نندن اسٹریٹ کلکتہ وحافظ غلام علی صاحب خطیب مسجد رنگریزاں اندور وغیرہ خصوصی احباب کی فرمائشوں اور خواہشوں نے بھی مجھے انتہائی متاثر کیا۔ چنانچہ اپنے ان قدردانوں کی تمناؤں کا احترام کرتے ہوئے اپنے قلیل ترین اوقاتِ فرصت میں اپنی خاص خاص دس تقریروں کا مجموعہ تیار کرکے ''قرآنی تقریریں'' کے نام سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ جو مندرجہ ذیل عنوانوں پر مشتمل ہے۔ (۱) خداوندی جلال وجمال (۲) مغفرت کی تین شرطیں (۳) دربارِ نبوت کا ادب (۴) رسول کا علم غیب (۵) نعرۂ رسالت (۶) بشریت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (۷) اسلامی زندگی (۸) تفسیر سورہ تبت یدا (۹) تین محبوب خصائل (۱۰) فلسفۂ موت۔ آخر میں انتہائی جوشِ تواضع اور جذبۂ تشکر کے ساتھ اپنی پیشانی عبودیت کو اپنے معبودِ بے نیاز کی بارگاہ بندہ نواز میں سجدہ ریز کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے اس فضلِ عظیم کو بیان کرنے میں ایک خاص قسم کا قلبی انبساط اور روحانی وجد محسوس کرتا ہوں کہ الحمدللہ میں نے بغیر کسی بخل یا طمع کے نہایت ہی شرح صدر کے ساتھ اپنے سینے کے ان جواہر پاروں کو ہر خاص وعام کے لئے بطورِ تحفہ پیش کر دیا ہے۔ مولا تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کو نافع الخلائق بنائے۔ (آمین)

امید ہے کہ ناظرین میری اس حقیر علمی ودینی خدمت کو اپنے دامنِ قبول میں جگہ عطا فرما کر

مجھ بے علم و بے عمل کے لئے دینی استقامت' وعافیت دارین اور حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں گے۔
کیونکہ ؎

عمر بگذشت وحدیث درد ما آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

والحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علٰی اشرف المرسلین
وعلٰی الٰہٖ وَصحبہٖ اجمعین۔

عبدالمصطفٰے الاعظمی عفی عنہ

یکم رجب المرجب ۱۳۹۲ھ - [illegible]

❀

مناجات

یا رب ! شدہ ام تبہ، بیامرز مرا
شدروئے دلم سیہ، بیامرز مرا
دردا ! کہ بجز گنہ نکر دم کارے
بخشندۂ ہر گنہ، بیامرز مرا

❀

نعت شریف

پیغامِ خدا نخست آدم آورد
انجامِ بشارت ابن مریم آورد
باجملہ رسل نامۂ بے خاتم بود
احمد برمانامہ خاتم آورد

(علی نبینا وعلیهم الصلوٰة والسلام)

❀

اس کتاب کے حصہ اول ''ایمانی تقریریں'' میں سات وعظ اور اس کے دوسرے حصہ ''نورانی تقریریں'' میں سات وعظ اور اس کے تیسرے حصہ ''حقانی تقریریں'' میں چھ وعظ گزر چکے۔ لہٰذا اب اس کا چوتھا حصہ ''قرآنی تقریریں'' اکیسویں وعظ سے شروع ہوتا ہے۔

اکیسواں وعظ

خداوندی جلال وجمال

گندم از گندم بروید جوز جو
از مکافاتِ عمل غافل مشو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی نزل الفرقان علٰی عبدہٖ لیکون للعلمین بشیرًا ونذیرًا والصلٰوۃ والسلام علٰی من ارسلہ الٰی کافۃ الخلق سراجًا منیرًا وعلٰی الہٖ وصحبہٖ الذین جزاھم اللہ جنۃً وحریرًا۔

اما بعد!

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یّرہٗ ومن یعمل مثقال ذرۃٍ شرًّا یّرہٗ ۝
صدق اللہ مولانا العلی العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم وعلٰی الہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔

برادرانِ ملت!

ایمانی جذبہ محبت کے ساتھ تمام عالم کے مرکز عقیدت حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عظمت میں درودوسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور بہ آوازِ بلند پڑھیے۔

اللھم صل وسلم وبارك علٰی سیدنا ومولانا محمد وعلٰی الہٖ واصحابہ بعدد کل معلوم لك صلوۃ وسلاماً علیك یارسول اللہ۔

محترم حاضرین:

میں اپنی تقریر شروع کرنے سے پیشتر دربارِ رسالت میں اپنی عرض کی ہوئی ایک نعت

شریف کا نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ آپ لوگ خصوصی توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں۔ عرض کیا ہے کہ۔

نعت شریف

سید عالم نبی الانبیاء میرے رسول ۔۔۔ اولین و آخرین کے پیشوا میرے رسول
صدرِ بزمِ انبیاء مولائے کل فخرِ رسل ۔۔۔ محرمِ اسرارِ حق شانِ خدا میرے رسول
مظہر ذاتِ الٰہی تاجدارِ کائنات ۔۔۔ نائب حق' حاکم ہر ماسوا میرے رسول
مہبط لولاک' سیار فلک عرشِ آستان ۔۔۔ صاحب معراج و مصداق دنا میرے رسول
سورۂ ''والفجر'' عکس روئے روشن کا بیاں ۔۔۔ مطلع ''والشمس'' و شرح ''والضحیٰ'' میرے رسول
مطلع انور نہ رشک آفتاب و ماہتاب ۔۔۔ نیر برج شرف نورِ خدا میرے رسول
ابن مریم کی بشارت روحِ پیغامِ کلیم ۔۔۔ بانئ کعبہ کی تاریخی دعا میرے رسول
منصب شانِ رسالت میں لقب ختم الرسل ۔۔۔ منزلِ محبوبیت میں مصطفیٰ میرے رسول
جنکے قدموں سے ہے وابستہ دو عالم کی نجات ۔۔۔ وہ امیر کارواں' وہ حق نما میرے رسول

اعظمی ایماں ہے رب العالمیں میرا خدا
''رحمۃ للعالمین'' صل علیٰ میرے رسول

برادرانِ اسلام:

یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ خداوند قدوس نے کائناتِ عالم کی ہر ہر چیز میں طرح طرح کی تاثیر اور قسم قسم کا اثر پیدا فرما دیا ہے۔ دنیا کی کوئی شے بھی تاثیر واثر سے خالی نہیں۔ آپ اس کو محسوس کریں یا نہ کریں۔ مگر یہ آفتاب کی طرح ایک روشن حقیقت ہے کہ دنیا کی ہر چیز اپنے اندر کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور رکھتی ہے۔

مثلاً آگ کی تاثیر جلا دینا۔ پانی کی تاثیر ٹھنڈا کر دینا۔ چاند وسورج کی تاثیر روشن کر دینا۔ یہ وہ تابناک حقائق ہیں جن سے دنیا کا کوئی انسان چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مختلف پتھروں کے ٹکڑوں میں جڑی بوٹیوں کے پتوں' پھلوں' پھولوں میں' درختوں کی شاخوں' تنوں اور جڑوں میں' جانوروں کے خون' گوشت ان کے بال اور کھال میں۔ غرض! کائناتِ ارضی ہوں یا مخلوقاتِ سماوی۔ سفلیات ہوں' یا علویات۔ عالم کی تمام مخلوقات میں خاص خاص تاثیرات واثرات کی ایک مکمل دنیا سمائی ہوئی ہے اور کائنات خداوندی کا ذرہ ذرہ اہل نظر کی نگاہِ شوق کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے اور زبانِ حال سے اعلان کرتا ہے کہ۔

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں | نگاہِ شوق اگر ہو شریک بینائی
"نگاہِ شوق" میسر نہیں اگر تجھ کو | ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

برادرانِ ملت!

کائنات عالم کی یہ تاثیرات فقط عالم اسفل اور عالم بالا کی نظر آنے والی مخلوقات ہی تک محدود و منحصر نہیں۔ بلکہ حد ہوگئی کہ ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اور آوازوں میں بھی تاثیرات واثرات کی کارفرمایاں اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کچھ الفاظ کو سن کر ہمارے چہرے ہنسی خوشی کی روشنی سے چمک اٹھتے ہیں۔ اور کچھ لفظوں کو سنتے ہی ہم رنج وغم کا ایک خاموش مجسمہ بن جاتے ہیں۔ کچھ ایسے جملے اور کلمات بھی ہیں جن کے کان میں پڑتے ہی ہمارے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال قہر وجلال کا ایک خوفناک آتش فشاں بن جاتا ہے اور کچھ لفظوں اور فقروں کی سماعت سے ہمارا جذبۂ بے قراری بیدار ہو جاتا ہے۔ اور ہم پر گریہ وزاری کا ایک سیلابی طوفان امنڈ پڑتا ہے۔ یہ سب الفاظ وکلمات کی تاثیرات واثرات نہیں ہیں تو اور کیا ہیں؟ انہیں الفاظ وکلمات کی تاثیرات کو بیان کرتے ہوئے ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَاجَرَحَ اللِّسَانُ

"یعنی نیزوں اور برچھیوں کے زخم تو بھر جایا کرتے ہیں لیکن زبان کا لگایا ہوا زخم نہیں بھرا کرتا ہے۔"

ایک فلسفی اور صوفی

برادرانِ اسلام! الفاظ وکلمات بھی تاثیر رکھتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سبق آموز واقعہ یاد آ گیا۔

حضرت خواجہ موصوف ایک مرتبہ اپنے مریدین کے حلقے میں خدا کے اسم جلالت "اللہ" کی تاثیرات بیان فرما رہے تھے اور یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ سالک اگر "اللہ اللہ" کا ذکر خفی اپنے قلب صنوبری پر کرے تو چند یوم کی ریاضت سے اس کا قلب ذاکر ہو جائے گا اور اس نام پاک کے انوار و برکات اور الوان و کیفیات کو ذکر کرنے والا خود مشاہدہ کرے گا۔ اور اس کو روحانی عروج محسوس ہونے لگے گا۔ غرض آپ طرح طرح سے اسم جلالت کے خواص واثرات بیان فرما رہے تھے۔ اتفاق سے مشہور فلسفی ابوعلی بن سینا بھی مجلس میں حاضر تھا۔ منطق و فلسفہ کے چرندوں نے

اس کے دل و دماغ کے ایمانی باغ کو چرتے چرتے بالکل تاخت وتاراج کر ڈالا تھا۔ یہ ملحد صفت فلسفی آپ کی تقریر سن کر ہنسنے لگا اور اس کو بڑا تعجب ہوا کہ بھلا لفظ ''اللہ'' کے ذکر سے اتنی کیفیات اور اس قدر تاثیرات واثرات کا ظہور کیوں کر ہو سکتا ہے؟ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ نے اپنے نورِ باطن سے اس فلسفی کے قلبی خطرات وخیالات کو بھانپ لیا اور تڑپ کر ارشاد فرمایا کہ ''اے بوعلی بن سینا تو گدھا ہے'' اس لفظ کا سننا تھا کہ شرم وحیا اور رنج وغصہ سے بوعلی بن سینا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آنکھوں میں غیظ وغضب کے شعلوں کی سرخی نمودار ہوگئی۔ گردن کی رگیں پھول گئیں اور منہ ایسا بگڑ گیا کہ گویا دس پانچ لیموں اس کے منہ میں ایک دم نچوڑ دیے گئے ہوں؟ حضرت خواجہ نے فلسفی کا جب یہ حال دیکھا تو فرمایا کہ کیوں؟ بوعلی بن سینا تجھے کچھ ہوش آیا۔ دیکھ! میں نے تیرے سامنے ایک حقیر جانور ''گدھا'' کا نام لیا۔ تو اس لفظ کی تاثیر کا تیرے اوپر اتنا اثر ہوا کہ تیرا پھول جیسا کھلا ہوا چہرہ دم زدن میں مرجھا کر بالکل منحوس ہو گیا اور تیری ہنسی خوشی کی آبادی پر رنج وغم اور غیظ وغضب کی ایسی بمباری ہو گئی کہ تو قہر وغضب اور ندامت وخجالت کا ایک ٹوٹا پھوٹا مکروہ مجسمہ بن گیا۔ اے نادان فلسفی! جب ''گدھے'' کے نام میں اتنی زبردست تاثیر اور اتنے زور کا اثر ہے تو کیا خلاق عالم رب العالمین جل جلالہ کے نام میں کوئی تاثیر نہ ہوگی۔

برادرانِ ملت!

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی علیہ الرحمہ کی یہ نورانی تقریر اور عرفانی تنبیہ سن کر بوعلی بن سیناء کے ہوش اڑ گئے اور ایک دم اس کے دل کے تمام بند دریچے کھل گئے اور لفظ ''اللہ'' کی تاثیرات و کیفیات کے انوار آفتاب عالم تاب کی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے اس شان سے جگمگانے لگے کہ اس کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں تجلیاتِ ذوالجلال کے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے اور اس کی ضمیر کی گہرائیوں میں پشیمانی کی ٹھوکروں سے ندامت کا ایک چشمہ ابل پڑا۔ جو اس کی دونوں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بن کر امنڈ پڑا اور وہ حضرت خواجہ کے قدموں پر سر رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں یہ عرض کرنے لگا کہ۔

حضور والا! میں عہد کرتا ہوں کہ اس روشن حقیقت کا میں زندگی بھر بانگِ دہل اعلان کرتا رہوں گا کہ

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

برادرانِ ملت! سبحان اللہ سبحان اللہ...... یہی وہ مضمون ہے جس کو شاعرِ مشرق نے بھی کیا خوب کہا ہے کہ ۔

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے　　کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو　　"کتاب خواں" ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

پڑھئے بہ آواز بلند درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ :

بہرکیف! میں عرض کر رہا تھا کہ کائناتِ عالم کی ہر ہر چیز میں خاص خاص تاثیرات ہیں جن کے اثرات سے دنیا کا کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا تو اب مجھے آپ کو یہ سمجھانا اور ذہن نشین کرانا ہے کہ جب دنیا کی ہر ہر چیز میں تاثیرات و اثرات کی کارفرمائیاں اپنی پوری پوری طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ کام کر رہی ہیں تو اس دنیا میں "نیکی" اور "بدی" بھی دو چیزیں ہیں تو قانونِ فطرت کے مطابق ان دونوں چیزوں کے بھی کچھ نہ کچھ تاثیرات واثرات ضرور ہی ہوں گے۔ اب یہی سوال ہے کہ خدا کے بندے جب خدا کی زمین پر اعمال صالحہ میں جدوجہد کر کے "نیکی" کا باغ لگاتے ہیں تو روئے زمین اور کائناتِ ارضی پر اس کی تاثیر کے کیا اثرات وثمرات ہوا کرتے ہیں؟ اور جب بندگانِ خدا تعالیٰ کی زمین پر اپنی بداعمالیوں اور گناہوں سے "بدی" کے کانٹے بوتے ہیں۔ تو اس کی تاثیر واثر کے عواقب ونتائج کس روپ میں ظاہر ہوتے ہیں؟ غرض "نیکی" کی تاثیر کیا ہے؟ اور "بدی" کی تاثیر کیا ہے؟ یہ ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔ اور آج کی مجلس میں مجھے انہی دو سوالوں کا جواب دینا ہے کہ نیکی کی تاثیر کیا ہے؟ اور بدی کی تاثیر کیا ہے؟

میرے بزرگو اور بھائیو! دواؤں اور غذاؤں کی تاثیر تو آپ حکیموں اور ڈاکٹروں سے پوچھیئے دوسری کائناتِ زمین کی تاثیرات معلوم کرنی ہوں تو سائنس دانوں اور لیبارٹریوں کے ماہرین سے دریافت کیجئے۔ آسمان اور اس کی کائنات کی تاثیروں کے ارشادات کی رہنمائی ماہرین فلکیات اور نجومیوں کا کام ہے۔ مگر انسانوں کی نیکی اور بدی کی تاثیرات کیا ہیں؟ اور ان کے اثرات کس کس روپ میں ظاہر ہوا کرتے ہیں؟ اس کو نہ کوئی حکیم وڈاکٹر بتا سکتا ہے؟ نہ کوئی فلسفی اور سائنسدان سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کی تاثیر اور اثر کی کیفیات کو خود خالق تاثیرات نے اپنی اس مقدس کتاب میں بیان فرما دیا ہے جو بندوں کی ہدایت اور فلاحِ دارین کے لئے ایک ناقابل ترمیم دستور العمل اور دائمی ضابطہ نظام عالم ہے جس کا نام "قرآن مجید" ہے۔

لہٰذا میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیات بینات ہی سے نیکی اور بدی کے اثرات اور

ان کی تاثیروں کے چند مناظر پیش کر دیتا ہوں اور میری اس پوری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کی تاثیر ''آبادی'' اور بدی کی تاثیر ''بربادی''۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ ''نیکی'' کا ثمرہ خدا کا ''فضل و جمال'' اور ''بدی'' کا نتیجہ خدا کا ''قہر و جلال'' ہے۔

اب اس مضمون کو ذرا بغور سنیئے۔ اور عبرت حاصل کیجئے اور خدا توفیق دے تو اس پر عمل بھی کیجئے۔

نیکی اور بدی کی تاثیر

عزیزو اور دوستو! نیکی اور بدی دونوں کی تاثیر کیا ہے؟ اس کا بیان قرآن کی مقدس زبان سے سنیئے...... رب العالمین کا ارشاد ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ (اعراف)

یعنی اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے۔ مگر ان لوگوں نے تو جھٹلا دیا۔ لہٰذا ہم نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے (عذاب میں) گرفتار کر لیا

مطلب یہ ہے کہ اگر باشندگانِ روئے زمین اپنی نیکوکاری اور پرہیزگاری سے زمین پر نیکی کا علم بلند کریں گے تو ہم زمین و آسمان سے اگنے والے باغوں اور کھیتوں کے ہر ہر پھل اور دانے دانے میں اپنی برکتوں کے خزانے بھر دیں گے اور آسمان سے جو بارش برسے گی ہم اس کے ہر ہر قطرے اور ایک ایک بوند میں اپنی رحمتوں کے سمندر بہا دیں گے اور وہ لوگ ہماری برکتوں کے شامیانہ رحمت میں ہمارے انعام و اکرام کی بدولت خوشحالی کی بہشتی زندگی بسر کریں گے کیونکہ نیکی کا اثر ''خدا کا فضل و جمال'' اور اس کی تاثیر ''آبادی'' ہے اور جو لوگ خداوندی تعلیمات کو جھٹلا کر کفر و شرک اور فسق و فجور کے ساتھ گناہ اور بدکاری کا پرچم لہرائیں گے ہم ان بدنصیبوں کو اپنے قہر و غضب کی گرفت میں گرفتار کر کے اس طرح انہیں ہلاک و برباد اور نیست و نابود کر دیں گے کہ صفحاتِ تاریخ میں ان کی دردناک داستانوں کے سوا ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہے گا کیونکہ بدی کا اثر ''خدا کا قہر و جلال'' اور اس کی تاثیر ''بربادی'' ہے۔

برادرانِ ملت □! واللہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ نیکوکار آبادیوں پر زمین و آسمان سے برکتوں کے خزانے امنڈ پڑتے ہیں۔ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی جو مشکوٰۃ شریف کی

کتاب الزکوٰۃ میں مذکور ہے۔ ذرا غور سے سنیئے۔ بہت ہی عبرت خیز اور نصیحت آموز حدیث شریف ہے۔

ایک صالح کا باغ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی کسی میدان اور سنسان بیابان میں تھا تو اس نے وہاں اچانک ایک بدلی کے ٹکڑے میں سے یہ آواز سنی کہ ''تو فلاں کے باغ کو سیراب کر'' اس آواز کے بعد فوراً ہی وہ ابر کا ٹکڑا ایک طرف کو چل پڑا اور ایک پتھریلی زمین پر اس بدلی کی بارش شروع ہو گئی اور ایک پہاڑی نالے میں اس بارش کا پانی جمع ہو کر ایک طرف کو بہنے لگا۔ بدلی میں سے آواز سننے والا شخص اس نالے کے پاس یہ دیکھنے کے لئے چل پڑا کہ یہ پانی کہاں جاتا ہے؟ چنانچہ کچھ دور جا کر اس نے یہ منظر دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ میں ہاتھ سے اس پانی کو بکھیر رہا ہے اور باغ کو سیراب کر رہا ہے۔ اس نے اس نیک مرد سے دریافت کیا کہ اے اللہ عزوجل کے نیک بندے! تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ کیوں؟ آخر کیا بات ہے کہ تم میرا نام پوچھ رہے ہو؟ یہ کہنے لگا کہ صاحب! نام دریافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی جس بدلی سے برسا ہے۔ میں نے اس بدلی میں یہ آواز سنی ہے کہ تو ''فلاں کے باغ کو سیراب کر'' تو میں اس لئے تیرا نام پوچھ رہا ہوں کہ تو ہی وہ خوش نصیب شخص ہے یا کوئی دوسرا نیک بندہ ہے؟ یہ سن کر باغ والے نے اپنا نام بتایا تو یہ وہی نام تھا جو بدلی سے نکلنے والی آواز میں سنا گیا تھا۔ اب یہ شخص حیران ہو کر دریافت کرنے لگا کہ اے باغ والے! اللہ! تو مجھے یہ تو بتا کہ تو اس باغ میں کونسا ایسا نیک عمل کرتا ہے؟ کہ تیرا نام لے کر بدلیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تیرے باغ کو سیراب کریں۔ باغ والا کہنے لگا کہ میں خود تو اپنا حال ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب تم نے سوال ہی کر لیا تو سن لو۔ اس باغ میں میرا یہ عمل ہے کہ اس کی پیداوار کو میں تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ ایک حصہ تو میں فقراء اور مساکین کو بطور خیرات دے دیتا ہوں۔ اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہوں اور ایک حصہ پھر اسی باغ کے مصارف میں لگا دیتا ہوں۔

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے ''بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ'' کا جلوہ کہ سنگستان کی پتھریلی زمین جہاں نہ کوئی ندی' نہ تالاب' نہ کوئی کنواں' نہ چشمہ مگر اللہ کا ایک بندہ اس زمین پر نیکی کرتا ہے تو خدا کے حکم سے فرشتے بدلیوں کو اس انسان کا نام لے کر حکم دیتے ہیں کہ تو ''فلاں کے باغ کو سیراب کر'' چنانچہ بدلی صرف اس کے باغ کو سیراب کرنے کے لئے ایسی جگہ برستی ہے

کہ پہاڑی نالے سے اس کا پانی بغیر کسی مشقت کے اس باغ میں پہنچ جاتا ہے اور یہ پہاڑی باغ خوب پھولتا پھلتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ نیکی کا اثر خدا کا ''فضل و جمال'' اور نیکی کی تاثیر ''آبادی'' ہے۔

مسلمانو! سن لو! خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔	یعنی اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے۔
وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۔	اور اگر وہ لوگ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور جو کچھ ان کے رب کی طرف سے اترا تو انہیں رزق ملتا اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔

(المائدہ)

مسلمانو! اس آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہے کہ کتاب الٰہی کے فرائض پر عمل کرنے والوں اور نیکوکاری و پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے والوں پر رحمت باری اس طرح اپنا فضل و کرم فرماتی ہے کہ اس کے رزق میں ہر طرف سے وسعت و فراخی کی ایسی فراوانی ہو جاتی ہے کہ اس کی زمین کے دانے دانے میں رحمتوں اور برکتوں کے خزانے بھر جاتے ہیں' آسمان سے برسنے والی بارش کے ہر قطرے میں خیر و برکت کے سمندر موجزن ہو کر اس کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرتے ہیں اور غلوں اور پھلوں سے اس کا گھر بھر دیتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ نیکی کی تاثیر ''آبادی'' ہے اور بدی کی تاثیر ''بربادی'' ہے' نیکی کرنے والے کا گھر آباد' شہر آباد' دل آباد اور بدی کرنے والے کا سب کچھ برباد ہے۔ سچ ہے کیوں نہ ہو کہ۔

جس دل میں تیری یاد ہے وہ شاد ہے آباد ہے
جو یاد سے غافل رہا' ناشاد ہے برباد ہے

حضرات گرامی! قرآن کریم کی سینکڑوں آیتیں ہیں جو اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ نیکوکار بندوں کی بستیوں اور آبادیوں میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور ان پر زمین و آسمان سے رحمتوں اور برکتوں کے اس طرح بے شمار دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ ان کے کھیت اور باغ' نسل و اولاد' دولت و اموال' عزت و اقبال ہر چیز میں برکت ہی برکت نظر آتی ہے اور ان کی زندگی اس قدر امن و امان اور فراخی و خوشحالی میں گزرتی ہے کہ دنیا میں ان کے لئے ''حیات طیبہ'' اور

آخرت میں ان کے لئے بہترین جزاء کی بشارت ملتی ہے۔ سن لیجئے! سورۂ نحل میں خداوند قدوس نے صاف صاف ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

جو مسلمان مرد یا عورت اچھا عمل کرے گا تو ہم ضرور اس کو اچھی زندگی کے ساتھ جلائیں گے اور ضرور انہیں ہم ان کے اچھے اعمال کا بہترین بدلہ عطا کریں گے۔

اسی طرح سورۂ ہود میں فرمایا کہ:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط

یعنی اے لوگو! تم لوگ (اعمالِ صالحہ کے ذریعے) اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے دربار میں توبہ کرو تو وہ تمہیں اچھے سے اچھا برتنے کا سامان دے گا جو ایک مقررہ مدت (موت) تک تمہارے پاس رہے گا اور وہ ہر فضیلت والے کو اس کا فضل پہنچائے گا۔

عزیزانِ گرامی! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام نبیوں اور رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے اپنے وعظوں میں سنایا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تقریر

حضرات! میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ میں تمام پیغمبروں کی تقریریں آپ کو سناؤں۔ مگر بات آ گئی ہے تو حضرت نوح علیہ السلام کی ایک مختصر تقریر کے چند جملے سن لیجئے۔ یہ وہ تقریر ہے جس کو حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی امت کو سنایا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ○ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ○ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا

یعنی میں تم لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ تم لوگ (نیک اعمال کر کے) اپنے رب سے بخشش طلب کرو۔ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے وہ تم پر موسلا دھار بارش بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہارے لئے باغ بنا دے گا اور تمہارے لئے نہریں تیار فرما دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ (عزوجل) سے عزت حاصل کرنے کی امید نہیں کرتے؟

(نوح)

مسلمانو! آپ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قرآنی تقریر سن لی۔ اب غور فرمایئے کہ اس وعظ کا ماحصل یہی تو ہے کہ اعمالِ صالحہ کا اثر خدا کا ''فضل و جمال'' اور نیکی کی تاثیر ''آبادی'' ہے۔

کیونکہ آپ نے یہی تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگ ایمانداری اور نیکوکاری کی زندگی گزارو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارش برسائے گا۔ تمہیں مال و اولاد عطا فرمائے گا۔ تمہارے لئے باغ بنا دے گا۔ تمہارے واسطے نہریں تیار کر دے گا۔

اب ظاہر ہے کہ جن خوش نصیبوں کو خداوند قدوس کی یہ نعمتیں ملیں گی وہ کتنے خوش و خرم اور کس قدر خوشحال اور شاد و آباد رہیں گے۔

استغفار کے چار فائدے

حضرات گرامی! سورۂ نوح کی یہ آیت پڑھنے سے مجھے حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک علمی نکتہ بھی یاد آ گیا۔ جو استغفار کے فضائل میں سننے کے قابل ہے۔ منقول ہے کہ.....

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنی مبارک مجلس میں رونق افروز تھے اور جناب ربیع بن صبیح حاضر خدمت تھے۔ اتنے میں ایک مسلمان نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ عرض کیا کہ اے ابن رسول اللہ! ہماری بستی میں امسال بارش کی ایک بوند بھی نہیں گری اور شدید قحط کا سامنا ہو گیا ہے کوئی ایسا عمل مجھ کو تعلیم فرمایئے تاکہ بارش ہو جائے' آپ نے فرمایا کہ تم استغفار پڑھو۔ اتنے میں دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ اے فرزند بتول! میں غریبی اور افلاس سے عاجز و لاچار ہو چکا ہوں۔ مجھے وسعتِ رزق کے لئے کوئی دعا تعلیم فرمایئے۔ آپ نے اس کو بھی استغفار پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ شخص اٹھا ہی تھا کہ ایک تیسرا حاجت مند آ گیا اور فریاد کرنے لگا کہ اے امام! میں اولاد سے محروم

ہوں۔ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے کہ میں صاحبِ اولاد ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی استغفار کا وظیفہ پڑھا کرو۔ ایک لمحہ نہیں گزرا تھا کہ چوتھا مصیبت زدہ آن پہنچا اور رو رو کر اپنا دکھڑا سنانے لگا کہ اے سردار اہل بیت! میری زمین اس قدر بنجر ہوگئی ہے کہ اس میں نہ کھیتی اگتی ہے نہ باغ لگتا ہے۔ اس کے لئے کوئی دعا بتا دیجئے۔ آپ نے اس سے بھی ارشاد فرمایا کہ تم استغفار پڑھا کرو۔ یہ منظر دیکھ کر ''ربیع بن صبیح'' ضبط نہ کر سکے اور عرض کیا کہ اے امام! ان چاروں حاجت مندوں کی حاجتیں الگ الگ تھیں مگر آپ نے ان سب کو ایک ہی عمل تعلیم فرمایا۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ حضرت امام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ربیع بن صبیح! کیا تمہیں سورۂ نوح کی یہ آیت یاد نہیں۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۙ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ؕ

دیکھ لو اس آیت میں استغفار کے یہ چاروں فوائد موجود و مذکور ہیں۔ (۱) بارش ہونا (۲) مالدار ہونا (۳) اولاد ہونا (۴) باغات لگنا...... یہ سن کر جناب ربیع حضرت امام کی مجتہدانہ شانِ جلالت اور فقیہانہ استدلال کی عظمت پر حیران رہ گئے۔ (صاوی ج ۴ ص ۲۵۰)

سبحان اللہ! سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن کے معانی و نکات کو ان سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے جن کے نانا جان کے گھر میں قرآن نازل ہوا اور جو صاحب قرآن کے سینۂ نبوت پر ہمک ہمک کر کھیلے پلے بڑھے۔ اور جو وحی الٰہی کے امین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغوشِ رسالت میں پروان چڑھ کر ماہر قرآن ہوئے اور سارے جہان کے لئے ہدایت کا نشان بنے۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ!

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو فرزدق شاعر نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں کعبہ معظمہ کے سامنے ہشام بن عبدالملک اموی بادشاہ کے منہ پر علی الاعلان کہہ دیا کہ۔

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْئَتَهٗ
وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

یعنی یہ وہ ہیں کہ سرزمین بطحاء ان کی شوکت کو پہچانتی ہے۔ ان کو بیت اللہ اور حل و حرم سب پہچانتے ہیں۔

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ لَوْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ
بِجَدِّهٖ اَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

یعنی اگر تو ان کو نہیں پہچانتا تو سن لے! یہ حضرت فاطمہ کے فرزند ہیں اور ان کے نانا خاتم النبین ہیں۔

مَنْ یَعْرِفِ اللّٰہَ یَعْرِفْ اَوَّلِیَّۃَ ذَا
فَالدِّیْنُ مِنْ بَیْتِ ھٰذَا نَالَہُ الْاُمَمُ

یعنی جو خدا کو پہچانے گا وہ ان شاہزادوں کی اولیت کو ضرور پہچانے گا' کیونکہ انہی کے گھر سے ساری امت کو دین ملا ہے۔

برادرانِ ملت! بہر حال! یہ تو ایک ضمنی بات ذہن میں آ گئی ہے جس کو میں نے آپ کی دلچسپی کے لئے عرض کر دیا۔ اب میں پھر اپنے اسی مضمون کی طرف لوٹتا ہوں جس کو میں شروع سے آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں اور جو میری تقریر کا اصلی موضوع ہے۔ یعنی نیکی کا اثر خدا کا فضل و جمال اور اس کی تاثیر آبادی ہے اور بدی کا اثر خدا کا قہر و جلال اور اس کی تاثیر بربادی ہے۔

برادرانِ اسلام! نیکی کی تاثیر آبادی ہے۔ اس مضمون پر تو آپ قرآن کریم کی چند آیات سن چکے...... اب ذرا تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے اور یہ بھی قرآن ہی سے سن لیجئے کہ بدی کی تاثیر "بربادی" ہے۔

بدی کی تاثیر

حضرات! قرآن میں جابجا ایسی قوموں کی فہرست مذکور ہے جو اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کے سبب سے ہلاک و برباد کر دی گئیں جن کو قرآن نے "والمؤتفکٰت بالخاطئۃ" کا لقب دیا۔ یعنی وہ بستیاں جو گناہوں کے سبب سے الٹ پلٹ کر تہس نہس کر ڈالی گئیں۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُھَا فِی الْبِلَادِ ۝ وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝

یعنی (اے محبوب) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیسا کیا؟ وہ حد سے زیادہ طول والے۔ جن کا مثل شہروں میں نہیں پیدا ہوا اور قوم ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں۔

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝

اور کیا آپ نے فرعون کو نہیں دیکھا؟ جو کھونٹیوں میں انسانوں کو چومیخا کیا کرتا تھا۔ ان سبھوں نے شہروں میں سرکشی کی۔

فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ٥ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ٥ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ٥

پھر ان سبھوں نے بہت زیادہ فساد پھیلایا۔ تو ان لوگوں پر آپ کے رب نے عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بیشک آپ کے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں ہے۔

برادرانِ اسلام! سورۂ والفجر کی ان آیتوں کو آپ نے سن لیا اور میں نے ان آیتوں کا ترجمہ بھی آپ کو سنا دیا۔ ان آیتوں کا حاصل مطلب کیا ہے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قومِ عاد اور قومِ ثمود۔ یہ دونوں قومیں بڑی شان و شوکت والی تھیں۔ یہ بڑے لمبے لمبے قد والی اور بڑی طاقتور قومیں تھیں۔ یہ پہاڑوں کی چٹانیں تراش تراش کر بہترین محلات تیار کرتی تھیں۔ اسی طرح فرعون بہت ہی با اقتدار اور بڑا ہی ظالم و جابر بادشاہ تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور جو لوگ اس کو خدا نہیں مانتے تھے۔ یہ ظالم ان کو چار کھونٹیوں میں کس کر چومخا کر دیا کرتا تھا اور لوگ بھوکے پیاسے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا کرتے تھے۔ یہ عاد و ثمود اور فرعون جب سرکشی پر اتر آئے اور ان سبھوں نے اپنے ظلم و عدوان اور سرکشی و طغیان سے شہروں میں فتنہ و فساد کی ایک ایسی آگ لگا دی کہ دنیا ایک جہنم زار بن گئی اور ان کا ظلم اور پاپ حد سے بڑھ گیا تو خداوند جبار و قہار نے ان بدکاروں اور ظالموں پر اپنے طرح طرح کے عذابوں کا کوڑا اس طرح برسا دیا کہ یہ سب ہلاک و برباد ہو کر صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے اور سب فنا کے گھاٹ اتر گئے اور ان کی بستیاں الٹ پلٹ ہو کر اس طرح برباد و غارت ہو گئیں کہ آج ان کی عبرت ناک کہانیوں کے سوا ان کا کوئی نام و نشان دنیا میں باقی نہیں رہا۔

قوم عاد کی ہلاکت

برادرانِ ملت! کون نہیں جانتا کہ قومِ عاد پر عذابِ الٰہی کی ایک خوفناک آندھی آئی جو اس طاقتور قوم کو تنکوں کی طرح اڑا لے گئی اور اس تیز و تند آندھی کے جھونکوں سے ان کے اونچے اونچے مضبوط اور سنگین محل ریت کے تودوں کی طرح چور چور ہو کر کچھ زمین پر بکھر گئے اور کچھ غبار بن کر ہوا میں اڑ گئے۔ اب ذرا اس قوم کی تباہی و بربادی کی داستان قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ o سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ -

یعنی قومِ عاد ایک نہایت سخت گرجتی ہوئی آندھی سے ہلاک کردی گئی۔ خداوند قہار و جبار نے اس آندھی کو ان پر سات راتیں اور آٹھ دنوں تک لگاتار مسلط فرمادیا تو تم اس قوم کو اس آندھی میں اس طرح پچھاڑی ہوئی دیکھو گے کہ انکی لمبی لمبی لاشیں گویا گرے ہوئے کھجور کے درختوں کے تنے ہیں تو کیا تم کسی کو ان میں سے بچا ہوا دیکھ رہے ہو؟

قوم ثمود کی بربادی

حضرات! اب ذرا قومِ ثمود کی ہلاکت و بربادی کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔ اس قوم کے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام جب ہدایت کا پیغام لے کر اس قوم کے پاس تشریف لائے تو اس قوم نے آپ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ اگر آپ پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی نکال کر ہم کو دکھا دیجئے تو اس وقت ہم آپ کو خدا کا پیغمبر تسلیم کریں گے۔ چنانچہ حضرت صالح علیہ السلام نے اس چٹان کی طرف اشارہ فرمایا اور فوراً ہی وہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک تندرست و خوبصورت اونٹنی نکل پڑی۔ آپ نے قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! سن لو! تمہاری طلب پر میں نے اپنے پیغمبرانہ اعجاز سے یہ اونٹنی تمہارے سامنے پیش کردی ہے! دیکھو یہ معجزہ کی اونٹنی ہے۔ یہ ایک دن تمہارے تالاب کا سارا پانی پیئے گی اور ایک دن تم لوگ پینا اور خبردار! اس اونٹنی کو کوئی ایذا مت پہنچانا۔ ورنہ خدا کا عذاب تم کو برباد و غارت کردے گا لیکن برادرانِ ملت! افسوس کہ یہ بدکار اور بدعمل قوم اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے پیغمبر کی نافرمانی پر اتر آئی۔ اور ان ظالموں کا جرم اور پاپ اس قدر بڑھ گیا کہ ان مجرموں نے اس معجزے کی اونٹنی کو قتل کردیا۔ پھر کیا ہوا؟ آپ جانتے ہیں کہ بدی کی تاثیر "بربادی" کے سوا اور کیا ہے؟ خدا کا قہر و جلال عذاب بن کر اتر پڑا۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اس بستی کے پاس ایک ایسی چیخ ماری۔ جس کو قرآن مجید نے فرمایا کہ۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ -

یعنی قومِ ثمود ایک سخت ہولناک چنگھاڑ سے ہلاک کردی گئی۔

اس خوفناک چنگھاڑ سے پوری قوم کے سینوں میں دلوں کی رگیں پھٹ گئیں اور پوری قوم

ایک دم ہلاک و برباد ہوگئی۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس پوری بستی کو اپنے پروں پر اٹھا کر جھنجھوڑتے ہوئے الٹ پلٹ کر دیا اور اونچی اونچی عمارتیں اور پتھروں سے بنے ہوئے مضبوط محلات اس زلزلہ کے جھٹکوں سے پاش پاش ہو کر تہس نہس ہوگئے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کے ذرات کی طرح زمین پر بکھر گئے اور آج صفحات تاریخ میں ان کی ہلاکت و بربادی کی عبرت ناک داستانوں کے سوا روئے زمین پر ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہا۔

میرے بزرگو! یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَا o اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا o فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا o فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا o فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا o وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ـ

یعنی قوم ثمود نے اپنی سرکشی کی وجہ سے اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور اس قوم کا سب سے زیادہ بد بخت آدمی قدار بن سالف جب تلوار لے کر اونٹنی کو قتل کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو اللہ عزوجل کے رسول حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ خبردار! اللہ عزوجل کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے بچو اور ہرگز ہرگز اس اونٹنی کو کوئی گزند نہ پہنچاؤ لیکن اس ظالم قوم نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ خداوند قہار و جبار کا قہر و جلال ایک خوفناک عذاب و عتاب بن کر اس طرح نازل ہوگیا کہ پوری بستی اور اس کے باشندے تباہ کر کے زمین کے برابر کر دیئے گئے اور اللہ عزوجل کو اس کے انجام کی کوئی پروا نہیں!

الغرض! برادران ملت! میری گزارشوں کا حاصل و خلاصہ یہی ہے کہ اس دنیا میں نیکی اور بدی دونوں کی تاثیریں موجود ہیں۔ نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔

حضرات گرامی! یہی وہ عبرت خیز و نصیحت آموز مضمون ہے جس کو خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا کہ۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ـ

یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کرے گا تو وہ اس کو دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر بدی کرے گا تو وہ اس کو دیکھے گا

عزیزان ملت! یہ دنیا دار العمل ہے۔ دار الجزاء نہیں یعنی یہ دنیا عمل کا گھر ہے جزاء کا گھر نہیں۔ جزاء و سزا کا گھر تو آخرت ہے لیکن اس دنیا میں بھی انسان کی نیکی و بدی کے اثرات و ثمرات اور اس کی تاثیریں کسی نہ کسی شکل میں اکثر ظاہر ہوا کرتی ہیں۔ مولانا رومی علیہ الرحمہ نے

اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے کہ۔

گندم از گندم بروید' جو زجو　　　از مکافات عمل غافل مشو !

یعنی اگر تم گیہوں بوؤ گے تو گیہوں کاٹو گے۔اور اگر جو بوؤ گے تو جو کاٹو گے۔عربی کی مثل مشہور ہے کہ کَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ۔اور اسی کا شہرۂ آفاق ترجمہ ''جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔'' اردو میں بھی کہاوت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ بہرکیف! مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جیسے تمہارے اعمال و افعال ہوں گے ویسے ہی اس کے اثرات و ثمرات بھی تم کو ملیں گے۔نیکی کی تاثیر آبادی اور بدی کی تاثیر بربادی ہے۔اس لئے اگر تمہارے اعمال اچھے ہوں گے تو تم اس دنیا میں امن وچین کی زندگی کے ساتھ شاد و آباد رہو گے اور اگر تمہارے اعمال و افعال برے ہوں گے تو تم اپنی بداعمالی کے وبال میں گرفتار ہو کر خدا کے قہر و جلال سے برباد ہو گے۔

مسلمانو! خوب کان کھول کر سن لو! یہ وہ خدا کا کامل و مکمل دستور ہے جو قیامت تک نہ قابل ترمیم ہے نہ لائق تنسیخ۔قرآن کا فرمان ہے کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلاً ۔　　یعنی ہرگز خدا کے دستور میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے۔

لہٰذا اے برادرانِ ملت! خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اگر تم اس دنیا میں شاد و آباد رہنا چاہتے ہو تو فسق و فجور بداعمالیوں اور گناہوں سے بچو اور خدا کی زمین کو اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں سے بھر دو اور اگر خدانخواستہ تم نے فسق و فجور اور معصیت و بدکاری کی گرم بازاری کی اور خدا کی پاک زمین کو اپنے گناہوں کی نجاست سے ناپاک کر ڈالا تو پھر یاد رکھو کہ بدی کی تاثیر بربادی ہے۔ لہٰذا یقیناً تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے اور تم صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ جاؤ گے کہ تم پر نہ کوئی رونے والا ہوگا نہ آنسو بہانے والا۔

مسلمانو! تم سنو یا نہ سنو مگر یاد رکھو کہ زمانے کی رفتار اور گردشِ لیل و نہار تمہیں پکار رہی ہے اور کائناتِ عالم کی ہر حرکت و سکون اور دورِ حاضر کا ہر اتار چڑھاؤ تمہیں جھنجھوڑ کر بیدار کر رہا ہے اور بڑے والہانہ انداز اور پر درد لہجے میں تمہیں یہ پیغام دے رہا ہے کہ مسلمانو! اب سے سنبھل جاؤ اور بدی کا راستہ چھوڑ کر نیکی کی شاہراہ پر چل پڑو۔ورنہ یاد رکھو کہ۔

نہ سنبھلو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

مسلمانو! قرآن مجید کی ان آیتوں کو پڑھو سنو سوچو اور سمجھو کہ تمام آلام و مصائب اور ہماری

ساری مصیبتوں کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ ہمارا طرح طرح کا جرم اور پاپ ہے جب تک ہم اپنی بداعمالیوں اور گناہوں کا خاتمہ نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ہمیں امن و سکون اور آرام و چین کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہو سکتا۔

رب العالمین کا فرمان ہے کہ

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ

یعنی جو بھی مصیبتیں تمہیں پہنچتی ہیں ان کا سبب تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

سن لو۔ خداوند قدوس کا اعلان ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔

یعنی خشکی اور تری میں جو بربادی پھیل رہی ہے۔ اس کا سبب انسانی ہاتھوں کے کرتوت ہی ہیں اور ان بربادیوں کا مقصد یہ ہے کہ خداوند قہار و جبار گناہگار انسانوں کو ان بدکاریوں کا کچھ مزا چکھا دے تا کہ وہ عبرت حاصل کریں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آ جائیں۔

سن لو۔ یہ سنت اللہ یعنی خالق کائنات کا دستور ہے:

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً اَهْلُهَا ثُمَّ اَنْشَانَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۔

یعنی بہت سی بستیاں ایسی ہوئیں کہ جب ان کے باشندے ظلم و عدوان کی ڈگر پر چل پڑے تو ہم نے ان بستیوں کو کچل کر چور چور کر ڈالا اور انہیں ہلاک و برباد کر کے ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کر دیا۔

اللہ اکبر! اللہ اکبر! مسلمانو! ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

قوم سبا کا انجام

مسلمانو! اب اسی سلسلے میں ذرا "قوم سبا" کا حال اور انجام بھی سن لو۔ ملک عرب کی یہ خوشحال قوم اپنی آبادی و بربادی کے انقلاب سے کس طرح دوچار ہوئی۔ قرآن کریم کی یہ عبرتناک داستان بھی بڑی ہی دل دوز اور لرزہ براندام کرنے والی ہے' خداوند قدوس نے اس قوم کو اپنی بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا تھا' ان کی آبادیوں کے دائیں اور بائیں' دونوں طرف میلوں تک قسم قسم کے میووں اور پھلوں کے باغات تھے اور یہاں کی آب و ہوا اتنی لطیف اور زمین اس قدر صاف و

ستھری تھی کہ نہ کھٹمل' نہ مچھر' نہ مکھی' نہ پسو' نہ سانپ' نہ بچھو۔ بلکہ ہوا اور فضا کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں دوسری جگہ کا کوئی شخص ان بستیوں میں سے گزر جاتا تھا اور اس کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں تو وہ بھی مر جاتی تھیں۔ موسم بھی نہایت معتدل اور خوشگوار' نہ گرمی کی شدت' نہ جاڑے کی زحمت مگر اس خوشحال قوم کا کیا انجام ہوا؟

مسلمانو! یہ قوم اپنی خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی سے متکبر و مغرور ہوگئی۔ اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر سرکشی اور نافرمانی کی راہ پر چل پڑی اور بدکاریوں اور معصیت شعاریوں سے زمین پر فتنہ و فساد کا ایسا بازار گرم کر دیا کہ زمین کا سکون دہل گیا۔ اس قوم کا سردار جس کا نام ''حمار'' تھا۔ اس کی فرعونیت اور کافرانہ رعونت تو اس قدر بڑھ گئی تھی کہ جب اس کا ایک لڑکا مر گیا تو اس فرعونِ وقت نے غضب ناک ہو کر خداوند قدوس کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرتے ہوئے آسمان کی طرف تھوکا اور خود کافر ہو کر دوسروں کو بھی کفر پر مجبور کرنے لگا۔

الغرض! جب اس قوم کی سرکشی و تمرد اور ان بدبختوں کی بے ایمانیاں اور بداعمالیاں نقطۂ عروج پر پہنچ گئیں تو دستورِ الٰہی کے مطابق ان پر قہر خداوندی کا عذاب ٹوٹ پڑا اور بالکل ناگہاں ان کے ایک بہت بڑے تالاب کا بند ٹوٹ گیا اور اس غضب کا سیلاب آیا کہ ان کی بستیاں' باغات اور مال و دولت کی ساری کائنات دم زدن میں غارت و برباد ہوگئی۔ اور اس زمین میں ایسا انقلاب ہوگیا کہ میووں کے باغات کی جگہ جھاؤ کے بن' بیریوں کے جنگل اور خاردار درختوں کے جھنڈ اگ ہوش ربا گئے اور اس زمین کی ساری رونق و لطافت اور خیر و برکت ملیا میٹ ہوگئی اور ہر طرف ہوشربا ویرانی اور خوفناک منحوسیت کا عفریت مسلط ہوگیا اور وہ زمین جو کبھی خوشحالی اور نعمتوں کی جنت تھی چند گھنٹوں اور منٹوں میں ویرانیوں اور بربادیوں کا جہنم بن گئی اور اس زمین کا ذرہ ذرہ بلبلا کر زبان حال سے سنانے کے عالم میں یہ مرثیہ پڑھنے لگا کہ ؎

وقت کی برہم مزاجی کا گلہ کیا کیجئے
یہ بھی کیا کم ہے کہ سر پر آسماں رہنے دیا

مسلمانو! اس داستان کو قرآن کی زبان سے بھی سن لو! ارشاد باری ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ	یعنی بیشک قوم سبا کیلئے ان کی آبادی میں ایک نشانی تھی ان کے دائیں اور بائیں دو باغ تھے۔

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُورٌ ۔

(ان لوگوں کو خدا کا حکم تھا) کہ اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ پاکیزہ شہر ہے اور رب بخشنے والا ہے

فَاَعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۔

تو اس قوم نے (خدا کے احکام سے) منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر بند کا زوردار سیلاب بھیج دیا۔ اور ان کے دونوں باغوں کے بدلے ہم نے انہیں ایسے دو باغ بدل دیئے جن میں بھکٹا پھل اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوا وَهَلْ نُجٰزِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۔

ہم نے یہ بدلا ناشکری کی سزا میں دیا۔ اور ہم اسی کو سزا دیتے ہیں جو ناشکرا ہو! (سورہ صبا)

برادرانِ ملت! بہرکیف! قومِ عاد و ثمود ہو یا قومِ فرعون و مدین' قومِ سبا ہو یا قومِ لوط' اصحاب الحجر ہوں یا اصحاب الایکہ۔ غرض! تمام وہ قومیں جو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر کے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دی گئیں۔ ان سبھوں کی عبرت ناک بربادیوں اور رقت انگیز ہلاکتوں کا یہی سبب ہوا کہ ان بدنصیبوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور خدا کے مقدس رسولوں اور نبیوں کی شان میں بے ادبی و گستاخی کی اور اپنی طاقت وقوت اور فراخی وخوشحالی پر اترا کر سرکشی کرنے لگے اور اس قدر گناہگار و بدکار ہو گئے کہ اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں سے زمین کے ذرے ذرے پر پاپ کا ''ہمالیہ'' بنا ڈالا۔ تو پھر دستور خداوندی کے مطابق بدی کی تاثیر رنگ لائی اور خدا کے قہر وجلال کی جہاں سوز بجلیاں عذاب بن کر ان کی بستیوں پر گرنے لگیں اور یہ لوگ دنیا سے اس طرح برباد و غارت کر دیئے گئے کہ آسمانی کتابوں میں ان کی عبرت خیز اور پردرد داستانوں کے سوا دنیا میں نہ ان کا کوئی وجود ہے اور نہ کوئی نشان۔ ہاں! چند قوموں کی تباہ و برباد بستیوں کے کچھ کھنڈرات نظر آتے ہیں مگر ان پر ایسی ویرانی و منحوسیت برستی رہتی ہے کہ انسان تو انسان الو بھی وہاں بیٹھ کر بولنا گوارا نہیں کر سکتا۔ جنگ تبوک کے موقع پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے لشکروں کی جمعیت کے ساتھ قومِ عاد و ثمود کے کھنڈرات کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص یہاں کے کنوؤں کا پانی نہ پیئے اور بہت تیزی کے ساتھ جلد از جلد ان مقامات سے نکل چلو کیونکہ یہ عذاب خداوندی سے برباد شدہ قوموں کا مسکن رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جگہوں کی منحوسیت کی وجہ سے تم لوگوں پر بھی کچھ آفت پہنچ جائے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام استغفار پڑھتے ہوئے اور اپنی سواریوں کو تیز رفتاری کے ساتھ چلاتے ہوئے ان مقامات سے انتہائی عجلت کے ساتھ گزر گئے۔

چنانچہ انہی طرح طرح کے عذابوں سے تباہ کی ہوئی بستیوں کے بارے میں بار بار قرآن مجید نے فرمایا کہ۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۔ (نمل) — یعنی اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا کیسا انجام ہوا؟

بہرکیف! میری پوری تقریر کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ نیکی کا اثر خدا کا ''فضل و جمال'' اور اس کی تاثیر ''آبادی'' ہے اور بدی کا اثر ''خدا کا قہر و جلال'' اور اس کی تاثیر ''بربادی'' ہے۔

برادرانِ ملت! آپ خود غور فرمائیے کہ ہمارے گزرے ہوئے اسلاف جب تک ایمان اور اعمال صالحہ کے پیکر بن کر روئے زمین پر نیکی کا پرچم لہراتے رہے۔ ان پر خدا کے فضل و جمال اور اس کے جود و نوال کا یہ عالم رہا کہ ساری دنیا میں ان کے جاہ و جلال اور عزت و اقبال کا جھنڈا لہراتا رہا۔ اور ان پر خداوند قدوس کی نعمتوں' رحمتوں اور برکتوں کی ایسی بارش ہوتی رہی کہ وہ ہر دم اور ہر آن تمام جہان والوں سے بڑھ کر خوش بخت و خوشحال رہے اور آج جب ہم مسلمانوں نے اپنی بدکاریوں اور معصیت شعاریوں سے روئے زمین کے حسین چہرے کو بدنما داغوں سے داغدار بنا ڈالا تو ہم پر خدا کے قہر و جلال کی ایسی بجلیاں گرنے لگیں کہ ہم پر ذلت و خواری' افلاس و نکبت اور طرح طرح کے آلام و مصائب کے ایسے ایسے بادل چھا گئے کہ ہمارا امن و امان غارت ہو گیا اور ہماری عزت و اقبال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور ہماری بربادیاں سارے جہان کے لئے عبرت کا سامان بن گئیں۔ اللہ اکبر! ہمارے اور ہمارے اسلاف کے بارے میں شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

لہٰذا میرے دینی بھائیو! ضرورت ہے کہ ہم ان قرآنی تقریروں سے سبق حاصل کریں اور گناہگار امتوں کی بربادیوں اور ان کی ہلاکتوں سے عبرت پکڑیں اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کر کے اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور اعمالِ حسنہ اور نیکیوں سے روئے زمین کو اس قدر پُرانوار بنا دیں کہ رحمت خداوندی کو ہم پر پیار آ جائے اور اس کا فضل و کرم اس شان سے ہماری دستگیری فرمائے کہ ہماری ذلت و خواری اور ادبار و بربادی کی ساری بلائیں دفع

ہو کر ہماری عظمت و شان اور عزت واقبال کا نشان سارے جہان میں پرچم رفعت بن کر لہرانے لگے اور ہم احکم الحاکمین اور رب العلمین کے حفظ وامان میں اس طرح محفوظ ہو کر سر بلندی وعظمت کے ساتھ زندگی بسر کریں کہ ظلم وعدوان کی تمام طاغوتی طاقتیں جو ہم سے ٹکرائیں۔ وہ ہماری ٹھوکروں سے پاش پاش ہو کر نیست ونابود ہو جائیں اور ہماری شان وشوکت اور عزت وعظمت کا اسلامی جھنڈا فضائے آسمانی میں لہرا لہرا کر قیامت تک دشمنانِ اسلام کو یہ پیغام دیتا رہے کہ ؎

زندۂ جاوید ہے اللہ والوں کا گروہ
امت مرحومہ سو سکتی ہے مر سکتی نہیں

اور ہم اپنے اعمال صالحہ اور اسلامی کردار کی عظمتوں سے اپنے معاشرہ کو اتنا سر بلند کر دیں اور دین برحق کے باغیوں کے قلب ودماغ پر اپنی توانائی اور برتری کا ایسا سکہ بٹھا دیں کہ ہمیں مٹا دینے کا خواب دیکھنے والے دشمن ہماری جسمانی وروحانی طاقتوں کے دل بادل کو دیکھ کر اس طرح لرزہ براندام ہو جائیں کہ ان کے ناپاک عزائم کے اونچے اونچے پہاڑ ریت کے ذرات بن کر ناکامیوں اور مایوسیوں کی آندھیوں میں اڑ جائیں اور وہ زبانِ حال سے یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ ؎

اسلام! تیری نبض نہ ڈوبے گی حشر تک
تیری رگوں میں خوں ہے رواں چار یار کا

اور اگر خدانخواستہ ہم مسلمانوں نے اپنی اصلاح نہ کی اور ہم اسی طرح بدکاریوں اور بداعمالیوں کی دَل دَل میں پھنسے رہے اور اپنی سرکشی کی خرمستی اور اپنی مجرمانہ زندگی کی بدمستیوں میں شرابیوں کی طرح بدمست ہو کر اکڑتے رہے اور خداوند قہار وجبار کے قہر وغضب کو دعوت دیتے رہے تو خدا کی قسم! بہت بڑا خطرہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح ہم پر بھی قہر خداوندی عذاب بن کر نازل ہو جائے گا اور پھر ہم اور ہمارے ننھے ننھے بچے ہماری بداعمالیوں کی شامتِ اعمال اور ہمارے گناہوں کے وبال سے ہماری نظروں کے سامنے ہلاک وبرباد ہو جائیں گے اور ہماری زندگی کی ساری رعنائیاں اور ہمارے وجودِ ہستی کے سارے نشانات دم زدن میں ملیامیٹ ہو کر اس طرح نیستی سے ہمکنار اور صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے کہ کتابوں کے صفحات میں ہماری رقت آمیز ہلاکتوں اور عبرت خیز بربادیوں کی داستانوں کے سوا ہمارے وجود کا کوئی نشان باقی نہیں رہے گا۔

مسلمانو! آنکھیں کھول کر نگاہ عبرت سے دیکھ لو۔ اور گردشِ ہوش سے سن لو! جان لو پہچان لو

لو اور خدا کے لئے خدا کے اس فرمان کو مان لو کہ نیکی کی تاثیر ''آبادی'' اور بدی کی تاثیر ''بربادی'' ہے ''نیکی کرو گے آباد رہو گے' بدی کرو گے' برباد ہو جاؤ گے۔'' خداوند کریم نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور بدی سے بچائے۔(آمین)

وماعلینا الا البلاغ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد والہ وصحبہ اجمعین ۔فقط۔

بائیسواں وعظ

مغفرت کی تین شرطیں

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ العلی الاعلیٰ ٥ الذی خلق فسویٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ المصطفیٰ ٥ الذی دنا فتدلیٰ ٥ فکان قاب قوسین او ادنیٰ ٥ وعلیٰ الہ التقی النقی الزکی المجتبیٰ واصحابہ الذین فازوابا لدرجات العلیٰ ٥ وعلینا معھم یا اھل المغفرۃ والتقویٰ ٥

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَوۡ اَنَّھُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَلَھُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا (نساء)

بزرگانِ ملت! انتہائی ادب و احترام کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں درود و سلام کے گلہائے عقیدت پیش کیجئے اور باآواز بلند پڑھئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارِكۡ وَسَلِّمۡ۔

برادرانِ اسلام! ہمارا عجیب حال ہے کہ ہمارا عجیب حال ہے کہ نہ اپنی زندگی پر ہمارا کوئی قبضہ و اقتدار ہے نہ اپنی موت پر ہمارا کوئی اختیار اور کنٹرول ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

ہماری زندگی کی صبح وشام ایک برق رفتار گھوڑے کی طرح تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے اور ہم اس گھوڑے پر اس طرح سوار ہیں کہ۔

ے نہ باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

بس اس کے سوا ہمیں کچھ نظر نہیں آتا کہ دن آتا ہے رات چلی جاتی ہے۔ رات آتی ہے دن چلا جاتا ہے۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے   عمر یونہی تمام ہوتی ہے !

ہم کہیں بھی رہیں اور کسی حال میں بھی رہیں۔ مگر زندگی کی صبح شام بے اختیار گزرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن نہ زندگی رہے گی نہ زندگی والا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

عمر اک دن ہو کہ سو سال گزر جاتی ہے   دوش پر کملی ہو' یا شال گزر جاتی ہے

گر امیروں کی بہ اقبال گزر جاتی ہے   ہم غریبوں کی بہرحال گزر جاتی ہے

لیکن مسلمان بھائیو! خدا کی قسم! ہماری اس آنی فانی زندگی کی وہ گھڑیاں بڑی قیمتی اور ہماری حیات کے وہ لمحات انتہائی بیش قیمت اور انمول ہیں جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں گزر جاتے ہیں۔ اللہ! اللہ! ان گراں مایہ اوقاتِ حیات کی قدر و قیمت کا کیا کہنا؟ بخدا! یہ لمحات حاصلِ حیات اور زندگی کا وہ سرمایہ ہیں جن کی قیمت جنت کے سوا کوئی دولت نہیں ہوسکتی۔ کاش! ہم مسلمان ان اوقاتِ حیات کی قدر کرتے۔

امام اعظم کی عمر

حضرات! اس موقع پر مجھے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا ایک دلچسپ واقعہ یاد آ گیا جس کو میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی نے حضرت امام سے دریافت کیا کہ حضور والا: آپ کی عمر کتنی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو برس۔ سائل آپ کے اس عجیب جواب سے حیران رہ گیا اور وہ جب حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آپ کا منہ تکنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ عزیز من! یوں تو ہماری عمر ساٹھ برس سے زیادہ گزر چکی' لیکن میں اپنی زندگی کے ان تمام برسوں میں صرف اپنی اسی دو برس کی زندگی کو اپنی زندگی شمار کرتا ہوں جو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مقدس صحبت میں اسی طرح گزر گئی کہ ان کے انفاس قدسیہ کی بدولت میں ایک لمحہ کیلئے بھی اللہ عزوجل اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے غافل نہیں رہا۔ باقی زندگی کے تمام برسوں کو میں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کو اپنی عمر اور زندگی شمار کروں۔

"لَوْ لَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ" اگر یہ دو برس نہ ملتے تو "نعمان" یعنی ابوحنیفہ ہلاک ہو جاتا۔

برادرانِ ملت! حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عرفانی تقریر سے پتا چلتا ہے کہ اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں گزرنے والی زندگی کی انمول ساعتیں کتنی بیش بہا اور قیمتی ہوا کرتی ہیں؟ لہٰذا اے برادرانِ اسلام! خداوند قدوس جل مجدہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیجئے کہ اس نے ہمیں اور آپ کو اس مبارک اجلاس میں چند گھنٹے حاضری کی توفیق عطا فرمائی جس کی بدولت ہماری زندگی کی یہ چند گھڑیاں اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد میں گزر رہی ہیں۔

اس لئے میرے بزرگو اور بھائیو! میری مؤدبانہ گزارش ہے کہ آپ اپنے سرمایۂ حیات کے ان قیمتی لمحات کو پروردگارِ عالم کی ایک عظیم نعمت سمجھ کر انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ میری تقریر کو سنیں اور عمل کی بھی کوشش کریں۔

ایک بار اور بھی بہ آواز بلند درود شریف کا ورد کر لیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

حضرات گرامی! اس وقت خطبہ کے بعد میں نے سورۂ نساء کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے۔ یہ آیت مبارکہ اس لحاظ سے بہت ہی جاذبِ نظر اور دلکش ہے کہ اس میں ہم مومنین کے قلب کی تسکین اور روح کا اطمینان یعنی ہم گناہگاروں کی مغفرت کا سامان ہے۔ اب غور فرمائیے کہ ہم میں سے کون ہے جس کو اپنی مغفرت کی فکر اور گناہ معاف کرانے کی ضرورت نہیں ہے؟

لہٰذا! ہم سب گناہ گاروں کے لئے اس آیت میں بلاشبہ ایک بے پناہ کشش اور انتہائی جاذبیت کا سامان ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت میں ہمیں گناہ بخشوانے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر ہم سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو ہم کو کیا تدبیر کرنی چاہئے کہ ارحم الراحمین ہمارے گناہ کو معاف فرما دے اور ہم کو بخش دے۔

عزیزو اور دوستو! میں پہلے اس آیت کریمہ کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔ پھر اس کی شانِ نزول اور تفسیر پر بھی کچھ روشنی ڈالوں گا۔ سنیئے! حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ

یعنی اے محبوب! اگر میرے بندے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو انہیں چاہئے

لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا
کہ وہ آپ کے حضور میں حاضر ہو جائیں' پھر وہ خدا کے دربار میں توبہ و استغفار کریں اور رسول بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرمادیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

مغفرت کی تین شرطیں: سبحان اللہ' سبحان اللہ!

برادرانِ اسلام! آپ نے ملاحظہ فرمایا؟ کہ خداوند عالم نے اس آیت میں بندوں کے گناہ معاف کرنے کیلئے تین شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ سب سے پہلی شرط تو یہ ہے کہ ''جَآءُوْكَ'' یعنی گناہ گار رسول کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ پھر دوسری شرط یہ ہے کہ ''فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ'' یعنی دربار خداوندی میں توبہ و استغفار کرے۔ پھر تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ ''وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ'' یعنی رسول بھی اس کی شفاعت اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔ اب اگر یہ تینوں شرطیں پوری ہوگئیں تو ارحم الراحمین کا کھلا ہوا اعلانِ بشارت موجود ہے کہ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے گناہ گار بندوں کی توبہ ضرور قبول فرمالے گا اور ان کو اپنے شامیانۂ رحمت میں پناہ دے کر اپنی مغفرت کے تاجِ کرامت کا تاجدار بنادے گا۔

شانِ نزول

برادرانِ ملت! مغفرت کی ان تینوں شرطوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس آیت قرآنیہ کی شانِ نزول بھی آپ کو سنادوں اور آپ کو یہ بتادوں کہ یہ آیت کریمہ کب؟ کہاں؟ کیوں؟ اور کس موقع پر نازل ہوئی؟

عزیزانِ ملت! یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے انسانوں کی تین جماعتیں موجود ہیں۔ یہ تینوں جماعتیں کون کون ہیں؟ ذرا غور سے سنئے قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ایک جماعت کا نام ہے ''مومنین''...... قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ دوسری جماعت کا نام ہے۔ ''کافرین''...... اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ تیسری جماعت کا نام ہے۔ ''منافقین''۔

تو حضرات اسی تیسری پارٹی یعنی گروہ منافقین کا ایک بہت ہی گھسا گھسایا پرانا خرانٹ قسم کا لیڈر تھا۔ جس کا نام تھا۔ ''بشر'' اس منافق کا ایک یہودی سے اختلاف اور جھگڑا ہو گیا۔ اتفاق سے یہودی اس معاملہ میں حق پر تھا اور بشر منافق سراسر بے ایمانی اور ہٹ دھرمی پر کمربستہ تھا۔ یہودی

نے کہا کہ چلو میں تمہارے رسول ہی کو حکم (جج) مان لیتا ہوں۔ وہ جو فیصلہ فرمادیں گے میں اس کو بخوشی تسلیم کرلوں گا۔

بشر منافق بڑا چالاک اور پرانا گھاگ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رحمت عالم تو یقیناً اپنے حقانی فیصلہ سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کردیں گے اور یہودی کو ڈگری عطا فرمادیں گے۔ اس لئے اس نے کہا کہ نہیں ہم رحمت عالم کو اپنا حکم اور پنچ تسلیم نہیں کرسکتے بلکہ تم ''کعب بن اشرف'' یہودی کے پاس فیصلہ کے لئے چلو جو تمام یہودیوں کا گرو گھنٹال ہے۔ بشر منافق کو یہ امید تھی کہ ''کعب بن اشرف'' کو میں رشوت دے کر اپنے موافق فیصلہ کرالوں گا مگر جب یہودی اڑ گیا کہ میں تو تمہارے پیغمبر ہی سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ تو مجبوراً مرے دل سے بشر منافق نے بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مان لیا جب یہ دونوں دربار رسول میں فیصلہ کرانے کے لئے حاضر ہوئے تو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو چونکہ وہ حق پر تھا' ڈگری عطا فرمادی۔ چنانچہ یہودی نے تو اس حقانی فیصلہ کو دل سے قبول کرلیا مگر بشر منافق کی رگِ نفاق پھڑک اٹھی اور اس نے فیصلہ کو ماننے سے انکار کردیا اور کہنے لگا کہ میں اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کراؤں گا۔ یہودی اس پر بھی راضی ہوگیا کیونکہ اس کو عدلِ فاروقی پر پورا پورا اعتماد تھا کہ وہ ایک بال کے کروڑویں حصے کے برابر بھی حق سے ہٹنے والے نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے اور آپ کے دربار میں اپنا مقدمہ پیش کیا اور یہودی نے یہ بھی عرض کردیا کہ دربارِ رسول سے اس مقدمہ کا فیصلہ ہوچکا ہے جس کو میں نے تسلیم کرلیا ہے۔ مگر بشر نے اس کو نہیں مانا اور آپ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے آیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بشر منافق سے پوچھا کہ کیوں جی؟ کیا واقعی رحمت عالم کے دربارِ نبوت سے اس مقدمہ کا فیصلہ ہوچکا ہے؟ بشر نے اقرار کرلیا کہ جی ہاں! سرکارِ دوجہاں تو اس مقدمہ کا فیصلہ فرماچکے ہیں' یہ سننا تھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا' تم لوگ کھڑے رہو۔ میں گھر میں سے آکر ابھی ابھی اس مقدمہ کا ایسا فیصلہ کردیتا ہوں کہ پھر کہیں اپیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی۔ یہ فرما کر جلدی جلدی آپ مکان میں داخل ہوئے اور فوراً ننگی شمشیر لے کر جلال میں بھرے اور غیظ و غضب میں بپھرے ہوئے باہر نکلے اور بشر منافق کی گردن پر ایسا چا تلا ہوا تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا کہ اس کی گردن کدو کی طرح کٹ گئی اور سر تربوز کی طرح دور جاگرا اور یہودی سے مخاطب ہوکر فرمایا: کہ تم جاؤ اس مقدمہ کا یہی فیصلہ ہے جو میں نے کردیا ہے جو ملعون رسول برحق کے حقانی فیصلہ سے منہ موڑے اس کا فیصلہ کرنے والا تلوار سے بہتر دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتا۔

برادرانِ اسلام! یہودی تو اسلام کی حقانیت سے انتہائی متاثر ہوکر اپنے گھر چلا گیا۔ مگر اس واقعہ سے مدینہ کی سرزمین پر ایک تہلکہ مچ گیا کہ فاروق اعظم نے ایک کلمہ گو کو تلوار سے قتل کردیا۔ چنانچہ بشر منافق کے تمام رشتہ داروں اور اس کی پارٹی کے معاون و مددگار رسول برحق کے دربار میں اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوکر آگئے اور قصاص کے طلب گار ہوئے اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگے یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم بشر کی نیت میں کوئی برائی نہیں تھی اور بہت ہی سچا اور پکا مسلمان تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس کی ایمانداری اور دینداری کی تعریفوں کے بڑے بڑے پل باندھنے لگے اور اپنی منافقانہ روش کے مطابق حلف اٹھا اٹھا کر اور قسم کھا کھا کر رحمت عالم کو یقین دلانے لگے کہ بشر اور ہم سب کے سب صاحب ایمان اور سچے پکے مسلمان ہیں۔

برادرانِ ملت! منافقین رحمت عالم کے دربار میں اپنی منافقانہ بازیگری کا یہ شرمناک ناٹک اور قابل نفرت کھیل دکھا رہے تھے کہ حضرت حق جل مجدہ نے ان آیات بینات کو نازل فرما کر ان منافقوں کے نفاق کا پردہ چاک فرما دیا اور ان لوگوں کے مکروفریب اور سیہ کاریوں کے دام تزویر اور پرفریب جال کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا اور بشر منافق کے واجب القتل ہونے کا اعلان فرما دیا اور اس کے خون کا کوئی بدلہ نہیں دلایا۔ (صاوی ج اص ۲۲۶)

برادرانِ اسلام! اب آپ ان مقدس آیتوں کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنئے اور خداوند قدوس کے قہر وجلال کا قاہرانہ انداز اور جلالی تیور ملاحظہ فرما کر عبرت حاصل کیجئے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۔

یعنی کیا (اے محبوب) آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا! جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ پر اتاری گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئیں پھر چاہتے ہیں کہ شیطان (کعب بن اشرف) کو اپنا پنچ بنائیں حالانکہ ان لوگوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اس کو بالکل ہی نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۔

اور جب ان لوگوں سے کہا جائے کہ اللہ عزوجل کی اتاری ہوئی کتاب اور اس کے رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ منافق لوگ آپ سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآؤُكَ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ۔

تو ان کا کیا حال ہوگا جب ان پر کوئی مصیبت پڑ جائے۔ ان کے ان کرتوتوں کے بدلے میں جوان کے ہاتھوں نے پہلے کیا ہے۔ پھر (اے محبوب) یہ لوگ آپ کے حضور حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ملاپ تھا۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۔

ان کے دلوں کی بات تو اللہ عزوجل جانتا ہے لہٰذا (اے محبوب) آپ ان لوگوں سے چشم پوشی کیجئے اور ان لوگوں کو نصیحت فرماتے رہئے اور ان لوگوں سے دلوں میں اتر جانے والی بات فرماتے رہئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

اور ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا تا کہ اللہ عزوجل کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ۔

اور اگر لوگ (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو (اے محبوب) وہ آپ کے حضور میں حاضر ہوں۔ پھر اللہ عزوجل سے استغفار کریں اور رسول بھی ان کیلئے مغفرت کی دعا فرمائیں تو ضرور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان پائیں گے۔

برادرانِ اسلام! آپ نے سن لیا کہ ان آیات بینات نے کتنی وضاحت اور صفائی کے ساتھ کھلم کھلا یہ اعلان کر دیا کہ رسول کی اطاعت اور ان کے ہر فیصلہ کو بخوشی تسلیم کرنا اور ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے اور رسول کے فیصلہ سے منہ موڑنے والا درحقیقت رسالت ہی کا منکر ہے۔ اس لئے وہ کافر اور واجب القتل ہے۔ اسی طرح آخری آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوٓا نے واضح کر دیا کہ گناہ گاروں کو بخشنے کے لئے خداوند ستار وغفار نے تین شرطیں مقرر کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ گناہ گار اپنے رسول کے دربار میں حاضر ہو جائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ گناہگار خدا کے دربار میں توبہ واستغفار کرے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ رسول بھی اس کے لئے دعائے مغفرت فرما دیں جب تک یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی ہرگز ہرگز خداوند قدوس کسی مجرم وخطا کار کو نہیں بخشے گا اور کسی گناہگار کے گناہوں کو نہیں معاف فرمائے گا۔

میرے دوستو اور بزرگو! یہ تو بہت ہی مشہور مسئلہ ہے کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ

اَلْمَشْرُوْط۔ یعنی جب شرط نہیں پائی جائے گی تو مشروط بھی نہیں پایا جائے گا۔ کون نہیں۔ جانتا کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے تو جب تک وضو نہیں ہوگا' نماز نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جب مغفرت کے لئے تین شرطیں ہیں تو جب تک یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جائیں گی' مغفرت نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا نماز پڑھنی ہے تو وضو کرنا ہی پڑے گا اور مغفرت کرانی ہے تو یہ شرطیں پوری کرنی ہی پڑیں گی۔

اب اگر کوئی ''بے دال کا بودم'' بلا وضو ہی کے نماز پڑھ لے اور کہے کہ میری نماز ہوگئی تو اس شخص کے بارے میں ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ غالباً اس کے دماغ کی مشینری کا کوئی اسکرو ڈھیلا ہوگیا ہے۔ یا یہ شخص جہالت کا ایک چلتا پھرتا مجسمہ ہے۔

لطیفہ

غالباً آپ لوگوں نے ایک لطیفہ سنا ہوگا کہ ایک مولانا صاحب اپنے وعظ میں فرمارہے تھے کہ مسلمانو! یاد رکھو کہ نماز کے لئے وضو شرط ہے جب تک وضو نہیں ہوگا۔ نماز نہیں ہوسکتی۔ یہ سن کر مجمع میں سے ایک جاہل کھڑا ہوگیا اور چلا چلا کر کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ بلا وضو کے بھی نماز ہوجاتی ہے' بلا وضو کے قیام وقعود اور رکوع وسجود وغیرہ سب کچھ ہوجاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وضو نہ ہو تو پیٹھ اکڑ جائے اور رکوع وسجدہ ہی نہ ہوسکے۔ بلا وضو کے بھی نماز کے سب افعال ادا ہوجاتے ہیں۔ جاہل گنوار کی یہ بے تکی بات سن کر سارا مجمع ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوگیا اور مولانا صاحب بھی مسکرا کر یہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ۔

احمقوں کی کمی نہیں غالبؔ ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں

بہر کیف! میں یہ عرض کررہا تھا کہ خداوند کریم باوجودیکہ بڑا ستار وغفار ہے اور اس کی رحمت اور شان کریمی کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑا مجرم وگناہ گار بھی اس سے اپنی مغفرت کا امیدوار ہے۔ مگر پھر بھی اس ارحم الراحمین نے اپنے قرآن مبین میں صاف صاف اعلان فرمادیا ہے کہ میں ہر مجرم اور خطا کار کو اسی وقت بخشوں گا اور ہر گناہ گار کو میرے شامیانہ رحمت اور دامن کرم میں اسی وقت پناہ مل سکتی ہے جب مغفرت کی تینوں شرطیں پوری ہوجائیں۔

برادران ملت! اب میں چاہتا ہوں کہ ان تینوں شرطوں کو ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کروں۔ لہٰذا غور سے سنئے۔

دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری

دیکھئے۔ سب سے پہلی شرط ہے۔ ''جَآءُوْكَ'' یعنی دنیا میں کوئی مجرم جرم وگناہ کرکے جب

تک دربارِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری نہیں دے گا۔ ہرگز ہرگز کبھی اس کی مغفرت نہیں ہوگی اور وہ کبھی بھی رحمت الٰہی کی نظر عنایت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

حضرات گرامی! خوب سمجھ لیجئے کہ یہ میرے شاعرانہ تخیل کی پرواز یا عقلی گھوڑے کی سرپٹ دوڑ نہیں ہے بلکہ یہ قرآن مجید کے لفظ جَـآءُ وْكَ کی تفسیر ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دنیا کا کوئی مفسر یا قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والا کوئی بھی عالم دین اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کا انکار نہیں کرسکتا کہ اس آیت میں لفظ جَـآءُ وْكَ کا یہی اور صرف یہی مطلب ہے کہ ہر مجرم و گناہ گار اگر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہے تو اس کی پہلی شرط یہی ہے کہ وہ دربارِ رسول میں حاضری دے۔

برادرانِ اسلام! آج کل کے مولویوں کو چھوڑ دیجئے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ آپ مجھے بتایئے کہ قرآن کریم کو سب سے زیادہ کن لوگوں نے سمجھا؟ آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے ساری امت میں سب سے زیادہ جن لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھا ہے وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے کیونکہ قرآن ان لوگوں کی زبان میں نازل ہوا' ان لوگوں نے قرآن کو خود صاحب قرآن کی زبان سے سنا اور قرآن کو درس گاہِ نبوت میں پڑھ کر اس کے ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف کی تفسیر و تشریح کو ان کی تعلیم سے جانا اور پہچانا جس کا سینہ شرح اَلَمْ نَشْرَحْ کا خزینہ ہے اور جن کے لئے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی سند مستند عرش اعظم سے نازل ہوئی۔ خدا کی قسم! نزولِ قرآن کا حال و ماحول اور موقع و محل جس قدر صحابہ کرام کے پیش نظر تھا۔ کسی دوسرے کو قیامت تک نصیب ہی نہیں ہوسکتا اور معلم کتاب و حکمت کے مشکوٰۃ نبوت سے جتنی علمی و عملی روشنی صحابہ کرام کو ملی وہ کسی دوسرے کو مل ہی نہیں سکتی۔ اس لئے یہ تو تمام دنیا کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ قرآن مجید کو سب سے زیادہ صحابہ کرام نے ہی سمجھا۔ اس لئے آیئے اور تاریخ صحابہ کی روشنی میں دیکھئے کہ ان ملت کے ستونوں اور آسمان امت کے ان درخشاں ستاروں نے اس آیت میں "جَـآءُ وْكَ" کا کیا مطلب سمجھا؟ اور اس پر کس طرح عمل کیا؟ اور صاحب قرآن نے ان پاک نفسوں کے عمل بالقرآن پر کس طرح اپنی مہر تصدیق ثبت فرما کر ان کی عملی زندگی کو تمام نسل انسانی کے لئے ایک ایسا دائمی نظامِ زندگی اور مکمل دستورِ حیات بنا دیا کہ قیامت تک اس میں کسی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی۔

مسجد نبوی کے چند ستون

حضرات گرامی! مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں جنت کی کیاری کے اندر چند ستونوں پر آج بھی

کتبے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں کا ہر ستون اپنے دامن میں بڑے بڑے عبرت آموز اور ایمان افروز تاریخی واقعات کا دفتر لئے ہوئے ہے۔ ایک ستون کا نام ''اُسْطُوانَۃُ الْوُفُوْد'' ہے۔ یہ وہ ستون ہے کہ حضور شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ستون سے ٹیک لگا کر دور دور سے آنے والے قبائل کے نمائندوں کو اپنی زیارت کا شرف عطا فرمایا کرتے تھے۔ ایک ستون پر ''اُسْطُوانَۃُ الْحَنَّانَۃ'' تحریر کیا ہوا ہے۔ یہ وہی ستون ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی میں پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا جس کے بارے میں مولانا رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ

استن حنانہ از ہجر رسول
نالہ می زد ہمچوں اربابِ عقول

یعنی ستون حنانہ رسول کی جدائی میں اس طرح نالہ وفریاد کر کے روتا تھا جیسے عقل والے اپنے محبوبوں کی جدائی پر نالہ وفریاد کے ساتھ رویا کرتے ہیں۔

الغرض! اسی طرح کے بہت سے تاریخی ستون ہیں۔ انہی ستونوں میں سے ایک ستون کا نام ''اُسطوانۃ التوبہ'' بھی ہے جس کو ''ستون ابولبابہ'' بھی کہتے ہیں اور مجھے اس وقت اسی ستون کا ایک دل ہلا دینے والا تاریخی واقعہ آپ کو سنانا ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ

حضرت محترم! ایک صحابی ہیں۔ ''ابولبابہ بن عبدالمنذر'' یہ حضور شہنشاہِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں بڑے باوقار بلکہ دربارِ نبوت کے ایک خاص رازدار تھے۔ جنگِ خندق کے بعد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین دشمن اسلام قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو ان یہودیوں نے تنگ آ کر بارگاہِ رسالت میں یہ پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تا کہ ہم لوگ ان سے اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ مشورہ کریں۔ حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا اسلام لانے سے پہلے ان یہودیوں سے بڑا گہرا اور دوستانہ تعلق تھا' بلکہ حضرت ابولبابہ کے کچھ اہل وعیال اور جائیداد و مال بھی اسی قلعہ میں تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابولبابہ کو بھیج دیا۔ قلعہ کے یہودی ان کو دیکھ کر رونے لگے اور ان سے مشورہ کیا کہ کیا ہم لوگ پیغمبر اسلام کے فیصلہ کو قبول کر کے قلعہ کا پھاٹک کھول دیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابولبابہ کو اپنا رازدار سمجھ کر پہلے ہی ان یہودیوں کے بارے میں اپنے فیصلہ سے مطلع فرما دیا تھا کہ یہ یہودی اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن ہیں۔ لہٰذا ان کی سزا قتل کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتی۔

جب یہودیوں نے حضرت ابولبابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے اپنی پرانی دوستی اور اپنے اہل وعیال اور جائیداد و مال کا خیال کر کے سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش کر دیا اور اپنے گلے پر ہاتھ پھیر کر اشارے سے یہودیوں کو بتا دیا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے میں قتل کا فیصلہ فرمالیا ہے۔

حضرات محترم! حضرت ابولبابہ نے دربارِ نبوت کے ایک مخفی راز کو فاش کیا۔ ادھر فوراً ہی حضرت جبرائیل امیں رب العالمین کا عتاب سے بھرا ہوا فرمان لے کر زمین پر اتر پڑے اور رحمۃ للعالمین پر یہ آیت نازل ہوگئی کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ (انفال)

یعنی اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دغا مت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں دانستہ طور پر خیانت کرو اور یہ جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد یہ سب فتنہ ہیں اور یہ یقین رکھو کہ اللہ عزوجل کے پاس بہت بڑا ثواب ہے۔

حضرات! خود حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ابھی میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہیں پائے تھے کہ میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑا کہ بلاشبہ اس وقت میں نے اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت میں خیانت کی ہے اور اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا کر کے میں نے بہت بڑا گناہ کرلیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابولبابہ اپنے اس گناہِ عظیم کے تصور سے لرزہ براندام ہوگئے اور اپنے اس جرم پر نادم و پشیماں ہو کر مدینہ منورہ بھاگے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون میں رسی سے جکڑ کر بندھوالیا اور قسم کھالی کہ جب تک خداوند کریم میری توبہ قبول نہیں فرمائے گا اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے۔ خدا کی قسم نہ میں کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چنانچہ چھ دن چھ رات تک یہ مسجد کے ستون سے بندھے رہے۔ نمازوں اور انسانی حاجتوں کے وقت ان کی بیوی صاحبہ ان کو کھول دیا کرتی تھیں۔ پھر وہی ان کو باندھ دیا کرتی تھیں۔ بھوک پیاس کی شدت سے ان کی قوتِ سماعت جاتی رہی اور آنکھوں کی روشنی میں بھی کمی آگئی۔ اسی حالت میں ایک رات جب کہ سرکارِ مدینہ حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔

صبح صادق کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگہاں ہنسی آگئی۔ بی بی ام سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم خداوند کریم آپ کے دانتوں کو ہمیشہ ہنستا رکھے' بھلا اس وقت

آپ کو ہنسی کیوں آ رہی ہے؟ یہ سن کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلمہ! میں اس خوشی میں ہنس رہا ہوں کہ ابولبابہ کی توبہ بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگئی اور ابھی ابھی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلْ لَّـكُمۡ فُرۡقَانًا وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ‌ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۔ (انفال)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں وہ چیز عطا فرما دے گا جس سے تم حق کو باطل سے جدا کرلو گے اور تمہاری برائیوں کو تم سے اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یہ سن کر کہ حضرت ابولبابہ کی توبہ قبول ہوگئی۔ حضرت بی بی ام سلمہ کو بے حد خوشی ہوئی۔ چنانچہ فرطِ مسرت میں بے تاب ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اگر اجازت ہو تو میں ابھی ابھی ابولبابہ کو بشارت سنا دوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو سنا دو۔ چنانچہ فوراً ہی حضرت بی بی ام سلمہ نے اپنے حجرے کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا کہ اے ابولبابہ! تمہیں یہ بشارت مبارک ہو کہ تمہاری ''توبہ قبول ہوگئی۔''

بی بی اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کی آواز کا سننا تھا کہ لوگ اپنے گھروں سے نکل نکل کر مسجد نبوی کی طرف دوڑ پڑے اور حضرت ابولبابہ کو ستون سے کھولنے لگے مگر حضرت ابولبابہ نے بھرائی ہوئی آواز میں آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ خبردار! ہرگز ہرگز کوئی مجھے نہ کھولے۔ خدا کی قسم! جب تک خود حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے۔ میرے مجرم و گناہ گار دل کو تسلی نہیں ہوسکتی کہ میرے رب کریم نے میری خطا کو معاف فرما دیا ہے۔ چنانچہ لوگ ہٹ گئے اور ابولبابہ نمازِ فجر کے وقت تک بدستور بندھے رہے اور لوگ ان کے اردگرد کھڑے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا انتظار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد نبوی میں نمازِ فجر کے لئے تشریف لائے تو ابولبابہ کو پیار و محبت کی نگاہوں سے دیکھ کر پیغمبرانہ اندازِ مسرت کے ساتھ تبسم فرما کر مسکرانے لگے۔ سبحان اللہ! پیارے رسول کی مسکراہٹ کا کیا کہنا؟

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستان بنا دیا

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ابولبابہ کی رسیوں کو کھول دیا۔

(صاوی ج ۱ص ۱۲۲)

برادرانِ ملت! آپ نے دیکھا؟ کہ صحابیٔ رسول حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر سے ایک گناہ ہوگیا تو وہ اپنے اس گناہ کو بخشوانے کے لئے خدا کے گھر کعبہ مکرمہ نہیں گئے اور کعبہ معظمہ کے ستون سے اپنے آپ کو نہیں باندھا۔ بلکہ گناہ سرزد ہوتے ہی وہ سیدھے مدینہ منورہ دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوگئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھا کیوں؟ اس لئے کہ وہ قرآن مجید کی آیت جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ کا پورا پورا علم رکھتے تھے اور انہیں اس بات کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل تھا کہ گناہ معاف ہونے کی پہلی شرط دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری ہے۔ اس لئے وہ سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے بندھوالیا تاکہ پانچوں وقت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے رہیں یہاں تک کہ پیارے مصطفیٰ کی مصطفائی کو مجھ پر رحم آجائے تو پھر خدا کی قسم! یقیناً خدا کی کبریائی کو بھی مجھ پر پیار آجائے گا اور میں بخش دیا جاؤں گا کیونکہ ان کا یہ ایمان تھا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

چنانچہ آپ نے دیکھ لیا کہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت ابولبابہ کی بے قراری اور گریہ وزاری سے رحمۃ للعالمین کا رحمت بھرا دل پسیج گیا تو ارحم الراحمین کی رحمت نے بھی کتنے پیار سے ابولبابہ کے گناہ کو اپنے غفران ورضوان سے مٹا کر اپنے فضل وکرم سے بخش دیا۔

اور مسلمانو! ذرا ارحم الراحمین کی ستاری وغفاری کا جلوہ تو دیکھو کہ آج تک اس ستون ابولبابہ کی یہ کرامت ہے کہ کتنا ہی بڑا مجرم اور گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اگر اس ستون کے پاس دو رکعت نماز نفل پڑھ کر صدقِ دل سے توبہ کرے تو خداوند کریم حضرت ابولبابہ کے طفیل میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس تاریخی ستون کو "ستون توبہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور میں نے خود بارہ دن تک مدینہ منورہ میں حاضر رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہزاروں مسلمان ہر وقت اس ستون کے پاس نماز نفل پڑھ پڑھ کر اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرتے رہتے ہیں۔

برادرانِ ملت! ایک حضرت ابولبابہ ہی پر منحصر نہیں بلکہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ گواہ ہیں کہ جس صحابی سے بھی کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ سرزد ہوا تو وہ گھبرا کر دوڑتا ہوا بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور رحمتِ عالم کے دامنِ رحمت میں پناہ لے کر توبہ واستغفار کرلیا اور رحمتِ عالم نے اس کے لئے دعائے مغفرت فرمادی تو ارحم الراحمین نے اس کے گناہ کو بخش دیا۔ کوئی صحابی گناہ کرکے خدا

کے گھر کعبہ مکرمہ میں توبہ کے لئے نہیں گیا' بلکہ ہر ایک رسول ہی کے در پر حاضر ہوا کیونکہ ان تمام صحابہ کا یہی ایمان واعتقاد تھا کہ:

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بہرکیف! یہ ثابت ہوگیا کہ مغفرت کی پہلی شرط دربارِ رسول کی حاضری ہے۔

قبرانور کے حضور حاضری

لیکن برادرانِ ملت! یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔اس کا جواب بھی سن لیجئے۔سوال یہ ہے کہ گناہ گاروں کے لئے دربارِ رسول کی حاضری اس وقت تک تو بہ آسانی میسر ہوسکتی تھی جبکہ رحمتِ عالم اپنی ظاہری حیات کے ساتھ دنیا میں تشریف فرما تھے چنانچہ حضرات صحابہ کرام گناہ کرتے ہی رحمتِ عالم کی خدمت میں حاضر ہوجایا کرتے تھے لیکن اب جب کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبرانور کے اندر جلوہ گر ہیں تو اب گناہ گاروں کے لئے بارگاہِ نبوت میں حاضری کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ اوراب گناہ گار مغفرت کے لئے ''جَـــاءُوْكَ'' یعنی دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کی شرط کیسے پوری کرسکتا ہے؟

تو مسلمانو! اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبرانور کے پاس حاضر ہوجانا بھی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ دربارِ رسالت میں حاضر ہونا۔اس لئے جو شخص بھی قبر منور کے پاس حاضر ہوگیا۔یقیناً اس نے جَآءُ وْكَ کی شرط پر عمل کرلیا۔

چنانچہ علماء ملت اور اولیاء امت کی تواریخ شاہد ہیں کہ دورِ تابعین اور ان کے بعد کے بہت سے سلف صالحین نے روضہ انور کے پاس حاضر ہوکر یہ عرض کیا ہے کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم خدا کے فرمان جَآءُ وْكَ پر عمل کرتے ہوئے آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔

قبر منور سے اعلانِ مغفرت

غالباً آپ لوگوں نے یہ واقعہ سنا ہوگا جو بہت مشہور ہے کہ ایک اعرابی مسلمان جس کا سینہ توحید الٰہی کا خزینہ اور جس کا دل محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ تھا۔یہ روضہ اقدس کے پاس جب حاضر ہوا تو پہلے انتہائی والہانہ عقیدت اور جوشِ محبت کے ساتھ روضہ انور کے اردگرد کی خاک پاک کو اپنے سر پر ڈالنے لگا۔پھر انتہائی سوز وگداز میں رو رو کر عرض کرنے لگا کہ! یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ جو کچھ خدا کا پیغام لائے۔ہم نے اس کو پڑھا اور اس پر ایمان لائے۔

یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ پر خداوند قدوس نے جو کتاب نازل فرمائی ہے۔اس میں یہ آیت بھی ہے کہ ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ''تو یارسول اللہ! میں نے گناہ کر کے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔لہٰذا میں اللہ عزوجل کے فرمان جَآءُوْكَ پر عمل کرتے ہوئے آپ کے دربار میں اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے حاضر ہوا ہوں' اس لئے یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ میرے رب سے میرے گناہوں کی بخشش کرا دیجئے۔ پھر اس کامل الایمان اعرابی مسلمان نے انتہائی والہانہ انداز میں دو شعروں کو پڑھا کہ ۔

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ
فَطَابَ مِنْ طِيْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَكَمُ

یعنی اے وہ مقدس ذات! کہ جب زمین میں آپ کا جسم اطہر دفن کیا گیا تو اس کی پاکیزگی سے زمین اور ٹیلے بھی طیب و طاہر ہو گئے۔

نَفْسِيْ الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاكِنُهٗ
فِيْهِ الْعَفَافُ وَفِيْهِ الْجُوْدُ وَالْكَرَمُ

یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم جان اس قبر پر قربان جس میں آپ سکونت فرما رہے ہیں' اس قبر میں پاک دامنی ہے' سخاوت ہے' کرم ہے۔

برادرانِ ملت! منقول ہے کہ یہ اعرابی جب اپنی عرضی دربارِ نبوت میں پیش کر چکا تو قبر انور سے یہ ندا آئی کہ اے اعرابی تو بخش دیا گیا۔ (خزائن العرفان ص ۱۰۵ وغیرہ)

سبحان اللہ! سبحان اللہ! برادرانِ اسلام! دیکھ لیجئے۔ یہ ہے قبر انور کا تصرف جس طرح اپنی ظاہری حیات میں سرکار مدینہ اپنے دربار میں آنے والے گناہ گاروں کو مغفرت کی خوشخبری سنا دیا کرتے تھے۔ اپنی قبر منور کے پاس حاضر ہونے والے گناہ گار اعرابی کو بھی مغفرت کا مژدہ سنا دیا۔ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ قبر رسول کے پاس حاضری یقیناً دربار رسول ہی کی حاضری ہے اور یہی میں عرض کر رہا تھا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز بھی جب روضہ منورہ کی زیارت کے شرف سے سرفراز ہوئے تو اپنے اس طویل قصیدۂ نعت میں جس کو دربار رسالت میں آپ نے بطور نذرانہ عقیدت کے پیش کیا تھا۔ اس کے ایک شعر میں اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ

مجرم بلائے آئے ہیں جَـــآءُ وْكَ ہے گواہ
پھر رد ہوں' کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

وسیلہ کے ذریعے حاضری

ہاں! اب ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ صحابہ تو جَآءُ وْكَ کی شرط پر اس طرح عمل کرتے تھے کہ صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کرتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ قبر انور کے حضور حاضری دی جائے۔

مگر سوال یہ ہے کہ وہ گناہ گار مسلمان جو مفلس وقلاش ہیں اور مدینہ منورہ سے ہزاروں میل دور ہیں اور وہ قبر انور تک رسائی کی کوئی سبیل ہی نہیں رکھتے تو پھر بھلا وہ لوگ کیسے جَآءُ وْكَ کی شرط پوری کرتے ہوئے دربارِ رسول میں حاضری دے سکیں گے؟ اور ان غریبوں کی مغفرت کی شرط اول کس طرح پوری ہو سکتی ہے؟

تو برادرانِ ملت! اس سوال کا جواب بھی سن لیجئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دربارِ رسول میں حاضری کی ان دو صورتوں کے علاوہ ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ تیسری صورت اس قدر آسان ہے کہ جو ہمیشہ' ہر دم' ہر جگہ' ہر مسلمان کے لئے میسر ہے۔ خواہ وہ بوریا نشین فقیر ہو یا تخت نشین بادشاہ۔ مغرب کا باشندہ ہو یا مشرق کا رہنے والا۔ سمندروں میں کشتیوں پر سوار ہو یا ہوا کے دوش پر فضاؤں میں سفر کر رہا ہو۔ کوئی بھی ہو۔ کہیں بھی ہو' کسی حال میں بھی ہو وہ دم زدن میں اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا دربارِ رسول میں حاضری دے سکتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ گناہ گار توبہ کرتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے دربار میں وسیلہ بنا لے اور یہ عرض کر دے کہ الہ العالمین میں تیرے محبوب کو تیرے دربار میں اپنا وسیلہ بنا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں۔ بس جہاں مسلمان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ پکڑا تو گویا دربارِ رسول میں حاضر ہو گیا اور جَـآءُ وْكَ کی شرط پوری ہو گئی اور مسلمانو! اس طرح دربارِ رسول میں حاضری کا طریقہ یہ وہی طریقہ ہے جس کو حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی توبہ کے وقت اختیار فرمایا تھا کہ آپ نے نام پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا تھا۔ چنانچہ آپ نے بار بار سنا ہوگا کہ

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ' نہ نوح از غرق نجینا

یعنی اگر حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا وسیلہ نہ پکڑتے تو نہ آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوتی نہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کی موجود سے پار ہوتی۔

حضرات! یہ فقط شعر و شاعری کا شاعرانہ تخیل نہ سمجھئے بلکہ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ بہت سی حدیثوں کا عطر ہے۔ چنانچہ اس بارے میں ایک حدیث بھی سن لیجئے جس کو امام بیہقی جیسے جلیل القدر محدث نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں ذکر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے دربارِ خداوندی میں یوں عرض کیا کہ یارب۔

اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرْلِیْ ۔ یعنی اے میرے پروردگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل تو مجھے معاف فرمادے۔

تو اللہ عزوجل نے فرمایا کہ اے آدم تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں کر پہچانا؟ حالانکہ ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں فرمایا تو حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ الٰہ العالمین میں نے انہیں اس طرح پہچانا کہ جب تو نے مجھے پیدا فرمایا اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر جو دیکھا تو عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا تو میں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس کے نام کو عرش مجید پر جلوہ گر فرمایا ہے وہ یقیناً تمام مخلوق سے زیادہ تجھ کو پیارا ہوگا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تو نے بالکل سچ کہا۔ بیشک وہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور میرا پیارا ہے۔ اس لئے میں نے تمہاری خطا کو بخش دیا اور اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اے آدم! نہ میں تم کو پیدا کرتا نہ سارے عالم کو۔ (روح البیان ص۲۳۰ احزاب)

بہرکیف! برادرانِ ملت! مجھے امید ہے کہ آپ نے اس مسئلہ کو خوب اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا! کہ گناہوں کی مغفرت کے لئے سب سے پہلی شرط ''جَـــآءُوْكَ'' یعنی دربارِ رسول کی حاضری ہے اور اس حاضری کی تین صورتیں ہیں۔ اول صحبت رسول میں حاضری۔ دوم قبر انور کے حضور حاضری۔ سوم پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑ کر حاضری۔

اور ہم گناہ گاروں کے لئے جو مدینہ طیبہ سے دور ہیں اور قبر انور کے حضور حاضری سے مجبور ہیں۔ یہی تیسری صورت ہر دم اور ہر وقت قابل عمل ہے کہ جب بھی ہم سے کوئی گناہ ہو تو ہم نام پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دربارِ الٰہی میں وسیلہ بنا کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ بڑی امید ہے کہ ارحم الراحمین ضرور ہمارے گناہوں کو بخش دے گا۔

کیوں؟ اس لئے کہ ہم مدینے سے دور ہیں لیکن مدینے والا ہم سے دور نہیں ہے' کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

اگرچہ مدینہ ہے کافی مسافت　　نہیں دور لیکن یہ بعد مکانی
خلوص و محبت کو قاصد بنا لو　　وہیں سے سنیں گے وہ ساری کہانی

توبہ واستغفار

برادرانِ ملت! اب مغفرت کی دوسری شرط بھی سن لیجئے اور ایک مرتبہ بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

برادرانِ اسلام! مغفرت کی دوسری شرط کے بارے میں خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ یعنی دربارِ رسول میں حاضر ہو کر مجرم اپنے گناہوں سے توبہ واستغفار کرے۔ یعنی صدق دل سے اپنے جرموں کا خدا کے دربار میں اقرار اور اس پر ندامت کا اظہار کرے اور جناب باری میں گریہ وزاری کے ساتھ اپنی مغفرت کی دعا اور بخشش کی خواستگاری کرے جب مجرم نے توبہ واستغفار کر لیا تو پھر مغفرت کی دوسری شرط بھی پوری ہو گئی اور سمجھ لو کہ رحمتِ الٰہی کی نظر عنایت اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

مسلمان بھائیو! سبحان اللہ! سبحان اللہ! توبہ و استغفار کا کیا کہنا۔ سچ کہا ہے کسی اہل معرفت نے ۔

توبہ کے آنسوؤں نے جہنم بجھا دیا
توبہ بڑی سپر ہے گنہگار کے لئے

حضرات! عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ توبہ کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

مگر میرے بزرگو اور بھائیو! خداوند رحیم ورحمٰن کا قرآن میں تو یہ اعلان ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ یعنی پروردگارِ عالم توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو صرف مٹاتا اور معاف ہی نہیں کرتا بلکہ ان کے گناہوں کو مٹا کر ان کے بدلے میں نیکیاں عطا فرما دیتا ہے' یعنی اگر ایک لاکھ گناہ کر کے صدقِ دل سے تائب ہو جائے تو پروردگارِ عالم کے حکم سے فرشتے اس بندے کے نامہ اعمال میں سے ایک لاکھ گناہوں کو مٹا کر ان کی جگہ ایک لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

مولانائے روم نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ

سیئات را مبدل کرد حق
تاہمہ طاعت شود آں ماسبق

یعنی خدا نے تیرے گناہوں کو توبہ کے بعد نیکیوں سے بدل دیا تاکہ تیرے پہلے کے سارے گناہ بھی نیکی بن جائیں۔

قطب المدار کا مناظرہ

عزیزو اور دوستو! گناہ مٹا دینے کا ذکر آ گیا تو مجھے اس موقع پر حضرت خواجہ بدیع الدین قطب المدار صاحب علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت یاد آ گئی۔ میں نے اس حکایت کو کسی کتاب میں نہیں پڑھا لیکن بعض بزرگوں سے سنا ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت قطب المدار صاحب رحمتہ اللہ علیہ اکثر یہ دوہا پڑھا کرتے تھے۔

نیائے ناہیں کیہن کیہن ٹھکرائی
بن کینی لکھ دیہن برائی

جب آپ جونپور تشریف لے گئے تو وہاں کے دنیادار مولویوں کو آپ کی مقبولیت وشہرت پر حسد ہونے لگا۔ چنانچہ چند مولوی آپ سے سوال و جواب اور مناظرہ کرنے کے لئے آ گئے۔ ان مولویوں کا مقصد یہ تھا کہ حضرت قطب المدار پر شرعی اعتراض کر کے ان کو حکومت وقت کی نظر میں معتوب کر دیا جائے اور پھر ان کو ذلت کے ساتھ شہر بدر کر دیا جائے۔ حضرت قطب المدار ایک صاحب حال درویش تھے۔ کسی سے بحث و تکرار کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ نے ٹالنا چاہا اور بار بار فرمایا کہ ہمیں مناظرہ سے معاف رکھو۔ ہمارا تو یہ حال ہے کہ

فرصت کہاں کہ چھیڑ کریں آسماں سے ہم
لپٹے ہوئے ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم

مگر جب مولویوں نے آپ کو گھیر ہی لیا اور خواہ مخواہ الجھنے ہی لگے تو پھر آپ کو بھی درویشانہ جلال آ گیا اور آپ نے فرمایا کہ بہت اچھا پھر آ جایئے اور مناظرہ کر لیجئے۔ میں بھی تیار ہوں۔

کدھر سے برق چمکتی ہے؟ دیکھیں اے واعظ
میں اپنا جام اٹھاتا ہوں تو کتاب اٹھا

مولویوں نے بڑے طنطنہ کے ساتھ کہا کہ جناب! آپ پر ہمارے تین شرعی اعتراض ہیں۔ آپ ان کا جواب دیجئے۔ سب سے پہلے تو یہ سوال ہے کہ آپ کا کپڑا کبھی میلا نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم لوگوں کو شبہ ہے کہ آپ کوئی جادوگر تو نہیں ہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ جمعہ کی نماز

کیوں نہیں پڑھتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ جو ہندی کا دوہا گاتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

نیائے ناہیں کینہن کینہن ٹھکرائی
بن کینی لکھ دینہن برائی

اس میں تو خدا کی ذات پر اعتراض لازم آتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انصاف نہیں کیا اور ٹھکرائی کر کے من مانا فیصلہ کر دیا اور جو گناہ ہم نے نہیں کیا تھا وہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھ دیا گیا۔

مولویوں نے ڈانٹ ڈپٹ کر بڑی گرجدار آوازوں میں کہا کہ آپ ان تینوں سوالوں کا جواب دیجئے ورنہ قاضی شرع کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو جائیے۔

حضرت قطب المدار صاحب مولویوں کی یہ لچھے دار تقریریں سن کر مسکرانے لگے اور فرمایا کہ بس یہی ہیں آپ لوگوں کے وہ سنگین الزامات اور شرعی اعتراضات جن کے بل بوتے پر آپ لوگوں نے اس قدر لام بندی کر کے میرے اوپر چڑھائی کر دی ہے؟ سبحان اللہ!

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

اچھا اب آپ لوگ میرا جواب سن لیجئے۔ آپ لوگوں کا پہلا سوال یہ ہے کہ میرے کپڑے میرے بدن پر کبھی میلے نہیں ہوتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بگلا ایک پرندہ ہے جو دن رات پانی، مٹی اور کیچڑ میں مچھلیاں اور کیڑے مکوڑے پکڑتا اور کھاتا رہتا ہے اور اس کے بدن پر آندھیوں میں گرد و غبار بھی پڑتا ہی رہتا ہے مگر تمام عمر اس کے پر سفید ہی رہتے ہیں اور کبھی میلے نہیں ہوتے تو کیا بگلے پر بھی آپ لوگوں کو ساحر و جادوگر ہونے کا شبہ لاحق ہوگا۔

ارے نادان مولویو! جب خداوند قادر و قیوم نے ایک پرند کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ عمر بھر اس کا لباس میلا نہیں ہوتا تو اگر وہ مالک و مولیٰ ایک حقیقی مسلمان کو جس کا دل اس کے انوار تجلی کا گنجینہ اور جس کا دل محبت رسول کا مدینہ ہو۔ یہ کرامت عطا فرما دے کہ عمر بھر اس کے باطن کی طرح اس کا ظاہر بھی ہمیشہ صاف و شفاف ہی رہے تو اس میں تعجب یا شبے کی کون سی بات ہے؟ تم اللہ والوں کی شان کیا سمجھتے ہو؟ ارے یہ وہ لوگ ہیں جو اربابِ صفاء اور محبوبان خدا کہلاتے ہیں اور انہی پاکبازوں کے بارے میں کہنے والوں نے یہ کہا ہے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

تم لوگ سمجھ لو کہ یہ میرے مالک و مولیٰ کا مجھ پر ایک خاص فضل عظیم ہے کہ جس طرح میرا باطن کبھی گندا اور میلا نہیں ہوتا۔ اسی طرح میرا ظاہر، میرا بدن اور میرا لباس بھی کبھی گندا اور میلا نہیں ہوتا۔ نادان مولویو! کاش تمہیں یہ خبر ہوتی کہ

خدا کے پاک بندوں کی تو یہ تاثیر ہوتی ہے
کہ ان کی ٹھوکروں کی خاک بھی اکسیر ہوتی ہے

کتاب کے کیڑو! میں تمہارے بارے میں اس کے سوا اور کیا دعا کروں کہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے ۔۔۔ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو ۔۔۔ ''کتاب خواں'' ہے مگر صاحب کتاب نہیں

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے تم خشک ملاؤں کو بار بار جھنجھوڑا اور ہوشیار کیا کہ۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دل دار کن

یعنی اپنی ان منطق و فلسفہ کی کتابوں اور قال اقول کے اوراق کو آگ میں ڈال دو اور اپنے دل کے چہرے کو دل دار حقیقی اور معبود تحقیقی کی طرف متوجہ کرو!

لیکن افسوس! کہ تم کتابی ملاؤں نے کبھی اس پر دھیان نہیں دیا اور بحث و تکرار کی دلدل سے کبھی باہر نہیں نکل سکے! خیر!

اب رہا آپ لوگوں کا دوسرا سوال کہ میں جمعہ نہیں پڑھتا تو یہ بالکل صحیح ہے کہ میں جمعہ نہیں پڑھتا اور جمعہ کے دن بھی میں ظہر کی نماز پڑھتا ہوں۔ آپ لوگ عالم اور مفتی ہیں۔ للہ! آپ لوگ مجھے فتویٰ دیجئے کہ کیا مسافر پر جمعہ فرض ہے؟ یہ سن کر مولویوں نے کہا کہ جی نہیں! مسافر پر تو جمعہ فرض نہیں ہے۔ حضرت قطب المدار نے فرمایا کہ پھر آپ لوگ بتا دیجئے کہ میں جب کسی مقام پر پندرہ روز ٹھہرتا ہی نہیں تو میں ہمیشہ مسافر ہی رہتا ہوں یا نہیں؟ مولویوں نے تسلیم کر لیا کہ بیشک آپ ہمیشہ مسافر ہی رہتے ہیں اس لئے آپ پر جمعہ فرض ہی نہیں ہوتا۔

پھر حضرت قطب المدار صاحب نے فرمایا کہ اچھا اب آپ لوگ اپنے تیسرے سوال کا جواب بھی سن لیجئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو میرے اس دوہے کو سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میرا عقیدہ اور ایمان ہے کہ بیشک پروردگار عالم عادل ہے اور جو بدنصیب خدا کے عادل ہونے میں شک کرے۔ وہ میرے نزدیک کافر مرتد اور واجب القتل ہے لیکن میں جو اپنے دوہے میں کہتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن خداوند کریم بندوں کی نیکی اور بدی کے معاملے میں

اپنی شانِ عدل وانصاف کا اظہار نہیں فرمائے گا بلکہ اپنے رحم وکرم کی شان کا جلوہ دکھائے گا اور اپنے اختیارِ اعلیٰ واقتدارِ بالا سے بندوں کا فیصلہ فرما کر بندوں کو بخش دے گا اور بندوں کے کئے ہوئے گناہوں کو بے کیا ہوا قرار دے کر ان کو مٹا دے گا اور معاف فرما دے گا۔ اب تم لوگ بتاؤ؟ کہ اس میں میری کونسی غلطی ہے؟ کیا اعتراض ہے؟

ارے مولویو! تمہیں خدا کی قسم! ذرا بتاؤ تو سہی؟ کہ اگر خداوند تعالیٰ قیامت میں اس طرح انصاف فرمائے کہ اپنی نعمتوں کو ایک طرف رکھ کر اور بندوں کی نیکیوں کو ایک طرف رکھ کر ہر نعمت کے بدلے ایک نیکی طلب کرے اور جس بندے کی نیکیاں اس کی نعمتوں کے برابر ہوں اس کو تو بخش دے اور جس کی نیکیاں اس کی نعمتوں سے کم ہوں۔ اس کو نہ بخشے تو پھر مجھے بتاؤ تو سہی؟ کہ کون بندہ بخشش کے لائق نکلے گا؟ اس کی نعمتیں تو لاتعداد ولامحدود ہیں۔ اب بتاؤ کہ وہ کونسا ایسا بندہ ہے جس کی نیکیاں لاتعداد ولامحدود ہوں گی کہ وہ انصاف کے معیار پر بخشا جائے گا؟ اس لئے میں کہتا ہوں کہ خداوند عادل قیامت میں اس طرح کا انصاف نہیں فرمائے گا' بلکہ اپنے اقتدارِ مطلق اور شانِ کبریائی کا اظہار فرما کر اپنے اختیارِ اعلیٰ سے بندوں کو بخش دے گا۔

مسلمانو! یہی وہ مضمون ہے جس کو بعض بزرگوں نے یوں بھی کہا ہے کہ ''عدل کرے تو لٹیا' فضل کرے تو چھٹیا'' یعنی خداوند کریم اگر قیامت میں اس طرح کا عدل فرمائے تو سب لٹ جائیں گے اور اگر اپنا فضل فرمائے تو سب چھوٹ جائیں گے۔ بہر حال! یہ اپنا ایمان ہے کہ خداوند عادل جو کچھ بھی فیصلہ فرمائے گا وہ حقیقت میں اس کا عدل ہی عدل ہے۔ اس نے تو خود ہی قرآن میں فرما دیا ہے کہ

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ	یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

برادرانِ ملت! حضرت قطب المدار کی یہ تقریر سن کر مولویوں کے ہوش اڑ گئے اور سب دم بخود ہو کر لاجواب ہو گئے اور سب کے سب انتہائی نادم وشرمسار ہو کر لجاجت کے ساتھ معذرت کرنے لگے کہ واقعی ہم لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی۔ لہٰذا ہم لوگ اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے آپ سے معافی کے طلبگار ہیں۔ بلاشبہ آپ اللہ عزوجل کے ولی ہیں اور ہم اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ

رسائی اہل دل کی ہے جہاں تک
خرد والے نہ پہنچیں گے وہاں تک

بہر کیف! برادرانِ ملت! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مغفرت کی دوسری شرط توبہ واستغفار ہے

اور خداوند کریم ایسا ارحم الراحمین ہے کہ وہ توبہ کرنے والے بندوں کے تمام گناہوں کو مٹا کر ان کے بدلے اتنی ہی نیکیاں عطا فرما دیتا ہے۔

مسلمانو! خداوند کریم کو اپنے بندوں کی توبہ کتنی پسند ہے؟ اللہ اکبر! اس کے بارے میں ایک حدیث سن لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْلَمْ تُذْنِبُوْا لَذَھَبَ بِکُمْ وَ لَجَاءَ بِقَوْمٍ یُذْنِبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللہَ فَیَغْفِرُ لَھُمْ ۔

(مشکوٰۃ باب الاستغفار)

یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو تم لوگوں کو دنیا سے اٹھا لیتا اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم کو وجود میں لاتا جو گناہ کر کے فوراً ہی توبہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو بخشتا۔

کیوں نہ ہو کہ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ:

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ

یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضراتِ گرامی! اب میں مغفرت کی تیسری شرط بھی بیان کر کے بہت جلد آپ سے رخصت ہو جاؤں گا۔ تیسری شرط کیا ہے؟ سنئے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ" یعنی رسول بھی ان کی شفاعت اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرما دیں تو پھر مغفرت کی تینوں شرطیں پوری ہو جائیں گی اور اس کے بعد رب العزت جل جلالہٗ کا وعدہ ہے کہ "لَوَجَدُوا اللہَ تَوَّاباً رَّحِیْمًا" یعنی یہ لوگ یقیناً اللہ عزوجل کو بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تینوں شرطوں کے پائے جانے کے بعد ارحم الراحمین اپنے گناہ گار بندوں کی مغفرت بھی فرما دے گا اور ان کو اپنی رحمت کے شامیانے میں اپنی نوازشوں اور مہربانیوں سے بھی نواز دے گا۔

برادرانِ ملت! اس آیت کریمہ نے ہمیں جھنجھوڑ کر بتا دیا کہ اے مسلمان! خبردار! تو اس نکتے سے غافل مت رہنا کہ بندہ لاکھ روئے، گڑگڑائے اور توبہ واستغفار کرے مگر خدا کی قسم جب تک خدا کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مغفرت پر راضی ہو کر اس کی شفاعت اور اس کے لئے دعائے مغفرت نہیں فرمائیں گے۔ خداوند قدوس ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی مجرم کے گناہ کو معاف نہیں فرمائے گا۔ دنیا میں کسی مجرم کی خطا کو اسی وقت رحمت الٰہی معاف کرنے پر راضی ہوگی

جب اس کی مغفرت سے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر اس کی شفاعت فرمادیں گے
اور آخرت میں بھی بغیر رحمت عالم کی شفاعت کے کوئی نہیں بخشا جائے گا۔

مسلمانو! دنیا کا کون مسلمان اس کو نہیں جانتا کہ میدانِ محشر میں نیکوکار ہوں یا بدکار سبھی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کا نعرہ لگاتے ہوئے رحمتِ عالم سے شفاعت کی بھیک مانگتے نظر آئیں گے اور یہ صدا لگاتے پھریں گے کہ

خدائے قہار ہے غضب پر کھلے ہیں بدکاریوں کے دفتر
بچا لو آ کر شفیع محشر! کہ سارا عالم عذاب میں ہے!

لیکن مسلمانو! تم یقین واطمینان رکھو کہ جو صاحب ایمان ہوگا۔ اس کے لئے تو خدا کی قسم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت اور دعائے مغفرت بالکل یقینی ہے کیونکہ خداوند قدوس جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار یہ حکم عطا فرمایا ہے کہ

وَاسْتَغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ — اے محبوب! آپ تمام مومنین و مومنات کیلئے دعائے مغفرت فرماتے رہیں۔

چنانچہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مکی اور مدنی زندگی میں تمام عمر مومنین و مومنات کے لئے دعائے مغفرت فرماتے رہے اور آج بھی اپنی قبر انور میں کریمانہ عنایتوں اور رحمتوں سے اپنے غلاموں کو دعائے مغفرت کے ساتھ نوازتے ہی رہتے ہیں اور قیامت تک نوازتے ہی رہیں گے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ۔

حَيَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَمَمَاتِيْ خَيْرٌ لَّكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ اَعْمَالُكُمْ فِي الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ فَاِنْ وَجَدْتُ خَيْرًا حَمِدْتُ اللهَ وَاِنْ وَجَدْتُ سُوْءً اِسْتَغْفَرْتُ لَكُمْ۔

(صاوی ج ۲ ص ۱۶۷)

یعنی اے مومنو! میری حیات اور میری وفات دونوں تمہارے لئے بہتر ہیں۔ تمہارے اعمال صبح و شام میری قبر انور میں میرے سامنے پیش کئے جائیں گے اگر میں تمہارے اعمال کو اچھا پاؤں گا تو میں خدا کی حمد کروں گا اور اگر تمہارے اعمال کو برا پاؤں گا تو تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔

برادرانِ ملت! اس حدیث کو حضرت علامہ صاوی علیہ الرحمہ نقل کر کے فرماتے ہیں کہ۔

فَدُعَاءُ الرَّسُوْلِ حَاصِلٌ فِيْ حَيَاتِهٖ وَمَوْتِهٖ۔ — یعنی حضور کی دعائے حیات و وفات دونوں حالتوں میں امت کیلئے حاصل ہے۔

وَلَا عِبْرَةَ بِمَنْ اَضَلَّ وَزَاغَ عَنِ الْحَقِّ — اور ان لوگوں کے قول کا بالکل کوئی اعتبار نہیں جو

وَخَالَفَ فِیْ ذَالِکَ ۔ گمراہ اور حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔
(صاوی ج۲ ص ۱۶۷)

حضرات گرامی! حضرت علامہ صاوی اس عبارت میں ان نجدیوں اور وہابیوں کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں جو تو بہ نعوذ باللہ یہ خبیث عقیدہ رکھتے ہیں کہ معاذ اللہ! "حضور مر کر مٹی میں مل گئے اور ان سے ہم کو اب کوئی فائدہ نہیں۔"

لیکن الحمدللہ! کہ ہم سنیوں کا تو یہی عقیدہ ہے جس کو ہم ڈنکے کی چوٹ پر علی الاعلان بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت فخر گجراتی نے عقیدۂ اہلسنت کی اشاعت کرتے ہوئے اپنے ایک قطعہ میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے کہ

سنتا ہے؟ اے وہابی گستاخ و بے ادب ایندھن بنا ہے کس لئے نارِ جحیم کا
منکر بنا ہوا ہے "حیاۃ النبی" کا کیوں لیتا ہے کیوں وبال گناہِ عظیم کا
باطل کو چھوڑ چشم حقیقت سے کر نظر زندہ ہے بال بال رسولِ کریم کا

اس لئے اے برادرانِ ملت! یقین رکھئے کہ ہم بحمدہ تعالیٰ اہل ایمان ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے دونوں جہان میں رحمت عالم کی شفاعت اور دعائے مغفرت ہمارے سروں پر سایہ فگن اور ہماری بخشش کا سب سے بڑا سہارا ہے۔ سبحان اللہ! اعلیٰ حضرت بریلوی قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے کتنے والہانہ انداز میں اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ

مجرم بلائے آئے ہیں جَـآءُوْكَ ہے گواہ پھر رد ہو یہ شان کریموں کے در کی ہے
بد ہیں مگر انہیں کے ہیں باغی نہیں ہیں ہم "نجدی" نہ آئے اس کو یہ منزل خطر کی ہے
ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو "نجدیو" واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے حاشا۔ غلط۔ غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

بزرگو اور بھائیو! گو مختصر اور بے ربط سہی لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک حد تک اس آیت کریمہ کی توضیح و تفسیر عرض کر چکا اور میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم نے اپنے بندوں کے گناہ معاف فرمانے کی تین شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ اوّل: دربار رسول کی حاضری۔ دوم: توبہ و استغفار۔ سوم: رحمتِ عالم کی شفاعت۔ خداوند کریم توفیق بخشے کہ ہم گناہ گاران تینوں شرطوں کو پوری کر کے اپنے گناہوں کی بخشش اور اپنی مغفرت کا سامان کریں۔

وما علینا الا البلاغ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین ۔

تیئیسواں وعظ

دربارِ نبوت کا ادب

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْعِزَّۃِ وَالْکِبْرِیَاءِ وَالْجَلَالِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ الْھَادِیْ مِنَ الضَّلَالِ وَعَلٰی اَصْحَابِہِ الْمُکَرَّمِیْنَ الْمُعَظَّمِیْنَ وَعَلَی الْاٰلِ صَلَاۃً تَنْجُوْبِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاٰفَاتِ وَالْاَھْوَالِ

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْعَظِیْمِ ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔

(حجرات)

حضرات گرامی! خدا کے پیارے' دونوں عالم کے سہارے' ہمارے اور تمہارے تاجدار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کا دربار ہے۔ اس لئے پہلے ان کی مقدس سرکار میں درود وسلام کے گوہر آبدار نثار کر لیجئے۔ پھر مجھ گناہگار کی زبان سے ان کی مدح وثناء کے کچھ کلمات پر انوار سنئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔

نعت شریف

خوشا وہ باغ مہکتی ہو جس میں بو تیری | خوشا وہ دشت کہ ہو جس میں جستجو تیری
رہین صحن گلستاں نہیں دل افزائی | شمیم لطف دل افزا ہے کو بکو تیری

ہوائے دشت ختن نافہ زار عالم ہے　　　کبھی کھلی تھی ادھر زلف مشک بو تیری
فرشتہ اجل آئے پری کے قالب میں　　　بوقت مرگ جو صورت ہو روبرو تیری

خیال لطف سے حسرت ہے باغ رضواں میں
سنا ہے جب سے کہ لطف و کرم ہے خو تیری

برادرانِ ملت! سورۂ حجرات کی اس آیت کریمہ کو خلاقِ عالم نے میرے آقا و مولیٰ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ نبوت کا ادب و احترام سکھانے کے لئے نازل فرمایا ہے اور حضرت حق جل مجدہٗ نے اس آیت میں اہل ایمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم لوگ اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی خیر چاہتے ہو تو تمہارے لئے لازم و ضروری ہے کہ تم اپنی زندگی کی ہر سانس میں ہر دم اور ہر قدم پر یہ دھیان رکھو کہ ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی کبھی تم سے دربارِ نبوت کی بے ادبی یا ادب میں کمی نہ ہونے پائے' ورنہ یاد رکھو کہ قہر الٰہی کی بجلیاں تمہارے خرمن ایمان و عمل کو جلا کر راکھ کا ڈھیر کر ڈالیں گی اور تمہاری عمر بھر کی نیکیوں اور اعمالِ صالحہ کی قیمتی پونجی دم زدن میں غارت و اکارت ہو جائے گی اور تم قہر قہار و غضبِ جبار میں گرفتار ہو کر عذابِ نار کے سزاوار ہو جاؤ گے کیونکہ رحمتِ عالم کو ایذا دینے والے اور قلب نازک کو صدمہ پہنچانے والے کا دونوں جہاں میں کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ دربارِ رسول کے گستاخ و بے ادب کو خداوند ذوالجلال کی قہاری و جباری کبھی معاف نہیں فرماتی اور خداوند قہار و جبار ایسے نانہجار کو یقیناً عذاب دارین میں گرفتار فرما دیتا ہے اور اس پر ایسی خالق کی مار اور خلق کی پھٹکار پڑ جاتی ہے کہ وہ دونوں جہان میں ذلیل و خوار ہو کر ہلاک و برباد ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید گواہ ہے کہ جس طرح تمام انبیاء سابقین کی بے ادبی کرنے والوں کو قہر الٰہی کی بجلیوں نے سوخت کر کے ان کے وجود کی تمام نشانیوں کو نیست و نابود اور ان کی بستیوں کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عظمت میں بے ادبی و گستاخی کرنے والوں کو ضرور ضرور قہر خداوندی اپنی رحمتوں سے دور اور اپنی لعنتوں کے جہنم میں ملعون و مقہور کر دے گا۔ مسلمانو! کیا تم نے رحمتِ عالم کا دل دکھانے والوں کے خلاف خداوند قہار و جبار کے غضب و جلال کا قاہرانہ تیور نہیں دیکھا۔ سن لو! خداوند جلال و جبروت اور مالک ملک و ملکوت کا یہ لرزہ خیز و زلزلہ انگیز فرمان ہے کہ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (احزاب)

یعنی جو لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں ملعون کر دیا ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مسلمانو! اس آیت نے اعلانِ عام کر دیا کہ بارگاہِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادبوں کو خدا کا قہر و جلال دنیا و آخرت میں ملعون کر دے گا اور وہ دونوں جہان میں خداوند قدوس کی رحمتوں سے دور اور قہر خداوندی کے عذابوں سے مردود و مقہور ہو کر شقاوت و بدنصیبی کی ایسی کالی بھنور میں ان کا سفینۂ نجات غرقاب ہو جائے گا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں بچا سکے گی اور اس کا کہیں کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ جس سے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصطفائی روٹھ گئی۔ خدا کی قسم! اس سے خدا کی خدائی روٹھ گئی اور جس سے خدا کی خدائی روٹھ گئی۔ بھلا اس کو دونوں جہان میں کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ مسلمانو! گوشِ ہوش کے ساتھ سن لو کہ مصطفیٰ پیارے کی نگاہِ کرم درحقیقت فضل رحمانی کا دریائے رحمت ہے اور مصطفیٰ پیارے کے غضب کا تیور غضب ربانی کی وہ خوفناک بھڑکتی ہوئی آگ ہے جس سے آتش جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ اللہ اکبر! بخدا! بالکل سچ فرمایا: ہمارے دادا مرشد اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہ

نہیں وہ میٹھی نگاہ والا ' خدا کی رحمت ہے جلوہ فرما
غضب سے ان کے خدا بچائے 'جلالِ باری عتاب میں ہے

الغرض! برادرانِ اسلام! دربارِ رسول کی ادنیٰ سی گستاخی و بے ادبی تو بڑی بات ہے۔ یہ تو وہ نازک دربار ہے کہ یہاں ذرا سی ادب کی کمی بھی مسلمان کی دولتِ ایمان و عمل کو دونوں جہاں میں برباد کر دیتی ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی آسماں کے نیچے ایک ایسا بھی ادب کا مقام ہے جو عرش سے بھی زیادہ نازک ہے ہم اور تم کس شمار و قطار میں ہیں؟ حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایزید بسطامی جیسے آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب بھی جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو زور سے بولنا تو کجا! سانس بھی روک لیتے ہیں کہ یہاں زور سے سانس لینا بھی سوءِ ادب ہے۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ نے بھی دربارِ نبوت کا یہ ادب بتایا ہے کہ۔

اے پائے نظر! ہوش میں آ' کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز نے بھی اسی مضمون کو اپنے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے کہ

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا　ارے سر کا موقع ہے او جانے والے۔

بہر کیف! دربارِ نبوت کا ادب ایمان کی جان اور اس دربار میں ادنیٰ سی ادب کی کمی آفت ایمان ہے۔ چنانچہ یہی وہ مضمون ہے جس کو سورۂ حجرات کی اس آیت کریمہ میں حضرت حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔

یعنی اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو اور تم ان کے حضور میں اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بہ آوازِ بلند بات چیت کرتے ہو ورنہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہیں ہوگی۔

اللہ! اللہ! کیا ادب ہے دربارِ رسول کا؟ اور کیسا باعظمت و باوقار دربار ہے احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا؟ کہ صحابہ کرام جیسے پیکر ایمان و عمل مسلمان جن کے اعمال صالحہ سے بڑھ کر قیامت تک کسی مسلمان کے اعمال نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے یہ خداوندی فرمان ہے کہ اے صحابہ! تم اگرچہ تمام امت میں سب سے افضل واعلیٰ ہو۔ تمہارے لئے قرآن میں ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کی بشارت ہے۔ تمہیں ''كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' کی سند مل چکی ہے اور جنت تمہارے قدموں کی مشتاق ہے مگر اس کے باوجود ہر دم ہر قدم پر تم ہوشیار و خبردار رہنا کہ اگر تم سے دربارِ نبوت میں اتنی بھی ادب کی کمی ہوگئی کہ تم ایک مرتبہ رسول کے سامنے بلند آواز سے کوئی ایک بات بول دو گے اگرچہ وہ اچھی ہی بات کیوں نہ ہو مگر صرف آواز بلند کر دینے کی وجہ سے تم اس قدر قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار ہو جاؤ گے کہ تمہاری عمر بھر کی نیکیاں غارت واکارت اور تمام زندگی کے اعمال صالحہ رائیگاں اور برباد ہو جائیں گے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہوگی۔

شانِ نزول

حضرات گرامی! اس میں شک نہیں کہ یوں تو اس آیت کے مخاطب قیامت تک آنے والے سبھی مسلمان ہیں مگر سب سے پہلے جو لوگ اس خطابِ الٰہی سے سرفراز ہوئے وہ صحابہ کرام ہی کا مقدس گروہ ہے، چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس صحابی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کو ثقل سماعت کا عارضہ تھا اور وہ کچھ اونچا سنتے تھے اور اونچا سننے

والوں کے بارے میں یہ تجربہ ہے کہ وہ اپنے ہی جیسا سب کو سمجھتے ہیں' اس لئے یہ لوگ عموماً بلند آواز سے گفتگو کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اپنی عادت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جب کچھ عرض کرتے تو نہایت بلند آواز سے چلا چلا کر بات کرتے تھے۔ رحمتِ عالم نے تو ان پر کبھی اظہارِ ناراضگی نہیں فرمایا مگر خلاقِ دو عالم کو حضرت ثابت بن قیس کا دربارِ نبوت میں یہ اندازِ گفتگو پسند نہیں آیا۔ چنانچہ حضرت حق جل جلالہ نے ان پر اظہارِ غضب فرماتے ہوئے مومنین کو دربارِ نبوت کا ادب سکھانے کے لئے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔

حضرات! جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس اس عتابِ خداوندی کو سن کر لرزہ براندام ہو گئے اور خوف و خشیتِ ربانی سے ان کا ہوش اڑ گیا۔ چنانچہ یہ ایک جگہ راستے میں بیٹھ کر انتہائی رنج و ملال میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اتفاقاً حضرت عاصم بن عدی صحابی کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ ثابت بن قیس! کیا بات ہے؟ کہ تم اس قدر رنج و ملال سے نڈھال ہو کر زار و قطار رو رہے ہو؟ حضرت ثابت نے روتے ہوئے جواب دیا کہ اے عاصم! کیا تمہیں نہیں معلوم ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ'' کی آیت نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کے بارے میں میرا گمان یہی ہے کہ یقیناً یہ آیت میرے ہی بارے میں اتری ہے کیونکہ دربارِ نبوت میں مجھ سے زیادہ بلند آواز سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہ سوچ سوچ کر رو رہا ہوں کہ میری تمام اعمالِ صالحہ کی دولت برباد ہو گئی اور میں جہنمی ہو گیا۔ یہ سن کر حضرت عاصم تو دربارِ نبوت میں حاضری دینے کے لئے چلے گئے اور حضرت ثابت بن قیس اپنی بیوی جمیلہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے میری رفیقۂ حیات! مجھ پر ایک بہت بڑی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے کہ میرے بارے میں عتابِ الٰہی کی آیت نازل ہو گئی ہے۔ لہٰذا تم مجھے ایک کوٹھڑی میں بند کر دو تاکہ میں تنہائی میں خوب رو رو کر توبہ و استغفار کروں۔ شاید رحمۃ للعالمین کو میرے اس حال پر رحم آ جائے تو مجھے امید ہے کہ ارحم الراحمین بھی مجھے بخش دے گا' چنانچہ آپ ایک بند کوٹھڑی میں انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ و زاری میں مشغول ہو گئے۔ ادھر حضرت عاصم بن عدی نے رحمتِ عالم کے دربار میں پہنچ کر ثابت بن قیس کا حالِ زار عرض کر دیا۔

اللہ اکبر! رحمتِ عالم کا دل رحمت کا سمندر تھا' جب اپنے ایک مخلص و جاں نثار صحابی ثابت بن قیس کی گریہ و زاری کا حال سنا تو قلبِ انور میں رحم و کرم کا دریا جوش مارنے لگا اور آپ نے حکم دیا کہ تم فوراً ثابت بن قیس کو بلا کر لاؤ۔ چنانچہ حضرت عاصم جلدی جلدی چل کر حضرت ثابت بن قیس کے مکان پر پہنچے تو کیا دیکھا کہ وہ ایک کوٹھڑی میں بند ہو کر رو رہے ہیں اور ان کا سارا گھر ماتم کدہ بنا ہوا

ہے۔ آپ نے پکارا کہ اے ثابت بن قیس جلدی چلو! رحمتِ عالم نے تمہیں یاد فرمایا ہے۔ یہ سن کر حضرت ثابت بن قیس انتہائی بے تابانہ انداز میں کوٹھڑی سے نکلے اور روتے ہوئے بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم مجھ سے زیادہ حضور کے دربار میں بلند آواز سے گفتگو کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے میرا گمان ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اس تصور سے میرے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں رنج و غم کا ایک ایسا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا ہے کہ میرے بدن کا ایک ایک بال خدا کے غضب و جلال سے کانپ رہا ہے۔ ثابت بن قیس کا یہ حال زار دیکھ کر رحمتِ عالم کو ان پر پیار آ گیا۔ چنانچہ آپ نے ان کو تسلی دی کہ تم اطمینان رکھو۔ تمہارا عمل غارت نہیں ہوا۔

تین بشارتیں

پھر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَّتُقْتَلَ شَهِيْدًا وَّتَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی اے ثابت بن قیس! میں تم کو تین بشارتیں دیتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ تمہاری پوری زندگی نہایت قابل تعریف گزرے گی۔ دوسری یہ کہ تم کو شہادت نصیب ہوگی۔ تیسری یہ کہ تم جنتی ہو۔ حضرت ثابت بن قیس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شاہانہ بشارتیں سن کر فرطِ مسرت سے وجد میں آ گئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم اب آج سے میں یہ عہد کرتا ہوں کہ کبھی بھی زندگی بھر آپ کے دربار میں بہ آواز بلند کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس وقت فوراً ہی یہ آیت نازل ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ

یعنی بیشک جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کے حضور اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کیلئے پرکھ لیا ہے ان کیلئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ (صاوی ج ۴ ص ۱۰۸)

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ حضرت ثابت بن قیس ایک جلیل القدر صحابی ہیں مگر ان سے صرف اتنی چوک ہوگئی کہ وہ دربارِ نبوت میں زور سے بول پڑے تو عتابِ خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور جب تک پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر پیار نہیں آیا۔ رحمتِ خداوندی نے بھی ان پر رحم نہیں فرمایا اور جیسے ہی رحمتِ عالم نے ان سے خوش ہو کر انہیں اپنی کریمانہ

بشارتوں سے نواز دیا۔ رحمت الٰہی نے بھی انہیں اپنے رضوان وغفران کے شامیانہء کرامت میں پناہ دے کر اجر عظیم کی دولتوں سے مالا مال کر دیا۔

مسلمانو! سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضرت ثابت بن قیس کی خوش نصیبی پر ہزاروں نعمتیں قربان۔ دربارِ رسول سے انہیں کتنی بڑی بڑی تین بشارتیں مل گئیں۔ اللہ اکبر! قابل تعریف زندگی۔ پھر شہادت۔ پھر جنت۔ مسلمانو! بتاؤ؟ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہوگی کہ جو کسی مسلمان کو مل سکتی ہے؟ اللہ اکبر! محبوبِ خدا کے کرمِ سلطانی نے اپنے در کے ایک گداگر کو خوش نصیبی کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ بنا دیا۔ سچ ہے کہ

جس سے تم روٹھو وہ برگشتہ دنیا ہو جائے
جس کو تم چاہو وہ قطرہ ہو تو دریا ہو جائے

مختارِ دوعالم

مسلمانو! اس حدیث سے دو باتیں اس قدر واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں کہ جس طرح سورج کی روشنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ان دونوں باتوں کا انکار بھی ناممکن ہے۔ ایک رسول کا باذن اللہ مختارِ دوعالم ہونا۔ دوسرے رسول کا غیب دان ہونا۔ خداوند عالم نے آپ کو مختارِ دوعالم بنا کر یہ اختیار و اقتدار عطا فرما دیا ہے کہ جس کو چاہیں اچھی زندگی، نعمت شہادت اور باغ جنت عطا فرما دیں۔

مسلمانو! کہاں ہیں وہ بدنصیب وہابی جو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ! یوں کہا کرتے ہیں کہ "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" (تقویۃ الایمان)

مسلمانو! ان ظالموں سے پوچھو کہ جو کسی چیز کا مختار نہیں ہوگا۔ وہ کسی کو جنت کس طرح بخش دے گا۔

بہرکیف! برادرانِ ملت! ان گمراہوں سے مجھے اور تمہیں کیا مطلب؟ مجھے تو تم صاحبانِ ایمان مسلمانوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ تم لوگ اس حدیث پر ایمان رکھتے ہوئے یہی عقیدہ رکھو کہ۔

درِ رسول سے اے راز کیا نہیں ملتا
کوئی پلٹ کے نہ خالی گیا مدینے سے

اور اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہ العزیز کی طرح علی الاعلان سارے جہان کو یہ کلمہء حق سناتے رہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا ڈنکا بجاتے رہو کہ

"لا وربِ العرش" جس کو جو ملا ان سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کیف و مستی میں جھوم جھوم کر یہ صدا لگاتے رہو کہ

ہم گدائے در محمد ﷺ ہیں
ہم کو سب کچھ یہیں سے ملتا ہے'

علم غیب رسول

حضرات دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلاشبہ یقیناً پروردگارِ عالم کی عطا سے علم غیب حاصل تھا ورنہ مسلمانو! تمہیں بتاؤ؟ کہ کس کی زندگی کیسی گزرے گی؟ اور کس کی موت کیسی ہوگی؟ اور کون کون جنتی ہے؟ ان چیزوں کا علم اگر علم غیب نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟ دیکھ لو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی پوری زندگی کا حال بتا دیا کہ وہ بہترین گزرے گی۔ پھر ان کی موت کے متعلق بھی یہ اعلان فرما دیا کہ وہ شہادت سے سرفراز ہوں گے۔ پھر یہ بھی بتا دیا کہ وہ جنتی ہیں!

چنانچہ عزیزانِ ملت! تاریخ کی روشنی میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تینوں بشارتیں خدا کی قسم حرف بحرف پوری ہوئیں اور کیوں نہ ہو کہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہ ٹل سکتا ہے' نہ بدل سکتا ہے' اللہ اکبر! یہ محبوبِ خدا کی زبان کا فرمان ہے۔ کون زبان؟

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

سبحان اللہ! مسلمانو! میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار و اقتدار اور ان کے خداداد تصرفات کا کیا کہنا؟

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا — جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی
خدا نے ان کی زباں کو وہ اقتدار دیا — جو بات نکلی زباں سے وہ بات ہو کے رہی

چنانچہ قیامت تک کے لئے میرے آقا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی غیب کی خبریں دی ہیں۔ ان میں سے ہزاروں' لاکھوں عالم ظہور میں آ چکی ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی خدا کی قسم! ضرور ظاہر ہو کر رہیں گی۔ کیونکہ

ہزار فلسفیوں کی چنان چنیں بدلی
نبی کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

ثابت بن قیس کی زندگی

اچھا اب یہ بھی سن لیجئے کہ یہ تینوں بشارتیں کس طرح ظاہر ہوئیں؟

حضرت ثابت قیس کی قابل تعریف زندگی تو ایسی شاندار ہوئی کہ آخری دم تک ایمان کامل اور اعمالِ صالحہ کی دولت سے مالا مال رہے اور تندرستی وسلامتی اور امن وامان کی نعمتوں سے سرفراز رہے اوران کے اعزاز واکرام کا تو یہ عالم رہا۔ کہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب حضرت ثابت بن قیس کو دیکھتے تھے تو یہی کہا کرتے تھے کہ یہ ایک جنتی مسلمان ہے جو زمین پر چل پھر رہا ہے۔ اللہ اکبر! صحابہ جس کو جنتی کے لقب سے یاد کریں' اس کے اعزاز واکرام کا کیا کہنا؟ اوراس کی حیاتِ طیبہ اور قابل تعریف زندگی کی نرالی شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ مسلمانو! یہ ہے۔ پہلی بشارتِ رسول کا جلوہ!

ثابت بن قیس کی شہادت

اب آپ کی شہادت کا واقعہ بھی سن لیجئے' جنگِ یمامہ کے دن جب حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مقدس فوج کے مجاہدین اسلام ''مسیلمۃ الکذاب'' سے جہاد فرمارہے تھے تو حضرت ثابت بن قیس بھی اس نبوت کا دعویٰ کرنے والے کذاب خبیث سے لڑنے کے لئے مجاہدین اسلام کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسیلمۃ الکذاب کا شیطانی لشکر تعداد میں زیادہ تھا جب اس خبیث کے شدید حملوں کے دباؤ سے اسلامی فوج کے نوجوان کچھ پیچھے ہٹنے لگے تو حضرت ثابت بن قیس اپنے اسلامی جوش اور ایمانی جذبات سے بے خود ہو گئے اور اپنی بلند آواز سے اسلامی لشکر کے مجاہدین کو للکارا کہ اے مسلم نوجوانو! ہم لوگ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے کفار سے جہاد کرتے تھے تو ہمارا کوئی قدم بھی کبھی پیچھے نہیں ہٹتا تھا مگر مجھے تم مسلمان نوجوانوں پر حیرت اور افسوس ہے کہ تم لوگ جہاد میں اس طرح پسپا ہو رہے ہو؟ آخر تمہاری غیرتِ ایمانی کے گرم گرم خون کی حرارت کہاں چلی گئی؟ یہ فرمایا اور خود سب سے آگے بڑھ کر دشمنانِ اسلام پر انتہائی جاں بازی کے ساتھ حملہ کرنے لگے' چنانچہ اس بوڑھے جاں باز مجاہد کی پکار اور مجاہدانہ للکار سے اسلامی لشکر کے نوجوانوں میں جان پڑ گئی اور ایک دم اسلامی لشکر فاتحانہ انداز میں آگے بڑھنے لگا اور دم زدن میں مسیلمۃ الکذاب کے شیطانی گروہ کو کچل کر تہس نہس کر دیا اور اسی مجاہدانہ حملے میں کفار سے لڑتے ہوئے آپ نے جامِ شہادت نوش فرمایا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ''وَتُقْتَلُ شَهِيْدًا'' پوری ہو گئی۔

ثابت بن قیس کی کرامت

برادرانِ ملت! بات آ گئی ہے تو ایک بات اور بھی سن لیجئے۔

روایت ہے کہ شہادت کے بعد حضرت ثابت بن قیس کی ایک ایسی بے مثال کرامت ظاہر ہوئی جو بڑے بڑے منکروں کے لئے بھی ہدایت کا ایک چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ شہادت کے بعد ایک صحابی سے خواب میں آپ نے یہ فرمایا کہ اے مجاہد اسلام! تم امیر لشکر حضرت خالد بن ولید سے میرا پیغام کہہ دو کہ میں جس وقت شہید ہوا تو میرے بدن پر ایک لوہے کی زرہ تھی جس کو ایک سپاہی نے میرے بدن سے اتار لیا ہے اور اپنا گھوڑا باندھنے کی جگہ اس کو رکھ کر اس پر ایک ہانڈی اوندھی کر کے اس کو چھپا رکھا ہے لہٰذا امیر لشکر میری اس زرہ کو برآمد کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیں اور تم مدینہ منورہ پہنچ کر خلیفہ رسول حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی میرا یہ پیغام عرض کر دینا کہ مجھ پر جو قرض ہے وہ ادا کر دیں اور میرا فلاں غلام آزاد ہے۔ چنانچہ ان صحابی نے حضرت خالد بن ولید امیر لشکر کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے فوراً تلاشی لی اور واقعی ٹھیک اسی جگہ سے زرہ برآمد ہوئی جس جگہ کا خواب میں آپ نے نشان بتایا تھا اور جب امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ خواب سنایا گیا تو آپ نے حضرت ثابت بن قیس کی وصیت کو نافذ کرتے ہوئے ان کے غلام کو آزاد قرار دیا اور ان کا سارا قرض ادا کر دیا۔

مسلمانو! مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ حضرت ثابت بن قیس کی وہ خصوصیت ہے جو کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی کیونکہ کوئی شخص بھی ایسا میرے علم میں نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اس کی وصیت کو نافذ کیا گیا ہو۔ (صاوی ج۴ ص۱۰۸)

برادران ملت! بہر کیف اب میں پھر آپ کی توجہ آیت کریمہ کی شانِ نزول کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آپ غور فرمائیں کہ حضرت ثابت بن قیس ایک جلیل القدر صحابی نے دربار نبوت میں آواز بلند کر دی تو ان پر عتابِ خداوندی اتر پڑا اور قرآن کی یہ آیت نازل ہوگئی جس سے قیامت تک کے لئے ہر مسلمان پر حرام کر دیا گیا کہ وہ دربار رسالت میں آواز بلند کرے۔

چنانچہ مسلمانو! دربار رسالت کا یہ ادب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات تک ہی محدود نہیں بلکہ آج بھی۔ قیامت تک کیلئے یہی حکم ہے کہ مسجد نبوی کے اندر قبر انور کے پاس آواز بلند کرنا قطعاً ممنوع اور سخت حرام ہے چنانچہ روضہ اطہر کی دیواروں پر جابجا آج بھی یہ آیت کریمہ تحریر کی ہوئی ہے تا کہ کوئی شخص اس مقام پر بلند آواز سے نہ بولے۔

امام مالک اور ہارون رشید

چنانچہ مجھے اس وقت خلیفہ بغداد ہارون رشید کا ایک واقعہ یاد آ گیا جو بڑا ہی عبرت آموز

اور رقت انگیز ہے۔

ہارون رشید جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو حضرت امام مالک کو اپنے ساتھ لے کر روضہ انور کے حضور حاضر ہوا مگر اپنی بادشاہی کے گھمنڈ میں اپنی عادت کے مطابق مواجہہ اقدس میں بلند آواز سے گفتگو کرنے لگا۔ حضرت امام مالک اس کی اس حرکت سے انتہائی غضب ناک ہو گئے اور بادشاہ کو ڈانٹ کر فرمایا کہ امیر المومنین! یہ دربارِ رسول ہے یہاں بہت ہی آہستہ اور مودبانہ انداز میں گفتگو کیجئے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رب العزت جل جلالہٗ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا ادب سکھاتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔

یعنی اے ایمان والو! تم اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو اور ان کے حضور بلند آواز سے گفتگو نہ کرو جس طرح کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے بلند آواز کے ساتھ بات چیت کرتے ہو ورنہ یہ خطرہ ہے کہ خداوند ذوالجلال تمہارے اعمال کو غارت واکارت فرمادے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

مسلمانو! ہارون رشید بادشاہ حضرت امام مالک کا یہ حقانی کلام سن کر سہم گیا اور آپ کی عالمانہ جلالت سے لرزہ براندام ہو گیا اور تھوڑی دیر کے لئے بالکل خاموش ہو گیا۔ پھر نہایت ادب کے ساتھ انتہائی پست آواز سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ اے امام مالک! میں دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنا سلام عرض کر چکا۔ اب مجھ کو اپنے پروردگار سے دعا مانگنی ہے تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟ یا اپنا چہرہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف کئے ہوئے خدا سے دعا مانگوں؟

حضرات! ہارون رشید بادشاہ کو اس سوال کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ دربارِ رسول میں سلام عرض کرنے کا مقام ایسی جگہ پر ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کیا جائے تو کعبہ مکرمہ کو پیٹھ ہو جاتی ہے اور اگر کعبہ مکرمہ کی طرف رخ کیا جائے تو روضہ مطہرہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہے جب ہارون رشید نے یہ مسئلہ پوچھا تو حضرت امام مالک نے برجستہ جواب دیا کہ "كَيْفَ تُوَلِّيْ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيْلَتُكَ وَوَسِيْلَةُ اَبِيْكَ اٰدَمَ" یعنی اے امیر المومنین! بوقتِ دعا آپ کس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا چہرہ پھیریں گے؟ جبکہ حضور صرف آپ ہی کا نہیں بلکہ آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں اسلئے آپ حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم ہی کی طرف منہ کر کے خدا سے دعا مانگئے اور ان کو خداوند ذوالجلال کی بارگاہِ کبریائی میں اپنا شفیع بنائیے تو امید ہے کہ پروردگارِ عالم آپ کی دعاؤں کو قبول فرمالے گا' اے امیر المومنین! کیا آپ کو خداوند عزوجل کا یہ فرمان یاد نہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

یعنی اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں تو (اے محبوب) وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں پھر خدا سے توبہ و استغفار کریں اور رسول بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرمادیں تو یہ لوگ اللہ عزوجل کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا پائیں گے۔

چنانچہ حضرت امام مالک کی ہدایت کے مطابق ہارون رشید بادشاہ روضہ انور کی طرف رخ کرتے ہوئے دیر تک خدا سے دعائیں مانگتا رہا اور حضرت امام مالک اس کے پہلو میں کھڑے رہے۔ (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳۷۶)

برادرانِ اسلام! سبحان اللہ! حضرت امام مالک کے حسن ادب اور ان کے ایمان و عرفان کے قدموں پر ہماری جان قربان۔ انہوں نے قیامت تک کے لئے یہ مسئلہ حل کر دیا کہ روضہ منورہ کے سامنے پشت کر کے ہرگز ہرگز کبھی دعا نہیں مانگنی چاہئے' بلکہ اس مقام پر خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے وقت بھی چہرہ کا رخ رحمتِ عالم ہی کے روبرو رہنا چاہئے۔

چنانچہ حضرت گرامی! یہ میرا چشم دید مشاہدہ ہے کہ ۱۹۵۹ء میں جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ گناہ گار کو اپنے رحمت والے دربار میں باریاب فرمایا تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مصری' یمنی' شامی' الجزائری' افغانی' ترکی بلکہ تمام دنیا کے اہل اسلام علماء اور عوام سب روضہ اقدس ہی کی طرف منہ کر کے سلام پڑھنے کے بعد دعائیں مانگتے ہیں' ہاں! صرف بے ادب نجدیوں اور ہندوستان کے چند کھوسٹ وہابیوں کو میں نے دیکھا کہ یہ بے حیاء اور بے ادب لوگ خود بھی روضہ منورہ کی طرف پیٹھ کر کے دعائیں مانگا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتے رہتے تھے اور نجدیوں کی خباثت اور بے ادبی کا تو میں نے یہ شرمناک منظر دیکھا کہ وہ روضہ اطہر سے اپنی پشت لگائے کھڑے رہتے تھے۔ توبہ۔ توبہ۔ نعوذ باللہ منہ۔

اللہ اکبر! اہل ایمان تو اس مقام ادب پر پہنچ کر یہ اعلان کرتے ہیں کہ

اے پائے نظر! ہوش میں آ' کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

اور بارگاہِ نبوت کے گستاخ و بے ادب نجدی کا یہ حال ہے کہ وہ روضہ اقدس سے اپنی پشت رگڑتا رہتا ہے۔ ہم ان ظالموں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ ان بارگاہِ نبوت کے بے ادبوں کا خرمن ایمان قہر الٰہی کی بجلیوں سے سوخت ہو کر بھسم ہو چکا ہے۔ لہٰذا ان لوگوں سے کچھ کہنا بھی بالکل بیکار ہے۔

بہر حال! میں دربارِ نبوت کا ذکر کر رہا تھا کہ اس مقدس جناب میں ذرا سی ادب کی کمی کا شائبہ بھی خداوند قدوس کو گوارا نہیں ہے۔ ماوشما تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ صحابہ کرام کی بھی اگر کسی حرکت سے رحمتِ عالم کے قلب مبارک کو ذرا سی بھی ٹھیس لگ گئی تو عتابِ خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ جب تک رحمتِ عالم کو خوش کر کے اپنے جرم سے تائب نہیں ہوئے رحمت خداوندی نے ان پر رحم نہیں فرمایا

آیتِ حجاب

حضرات! مجھے اس وقت حضرت اُمُّ المومنین حضرت بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ یاد آ گیا' جب سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا تو دعوتِ ولیمہ فرمائی۔ سب صحابہ تو کھانا کھا کر چلے گئے مگر ایک جماعت بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ رحمتِ عالم بار بار کبھی مکان سے باہر جاتے کبھی مکان کے اندر تشریف لاتے۔ اخلاق نبوت کی وجہ سے آپ یہ فرما نہیں سکتے تھے کہ تم لوگ چلے جاؤ اور یہ حضرات باتوں میں اس قدر مشغول تھے کہ انہیں اس کا احساس نہیں ہوا کہ ہمارا اتنی دیر تک بیٹھنا سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزر رہا ہے۔ صحابہ کی اس نادانستہ حرکت سے قلب مبارک کو کچھ ایذا پہنچی۔ تو ان لوگوں پر عتاب فرمانے کے لئے حضرت حق جل مجدہٗ نے سورہ احزاب کی یہ آیتیں نازل فرما دیں کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۔	اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں اس وقت تک قدم نہ رکھو جب تک اذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کیلئے بلائے جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو۔
وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ	لیکن جب تم بلائے جاؤ تو حاضر ہو جاؤ اور جب تم کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ' نہ یہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاتے رہو
اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ	بیشک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی اور وہ تم لوگوں سے حیا فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ حق بات کے فرما

مِنَ الْحَقِّ ۔ دینے میں نہیں شرماتا۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اور جب تم لوگ نبی کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔

ذَالکم اطهر لقلوبکم وقلوبهن ۔ اس میں تمہارے اوران کے دلوں کی زیادہ ستھرائی ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۔ اورتم لوگوں کیلئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دواور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد کبھی بھی انکی بیویوں سے نکاح کرو۔ بیشک یہ اللہ عزوجل کے نزدیک بہت ہی سخت بات ہے۔(احزاب)

برادرانِ اسلام! دیکھ لیجئے کہ کس طرح خداوندقدوس نے قاہرانہ عتاب کے ساتھ ڈانٹ دیا کہ خبردار تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ تمہارے کسی فعل سے نبی کوایذا پہنچےاور صاف صاف فرمادیا کہ تمہارے تمام وہ افعال جن سے نبی کوایذا پہنچےخدا کے نزدیک بہت ہی بڑے گناہ کے کام ہیں۔ لہٰذا خبردار! خبردار! تم سے کبھی کوئی ایسی حرکت نہ صادر ہوجائے جس سے نبی کے قلب نازک پر کوئی صدمہ گزرے ورنہ تم سخت گناہ گار ہوکر قہر قہار وغضب جبار میں گرفتار ہوجاؤ گے۔

بنی تمیم کے اعراب

اسی طرح قبیلہء بنوتمیم کے کچھ لوگ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ اتفاق سے اس وقت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کے کسی حجرہ میں قیلولہ فرمارہے تھے۔ یہ دیہاتی لوگ جوآدابِ نبوت سے قطعاً ناآشنا تھے۔ ایک دن مسجد نبوی میں کھڑے ہوکر پکارنے لگے کہ اُخْرُجْ اِلَيْنَا فَاِنَّ مَدْحَنَا زَيْنٌ وَذَمَّنَا شَيْنٌ ۔ یعنی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ گھر میں سے نکل کر ہم لوگوں کے پاس تشریف لائیے کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں کہ جس کی مدح کردیں۔ وہ مزین ہوجاتا ہےاور ہم لوگ جس کی مذمت کردیں وہ عیب سے داغدار ہوجاتا ہے۔

ان اعرابیوں کی یہ حرکت اورانداز گفتگو رحمت عالم کے قلب نازک پر گراں گزرا تو فوراً ہی سورہ حجرات کی یہ آیت نازل ہوگئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ یعنی اے محبوب! بیشک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔	اور اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کیلئے بہتر تھا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا مہربان ہے!

برادرانِ ملت اللہ! قرآن کی ان چمکتی ہوئی آیتوں کے نور سے ہدایت حاصل کیجئے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب ادنیٰ سی ادب کی کمی مومن کے اعمالِ صالحہ کو غارت و برباد کر دیتی ہے تو بھلا اس مقدس جناب میں گستاخیاں کرنے والے بدنصیب وہابیوں کا کیا حال ہوگا؟ جو اپنی زبان و قلم سے شانِ رسالت میں قسم قسم کی بے ادبیاں کرتے رہتے ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ۔

مسلمانو! خدا کی قسم! میں خدا کو گواہ کر کے علی الاعلان کہتا ہوں کہ بارگاہِ رسول میں گستاخی و بے ادبی کرنے والا پانچ وقت تو کیا؟ اگر پچاس وقت کی بھی نماز پڑھے اور زندگی بھر صائم الدہر اور قائم اللیل رہے مگر ہرگز ہرگز وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یقیناً وہ قہر قہار و غضب جبار کا سزاوار ہو کر مستحق عذابِ نار ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی وہ ذلیل و خوار اور ہر جگہ خدا کی لعنتوں کی مار اور مخلوق کی پھٹکار میں گرفتار ہوگا۔

مسلمانو! کاش تم جانتے کہ بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کو خدا کی قہاری نے کیسی کیسی عبرت ناک سزا دی ہے؟ واللہ میں ان سزاؤں کا تصور کرتا ہوں تو میرے جسم کا ایک ایک رونگٹا خوف سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

قبر نے ٹھکرا دیا

حضرات! مجھے اس وقت بارگاہِ نبوت کے ایک گستاخ کا واقعہ یاد آ گیا جس کو امام بخاری نے بابِ علامات النبوۃ میں نقل فرمایا ہے کہ ایک نصرانی مشرف بہ اسلام ہوا اور سورہ بقرہ و سورۂ آلِ عمران کا حافظ بھی ہو گیا اور بارگاہِ نبوت میں اس قدر مقرب ہو گیا کہ وحی بھی لکھنے لگا۔ مگر ناگہاں اس کے سر پر بدنصیبی کا ایسا بھوت سوار ہو گیا کہ وہ رحمتِ عالم کی بے ادبی کرنے لگا اور یہ کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا میں ان کو لکھ کر دیتا ہوں۔ غرض! یہ مردود و مرتد ہو کر بارگاہِ نبوت سے بھاگ نکلا لیکن جب یہ مرا تو اس پر یہ قہر خداوندی نازل ہوا کہ نصرانیوں نے جب اس کو دفن کیا تو قبر نے اس کی لاش کو باہر پھینک دیا۔ نصرانیوں نے اب اس کی لاش کو قبر کے باہر دیکھا تو انہیں یہ شبہ ہوا کہ شاید صحابہ نے اس کی لاش کو قبر سے نکال دیا ہوگا۔ چنانچہ

نصرانیوں نے دوبارہ نہایت گہری قبر کھود کر اس کو دفن کیا مگر پھر بھی اس کی لاش خود بخود نکل کر زمین کے اوپر آ گئی۔ اس وقت نصرانیوں کو بھی یہ یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے بلکہ یقیناً یہ خدا کا قہر و غضب ہی ہے' چنانچہ ان لوگوں نے پھر دوبارہ اس کو دفن کرنا گوارا نہیں کیا اور اس کی لاش کو پھینک دیا۔ (بخاری ج ا ص ۵۱۱)

منہ ٹیڑھا ہو گیا

برادرانِ ملت! ایک اور واقعہ بھی سن لیجئے۔

مکہ مکرمہ میں ایک بہت بڑا دشمن رسول تھا جس کا نام تھا۔ ''ابوالعاص'' یہ مردود اپنا منہ ٹیڑھا کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ چڑایا کرتا تھا۔ ایک دن سرورِ کائنات کے قلب مبارک پر انتہائی صدمہ گزر گیا۔ آپ نے جلالِ نبوت میں اس کی یہ حرکت دیکھ کر فرما دیا کہ ''كُنْ كَذَالِكَ'' یعنی تو ایسا ہی ہو جا۔ اللہ اکبر! محبوبِ خدا کی زبان تو کن کی کنجی تھی۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ ابوالعاص کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہو گیا جو ہر وقت ہلتا رہتا تھا۔ (خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۷۹)

مسلمانو! یہ وہی واقعہ ہے جس کو مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی شریف میں انتہائی پرکشش اور عبرت خیز انداز میں بیان فرمایا ہے کہ

آں دہن کژ کردو از تسخر بخواند

نام احمد را دہانش کژ بماند

یعنی وہ شخص چڑانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام احمد کو منہ ٹیڑھا کر کے ادا کرتا تھا تو اس کا منہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہی ہو گیا۔

باز آمد کاے محمد ﷺ عفو کن

اے ترا الطاف علم من لدن

جب خبیث کا منہ ٹیڑھا ہو گیا تو آ کر گڑگڑاتے ہوئے عرض کرنے لگا کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ معاف کر دیجئے۔ آپ کے پاس تو علم لدنی کے الطاف کریمانہ ہیں۔

من ترا افسوس می کر دم زجہل

من بدم افسوس را منسوب و اہل

میں اپنی جہالت سے آپ کو قابل افسوس بتاتا تھا' حالانکہ میں خود بہت برا اور افسوس کے لائق ہوں۔

بہر کیف! زبانِ نبوت کا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ لاکھ رویا گڑ گڑایا مگر ابوالعاص کا فر کا منہ ٹیڑھا ہی رہ گیا۔

مسلمان بھائیو! اس روایت کو نقل کر کے مولانا رومی نے ایک ایسا نصیحت آموز شعر لکھا جو یقیناً ہزاروں تاریخی واقعات کا نچوڑ۔ بلکہ عطر ہے اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ سنئے

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں زند

یعنی خداوند تعالیٰ جب کسی بدنصیب کے عیوب کا پردہ فاش کرنے والا ہوتا ہے تو اس کی نشانی یہی ہے کہ وہ شخص اللہ عزوجل کے پاک بندوں کی شان میں طعنہ زنی اور بدگوئی کرنے لگتا ہے۔

حضرت مولانائے روم علیہ الرحمہ کا مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کو یہ دیکھو کہ وہ خدا کے مقدس بندوں' انبیاء' اولیاء صدیقین وشہداء یا علماء وفقہاء کی شان میں گستاخی و بے ادبی اور طعنہ زنی و بدگوئی کرتا ہے تو پھر سمجھ لو کہ قہر خداوندی عذاب کا بادل بن کر اس کے سر پر منڈلا رہا ہے اور یقین کرلو کہ یہ شخص طرح طرح کے عیوب اور بداعمالیوں میں مبتلا ہو کر دونوں جہان میں خائب و خاسر اور ذلیل ورسوا ہونے والا ہی ہے۔

چنانچہ تاریخی تجربہ ہے کہ خدا کے پاک بندوں کی بے ادبی اور ان پر طعنہ زنی کرنے والا ضرور ضرور خدا کے قہر وغضب کا شکار ہوا ہے اور پھر وہ عمر بھر روتا گڑ گڑاتا رہا مگر خدا کی رحمت نے اس سے اس طرح منہ پھیر لیا کہ پروردگار کے افضال و الطاف کی موسلا دھار برسنے والی بدلیوں کے بارانِ کرم سے اس کو ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوا۔

عبرت آموز لطیفہ

میرے بزرگو اور بھائیو! اس موقع پر مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔ کسی گاؤں میں ایک مغرب زدہ قسم کے مسٹر صاحب رہتے تھے جن کا محبوب ترین مشغلہ یہی تھا کہ دن رات سیدھے سادھے مولویوں سے الجھتے رہتے تھے اور علمائے کرام کی بے ادبی کر کے ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک دن کسی مولانا سے یہ مسئلہ پوچھا کہ مکان کے اندر ایک برتن میں دہی رکھا ہوا تھا۔ ایک کتا اس مکان میں داخل ہوا جب مالک مکان آیا تو کتا بھاگ نکلا اور مالک مکان نے دیکھا کہ کتے کے منہ میں دہی لگا ہوا تھا مگر نہ تو سرپوش ہٹا تھا' نہ برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کا کوئی نشان تھا نہ دہی کے اوپر کی بالائی پھٹی تھی تو ایسی صورت میں اس دہی کو کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

مولانا نے فتویٰ دے دیا کہ جب کتے کو برتن میں منہ ڈالتے نہیں دیکھا اور اس کا کوئی نشان

بھی نہیں ملا تو فقہ کے قاعدے سے کہ **الیقین لا یزول بالشک** یعنی یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ وہ دہی یقیناً حلال ہے' لہٰذا بلاشبہ اس کو کھا سکتے ہیں۔

مسٹر نے تڑپ کر کہا کہ جناب! کتے کے منہ میں دہی لگا ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے برتن میں سے ضرور دہی کھایا ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ کتا کسی اور جگہ سے دہی کھا کر یہاں آیا ہو۔ یہ سن کر مسٹر کی رگِ شرارت پھڑک اٹھی اور نہایت ہی بے باکی کے ساتھ اس نے بحث شروع کردی اور کہنے لگا کہ جناب غور تو کیجئے کہ کتے کی ذات' مکان خالی' برتن میں دہی رکھا ہوا۔ پھر اس کے منہ میں دہی لگا ہوا دیکھا گیا۔ یہ تمام باتیں زبردست قرائن اور دلائل ہیں کہ ضرور کتے نے برتن میں سے دہی کھایا ہوگا۔

مولانا نے ہر چند سمجھایا کہ عزیز من! فقہائے کرام نے یہ اصول بتایا ہے کہ جب تک کسی چیز کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک اس چیز کو ناپاک نہیں کہا جاسکتا اور اس قسم کے محض بے بنیاد شبہات کی وجہ سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کا فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔ ورنہ پھر زندگی دوبھر ہو جائے گی کیونکہ اس قسم کے شبہات تو ہر جگہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سن کر مسٹر ایک دم غصہ میں آگ بگولہ ہوگیا اور علمائے کرام کی شان میں ناشائستہ الفاظ بکتے بکتے فقہائے کرام پر بھی لعن طعن کرنے لگا۔ یہ رنگ دیکھ کر بیچارے مولانا صاحب خاموش ہوگئے اور آخر میں یہ فرمایا کہ مسٹر اب تم چلے جاؤ۔ اب میں کچھ بھی نہیں کہنا چاہتا' لیکن یہ کہے دیتا ہوں کہ تم نے فقہائے کرام کی بے ادبی کی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور تم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

چنانچہ مسلمانو! اس کا انجام کیا ہوا؟ یہ سننے کے قابل ہے۔ کسی بزرگ نے بالکل سچ فرمایا ہے کہ

جو جذب کے عالم میں نکلے لب مومن سے ۔۔۔ وہ بات حقیقت میں تقدیر الٰہی ہے

جیسے ہی مسٹر گھر پہنچے۔ ان کی میم صاحبہ نے کہا کہ مسٹر! تم مرغ ذبح کر کے گوشت تیار کرلو۔ میرا چندن ہار ذرا گندا ہوگیا ہے میں اس کو دھو کر کھانا پکاؤں گی۔

میم صاحبہ نے جیسے ہی چندن ہار گلے سے اتار کر زمین پر رکھا۔ ایک چیل اڑتی ہوئی جھپٹی اور چندن ہار لے کر اڑ گئی۔ بیگم چلانے لگیں۔ مسٹر دوڑو۔ دیکھو وہ چیل میرا چندن ہار لئے اڑی چلی جارہی ہے۔ مسٹر مرغ ذبح کر رہا تھا۔ گھبرا کر جو کھڑا ہوگیا تو اس کے کپڑوں پر خون کی چھینٹیں پڑ گئیں' مسٹر خون آلود چھری ہاتھ میں لئے چیل کے پیچھے پیچھے میلوں دور تک دوڑتا چلا گیا۔ چیل

ایک جھاڑی کے سب سے اونچے درخت پر جا کر بیٹھ گئی۔ مسٹر نے جب پتھر مارا تو چیل نے جھاڑی میں چندن ہار گرا دیا اور مسٹر نے خاردار جھاڑی میں بڑی مشکلوں سے گھس کر ہار اٹھا لیا لیکن جیسے ہی چند قدم چلا تو کیا دیکھتا ہے؟ کہ ایک ذبح کی ہوئی عورت کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ گھبرا کر دوڑتا ہوا جب جھاڑی سے باہر نکلا تو پولیس کی پارٹی نظر آئی۔ جیسے ہی پولیس نے مسٹر کو دیکھا۔ فوراً گرفتار کر لیا اور دو ہنٹر لگا کر کہا کہ کیوں بے؟ بدمعاش! تو جنٹلمین بنا پھرتا ہے! اور تیرا دھندا یہ ہے؟ کہ عورت کا گلا کاٹ کر اس کا چندن ہار لئے بھاگ رہا ہے۔

مسٹر چلایا کہ داروغہ جی! خدا کی قسم! میں اس عورت کا قاتل نہیں ہوں اور یہ ہار تو میری میم صاحبہ کا ہے۔

مسٹر ابھی اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ داروغہ جی نے دو ہنٹر اور مارے اور کہا کہ جھوٹا بے ایمان۔ جھوٹی قسمیں بھی کھاتا ہے؟ پھر موٹی موٹی گالیاں دے کر داروغہ کہنے لگا کہ تیرے ہاتھ میں خون آلود چھری۔ تیرے کپڑوں پر خون کے دھبے۔ تیرے ہاتھ میں چندن ہار۔ ذبح کی ہوئی عورت کی لاش کے پاس سے بھاگ رہا ہے۔ اتنے قرائن اور دلائل کے ہوتے ہوئے تیرے سوا اور کون قاتل ہو سکتا ہے؟

داروغہ کی باتیں سن کر مسٹر کا ماتھا ٹھنکا کہ یار! مولانا سے بھی تو میں نے یہی کہا تھا کہ کتے کی ذات۔ مکان خالی' پھر کتے کے منہ میں دہی لگا ہوا۔ اتنے قرائن اور دلائل کے ہوتے ہوئے کتے نے ضرور دہی کھایا ہوگا۔

مسٹر دل ہی دل میں اپنی حماقتوں پر افسوس کرنے لگا اور اس کو یقین ہو گیا کہ واقعی مولانا نے سچ کہا تھا کہ تجھ کو علماء اور فقہاء کی بے ادبیوں کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ حوالات میں ساری رات روتا اور توبہ کرتا رہتا تھا۔ پولیس نے قتل کا مقدمہ چلایا اور قریب تھا کہ مسٹر کو پھانسی ہو جائے کہ بالکل ناگہاں کچہری میں عورت کا اصلی قاتل حاضر ہو گیا اور اس نے اپنا اقبالی بیان دیتے ہوئے جج سے کہا کہ یہ مسٹر بالکل بے قصور ہے۔ اس عورت کا قاتل میں ہوں۔ یہ عورت میری بیوی ہے اور اس کو میں نے اس کی بدچلنی پر قتل کر دیا ہے۔

الغرض! اس نے اپنے قاتل ہونے کا پورا ثبوت اس طرح جج کے سامنے پیش کر دیا کہ مسٹر کی بے گناہی ثابت ہو گئی۔ اس طرح جان بچی سو لاکھوں پائے' خیر سے بدھو گھر کو آئے۔

مگر اس قدرتی ناگہاں افتاد نے اس طرح مسٹر کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ دیا کہ ان کے جنٹل مینی کا سارا انجر پنجر ڈھیلا ہو گیا اور گھر آتے ہی مولانا کے پاس دوڑے ہوئے گئے اور ان کے

قدموں پر سر رکھ کر توبہ کرلی کہ اب میں زندگی کی آخری سانس تک کسی شرعی مسئلہ میں نہ شک کروں گا' نہ کسی عالم دین یا فقیہہ کی توہین و تحقیر کروں گا!

مسلمانو! دیکھ لیا تم نے بزرگوں کی توہین کا انجام؟ اللہ اکبر۔ سچ کہا ہے کسی اہل دل نے کہ

خدا پناہ میں رکھے جلالِ مومن سے — نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا

برادرانِ ملت! بہرکیف! آیہ کریمہ ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ'' کا ماحصل اور لب لباب یہی ہے کہ ہر مومن پر لازم ہے کہ ہر دم ہر قدم پر یہ دھیان رکھے کہ خبردار! خبردار! کبھی بھی بارگاہِ نبوت میں ادب کی کمی نہ ہونے پائے' ورنہ بڑا عظیم خطرہ ہے کہ عمر بھر کی تمام نیکیاں نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور زندگی بھر کے تمام اعمالِ صالحہ غارت واکارت ہو جائیں گے' بلکہ سینے کے صندوق اور دل کی تجوری سے ایمان کی دولت بھی تباہ و برباد ہو جائے گی اور دونوں جہان میں خسران و نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی حیات کے ہر ہر لمحہ میں اپنے پیارے نبی کی تعظیم و تکریم کرتا رہے بلکہ تمام وہ چیزیں کہ جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق ہے ان کی تعظیم و تکریم کو بھی اپنے لئے واجب الایمان اور لازم العمل سمجھے۔ مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آل' ان کے اصحاب۔ ان کی ازواج' ان کے خلفاء' ان کی شریعت' ان کی سیرت' ان کی حدیثیں' ان کے شہر' ان کی مسجد' ان کے منبر' ان کے روضہء اطہر غرض ان سے نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز کی عزت و عظمت کرتا رہے اور ان کے ادب و احترام میں ہرگز ہرگز کبھی کوئی کمی نہ کرے۔

خداوند کریم ہر مومن کو اس سعادتِ کبریٰ اور اس نعمت عظمیٰ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین والہ وصحبہ اجمعین۔

چوبیسواں وعظ

رسول اللہ ﷺ کا علم غیب

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا؟
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لم یزل ولا یزال حیا قیوماً قادراً علیما والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد عالم ما کان ومایکون وکان فضل اللہ علیہ عظیما وعلیٰ الہ واصحابہ الذین اعطاھم اللہ فضلاً کبیراً ونعیما مقیما امابعد! فقد قال عزذکرہ وجل جلالہ معظما لنبیہ تعظیما۔

اعوذباللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔ (نساء)

حضرات گرامی! شہنشاہِ آسمان وزمین حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ شاہانہ میں درود وسلام کا نذرانہ پیش کیجئے اور بہ آواز بلند پڑھئے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

حضرات! میں اپنی تقریر سے پہلے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نعت شریف بطور نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں بغور سماعت فرمایئے۔

نعت شریف

میرے مولیٰ میرے سرور رحمۃ للعالمین — میرے آقا میرے رہبر رحمۃ للعالمین
مظہر ذات خدا محبوب رب دوسرا — بادشاہِ ہفت کشور رحمۃ للعالمین
عالم علم لدنی آپ کو حق نے کیا — حال سب روشن ہیں تم پر رحمۃ للعالمین

تو نے فرمایا ھوالمعطی وانی قاسم — کیوں نہ مانگوں تیرے در پر رحمۃ للعالمین
میں پیامِ زندگی سمجھوں اگر یوں موت آئے — آپ کا در ہو مرا سر رحمۃ للعالمین
ہم سیہ کاروں کی بخشش کی کوئی صورت نہیں — ناز ہے تیرے کرم پر رحمۃ للعالمین
تیرا جلوہ تھا شبِ اسریٰ کہ فرش وعرش پر — نورِ حق تھا جلوہ گستر رحمۃ للعالمین

بس خدا ان کو نہ کہنا اور جو چاہو کہو
سب سے بالا سب سے بہتر رحمۃ للعالمین

حضرات محترم! میری آج کی تقریر کا عنوان ''رسول کا علم غیب'' ہے اور میں بغیر کسی تمہید کے نہایت سادگی کے ساتھ صرف اسی ایک موضوع پر تھوڑی دیر آپ سے خطاب کروں گا۔ لہٰذا پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ میرے ان کلمات کو سنئے تاکہ حق و باطل کا امتیاز چمکتے ہوئے سورج کی طرح آپ کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

حضرات گرامی! ہم مسلمانانِ اہل سنت و جماعت کا یہ ایمان اور عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ انبیاء محبوب کبریا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح تمام کائناتِ عالم میں سب سے زیادہ ارفع واعلیٰ اور افضل الخلق ہیں۔ اسی طرح آپ تمام مخلوقاتِ الٰہیہ میں سب سے زیادہ ''اعلم الخلائق'' میں یعنی آپ کا علم تمام جن و بشر اور ملائکہ غرض تمام خلق کے علوم سے زیادہ اور وسیع تر سب سے اعلیٰ سب سے افضل' سب سے بہتر' سب سے بڑھ کر ہے۔ ماضی کا علم ہو یا حال و مستقبل کا۔ دنیا کا علم ہو یا آخرت کا' عالم شہادت کا علم ہو یا عالم غیب کا۔ غرض! خداوند قدوس نے رفتہ رفتہ آپ کو ازل سے ابد تک تمام ماکان و مایکون کا علم شہادت وعلم غیب سب کچھ عطا فرما دیا۔ یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہوگا سب کچھ آپ کے قلب رسالت میں جلوہ گر اور آپ کی نگاہ نبوت کے پیش نظر کر دیا۔ یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے جانے کے وقت آپ کا علم اس قدر کامل ومکمل بلکہ اکمل ہوگیا کہ ملک وملکوت کے ذرات وجود میں کوئی ایسا ذرہ نہیں کہ جس کی آپ کو خبر نہ ہو اور شجرات کائنات میں کوئی پتہ ایسا نہیں جو آپ کی چشم رسالت سے پوشیدہ ہو ہمارے تمہارے اور سارے عالم کے اقوال وافعال اور اعمال واحوال سب کچھ حضور کے پیش نظر ہیں اور آپ ان سب کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں' جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہے ہوں۔

مسلمانو! یہی وہ مضمون ہے جس کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ' العزیز نے اپنے ایک شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے کہ

سر عرش پر ہے تری گزر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

برادرانِ ملت! اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ کسی جذبہ عقیدت کا والہانہ جوشِ تکلم یا کسی شاعرانہ تخیل کی طائرانہ پرواز نہیں، بلکہ یہ قرآن شریف کی چمکتی ہوئی آیتوں کا نورِ منور اور تعلیم نبوت کے مہکتے ہوئے پھولوں کا عطر معطر ہے۔

ساری دنیا پیش نظر

سنئے! خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ نبوت ہے کہ:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ ۔ (زرقانی علی المواہب ج ۷ ص ۲۳۴)

یعنی اللہ عزوجل نے میرے لئے دنیا کو اٹھا کر اس طرح میرے سامنے پیش کر دیا کہ میں تمام دنیا کو اور اس میں قیامت تک جو کچھ بھی ہونے والا ہے، ان سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح میں اپنے اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! خدا کے فضل و کرم اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ نبوت کا کیا کہنا؟ اللہ اکبر! بخدا! بالکل سچ فرمایا اعلیٰ حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ نے کہ۔

شش جہت، سمت مقابل، شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

اسی طرح رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوسری حدیث میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فَرَاَیْتُہٗ وَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ اَنَامِلِہٖ بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَّعَرَفْتُ ۔ (مشکوٰۃ باب المساجد)

یعنی میں نے حضرت حق جل مجدہٗ کا دیدار اس طرح کیا کہ اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا تو میں نے اس کی انگلیوں کے پوروں کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی۔ اس کے بعد مجھ پر ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے سب کو پہچان لیا۔

اسی طرح امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ:

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

یعنی رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو

وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَالِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَه مَنْ نَسِيَهُ ۔ (مشکوٰۃ باب بدء الخلق)

ہم کو ابتداء آفرینش کے بارے میں خبر دی اور قیامت تک جو کچھ ہونیوالا تھا۔ سب کچھ بیان فرما دیا۔ یہاں تک کہ اہل جنت اپنی منزلوں میں اور اہل جہنم اپنی منزلوں میں داخل ہو گئے جس نے اس کو یاد رکھا اس کو یاد رہا اور جس نے اس کو بھلا دیا۔ وہ بھول گیا۔

مسلمانو! یہی حدیث دوسری روایت میں اس طرح وارد ہوئی ہے کہ:

مَا تَرَكَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِهٖ (مشکوٰۃ باب الفتن)

یعنی قیامت تک ہونیوالے تمام واقعات اور حالات کو بیان فرما دیا اور کسی چیز کو بھی نہیں چھوڑا

اسی طرح حضرت ثوبان صحابی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِىَ الْاَرْضَ فَرَاَيْتُ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے زمین کے تمام مشرق و مغرب کو دیکھ لیا۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیجئے۔ معتبر کتابوں میں یہ چمکتی ہوئی حدیثیں اعلان کر رہی ہیں کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے تمام کائناتِ دنیا کا علم غیب اور علم شہادت سب کچھ اس طرح عطا فرما دیا ہے کہ ابتدائے عالم سے جنت و جہنم میں داخل ہونے کے وقت تک کے تمام واقعات و حالات' حضور سرور کائنات کے پیش نظر ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو بھی ان حالات اور واقعات سے مطلع فرما دیا۔

برادرانِ اسلام! اب آپ انصاف فرمائیں کہ ہم مسلمانان اہل سنت کا عقیدہ ان مقدس حدیثوں کے مطابق ہے یا نہیں؟ آپ یا دنیا کا کوئی انسان جو ہٹ دھرم نہ ہو اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہے؟ کہ یقیناً اہل سنت و جماعت کا عقیدہ انہی حدیثوں کا عطر ہے۔

برادرانِ اسلام! یہی وہ مضمون ہے جس کو خلاقِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے ان تمام چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرما دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

سبحان اللہ! اس مقدس آیت نے کتنی وضاحت کے ساتھ علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ ناپیدا کنار کا اظہار فرما دیا کہ جو کچھ بھی اور جن جن چیزوں کو بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ ازل سے ابد تک کی کائنات اور ان کے واقعات و حالات کا علم ہو یا خدا کی ذات و صفات کے معارف ہوں علم شہادت ہو یا علم غیب۔ سب کچھ اور ہر چیز کا علم خدا نے آپ کو عطا فرما دیا ہے۔

برادرانِ اسلام! اب آپ بتا دیجئے؟ کہ علوم و معارف کی وہ کونسی ایسی دولت ہے جو رحمتہ للعالمین کی کالی کالی رحمت والی کملی میں نہیں ہے اور عالم شہادت اور عالم غیب کا وہ کونسا ایسا منظر ہے جو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نبوت کے پیش نظر نہیں ہے۔ خدا کی قسم جن آنکھوں سے خدا نہیں چھپا بھلا ان آنکھوں سے خدا کی ساری خدائی کیوں کر اور کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے؟

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

برادرانِ اسلام! بڑی مشکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ نبی کے مقامِ نبوت کی اعلیٰ ترین منزل سے ناواقف ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے لئے نبی کے علوم کی وسعت و کثرت کو سمجھانا اور سمجھنا انتہائی مشکل ہے۔ بہت بڑی مصیبت کبریٰ بلکہ قیامتِ صغریٰ یہ ہے کہ لوگ انبیاء علیہم السلام کی ذات و صفات کو اپنی ذات و صفات پر قیاس کرنے لگ جاتے ہیں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے بھی لوگوں کی اس ہمالیہ سے بھی بڑی غلطی پر ماتم کیا ہے اور صاف صاف لکھ دیا ہے کہ

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد　　کم کسے زابدالِ حق آگاہ شد!

یعنی ساری دنیا اسی وجہ سے گمراہی کی خطرناک بھنور میں پڑ کر گمراہ ہوگئی کہ لوگ خدا کے مقدس اور برگزیدہ بندوں کے بلند مراتب سے آگاہ نہیں ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

اولیاء را ہم چو خود پنداشتند　　ہم سری با انبیاء برداشتند

یعنی لوگوں نے اولیاء کو اپنے جیسا گمان کرلیا اور خدا کے نبیوں کے ساتھ ہم سری اور برابری کا دعویٰ کر بیٹھے۔ بس یہی وہ گندہ چشمہ ہے جہاں سے گمراہیوں کا نجس اور پلید دریا نکل کر بہتا ہے۔

ایں نہ دانستند ایشاں ازعمیٰ　　ہست فرقے درمیاں بے انتہا

ان دنیاداروں نے اپنے اندھے پن سے اتنا نہیں جانا کہ انبیاء علیہم السلام اور عوام کے درمیان بے انتہا فرق ہے اللہ اکبر! زمین و آسمان میں بھی بڑا فرق ہے مگر اس فرق کی بھی انتہا ہے مگر

مولانائے روم فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور عوام میں اتنا بڑا فرق ہے کہ اس کی کوئی نہایت اور انتہا ہی نہیں۔یعنی اتنا عظیم فرق ہے کہ ہم لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے!

برادرانِ ملت! جب خدا کے نبیوں اور عام لوگوں کی ذات وصفات میں اس قدر بے انتہا عظیم الشان فرق ہے تو پھر خدا کے انبیاء ورسل کے علوم و معارف کو ہم اپنے علوم پر قیاس کریں۔ خدا کی قسم یہ اتنی بڑی غلطی ہے کہ روئے زمین کی وسعت بھی اس کی گنجائش نہیں رکھتی۔

مسلمانو! واللہ اگر صرف ایک نکتہ آپ یاد کرلیں تو آپ کا سفینۂ ہدایت کبھی بھی گمراہیوں کے بھنور میں نہیں پھنسے گا۔

وہ نکتہ یہ ہے کہ ہمارے علوم و معارف کا ذریعہ ہماری عقل اور ہمارے حواس ہیں جن کے ذریعے ہم دوسرے انسانوں سے علوم سیکھ سکتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ذریعہ علم وحی الٰہی ہے اور وہ براہ راست خداوند عالم الغیب والشہادۃ سے علوم و معارف کے خزانے حاصل کرتے ہیں اور منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں وحی الہامی یا وحی منامی کے ذریعے انبیائے علیہم السلام کے سینوں میں علوم و معارف کے اتنے بڑے بڑے خزانے جمع ہوجاتے ہیں کہ زمین وآسمان کی وسعتیں بھی ان خزانوں کے سمیٹنے سے عاجز و قاصر ہیں۔

علوم آدم کی فہرست

حضرات گرامی! بات آگئی ہے تو ذرا خدا کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم خلیفۃ اللہ علیہ السلام کے علوم کی فہرست سن لیجئے' جس کو عالم الغیب والشہادۃ نے ایک لمحہ میں ان کے سینہ اقدس کے اندر الہام کے ذریعے پہنچادیا اور حضرت آدم علیہ السلام علوم و معارف کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہوگئے کہ فرشتوں کی قدسی جماعت آپ کے علمی وقار اور عرفانی عظمت کے آگے سربسجود ہوگئی۔

قطب زمانہ حضرت شیخ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر یعنی روح البیان میں آیت کریمہ'' وعلم ادم الاسماء کلھا'' کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کا علم سکھایا۔ان ''علم الاسماء'' کی اجمالی فہرست یہ ہے۔

فَعَلَّمَهٗ جَمِيْعَ اَسْمَاءِ الْمُسَمَّيَاتِ بِكُلِّ اللُّغَاتِ ۔	یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا نام تمام زبانوں میں سکھادیا۔
وَعَلَّمَهٗ اَسْمَاءَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَاَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهٖ كُلِّهِمْ وَاَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ	اور ان کو تمام ملائکہ کے نام اور تمام اولاد آدم کے نام اور تمام حیوانات و جمادات کے نام اور ہر ہر

وَالْجَمَادَاتِ وَصَنْعَةِ كُلِّ شَيْءٍ .	چیز کی صنعتوں کے نام
واسماء المدن والقرىٰ واسماء الطير والشجر ومايكون .	اور تمام شہروں اور تمام گاؤں اور تمام پرندوں اور درختوں کے نام اور جو آئندہ کبھی عالم وجود میں آنے والے ہیں ان سب کے نام
وكل نسمة يخلقها الىٰ يوم القيامة	اور قیامت تک پیدا ہونیوالے تمام جانداروں کے نام
واسماء المطعومات والمشروبات وكل نعيم فى الجنة واسماء كل شى حتى القصعة والقصيعة وفى الخبر علمه سبع ماة الف لغة	اور تمام کھانے پینے کی چیزوں کے اور جنت کی تمام نعمتوں کے نام اور ہر ہر چیز کے نام یہاں تک کہ پیالہ اور پیالی کے نام اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات لاکھ زبانیں سکھائی ہیں۔
(روح البیان ج۱ ص۱۰۰)	

برادرانِ ملت! اب کہئے؟ سن لی آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کے خزائن علوم کی فہرست؟ اب سوچئے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے علوم وعرفان کی یہ منزل ہے تو پھر حضور سید آدم وسردار اولادآدم خلیفۃ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علومِ عالیہ کی کثرت ووسعت اور ان کی رفعت وعظمت کا کیا عالم ہوگا؟ میں کہتا ہوں کہ واللہ! حضرت آدم علیہ السلام کے علوم کو سرکار دوعالم کے علوم سے اتنی بھی نسبت نہیں ہوسکتی جتنی ایک قطرہ کو دریا سے اور ایک ذرہ کو صحرا سے نسبت ہے اللہ اکبر! کہاں علوم آدم؟ اور کہاں علومِ سید عالم؟

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر　　　بس قسم کھایئے امی! تری دانائی کی

پڑھئے درود شریف بہ آواز بلند اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

شاہد

حضرات گرامی! ذرا غور تو فرمایئے کہ خداوند عالم جل جلالہٗ نے اپنے حبیب ومحبوب دانائے غیوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء کا خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	یعنی اے محبوب بیشک ہم نے آپ کو گواہ اور بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے۔

اس آیت میں حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر قیامت کے دن ''شاہد'' یعنی گواہی دینے والا بتایا ہے۔ اب مسلمانو! تم بتاؤ؟ کہ کون نہیں جانتا کہ گواہ کے لئے جس چیز کی وہ گواہی دے اس کا مشاہدہ ضروری ہے۔ یہ مسئلہ سب کو معلوم ہے کہ کسی نامعلوم اور بلا دیکھی ہوئی چیز کی گواہی قطعاً غیر معتبر بلکہ شرعاً حرام و ناجائز ہے تو پھر ذرا غور کیجئے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر دنیا کے آخری انسان تک کے اقوال و افعال اور ان کے کوائف و احوال کا علم نہ ہوگا تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کس طرح قیامت میں ان تمام انسانوں کے بارے میں گواہی دے سکیں گے؟ کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نامعلوم اور بغیر دیکھی ہوئی چیزوں کی گواہی دیں گے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یقیناً ان سب انسانوں کے تمام اقوال و افعال اور اعمال اور احوال کا علم ہے تو اب اس صورت میں جو مسلمان قرآن کی اس آیت پر ایمان رکھتا ہے کہ خدا کے محبوب ''شاہد'' ہیں تو وہ یقیناً یہی عقیدہ رکھے گا کہ بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انسانوں کے اعمال و احوال اور ان کے اقوال و افعال کو جانتے ہیں اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس وسیع علم کا منکر ہے وہ خدا کی قسم! قرآن کی اس آیت کا منکر ہے۔

بھلا سوچئے تو سہی کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو مانتا ہوں کہ آفتاب نکلا ہے مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ آفتاب روشن ہے۔ یا یوں کہے کہ میں یہ تو تسلیم کرتا ہوں کہ یہ آگ ہے مگر میں یہ نہیں مانوں گا کہ یہ گرم ہے تو اس شخص کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ کہ غالباً اس کے دماغ کی مشینری فیل ہوگئی ہے اور یہ پاگل خانے کا مہمان بننے والا ہے۔ اس طرح جو شخص یہ کہے کہ میں رسول کو شاہد تو مانتا ہوں اور میں یہ بھی ایمان رکھتا ہوں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام انبیاء اور تمام امتوں کے بارے میں قیامت کے دن گواہی دیں گے مگر یہ تسلیم نہیں کرتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انبیاء اور امتوں کے احوال و کوائف کا علم بھی ہے تو اس شخص کے بارے میں بھی بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کی عقل ایمانی کو قہر آسمانی کی بجلیوں نے جلا کر بھسم کر ڈالا ہے اور بد دینی کے طوفان اور بد دینی کے شیطان نے اس کی متاع ایمان کو بالکل ہی غارت و برباد کر دیا ہے۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ سورج کو سورج مان کر اس کی روشنی کا انکار کیا جائے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ آگ کو آگ کہتے ہوئے اس کی گرمی سے انکار کیا جائے؟ کیا یہ عقل کا تقاضا ہے کہ برف کو برف کہتے جائیں اور اس کی ٹھنڈک کا چلا چلا کر انکار کرتے رہیں؟

واللہ! جس طرح یہ باتیں ممکن نہیں ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "شاہد" مانتے ہوئے ان کے علوم اولین و آخرین کا انکار کیا جائے۔ یہ بھی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ طبری کی روایت ہے کہ جب "اِنَّـا اَرْسَـلْنٰكَ شَاهِدًا" کی آیت نازل ہوئی تو حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ خداوندی میں یہ عرض کیا کہ اے میرے رب کریم! تو نے تو میری شریعت میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ بن دیکھی اور نامعلوم باتوں کی شہادت جائز ہی نہیں ہے تو پھر میں بغیر مشاہدہ اور علم کے کس طرح اور کیسے گواہی دوں گا۔

فَاَوْحٰی اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَیْهِ اَیُّهَا السَّیِّدُ نَحْنُ نُسْرِیْ بِكَ اِلَیْنَا لِتُشَاهِدَ مَلَكُوْتَ الْاَعْلٰی ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر وحی بھیجی کہ اے سردار! ہم آپ کو اپنے دربار کی سیر کرائیں گے تاکہ تمام ملکوتِ اعلیٰ کا آپ کو مشاہدہ کرادیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ ایک حدیث میں خود سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج عرشِ عظیم سے میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا۔

فَعَلِمْتُ بِهَا مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ ۔ یعنی اس قطرے کے ٹپکتے ہی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونیوالا ہے سب کچھ میں نے جان لیا۔ (تفسیر حسینی)

سبحان اللہ!

حضرت کا علم علم لدنی تھا اے امیر
حضرت وہیں سے آئے تھے لکھے پڑھے ہوئے

آیت کی چند تفسیریں

بزرگانِ ملت! بہرحال اب میں اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں بھی آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ ذرا غور سے سنئے گا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ۔ یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھا دیا اور اللہ تعالیٰ کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔

حضرات! تفسیر جلالین شریف جو دنیائے اسلام کے تمام مدارسِ عربیہ میں داخل درس ہے۔ اس کتاب میں اس آیت کی یہ تفسیر لکھی ہوئی ہے۔

اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَیْبِ ۔ یعنی اللہ عزوجل نے تمام احکام اور علم غیب آپ کو سکھا دیا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے کہ:

مِنْ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ وَضَمَائِرِ الصُّدُوْرِ اَوْمِنْ اَخْبَارِ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۔
(روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۴)

یعنی تمام پوشیدہ چیزیں اور سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خدا نے آپ کو بتا دی ہیں یا تمام اگلوں اور پچھلوں کی ساری خبریں آپ کو تعلیم فرمادی ہیں۔

اسی طرح تفسیر روح البیان جلد پنجم ص ۲۸۲ پر تحریر ہے کہ:

من الغيب و خفيات

یعنی خدا نے غیب اور تمام پوشیدہ چیزوں کا علم آپ کو عطا فرمادیا۔

اور تفسیر خازن میں یہ لکھا ہے کہ:

من احكام الشرع و امور الدين وقيل من علم الغيب مالم تكن تعلم ۔

یعنی شریعت کے تمام احکام اور دین کی تمام باتیں اور کہا گیا کہ علم غیب غرض جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ سب اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمادیا ہے۔

برادرانِ ملت! یہ چند تفسیروں کے نمونے ہیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیئے ہیں اور کیوں نہ ہو؟ کہ آیت میں ''مالم تكن تعلم '' آیا ہے اور مدارس عربیہ کا مبتدی طالب علم بھی اصولِ فقہ کا یہ مسئلہ جانتا ہے کہ ''من وما اصلهما العموم'' یعنی من اور ما کی اصل وضع عموم کے لئے ہے۔ لہٰذا اس آیت مبارکہ کا یہی مطلب ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھیں۔ ان تمام چیزوں کا علم خداوند عالم نے آپ کو عطا فرمادیا۔ لہٰذا علوم کی تمام قسمیں بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہو گئیں۔ خواہ وہ علم غیب ہو یا علم شہادت۔ پھر آیت کا آخری جملہ ''وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا'' اس پر بہت ہی زبردست اور قوی قرینہ ہے کہ ''ما'' یہاں عموم ہی کے لئے ہے کیونکہ اگر اس سے تمام علوم مراد نہ ہوں بلکہ صرف چند خاص ہی چیزوں کا علم مراد ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اللہ عزوجل کا فضل آپ پر بہت ہی بڑا ہے۔ کیا معنی رکھتا ہے؟ چند خاص خاص چیزوں کا علم تو خدا نے دوسرے انسانوں کو بھی عطا فرمایا ہے۔ درحقیقت وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا کا جملہ تو جبھی چسپاں ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے تمام علوم کا حاصل ہونا مانا جائے۔ تب یہ فرمانا مناسب ہوگا کہ چونکہ آپ کا علم تمام

مخلوقات کے علم سے زیادہ ہے۔ اس لئے اللہ عزوجل کا فضل آپ پر تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔

بہرکیف! برادرانِ ملت! اب آپ غور فرمائیے کہ علم تفسیر کے ان عظیم المرتبت بزرگوں اور مسلم الثبوت عالموں نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ وہ یقیناً ایک طالبِ حق کیلئے درخشاں ستاروں کی طرح ہدایت کا سامان ہے مگر واللہ! کتنی حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ فضلاءِ دیوبند عمر بھر ان کتابوں کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں، لیکن مفسرین کی تصریحات کے یہ اونچے اونچے پہاڑ ان لوگوں کو نظر نہیں آتے اور یہ ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے رہتے ہیں کہ ”علم غیب کا اطلاق غیر خدا پر کسی تاویل سے بھی درست نہیں۔“

بھلا مسلمانو! غور تو کرو کہ دنیا میں کون ایسا عاقل ہوگا؟ جو یہ کہہ سکے کہ اتنے بڑے بڑے جلیل القدر مفسرین نے اتنی عظیم غلطی کی ہے جو شرعاً کسی طرح جائز نہیں افسوس صد ہزار افسوس۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا — کار طفلاں تمام خواہد شد

برادرانِ اسلام! حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت میں پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء اور ان کے فضائل وکمالات کے سینکڑوں آفتاب و ماہتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ ہدایت کا نور بکھیر رہے ہیں اور مفسرین کرام کی تفسیروں میں بے شمار تصریحات وتشریحات کے ایسے ایسے تابناک ستارے جگمگا رہے ہیں جن سے صراط مستقیم کی شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے رشد وہدایت کی نورانی روشنی مل رہی ہے مگر اس کا کیا علاج؟ کہ وہ بدنصیب لوگ جن کے دلوں کی دنیا میں نورِ ہدایت کا چراغ بجھ چکا ہے۔ وہ آنکھ کھول کر آیات اور تفاسیر میں چمکتی ہوئی خدا کی آیات بینات کو اپنی چشم بصیرت اور نگاہ عبرت سے نہیں دیکھتے بلکہ حق سے منہ موڑے ہوئے سرکش اونٹوں کی طرح ضلالت وطغیانی کی اندھیری وادیوں میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔ واللہ یہی وہ بدبخت لوگ ہیں جن کے بارے میں خداوند قدوس نے ارشاد فرمایا کہ

لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى	یعنی منکروں کے سروں کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں
الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ	لیکن وہ آنکھیں جو سینوں کے اندر ہیں وہ نابینا ہو جاتی ہیں۔

یعنی ان لوگوں کی بصارت تو رہتی ہے لیکن دلوں کی بصیرت تباہ و برباد ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں کو ہدایت کا نور نظر ہی نہیں آتا

بہرکیف! فضائل وکمالات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب تو اپنی پوری آب وتاب کے

ساتھ چمک رہا ہے اور قیامت تک درخشاں ہی رہے گا۔ اب اگر کسی کور بخت کی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی تو اس میں اسی کا قصور ہے۔ آفتاب کا کوئی قصور نہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا ہے کہ:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمہء آفتاب راچہ گناہ

یعنی چمگادڑ کی آنکھ اگر روزِ روشن کو نہیں دیکھ سکتی تو یہ اس کی آنکھ ہی کا قصور ہے آفتاب کا اس میں کوئی گناہ نہیں؟

برادرانِ ملت! بات آ گئی ہے تو آیئے میں اس مجلس میں قرآن مجید کی ایسی چند آیات سنائے دیتا ہوں جن میں علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت پر ایسے ایسے بلند اور روشن منارے سر اٹھا کر ہدایت کی روشنی دکھا رہے ہیں کہ ان کی نورانیت میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر طالب حق اس حقانی حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہو جائے گا کہ یقیناً خداوند ذوالجلال نے اپنے نبی جمال صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ہر فضل وکمال میں بے مثل اور بے مثال بنایا ہے۔ اسی طرح علیم وخبیر نے اپنے پیارے بشیر ونذیر صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہء نور کو علم غیب وعلم شہادت کے عرفانی خزانوں سے اس قدر معمور فرما دیا ہے کہ کائناتِ عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ ماؤشما تو کس شمار وقطار میں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام جن کے سر پر خداوند عالم نے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا تاجِ فضیلت رکھ کر ان کی علمی عظمت کے آگے فرشتوں کے فضل وکمال کو سر بسجود کر دیا اور تمام انبیاء ومرسلین جن کے علم وعرفان کی وسعت کے میدان میں زمین وآسمان کی وسعتیں گم ہیں۔ ان سب خزائن علوم کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کا یہ حال ہے کہ یہ حضرات مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی رفعتوں کے حضور اپنی جبین عقیدت خم کر کے زبانِ حال سے بقولِ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ یہ وظیفہ پڑھا کرتے ہیں کہ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

یعنی یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کی سخاوت کا یہ عالم ہے کہ دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں آپ کے جود وکرم کے چند نمونے ہیں اور لوح وقلم کے تمام علوم آپ کے علوم کے دریائے ناپیدا کنار کے چند قطرے ہیں۔

جی: اہل علم جانتے ہیں کہ اس شعر کے دونوں مصرعوں میں "من" تبعیض کے لئے ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ لوح وقلم کے وہ علوم جن کے بارے میں قرآن کا یہ فرمان ہے کہ ہر چیز لوح

محفوظ میں درج ہے۔ وہ سارے علوم علم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض ہی حصہ ہیں اور لوح وقلم کے علوم کو علم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرے کو دریا سے اور ایک ذرے کو صحرا سے نسبت ہے' کیوں نہ ہو؟ کہ خداوند عالم نے آپ کے لئے یہ فرمایا کہ

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمادیا ہے۔

پھر اس کے آگے یہ بھی فرمادیا ہے کہ:

وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔ اور آپ پر اللہ عزوجل کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔

یعنی آپ پر اللہ عزوجل کا اتنا بڑا فضل ہے کہ یہ فضل عظیم نہ لوح وقلم پر ہے' نہ کائنات عالم کی کسی مخلوق پر۔ اس لئے آپ جس طرح خدا کے فضل عظیم کے اعتبار سے ''افضل الخلق'' ہیں۔ اسی طرح آپ تعلیم ربانی کے لحاظ سے ''اعلم الخلق'' بھی ہیں۔

آیات علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بہرکیف بزرگانِ ملت! اب آپ چند آیات کو بھی سن لیجئے جن میں علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوے اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ اس طرح جلوہ فگن ہیں کہ جن کو دیکھ کر مومنین کی دنیائے ایمان مطلع انوار بن جاتی ہیں۔ سنیئے:

حضرت حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (آل عمران) ارشادِ ربانی

یعنی اور اللہ عزوجل کی یہ شان نہیں ہے کہ تم عام لوگوں کو غیب کا علم دے دے لیکن اللہ عزوجل جس کو چاہتا ہے یعنی اپنے رسولوں کو اپنا ''مجتبیٰ'' بنالیتا ہے یعنی غیب کا علم دینے کیلئے ان کو چن لیتا ہے۔

دوسری آیت میں ہے کہ:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ۔ (جن)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کا جاننے والا ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا' سوائے اپنے رسولوں کے جو ''مرتضیٰ'' یعنی پسندیدہ ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے۔ پہلی آیت اعلان کررہی ہے کہ رسولوں کی جماعت جو مجتبیٰ ہیں۔ یعنی تمام انسانوں میں منتخب ہیں۔ ان کو خداوندِ عالم اپنے غیب کا علم عطا فرمادیتا ہے۔

اور دوسری آیت بتا رہی ہے کہ اللہ عزوجل کے رسولوں کا مقدس گروہ جو "مرتضٰی" یعنی خدا کے پسندیدہ ہیں ان کو عالم الغیب اپنے علم غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

اب آپ ہی بتائیے؟ کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے "مجتبٰی" (چنے ہوئے) اور "مرتضٰی" (پسندیدہ) رسول ہیں۔ یا نہیں؟ کون کہہ سکتا ہے کہ رحمت عالم مجتبٰی اور مرتضٰی نہیں ہیں؟ ارے خدا کی قسم! مجتبٰی اور مرتضٰی تو میرے رسول ہی کے دو نام ہیں' پھر بھلا ان کے مجتبٰی اور مرتضٰی ہونے میں کون شک کر سکتا ہے؟ اور جب ساری دنیا کو یہ تسلیم ہے کہ میرے پیارے رسول خدا کے مجتبٰی اور مرتضٰی ہیں تو پھر ساری دنیا کو یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ خداوند عالم نے ان کو اپنے غیب کے علم پر مسلط و مطلع فرمایا ہے اور یقیناً رحمتِ عالم غیب داں اور علم غیب کے جاننے والے ہیں' لہٰذا ہر مسلمان کو دربارِ رسالت میں انتہائی جوش عقیدت کے ساتھ یہ کہنا ہی چاہیے کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم

سر عرش پر ہے تری گذر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

برادرانِ گرامی! قرآن مجید کی ایک آیت اور بھی سن لیجئے۔ پروردگار عالم کا فرمان ہے کہ:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ   یعنی یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔

سبحان اللہ! مسلمانو! غور کرو۔ خدا نے فرمایا ہے کہ میرا نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے۔ خدا کا یہ فرمان تو جبھی صحیح ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم عطا ہو اور وہ دوسروں کو بتاتے بھی ہوں' کیونکہ بخیل تو اسی کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ کسی کو نہ دیتا ہو۔ دیکھئے؟ دیوار کسی کو کچھ نہیں دیتی مگر کوئی دیوار کو بخیل نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس کے پاس کوئی مال ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک فاقہ مست مفلس و قلاش فقیر کو کون بخیل کہہ سکتا ہے؟ کیونکہ بخیل تو اسی کو کہا جا سکتا ہے کہ جس کے پاس مال ہو اور وہ کسی کو کچھ نہ دے۔ اسی طرح کسی کو یہ کہا جائے کو وہ بخیل نہیں ہے تو اس کا صاف مطلب اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے پاس مال ہے اور وہ دوسروں کو دیتا بھی ہے تو جب عالم الغیب نے اپنے نبی کی مدح وثناء میں یہ فرمایا کہ "میرا نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں" تو یقیناً اس کا یہی اور صرف یہی مطلب ہے کہ نبی غیب کا علم جانتے بھی ہیں اور دوسروں کو بتاتے بھی ہیں۔

چنانچہ یہ صرف میری ہی تقریر نہیں ہے بلکہ باکمال مفسرین میں سے صاحب تفسیر خازن نے بھی انتہائی وضاحت اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی تفسیر میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

بِـاٰتِيْهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخَلُ بِهٖ بَلْ يُعَلِّمُكُمْ ۔ یعنی حضور اقدس ﷺ کے پاس خدا کی طرف سے علم غیب آتا ہے تو وہ اس کے بتانے میں بخیلی نہیں فرماتے، بلکہ تم امتیوں کو بھی بتاتے ہیں۔

برادرانِ اسلام اللہ انصاف فرمایئے کہ قرآن مجید کی ان چمکتی ہوئی آیات میں اور مفسرین کرام کی ان تفسیرات و تصریحات میں علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیسے کیسے روشن اور تابناک جلوے نظر آرہے ہیں؟ مگر افسوس کہ اس کا کیا علاج؟ کہ کچھ لوگ یا تو ان کی ایمانی بصیرت سلب ہوگئی ہے کہ انہیں آیتیں نظر نہیں آتیں۔ یا وہ اس دور میں یہودیوں کے احبار و رہبان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کہ دیدہ ودانستہ جس طرح یہودیوں کے پوپ اور پادری توراۃ وانجیل میں نبی آخر الزمان کی بشارتوں اور ان کی نشانیوں کو چھپایا کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ نبی رحمت کے فضائل و کمالات کی آیات بینات پر پردہ ڈال کر پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عظمت کو گھٹا رہے ہیں۔ پیارے مسلمانو! اب ہم ان بدبختوں کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ بدنصیبی کے عفریت نے ان کی متاعِ عقل پر ایسا ڈاکہ ڈالا ہے کہ ان کی ایمانی بصارت و بصیرت کو غارت و برباد کر کے ان کو بالکل ہی ایمانی عقل سے تہی دست و مفلس بنا ڈالا ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی علیہ الرحمۃ نے ان عقل کے یتیموں کے بارے میں بالکل سچ فرمایا ہے کہ

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

وہابی دلائل کا رد

خیر برادرانِ ملت! اب اس موقع پر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ منکرین علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی چند دلیلوں کا ذکر کردوں تاکہ تصویر کے دونوں رخ آپ کی نظروں کے سامنے آجائیں سنیئے!

پہلی آیت تو یہ ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (انعام) یعنی اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ میں تم لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں۔

دوسری آیت یہ ہے کہ:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الانعام)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں ان کو وہی جانتا ہے۔

تیسری آیت یہ ہے کہ:

إِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (لقمان)

یعنی بیشک اللہ عزوجل ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہی بارش نازل فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بچہ دانیوں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ بیشک اللہ عزوجل بہت زیادہ علم والا ہے۔

برادرانِ ملت! یہی وہ چند آیتیں ہیں جن کو علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین بڑے طنطنہ اور طمطراق کے ساتھ پیش کر کے رسول کے علم غیب کا انکار کرتے پھرتے ہیں، لیکن ہم اس کے جواب میں علی الاعلان یہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ یقیناً ان سب آیتوں پر ہمارا ایمان ہے مگر افسوس۔ صد ہزار افسوس! کہ دیوبندی علماء ان آیتوں کو تو پڑھتے ہیں لیکن ان آیتوں کے معانی اور مطالب کے بیان کرنے میں پہاڑوں سے بھی بڑی بڑی خیانتیں اور غلطیاں کرتے ہیں۔

مسلمانو! بیشک ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان آیتوں کا یہ مضمون ہے کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا مگر اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ ۔ (جن)

یعنی خدا عالم الغیب ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو اپنا علم غیب عطا فرماتا ہے۔

اور اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران)

یعنی اور اللہ عزوجل کی یہ شان نہیں ہے کہ تم عام لوگوں کو غیب پر مطلع فرمائے لیکن اللہ عزوجل اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو علم غیب بتانے کیلئے چن لیتا ہے۔

اب برادرانِ ملت اذرا انتہائی توجہ کے ساتھ غور فرمایئے کہ کچھ آیتوں کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی علم غیب نہیں جانتا اور کچھ آیتوں کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے رسولوں کو علم غیب حاصل

ہوتا ہے۔ اب ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں بظاہر کھلا ہوا تعارض اور ٹکراؤ نظر آتا ہے اور یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قرآن کی کسی آیت کا انکار بھی کفر ہے' لہٰذا ہم ان آیتوں میں سے کسی ایک آیت کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر ہر آیت پر ایمان لانا فرض ہے۔

لہٰذا مسلمان بھائیو! اب میں صاف کہتا ہوں کہ اگر رسول کے علم غیب کا انکار کرنے والوں میں دیانت و ایمانداری کا جوہر ہوتا تو وہ لوگ ان سب آیتوں کو نظر میں رکھ کر ان آیتوں کا ایسا مطلب بیان کرتے کہ قرآن کی آیتوں کا یہ ظاہری تعارض اور ٹکراؤ رفع ہو جاتا اور چمکتے ہوئے سورج کی طرح ان آیاتِ قرآنیہ کا مطلب ہر خاص و عام پر ہدایت کا نور بکھیر دیتا۔ مگر برا ہو خیانت اور بددیانتی کا کہ دیوبندی علماء ان آیتوں کو تو پڑھ پڑھ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں جن آیتوں میں بظاہر علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی ہے مگر جن آیتوں میں علم غیب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب و ماہتاب چمک رہے ہیں۔ ان پر یہ لوگ اس طرح پردہ ڈالے ہوئے ہیں کہ گویا ان آیتوں کا قرآن میں وجود ہی نہیں۔ کبھی بھول کر بھی ان آیتوں کو مجمع عام میں نہیں پڑھتے' بلکہ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تطبیق آیات

مگر بحمدہ تعالیٰ ہم اہل سنت و جماعت ہرگز ہرگز اہل خیانت اور ملت فروش نہیں ہیں اور ہم یہودیوں کے احبار و رہبان کے ملعون طریقے پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہم ہرگز ہرگز کبھی بھی خدا کی چمکتی ہوئی آیتوں کو نہیں چھپاتے اور ہم علی الاعلان کہتے ہیں اور ایمان رکھتے ہیں کہ بیشک خدا کا یہ فرمان صحیح ہے' حق ہے' برحق ہے کہ:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ یعنی اللہ عزوجل کے سوا آسمان و زمین میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

اور اسی طرح ہم یہ بھی ایمان رکھتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ خدا کا فرمان اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ بھی صحیح ہے۔ حق ہے' برحق ہے کہ خدا کے پسندیدہ رسول علم غیب جانتے ہیں اور خدا کی قسم! ہمارا ایمان ہے کہ یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے سو فیصدی درست و صحیح اور حق ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ کوئی خود بخود بغیر خدا کے بتائے اپنی ذاتی قدرت سے تمام علوم غیبیہ کو نہیں جانتا اور جہاں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ پسندیدہ رسولوں کو علم غیب ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا کے عطا فرمانے سے بعض علوم غیبیہ مثلاً مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنَ کا علم رسولوں کو حاصل ہے۔ یعنی جہاں جہاں غیر خدا سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ وہاں علم غیب سے مراد ''علم غیب ذاتی ہے۔'' اور تمام مغیبات کا علم غیب مراد ہے اور جہاں جہاں غیر خدا مثلاً رسولوں کے لئے علم غیب کا ثبوت آیا ہے۔ اس سے مراد ''علم غیب عطائی'' اور بعض مغیبات کا علم غیب مراد ہے۔ مگر یاد رکھئے کہ بعض مغیبات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ علم ماکان وما یکون یعنی جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا اور لوح وقلم کا علم سب اس بعض میں داخل ہیں اور یہ تمام علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خداوند تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہیں۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ اس تقریر اور تطبیق کے بعد ان تمام آیات واحادیث میں نہ کوئی تعارض رہ جاتا ہے نہ کوئی ٹکراؤ اور اہل سنت کا یہ عقیدہ آفتاب عالم تاب کی طرح چمک اٹھتا ہے کہ خدا کو بھی علم غیب ہے اور خدا کی عطا سے اس کے رسولوں کو بھی علم غیب ہے مگر خدا کے علم غیب اور رسولوں کے علم غیب میں بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کا علم غیب ذاتی اور غیر متناہی ولامحدود ہے اور رسولوں کا علم غیب عطائی اور متناہی ومحدود ہے۔ خدا کا علم غیب قدیم اور غیر فانی ہے اور رسولوں کا علم غیب حادث اور فانی ہے۔

برادرانِ ملت! اب ایمان سے بتایئے! کہ علم غیب ذاتی اور علم غیب عطائی میں اور علم غیب غیر محدود اور علم غیب محدود میں۔ علم غیب قدیم اور علم غیب حادث میں۔ علم غیب غیر فانی اور علم غیب فانی میں کتنا بڑا اور کس قدر عظیم فرق ہے؟ مگر اس کے باوجود ہم سنیوں پر یہ تہمت لگا کہ ہم خدا اور رسول کے علم کو برابر ٹھہراتے ہیں ہم لوگوں کے سر شرک کا الزام تھوپنا یہ علماء دیوبند کا کتنا بڑا ظلم عظیم ہے؟ اور خود ان کا یہ ظلم ہے کہ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (نمل) کی آیت کو پڑھ پڑھ کر رسول کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ وغیرہ سینکڑوں آیتوں اور حدیثوں کا انکار کر کے یہ لوگ جہنم کے کون سے طبقے میں پہنچ چکے ہیں؟ انہیں ذرہ بھر اس کا احساس نہیں کبھی خدا کی آیات بینات کو چھپاتے ہیں اور کبھی تحریف کرتے ہیں۔ کبھی قرآن مجید کے ایمانی مضامین کے انوار اپنی غلط تاویلوں سے ظلمتوں کے عمیق غار میں دفن کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ ہائے افسوس بالکل سچ کہا علامہ اقبال نے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

برادرانِ ملت! میں نے جو خدا کے علم غیب اور رسول کے علم غیب میں یہ فرق بیان کیا تو

آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرے دماغ کی اپج یا میری خیالی تک بندی ہے بلکہ علم تفسیر کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی میں آیت قُلْ لَا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کی تفسیر میں صاف صاف لکھا ہے کہ:

فِیْہِ دَلَالَۃٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ بِالْاِسْتِقْلَالِ لَا یَعْلَمُہٗ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی علم غیب ذاتی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فرمائیے؟ اس عبارت کا اس کے سوا اور کیا مطلب ہے؟ کہ علم غیب عطائی رسولوں کو حاصل ہے۔

بہرکیف! اب یہ مسئلہ ایک حد تک نُوْرٌ عَلٰی نُوْر ہو گیا کہ علم غیب ذاتی تو خدا کا خاصہ ہے۔ یہ علم غیب خدا کے سوا کسی دوسرے کے لئے ثابت کرنا یقیناً شرک ہے۔ لیکن علم غیب عطائی یقیناً رسولوں کے لئے خدا کی عطا سے حاصل ہے اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ نے سب رسولوں سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے کیونکہ آپ کی شان میں اس رب کریم کا ارشاد ہے کہ

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا

یعنی اے محبوب! آپ جو کچھ نہیں جانتے تھے ان سب چیزوں کا اللہ عزوجل نے آپ کو علم عطا فرما دیا ہے اور آپ پر اللہ کا فضل بہت ہی بڑا ہے۔

پانچ چیزوں کا علم

حضرات! اب میری اس تقریر سے سورۂ لقمان کی آیت کریمہ کا مضمون بھی حل ہو گیا کہ خداوندِ عالم نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کب آئے گی؟ بارش کب ہوگی؟ بچہ دانی میں کیا ہے؟ کون کل کیا کام کرے گا؟ کون کہاں مرے گا؟ ان پانچ چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں! تو اس کا مطلب یہی ہے کہ بغیر خدا کے بتائے خود بخود کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم نہیں ہو سکتا' لیکن خدا کے بتا دینے سے یقیناً ان پانچوں چیزوں کا علم بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے

چنانچہ عارف باللہ حضرت شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَقُّ اَنَّہٗ لَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا

یعنی علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ ہمارے نبی

مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ عَلٰی تِلْکَ الْخَمْسِ وَلٰکِنَّہٗ اُمِرَ بِکَتْمِھَا
(صاوی ج ۳ص ۲۶۰)

ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پانچ چیزوں کا علم عطا فرما دیا لیکن خدا نے اپنے حبیب کو ان علوم کے چھپانے کا حکم فرما دیا۔

اور حضرت قطب الوقت سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ

کَیْفَ یَخْفٰی اَمْرُ الْخَمْسِ عَلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْوَاحِدُ مِنْ اَھْلِ التَّصَرُّفِ مِنْ اُمَّتِہِ الشَّرِیْفَۃِ لَا یُمْکِنُہٗ التَّصَرُّفُ اِلَّا بِمَعْرِفَۃِ ھٰذِہِ الْخَمْسِ۔

یعنی ان پانچوں چیزوں کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟ جب آپ کے ایک صاحب تصرف امتی کو بغیر ان پانچوں علوم کے تصرف ممکن نہیں (کتاب ابریز ص ۱۵۸)

مسلمانو! حضرت قطب الوقت سیدی عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمۃ کے اس قول نے واضح کر دیا کہ حضور تو حضور ہیں۔ ان کی ارفع و اعلیٰ شان کا تو کیا کہنا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام اور غلاموں کو بھی ان پانچوں چیزوں کا علم ہوتا ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے اقطاب کو ان چیزوں کا علم خداوند تعالیٰ کے عطا فرمانے سے ہوا کرتا ہے اور وہ لوگ اپنے اسی علم کی بناء پر باذن اللہ عالم میں تصرفات فرماتے ہیں اور جب اقطاب کو ان چیزوں کا علم ہوتا ہے تو پھر بھلا غوث العالم کے علوم کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر اولین و آخرین کے سردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی وسعتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے؟ کیا وہ ہر چیز کے عالم وجود میں آنے کا سبب ہیں اور ساری کائنات انہیں کے طفیل میں پیدا ہوئی ہے اور وہ باذن اللہ تمام کائنات پر تصرف فرما رہے ہیں سبحان اللہ! سبحان اللہ!

وہی نور حق وہی ظل رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

علم قیامت

برادرانِ ملت! ان پانچ علوم میں پہلا علم، قیامت کا علم ہے یعنی ''قیامت کب ہوگی؟'' اس کے بارے میں عارف باللہ شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ احزاب کی آیت وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ کی تفسیر میں فرمایا کہ:

وَھٰذَا اِنَّمَا ھُوَ وَقْتَ السُّوَالِ وَاِلَّا فَلَمْ یَخْرُجْ نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی اَطْلَعَہُ اللّٰہُ

یعنی جس وقت کفار نے آپ سے قیامت کا سوال کیا تھا۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیامت کا علم نہیں تھا ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

عَلٰی جَمِیْعِ الْمُغَیَّبَاتِ وَمِنْ جُمْلَتِهَا السَّاعَةُ لٰکِنْ اُمِرَ بِکَتْمِ ذَالِکَ۔
(صاوی ج۳ص ۲۸۹)

دنیا سے اس وقت تک تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام غیوب کے علوم پر مطلع فرما دیا اور انہیں میں سے ''قیامت'' کا علم بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دے دیا تھا کہ ''قیامت کب آئے گی'' اس علم کو آپ امت سے چھپائیں!

برادرانِ ملت! غور فرمایئے یہ ان مفسرین کرام کے اقوال و عقائد ہیں جن کو اگر ملت اسلامیہ کا ستون محکم کہا جائے تو یہ بھی اظہار حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا اور اگر ان مقدس بزرگوں کو آسمانِ امت کے درخشاں ستاروں سے تعبیر کیا جائے تو یہ بھی کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ ان مقدس اولیاء امت کے عقائد ہمارے لئے نجات کا ذریعہ بنیں گے یا ان بارگاہِ نبوت کے گستاخوں کی بکواسیں جنہوں نے علم نبوت کو اس قدر گھٹایا کہ معاذ اللہ! سرورِ کائنات کے بارے میں یہاں تک لکھ دیا کہ ان کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ اور معاذ اللہ! ان کا علم جانوروں اور پاگلوں کے علم کے مثل ہے۔ توبہ توبہ (نعوذ باللہ منہ)

مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتانے ہی سے تو آج مسلمانوں کا بچہ بچہ یہ جانتا ہے کہ قیامت جمعہ کے دن ہوگی اور محرم کی دس تاریخ کو ہوگی اور قیامت سے پہلے بہت سی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ مثلاً یاجوج و ماجوج کا نکلنا' دجال کا خروج' حضرت مہدی کا ظہور' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول' نفخ صور' حشر و نشر' حساب و کتاب وغیرہ یہ ساری باتیں حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بتا دی ہیں۔

تو برادرانِ اسلام! اللہ انصاف فرمایئے کہ جو ذات اقدس قیامت کا دن' قیامت کی تاریخ' قیامت کا مہینہ' قیامت کی سب نشانیاں اپنی امت کو بتا دے۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کس طرح جائز ہوگا؟ کہ ان کو قیامت کا علم ہی نہیں تھا۔ ہاں صرف ایک چیز یعنی قیامت کا سنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو نہیں بتایا تو اس کا سبب یہی تھا کہ خداوند عالم نے آپ کو اس کے چھپانے کا حکم دے دیا تھا اور اس میں اللہ و رسول عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بڑی حکمتیں تھیں۔ چنانچہ ایک بڑی مصلحت اور حکمت یہ بھی تھی کہ اگر حضور قیامت کا سنہ بھی امت کو بتا دیتے تو قرآن خدا کا کلام جھوٹا ہو جاتا کیونکہ حضرت حق جل مجدہ' کا ارشاد ہے کہ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً یعنی قیامت تو بالکل اچانک ہی آئے گی۔

اب آپ ہی بتائیے کہ اگر دن تاریخ مہینہ کے ساتھ ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کا سنہ بھی امت کو بتا دیتے تو پھر قیامت کا آنا اچانک کیسے ہوتا؟ لوگ ہمیشہ گنتے رہتے کہ اب قیامت کو اتنے برس اتنے مہینے اتنے دن باقی رہ گئے ہیں' پھر خدا کا فرمان لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً بالکل غلط اور جھوٹ ہو جاتا۔ پھر کسی چیز کے نہ بتانے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہیں تھا۔ آخر حروف مقطعات اور آیاتِ متشابہات کے معانی کو بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو نہیں بتایا تو کون کہہ سکتا ہے؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حروف مقطعات اور آیات متشابہات کا علم نہیں تھا اگر کوئی بدنصیب یہ کہہ دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے حروف مقطعات مثلاً الم وغیرہ کا علم نہیں تھا تو پھر غضب ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ پر ایک لغو فعل کا الزام لازم آئے گا کہ اس نے اپنے حبیب سے ایسی لغت میں کلام فرمایا جس کو اس کے حبیب نے سمجھا ہی نہیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہوا کہ جو شخص انگریزی نہیں جانتا اس سے کوئی انگریزی زبان میں گفتگو کرے تو آپ ہی بتائیے کہ اس کو لغویت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

بہرکیف! مسلمانو! ہم مسلمانان اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ عالم الغیب والشہادہ نے یقیناً اپنے محبوب کو قیامت کا علم عطا فرمایا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوب جانتے تھے کہ قیامت کب آئے گی۔

بچہ دانی میں کیا ہے؟

بہر حال! حضرات! قیامت کے بارے میں تو آپ سن چکے۔ اسی طرح ماں کی بچہ دانی میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس بات کا علم بھی خلاقِ کائنات نے سرورِ کائنات کو عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ مشہور محدث ابو نعیم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب دلائل النبوۃ میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچی اُمّ الفضل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزریں تو آپ نے فرمایا کہ چچی جان! تمہارے حمل میں لڑکا ہے جب یہ پیدا ہو تو اس کو میرے پاس لانا۔ چنانچہ اُمّ الفضل کا بیان ہے کہ میرے فرزند تولد ہوا اور جب میں اس کو خدمتِ اقدس میں لے کر حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھی اور اپنا لعاب دہن اس کو چٹا دیا اور اس کا نام عبداللہ رکھا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ "اِذْهَبِىْ بِاَبِى الْخُلَفَاءِ" یعنی خلفاء کے باپ کو لے جاؤ۔

حضرت اُمّ الفضل کہتی ہیں کہ مجھے یہ ارشاد سن کر بڑا تعجب ہوا اور میں نے اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے خود دربار نبوت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔

یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے میرے بچے کے بارے میں ایسا ایسا ارشاد فرمایا ہے؟ تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں! ہاں! میں نے ایسا ہی کہا ہے۔

هُوَ اَبُ الْخُلَفَاءِ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ السَّفَّاحُ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمُ الْمَهْدِيُّ حَتّٰى يَكُوْنَ مِنْهُمْ مَنْ يُصَلِّيْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۵)

یعنی یہ تمہارا بچہ واقعی خلفاء کا باپ ہے، اسی کی نسل سے "سفاح" بھی ہوگا۔ اسی کی اولاد میں "مہدی" بھی ہوگا۔ یہاں تک کہ اسی کی اولاد میں سے کچھ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ اس حدیث میں رحمتِ عالم نے صرف اتنا ہی نہیں فرمایا کہ ام الفضل کے شکم میں فرزند ہے۔ بلکہ اس بچے کے مستقبل کے بارے میں یہ سب غیب کی خبریں بھی دے رہے ہیں کہ یہ بچہ خلفاء بنو العباس کا مورثِ اعلیٰ ہوگا اور اس کی نسل سے خلفاء پیدا ہوں گے اور اس کی نسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک باقی رہے گی۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! بزرگو اور دوستو! یہ تو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی تجلیاں ہیں۔ اجی۔ ان کے علوم و معارف کی وسعتوں کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ یہ تو اعلم الخلق ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

حضرت نوح علیہ السلام جو یقیناً پیارے مصطفیٰ ﷺ کے خوشہ چین ہیں: ان کے علوم کی گہرائیوں کا مقام اتنا ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ خداوندِ عالم سے اس طرح دعا مانگتے ہیں کہ

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

یعنی اے میرے رب! زمین پر کسی کافر کو آباد مت چھوڑ۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا

یعنی اگر تو نے ان لوگوں کو چھوڑ دیا تو یہ لوگ بڑے بڑے بدکار و کفار کو جنیں گے۔

دیکھ لیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی چشم بصیرت کی غیب دانی کا جلوہ کہ انہوں نے کفار مردوں کی پشت میں جو نطفے تھے اور کافرات عورتوں کے رحم میں جو حمل تھے۔ وہ لڑکے ہیں یا لڑکیاں؟ صرف اتنا ہی علم نہیں۔ بلکہ آپ تو ان کے بارے میں یہاں تک علم رکھتے تھے کہ ان کے دلوں میں کفر ہوگا یا ایمان اور وہ بدکار ہوں گے یا نیکوکار۔

برادرانِ ملت اللہ! بتایئے۔ کیا یہ دلائل و شواہد کے اونچے اونچے منارے ہم کو اس بات کی

ہدایت نہیں کرتے؟ کہ خاصانِ خدا انبیاء و اولیاء کو خدا کی عطا سے "مَافِی الْاَرْحَامْ" ماؤں کی بچہ دانیوں میں کیا ہے؟ اس کا علم ہوا کرتا ہے۔

مسلمانو! میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ واللہ! ان آیات بینات اور دلائل و شواہد کے حق نما مناروں پر رشد و ہدایت کے سینکڑوں چراغ جگمگا رہے ہیں جن سے طالبانِ حق کو نور ہدایت کی روشنی ملتی رہتی ہے مگر اس کا کیا علاج؟ کہ کچھ ایسے بدنصیب ہر دور میں رہے جن کے کانوں، آنکھوں اور دلوں پر شقاوت کی ایسی مہر لگ چکی ہے کہ وہ نہ حق سنتے ہیں نہ حق کو دیکھتے ہیں، نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔ افسوس

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

کل کیا کرے گا؟

حضرات اسی طرح پانچ علوم میں سے یہ علم کہ "کون کیا کرے گا؟" اس کا علم بھی حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ کون نہیں جانتا کہ جنگ خیبر کے دن سرکارِ دو جہاں نے یہ اعلان فرمایا کہ

لا عطین هٰذِهِ الرایة غَدًا رَجُلاً یَفْتَحُ اللہُ عَلٰی یَدَیْهِ یُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَهٗ (مشکوٰۃ باب مناقب علی)

یعنی کل میں یہ جھنڈا اس مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح فرمائے گا اور وہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔

چنانچہ رحمت عالم نے دوسرے دن جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست میں دیا اور انہوں نے خیبر کو فتح کر لیا۔

حضرات! فرمایئے! کیا اس حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا؟ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قبل ہی بتا دیا کہ کل حضرت علی خیبر کو فتح کر لیں گے۔ یقیناً اس حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا عقل والا نہیں ہو سکتا جو اس کا انکار کر سکے۔ اب آپ سوچئے اور بتایئے کہ یہ "مَاذَا تَکْسِبُ غَدًا" یعنی کل کون کیا کرے گا؟ کا علم نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟

کون کہاں مرے گا

اچھا اب پانچ علوم میں سے اس علم کے بارے میں بھی سن لیجئے کہ "کون کہاں مرے گا؟"
برادرانِ ملت! اس حدیث کو غالباً آپ صاحبان بار بار سن چکے ہوں گے کہ جنگ بدر کے

موقع پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن قبل ہی ایک چھڑی سے میدانِ جنگ میں لکیر کھینچ کر یہ فرمادیا تھا کہ یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے اور یہ فلاں کافر کے مقتول ہونے کا مقام ہے۔ اس حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ

فَمَا فَاتَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مسلم ج۲ باب غزوۂ بدر)

یعنی مقتولین کفار میں سے کوئی بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے ایک ذرا بھی نہیں ہٹا جس جگہ جس شخص کے قتل ہونے کی جگہ آپ نے معین فرمادی تھی۔ اسی جگہ اس کی لاش ملی۔

الغرض! میں کہاں تک آپ کو دلائل سناؤں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خداوندِ عالم نے اپنے حبیب کو ہر اس چیز کا علم عطا فرمادیا جس کو حبیبِ خدا نہیں جانتے تھے اور ان پانچوں علوم کو بھی محبوبِ خدا خدا کی عطا سے یقیناً جانتے تھے۔ یہی اہل سنت و جماعت کا وہ مقدس عقیدہ ہے جو قرآن و حدیث اور تعلیمات صحابہ کا عطرِ معطر اور نورِ مقطر ہے پڑھئے درود شریف بہ آواز بلند اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلَاةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ۔

علم غیب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ

برادرانِ اسلام! اب آخر میں ایک اور بات عرض کر کے میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور یہ ایسی چبھتی ہوئی بات ہے کہ منکرین کے لئے ایک بہت بڑی دعوتِ غور و فکر ہے کہ وہ لوگ اس پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کر کے یہ فیصلہ کریں کہ رسول کے علم غیب کا مسئلہ عقائد اسلام کی کس منزل میں ہے؟

اور وہ بات یہ ہے کہ اس کو تو ہر شخص جانتا اور مانتا ہے کہ قرآن مجید کو سب سے زیادہ جن بزرگوں نے سمجھا وہ صحابہ کرام کی مقدس جماعت ہے۔ آج علماء دیوبند جن جن آیتوں کو پڑھ پڑھ کر رسول کے علم غیب کا انکار کرتے ہیں۔ کیا صحابہ کرام کے علم میں یہ آیتیں نہیں تھیں؟ دنیا بھر میں کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ صحابہ قرآن کی ان آیتوں سے بے خبر تھے' نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! یقیناً صحابہ کو ان سب آیتوں کا علم تھا اور اتنا زیادہ علم تھا کہ قیامت تک کسی امتی کو بھی اتنا زیادہ قرآن کا علم نہیں ہوگا کیونکہ آسمانِ امت کے ان درخشاں ستاروں نے خود صاحبِ قرآن کے مشکوٰۃِ نبوت سے علم قرآن کا نور حاصل کیا تھا۔ اس لئے علم نبوت کا فیضانِ علم جس قدر صحابہ کے سینوں میں موجزن ہوا۔ ظاہر ہے کہ دوسروں کو یہ شرف نہ ملا' نہ قیامت تک ملے گا۔

مگر یہ غور کرنے اور سوچنے کی بات ہے کہ ان آیتوں کا مکمل اور پورا پورا علم رکھنے کے باوجود صحابہ کرام بار بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیثوں کی مشہور و مستند کتابوں میں ''کتاب الفتن'' و ''کتاب الرقاق'' کی سینکڑوں حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں تو کیا دنیا کا کوئی عالم یہ بتا سکتا ہے؟ کہ صحابہ نے کبھی بھی یہ کہا ہو کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ غیب کی خبریں کس طرح دے رہے ہیں؟ قرآن میں تو یہ ہے ''خدا کے سوا کوئی غیب جانتا ہی نہیں۔''

مسلمانوں میں چیلنج دیکر کہتا ہوں کہ قیامت تک کوئی عالم یہ نہیں بتا سکتا کہ کبھی بھی کسی صحابی نے رسول سے غیب کی خبر سن کر یہ کہا ہو۔ بلکہ ہر مکتب خیال کے علماء جانتے ہیں کہ صحابہ کا خود یہ عمل اور دستور رہا کہ وہ بار بار رسولِ پروردگار صلی اللہ علیہ وسلم سے غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر ایسا مضبوط و مستحکم ایمان رکھتے تھے کہ جس طرح انہیں سورج کے روشن ہونے کا یقین تھا اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر یقین واطمینان بلکہ حق الیقین اور محکم ایمان تھا۔

میں پوچھتا ہوں کہ علماء دیوبند میں وہ کونسا عالم ہے جو اس حدیث کو نہیں جانتا جس کو امام بخاری نے ''باب مایکرہ من کثرۃ السوال'' کے تحت نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے اور قیامت کے دن اور قیامت سے پہلے کی بڑی بڑی ہونے والی باتوں کا ذکر فرمایا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جو شخص جس چیز کے بارے میں مجھ سے سوال کرنا چاہے۔ وہ سوال کرلے کیونکہ خدا کی قسم! میں جب تک اس جگہ میں ہوں تم لوگ جس چیز کے بارے میں بھی مجھ سے سوال کروگے۔ میں تمہیں اس کی خبر دوں گا۔ یہ سن کر لوگ بہت زیادہ رونے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرمانے لگے کہ مجھ سے پوچھو۔ مجھ سے پوچھو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوگیا فقال این مدخلی یارسول اللہ قال النار اس شخص نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں کہاں داخل کیا جاؤں گا؟ جنت میں یا جہنم میں؟ تو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا ٹھکانہ جہنم ہے۔ پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوگئے اور عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم میرا باپ کون ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ تیرا باپ حذافہ ہے۔ (بخاری ج۲ ص۱۰۸۳)

مسلمانو! غور کرو کہ مجمع عام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بار بار للکار رہے ہیں کہ تم لوگ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو' کیوں جناب! یہ بات کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو' یہ کون کہہ سکتا ہے؟

خدا کی قسم! یہ بات تو وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں تمام علوم کا خزانہ جمع ہو اور جو علم غیب اور علم شہادت سب کچھ جانتا ہو۔ پھر دو شخصوں نے دو غیب کی خبروں کا سوال کیا۔ ایک کا سوال ہے کہ میں جنتی ہوں یا دوزخی اور دوسرا یہ دریافت کرتا ہے کہ میں کس کے نطفے سے پیدا ہوا ہوں؟ اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تامل ان غیب کی دونوں خبروں کا جواب بھی دیدیا۔

مسلمانو! کیا بخاری کی اس حدیث نے ہمیں جھنجھوڑ کر یہ نہیں بتا دیا؟ کہ صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا کہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی عطا سے غیب حاصل ہے۔ یقیناً اس حدیث نے اور اس جیسی سینکڑوں حدیثوں نے یہ اعلان کر دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہت سی غیب کی خبریں دیتے رہے اور صحابہ کا بھی یہی ایمان تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقیناً علم غیب حاصل ہے ورنہ صحابہ کبھی ہرگز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غیب کی باتیں نہ دریافت کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر غیب کی خبریں دیتے تو صحابہ کرام ضرور یہ سوال کرتے کہ قرآن میں جب خدا نے یہ فرما دیا کہ خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا تو پھر یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آپ کو کس طرح غیب کا علم ہو گیا؟ مگر خدا گواہ ہے کہ کبھی بھی صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی غیب کی خبروں پر اعتراض نہ کیا۔ نہ کسی کو اس میں کبھی ذرہ برابر شک ہوا' بلکہ تاریخ صحابہ سے پتا چلتا ہے کہ صحابہ کرام کھلم کھلا اپنے اس عقیدہ کا اعلان و اظہار فرمایا کرتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم "غیب داں" ہیں اور علم غیب جانتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اس وقت ایک حدیث یاد آ گئی جس کو محمد بن اسحاق محدث نے اپنے "مغازی" میں نقل کیا ہے۔

مالک بن عوف کے دو شعر

حضرات! روایت ہے کہ قبیلہ "ہوازن" کے رئیس مالک بن عوف جنگ حنین میں شکست کے بعد طائف بھاگ گئے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اعلان فرما دیا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر پلٹ آئے تو میں اس کے اہل و مال کو واپس لوٹا دوں گا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو گئے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اہل و مال کو واپس کر دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کریمانہ عنایت کو دیکھ کر مالک بن عوف کے سینے میں جذبہ تشکر سے ان کا دل اس قدر متاثر ہوا کہ انہوں نے جوش عقیدت میں فوراً ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ مدحیہ پڑھا جس کے دو شعر آپ بھی سنیئے اور جذبہ و تاثر سے سر دھنئے۔ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں کہ

مَا اِنْ رَاَیْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِوَاحِدٍ
فِی النَّاسِ کُلِّهِمْ کَمِثْلِ مُحَمَّدٍ
اَوْفٰی فَاَعْطٰی لِلْجَزِیْلِ لِمُجْتَدٍ
وَمَتٰی تَشَاءُ یُخْبِرْكَ عَمَّا فِیْ غَدٍ

یعنی تمام انسانوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل نہ میں نے دیکھا نہ سنا۔ جو سب سے زیادہ وعدہ کو پورا کرنے والے اور سب سے زیادہ مالِ کثیر عطا فرمانے والے ہیں اور تم جب چاہو ان سے پوچھ لو۔ وہ کل آئندہ کی خبر تم کو بتا دیں گے۔

حضرات! روایت ہے کہ نعت کے یہ اشعار سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے خوش ہو گئے اور ان کے لئے کلماتِ خیر فرماتے ہوئے انہیں بطورِ انعام ایک حلہ بھی عنایت فرمایا۔

(حاشیہ الدولۃ المکیہ ص ۱۶۷)

حسان کی ایک نعت

اسی طرح مشہور مداحِ نبی حضرت حسان بن ثابت صحابی رضی اللہ عنہ کے دو نعتیہ اشعار بھی قابلِ سماعت اور بڑے ہی ایمان افروز ہیں جو زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۲۷ پر درج ہیں۔ سبحان اللہ! حضرت حسان کیا فرماتے ہیں؟ سنیے!

نَبِیٌّ یَرٰی مَالَا یَرَی النَّاسُ حَوْلَهٗ
وَیَتْلُوْ کِتَابَ اللّٰهِ فِیْ کُلِّ مَشْهَدٖ

یعنی نبی اپنے گرد و پیش میں وہ سب کچھ دیکھتے ہیں جن کو دوسرے تمام انسان نہیں دیکھ پاتے ہیں اور نبی ہر جگہ خدا کی کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں۔

فَاِنْ قَالَ فِیْ یَوْمٍ مَقَالَةَ غَائِبٍ
فَتَصْدِیْقُهَا فِیْ ضَحْوَةِ الْیَوْمِ اَوْغَدٖ

اور اگر نبی کوئی غیب کی بات کسی دن فرما دیں تو آج یا کل کے روزِ روشن میں اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

حضراتِ گرامی! حضرت مالک بن عوف اور حضرت حسان بن ثابت دونوں صحابیوں نے حضور کے دربار میں ان اشعار کو پڑھا جن کا مضمون یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور غیب کی خبر دیتے ہیں مگر شہنشاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعار کو سن کر نہ منع فرمایا' نہ ان

دونوں سے توبہ کا مطالبہ فرمایا بلکہ ان دونوں کے حسن عقیدت کے جذبات کی عزت افزائی فرماتے ہوئے خوشی کا اظہار فرمایا اور انعام عطا فرمایا اگر واقعی ان شعروں کا مضمون شرک' یا کم از کم غلط ہی ہوتا تو خدا کی قسم! ضرور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سے توبہ کراتے اور ہرگز ہرگز کبھی ان شعروں کو سننا گوارا نہ فرماتے۔

انصاری بچیوں کے گیت

حضرات! حضرت مالک بن عوف اور حضرت حسان بن ثابت وغیرہ کا تو خیر بڑے بڑے صحابہ کبار میں شمار ہے۔ اجی! میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا مسئلہ دور صحابہ میں اتنا مشہور اور اس قدر شہرۂ آفاق تھا کہ ننھی ننھی بچیاں بھی اپنے اشعار اور گیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے نغمے گایا کرتی تھیں۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میری شادی کے دن میرے گھر تشریف لائے تو بچیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ داداؤں کا مرثیہ پڑھنے لگیں جو جنگ بدر میں شہید ہوئے تھے۔ اسی درمیان میں اچانک ایک لڑکی نے نعت شریف کا یہ مصرع پڑھنا شروع کر دیا۔ وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ یعنی ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل آئندہ میں ہونے والی باتوں کو جانتے ہیں۔

فَقَالَ دَعِي هٰذِهٖ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ (مشکوٰۃ باب اعلان النکاح)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کی زبان سے یہ مصرع سن کر فرمایا کہ اس مصرع کو رہنے دو اور وہی کہو جو کہہ رہی تھیں۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ یہ انصار کی بچیاں ہیں جو نہایت بے تکلفی کے ساتھ یہ مصرع گاتی ہیں کہ "وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ۔ یعنی نبی غیب داں ہیں جو کل آئندہ کی بات جانتے ہیں۔

مسلمانو! یہ تجربہ ہے کہ بچوں بچیوں کی زبان پر وہی اشعار اور گانے چڑھ جاتے ہیں جن کا بڑوں میں بہت زیادہ چرچا ہا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مصرع ان بچیوں کا بنایا ہوا نہیں تھا' بلکہ یقیناً کسی بڑے صحابی کا کہا ہوا مصرع تھا جو اس قدر زبان زد خلائق اور مشہور آفاق ہو چکا تھا کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو بھی یاد ہو گیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچی کی زبان سے یہ مصرع سنا لیکن نہ منع فرمایا' نہ یہ فرمایا کہ یہ مصرع شرک ہے۔ یا گناہ ہے بلکہ صرف اتنا فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور وہی شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھو جو تم پڑھ رہی تھیں۔ اگر اس شعر میں کوئی شرک یا گناہ کی بات ہوتی تو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بحیثیت نبی ہونے کے فرض تھا کہ اس سے منع فرماتے۔ لیکن آپ نے اس مصرع کو گناہ نہیں بتایا بلکہ چونکہ شہدائے بدر کے مرثیہ سے آپ کو کیف آ رہا تھا۔ اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ یہ نہ پڑھو بلکہ وہی پڑھو جو پہلے پڑھا جا رہا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اے دنیا بھر کے انصاف پسندو! للہ! انصاف کرو اور بتاؤ کہ اس حدیث میں کونسا ایسا لفظ ہے؟ جس سے یہ سمجھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کل آئندہ کا علم ماننا شرک ہے' بارہا ہماری آپ کی مجلسوں میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک قاری کوئی رکوع پڑھتا ہے۔ یا ایک نعت خواں کوئی نعت پڑھتا ہے اور اہل محفل کو کیف حاصل ہوتا ہے۔ پھر ناگہاں وہی قاری یا نعت خواں کوئی دوسرا رکوع یا دوسری نعت شروع کر دیتا ہے تو سب اہل مجلس پکار اٹھتے ہیں کہ آپ اس کو رہنے دیجئے اور جو پڑھ رہے تھے اسی کو پڑھتے رہئے تو آپ ہی بتائیے؟ کہ اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ کیا کسی کے نزدیک بھی اس کا یہ مطلب ہوسکتا ہے؟ کہ قاری یا نعت خواں نے جو دوسرا رکوع یا دوسری نعت پڑھی وہ شرک یا گناہ یا غلط ہے۔ معاذ اللہ! پھر حضور کے ارشاد "دعی ھذہ" کا یہ مطلب کس طرح ہوسکتا ہے؟ کہ وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَافِیْ غَدٍ شرک یا گناہ ہے۔

خلاصہء کلام

بہر کیف! برادرانِ ملت! میری اس تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہ نے جس طرح اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار معجزات اور فضائل و کمالات سے سرفراز فرمایا ہے اسی طرح آپ کو مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ یعنی ماضی و حال اور مستقبل کے علم غیب کا علمی خزانہ بھی عطا فرما دیا ہے جو بلاشبہ آپ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے!

لیکن خوب اچھی طرح اس مسئلہ کو ذہن نشین کر لیجئے کہ ہم مسلمانانِ اہل سنت و جماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب خداوندِ عالم کا عطا کیا ہوا ہے اور آپ کا یہ علم غیب رفتہ رفتہ بڑھتا رہا یہاں تک کہ آپ کا علم مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ اس وقت مکمل ہوگیا جب پورا قرآن نازل ہوگیا۔

علم نبوت کی تین قسمیں

اور یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ یہ بھی عقیدہ ہے کہ خداوندِ قدوس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین قسم کے علوم عطا فرمائے تھے۔ ایک تو وہ علوم تھے کہ جنہیں امت کو بتا دینا آپ پر فرض تھا۔ جیسے تمام احکامِ اسلام۔ دوسرے وہ علوم تھے جن کے بارے میں آپ کو خدا کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا

تھا کہ جس کو چاہیں بتائیں اور جس سے چاہیں چھپائیں جیسے بہت سے رموز واسرار اور غیب کی خبریں کہ آپ نے خاص خاص صحابہ کو بتایا اور عام امتیوں سے پوشیدہ رکھا۔ تیسرے وہ علوم جن کا تمام امت سے چھپانا آپ پر فرض تھا جیسے قیامت کا سنہ اور حروف مقطعات اور آیات متشابہات' چنانچہ تفسیر روح البیان جلد۳ ص۱۸۰ پر یہ حدیث تحریر ہے کہ:

فاورثنی علوم الاولین والاخرین وعلمنی علوما شتیٰ فعلم اخذ عهداً علیٰ کتمه وهو علم لاینقدر علیٰ حمله غیری وعلم خیرنی فیه وعلم امرنی بتبلیغه الیٰ الخاص والعام من امتی ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اولین و آخرین کے علوم کا وارث بنایا اور مجھے چند قسم کے علوم عطا فرمائے۔ ایک وہ کہ خدا نے ان کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا اور یہ وہ علوم تھے کہ جن کے اٹھانے کی طاقت میرے سوا کسی میں نہیں تھی اور ایک وہ علوم جن کے بتانے اور چھپانے کے بارے میں خدا نے مجھے اختیار دیا اور ایک وہ علوم جن کے بارے میں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں ان علوم کو اپنی امت کے ہر خاص و عام تک پہنچا دوں۔

برادرانِ ملت! الحاصل! علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اہلسنت کا عقیدہ بالکل بے غبار اور ایمانی صداقت کی روشنی سے پرانوار ہے۔ اس لئے ہم ان لوگوں سے جو اپنے قلم کی نوک اور زبان کے خنجر سے امتِ مسلمہ کے ایمانی سکون و قرار کو غارت کرتے رہتے ہیں۔ مخلصانہ گزارش کرتے ہیں کہ للہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کر کے اتحاد ملت کے مستحکم و مضبوط قلعہ کو اختلاف کے ڈائنامیٹ سے مسمار وملیامیٹ نہ کریں اور ملتِ اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر نہ کریں اور بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو گھٹا کر ان کے دربارِ عظمت میں سوءِ ادب کے گناہ عظیم سے باز رہ کر اپنی دنیا و آخرت کو ہلاکت و بربادی سے بچائیں اور مسلمانانِ اہل سنت کو لازم ہے کہ اپنے عقائد حقہ پر انتہائی عزم و استقامت کے ساتھ قائم رہیں اور دربار نبوت کے گستاخوں سے ہمیشہ دور رہیں۔ مولیٰ عزوجل ہم سب کو نیک توفیق عطا فرمائے اور استقامت کے ساتھ خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الاالبلاغ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه محمد و آله وصحبه اجمعین ۔

پچیسواں وعظ

نعرۂ رسالت

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یارسول اللہ ﷺ کی کثرت کیجئے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ نَبِیَّهُ الْمُصْطَفٰی عَلَی الْعَالَمِیْنَ جَمِیْعًا وَاَقَامَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِلْمُذْنِبِیْنَ الْخَطَّائِیْنَ الْهَالِکِیْنَ شَفِیْعًا وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ فَضْلُهُ فِی الدَّارَیْنِ رَفِیْعًا وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اَصَابُوْا بِطَاعَتِهٖ فِی الْجَنَّةِ مَکَانًا عَلِیًّا

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَالْفُرْقَانِ الْکَرِیْمِ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْیُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ (نور)

حضرات گرامی! میں اپنی تقریر سے پہلے حضرت مولانا حسن بریلوی علیہ الرحمۃ کا ایک سلام بارگاہِ رسالت میں بطور نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔آپ حضرات ایک ایک بار بہ آواز بلند درود وسلام کا ورد فرمالیں۔

اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم صلاۃ وسلاماً علیك یارسول الله وعلیٰ الك واصحابك یاحبیب الله!

اے مدینے کے تاجدار سلام — اے غریبوں کے غمگسار سلام

تیری اک اک ادا پہ اے پیارے — سو درودیں فدا ہزار سلام
میرے آقا پہ میرے پیارے پر — میری جانب سے لاکھ بار سلام
میری بگڑی بنانے والے پر — بھیج اے میرے کردگار سلام
"رب سلم" کے کہنے والے پر — جان کے ساتھ ہو نثار سلام
پردہ میرا نہ فاش حشر میں ہو — اے مرے حق کے رازدار سلام
عرض کرتا ہے یہ حسن تیرا
تجھ پہ اے خلد کی بہار سلام

محترم حاضرین! سورۂ نور کی اس نورانی آیت میں رب العزت جل وعلا نے اپنے حبیب مکرم نورمجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ نبوت کا ایک بڑا ہی پرنورادب ہم بندوں کو سکھایا ہے جو درحقیقت شانِ ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔

حضرات! خالق کائنات جل جلالہٗ کا ارشادگرامی ہے کہ:

لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا — یعنی اے ایمان والو! تم لوگ رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ آپس میں تم لوگ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

میرے بزرگو! اس نورانی تفسیر میں مفسرین کرام کے دو قول ہیں۔ اس آیت پاک کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اے ایمان والو! جب رسول کریم تم لوگوں کو پکاریں تو تم لوگ میرے رسول کی پکار کو ایسا مت سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے کو سمجھتے ہو کیونکہ تم لوگوں کے ایک دوسرے کو پکارنے کی تو یہ حیثیت ہے کہ کبھی تم لوگ کسی کی پکار پر حاضر ہوتے ہو کبھی نہیں، کبھی کسی کی پکار کو ٹال دیتے ہو۔ کبھی کسی کی پکار کو سنی ان سنی کردیتے ہو مگر محبوب خدا کی پکار کی تو یہ اہمیت و عظمت ہے کہ وہ جب تم کو پکار دیں تو تم پر فرض ہو جاتا ہے کہ تم جہاں بھی رہو جس حال میں بھی رہو جس کام میں بھی رہو فوراً ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر دوڑ کر حاضر ہو جاؤ اور خبردار! کبھی ہرگز ہرگز رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر حاضری دینے میں اک ذرا دیر نہ لگاؤ ورنہ تمہارے جسم کا رونگٹا رونگٹا اور بدن کا بال بال گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو جائے گا اور تم پر قہر ذوالجلال کی ایسی ایمان سوز بجلی گر پڑے گی کہ تم دونوں جہان میں خراب و خستہ حال ہو جاؤ گے، کیوں نہ ہو؟ کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے نائب اکرم اور خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں۔ اس لئے رسول کی پکار درحقیقت خدا کی پکار ہے۔ لہٰذا کہاں تمہاری پکار؟ اور کہاں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار؟ دونوں

میں بڑا فرق ہے، چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؎

یادِ محمد یادِ خدا ہے

دعوت حق ہے بلاتے یہ ہیں

اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے ایمان والو! تم لوگ میرے رسول کو اس طرح نہ پکارا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو بلکہ جب تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارو تو نہایت ہی تعظیم و تکریم اور نرم آواز کے ساتھ انتہائی متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں "یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم" کہہ کر پکارا کرو۔

(کنز الایمان وغیرہ)

برادرانِ ملت! اس آیت میں یا پورے قرآن کی کسی آیت میں بھی خداوندِ قدوس نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تم لوگ میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مت پکارو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم لوگ میرے رسول کو پکارو۔ مگر ہاں! یہ دھیان رکھو کہ میرے رسول کو اس طرح نہ پکارو جیسے کہ تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کو پکارا کرتے ہو۔ بلکہ تم پر فرض ہے کہ تم انہیں ایسے انداز خطاب اور معزز القاب سے پکارو جو ان کی عظمتِ شان کے شایانِ شان اور تمہاری والہانہ عقیدت اور نیازمندی کا نشان ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے جتنے طریقے ہیں۔ ان طریقوں سے رسول کو پکارنا حرام و گناہ ہے کیونکہ تم لوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے عام طور پر یہ طریقے ہیں کہ کبھی تم لوگ رشتوں کے ساتھ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ جیسے اے باپ! اے ماں! اے بھائی اور کبھی نام یا کنیت سے پکارتے ہو۔ جیسے اے زید! اے عمرو۔ اے فلاں کے باپ۔ اے فلاں کے بیٹے! کبھی پیشوں کے ساتھ پکارا کرتے ہو۔ جیسے اے سونار! اے لوہار! اے مزدور!

تو مسلمانو! قرآن کی یہ آیت لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا نے یہ بتا دیا کہ خبردار۔ تم لوگ جن طریقوں سے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ان طریقوں سے کبھی بھی ہرگز ہرگز رسول کو نہ پکارنا۔ بلکہ ہمیشہ انہیں ایسے طرز خطاب اور گراں قدر القاب سے پکارا کرو جس سے کمال ادب، اور حسن تعظیم کی جلالت نمودار ہو اور رسول کی عظمت و وقار اور رفعت و اقتدار کا اظہار ہوتا ہو۔ چنانچہ عارف باللہ حضرت علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

لَا تُنَادُوْهُ بِاِسْمِهٖ فَتَقُوْلُوْا يَا مُحَمَّدُ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام یا کنیت لے

وَبِكُنْيَتِهٖ فَتَقُوْلُوْا يَا اَبَا الْقَاسِمِ بَلْ نَادُوْهُ بِالتَّعْظِيْمِ وَالتَّكْرِيْمِ وَالتَّوْقِيْرِ ۔

کر نہ پکارو بلکہ ان کو تعظیم تکریم اور توقیر کے ساتھ پکارو۔

بِاَنْ تَقُوْلُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ۔ يَا اِمَامَ الْمُرْسَلِيْنَ ۔

یعنی انہیں یہ کہہ کر پکارو کہ یارسول اللہ یا نبی اللہ یاامام المرسلین صلی اللہ علیک وسلم۔

وَاسْتُفِيْدَ مِنَ الْاٰيَةِ اَنَّهٗ لَا يَجُوْزُ نِدَاءُ النَّبِيِّ بِغَيْرِ مَا يُفِيْدُ التَّعْظِيْمَ لَا فِيْ حَيَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ ۔

یعنی اس آیت سے یہ سمجھ لیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز ان القاب کے جن سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو کسی دوسرے لفظ سے پکارنا جائز نہیں ہے اور یہ حکم حضور کی حیات پاک میں بھی تھا اور آپ کی وفات کے بعد بھی یہی حکم ہے۔

فَبِهٰذَا يُعْلَمُ اَنَّ مَنِ اسْتَخَفَّ بِجَنَابِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَافِرٌ مَلْعُوْنٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔

(صاوی ج ۳ ص ۱۴۹)

یعنی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس جناب میں کوئی بے ادبی کرے وہ کافر اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! خداوند قدوس حضرت علامہ صاوی کی قبر منور کو اپنی رحمت کے پھولوں سے بھر دے کہ آپ نے کتنی نفیس اور ایمان افروز تقریر تحریر فرمائی ہے اور لَا فِیْ حَیَاتِهٖ وَلَا بَعْدَ وَفَاتِهٖ فرما کر قیامت تک کے لئے اس مسئلہ کو صاف فرما دیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات و وفات دونوں ہی حالتوں میں انہیں پکارنا جائز ہے مگر شرط یہی ہے کہ دونوں ہی حالتوں میں انہیں ایسے نفیس انداز خطاب اور ایسے شاندار القاب سے پکارا جائے کہ جس میں تعظیم و تکریم کا اعلان اور عظمت و احترام کا اظہار ہوتا ہو اور وہ معزز القاب یہ ہیں کہ انہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم یاامام المرسلین صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر پکارا جائے اور ہرگز ہرگز ان کا نام لے کر یا کوئی رشتہ جوڑ کر یا کسی ایسے لفظ سے انہیں نہ پکارا جائے جس سے عظمت کا اظہار نہ ہوتا ہو چنانچہ صحابہ کرام کی پوری تاریخ زندگی کا مطالعہ کرو۔ صحابہ کرام میں رسول کے طرح طرح کے رشتہ دار موجود تھے۔ حضرت عباس و حضرت حمزہ چچا تھے۔ حضرت علی چچازاد بھائی تھے۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم خسر تھے۔ حضرت عثمان غنی داماد تھے مگر خدا کی قسم! اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ کبھی حضرت عباس یا حضرت حمزہ نے رسول کو اے بھتیجے کہہ کر پکارا ہو یا حضرت علی نے اے بھائی! کہہ کر پکارا ہو یا حضرت صدیق اکبر

اور فاروق اعظم نے اسے داماد کہہ کر پکارا ہو۔ بلکہ ہر ایک نے جب بھی پکارا تو یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم اور یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہی کہہ کر پکارا۔ اسی طرح ان میں سے کسی نے بھی کبھی نہ یا محمد صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر پکارا نہ یا ابا القاسم نہ یا ابن عبد اللہ کہہ کر پکارا۔ ہاں البتہ اس آیت کے نزول سے پہلے بعض صحابہ کبھی یا محمد صلی اللہ علیک وسلم اور یا ابا القاسم کہہ کر پکارتے تھے مگر اس آیت کے اترنے کے بعد کسی نے بھی کبھی آپ کو نام لے کر نہیں پکارا۔

رسول کو رشتوں سے پکارنا

برادرانِ ملت! رسول کے رشتہ داروں کے لئے بھی یہ جائز نہیں تھا کہ وہ رسول کو اپنا رشتہ جوڑ کر پکاریں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ ذرا غور سے سنیئے جس وقت کوئی امام امامت کے لئے مصلے پر کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پیچھے مقتدیوں میں امام کا باپ، امام کا دادا، امام کا بھائی، امام کا بیٹا بھی ہوتا ہے مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہر مقتدی نیت باندھتے وقت یہی کہے گا کہ "اِقْتَدَیْتُ بِهٰذَا الْإِمَامْ" یا اردو میں کہے گا کہ پیچھے اس امام کے "اب اگر امام کا باپ نیت باندھتے وقت بجائے پیچھے اس امام کے یہ کہے کہ "پیچھے اپنے بیٹے کے" دادا کہے پیچھے اپنے پوتے کے" بھائی کہے کہ "پیچھے اپنے بھائی کے" بیٹا کہے کہ "پیچھے اپنے باپ کے" تو کیا اس طرح کہنے سے اقتداء کی نیت درست ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اقتداء کی نیت اسی وقت درست ہوگی جب امام کا باپ، اس کا دادا، اس کا بھائی۔ اس کا بیٹا سب یہی کہیں کہ "پیچھے اس امام کے" کیوں؟ اس لئے کہ امام جب امامت کے مصلے پر کھڑا ہو گیا تو اب اس کو کسی رشتہ سے یاد کرنا جائز ہی نہیں ہے بلکہ ہر شخص کے لئے خواہ اس کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو اس کو امام ہی کہنا لازم ہے تو اسی طرح جب خدا نے اپنے حبیب کو سارے عالم کا امام بنا کر رسالت کے مصلے پر کھڑا کر دیا تو سارے عالم کو اگر چہ وہ رسول کے کتنے ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں اب انہیں رسول ہی کہنا پڑے گا اور یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر ہی انہیں پکارنا ضروری ہوگا۔

یا یوں سمجھ لو کہ ہائیکورٹ کا جج یقیناً کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا پوتا ہے مگر جب وہ ہائیکورٹ میں کرسی عدالت پر بیٹھ گیا تو اب ہر شخص اس کو جج صاحب ہی کہہ کر پکارے گا اگر عدالت میں اس کا باپ، دادا، یا بیٹا کوئی مقدمہ لے کر جائے گا تو ان سب کو بھی از روئے قانون "جج صاحب" ہی کہہ کر پکارنا پڑے گا۔ اگر جج کے باپ نے جج کو عدالت میں "بیٹا" کہہ کر پکارا یا دادا نے "پوتا" کہہ کر پکارا۔ یا بیٹے نے "ابا" کہہ کر پکارا تو ان سب پر توہین عدالت کا مقدمہ چل جائے گا اور یہ لوگ سزایاب ہو جائیں گے۔ اس طرح جب احکم الحاکمین نے اپنے محبوب کو

رسالت کی اعلیٰ مسند پر رونق افروز فرما دیا اور ان کو رسول صلی اللہ علیک وسلم کے معزز عہدہ سے سرفراز فرما دیا تو اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار ہر ایک پر فرض ہے کہ انہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کہے۔ اور انہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کہہ کر ہی پکارے۔ اگر کوئی انہیں بھائی یا بھتیجا کہہ کر پکارے گا تو یقیناً احکم الحاکمین کی عدالت اس کو مجرموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دے گی اور سزا دے گی۔

نعرۂ رسالت

برادرانِ ملت! قرآن کی اس آیت اور علامہ صاوی کی تفسیر سے ثابت ہو گیا کہ ہم اہل سنت کا نعرۂ رسالت ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم'' قرآن سے ثابت اور قرآن کے مطابق ہے کیونکہ اس آیت میں خداوندِ عالم کا یہی ارشاد ہے کہ تم لوگ رسول کو ان کی ظاہری حیات میں بھی اور وفات کے بعد بھی پکارو! مگر جب بھی پکارو تو انتہائی تعظیم کے ساتھ انہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم' یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم یا دوسرے عظمت والے القاب سے پکارو۔

بہر کیف یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کا نعرہ یقیناً ایک ایمانی و اسلامی نعرہ ہے جو بلاشبہ ''شعائرِ اسلام'' کہلانے کا مستحق ہے اور یہ اتنا قدیمی نعرہ ہے کہ دورِ صحابہ میں بھی اس کا چرچا تھا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بلکہ قیامت کے دن بھی یہ نعرہ فضائے عالم میں گونجتا ہی رہے گا اور اہل ایمان اس نعرہ پر مچلتے اور بے ایمان اس سے جلتے رہیں گے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے کہ

غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
یا رسول اللہ ﷺ کی کثرت کیجئے

برادرانِ ملت! صحابہ کرام نے بھی انتہائی جذبۂ عقیدت اور جوشِ محبت میں ''یا رسول اللہ'' کا نعرہ لگایا ہے۔ چنانچہ مسلم شریف جلد دوم باب حدیث الہجرۃ میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔

فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوْتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخُدَّامُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُوْنَ يَامُحَمَّدُ يَارَسُوْلَ اللهِ يَامُحَمَّدُ ' يَارَسُوْلَ اللهِ

یعنی مرد اور عورتیں چھتوں پر چڑھ کر اور بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو کر یہ نعرہ لگاتے تھے کہ یا محمد صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ۔ یا محمد یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔

نبی یا ولی کو پکارنا

عزیزانِ ملت! بعض لوگ اس دور میں یہ کہا کرتے ہیں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز کو سن لیتے ہیں۔ یہ شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا خدا ہی کی صفت ہے۔

مسلمانو! خدا گواہ ہے کہ مجھے ان لوگوں کی اس بے تکی بات پر غصہ بھی آتا ہے اور پھر ان پڑھے لکھے جاہلوں کی جہالت کا سوچ سوچ کر ہنسی بھی آجاتی ہے۔

مسلمانو! میں کہتا ہوں کہ اولاً تو یہی کہنا غلط ہے کہ دور سے کسی آواز کو سننا یہ خدا ہی کی صفت ہے۔ میں کہتا ہوں اور بہ آواز بلند کہتا ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک کہتا رہوں گا کہ دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں ہے۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے گا جو پکارنے والے سے دور ہوگا اور خداوند تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے کہ:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ — یعنی ہم تو بندوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ — یعنی اے محبوب! جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں یہ پوچھیں کہ میں دور ہوں یا قریب؟ تو آپ ان سے فرمادیں کہ میں قریب ہوں۔

مسلمانو! سوچو کہ خداوندِ کریم ہر شخص سے قریب ہے تو ہر شخص کی آواز اس سے قریب ہوگی یا دور؟ جب ہر شخص کی آواز اس سے قریب ہی ہے تو پھر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر آواز کو قریب ہی سے سنتا ہے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دور کی آواز سننا خدا کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو خدا کی صفت تو پھر چاہئے کہ قریب والے کو بھی سننے والا سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ شرک ہو جائے گا تو پھر نہ کسی قریب والے کو پکارو۔ نہ کسی دور والے کو پکارو اور سب کو بہرا سمجھ لو اور خود گونگے بنے بیٹھے رہو۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہیں ٹھکانا ہے۔ اس ہمالیہ سے بڑی جہالت کا؟ ہم ہزاروں میل دور بیٹھنے والے شخص سے یہ سمجھ کر ٹیلیفون پر گفتگو کرتے اور اس کو پکارتے ہیں کہ وہ ہماری آواز سن رہا ہے تو کیا ایسا سمجھنے سے ہم مشرک ہو جاتے ہیں؟ اگر بجلی کی طاقت سے ہزاروں میل دور والا ٹیلیفون کے ذریعے ہماری پکار کو سن سکتا ہے تو کیا نبی اپنی نبوت اور ولی اپنی ولایت کی خداداد طاقت سے دور کی آواز نہیں سن سکتا؟ کیا بجلی اور ٹیلیفون کی طاقت نبوت اور ولایت کی طاقت سے

بڑھ کر ہے؟ (معاذ اللہ)

نماز میں نبی کو سلام

مسلمانو! پھر غور کیجئے کہ کون مسلمان نہیں جانتا؟ کہ نماز میں "التحیات" پڑھنا واجب ہے۔ بتایئے؟ کہ التحیات میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" ہے یا نہیں؟ قیامت تک ہر نمازی خواہ وہ مشرق میں ہو یا مغرب میں۔ شمال میں ہو یا جنوب میں رسول سے ہزاروں میل دور ہو یا رسول سے بالکل قریب ہو۔ اس پر واجب ہے کہ وہ رسول کو پکار کر سلام عرض کرے اور یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ یعنی اے نبی! آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب (احیاء العلوم) جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں بیان فرمایا ہے کہ:

وَاَحْضِرْ فِیْ قَلْبِكَ النَّبِیَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ

یعنی نماز میں اپنے دل کے اندر نبی علیہ السلام کو اور آپ کی بزرگ ذات کو حاضر جانو اور کہو کہ السلام علیک ایھا النبی ورحمته وبرکاته۔

مسلمانو! بتاؤ کیا یہ دور سے نبی کو پکارنا نہیں ہے؟ پھر یہ کیسا شرک ہے کہ؟ بغیر اس کے نماز ہی نہیں ہوتی۔

بھائیو! میں تو حیران ہوں کہ آخر ان لوگوں کی نماز کیسے اور کس طرح ہو جاتی ہے ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی کو دور سے پکارنا شرک ہے اور نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھ کر نبی کو پکارنا واجب ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ لوگ نماز میں التحیات پڑھیں گے یا نہیں۔ اگر التحیات پڑھیں گے تو مشرک ہو جائیں گے اور اگر نہیں پڑھیں گے تو نماز ہی نہیں ہوگی۔ افسوس! بالکل سچ کہا کسی حقیقت شناس شاعر نے کہ ۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

یعنی معمار جب پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھ دے گا تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی ہی جائے گی۔ ان لوگوں کی یہی اینٹ ٹیڑھی ہوگئی ہے کہ نبی یا ولی کو پکارنا شرک ہے۔ اس لئے اس اینٹ پر جتنی دیوار بھی یہ لوگ بنائیں گے وہ ٹیڑھی ہی ہوتی چلی جائے گی۔

مسلمانو! سیدھی اینٹ تو یہ ہے کہ نبی کو دُور یا نزدیک سے پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے

بلکہ یہ اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم نبی کو دورونزدیک ہر جگہ سے پکارو۔

ایک عجیب دعا

چنانچہ ابن ماجہ شریف جو صحاح ستہ میں داخل ہے اور سنی و دیوبندی تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ "اس کتاب کے باب صلوٰۃ الحاجۃ" میں حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور دعا کے خواستگار ہوئے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ دعا تعلیم فرمائی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ لِتُقْضٰى اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ قَالَ اَبُوْ اِسْحَاقَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ۔

یعنی اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کے ذریعے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کی تاکہ میری یہ حاجت پوری ہوجائے اے اللہ عزوجل ! میرے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کو قبول فرما۔

مسلمانو! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لئے یہ دعا مسلمانوں کو سکھائی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنی بھی ہے۔ یہ دعا مسلمان دور سے نزدیک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اور ان کی وفات کے بعد قیامت تک مانگتے رہیں گے اور نبی کو پکارتے اور ان سے مدد طلب کرتے رہیں گے۔

مسلمانو! خدا کے لئے مجھے بتاؤ؟ کیا نبی آخرالزماں نے اپنی امت کو شرک کی تعلیم دی ہے؟ توبہ نعوذ باللہ! نبی تو دنیا میں شرک کو مٹانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ نہ کہ شرک پھیلانے کے لئے۔ مگر افسوس! کہ ان نادانوں نے اس طرح شرک کا کیچڑ اچھالا کہ نہ صرف صالحین امت پر شرک کا دھبہ لگایا بلکہ نبی کے دامن عصمت کو بھی داغدار کر ڈالا اور ملت اسلامیہ کے پرچم وحدت کو تار تار کر ڈالا۔

حضرات گرامی! فتاویٰ عالمگیری جلد اول کتاب الحج زیارت قبر نبوی کے آداب اور فقہ کی دوسری کتابوں میں صاف صاف یہ حکم شریعت لکھا ہوا ہے کہ روضہ منورہ کے حضور میں اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" اور حضرت صدیق اکبر کی قبر انور کے سامنے" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ

رَسُوْلَ اللّٰهِ '' اور حضرت فاروق اعظم کی قبر معظم کے روبرو'' اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ '' کہہ کر سلام عرض کرنا چاہیے۔

مسلمانو! بتاؤ؟ کیا یہ نبی اور ولیوں کو پکارنا نہیں ہے؟ اگر نبی یا ولی کو پکارنا شرک ہوتا تو یہ فقہائے امت کس طرح اس کا حکم دے سکتے تھے؟

مسلمانو! اس موقع پر بھی منکرین کی ایک لمبی چوڑی جہالت سنیئے۔ یہ لوگ ان عبارتوں کو سن کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں '' اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ '' کہنا جائز و درست ہے کیونکہ نبی سلام کرنے والے کے قریب ہیں مگر مدینہ سے دور ہندوستان وغیرہ میں یہ کہنا شرک ہے کیونکہ نبی ہندوستان سے بہت دور ہیں۔

مسلمانو دیکھا آپ نے؟ کیا اس پاگل پن کا بھی کوئی علاج ہے؟ کہ ایک چیز مدینے میں تو شرک نہ ہو اور ہندوستان میں شرک ہو۔ کیا دنیا میں اس کی کوئی اور بھی مثال ہے؟ کہ کوئی عمل ایک شہر میں تو شرک ہو اور دوسرے شہر میں جائز ہے۔ اے بھائیو جو چیز شرک ہوگی وہ تو زمین و آسمان میں ہر جگہ شرک ہی ہوگی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ؟ ایک ہی چیز ایک شہر میں تو شرک ہو اور دوسرے شہر میں جائز ہو۔ مگر بھائی کمال ہے ان مولویوں کے اندھے مقلدین کا کہ ان کے مولوی جو کچھ ان لوگوں کو سمجھا دیتے ہیں۔ بس یہ لوگ آنکھ بند کر کے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کی مثال بالکل اس چالاک عورت اور اس کے بدھو شوہر کی ہے جو اپنی چرب زبانی سے شوہر کا منہ بند کیے ہوئے تھی۔

دلچسپ لطیفہ

غالباً آپ لوگوں نے سنا ہوگا کہ ایک بدھو میاں نے کسی عورت سے نکاح کیا اور نکاح کے دن سے ٹھیک تین مہینے پر اس عورت کے بچہ پیدا ہوگیا جب شہر میں اس کا غوغا ہوا اور لوگوں نے بدھو میاں سے کہا کہ اجی یہ تین ہی مہینے میں تمہارا بیٹا کیسے پیدا ہوگیا؟ تو بدھو میاں کے بھی کان کھڑے ہوئے اور بیوی سے کہا کہ بیگم! یہ تو بتاؤ؟ کہ تین ہی مہینے میں تمہارے لڑکا کیسے پیدا ہوگیا۔ چالاک عورت نے تڑپ کر کہا کہ تم بڑے بے وقوف ہو۔ کون کہتا ہے کہ تین مہینے میں لڑکا پیدا ہوا ہے؟ لڑکا تو پورے نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ بدھو میاں نے کہا کہ وہ کیسے؟ بیگم نے کہا کہ افسوس! تم کو حساب تو بالکل آتا ہی نہیں۔ اچھا تم بتاؤ؟ تمہارے نکاح کو کتنے دن ہوئے؟ بدھو میاں نے کہا کہ '' تین مہینے '' پھر بیگم نے کہا اور لڑکا کتنے مہینے میں پیدا ہوا۔ بدھو میاں نے کہا کہ

تین مہینے میں۔ پھر بیگم نے کہا کہ اور میرے نکاح کو کتنے دن ہوئے؟ بدھومیاں نے جواب دیا کہ "تین مہینے میں" پھر بیگم نے کہا اور لڑکا کتنے مہینے میں پیدا ہوا بدھومیاں نے کہا کہ تین مہینے میں' پھر بیگم نے کہا کہ اب حساب جوڑ لو۔ تین مہینے تمہارے نکاح کو ہوئے اور تین مہینے میرے نکاح کو ہوئے چھ مہینے ہو گئے اور تین مہینے میں لڑکا ہوا۔ اب کہو پورے نو مہینے ہو گئے یا نہیں؟ یہ حساب کا بیوراسن کر بدھومیاں ریشہ خطمی بن گئے اور کہنے لگے کہ ہاں اب میں سمجھ گیا۔ تین کو تین میں ضرب دینے سے پورے نو ہو جاتے ہیں۔ بس اس کے بعد اب جو بھی بدھومیاں سے کہتا کہ تین مہینے میں لڑکا کیسے پیدا ہو گیا؟ تو بدھومیاں لڑنے کو تیار ہو جاتے اور یہی کہتے کہ تم کو حساب تو آتا نہیں اور آگئے اعتراض کرنے۔ میں نے حساب سمجھ لیا ہے کہ لڑکا پورے نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔ دنیا کہتے کہتے تھک گئی مگر بدھومیاں یہی کہتے رہے کہ میں نے حساب سمجھ لیا ہے۔ لڑکا نو مہینے میں پیدا ہوا ہے۔

مسلمانو! بس یہی حال ان اندھے مقلدین کا ہے کہ ان کے مولویوں نے ان کو ایسا اوندھا حساب سمجھا دیا ہے کہ "یہ ابجد ہوز" قسم کے بدھولا کھ ان کو سمجھاتے رہو کہ نبی یا ولی کو پکارنا شرک نہیں ہے مگر یہ لوگ یہی کہتے رہیں گے کہ صاحب! ہمارے مولوی جی نے ہم کو یہ سمجھا دیا ہے کہ "غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے" اس لئے اب ہم کسی عالم کی کوئی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

بزرگانِ دین کا عمل

بہرکیف! مسلمانو! نبی یا ولی کو دور سے پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں بلکہ ان اللہ والوں کو دور سے پکارنا دورِ صحابہ سے آج تک بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک بلکہ قیامت میں بھی یہ عمل خیر جاری رہے گا۔

مسلمانو! اگر میں اس مجلس میں یہ سنانا شروع کر دوں کہ کن کن بزرگوں نے مدینہ سے دور ہوتے ہوئے رسول کو پکارا ہے اور مدد طلب کی ہے تو سارا وقت اسی میں خرچ ہو جائے گا۔ مگر پھر بھی بات آگئی ہے تو بطور نمونہ چند اشعار سن ہی لیجئے۔

اہل بیت نبوت کے روشن چراغ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کربلا سے واپسی پر اپنے ایک قصیدہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ۔

يَا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ
مَحْبُوْسِ اَيْدِي الظّٰلِمِيْنَ فِيْ مَوْكِبٍ وَّالْمُزْدَحَمِ

یعنی اے رحمۃ للعالمین! زین العابدین کی مدد کیجئے جو سواروں کے ہجوم کے اندر ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے۔

اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جن کے ہم اور آپ ہی نہیں بلکہ تین چوتھائی دنیا جن کی مقلد ہے اپنے ایک قصیدہ میں عرض کرتے ہیں کہ ۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا
أَرْجُوْ رِضَاكَ وَاحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

یعنی اے سرداروں کے سردار! میں دلی قصد کے ساتھ آپ کے حضور آیا ہوں اور اپنے آپ کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

اسی طرح قصیدہ بردہ شریف میں حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے کہ ۔

يَا أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مَنْ أَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

یعنی اے تمام مخلوق میں سب سے زیادہ بزرگ! آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے کہ میں مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں۔

حضرت مولانا جامی علیہ الرحمۃ جن کے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ولی ہونے میں کوئی شبہ نہیں ان کا بھی ایک کیف آور شعر سن لیجئے ۔

زمہجوری برآمد جان عالم ترحم یا نبی اللہ ! ترحم

آپ کی جدائی میں عالم کی جان نکل رہی ہے۔ اے اللہ! عزوجل کے نبی! رحم فرمایئے رحم فرمایئے۔

حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کی کراموں اور ان کی ولایت کو کون نہیں جانتا؟ وہ کس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں۔ ذرا یہ بھی سن لیجئے!

یارسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی

سبحان اللہ۔ مسلمانو! دیکھ لو۔ ان سب بزرگوں نے اپنے اپنے اشعار میں حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کے بعد دور دور سے پکارا بھی ہے اور مدد بھی طلب کی ہے۔ اب کہئے؟ کیا ہے کسی میں ہمت؟ جو ان کی دینداری اور ایمان کے پہاڑوں پر شرک کا فتویٰ لگا دے؟ کون ہے؟ جو ان بزرگان دین کو مشرک کہہ سکتا ہے؟ توبہ نعوذ باللہ منہ۔

اور سنئے! مدرسہ دیوبند کے بانی اول مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب دربار رسالت میں کیا

عرض کرتے ہیں؟

کرم کرا اے کرم احمدی! کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

اور سنیئے! سنی و دیوبندی دونوں جماعتوں کے پیر جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے کس طرح سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں رسول کو پکار کر استغاثہ و استمداد کی ہے۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں
تم اب چاہو ڈباؤ۔ یا تراؤ۔ "یارسول اللہ ﷺ"

مسلمانو! کہاں ہیں وہ لوگ؟ جو ہم غریب سنی مسلمانوں کو "یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم" کا نعرہ لگانے پر مشرک کہا کرتے ہیں۔ ذرا اپنے گھر کی خبر لیں کہ ان کے تیروں سے کون کون؟ اور کیسے کیسے لوگ زخمی ہو رہے ہیں۔ ہم تو ان اناڑیوں سے اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ

یوں چلے آؤ نہ برچھی تان کر اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

دور سے پکارنا شرک نہیں

حضرات گرامی! اب میں چاہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر کچھ اور بھی روشنی ڈال دوں کہ کسی نبی یا ولی کو دور سے پکارنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ میری آواز انہیں سنا دے گا۔ ہرگز ہرگز یہ شرک نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو چکے تو خداوندِ عالم نے ان کو یہ حکم دیا کہ:

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ (حج)

یعنی اے ابراہیم! آپ تمام لوگوں میں حج کی ندا کر دیجئے۔ لوگ آپ کے پاس آئیں گے پیادہ اور ہر لاغر اونٹنی پر کہ وہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں۔

چنانچہ تفسیر جلالین شریف میں اسی آیت کے تحت لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ ابوقبیس پر چڑھ گئے اور اس طرح پکارا کہ:

یاایھا الناس ان ربکم بنیٰ بیتا واوجب علیکم الحج فاجیبوا ربکم۔

یعنی اے انسانو! تمہارے رب نے ایک گھر بنوایا ہے اور تم لوگوں پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم لوگ اپنے رب کی پکار کو قبول کرو۔

آپ نے اتر، دکھن، پورب، پچھم چاروں طرف منہ کر کے یہ ندا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس پکار کو تمام عالم میں پہنچا دیا اور سب نے سن کر جواب بھی دیا۔ چنانچہ صاحب جلالین فرماتے ہیں کہ:

فَاَجَابَهٗ کُلُّ مَنْ کُتِبَ لَهٗ اَنْ یَّحُجَّ مِنْ اَصْلَابِ الرِّجَالِ وَاَرْحَامِ الْاُمَّهَاتِ لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ (جلالین)

یعنی ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج لکھا تھا یہاں تک کہ جو لوگ ابھی مردوں کی پیٹھوں اور عورتوں کی بچہ دانیوں میں تھے سب نے اس پکار کے جواب میں "لبیک اللھم لبیک" کہا

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام عالم کے انسانوں کو دور سے پکارا اور تمام انسانوں تک خدا نے ان کی اس پکار کو پہنچا دیا اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام حجاج نے اس پکار کا جواب بھی دیا۔ اب آپ ہی بتایئے؟ کہ اگر دور سے کسی کو پکارنا شرک ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خداوندِ عالم کس طرح اس کا حکم دیتا؟ اور کس طرح بھلا خدا کے ایک اولوالعزم پیغمبر ایک شرک کے مرتکب ہوتے؟

برادرانِ ملت! اس سے پتا چلتا ہے کہ نہ تو کسی کو دور سے پکارنا شرک ہے، نہ یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے کہ اللہ تعالیٰ میری پکار دور والوں کو سنا دے گا۔

مسلمانو! بھلا کسی کو دور سے پکارنا کیونکر شرک ہو سکتا ہے؟

غیر اللہ سے استعانت

جبکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو اگر کہیں مدد طلب کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اللہ عزوجل کے بندوں کو پکار کر ان سے امداد طلب کرو۔ چنانچہ حصن حصین شریف صفحہ ۲۰۲ پر ایک حدیث ہے کہ:

اذا اراد عونا فلیقل یا عباداللہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی ۔

یعنی اگر کوئی مسلمان کسی بیابان میں مدد طلب کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ تین مرتبہ بہ آواز بلند اس طرح پکارے کہ اے اللہ عزوجل کے بندو! میری مدد کرو تو اللہ عزوجل کے بندے فرشتے یا جن یا رجال الغیب اس کی امداد کریں گے۔

حضرات! حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح "الحرز الثمین" میں فرماتے ہیں کہ:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ يَحْتَاجُ اِلَيْهِ الْمُسَافِرُوْنَ وَاِنَّهٗ عَمَلٌ مُجَرَّبٌ ۔ یعنی یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت ہے اور یہ یقیناً ایک مجرب عمل ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنسان بیابان میں مشکل کے وقت رجال الغیب کو پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔ اب کون ہے؟ جو اس فرمانِ رسول کو شرک قرار دیکر منع کر سکتا ہے؟

ایک عجیب عمل

حضرات اس موقع پر مجھے ایک اور عمل بھی یاد آ گیا جو درمختار جلد سوم کے باب اللقطہ میں لکھا ہوا ہے۔ یہ عمل سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ جس شخص کی کوئی چیز گم ہو جائے اس کو چاہئے کہ وہ کسی بلند جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہدیہ کرے اور سیدی احمد بن علوان کی روح کو بھی ایصالِ ثواب کرے پھر یہ کہے کہ:

يَا سَيِّدِ اَحْمَدَ بْنُ عُلْوَانَ اِنْ لَّمْ تَرُدَّ عَلَيَّ ضَالَّتِيْ وَاِلَّا نَزَعْتُكَ مِنْ دِيْوَانِ الْاَوْلِيَاءِ یعنی اے میرے آقا احمد بن علوان! اگر آپ نے میری گمشدہ چیز واپس نہیں لوٹا دی تو میں آپ کو اولیاء کے دفتر سے نکال دوں گا۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے گمشدہ چیز مل جائے گی۔

مسلمانو! دیکھ لو! اس عمل میں سیدی احمد بن علوان کو ان کی وفات کے بعد دور سے پکارنا بھی ہے اور ان سے مدد مانگنا بھی ہے۔

مسلمانو! یہ کسی گانجہ پینے والے چھیدی، بقر عیدی بابا کا بتایا ہوا عمل نہیں، بلکہ یہ درمختار کے مصنف کا بتایا ہوا عمل ہے جن کی کتاب پر مفتیانِ احناف کے فتاویٰ کا دارومدار ہے۔ مسلمانو! اب کس کی مجال ہے کہ حنفیوں کے اس فقیہ اعظم کو مشرک کہے گا؟

مردوں کو پکارنا شرک نہیں

حضرات! اب ایک مسئلہ اور رہ جاتا ہے کہ مردوں کو پکارنا شرک ہے یا نہیں؟ تو صاحبو! ہم اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نہ زندوں کو پکارنا شرک ہے نہ مردوں کو پکارنا شرک۔ بلکہ مردوں کو پکارنے اور ان کو سلام کرنے کا تو شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔ کون نہیں جانتا؟ کہ قبرستان میں جا کر السلام علیکم یا اهل القبور کہہ کر قبرستان کے مردوں کو پکارنا اور ان کو سلام کرنا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اوران کا حکم ہے۔

برادرانِ ملت! مسلمان مردوں اور حضرات انبیاء واولیاء کا پکارنا تو کیا شرک ہوگا؟ قرآن مجید میں تو یہاں تک لکھا ہوا ہے کہ مردہ پرندوں کو پکارنا بھی شرک نہیں۔ چنانچہ قرآن عظیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ جناب باری میں یہ عرض کیا۔ الہ العالمین! تو مجھے دکھلا دے کہ تو مردہ کس طرح زندہ فرمائے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے خلیل! تم چار پرندوں کو پالو! اور انہیں کھلا پلاکر ہلاؤ ملاؤ جب وہ تم سے اچھی طرح ہل مل جائیں تو تم انہیں ذبح کرکے ان کا قیمہ بناؤ اور چند پہاڑوں پر تھوڑا تھوڑا قیمہ رکھ دو۔ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا پھر تم ان پرندوں کو پکارو تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ ایک کبوتر ایک مور ایک گدھ چار پرندوں کو پالا۔ پھر ان سب کو ذبح کرکے ان کا قیمہ بنایا اور چند پہاڑوں پر رکھ کر ان چاروں پرندوں کو پکارا تو وہ سب زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے آپ کے سامنے آگئے اور آپ نے مردہ زندہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ (سورہ بقرہ تفسیر بیضاوی وغیرہ)

محترم حاضرین کرام! غور فرمایئے کہ خداوندِ عالم نے ثُمَّ ادْعُهُنَّ فرماکر اپنے خلیل جلیل کو مردہ چڑیوں کے پکارنے کا حکم فرمایا اور حضرت خلیل اللہ نے ان مردہ پرندوں کو پکارا۔ مسلمانو! اب تم فیصلہ کرو کہ جب مردہ چڑیوں کو پکارنا شرک نہیں ہوا تو پھر انبیاء واولیاء اور شہداء کو پکارنا کس طرح اور کیونکر شرک ہوسکتا ہے؟

مگر افسوس کہ منکرین قرآن ان آیتوں کو پڑھتے' پڑھاتے اور خوب جانتے ہیں لیکن ہائے افسوس کہ جانتے تو ہیں مگر مانتے نہیں اور بڑی مشکل یہ ہے کہ نہ جاننے والوں کو تو سمجھانا آسان ہے۔ مگر جاننے والوں کو سمجھانا بڑا ہی مشکل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ سوتے کو جگانا آسان ہے مگر جاگتے کو جگانا بہت مشکل ہے۔

منکرین کی دلیل کا رد

برادرانِ ملت! بہر کیف یہ مسئلہ اب سورج کی روشنی کی طرح چمکتا ہوا آپ کے سامنے آچکا کہ کسی کو دور سے پکارنا۔ یا کسی کو وفات کے بعد پکارنا ہرگز ہرگز شرک نہیں ہے۔ اب اس سلسلے کی ایک آخری کڑی یہ رہ جاتی ہے کہ "نعرۂ رسالت" یا "نعرۂ غوثیت" کے منکرین اکثر قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھ کر انبیاء واولیاء کو پکارنے کو حرام یا شرک کہا کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پر

بھی کچھ روشنی ڈال دوں۔ اچھا سنیئے پہلی آیت تو یہ ہے کہ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ (یونس) اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے سوا ان کومت پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے اور دوسری آیت یہ کہ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا (انعام) اور اس کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ تم فرمادو۔ کیا ہم اللہ عزوجل کے سوا ان چیزوں کو پکاریں؟ جو نہ ہم کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نقصان دے سکتے ہیں۔

مسلمانو! خدا کی قسم! منکرین ان آیتوں کے ترجموں میں بڑی زبردست خیانت کرتے ہیں کیونکہ تفسیر جلالین پڑھنے والا طالب علم بھی جانتا ہے کہ اس طرح کی تمام آیتوں میں "یدعون" کا ترجمہ پکارنا نہیں ہے بلکہ "یَعْبُدُوْنَ" پوجنا ہے اور ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اللہ! عزوجل کے سوا کسی کومت "پوجو" ورنہ پھر وہ آیتیں اور حدیثیں جن میں خدا کے غیر کو پکارا گیا ہے۔ سب میں شرک ہی شرک ہو جائے گا۔ آپ ہی بتائیے کہ اگر خدا کے سوا کسی دوسرے کو پکارنا شرک ہو جائے تو پھر زندہ کو پکارو۔ یا مردہ کو پکارو۔ نزدیک والے کو پکارو یا دور والے کو پکارو۔ باپ کو پکارو یا ماں کو پکارو بھائی کو پکارو یا بہن کو پکارو سب شرک ہی شرک ہو جائے گا۔ پھر تو دنیا بھر میں شرک سے کوئی بچ ہی نہیں سکتا۔

مسلمانو! ان نادانوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ شرک کس کو کہتے ہیں؟ اور ارے بھائیو۔ شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے غیر کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک کرنا۔ للہ بتاؤ تو؟ کہ کسی کو پکارنا کیا اس کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک کرنا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو پھر یہ کس طرح شرک ہو سکتا ہے؟

بہرکیف! برادران ملت! مجھے آپ لوگوں سے یہ عرض کرنا ہے کہ یہ دور بڑے فتنوں کا دور ہے۔ نئے نئے مذاہب اور نئی نئی جماعتیں قدم قدم پر آپ کو نظر آئیں گی۔ درحقیقت مجھے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ دور پر فتن آ گیا جس کے بارے میں حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ سمندر کی موجوں کی طرح فتنہ موجیں مارتا ہوا آئے گا اور ان فتنوں کا یہ خوفناک اثر ہوگا کہ آدمی صبح کو مسلمان رہے گا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مسلمان رہے گا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔ لہٰذا میں آپ لوگوں سے دست بستہ گزارش کروں گا کہ آپ لوگ اپنے پرانے مذہب یعنی مذہب اہل سنت و جماعت پر پہاڑ کی طرح مضبوطی سے قائم رہیں اور اپنے ایمان کی نشان نعرۂ تکبیر اور نعرۂ رسالت کا پرچم عظمت بلند کرتے رہیں اور ان نعروں کے منکرین کو دشمن رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر ان سے بچتے رہیں۔ اسی میں دین کی حفاظت اور تمہاری فلاح دارین کا راز ہے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے
ذکر ان کا چھیڑیے ہر بات میں چھیڑنا شیطان کا عادت کیجئے
مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکر آیات ولادت کیجئے
کیجئے چرچا انہیں کا صبح و شام جان کافر پر قیامت کیجئے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے
بیٹھتے اٹھتے حضور ﷺ پاک سے التجا و استعانت کیجئے!
نعرہ کیجئے یا رسول اللہ ﷺ کا مفلسو اسامان دولت کیجئے
غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل
"یارسول اللہ ﷺ" کی کثرت کیجئے!

پڑھئے درود شریف:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

برادرانِ ملت! بہرکیف! میں نے آپ کا بہت کافی وقت لے لیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ پوری آیت کریمہ کا ایک مرتبہ ترجمہ کر کے آپ سے رخصت ہو جاؤں' لہٰذا ذرا غور سے سنئے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا یعنی اے ایمان والو! تم لوگ رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہرا لو۔ جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

قَدْ یَعْلَمُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْکُمْ لِوَاذًا بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چپکے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر۔

فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِہٖٓ اَنْ تُصِیْبَھُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ لہٰذا وہ لوگ ڈریں جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا ان پر دردناک عذاب پڑے۔

برادرانِ ملت! آیت مبارکہ کا آخری حصہ ان منافقین کے بارے میں نازل ہوا ہے جن پر جمعہ کے دن مسجد نبوی میں حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خطبہ سننا گراں گزرتا تھا اور وہ بد بخت لوگ صحابہ کرام یا مسجد نبوی کے ستونوں کی آڑ لے کر سرکتے سرکتے مسجد سے نکل جاتے تھے تو اللہ

عزوجل نے ان منافقوں کے حق میں یہ تہدید فرمائی کہ جو لوگ کسی چیز کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو سننے سے کتراتے ہیں۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ خدا انہیں نہیں جانتا' بلکہ وہ سن لیں کہ خدا انہیں خوب جانتا ہے' لہٰذا وہ اپنی ان منافقانہ حرکتوں سے باز آ جائیں اور رسول کی مخالفت چھوڑ دیں' ورنہ یاد رکھیں کہ وہ دنیا میں قتل یا زلزلے یا ہولناک حوادث کے فتنوں کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ یا آخرت میں جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور قسم قسم کے دردناک عذابوں میں مبتلا کر دیئے جائیں گے۔

مسلمانو! ذرا غضبِ الٰہی کا تیور دیکھو اور اس کے قہر و جلال کی ہیبت کا نظارہ کرو کہ رسول کی مخالفت کرنے والوں کے لئے اس کا کتنا قاہرانہ اعلان اور کس قدر لرزہ خیز فرمان ہے۔ اس کا قہر و جلال رسول کے مخالفوں کو کبھی ہرگز ہرگز معاف نہیں فرمائے گا' بلکہ انہیں دنیا و آخرت میں ضرور ضرور قسم قسم کے فتنوں اور عذابوں میں مبتلا فرما کر انہیں ہلاک و برباد اور تہس نہس فرما دے گا۔ اللہ اکبر! کیوں نہ ہو؟ کہ رسول کی مخالفت' خدا کی مخالفت ہے اس لئے رسول کے ہر مخالف کے لئے خدا کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ توبہ نعوذ باللہ۔ خدا کی پناہ۔ لہٰذا اے مسلمان بھائیو! خبردار! خبردار! ہمیشہ یہ دھیان رکھو کہ زندگی کے کسی لمحۂ حیات میں کبھی بھی دن یا رات میں کسی بھی حرکات و سکنات میں تم سے ہرگز ہرگز ایک بال کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی رسول کی مخالفت نہ ہو۔ ورنہ سمجھ لو کہ قہر خداوندی کی جہاں سوز بجلیاں تمہارے خرمن وجود کو جلا کر غارت و برباد کر ڈالیں گی بلکہ تم ان لوگوں سے بھی دور رہو جو رسول کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں' ورنہ جب ان مخالفین رسول پر خدا کے قہر و غضب کی آگ برسے گی تو تم بھی اس کی لپیٹ میں آ جاؤ گے' کیونکہ جو تنور کے پاس بیٹھے گا اسے گرمی ضرور پہنچے گی۔

مسلمانو! بس اب میں اس کے سوا اور آپ سے کیا کہوں کہ؎

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

چھبیسواں وعظ

بشریتِ مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وسلم

جب سے دیکھا ہے لباس بشری میں تم کو
ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انساں ہو جائے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَكْبَرِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَكْرَمِ الْخَلْقِ وَسَيِّدِ الْبَشَرِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ السُّرَجِ الْغُرَرِ وَعَلٰى مَنِ اتَّبَعَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْمَحْشَرِ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ وَخِطَابِهِ الْقَدِيْمِ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (کهف)

حضرات! بہ آواز بلند ایک بار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں نذرانہ درود و سلام پیش کیجئے۔

اللهم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰل سیدنا مولانا محمد وعلیٰ اله واصحابه وبارك وسلم قدر حسنه وجماله بعدد كل معلوم لك۔

بزرگو اور بھائیو! تقریر سے پہلے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی ایک نعت شریف کا بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہوں۔ آپ لوگ بغور سماعت فرمائیں۔

زہے عزت و اعتلائے محمد ﷺ کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد ﷺ
مکاں عرش ان کا فلک فرش ان کا ملک خادمان سرائے محمد ﷺ

عصائے کلیم اژدہائے غضب تھا　گروں کا سہارا اعصائے محمد ﷺ
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ
خدا ان کو کس پیار سے دیکھتا ہے　جو آنکھیں ہیں محو لقائے محمد ﷺ
کرامت کا سہرا عنایت کا جوڑا　دلہن بن کے نکلی دعائے محمد ﷺ

رضا پل سے اب وجد کرتے گزریے
کہ ہے "رب سلم" صدائے محمد ﷺ

محترم حاضرین! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ کہف کی آخری آیت تلاوت کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی اے محبوب! آپ لوگوں سے یہ فرما دیجئے کہ ظاہری صورت بشری میں تو میں تمہارے جیسا ہوں۔

حضرات! یہی وہ آیت ہے جس کو بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض گستاخ اکثر پڑھ پڑھ کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور امت مسلمہ کے قلوب سے عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نکالتے رہتے ہیں اور عام طور پر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ دیکھ لو! قرآن میں "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" آیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں۔ لہٰذا رسول ہمارے بھائی کے برابر ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ۔

مسلمانو! یہ بارگاہِ رسالت میں اتنی بڑی بے ادبی و گستاخی ہے کہ واللہ! اس جہنمی آگ کے خوفناک شعلوں سے خرمن ایمان کا جل کر راکھ ہو جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ سورج کے طلوع ہو جانے سے دن کا موجود ہو جانا یقینی ہوا کرتا ہے۔

اس آیت کا مطلب

حضرات! بہر حال! قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بلاشبہ قرآن کی آیت ہے جس پر یقیناً ہمارا اور آپ کا ایمان ہے۔ اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ ہم ایمانی عقل اور اسلامی فہم کی روشنی میں اس آیت کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے میں نے آج کی مجلس میں اس آیت کی تلاوت کی ہے کہ میں اس آیت کا صحیح ترجمہ اور ٹھیک ٹھیک مطلب آپ کے سامنے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دوں۔

حضرات! سب سے پہلے قابل غور یہ بات ہے کہ آخر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس بات میں ہمارے مثل ہیں؟ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری مماثلت اور مساوات کا معیار کیا ہے؟ کیا اس آیت کا یہ مطلب ہے؟ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے بدن آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے افعال و خواص ہمارے اعضاء کے افعال و خواص کے مثل ہیں اگر "بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا یہ

مطلب لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بالکل ہی غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارک کے افعال وخواص ہرگز ہرگز ہمارے اعضائے بدن کے مثل نہیں ہیں۔کون نہیں جانتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم منور کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور ہمارے بدن کا سایہ پڑتا ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی اور ہمارے بدنوں پر ہزاروں مکھیوں کی برات بیٹھا کرتی ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مشک وعنبر اور گلاب سے بھی زیادہ خوشبودار تھا اور ہمارے پسینوں میں بدبو ہوا کرتی ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بیک وقت آگے' پیچھے' دائیں بائیں' نیچے' اوپر دیکھا کرتی تھیں۔ہماری آنکھیں صرف اپنے آگے ہی کی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا۔ہماری آنکھیں بھی محو خواب رہتی ہیں اور دل بھی خواب غفلت میں پڑا سوتا رہتا ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس گلی میں قدم رکھ دیتے وہ گلیاں خوشبوئے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مہکنے لگتی تھیں۔ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کے بدن سے خوشبو آتی ہو۔غرض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضائے مبارکہ کے افعال وخواص میں سارے جہان کا کوئی انسان بھی نہ مثل ومساوی ہے۔نہ قیامت تک ہوگا۔لہٰذا ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ'' کا یہ مطلب ہو کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں' ہمارے کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں کے مثل ہیں۔یہ مطلب تو درست ہو سکتا ہی نہیں۔

تو پھر آیت کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مطلب ہے؟ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم احکامِ شریعت میں ہمارے مثل ہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ مطلب بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہجد کی نماز فرض تھی۔ہم پر نمازِ تہجد فرض نہیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر زکوٰۃ فرض نہیں تھی۔ہم مالداروں پر زکوٰۃ فرض ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے چار سے زیادہ بیویاں جائز تھیں۔ہمارے لئے چار سے زائد حلال نہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نیند سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ہمارا وضو سو جانے سے شکستہ ہو جاتا ہے۔غرض بہت سے احکامِ شریعت ایسے ہیں جو حضور کے ساتھ خاص ہیں لہٰذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکامِ شریعت میں ہمارے مثل ہیں!

بہرکیف! جب جسمانی افعال وخواص' یا احکامِ شریعت کی کسی بات میں بھی دنیا کا کوئی انسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل نہیں ہے تو پھر یہ قابل غور بات ہے کہ قرآن کی آیت اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی نبی اور عام انسانوں کے درمیان مماثلت ومساوات آخر کونسی بات میں ہے۔

پھر خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ ان صحیح حدیثوں پر بھی ہم نظر رکھیں جن میں بار بار حضور مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ

اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ (مشکوٰۃ کتاب الصوم) یعنی تم میں سے کون ہے جو میرے مثل ہے؟

کہیں یوں ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ ۔ یعنی میں تم میں سے کسی کے مثل نہیں۔

حضرات! اب ان دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے قرآن کی آیت "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ یہ ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآن تو یہ کہہ رہا ہے کہ رسول ہمارے مثل ہیں اور حدیثیں یہ اعلان کررہی ہیں کہ تمام دنیا میں کوئی انسان بھی رسول کے مثل نہیں ہے۔

پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان تو ارفع واعلیٰ ہے۔ ان کی شانِ بے مثالی کا تو کہنا ہی کیا ہے؟ خداوند قدوس نے تو نبی کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (احزاب) یعنی اے نبی کی بیویو! تم کسی عورت کے مثل نہیں ہو۔

سبحان اللہ! جب نبی کے بسترِ نبوت پر سونے والی ازواجِ مطہرات تمام دنیا کی عورتوں میں بے مثل وبے مثال ہیں تو پھر بھلا نبی عام انسانوں کے مثل کیوں کر اور کس طرح ہوسکتا ہے؟

غرض! ان تمام وجوہات کو ذہن میں رکھ کر ہمیں "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے معنی پر غور کرنا ہے۔ لہٰذا آیئے۔ اب ہم ان بزرگانِ ملت کی طرف رجوع کریں جو درحقیقت قرآن وحدیث کے معانی وتاویلات کے ماہر اور علوم قرآنیہ پر پورا پورا عبور رکھتے ہیں کیونکہ درحقیقت بغیر علمائے سلف کا دامن تھامے ہوئے ہم کو قرآن سے ہدایت کی روشنی مل ہی نہیں سکتی کیونکہ قرآن کے بحرِ زخار میں غوطہ لگا کر گوہرِ مقصود کو برآمد کرلینا اس دور کے لوگوں کا کام نہیں ہے جو اردو میں قرآن کا ترجمہ پڑھ کر اس قدر اکڑتے پھرتے ہیں کہ گویا اپنے کو حضرت امام غزالی اور حضرت امام رازی سے بس جو بھر چھوٹا سمجھتے ہیں۔ جیسے چوہے کو ہلدی کی ایک گانٹھ مل گئی تو وہ یہ سمجھنے لگا کہ میں پنساری ہوگیا۔ قرآن کے معانی ومطالب کو صحیح صحیح سمجھ لینا یہ انہیں پاک نفس علماءِ حق کا کارنامہ ہے جو تمام علوم وفنون کے جامع اور ماہر ہیں اور جن کے سینے علوم نبوت کے خزینے بن چکے ہیں اور یہ وہی بزرگانِ دین ہیں جو مفسرین کہلاتے ہیں۔ چنانچہ اس مجلس میں اختصار کے طور پر میں چند مفسرین کرام کی تفسیریں پیش کرتا ہوں جن کی روشنی میں ان شاء اللہ تعالیٰ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" کے معنی ظاہر ہوجائیں گے اور شکوک وشبہات کے تمام گرد وغبار ایک دم چھٹ جائیں گے۔

شیخ محقق کی تحقیق

حضرات! ہندوستان میں کون ایسا عالم ہے جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ

علیہ کے نام نامی سے واقف نہیں؟ یہ وہ مسلم الثبوت اور جامع العلوم بزرگ ہیں کہ ان کی تصنیفات امت مسلمہ کے لئے ہدایت کا آفتاب ہیں۔ سنئے کہ اس علم وعمل کے کوہِ ہمالیہ نے ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' کی آیت کے بارے میں کیا تحقیق فرمائی ہے؟ آپ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مدارج النبوت'' کی جلد اول باب سوم فصل ازالہ شبہات میں تحریر فرمایا ہے کہ ''درحقیقت متشابہات اند'' یعنی ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' اور اس قسم کی دوسری آیتیں یہ سب آیات متشابہات میں سے ہیں۔ یعنی اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام عالم میں کسی کو ان آیات کے حقیقی معانی ومطالب کا علم ہی نہیں ہے۔ سبحان اللہ! جب ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ''کی آیت متشابہات میں سے ہے تو پھر جس طرح تمام آیات متشابہات کے ظاہری معنی مراد نہیں لئے جاسکتے۔ اسی طرح اس آیت کے ظاہری معنی مراد لینا صحیح نہیں ہوسکتا۔ مثلاً جس طرح يَدُاللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ میں خدا کا ہاتھ ہونا اور فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ میں خدا کا چہرہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر چونکہ یہ آیات متشابہات میں سے ہیں اس لئے ان کے ظاہری معنی مراد لینا قطعاً غلط ہے بلکہ ان آیتوں کے بارے میں شریعت کا حکم یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ ''يَدُاللهِ''(خدا کا ہاتھ) اور ''وَجْهُ اللهِ ''(خدا کا چہرہ) سے جو خدا کی مراد ہے وہ حق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن اس سے خدا کی مراد کیا ہے؟ اس کو ہم نہیں جان سکتے۔ اس کو اللہ و رسول ہی جانتے ہیں۔ اسی طرح اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس سے جو کچھ بھی خدا کی مراد ہے۔ وہ حق ہے اور اس پر ہمارا ایمان ہے لیکن خدا نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ اس کو ہم نہیں جان سکتے۔ اس کا علم اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے۔

برادرانِ ملت! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضرت شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور کو خداوند کریم اپنی رحمت کے پھولوں سے بھر دے کہ انہوں نے اس آیت کو متشابہات میں سے قرار دے کر بارگاہِ رسالت کے گستاخوں کی زبانوں پر قفل لگادیا کہ خبردار۔ خبردار ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' کی آیت سے تم کبھی یہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ رسول تمہارے جیسے بشر ہیں کیونکہ یہ آیات متشابہات میں سے ہے اور آیات متشابہات سے کسی مسئلہ پر استدلال اور دلیل پکڑنا جائز ہی نہیں ہے کیونکہ آیات متشابہات کے بارے میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ لَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللهُ یعنی ان آیتوں کی مراد کو خدا کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہاں! البتہ خدا کے بتانے سے رسول کو بھی ان کا علم حاصل ہے۔ باقی اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام عالم میں کوئی بھی آیات متشابہات کے معنی ومراد کو نہیں جان سکتا۔

امام رازی کی تفسیر

حضراتِ گرامی! اس آیت کے بارے میں دنیائے اسلام کے ایک مایہ ناز محقق حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق تو آپ سن چکے۔ اب عالم اسلام کے ایک مسلم الثبوت مفسر حضرت امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کی تفسیر بھی سن لیجئے۔ وہ اپنی مشہورِ عالم کتاب ''تفسیر کبیر'' میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

اَمَرَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَنْ یَسْلُكَ طَرِیْقَةَ التَّوَاضُعِ ۔
(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۱۶)

یعنی اللہ عزوجل نے اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ تواضع وانکساری کی راہ پر چلیں۔

اور اپنے بے شمار فضائل وکمالات کے باوجود اپنی امت سے بطور تواضع یہ فرمائیں کہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یعنی میں تو تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! حضرت امام ممدوح کی تفسیر نے بتا دیا کہ خداوند عالم کا اپنے حبیب سے یہ فرمانا اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت سے یہ کہنا کہ میں تو تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں۔ یہ انکسار اور تواضع کے طور پر تھا۔

حضراتِ گرامی! اس بات کو دنیا میں کون نہیں جانتا کہ جو الفاظ وکلمات تواضع کے طور پر بولے جاتے ہیں ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوا کرتے اور تواضع کرنے والا جو الفاظ وکلمات بولا کرتا ہے۔ دوسروں کے لئے ان الفاظ وکلمات کا بولنا درست نہیں ہوسکتا۔ بزرگوں کا طریقہ ہے کہ وہ تواضع کے طور پر اپنے بارے میں بہت سے کلمات بولتے رہتے ہیں لیکن چھوٹوں کے لئے ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوسکتا کہ اپنے بزرگوں کے لئے ان الفاظ کو استعمال کریں۔ دیکھئے ہر بادشاہ اور ہر وزیراعظم اپنی رعایا اور عوام کے سامنے یہی کہا کرتا ہے کہ میں تو اپنی رعایا اور اپنے عوام کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور بادشاہوں اور وزیروں کی زبان سے اپنے بارے میں یہ کلمات عوام کو بہت اچھے بھی لگتے ہیں مگر کیا کسی رعیت کی یہ مجال ہے؟ کہ وہ بادشاہ کو یا وزیراعظم کو اپنا خادم کہے اور اس کو اپنا خادم سمجھ کر اس سے اپنا سامان اٹھانے کی فرمائش کرے اور دلیل یہ دے کہ بادشاہ نے تو خود اپنی زبان سے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے عوام کا خادم ہے چونکہ میں بھی عوام میں سے ہوں' اس لئے وہ میرا بھی خادم ہے تو آپ بتائیے؟ کہ دنیا اس شخص کو اس کے سوا اور کیا کہے گی کہ یہ تمام دنیا کے احمقوں کا گرو گھنٹال ہے۔ یا حماقت و بیوقوفی کا درخت ہے کیونکہ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ بادشاہ نے جو اپنے کو عوام کا ادنیٰ خادم کہا ہے' یہ اس کی شانِ تواضع ہے' ورنہ کہاں بادشاہ؟ اور کہاں عوام کا خادم؟

تو مسلمان بھائیو! یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو اس آیت میں انکسار و تواضع کی تعلیم دی ہے اور ارشاد فرمایا کہ اے محبوب آپ لوگوں سے بطور تواضع یہ فرمائیں کہ میں تم لوگوں جیسا ایک بشر ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم خداوندی کے بموجب اپنی امت سے ازراہ تواضع یہ فرمایا کہ اے لوگو! "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" مگر چونکہ یہ انکسار و تواضع کے کلمات و الفاظ ہیں اس لئے امت کے لئے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی یہ کہنے لگے کہ رسول تو ہمارے جیسے ایک بشر ہیں اور یہ دلیل پیش کرے کہ خدا نے تو خود رسول کو بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہنے کا حکم دیا ہے اور خود رسول نے یہ کہا ہے لہٰذا ہم بھی ان کو اپنے جیسا بشر کہیں گے۔ توبہ نعوذ باللہ!

دستار بندی کی مثال

حضرات! اس موقع پر مجھے مدارس اسلامیہ کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا ایک منظر یاد آ گیا ہے۔ مدارس میں فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی ہوتی ہے تو یہ دستور ہے کہ علمائے کرام طلبہ کے سروں پر اپنے ہاتھوں سے دستارِ فضیلت باندھتے ہیں اور ان کو جبہ بھی پہناتے ہیں۔ پھر عالم کی سند انہیں عطا فرماتے ہیں اور ہزاروں کے مجمع میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ طلباء اب عالم ہو گئے ہیں اور آج سے ہر شخص ان لوگوں کو عالم شمار کرے اور ان لوگوں کو عالم کہے۔ اب آج سے کوئی ان لوگوں کو طالب علم نہ سمجھے۔ پھر آخر میں جب استاد ان فارغ التحصیل اور دستار بند نئے علماء کو نصیحت کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ ضرور کہتا ہے کہ میرے عزیزو! اور بچو! تم میری چھاتی سے علم کا دودھ پی پی کر اس بلند منزل پر پہنچ گئے کہ طالب علم سے عالم بن گئے۔ لہٰذا اب تم اپنے قدم اور زبان و قلم کو بہت سنبھالے رہنا۔ کل تک تمہاری غلطیوں کو ایک طالب علم کی غلطی کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا تھا مگر آج سے تمہاری کسی غلطی کو ایک عالم کی غلطی شمار کر کے اس پر مواخذہ کیا جائے گا۔ اس لئے تم لوگ اب بہت سنبھل کے رہنا۔ اس میں شک نہیں کہ تم لوگ عالم ہو چکے مگر میں تم لوگوں کو یہ ایک خاص نصیحت کرتا ہوں کہ خبردار! خبردار! تم لوگ کبھی بھی اپنے علم پر گھمنڈ مت کرنا اور کبھی ہرگز ہرگز اپنی زبان سے اپنے کو عالم نہ کہنا اور اپنے قلم سے اپنے کو عالم نہ لکھنا بلکہ ہمیشہ تمام زندگی اپنے کو طالب علم ہی کہنا اور لکھنا۔

حضراتِ گرامی! یہ ہے وہ خاص و مخصوص نصیحت جو ہر "شیخ الحدیث" اپنے تلامذہ کو بوقت رخصت سنایا کرتا ہے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ دستار بندی کرانے والے تلامذہ عالم ہیں یا طالب علم؟ آپ یہی کہیں گے کہ یہ ضرور عالم ہیں کیونکہ ان کو عالم کی سند مل چکی۔ علماء نے ان کے عالم ہونے کا اعلان کر دیا۔ خود ان کے استاذ شیخ الحدیث نے ان کو عالم کہہ دیا۔ لہٰذا یقیناً یہ سب عالم ہیں ورنہ پھر ان کی دستار بندی کے کیا معنی؟ پھر استاذ کیوں منع کر رہا ہے کہ تم اپنے کو عالم

نہ کہنا؟ بلکہ طالب علم کہنا۔

تو برادرانِ ملت! ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ لوگ عالم تو ہو چکے ہیں لیکن استاد جو یہ نصیحت کرتا ہے کہ تم اپنے کو عالم نہ کہنا بلکہ طالب علم کہنا۔ یہ تواضع اور انکساری کی تعلیم دے رہا ہے ورنہ حقیقت میں یہ لوگ طالب علم نہیں ہیں بلکہ عالم ہو چکے ہیں۔

تو برادرانِ ملت! بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھ لیجئے کہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ہر فضل و کمال سے آراستہ فرما کر اس شان سے دنیا میں بھیجا کہ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی سند خاتم النبیین کی مہر سید المرسلین کا خطاب شفیع المذنبین کا تاج کرامت عطا فرمائے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع اور انکساری کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب تم یقیناً سید المرسلین بھی ہو اور خاتم النبیین بھی تم شفیع المذنبین بھی ہو اور رحمۃ للعالمین بھی۔ تم محبوب رب العالمین بھی ہو اور طٰہٰ و یٰسین بھی۔ مگر اتنے کمالات و فضائل کے باوجود جب تم اپنی امت کے عوام سے خطاب فرمانا تو از راہ تواضع یہی فرمانا کہ ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' یعنی اے لوگو! میں تو تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں۔ ہاں! البتہ جب امت کے خواص اور مرتبہ شناسانِ نبوت کے جھرمٹ میں رہنا تو نعمت خداوندی کے اظہار کے لئے کبھی کبھی یہ بھی اعلان فرما دینا کہ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور میں یہ فخر کے طور پر نہیں کہتا بلکہ شکر کے طور پر کہتا ہوں۔

بہر کیف عزیزو اور دوستو! حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے یہ مسئلہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ چونکہ ''اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' کی آیت رسول کی تواضع کا ایک نمونہ ہے۔ اس لئے ہمارے اور تمہارے لئے کبھی ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ یہ کہیں کہ رسول ہمارے جیسے ایک بشر ہیں۔ توبہ نعوذ باللہ۔ کہا ہم؟ کہاں رسول؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک''

برادرانِ ملت! پھر بھلا سوچئے تو سہی؟ کہ اس آیت سے رسول کو اپنے جیسا بشر کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

ذرا غور فرمائیے کہ اسی قرآن میں یہ آیت بھی تو ہے کہ:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۔ یعنی زمین کا ہر جانور اور ہر پرندہ یہ تمہارے ہی جیسی امتیں ہیں۔

دیکھ لیجئے یہاں بھی ''مثل'' کا لفظ اور ''ما و الا'' کلمہ حصر موجود ہے جو ''انما'' کے معنی میں ہے مگر کیا اس آیت سے دلیل پکڑ کر کوئی یہ کہہ سکتا ہے؟ ہر انسان بکرے اور کوے جیسا ہے یا ہر بکرا اور کوا انسان جیسا ہے اگر یہ نہیں کہا جا سکتا تو سن لو کہ ''اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ '' سے بھی دلیل پکڑ کر

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ رسول ہمارے جیسے بشر ہیں یا ہم رسول جیسے بشر ہیں۔
برادرانِ ملت! پھر اس جگہ یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ اگر یہ آیت تواضع کے لئے نہ بھی ہوتو اس کلام کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہر ہر بات اور ہر ہر صفت میں تمہارے مثل بشر ہوں بلکہ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کا صرف یہی اتنا مطلب ہے کہ جس طرح تم سب لوگ خدا نہیں ہو۔ خدا کے بیٹے نہیں ہو جن نہیں ہو فرشتے نہیں ہو بلکہ تم سب لوگ بشر ہی ہو۔ اسی طرح میں بھی نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا ہوں نہ جن ہوں نہ فرشتہ ہوں بلکہ "اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" میں بھی تمہیں جیسا ایک بشر اور آدمی ہوں۔
اب بتایئے؟ کہ اس کلام سے کہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص یہ کہتا پھرے کہ رسول تو ہمارے جیسے ایک بشر ہیں! معاذ اللہ! کہاں ہم جیسے ننگ بشر کی بشریت؟ اور کہاں افضل البشر اور سید البشر کی بشریت؟ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَا كَالْبَشَرِ بَلْ كَيَاقُوْتٍ بَيْنَ الْحَجَرِ

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشر تو ہیں لیکن بشر جیسے بشر نہیں بلکہ ان کی بشریت ایسی ہی ہے کہ جیسے پتھروں میں یاقوت بھی ایک پتھر ہے۔ کہنے کو تو سنگ مرمر بھی پتھر ہے اور یاقوت بھی پتھر ہے مگر کہاں سنگ مرمر؟ اور کہاں یاقوتِ احمر؟ یاقوت ایسا پتھر ہے جو شہنشاہوں کے تاجِ شاہی کی عزت و آبرو بنا ہوا ہے اور سنگ مرمر ایسا پتھر ہے جو کہ سنڈاس میں لگا ہوا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں پتھر برابر ہیں؟ بیشک رسول بھی بشر ہیں اور ہم بھی بشر ہیں مگر ہم ایسے بشر ہیں کہ سو جائیں تو دین و دنیا سے غافل اور جاگیں تو معرفت الٰہی سے جاہل اور رسول ایسے بشر ہیں کہ

وہ سو جائیں تو معراجِ منامی　　　وہ جاگیں تو خدا سے ہم کلامی

ہم ایسے بشر ہیں کہ فرشتے مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ کہہ کر ہمیں فسادی اور خون ریز جیسے تحقیر آمیز الفاظ سے یاد کرتے ہیں اور رسول ایسے بشر ہیں کہ ملائکہ مقربین انہیں دیکھ کر زبانِ حال سے یوں پکارا کرتے ہیں کہ ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر　　　بہر حق سوئے غریباں یک نظر

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کیا خوب فرمایا ہے۔ کسی نے کہ ؎

ہزاروں جبرئیل الجھے ہوئے ہیں گردِ منزل میں
نہ جانے کس قدر اونچا ہے کاشانہ محمد ﷺ کا

برادرانِ ملت! میرے رسول کی بشریت تو وہ عظمت مآب ہے کہ آپ اسی لباسِ بشریت

میں عرشِ الٰہی کو پامال کرتے ہوئے جب قربِ الٰہی کی اعلیٰ ترین منزل پر پہنچے تو آپ کی اس عظمت بشریت کو دیکھنے والے فرشتوں کا یہ حال ہو گیا کہ۔

جب سے دیکھا ہے لباسِ بشریٰ میں تم کو
ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انسان ہو جائے

رسول کو بشر کہنا بے ادبی ہے

مسلمانو! رسول کو اپنے جیسا بشر کہنا تو نہایت ہی گندی اور گھناؤنی قسم کی بے ادبی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ باوجودیکہ ہمارا ایمان ہے کہ رسول بلاشبہ جن نہیں ہیں۔ فرشتہ نہیں ہیں۔ خدا نہیں ہیں بلکہ یقیناً قطعاً آپ بشر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ آدمی ہیں لیکن پھر بھی آپ کے ان تمام اعلیٰ وارفع خطابات والقاب کو چھوڑ کر جن کے سبب سے آپ تمام کائنات میں افضل الخلائق ہیں۔ آپ کو صرف بشر اور آدمی کے لقب سے یاد کرنا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جناب میں ایک قسم کی بے ادبی ہی ہے۔ اس لئے کہ اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ رفیعہ کا ایک طرح سے انکار لازم آتا ہے۔ لہٰذا سرورِ کائنات کو صرف بشر اور خالی آدمی کہہ کر یاد کرنا اور انہیں بلاضرورت بشر اور آدمی کہتے رہنا یقیناً حرام اور گناہ ہے۔

ایک سوال وجواب

اب رہا یہ سوال کہ جب ہمارا ایمان ہے اور قرآن سے ثابت ہے کہ رسول جن یا فرشتہ نہیں ہیں بلکہ انسان اور بشر ہی ہیں تو پھر رسول کو بشر کہنا کیوں بے ادبی اور حرام وگناہ ہے؟ کیا ایک سچی بات کو کہنا بھی حرام وگناہ ہو سکتا ہے؟

تو برادرانِ ملت! اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! ہاں! بعض مرتبہ سچی بات بول دینے سے بھی بے ادبی ہو جاتی ہے اور ایسی بات جس پر ہمارا ایمان ہے اور وہ قرآن سے ثابت بھی ہے اس کا کہہ دینا بھی بعض مواقع پر بے ادبی شمار کیا جاتا ہے اور اس سے توہین ہو جایا کرتی ہے۔

مثال کے طور پر ہائی کورٹ کا جج آخر ایک انسان اور بشر ہی تو ہے اور قرآن میں خدا کا فرمان ہے کہ

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ — یعنی بیشک ہم نے انسان کو عورت ومرد کے مخلوط نطفے سے پیدا کیا ہے۔

اسی طرح قرآن میں یہ بھی ہے کہ

حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ کُرۡهًا وَّوَضَعَتۡهُ کُرۡهًا یعنی ہر انسان کو اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر حمل میں اٹھایا اور تکلیف اٹھا کر اس کو جنا۔

اب اگر ہائی کورٹ کا جج جب اپنی کرسی عدالت پر بیٹھا ہو اور کوئی اس کو یہ کہہ کر پکارے کہ اے عورت و مرد کے نطفے سے پیدا ہونے والے یا اے اپنی ماں کے حمل میں رہنے والے یا اے اپنی ماں کے جنے ہوئے تو آپ ایمان سے بتائیے۔ کہ ان الفاظ سے جج کی توہین ہوگی یا نہیں۔ اور جج کو اس طرح کے لفظوں سے یاد کرنے والے پر توہین عدالت کا مقدمہ چلے گا یا نہیں؟ آپ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ یقیناً ان لفظوں سے باوجودیکہ یہ سچی حقیقت کا اظہار ہے ضرور جج کی توہین ہو جائے گی اور یقیناً اس شخص پر توہین عدالت کا مقدمہ چلایا جائے گا اور اس کو سزا ملے گی کیونکہ جب جج اپنی کرسی عدالت پر بیٹھ گیا تو اس کو سوائے جج کے کسی دوسرے لفظ سے یاد کرنا جرم قرار دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کو اے انسان! اے بشر! کہنا بھی جرم ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا نام لے کر بھی اس کو مخاطب کرنا عدالت کی توہین قرار دیا جائے گا۔ بلاتشبیہ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جب احکم الحاکمین نے اپنے حبیب سید المرسلین کو کرسی صدارت پر رونق افروز فرمادیا اور خاتم النبیین کا معزز عہدہ عطا فرمادیا اور ان کو پکارنے اور یاد کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معظم خطاب معین فرمادیا تو اب ان تمام باعظمت القاب کو چھوڑ کر ان کو بشر اور آدمی جیسے عامیانہ الفاظ سے یاد کرنا یقیناً ان کی توہین اور بے ادبی ہے اور یقیناً رسول کو ایسے عام لفظوں سے یاد کرنے والے دربارِ رسالت اور سرکارِ جلالت کے مجرم ٹھہریں گے اور انہیں قہر قہار کی عدالت سے ضرور سزا ملے گی۔

کفار کی بولی

حضرات! رسول کو ہر سانس میں "بشر" کہنے والے کان کھول کر سن لیں کہ خدا کے رسولوں کو "بشر" کہنا ہرگز ہرگز یہ ایمان والوں کی بولی نہیں ہے بلکہ یہ کفار کی بولی ہے۔

مسلمانو! میں ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کرتا ہوں کہ تم پورا قرآن پڑھ ڈالو تمہیں کہیں نظر نہیں آئے گا کہ کسی نبی کی امت کے ایمان والوں نے نبی کو "بشر" کہا ہو بلکہ قرآن کے مطالعہ سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے خدا کے نبی کو "بشر" کہا وہ شیطان تھا۔ چنانچہ قرآن کا بیان ہے کہ جب خداوند قدوس نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کا حکم فرمایا تو تمام فرشتے فوراً ہی سربسجود ہو گئے لیکن شیطان اکڑ گیا اور اس نے سجدہ نہیں کیا اور جب خدا تعالیٰ نے اس سے پرسش فرمائی کہ تو نے کیوں نہیں سجدہ کیا؟ تو شیطان نے کیا جواب دیا؟ ذرا غور سے سنیے؟

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ (سورہ حجر)

شیطان نے کہا مجھے زیبا نہیں ہے کہ ایک "بشر" کو سجدہ کروں جس کو تو نے بجتی ہوئی مٹی سے بنایا جو سیاہ بودار گارے میں سے تھی۔

مسلمانو! سن لیا آپ لوگوں نے؟ دیکھ لو۔ سب سے پہلا گستاخ و بدنصیب جس نے اللہ عزوجل کے ایک نبی حضرت آدم علیہ السلام کو "بشر" کہا وہ "ابلیس" تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بشر کہنا یہ شیطان کی بولی ہے یا کفار کی بولی۔ چنانچہ شیطان کی بولی تو آپ سن چکے۔ اب ذرا کفار کی بولی بھی سن لیجئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو عذاب خداوندی سے ڈرایا تو ان کی قوم کے کافروں نے کیا جواب دیا؟ اس کو قرآن کی زبان سے سنئے:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہود)

یعنی ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

اسی طرح سورۂ ابراہیم میں ہے کہ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود کے کافروں نے سب نے اپنے اپنے پیغمبروں سے یہی کہا۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔

یعنی تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے ہمیں باز رکھو تو تم کوئی روشن دلیل ہمارے پاس لاؤ۔

اسی طرح جب حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے پاس ہدایت کا پیغام لائے تو کفار نے ان سے یہ کہا کہ

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (شعراء)

یعنی تم تو ہمارے ہی جیسے ایک بشر ہو اور یقیناً ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

اسی طرح انطاکیہ شہر کے کفار نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی زبانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام ہدایت سنا تو ان ظالموں نے برجستہ یہی کہا کہ۔

مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۔ (یٰسین)

یعنی تم لوگ تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور رحمٰن نے تو کچھ نازل کیا ہی نہیں ہے تم لوگ نرے جھوٹے ہو۔

یہاں تک کہ سورۂ تغابن میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کافروں کا یہی دستور رہا ہے کہ جب کبھی بھی انبیائے کرام علیہم السلام ان لوگوں کے پاس خدا کا پیغام لے کر آئے تو ان

کفار نے یہی کہا کہ

البشر یهدوننا . کیاایک بشر ہمیں ہدایت کرے گا؟

الغرض! برادرانِ ملت! خدا کے نبیوں کو بشر کہنا یہ کافروں ہی کی بولی ہے۔ یہ اہل ایمان کی بولی نہیں ہے کیونکہ ہرگز ہرگز کسی مومن نے کسی نبی کو اس طرح حقارت کے ساتھ بشر نہیں کہا اور اگر کبھی کسی مومن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا ہے تو یہی بتانے کے لئے کہا حضور خدا نہیں تھے جن نہیں تھے فرشتہ نہیں تھے بلکہ بشر یعنی انسان اور آدمی تھے۔

لہٰذا برادرانِ ملت! خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سانس میں بشر کہنے والے یہ شیطان اور کفار کی بولی بول رہے ہیں۔ (توبہ نعوذ باللہ منہ) چنانچہ مولانائے روم نے فرمایا کہ ؎

کافراں گفتند احمد را بشر ایں نمی دیدند ازو "شق القمر"

یعنی کافروں نے حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا اور یہ نہیں دیکھا کہ ان کے اشارے سے چاند شق ہو گیا۔

اسی طرح حضرت مولانائے روم علیہ الرحمۃ نے ایک دوسرے موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا کہ ؎

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ماوایشاں بستۂ خوابیم و خور

یعنی کافروں نے یوں کہا کہ ہم بھی بشر ہیں اور انبیاء بھی بشر ہیں۔ ہم بھی سوتے اور کھاتے پیتے ہیں اور انبیاء بھی سوتے اور کھاتے پیتے ہیں۔

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ہست فرقے درمیاں بے انتہا

یعنی ان لوگوں نے اپنے اندھے پن سے اتنا بھی نہیں جانا کہ ہم میں اور خدا کے نبیوں میں بے انتہا فرق ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! زمین و آسمان میں بڑا فرق ہے۔ مگر پھر بھی اس فرق کی ایک حد اور انتہا ہے مگر حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ نبی اور غیر نبی میں اتنا عظیم الشان فرق ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا نہیں۔

حضرات! بہر کیف میری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں جہاں پروردگار عالم نے اپنے نبیوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم لوگ اپنے کو بشر کہو یا تو یہ آیات متشابہات میں سے ہیں یا ان آیتوں میں حضرت حق جل مجدہٗ نے اپنے مقدس انبیاء کو تواضع کی تعلیم دی ہے اور جہاں جہاں انبیاء علیہم السلام نے اپنے کو بشر کہا ہے یا تو تواضع کے طور پر کہا ہے یا یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ میں

خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہوں، جن نہیں ہوں، فرشتہ نہیں ہوں بلکہ ایک بشر یعنی انسان اور آدمی ہوں اور جہاں جہاں کفار نے انبیاء کو بشر کہا ہے وہ حقارت اور توہین ہی کے طور پر کہا ہے۔ لہٰذا اس دور میں بھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عظمت اور وقار والے خطاب والقاب کو چھوڑ کر انہیں بشر کہا کرتے ہیں۔ درحقیقت توہین و بے ادبی کے سوا اس کا کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا رسول کو بشر کہنا جائز نہیں اور جو بدنصیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ وہ تو رسول کی اتنی زبردست توہین و بے ادبی کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام کائنات اس کے تصور سے لرزہ براندام ہونے لگتی ہے۔ (توبہ نعوذ باللہ)

لہٰذا میرے بزرگو اور بھائیو! خبردار! خبردار! ہر دم اور ہر قدم پر ہوشیار کہ تم سے کبھی بارگاہِ نبوت کی ایک ذرہ کے کروڑویں حصہ کے برابر بھی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ بارگاہِ رسالت میں ایک ذرا سی غلطی اور بے ادبی بھی دولتِ ایمان کو غارت و برباد کردے گی۔

یاد رکھو کہ رسول کو بشر کہنا شیطان یا کفار کی بولی ہے اور یہ بولی سن کر یہ پہچان ہو جاتی ہے کہ بولی والا کون ہے؟ جس طرح کتے، گدھے، کوے کی بولیوں سے تم پہچان لیتے ہو کہ یہ کتا، گدھا اور کوا ہے۔ اسی طرح کفار کی بولی سن کر پہچان لیا کرو کہ یہ کسی لباس میں بھی ہوں ان کا ظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو مگر ان کے دلوں میں کفر کی گندگی بھری ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے دور رہو اور حضرت مولانائے روم کا ارشاد پیش نظر رکھو کہ

او بظاہر واعظ احکام بود درحقیقت آں صفیر وام بود

یعنی بہت سے ایسے مولوی ہوں گے جو بظاہر تو بڑے متقی و پرہیزگار نظر آئیں گے اور احکامِ الٰہی کی تبلیغ کرنے والے نظر آئیں گے مگر درحقیقت ان کی مثال ایسی ہو گی کہ جب شکاری بھولے بھالے پرندوں کو شکار کرنے کے لئے جال لگاتا ہے تو خود چھپ کر پرندوں کی بولی بولتا ہے۔ غریب پرندے اپنی بولی سن کر دوڑ پڑتے ہیں اور جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ مولوی مسلمانوں کی صورت بنا کر اور مسلمانوں کی بولی بول کر لوگوں کو اپنے کفر کے جال میں پھنسایا کرتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ جب تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ یہ برتاؤ کرو کہ

دشمن دیں را ذلیل و خوار دار بہرآں منبر منہ بردار دار

یعنی ان دین کے دشمنوں کو ہمیشہ ذلیل و خوار کرو، ان کے لئے منبر مت رکھو بلکہ ان کو سولی پر چڑھا دو۔

برادرانِ ملت! درحقیقت یہ اس حدیث کا ترجمہ ہے کہ

اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَایُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یعنی ان کو اپنے سے اور اپنے کو ان گمراہوں سے

يَفْتِنُوْكُمْ ۔ بچائے رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ تمہیں گمراہ کر دیں اور تمہیں فتنے میں ڈال دیں۔

برادرانِ ملت! ایک بار بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّم اَبَدًا اَبَدًا ۔

خاتمہ

حضرات! اب آخر میں پھر ایک بار میں آیت مبارکہ کا ترجمہ کر کے اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں۔ بغور سنئے اور عمل کی کوشش کیجئے۔

ارشاد ربانی ہے کہ

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَىَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ — اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ ظاہر صورت بشری میں تو میں تمہی جیسا ایک آدمی ہوں مجھ پر یہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا — تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

حضراتِ گرامی! آیت کے آخری حصہ میں پروردگار عالم جل جلالہٗ نے دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ "فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا" یعنی جو شخص خداوند قدوس کے دیدار کا امیدوار ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ جمع کرے اور دوسری چیز یہ ہے کہ "وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا" اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی شرک سے بچتا رہے۔ کیونکہ شرک وہ گناہِ عظیم ہے جس کے بارے میں خداوند قدوس جل جلالہ نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ — یعنی بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا اور شرک سے کمتر دوسرے تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

مگر برادرانِ اسلام! اتنا اور بھی سن لیجئے کہ شرک کے کیا معنی ہیں؟ اور شرک کس کو کہتے ہیں؟ ۔۔۔ آج کل کے فاضلین دیوبند نے تو شرک کی فہرست اتنی لمبی بنا ڈالی ہے کہ شاید ہی دنیا

میں کوئی ایسا مسلمان ہوگا جو شرک سے بچا ہوگا' اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو شرک کے معنی بتادوں۔ اس کو غور سے سنئے اور یاد رکھئے۔

''علم العقائد'' کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفیہ کے صفحہ ۶۱ پر لکھا ہوا ہے کہ

اَلشِّرْكُ هُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِيْكِ فِي الْاُلُوْهِيَّةِ بِمَعْنٰى وَجُوْبِ الْوُجُوْدِ كَمَا لِلْمُجُوْسِ اَوْبِمَعْنٰى اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَةِ كَمَا لِعَبَدَةِ الْاَصْنَامِ ۔

یعنی شرک کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی الوہیت میں کوئی شریک ثابت کرنا یا تو اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود مان لینا جیسا کہ مجوسی کہتے ہیں یا اس طرح کہ خدا کے سوا کسی کو عبادت کا حقدار مان لینا جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔

برادرانِ اسلام! دیکھ لیجئے حضرت علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ نے کتنی صفائی کے ساتھ بیان فرمادیا ہے کہ شرک کی صرف دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود مان لینا۔ دوسری یہ کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو عبادت کے لائق سمجھ لیا جائے۔

مسلمانو! اب اس عبارت کی روشنی میں ہر مسلمان یہ سمجھ سکتا ہے کہ علماء دیوبند نے جو قبروں کی زیارت' قبروں پر غلاف و چادر ڈالنے' قبروں پر پھول چڑھانے' یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کا نعرہ لگانے اور دوسری ہزاروں جائز باتوں کو شرک قرار دے دیا ہے۔ یہ کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟ کیا کوئی مسلمان بھی انبیاء اور اولیاء کو واجب الوجود یا لائق عبادت سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر یہ سب امور کس طرح شرک ہوسکتے ہیں؟

بہر کیف! شرک کو آپ نے سمجھ لیا۔ خداوند عالم نے ہم کو اسی شرک سے منع فرمایا ہے جس سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو شرک کی لعنت سے محفوظ رکھے اور اعمال صالحہ کی توفیق خیر رفیق بخشے۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمدٍ وّاٰلہٖ
وصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ۔

ستائیسواں وعظ

اسلامی زندگی

ہائے اسلام ! ترے چاہنے والے نہ رہے
جن کا تو چاند ہے' افسوس وہ ہالے نہ رہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْقَادِرِ الْقَوِیِّ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبَةِ الْكَرِیْمِ السَّتَّارِ ط وَاكْرَمُ الصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلَی النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ ط سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَاحِبِ الْعِزِّ وَالْوَقَارِ ط وَعَلٰی اٰلِهٖ الْاَطْهَارِ وَاَصْحَابِهٖ الْاَخْیَارِ وَعَلٰی مَنْ سَلَكَ مَسَالِكَهُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقَرَارِ

اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ (بقرۃ)

حضرات ! سرکارِ نامدار' مدنی تاجدار' احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پرانوار میں درود و سلام کے گوہر آبدار نثار کیجئے اور بہ آواز بلند پڑھئے۔

اللھم صل وسلم علی النبی المختار وعلی آلہ الاطھار و صحبہ الاخیار وبارك علیه الی یوم القرار برحمتك یاعزیز یاغفار

محترم حاضرین ! میں حضرت جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام میں سے چند اشعار سناتا ہوں۔ انتہائی جذبہ عقیدت کے ساتھ سماعت فرمائیے۔

نعت شریف

سلطانِ جہاں محبوبِ خدا، تری شان و شوکت کیا کہنا
ہر شے پہ لکھا ہے نام ترا، ترے ذکر کی رفعت کیا کہنا
معراج ہوئی تا عرش گئے، حق تم سے ملا تم حق سے ملے
سب راز ''فاوحیٰ'' دل پہ کھلے۔ یہ عزت و حشمت کیا کہنا
ہر ذرہ ترا دیوانہ ہے، ہر دل میں ترا کاشانہ ہے
ہر شمع تری پروانہ ہے۔ اے شمعِ ہدایت کیا کہنا
آنکھوں سے کیا دریا جاری اور لب پہ دعا پیاری پیاری
رو رو کے گزاری شب ساری اے حامئ امت کیا کہنا
عالم کی بھریں ہر دم جھولی خود کھائیں تو بس جو کی روٹی
وہ شان عطا و سخاوت کی یہ زہد وقناعت کیا کہنا
دو پھول بتولی گلشن کے اک سبز ہوئے اک سرخ ہوئے
بغداد و عرب جن سے مہکے ان پھولوں کی نکہت کیا کہنا

حضرات! سورۂ بقرہ کی ایک آیت شریفہ میں نے خطبہ کے بعد آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔ اس آیت میں خداوند عالم جل جلالہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو ایک بہت ہی اہم اور عظیم الشان فرمان سے سرفراز فرمایا ہے جو درحقیقت ایک صاحبِ ایمان مسلمان کی زندگی کے لئے بڑا ہی انمول دستورِ حیات اور نہایت ہی مکمل نظامِ حیات ہے۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ:

یٰاَیُّھَا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃً۔	اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔
وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔	اور شیطان کے قدموں کی پیروی مت کرو۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

برادرانِ اسلام! اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ یہ ایک بہت ہی جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ اسلام لانے سے پہلے یہودیوں کے

ایک بہت ہی مقتدر پیشوا اور توراۃ وانجیل کے بہت متبحر عالم تھے جس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنے کھجوروں کے باغ میں کام کررہے تھے جب انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آمد آمد کا چرچا سنا تو دوڑ کر رحمتِ عالم کے دیدار کے لئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو گئے۔ خدا کی شان کہ جس وقت یہ مجلس میں پہنچے تو ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ بیان فرما رہے تھے اور آپ کی زبانِ فیض ترجمان پر یہ کلمات جاری تھے کہ

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ وَقُوْمُوْا بِالَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔

یعنی اے لوگو! بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ سلام کا چرچا کرو اور جب تمام لوگ راتوں کو سکھ اور چین کی نیند سو رہے ہوں تو اس وقت تم لوگ اٹھ کر خدا کی بارگاہ میں عبادت کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو تم لوگ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

حضرات! رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پیارے پیارے کلمات حضرت عبداللہ بن سلام کے کان میں پڑے اور انہوں نے ایک نگاہ بھر کر جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارا کیا تو انہیں رسول کے جمالِ نبوت میں حقانیت وصداقت کا ایک ایسا آفتاب عالم تاب نظر آ گیا جس سے ایک دم ان کی دنیائے دل میں ہدایت کا اجالا ہو گیا اور اسلام کی حقانیت اور بانی اسلام کی صداقت کا نور ان کے دل و دماغ پر ہدایت کی روشنی بن کر اس طرح جگمگانے لگا کہ یہ کلمہ پڑھ کر صدقِ دل سے مشرف بہ اسلام ہو گئے اور ان کے چند ساتھی بھی مسلمان ہو گئے۔

برادرانِ ملت! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ صادق الایمان مسلمان تھے لیکن چونکہ ایک زمانہ دراز تک یہ لوگ یہودی دھرم کے پابند رہ چکے تھے۔ اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی یہ لوگ یہودی دھرم کے بعض احکام پر عمل کرتے رہے۔ چنانچہ یہ لوگ سنیچر کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اونٹ کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے پرہیز رکھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ یہ چیزیں اسلام میں مباح ہیں نہ ان کا کرنا ضروری ہے نہ چھوڑنا ضروری ہے اور توراۃ میں ان چیزوں سے بچنا ضروری ہے لہٰذا ان چیزوں کو چھوڑ دینے میں اسلام کی کوئی مخالفت نہیں ہوگی اور موسوی شریعت پر بھی عمل ہوتا رہے گا۔ اس طرح ہم قرآن اور توراۃ دونوں پر عمل کرتے رہیں گے لیکن ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل خداوند قدوس جل جلالہ کو پسند نہیں آیا۔ چنانچہ آیت نازل ہوئی اور پروردگار

عالم نے فرمایا کہ:

''اے ایمان والو! جب تم مسلمان ہو تو پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور صرف اسلام ہی کے احکام کی پوری پوری اطاعت و پابندی کرو۔ توراۃ و انجیل اور دوسری تمام کتابوں کو قرآن نے منسوخ کر دیا ہے۔ اس لئے اب قرآن کے سوا دوسری کتابوں کے احکام پر چلنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے۔''

(صاوی خازن وغیرہ)

مطلب یہ ہے کہ مسلمان بنے ہو تو آدھے تیتر آدھے بٹیر کی طرح ادھورے مسلمان نہ بنو۔ بلکہ پورے پورے مسلمان بن جاؤ۔ آدھے یہودی اور آدھے مسلمان بننے کا خیال درحقیقت شیطانی وسوسوں کا ایک پرفریب جال ہے۔ اس لئے تم لوگ شیطان کے ان نقوشِ قدم کی اطاعت اور پیروی نہ کرو کیونکہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے اور دشمن کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا انتہائی خطرناک اور اس کا انجام بہت ہی افسوس ناک ہوا کرتا ہے۔

توراۃ و انجیل کی حیثیت

برادرانِ اسلام! اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ توراۃ و انجیل اور دوسری مقدس آسمانی کتابیں یقیناً خدا ہی کی فرستادہ کتابیں ہیں اور بلاشبہ ان کتابوں کی تعلیمات اپنے اپنے دور میں ہدایت کے چمکتے ہوئے ستارے اور حق کی شاہراہ کے لئے رہنمائی کا نور ہیں اور ان کتابوں کی حقانیت و صداقت پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے لیکن حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور خدا کی آخری کتاب کریم یعنی قرآن عظیم کے نزول کے بعد توراۃ و انجیل وغیرہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیمات کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ یہ کتابیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب انسانیت کی حیات کا نظام عمل بہت ہی کوتاہ اور انسانی ترقیات کی منزل بہت ہی محدود تھی لیکن اب جبکہ انسانیت کے دستورِ حیات کا دفتر بہت طویل ہو چکا اور انسان اپنے مدارجِ ترقیات کی بلندترین منزل پر قدم رکھ چکا تو قرآن کریم کی وسیع اور اعلیٰ تعلیمات کے سوا حوائج انسانیت کی تکمیل اور انسانی نظام حیات کے تقاضوں کی تسکین، کسی دوسری کتاب کی تعلیمات سے ہو ہی نہیں سکتی اس لئے قرآن کے آفتاب ہدایت کے سامنے دوسری تمام آسمانی کتابوں کی ہدایت کے ستارے اپنی اپنی چمک دمک سے دست بردار ہو کر ہمیشہ کیلئے غروب ہو گئے اور یہ سب کتابیں منسوخ ہو گئیں۔

چراغ اور سورج کی مثال

حضرات اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ جب تک رات کا اندھیرا رہتا ہے۔ اس وقت تک چراغ کی روشنی' ٹارچ کی چمک بھی مسافر کی رہنمائی کرتی ہے۔ ستارے اور چاند بھی اپنا اپنا نور بکھیر کر راہ چلنے والوں کو راستہ دکھاتے رہتے ہیں مگر جب صبح کو آفتاب اپنی نورانی آب و تاب کے ساتھ طلوع ہو جاتا ہے تو چراغ اور ٹارچ کی روشنی بالکل بیکار اور چاند تاروں کی برات اپنی اپنی نورانی چادروں کو سمیٹ کر رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب تک قرآن نازل نہیں ہوا تھا تو توراۃ وانجیل اور زبور وغیرہ تمام آسمانی کتب وصحائف سے انسانیت کو ہدایت کی روشنی ملتی رہی لیکن جب قرآنی تعلیمات کا آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کے نورِ مبین کے سامنے تمام کتابوں کی روشنیاں روپوش ہو گئیں۔ ظاہر ہے کہ دن کے اجالے میں چراغ سے روشنی حاصل کرنے والا بلاشبہ لغویت کا مجسمہ ہی کہلائے گا۔ اسی طرح قرآن کے ہوتے ہوئے توراۃ وانجیل سے ہدایت طلب کرنے والا درحقیقت ہدایت کو منہ چڑانے والا شمار کیا جائے گا۔

برادرانِ ملت! اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خداوند قدوس نے اپنے حبیب نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔

یعنی اے نبی ہم نے آپ کو اس شان کے ساتھ بھیجا ہے کہ آپ تمام انبیاء اور امتوں کے گواہ ہیں اور خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور خدا کی طرف بلانے والے اور ''روشن آفتاب'' ہیں۔

حضرات! خداوند حق جل مجدہ' نے اس آیت میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہد' مبشر' نذیر' داعی کے خطابات سے سرفراز فرماتے ہوئے آخر میں ''سراج منیر'' یعنی روشن آفتاب کے لقب سے ممتاز فرما کر اسی حقیقت کی نقاب کشائی فرمائی ہے کہ اب تک جتنے انبیاء اور رسل تشریف لائے۔ وہ سب آسمانِ نبوت میں چاند اور ستارے بن کر چمکتے رہے مگر نبی آخرالزمان ''سراج منیر'' یعنی روشن آفتاب بن کر نمودار ہوئے۔ چنانچہ آفتاب نبوت کے طلوع ہوتے ہی نبوت کے سب چاند اور ستارے روپوش ہو گئے اور نبی آخرالزمان کی قرآنی تعلیمات کے جگمگاتے ہوئے انوارِ ہدایت کے سامنے انبیاء سابقین کی تعلیمات کی تجلیاں ایسی محسوس ہونے لگیں جس طرح آفتاب نصف النہار کے انوار کے سامنے چند ٹمٹماتے ہوئے چراغ!

برادرانِ اسلام! اسی لئے خداوند عالم نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ

"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" یعنی جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا تو وہ ہرگز ہرگز بارگاہِ خداوندی میں مقبول نہیں ہو سکے گا۔

اور اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے جب قرآن کے ہوتے ہوئے توراۃ کی تعلیمات کی طرف ذرا رخ کیا تو عتابِ خداوندی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ

یایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ یعنی اے ایمان والو! تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

ولا تتبعوا خطوت الشیطان انہ لکم عدو مبین . اور تم لوگ شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو کیونکہ وہ تم لوگوں کا کھلا ہوا دشمن ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے کہ اس آیت نے ہمیں چونکا دیا کہ ایک مسلمان اسی وقت کامل الایمان اور حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے جبکہ وہ اسلام کے ہر چھوٹے بڑے مسائل و احکام پر صدقِ دل اور یقین کامل کے ساتھ ایمان لائے اور اسلام کے سوا کسی دین یا دھرم کی تعلیمات کو ہرگز ہرگز اپنے گوشۂ اعتقاد میں جگہ نہ دے۔ ظاہر ہے کہ اونٹ کا گوشت کھانا اسلام میں نہ فرض ہے نہ واجب۔ اگر کوئی عمر بھر نہ کھائے تو اس کے اسلام کے دامن پر کوئی دھبہ نہیں لگ سکتا لیکن جب یہودی شریعت کی اطاعت کے جذبے سے کوئی شخص اونٹ کا گوشت ترک کرے گا تو یقیناً وہ اسلامی شریعت کے دائرہ سے بھٹکنے والا شمار کیا جائے گا اور اس کے اسلام کا سفید و شفاف دامن ضرور کچھ نہ کچھ داغدار ہو جائے گا۔

عزیزانِ ملت! اب میں صاف صاف کہتا ہوں کہ آج کل بہت سے وہ مسلمان جو شریعت اسلام اور اسلامی شعار سے منہ موڑ کر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے دینی مراسم اور ان کے غیر اسلامی اعمال و افعال پر والہانہ ٹوٹے پڑتے ہیں اور اسلامی معاشرہ میں اغیار کے کافرانہ رسوم و مراسم کو داخل کر کے اسلام کی مستحکم دیواروں کو ڈائنامیٹ سے اڑا رہے ہیں۔ انہیں ہوش میں آ جانا چاہئے کہ قرآن حکیم کی اس آیت نے انہیں کتنی بھیانک اور خوفناک وعید سنائی ہے کہ ان کے اسلام کو ادھورا قرار دے کر انہیں پورا پورا اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ پھر ان کے اس غیر اسلامی طرزِ عمل کو شیطان کے نقوش قدم کی پیروی ٹھہرا کر انہیں شیطان کا مطیع و تبع قرار دیا۔ (والعیاذ باللہ منہ)

داڑھی کی اہمیت

حضرات! مثال کے طور پر ایک داڑھی کے مسئلہ پر غور کر لیجئے۔ آج برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے مسلمانوں نے محض یورپ کی اندھی تقلید میں اپنی داڑھی مونچھ کا صفایا کر ڈالا ہے اور جب کبھی علماء حق ان لوگوں کو اس شعار دین اور اسلامی نشان کی اہمیت بتاتے ہیں تو بعض مسلمان انتہائی بے باکی اور بے ادبی بلکہ کمال بے حیائی کے ساتھ یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیا داڑھی میں اسلام لٹکا ہوا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اے عزیزو! داڑھی میں تو اسلام نہیں ہے مگر اسلام میں تو داڑھی ہے۔ خدا کی قسم! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان' ہدایت کا نشان بن کر آج بھی احادیث کی کتابوں میں چمک رہا ہے اور قیامت تک چمکتا رہے گا کہ

قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی وَخَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ۔ یعنی مونچھوں کو کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مشرکین کی مخالفت کرو۔

پھر کون مسلمان نہیں جانتا؟ کہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا تشریف لائے اور ان میں سے کسی نے بھی نہ داڑھی منڈوائی۔ نہ داڑھی کٹائی۔

میرے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً ایک لاکھ سے زائد صحابہ میں سے کوئی بھی داڑھی منڈانے والا نہیں تھا۔ پھر کروڑوں سلف صالحین' علماء کاملین اور اولیاء عارفین میں سے بتایئے تو کون ایسا ہوا ہے؟ جس نے داڑھی مونچھ کا صفایا کرایا ہو۔

مسلمانو اللہ۔ مجھے بتاؤ؟ کہ کیا یہ سب کچھ جانتے ہوئے داڑھیاں منڈانا' یا بڑی بڑی مونچھیں رکھنا یا داڑھیوں کی ایسی درگت بنانا کہ کچھ کٹی ہوئی' کچھ منڈی ہوئی' کچھ نوچی ہوئی نظر آنے لگے۔ یہ شعار اسلام اور فرمان مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی ہوئی مخالفت اور قانون شریعت سے بغاوت نہیں ہے؟ اور مراسم کفر کی طرف رغبت کی نشانی نہیں ہے؟ افسوس صد ہزار افسوس!

مسلمانو! تمہارے ان ہی کرتوتوں کا مرثیہ پڑھتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے اپنی مشہور نظم "جواب شکوہ" میں بالکل سچ اور صحیح لکھا ہے کہ

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟ مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
ہو گئی کس کی نظر طرزِ سلف سے بیزار؟ کس کی نظروں میں سمایا ہے شعار اغیار؟

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

اسلامی سلام

مسلمانو! اسلامی شعار کی بات آ گئی ہے تو ایک بات اور بھی سن لو۔ ہم مسلمانوں کے حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ ملاقات سلام کا اسلامی طریقہ یہ بتایا ہے کہ تم لوگ ''السلام علیکم'' کہو اور جواب دینے والا ''وعلیکم السلام'' کہے مگر آج کے مسلمان محض فرنگیوں کی تقلید میں اپنے اس طریقہ سلام کو بحر عرب میں غرق کر کے ''گڈ مارننگ'' اور ''گڈ نائٹ'' کے نصرانی شعار کا پرچم بلند کر رہے ہیں اور بعض مشرکین کی تقلید میں ''نمستے'' یا ''کچھ نہیں سمجھتے'' کا راگ الاپ رہے ہیں۔

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ افسوس کہ تم غیر شعوری طور پر اپنے اسلام کے مضبوط قلعہ پر بمباری کر رہے ہو اور دین کے شعار اور اسلامی نشانوں کو برباد اور تہس نہس کر رہے ہو۔

مسلمانو! تمہیں کیا خبر؟ کہ اسلامی سلام ''السلام علیکم'' کی کیا اہمیت ہے؟ اور اس لفظ میں کتنی بڑی بڑی عظمتوں اور حکمتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں؟

ارے بھائیو! ''گڈ مارننگ'' کے یہی تو معنی ہیں کہ ''تم صبح کو اچھے رہو'' اور ''گڈ نائٹ'' کے یہی معنی تو ہیں کہ ''تم رات کو اچھے رہو'' سبحان اللہ! ذرا سوچئے تو سہی کہ یہ کیسی ان کی دعا ہے کہ ''گڈ مورننگ'' تم خالی صبح کو اچھے رہو۔ چاہے دن بھر اور رات بھر بھاڑ ہی میں جلتے رہو اور ''گڈ نائٹ'' رات کو تم اچھے رہو۔ چاہے دن کو تم جہنم میں ہی چلے جاؤ اور ''نمستے'' کے کیا معنی ہیں۔ ذرا یہ بھی سن لو۔ ''میں تمہارے آگے جھکتا ہوں'' توبہ نعوذ باللہ۔ بھلا یہ بھی کوئی سلام ہے؟

مسلمانو! ذرا خیال تو کرو کہ مسلمان کی وہ مقدس پیشانی جو اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ وہ صرف خالق کائنات کے آگے جھکے اور ساری کائنات کو اپنے آگے جھکائے وہ پیشانی ایک انسان کے سامنے جھکے؟ اور ایک توحید کا پرستار ''نمستے'' کہہ کر غیر اللہ کے آگے اپنی پیشانی جھکانے کا اعلان کرے؟ ارے یہ ''نمستے'' تو انہیں لوگوں کو زیب دیتا ہے جو مٹی' پتھر' دریا اور درختوں کے آگے سر جھکاتے پھرتے ہیں' وہ لوگ اگر ''نمستے'' کہہ کر کسی انسان کے سامنے پیشانی جھکانے کا اعلان کریں تو یہ ان کے لئے زیبا ہے مگر ہائے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم اتنا نہیں سمجھتے کہ یہ ''نمستے'' تمہارے عقیدۂ توحید کے سفینۂ نجات میں کتنا خوفناک ''تارپیڈو'' ہے۔ تمہیں کچھ احساس بھی ہے؟ کہ تم نے اس ''نمستے'' کا تارپیڈو مار کر کتنی مرتبہ اپنے اسلام کے جہاز کو غرق کرنے کی کوشش کی ہے؟

مسلمانو! کیا تمہارے خون میں توحید اسلامی کی حرارت فنا ہو گئی؟ کیا تمہاری اسلامی غیرت

کی دہکتی ہوئی آگ بجھ کر بالکل ہی راکھ ہو چکی ہے؟ مسلمانو! خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کرو۔ اپنے دین و ایمان کی خیر مناؤ اور ان مشرکانہ مراسم اور غیر اسلامی شعاروں کو چھوڑ دو۔ اپنے پیارے اسلامی طریقوں پر عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح کا سامان کرلو اور اپنے اسلامی عقیدوں پر پہاڑ کی طرح قائم رہو کیونکہ بغیر عقائد کی پختگی اور دین کے ساتھ والہانہ لگاؤ کے ہرگز ہرگز تمہاری اسلامی زندگی کامیاب نہیں ہو سکتی اور ہرگز ہرگز تم ایک زندہ قوم کا کردار نہیں پیش کر سکتے۔ خوب کان کھول کر سن لو۔

حکمت مشرق و مغرب نے سکھایا ہے مجھے
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکسیر
دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بناء پر تعمیر
"حرف" اس قوم کا بے سوز عمل زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے نہیں جس کا ضمیر

بہرکیف! مسلمانو! "گڈ مورننگ" "گڈ نائٹ" اور "نمستے" کے معانی تو آپ سن چکے اور سمجھ چکے کہ یہ کتنے حماقت آمیز سلام کے طریقے ہیں؟ اب ذرا اسلامی سلام "السلام علیکم" کے معنی بھی سن لیجئے اور اس کی حکیمانہ جامعیت کی داد دیجئے۔

السلام علیکم کے معنی

سنئے! جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتا ہے تو کہتا ہے "السلام علیکم" یعنی تمہارے اوپر ہر قسم کی سلامتی ہو۔ یعنی جان کی سلامتی، مال کی سلامتی، عزت و آبرو کی سلامتی، تندرستی کی سلامتی، صبح کی سلامتی، شام کی سلامتی، دن کی سلامتی، رات کی سلامتی، ہر چیز کی سلامتی، ہر بات کی سلامتی، پھر جواب میں دوسرا مسلمان کہتا ہے کہ "وعلیکم السلام" یعنی جن جن باتوں اور چیزوں کی سلامتی کی دعا تم نے میرے لئے کی ہے۔ انہیں سب چیزوں کی سلامتی کی دعا میں بھی تمہارے لئے کرتا ہوں۔

پھر اے مسلمان بھائیو! یہ "السلام علیکم" خالی دعا ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک عہد اور اقرار نامہ بھی ہے کہ جب ایک مسلمان نے کسی دوسرے مسلمان سے "السلام علیکم" کہہ دیا تو گویا اس کے سامنے یہ عہد کر لیا کہ اب تم میری طرف سے بالکل بے خوف ہو جاؤ کیونکہ میری طرف سے تمہاری

جان، مال، عزت، آبرو، مکان، دکان، ساز و سامان ہر چیز کی سلامتی ہے اور میں ہرگز ہرگز تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا اور دوسرا مسلمان بھی "وعلیکم السلام" کہہ کر اس عہدہ کا اعلان کرتا ہے کہ تم بھی میری طرف سے بے خوف رہو کہ میری طرف سے بھی تمہارے لئے ہر چیز کی سلامتی کا عہد و اقرار ہے کہ میں بھی تمہیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ اگر مسلمان سچائی کے ساتھ سلام کرنا سیکھ لیں تو پھر کسی مسلمان کو کسی مسلمان کی طرف سے نقصان و ضرر کا کوئی اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اللہ اکبر۔ مسلمانو! دیکھ لو۔ تمہارا "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" کتنی عظمت اور کس قدر اہمیت و حکمت والا اسلام ہے؟ مگر افسوس کہ تم نے اس کوہِ نور جیسے ہیرے کو اپنی جیب سے نکال کر پھینک دیا اور "گڈ مورننگ" "گڈ نائٹ" اور "نمستے" جیسے شیشے کے ٹکڑوں پر جھپٹ پڑے اور وہ بھی یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی تقلید میں۔ ہائے افسوس! کہ تم عظمت کے اونچے مناروں سے ایسی پستی کے گڑھے میں گر پڑے جس کو "اسفل السافلین" کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ ہائے افسوس! تم کیا تھے؟ اور کیا ہو گئے؟

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا؟ تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا تھا آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں سے تاج سردارا
تمدن آفریں، خلاق آئین جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بہرکیف اے مسلمانو! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہمیں اس آیت سے یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کو اسلام کے تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات سے والہانہ قلبی محبت اور عملی تعلق رکھنا یا اس کے

اسلامی منصب کا تقاضا ہے اور ایک حقیقی اور پورا مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ نماز' روزہ اور حج و زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ میں کوئی کانٹ چھانٹ اور کتر بیونت نہ کرے اور اسلامی رہن سہن' اسلامی چال چلن' اسلامی تہذیب و تمدن' اسلامی رفتار و گفتار' اسلامی عمل و کردار ہر ہر چیز کی حفاظت کرے اور اپنے ہر اسلامی شعار کو طریقہ اغیار کی مداخلت سے محفوظ رکھے اور اپنے اس عقیدہ کو پہاڑ کی طرح مستحکم کرے کہ ہر وہ طریقہ اور ہر وہ معاشرہ جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یقیناً وہ شیطان کا وسوسہ اور اس کے نقش قدم کی پیروی ہے۔

مسلمانو! یہی اس آیت کا مطلب ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔
یعنی اے ایمان والو! تم پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش قدم کی پیروی مت کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

برادران ملت! ایک ایک بار بآواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللهم صل علىٰ سيدنا محمد وعلىٰ ال سيدنا محمد وبارك وسلم ۔

شیطان تمہارا دشمن ہے

برادران ملت! اب اس آیت کے آخری جملے کی بھی تھوڑی سی تشریح سن لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔
یعنی شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

مسلمانو! شیطان تمہارا وہ دشمن ہے جو خدا کے سامنے یہ اعلان کر کے جنت سے نکلا ہے کہ

لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ
یعنی میں اے اللہ عزوجل تیرے مخلص بندوں کے سوا سب کو ضرور ضرور گمراہ کرونگا۔

چنانچہ شیطان طرح طرح کے وسوسوں اور خیالات کے دام تزویر میں پھنسا کر مومن کو گمراہی کی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے اور اس کے پرفریب جال اور مہلک پھندوں سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ یہ عابدوں کو عابد بن کر' مولویوں کو مولوی بن کر' صوفیوں کو صوفی بن کر گمراہ کرتا ہے۔ حد ہو گئی کہ کبھی عبادت سے روک کر مسلمان کو تباہ کرتا ہے اور کبھی عبادت کی تبلیغ کر کے بھی اور عبادت کرا کر بھی' مسلمان کو تباہی کے غار میں گرانے کی کوشش کرتا ہے۔

حضرت امیر معاویہ اور ابلیس

چنانچہ مجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک حکایت یاد آ گئی جس کو مولانا ئے روم

نے مثنوی میں بڑی دھوم سے بیان فرمایا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ

در خبر آمد کہ خال مومناں بود اندر قصر خود خفتہ شباں

یعنی حدیث میں آیا ہے کہ تمام مومنین کے ماموں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رات اپنے محل میں سو رہے تھے۔

حضراتِ گرامی! چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور تمام مسلمانوں کی ماں ہیں اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے۔اس لئے حضرت امیر معاویہ تمام مسلمانوں کے ماموں کہلاتے ہیں۔

ناگہاں مردے ورا بیدار کرد چشم چو بکشاد پنہاں گشت مرد

اچانک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی آدمی نے بیدار کر دیا لیکن جب آپ نے آنکھ کھول کر دیکھا تو وہ آدمی چھپ گیا اور آپ کو نظر نہیں آیا۔اس وقت آپ نے فرمایا کہ

گفت ہی تو کیستی ؟ نام تو چیست گفت نام فاش ابلیس شقی است

ارے تو کون ہے؟ اور تیرا نام کیا ہے؟ یہ سن کر شیطان نے کہا کہ اجی! مجھ بدنصیب کا نام ''ابلیس'' ہے جو بہت ہی مشہور ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر اس سے فرمایا کہ ارے ابلیس کا کام تو مومن کو سلا کر اس کی نماز قضا کرا دینا ہے تو اگر ابلیس ہے تو پھر تو نے مجھے نماز کے لئے کیوں جگایا؟ تیرا کام تو نماز چھڑانا ہے۔نماز پڑھانا تو تیرا کام نہیں ہے۔یہ سن کر ابلیس نے کیا کہا؟ سنئے اور عبرت سے سر دھنئے۔

از بن دنداں بگفتش اے فلاں کردمش بیدار من از بہر آں!

شیطان نے دانت پیس کر کہا کہ اے فلاں! میں نے آپ کو اس لئے بیدار کر دیا کہ

گر نمازت فوت می شد ایں زماں
می زدی از دردِ دل آہ و فغاں

اگر اس وقت آپ کی نماز فوت ہو جاتی تو آپ افسوس کرتے ہوئے اور دردِ دل سے روتے ہوئے آہ و فغاں کرتے۔

آں تاسف واں فغان واں نیاز
در گزشتے از دو صد رکعت نماز

تو نماز چھوٹنے کے غم میں آپ کا افسوس اور آپ کی بے قراری اور بارگاہِ باری میں آپ کی

یہ گریہ وزاری ثواب میں دوسو رکعت نمازوں سے بھی بڑھ جاتی تو میں نے اسی لئے آپ کو نماز کے لئے جگا دیا ہے تا کہ آپ کا ثواب بڑھنے نہ پائے کیوں کہ:

من حسود وم از حد کردم چنیں　　من عدوم کار من مکر است وکیں

یعنی میں تو مسلمانوں کا حاسد ہوں اور اسی جذبہ حسد کی وجہ سے میں نے آپ کو نماز کے لئے جگا دیا تا کہ آپ کو زیادہ ثواب نہ مل سکے کیونکہ میں مسلمانوں کا دشمن ہوں اور مکر وکینہ ہی میرا کام ہے۔

مسلمانو! دیکھا آپ نے؟ ماوشما تو کس شمار وقطار میں ہیں؟ ایک صحابیؓ کے ساتھ بھی شیطان اپنی شیطانی حرکتوں سے باز نہیں رہتا تو پھر ہم عوام کا کہاں ٹھکانا؟

بہر کیف! شیطان کے مکر وکید اور اس کے پرفریب جال اور دام تزویر سے بچنا بڑا ہی مشکل ہے لیکن ہاں صرف ایک تدبیر ہے کہ جس کے ذریعے شیطان کی شیطنت سے مسلمان محفوظ رہ سکتا ہے اور وہ ہی ترکیب ہے جس کے بارے میں خود شیطان نے یہ کہہ دیا ہے کہ اس تدبیر کے سامنے میرے تمام شیطانی ہتھکنڈے بیکار ہو جاتے ہیں اور وہ تدبیر یہ ہے کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی جو بندے اپنے رب کے ساتھ ہر عمل میں اخلاص اور للّٰہیت کا پیکر بنے ہوئے ہیں انہیں شیطان ہرگز ہرگز کوئی نقصان وضرر نہیں پہنچا سکتا۔

عزیزو اور دوستو! اب یہ بھی سن لیجئے کہ اخلاص کیا چیز ہے؟ سنئے اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ بندہ ہر عمل میں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا طلب کرے اور ہرگز ہرگز اپنے کسی عمل میں لذت نفس یا ریاکاری کا گزر نہ ہونے دے نہ اپنی کوئی ذاتی غرض یا فائدہ ملحوظ رکھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

واعظ کمال ترک سے ملتی ہے یاں مراد
دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے
سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

دو صاحب اخلاص بزرگ

حضرات! مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آ گئی۔ مشہور ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید کو کچھ کھانا دے کر حکم دیا کہ دریا کے اس پار ایک دوسرے بزرگ کے پاس پہنچا دے اور یہ فرمایا کہ دریا کے کنارے پر جا کر تم یہ کہہ دینا کہ اے دریا! تو مجھے اس کے حکم سے راستہ دے دے جس نے کبھی اپنے لئے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی ہے۔

چنانچہ مرید نے دریا کے کنارے پر جا کر یہ لفظ کہہ دیا اور بہتے دریا کے اوپر سے چلتا ہوا گزر گیا اور ان بزرگ کے پاس کھانا پہنچا دیا جب وہ بزرگ کھانا کھا چکے تو فرمایا کہ تم چلے جاؤ اور دریا کے کنارے کھڑے ہو کر دریا سے یہ کہہ دینا کہ تو مجھے اس کے حکم سے راستہ دے دے جس نے اپنے لئے کبھی کھانا نہیں کھایا ہے۔

چنانچہ مرید نے دریا کے سامنے یہی لفظ کہا اور دریا کے اوپر سے چلتا ہوا گزر گیا مگر مرید کو سخت خلجان اور بے چینی رہی کہ میرے پیر صاحب کے ایک درجن اولاد ہے۔ پھر انہوں نے یہ کس طرح کہہ دیا کہ انہوں نے کبھی اپنے لئے اپنی بیوی سے صحبت نہیں کی ہے اور دریا پار کے بزرگ نے میرے سامنے کھانا کھایا پھر کس طرح یہ کہا کہ انہوں نے اپنے لئے کبھی کھانا نہیں کھایا۔

چنانچہ مرید برداشت نہیں کر سکا اور آخر پیر سے پوچھ ہی بیٹھا کہ حضرت آپ کا مقولہ اور دریا پار کے بزرگ کا مقولہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا۔ ذرا اس کی کچھ تشریح فرما دیجئے۔ یہ سن کر پیر صاحب نے جو آج کل کے انگارا شاہ چنگارا شاہ قسم کے "مقام کھا کھوت" طے کرنے والے پیر نہیں تھے بلکہ واقعی صاحبِ کمال بزرگ تھے۔ مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اے مرید! میرا مطلب یہ تھا کہ "میں نے اپنے لئے اپنی بیوی سے کبھی صحبت نہیں کی ہے" سن میں نے جب بھی اور جتنی مرتبہ بھی اپنی بیوی سے صحبت کی صرف خدا اور رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے کی ہے۔ میں نے صرف اس لئے صحبت کی ہے تاکہ اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کا شرعی حق ادا کروں۔ اپنے نفس کی خواہش اور لذت کے لئے میں نے کبھی بھی صحبت نہیں کی۔ اسی طرح دریا پار کے بزرگ نے بھی ہمیشہ کھانا صرف اس لئے کھایا تاکہ وہ کھانے سے طاقت حاصل کر کے خدا کے فرائض کو ادا کریں' اپنے نفس کی خواہش اور زبان کی لذت کے لئے کبھی ایک لقمہ بھی انہوں نے نہیں کھایا اور اے مرید! ہمارے اسی اخلاص ہی کی برکت اور اسی کی بدولت ہمیں یہ روحانی طاقت حاصل ہو گئی ہے کہ دریا بھی ہمارے حکم کا تابع فرمان ہے اور شیطان بھی ہماری اس خداداد روحانی قوت کے دبدبہ اور ہیبت سے لرزہ براندام ہو کر ہمیشہ ہم سے دور ہی رہتا ہے کیونکہ شیطان انتہائی طاقت ور ہونے کے باوجود یہ اعتراف کرتا ہے کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ یعنی صاحب اخلاص مسلمان کی روحانی طاقت کے سامنے شیطان کی طاقتوں کے بڑے بڑے پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتے ہیں اور غبار بن کر اڑ جاتے ہیں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! مسلمانو! اخلاص کی روحانی طاقت کی توانائیوں کا کیا کہنا؟ خدا کی قسم! یہ وہ جہانگیری شہنشاہیت ہے جس کے آگے پہاڑوں کی سربلندیاں' دریاؤں کی روانی و

طغیانی' سورج کی شعاعیں' ایٹمی توانائیوں کی جمعیت' سب سربسجود ہو جاتی ہیں۔ اللہ اکبر! امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ باکمال ہستیاں جن کے وجود کے ہر تار میں للّٰہیت اور اخلاص کی برقی لہریں دوڑتی رہتی ہیں۔ ان کی روحانی طاقتوں کی توانائیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ ان باخدا بزرگوں کی تو یہ شان ہے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
"ید بیضا" لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہیں شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے؟ اہل دل کے سینوں میں

برادران ملت! یہی وہ بزرگان دین کی روحانی طاقتوں کا سرچشمہ ہے جس کو علامہ اقبال نے "مستی کردار" کہا ہے اور مسلمانوں میں اس قوت و طاقت والے باکمالوں کے نایاب ہو جانے پر آنسو بہاتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال ملا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق افکار میں سرمست' نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط "مستی و کردار"

بہرکیف! مسلمان بھائیو! میری ان گزارشوں کا خلاصہ اور حاصل کلام یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنی زندگی کی ہر سانس میں ہر دم' ہر قدم پر ہم اسلامی شریعت کی پوری پوری پابندی کرتے رہیں اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی مکمل ادائیگی کے ساتھ ساتھ اپنی صورت و سیرت' اپنے عمل و کردار' اپنی رفتار و گفتار' اپنی تہذیب و تمدن' رہن سہن' چال چلن کو اسلامی معاشرہ کے مطابق رکھیں اور یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے طریقوں سے اپنے اسلام کے دامن تقدس کو داغدار نہ کریں اور پورے پورے مسلمان بن کر زندہ رہیں اور پورے پورے مسلمان بن کر مریں۔

وما علینا الا البلاغ واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین
وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد و الہ وصحبہ اجمعین ۔

اٹھائیسواں وعظ

تفسیر سورۃ تَبَّتْ یَدَآ

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ کما ھو باسمائہٖ وَصفاتہٖ والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ المصطفی بصلاتہٖ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْقَاھِرُ عَلٰی مَا فِیْ اَرْضِہٖ وَسَمٰوٰاتِہٖ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عبدہ ورسولہٗ المبعوث الٰی جَمِیْعِ مَخْلُوْقَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَحُمَاتِہٖ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ۔

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ o مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ o سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ o وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ o فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ o

حضرات گرامی! میں آج اپنی تقریر میں قرآن کریم کی ایک مختصر اور مشہور سورت یعنی سورۃ ''تبت یدا'' کی تفسیر بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مگر آپ پہلے انتہائی عاشقانہ ادا اور والہانہ انداز میں ایک بار درود شریف کا ایمان افروز نعرہ بلند کیجئے اور پڑھئے!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ۔

حضرات! تقریر سے پہلے آپ مولانا جمیل قادری بریلوی علیہ الرحمۃ کی لکھی ہوئی ایک نعت

شریف بھی سماعت فرمالیجئے جو بہت ہی کیف آور ہونے کے ساتھ ساتھ درود شریف کا ورد بھی ہے۔

نعت شریف

جا کے صبا ! تو کوئے محمد ' صلی اللہ علیہ وسلم
لا کے سنگھا خوشبوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

چاک ہے ہجر سے اپنا سینہ' دل میں بسا ہے شہر مدینہ
چشم لگی ہے سوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رنگ ہے ان کا باغ جہاں میں ان کی مہک ہے خلد وجناں میں
سب میں بسی خوشبوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہو نہ کبھی تا حشر نمایاں ' ایسا ہلال عید ہو قربان
دیکھے اگر ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

شمس وقمر میں' ارض وفلک میں' جن وبشر میں' حور وملک میں
عکس فگن ہے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

دین کے دشمن ان کو ستائیں' دیتے رہیں یہ سب کو دعائیں
سب سے نرالی خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تشنہ دہانو ! غم ہے تمہیں کیا؟ ابر کرم اب جھوم کے برسا
لو وہ کھلے گیسوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہو نہ جمیل قادری مضطر' ہاتھ اٹھا کر حق سے دعا کر
مجھ کو دکھا دے کوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

برادران ملت! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ ''تبت یدا'' کی تلاوت کی ہے اور آج اسی سورت کی تفسیر میری تقریر کا موضوع ہے۔

حضرات! قرآن کریم کی یہ وہ پرجلال سورہ ہے جس میں خداوند قادر وقیوم نے اپنے محبوب اکرم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے ساتھ ساتھ آپ کے دو مشہور دشمنوں کی خوفناک ہلاکت و بربادی کی ہوشربا داستان اور دنیا وآخرت میں ان دونوں کے ہولناک اور بھیانک انجام کا بیان فرمایا ہے جو سارے جہان کے لئے قہر الٰہی کا بہت بڑا نشان اور تمام دنیا کے لئے بہت بڑی عبرت کا سامان ہے۔

حضرات! یہ دونوں دشمن رسول کون تھے؟ پہلے ان دونوں کا حال سن لیجئے۔ ایک کا نام ''ابولہب'' ہے اور ایک کا نام ''ام جمیل'' ہے جو اسی ابولہب کی بیوی ہے۔ یہ دونوں میاں بیوی بارگاہِ رسالت کے بدترین دشمن تھے۔

''ابولہب'' کا اصلی نام ''عبدالعزیٰ'' ہے۔ یہ ''عبدالمطلب'' کا بیٹا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا۔ بہت ہی مالدار' انتہائی خوبصورت نہایت ہی گورا سرخ وسفید رنگ کا آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے چہرے کی خوبصورتی اور چمک دمک کی بناء پر لوگ اس کو ''ابولہب'' یعنی شعلہ کا باپ کہہ کر پکارتے تھے۔

اور اس کی بیوی ''ام جمیل'' یہ مکہ کے مشہور رئیس اور سردار ''حرب بن امیہ'' کی بیٹی اور ''ابوسفیان'' کی بہن تھی۔ مگر اس بدنصیب کے دل ودماغ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض وعناد کا ایسا جنون پر درز ہر بھرا ہوا تھا کہ یہ ایک رئیس کی بیٹی' ایک رئیس کی بیوی' ایک سردار کی بہن اور انتہائی مالدار ہونے کے باوجود اپنے سر پر کانٹوں کا گٹھا اٹھا کر لایا کرتی تھی اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے راستوں میں ان کانٹوں کو ڈال دیا کرتی تھی تا کہ رحمتِ عالم کے پائے نازک میں یہ کانٹا چبھ جائے اور عرش مجید کی چوٹیوں کو سرفراز کرنے والے مقدس قدم خون کی دھار سے لہولہان ہو جائیں۔

الغرض! ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں کے سروں پر بدنصیبی کا ایسا بھوت سوار تھا کہ یہ دونوں رحمتِ عالم کی دشمنی اور ایذا رسانی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے ہوئے تھے اور دن رات' صبح وشام ان دونوں کا محبوب ترین مشغلہ یہی تھا کہ یہ دونوں طرح طرح سے خدا کے پیارے محبوب کو ایذائیں اور تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے۔

برادرانِ ملت! انہی دونوں دشمنانِ رسول کی مذمت اور عبرت خیز ہلاکت کے بارے میں قرآن مجید کی یہ سورۃ نازل ہوئی جو قیامت تک کے لئے ان دونوں کی بدبختی وبدنصیبی اور ذلت وخواری کی ایسی سند مستند بن گئی کہ روزِ محشر تک صفحات قرآن میں اس کی تجلیاں نمودار رہ کر ان دونوں بدنصیبوں کی شقاوت اور کورنجتی کا اس طرح اظہار کرتی رہیں گی جس طرح آسمان میں ستارے چمک چمک کر اپنی نورانیت کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔

شانِ نزول

حضراتِ گرامی! اچھا اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ اس سورۃ کی شانِ نزول کیا ہے؟ اور یہ سورۃ

کب؟ اور کیوں؟ اور کہاں؟ اور کس موقع پر نازل ہوئی؟

حضرات! مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب خداوند قدوس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی کہ

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۔ یعنی اے محبوب! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے۔

تو آپ نے یہ ارادہ فرمایا کہ پورے قبیلۂ قریش کو جمع فرما کر انہیں اپنے وعظ و تذکیر سے ڈرائیں۔ لہٰذا مجمع اکٹھا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص تمام اہل مکہ کو جمع کر کے کوئی بہت ہی اہم اعلان کرنا چاہتا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ وہ علی الصباح کوہِ صفا پر چڑھ کر زور زور سے یہ نعرہ لگاتا تھا کہ

اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ ۔ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ ۔ تو یہ آواز سنتے ہی تمام اہل مکہ دوڑ پڑتے تھے اور نہایت گوش ہوش کے ساتھ اس کا اعلان سنتے تھے۔

چنانچہ اسی دستور کے مطابق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صبح کوہِ صفا کی پہاڑی پر چڑھ کر جو یہ نعرہ مارا اور مکہ والوں نے سنا تو لاٹھی والا لاٹھی لے کر' نیزہ والا نیزہ لے کر اور تلوار والا تلوار لے کر' تیر کمان والا تیر کمان لے کر۔ غرض تمام اہل مکہ مور و ملخ کی طرح دوڑتے' گرتے پڑتے دم زدن میں کوہِ صفا کے نیچے جمع ہو گئے۔

حضرات! اس مجمع میں بہت سے ستر بہتر برس کے پرانے پرانے خرانٹ اور اسی اسی برس کے گرگ باراں دیدہ اور گھاگ بھی تھے اور تیس چالیس برس کے قوی ہیکل اور ہوش مند جوان اور پندرہ پندرہ برس کے شوخ و چنچل چھوکرے بھی تھے۔ بڑے بڑے مالدار اور سرمایہ دار بھی تھے اور فاقہ مست مزدور و بھکاری بھی تھے۔ غرض یہ مجمع صنف انسانیت کے تمام طبقات کا نمائندہ اجتماع تھا' جب سارا مجمع اکٹھا ہو کر پرسکون ہو گیا تو سرداران مکہ نے کہا کہ اے ابن عبدالمطلب! آپ نے کیوں ہم لوگوں کو جمع کیا ہے؟ آپ کو جو اعلان کرنا ہے وہ اعلان کیجئے۔ ہم سب آپ کی پکار سننے کے لئے گوش بر آواز ہیں۔ رحمت عالم نے اہل مکہ کا یہ تقاضا سن کر ارشاد فرمایا کہ اے اہل مکہ! میں نے اس وقت تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ آج مجھے تم سے ایک نہایت ہی اہم سوال کرنا ہے لہٰذا تم لوگ خوب سوچ سمجھ کر میرے سوال کا جواب دو۔ میں تم لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس وقت تم سے یہ کہہ دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے جنگی سواروں کا ایک بہت بڑا لشکر جمع ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم لوگ میری اس بات کو سچ مان لو گے؟

حضرات! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال سن کر تمام اہل مکہ ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ اے عبدالمطلب کے فرزند! ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت پہاڑ کے پیچھے ہمیں کوئی چیونٹی بھی نظر نہیں آ رہی ہے لیکن آپ اگر یہ کہہ دیں گے کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر جمع ہے تو ہم ضرور مان لیں گے۔ اس لئے کہ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْبًا۔ یعنی آپ کی چالیس برس کی زندگی کا ہم کو تجربہ ہے کہ بچپن' نوجوانی اور جوانی کسی عمر میں بھی آج تک کبھی بھی آپ کی زبان پر جھوٹ کا گزر نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ہم نے آپ کو امانت کا پیکر اور سچائی کا مجسمہ پایا اور یہی وجہ ہے کہ ہم آپ کو ''صادق'' اور ''امین'' کہہ کر پکارتے ہیں۔

حضرات! جب مکے والوں نے اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کا نعرہ بلند کیا تو اس وقت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اہل مکہ! جب تم لوگ مجھے اتنا سچا اور امین سمجھتے ہو تو جو شخص اتنا سچا ہوگا یقیناً اس کی ہر بات سچی ہوگی' لہٰذا تم لوگ میری اس بات کو سچ مان لو کہ:

فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ — یعنی میں تم لوگوں کو عذابِ شدید کا سامنا کرنے سے ڈراتا ہوں۔

اس لئے تم لوگ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ پر ایمان لا کر عذابِ شدید سے بچ جاؤ۔

برادرانِ ملت! رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ بقولِ اکبر الٰہ آبادی۔

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

ایک دم سارا مجمع غیظ و غضب میں جل بھن گیا۔ غصہ کی لہروں سے چہروں پر ایسا اتار چڑھاؤ ہونے لگا کہ ہر ایک کے چہرے کی چوحدی بدل گئی اور سب کے سب سرکش اونٹوں اور شریر گدھوں کی طرح بدکتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اول فول بکتے اور بڑبڑاتے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ یہاں تک کہ ابولہب نے دانت پیس کر انتہائی گستاخانہ لہجے میں ہاتھ اٹھا کر یہ کہہ دیا کہ تَبًّا لَّكَ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لئے ہلاکت و بربادی ہو۔ کیا تم نے اسی لئے ہم کو بلایا تھا؟

حضرات! ابولہب کا یہ گستاخانہ جملہ سن کر رحمۃ للعالمین نے تو برداشت فرمالیا اور بالکل خاموش رہے مگر خداوند قادر و قیوم کی قہاری و جباری نے اپنے محبوب کی شان میں اس گستاخی و بے

ادبی کو برداشت نہیں فرمایا' بلکہ سدرۃ المنتہیٰ کے مکیں جناب جبرائیل امین کو حکم فرمایا کہ اے طائر سدرہ! یہ تمہارے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے۔ تم ابھی ابھی فوراً اپنی ملکوتی طاقت سے پرواز کر کے میرے حبیب کی تسلی اور دشمنانِ رسول کی سرکوبی کے لئے میرا یہ قاہرانہ پیغام یعنی سورۂ ''تبت یدا'' لے کر میرے محبوب کی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو جاؤ اور میرے پیارے رسول کو یہ سنا دو کہ اے محبوب!

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ	ہلاک ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تو ہلاک ہو ہی گیا۔
مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ	نہ اس کا مال اس کو بچائے گا نہ اس کی کمائی۔
سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ	وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی
وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔	جورو بھی اس حال میں بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگی کہ وہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے ہوگی اور اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔

حضرات! جس وقت یہ سورت نازل ہوئی اور سرکارِ دو جہاں نے اس کو پڑھ کر مجمع میں سنایا تو ظاہر ہے کہ ''ابولہب'' اور اس کی بیوی ''ام جمیل'' برملا اپنی ذلت و رسوائی اور ہلاکت و تباہی کی یہ وعید شدید سن کر شدتِ طیش میں آگ بگولہ ہو گئے اور یہ دونوں جوشِ غضب میں بھنائے ہوئے اول فول بکنے لگے لیکن ابولہب بہر کیف وہ اشرافِ قریش میں سے ایک ہوشمند مرد تھا۔ اس لئے وہ تو اتنا ہی کہہ کر اپنے گھر میں بیٹھ رہا کہ اگر میرے بھتیجے نے میری ہلاکت کی خبر دی ہے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنی بے شمار دولت اور کمائی کے بل بوتے پر ہلاکت سے بچ جاؤں گا۔ مگر اس کی بیوی ام جمیل پر تو غصہ سے ایسا جنون سوار ہو گیا کہ وہ جوش اور طیش میں بھری ہوئی ایک بہت بڑا پتھر لے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوگئی۔ یہ وقت تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں اپنے یارِ غار صدیق جاں نثار کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ام جمیل ہاتھ میں پتھر لئے ہوئے بڑبڑاتی ہوئی مسجد حرام میں پہنچ گئی مگر خدا نے اس کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ یہ خبیثہ پوری مسجد میں چکر لگاتی رہی لیکن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر ہی نہیں آئے جب اس کی نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑی تو دانت پیستے ہوئے چلا کر بولی کہ اے ابوبکر! تمہارے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری ہجو کی ہے۔ میں لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر میں اس کو یہاں پا جاتی تو میں اسی پتھر سے اس کا سر کچل دیتی اور

اے ابوبکر سن لو کہ ہمارا یہ نعرہ ہے کہ

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَاَمْرَهٗ اَبَيْنَا وَدِيْنَهٗ قَلَيْنَا ۔ یعنی ہم نے مذمم کی نافرمانی کی اور ہم اس کے حکم کے منکر ہیں اور ہم اس کے دین کے دشمن ہیں۔

معاذ اللہ۔ اس خبیثہ نے اپنی انتہائی کافرانہ خباثت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام نامی ''محمد'' صلی اللہ علیہ وسلم کو بگاڑ کر ''مذمم'' اور دین پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی نفرت اور بیزاری ظاہر کرتے ہوئے اپنی دشمنی کا اعلان کیا ہے۔

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں بڑے ہی والہانہ انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ۔

وَاَعَدَّتْ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ الْفِهْرَ وَجَاءَتْ كَاَنَّهَا الْوَرْقَاءُ

یعنی ''حمالۃ الحطب'' جس کا نام ام جمیل تھا وہ ایک پتھر لے کر فاختہ کی طرح تیزی کے ساتھ آئی۔

يَوْمَ جَاءَتْ غَضْبٰى تَقُوْلُ اَفِيْ
مِثْلِيْ مِنْ اَحْمَدَ يُقَالُ الْهِجَاءُ

جس دن کہ ام جمیل غصہ میں بھری ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ کیا مجھ جیسی عورت کے بارے میں احمد کی طرف سے ہجو (بدگوئی) کہی جاتی ہے؟

فَتَوَلَّتْ وَمَا رَاَتْهُ وَمِنْ اَيْنَ تَرَ الشَّمْسَ مُقْلَةٌ عَمْيَاءُ

پھر وہ پیٹھ پھیر کر چلی گئی اور اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا ہی نہیں اور کیوں نہ ہو کہ اندھی آنکھ بھلا سورج کو کس طرح دیکھ سکتی ہے؟

ابولہب کا انجام

مسلمانو! بہر کیف سورۂ ''تبت یدا'' کے نزول کے بعد ابولہب اور ام جمیل کی آتش غضب اور زیادہ بھڑک اٹھی اور یہ دونوں اور زیادہ خدا کے محبوب کی دل آزاری کرنے لگے۔

مگر میرے عزیزو اور دوستو! خداوند ذوالجلال کا قہاری حکم عذاب دارین بن کر ان دونوں کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ چنانچہ صرف چند ہی دن گزرے کہ خداوند عالم کا قہر و غضب اس طرح عذاب بن کر ان دونوں پر اتر پڑا کہ دونوں انتہائی ذلت و رسوائی اور بے پناہ تکالیف میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے ابولہب خطرناک اور زہریلی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو کر موت کے گھاٹ اتر گئے

ابولہب خطرناک اور زہریلی چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کا تمام جسم پھوڑا ہو گیا جس کی بد بو سے کسی کا اس کے پاس ٹھہرنا دشوار تھا اس نے اپنے علاج پر پانی کی طرح روپیہ بہا دیا مگر خدا کا قہاری اعلان کہ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ کب ٹلنے والا تھا' نہ اس کا مال اس کو بچا سکا۔ نہ اس کی کمائی اس کے کام آئی' اس کا سارا بدن سڑ گیا اور وہ جنگ بدر کے ساتویں دن یعنی ۲۴ رمضان ۲ھ کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا اور خدا کا فرمانِ صداقت نشان ساری دنیا پر علی الاعلان ظاہر ہو گیا کہ تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہو جائیں اور وہ تو ہلاک ہو ہی گیا۔

اُمِ جمیل کی پھانسی

مسلمانو! یہ تو ابولہب کا انجام ہوا۔ اب ذرا اس کی بیوی اُمِ جمیل کا بھی انجام سن لو۔ یہ خبیثہ کانٹوں کا گٹھا جو مونجھ کی رسی سے بندھا ہوا تھا اور رسی کا کچھ حصہ اس کے گلے میں لپٹا ہوا تھا۔ حسب عادت اپنے سر پر لئے ہوئے چلی جا رہی تھی کہ ناگہاں تھک کر ایک پتھر کی چٹان پر بیٹھ گئی۔ اتنے میں عذابِ الٰہی کا ایک فرشتہ آیا اور اس گٹھے کو اس کے سر سے گرا دیا اور ایک دم رسی سے اس کے گلے میں ایسی پھانسی لگ گئی کہ اس کا دم گھٹ گیا اور وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اللہ اکبر!

مسلمانو دیکھ لو۔ یہ ہے کہ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ کا خوفناک منظر۔

ابولہب اور اُمِ جمیل دوزخ میں

حضراتِ گرامی! یہ تو دنیاوی عذاب تھا جو قہرِ الٰہی کی جہاں سوز بجلی بن کر ان دونوں دشمنانِ رسول کے سروں پر مسلط ہو گیا اور ان دونوں کے خرمن زندگی اور متاعِ حیات کو انتہائی ذلت و خواری کے ساتھ سوخت کر کے ان دونوں کو ہلاک و برباد کر دیا اور ان دونوں کی پیشانیوں پر خلق اور خالق کی لعنتوں سے ایک ایسا بدنما داغ لگ گیا جو دنیا بھر کے سمندروں سے بھی نہیں دھل سکتا اور عالم اسلام کی تاریخ میں دونوں اس قدر بدنام اور ذلیل و خوار ہو گئے کہ دنیا کا کوئی مسلمان بھی یہ گوارہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے بچے کا نام "ابولہب" رکھے۔ یا اپنی بچی کو "حمالۃ الحطب" کہہ کر پکارے۔

لطیفہ

حضرات! اس موقع پر مجھے تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں تشریف لے گئے' اس وقت دربار میں ملک شام کے امراء اور رؤساء حاضر تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے

حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا تعارف کراتے ہوئے تفریح و مزاح کے طور پر فرمایا کہ اے اہل شام! یہ عقیل بن ابی طالب ہیں۔ ان کا چچا ''ابولہب'' ہے۔ یہ سن کر اہل شام ہنس پڑے۔ حضرت عقیل بھی بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ انہوں نے فوراً ہی برجستہ فرمایا کہ اے اہل شام! یہ معاویہ بن ابوسفیان ہیں۔ ان کی پھوپھی ''حمالۃ الحطب'' ہے۔ یہ سن کر اہل شام ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جھینپ کر خاموش ہوگئے۔

الغرض! ''ابولہب'' اور ''حمالۃ الحطب'' دونوں میاں بیوی دشمنی کے وبال میں گرفتار ہوکر اس قدر بدنام اور رسوائے زمانہ ہوگئے کہ ان دونوں کے حقیقی بھتیجے ان کو اپنا چچا اور پھوپھی کہنے میں شرم و عار محسوس کرتے ہیں۔

بہر کیف! یہ تو دنیا کا عذاب تھا لیکن آخرت میں خداوند قہار و جبار نے ان دونوں کے لئے جو عذابِ نار مقرر فرمایا ہے۔ وہ اس سے کہیں زیادہ بڑا اور ہولناک عذاب ہے۔ چنانچہ خلاق عالم جل جلالہ کا اعلانِ عام ہے کہ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ یعنی عنقریب ابولہب جہنم کی شعلہ مارتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی ام جمیل بھی اس حالت میں داخل جہنم ہوگی کہ جس حالت میں اس کی موت ہوئی تھی یعنی وہی لکڑیوں والا گٹھا اس کے سر پر اور مونجھ کی رسی اس کے گلے میں پھانسی بنی ہوئی ہوگی اور یہ دونوں ابدالآباد تک قہر قہار و غضب جبار کے سزاوار بنے ہوئے عذاب نار میں گرفتار رہیں گے۔

مسلمانو! ''ابولہب'' اور اس کی بیوی ''حمالۃ الحطب'' یعنی اُم جمیل کی داستانِ ذلیل سن کر غور کرو۔ سوچو اور عبرت پکڑو کہ ابولہب جو شکل و صورت میں انتہائی حسین، مال و دولت میں مکے کا رئیس اعظم، خاندانی شرافت یعنی قریشی اور ہاشمی ہونے کے لحاظ سے شرفائے عرب میں ممتاز اور ام جمیل جو حرب بن امیہ جیسے سردار عرب کی بیٹی اور اہل مکہ کے سپہ سالار ابوسفیان جیسے نامدار کی بہن۔ یہ دونوں میاں بیوی درحقیقت اپنی عزت و وجاہت کے اعتبار سے افق مکہ پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے لیکن رسول کی دشمنی اور بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی نے ان دونوں کو ہلاکت و بربادی کے ساتھ ذلت و خواری کے ایسے اسفل السافلین گڑھے میں گرا دیا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دنیا و آخرت میں ان دونوں پر عذابِ الیم اور نارِ جحیم کا عذاب مسلط ہوگیا اور ان کی ذلت و خواری کی داستان سارے جہان میں مشہور ہوگئی اور دونوں کی عزت و شہرت کے چمکتے ہوئے چہروں پر روسیاہی کا ایسا دھبہ لگ گیا کہ دنیا بھر کے دریاؤں کی روانی اور طغیانی بھی اس پاپ کے ناپاک دھبے کو نہیں دھوسکتی۔ سبحان اللہ! کیا خوب فرمایا مولانائے روم

نے کہ ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

یعنی جب خدا کو کسی کے عیوب کی پردہ دری منظور ہوتی ہے تو اس بندے کے دل کا یہ میلان ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ عزوجل کے پاک بندوں یعنی انبیاء اور اولیاء کی شان میں طعنہ زنی اور بدگوئی کرنے لگتا ہے۔

چنانچہ مسلمانو! تم نے دیکھ لیا کہ ابولہب اور اُمِ جمیل نے دربارِ رسالت میں بدگوئی اور بدزبانی کر کے کس طرح اپنی دنیا اور آخرت کو خراب کر لیا؟ اور اپنی ہزاروں بدگوئیوں اور بدزبانیوں کے باوجود رسول کی عزت وعظمت کا ایک حرف بھی نہ مٹا سکے بلکہ آفتاب پر ڈالی ہوئی خاک خودان کے منہ پر پڑی اور یہ خود ذلیل وخوار ہو گئے اور رسول کی عزت وعظمت کا چراغ ہمیشہ روشن ہی رہا اور قیامت تک بلکہ قیامت کے دن بھی تاجدار نبوت کی عزت وعظمت کا آفتاب اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتا اور جگمگاتا ہی رہے گا۔

سبحان اللہ! مسلمانو! اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے کلام کی جہاں گیری دیکھو کیا خوب فرماتے ہیں کہ ؎

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے
جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
ورفعنا لك ذكرك کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے تیرا ذکر ہے اونچا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

سبحان اللہ! سبحان اللہ! برادرانِ ملت! پڑھئے ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَّصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

میرے بزرگو اور بھائیو! سورۂ "تبت یدا" کی شانِ نزول اور اس کا ترجمہ اور تفسیر تو ایک حد تک آپ سن چکے۔ اب اس سورہ مبارکہ سے جو چند مسائل حاصل ہو گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ

ان نکات کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرادوں۔

پہلا نکتہ

میرے اسلامی بھائیو! سب سے پہلا نکتہ اس سورہ میں یہ ہے کہ ابولہب اور اس کی بیوی نے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی تھی مگر اس کا جواب خود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا' بلکہ اس کا جواب رب العالمین جل جلالہ نے دیا۔ اس سے پتا چلا کہ بارگاہِ کبریا میں سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کبریٰ کا یہ عالم ہے کہ بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے ادبوں اور بدگوئی کرنے والوں کو جواب دینے کے لئے لب پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنبش ہو۔ یہ رب العالمین جل مجدہ' کو گوارا نہیں ہے بلکہ حضرت حق جل جلالہ' اپنے حبیب پاک کی بارگاہِ عظمت کے گستاخوں کو خود اپنے قاہرانہ لہجے میں دندان شکن جواب دیتا ہے کہ گستاخوں اور بے ادبوں کی شہ رگ کٹ جاتی ہے اور ان کی بکواس کا تمام تار و پود پارہ پارہ ہو کر فضائے آسمانی میں بکھر جاتا ہے اور ان کی عزت و شوکت کی رگِ حیات کا ایک ایک تار کٹ پٹ کر فنائے دوام کے ایسے گہرے غار میں دفن ہو جاتا ہے کہ اسفل السافلین بھی اس کی گہرائی سے پناہ مانگتا ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا کہنا عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی کا؟ واللہ! یہ وہ آفتاب ہے کہ تمام دنیا کی روشنیاں اس کے آگے ماند ہیں۔ اللہ اکبر۔

کس کو یارا ہے کہ خورشید کے آگے چمکے
شمع گل ہوتی ہے سورج کی ضیا سے پہلے

دوسرا نکتہ

برادرانِ اسلام! اس سورۃ کے مضمون نے ہمیں جھنجھوڑ کر اس حقیقت سے بھی آشنا کر دیا کہ ایک مسلمان کا اسلامی مزاج یہ ہوتا ہے کہ اپنا رشتہ دار تو کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اجی رسول کا رشتہ دار بھی اگر رسول کی محبت و عظمت کا علم بردار نہ ہو تو وہ بلاشبہ خالق و خلائق کی نگاہوں میں انتہائی ذلیل و خوار ہے اور خدا اور اس کی ساری خدائی اس سے متنفر و بیزار ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ ابولہب صرف رسول کا ہم وطن اور خاندانی ہی نہیں بلکہ وہ رسول کا انتہائی قریبی رشتہ دار یعنی حقیقی چچا ہے مگر ہم مسلمانوں کا اس کے بارے میں یہ عقیدہ اور اعتقاد ہے کہ وہ یقیناً قابل نفرت ہے اور ہم تمام مسلمان اس سے برگشتہ' ناراض اور بیزار ہیں مگر بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجودیکہ انہیں رسول

سے کسی قسم کی قرابت نسب اور رشتہ داری کا شرف حاصل نہیں۔ وہ رسول کے ہم وطن اور ہم زبان بھی نہیں مگر ہر مسلمان ان کو انتہائی والہانہ عقیدت کے ساتھ اپنے کلیجے میں بٹھائے ہوئے ہے اور ان کے قدموں پر اپنی متاع جان قربان کر دینے کو تیار ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بلال کا سینہ رسول کی محبت وعظمت کا مدینہ ہے اور ابولہب کے دل و دماغ میں رسول کی دشمنی اور کینہ ہے۔

تو اے دوستو اور بزرگو۔ قرآن کی سورہ ''تبت یدا'' نے ہم مسلمانوں کو یہ مزاج بخشا ہے کہ ہمارا کوئی کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو؟ اگر وہ رسول کی شانِ عظمت میں گستاخ و بے ادب ہو یا وہ محبتِ رسول کی دولت سے تہی دست ہو تو یقیناً ہم اس سے متنفر اور بیزار رہیں گے اور کوئی ہم سے کتنا ہی بیگانہ کیوں نہ ہو؟ لیکن اگر اس کے دل و دماغ میں محبت رسول کا چراغ روشن ہو تو وہ یقیناً ہماری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے۔

مسلمانو! خدا کی قسم! یہ مقولہ ایمان کی جان ہے کہ ''جو رسول کا ہے وہی ہمارا ہے اور جو رسول کا نہیں وہ ہمارا نہیں'' مسلمانو! تم اس آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرو کہ ؎

محمد ﷺ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانون کے رشتوں سے اعلیٰ ہے

تیسرا نکتہ

حضرات! اسی طرح اس قرآنی سورہ سے ایک تیسرا نکتہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں اور ان کے دربار نبوت کے گستاخوں اور بے ادبوں کو برا سمجھنا اور برا کہنا اور ان کو ہلاکت و بربادی کا پیغام سنانا' یہ خالق کائنات جل جلالہٗ کی سنت ہے۔ کیونکہ خداوندِ عالم نے دشمن رسول ابولہب کے بارے میں کھلم کھلا یہ فرمایا کہ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ○ اور تمام مومنین و مومنات کو بار بار اس سورۃ کی تلاوت کا حکم فرمایا تا کہ قیامت تک ابولہب کی ذلت و خواری کا چرچا خلق خدا کی زبانوں پر جاری رہے۔

حضرات! آج کل اکثر لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ میاں! کوئی کتنا ہی برے سے برا کیوں نہ ہو؟ مگر ہم کو اپنی زبان سے کسی کو برا نہیں کہنا چاہئے۔

مسلمانو! خدا کی قسم! ایسے ''صلح کلی'' لوگوں کے لئے یہ سورۂ ''تبت یدا'' بہت ہی بڑا تازیانہ عبرت ہے۔ وہ لوگ آنکھ کھول کر دیکھ لیں اور کان کھول کر سن لیں کہ خداوند ذوالجلال نے کتنی شدومد کے ساتھ دشمن رسول ابولہب کی مذمت اور برائی بیان فرمائی ہے۔ میں ایسے لوگوں

سے پوچھتا ہوں کہ اگر بقول ان کے برے سے برے آدمی کو بھی کبھی برا نہیں کہنا چاہئے تو یہ لوگ بتائیں کہ وہ تلاوت قرآن میں سورہ تبت یدا پڑھتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ پڑھتے ہیں تو پھر وہ کیوں ابولہب کی برائیوں کی داستان اپنی زبان پر لاتے ہیں؟ اور اگر وہ اس سورۃ کو نہیں پڑھتے تو پھر کیوں نہیں اس سورۃ کو قرآن سے نکال دیتے؟

مسلمانو! خدا کی قسم! یہ صلح کلی قسم کے لوگوں کا ایک بہت بڑا فریب ہے کہ کسی برے کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے۔ میں بخدا کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان ''صلح کلیوں'' کے ماں باپ کو اگر کسی نے ذرا بھی برا کہہ دیا تو اسی وقت ان لوگوں کے مصنوعی اخلاق کا جنازہ نکل جاتا ہے اور یہ لوگ لاٹھیاں لے کر نکل پڑتے ہیں اور ہزاروں مغلظ گالیوں سے اپنی اور اس کی گلی کو بھر دیتے ہیں مگر جب علماء اہل سنت دشمنان رسول کے کفری اقوال کو سنا کر عامۃ المسلمین کو بارگاہِ نبوت کے گستاخوں کا پتا بتاتے ہیں اور بھولے بھالے مسلمانوں کو ان کے پرفریب جال اور دام تزویر سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں تو بس ایک دم ان صلح کلیوں کی رگِ اخلاق پھڑک اٹھتی ہے اور وہ اپنے اس اپدیش کا بھاشن شروع کر دیتے ہیں کہ میاں! کوئی کتنا ہی برا کیوں نہ ہو؟ مگر برے کو بھی برا نہیں کہنا چاہئے بلکہ بعض تو یہاں تک بک دیتے ہیں کہ میاں! کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہئے۔ کوئی نہیں؟ جوان مفت کے مفتیوں سے یہ پوچھے کہ اجی! برے کو برا اور کافر کو کافر نہ کہیں تو پھر کیا کہیں؟ کیا برے کو اچھا اور کافر کو مسلمان کہیں؟ اور قرآن کی سورہ ''تبت یدا'' اور قرآن کی آیت ''قُلْ یٰاَیُّھَا الکافرون لا اعبد ما تعبدون'' وغیرہ سینکڑوں آیتوں کو قرآن میں سے نوچ کر پھینک دیں؟

اجی! ہم کافر کو کافر' خبیث کو خبیث' ناپاک کو ناپاک' برے کو برا' کیوں کر نہ کہیں؟ جب کہ قرآن کی یہ چمکتی ہوئی آیتیں ہمیں اس اعتقاد و عمل پر مجبور کر رہی ہیں کہ ''برے کو برا کہنا'' اس کو برا جاننا' اس کو برا سمجھنا اور اس سے بروں جیسا سلوک کرنا ہر مومن پر فرض ہے۔ جہال کی ہڑبونگ صلح کلیوں کے شور و غل اس نوشتہ قرآن کو ہرگز ہرگز نہیں مٹا سکتے بلکہ انشاءاللہ تعالیٰ خدا کے اس فرمان کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔ قرآن گواہ ہے کہ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا ۔

ہزار فلسفیوں کی چناں چنیں بدلی ۔۔۔ خدا کی بات بدلنی نہ تھی نہیں بدلی

چوتھا نکتہ

برادران ملت! ایک چوتھا نکتہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ سورہ ''تبت یدا'' کے واقعہ نزول نے

ہمیں یہ بھی سبق دیا کہ جب محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کی اتنی بے ہودہ گستاخی اور بے ادبی کو صبر کر کے برداشت فرمالیا اور کوئی جواب نہیں دیا تو اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبرِ اخلاق کی یہی شان ہے کہ دشمنانِ دین اور گستاخ جاہلوں کے طعن و تشنیع اور ان کی گالیوں کو سن کر صبر اور برداشت ہی کرنا چاہئے۔ اس لئے علماءِ دین کو جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور جانشین ہیں۔ انہیں چاہئے کہ دشمنانِ دین کی سخت کلامیوں اور ان کی گالیوں کو پیغمبری صبر کے ساتھ برداشت کریں اور ہرگز ہرگز صاحبِ خلقِ عظیم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ کے خلاف بال برابر بھی قدم نہ اٹھائیں کیونکہ خداوند قدوس نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہی اخلاق سکھایا ہے کہ

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ۔ یعنی اے محبوب! لوگوں کے جرموں کو معاف کردو اور اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور نادانوں سے درگزر کا برتاؤ کرتے رہو۔

کیوں؟ اس لئے کہ کمینے لوگوں کا خدا کے نیک بندوں کو ایذا پہنچانا۔ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے بلکہ ہمیشہ اور ہر دور میں کمینوں نے خاصانِ خدا کو ستایا ہے اور ہمیشہ اور ہر زمانے میں خاصانِ خدا نے ان ظالموں کی ایذاؤں پر صبر و تحمل کیا ہے۔ قرآن میں خداوند رب العزت کا فرمان ہے کہ

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ یعنی اے پیغمبر! آپ صبر کیجئے جیسا کہ تمام اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ نے سالکین راہِ خدا اور نائبین مصطفیٰ کو صوفیانہ نصیحت فرماتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے کہ۔

چوں بسازی باخسی ایں خساں
گردی اندر نور سنتہا رساں

یعنی جب تم ان کمینے لوگوں کے کمینہ پن کو اپنے صبر و حلم سے برداشت کر کے ان کے ساتھ گزر بسر کرلو گے تو تم سنتوں کی نورانی دنیا میں پہنچ جاؤ گے۔

کانبیا رنج خساں بس دیدہ اند   از چنیں ماراں بسے پیچیدہ اند

کیوں؟ اس لئے کہ حضرات انبیائے علیہم السلام نے ان کمینوں کی طرف سے بہت زیادہ رنج دیکھا ہے اور یہ حضرات ان سانپوں سے بہت زیادہ پیچ و تاب کھاتے رہے ہیں۔

اللہ اکبر! کیا خوب فرمایا مولانا جمیل قادری بریلوی نے کہ۔

دین کے دشمن ان کو ستائیں دیتے رہیں یہ سب کو دعائیں
سب سے نرالی خوئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اور اخلاق نبوت کی کتنی بہترین تصویر کشی جناب حفیظ جالندھری نے کی ہے۔

سلام اس پر کہ اسرارِ محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو دعائیں دیں
سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی
سلام اس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دیدی
سلام اس پر کہ جس کا ذکر ہے سارے صحائف میں
سلام اس پر کہ جو زخمی ہوا بازارِ طائف میں
سلام اس پر وطن کے لوگ جس کو تنگ کرتے تھے
سلام اس پر کہ گھر والے بھی جس سے جنگ کرتے تھے

بہرحال برادرانِ ملت! دعا کیجئے کہ خداوند کریم ہمیں اور آپ کو اخلاقِ نبوت اور تعلیمات قرآن پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

اُنتیسواں وعظ

تین محبوب خصائل

طریقِ مصطفیٰ ﷺ کو چھوڑنا ہے وجہ بربادی
اسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدلله العظيم العليم الخبير والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا محمدن البشير النذير وعلىٰ اله وصحبه الفائزين بمغفرة واجر كبير وحسبنا الله ونعم الوكيل نعم المولىٰ ونعم النصير وهو علىٰ كل شيءٍ قدير .

برادرانِ ملت! سب سے پہلے دربارِ رسالت میں عاشقانہ درود وسلام کا نذرانہء عقیدت پیش کر کے اپنے لئے رحمت ومغفرت کا سامان کر لیجئے۔

اللهم صل علىٰ سيدنا محمد معدن الجود والكرم وعلىٰ اله الكرام واصحابه العظام وبارك وسلم صلاة وسلاماً عليك يارسول الله .

حضراتِ گرامی! اب میں ایک نعت شریف کے چند اشعار عرض کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اس کو انتہائی والہانہ عقیدت کے ساتھ سماعت فرمائیں گے۔ اس بعد میں اپنی تقریر کا آغاز کروں گا۔

نعت شریف

دل نثارِ مصطفیٰ ﷺ' جاں پائمالِ مصطفیٰ ﷺ
یہ اویسِ مصطفیٰ ہے' وہ بلالِ مصطفیٰ ﷺ

دونوں عالم میرے اک حرف دعا میں غرق تھے
جب خدا سے کررہا تھا میں سوالِ مصطفےٰ ﷺ

سب سمجھتے ہیں اے شمع شبستان حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمالِ مصطفےٰ ﷺ

عالم ملکوت ' اور عالم لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برقِ جمالِ مصطفےٰ ﷺ

دیکھئے کیا حال کر ڈالے شب یلدائے غم
جب تلک آئے نظر صبح جمالِ مصطفےٰ ﷺ

ذرّہ ذرّہ عالم ہستی کا روشن ہوگیا
اللہ! اللہ! شوکت و شان جمالِ مصطفےٰ ﷺ

محترم حاضرین! عام طور پر یہ دستور ہے کہ علمائے کرام اور واعظین خطبہ کے بعد کسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں اور پھر اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر بیان کرتے ہوئے اس کے مناسب متعلقات اور مالہٗ وماعلیہ کے بارے میں وعظ وتقریر فرمایا کرتے ہیں اور میرا خود بھی یہی طریقہ ہے مگر آج اس دینی وایمانی محفل اور نورانی اجلاس میں میرا جی چاہتا ہے کہ کسی قرآنی آیت کو اپنی تقریر کا عنوان بنانے کی بجائے میں ایک طویل حدیث سنادوں اور اس کا ترجمہ ومختصر تشریح کرتے ہوئے اسی حدیث کے متعلقات اور اس کی ایمانی ونورانی تعلیمات کے چند جلوے آپ کو دکھادوں تاکہ ان تجلیات کی روشنی میں آپ کو شمع ہدایت کا وہ نور نظر آجائے جو اس شاہراہ کی طرف رہبری کرتا ہے جس کو قرآن مجید نے ''صراطِ مستقیم'' کہا ہے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس سیدھے راستے پر چل کر اس عظیم الشان کامیابی سے ہمکنار ہوجائیں گے جس کو قرآن کی زبان میں ''فَوْزٌ عَظِیْم'' کہا گیا ہے اور جس کو ہم اور تم فلاحِ دارین کہا کرتے ہیں اور جس کی تلاش وجستجو میں تمام عالم انسانیت ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا ہے۔

برادرانِ ملت! یہ طویل حدیث جو میں آج آپ کو سناؤں گا اس کو عام طور پر لوگ ''حدیث ثلث'' کہتے ہیں۔ یہ بڑی جامع' نہایت ایمان افروز اور انتہائی نصیحت آموز وعبرت خیز حدیث ہے جس کو حضرت علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''منبہات'' میں نقل فرمایا ہے۔

آپ پہلے اس حدیث کی تلاوت اور اس کا سلیس ترجمہ سن لیجئے۔ پھر انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تشریح اور اس حدیث سے سمجھے جانے والے احکام ومسائل بھی آپ کے سامنے ضرور عرض کروں گا۔

حضرات! ایک دن حضور شہنشاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شمع نبوت کے پروانوں یعنی صحابہ کرام کے جھرمٹ میں رونق افروز تھے اور کلماتِ رشد و ہدایت کے متلاشی کانِ لب پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش کے منتظر تھے کہ ناگہاں ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

یعنی مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ہیں ایک خوشبو دوسری بیویاں، تیسری یہ کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے۔

فَقَالَ اَبُوْبَکْرِ نِ الصِّدِّیْقُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ صَدَقْتَ یَا رَسُوْلَ اللہِ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اَلنَّظْرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللہِ وَاِنْفَاقُ مَالِیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللہِ ○ وَاَنْ یَّکُوْنَ اِبْنَتِیْ تَحْتَ رَسُوْلِ اللہِ ۔

یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں محبوب ہیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کا دیدار کرنا دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا مال نثار کرنا۔ تیسرے میری بیٹی عائشہ کا حضور کے نکاح میں رہنا۔

فَقَالَ عمر رضی اللہ عنہ صَدَقْتَ یَا اَبَا بَکْرٍ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ وَالثَّوْبُ الْخَلَقِ ۔

یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کلام سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ عرض کیا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے سچ کہا۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزوں سے محبت ہے۔ ایک اچھی باتوں کا حکم دینا۔ دوسرے بری باتوں سے منع کرنا۔ تیسرے پھٹے پرانے کپڑے پہننا۔

فَقَالَ عُثْمَانُ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُمَرُ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اِشْبَاعُ الْجِیْعَانِ وَکِسْوَۃُ الْعُرْیَانِ وَ تِلَاوَۃُ الْقُرْاٰنِ ۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تقریر سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے عمر! تم نے جو کہا سچ ہے۔ مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پسند ہیں۔ پہلی چیز بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ دوسری چیز ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ تیسری چیز قرآن کی تلاوت کرنا۔

فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ صَدَقْتَ یَا عُثْمَانُ وَحُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثٌ اَلْخِدْمَۃُ لِلضَّیْفِ وَالصَّوْمُ فِی الصَّیْفِ وَالضَّرْبُ بِالسَّیْفِ ۔

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اے عثمان رضی اللہ عنہ! تمہاری بات سچ ہے۔ جی مجھے بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پیاری ہیں ایک تو مہمان کی خدمت، دوسری چیز گرمیوں کا روزہ، تیسری چیز میدانِ جہاد میں تلوار کی مار۔

فَبَیْنَاھُمْ کَذٰلِکَ اِذْ جَاءَ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَقَالَ اَرْسَلَنِیَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَمَّا سَمِعَ مَقَالَتَکُمْ وَاَمَرَ اَنْ تَسْئَلَنِیْ عَمَّا اُحِبُّ اِنْ کُنْتُ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ۔

یعنی پھر اس درمیان میں یہ لوگ اسی حالت میں تھے۔ ناگہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام آگئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کی گفتگو سن کر مجھے بھیجا ہے اور آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ مجھ سے یہ سوال فرمائیں کہ اگر میں اس دنیا کا رہنے والا ہوتا تو میں اس دنیا کی کن کن چیزوں سے محبت کرتا۔

فَقَالَ مَا تُحِبُّ اِنْ کُنْتَ مِنْ اَھْلِ الدُّنْیَا ۔

تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرائیل! آپ بتائیے؟ کہ اگر آپ اس دنیا والوں میں سے ہوتے تو کن کن چیزوں سے محبت کرتے؟

فَقَالَ اِرْشَادُ الضَّآلِّیْنَ وَمُوَانَسَۃُ الْغُرَبَاءِ الْقَانِتِیْنَ وَمُعَاوَنَۃُ اَھْلِ الْعِیَالِ الْمُعْسِرِیْنَ ۔

تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ تین چیزوں سے اول گمراہوں کی رہنمائی کرنا۔ دوم ان مسافروں کی دلجوئی وغم خواری کرنا جو خدا کے فرمان بردار ہیں۔ سوم بال بچوں والے تنگدستوں کی امداد کرنا۔

وَقَالَ جِبْرَئِیْلُ یُحِبُّ رَبُّ الْعِزَّۃِ جَلَّ جَلَالُہٗ مِنْ عِبَادِہٖ ثَلٰثَ خِصَالٍ بَذْلُ الْاِسْتِطَاعَۃِ وَالْبُکَاءُ عِنْدَ النَّدَامَۃِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الْفَاقَۃِ ۔

یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ رب العزت جل جلالہٗ بھی اپنے بندوں کی تین خصلتوں سے محبت فرماتا ہے۔ اپنی طاقت بھر خدا کی راہ میں خرچ کرنا اور گناہ پر نادم ہوکر رونا اور فاقہ کے وقت صبر کرنا۔

برادرانِ ملت! آپ نے حدیث کی تلاوت اور اس کا ترجمہ سن کر خوب اچھی طرح جان لیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو، صدیق اکبر کو، فاروق اعظم کو، عثمان غنی کو، علی حیدر رضی اللہ عنہم کو،

جبرائیل امین علیہ السلام کو رب العالمین کو اس دنیا کی کون کونسی چیزیں پیاری ہیں؟

مسلمانو! کان لگا کر خوب دھیان سے سن لو کہ یہ سات پیار کرنے والے ہیں اور ہر ایک کو تین تین چیزیں پیاری ہیں۔ اس طرح کل اکیس چیزیں ہیں جو یقیناً بلاشبہ پسندیدہ اور پیاری چیزیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مومن ہوگا۔ اس کو ان ساتوں پیار کرنے والوں یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم' صدیق' فاروق' عثمان' علی رضی اللہ عنہم' جبرائیل علیہ السلام' رب العالمین جل مجدہٗ سے ضرور ہی محبت و پیار ہوگا اور چونکہ محبوب کی محبوب چیزیں بھی محبت کو یقیناً محبوب ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو دولت ایمان سے مالا مال ہوگا وہ ضرور ضرور ان اکیس چیزوں سے بھی محبت کرے گا۔

برادرانِ اسلام! آپ ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کریں تو میں ان اکیس محبوب اشیاء اور پیاری خصلتوں کو ذرا اور بھی کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کردوں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پیاری چیزیں

حضراتِ گرامی! سن لیجئے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کی مجھے صرف تین ہی چیزوں سے پیار و محبت ہے۔ ایک خوشبو' دوسری بیویاں' تیسری نماز۔ سبحان اللہ۔

برادرانِ اسلام! حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ دنیا جو طرح طرح کی بے شمار نعمتوں' لذتوں اور راحتوں سے بھری ہوئی ہے اور اس دنیا میں ہر انسان کو فطری طور پر نعمتوں اور لذتوں سے محبت ہوا ہی کرتی ہے مگر مجھے دنیا کی ان تمام نعمتوں میں سے صرف تین ہی چیزیں پسند ہیں جن سے میں محبت اور پیار کرتا ہوں اور وہ تین چیزیں خوشبو' بیویاں اور نماز ہیں۔

خوشبو

برادرانِ ملت! سب سے پہلی چیز جس سے ہمارے پیارے نبی کو پیار و محبت ہے وہ ''خوشبو'' ہے۔ اللہ اکبر! خدا کی قسم! میرے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خود سراپا مجسم خوشبو تھے۔ آپ کے جسم اطہر سے مشک و عنبر سے بھی بہتر خوشبو نکلتی تھی جس راہ سے گزر جاتے گلیاں خوشبوئے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مہک جاتی تھیں اور لوگ اسی خوشبو کو سونگھتے ہوئے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کر کے پالیا کرتے تھے۔

اللہ اکبر! خوشبوئے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا کہ۔

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے　　بو پہ چلتے ہیں بھٹکنے والے

اور کہیں یوں ارشاد فرمایا کہ۔

بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ
کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

حضراتِ گرامی! مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں خوابِ استراحت میں تھے اور جسم اطہر سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ میری والدہ حضرت بی بی ام سلیم نے یہ دیکھا تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس پسینے کو پونچھ پونچھ کر ایک شیشی میں جمع کرنے لگیں۔ ناگہاں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا: کہ اے ام سلیم! تم میرے اس پسینے کو کیا کرو گی؟ تو اُمِ سلیم نے عرض کیا۔

نَجْعَلُهُ فِي طِيبِنَا وَهُوَ أَطْيَبُ الطِّيبِ ۔ (بخاری و مسلم ج۲ ص۲۸)　　یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم اس کو اپنی خوشبو میں ملائیں گے اور یہ تو خود تمام خوشبوؤں سے زیادہ پاکیزہ اور بہترین خوشبو ہے۔

حضرات! یہی وہ مضمون ہے جس کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ

واللہ جو مل جائے مرے گل کا پسینہ
مانگے نہ کبھی عطر، نہ پھر چاہے دلہن پھول

چنانچہ حضرت انس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میرے بدن اور میرے کفن میں وہی خوشبو لگائی جائے جس میں اشرف الطیبین، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ملا ہوا ہے۔ (بخاری ج۲ ص۹۷۵)۔

بہر کیف! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سراپا مجسم خوشبو تھے اور خوشبو کو بے حد پسند فرماتے تھے اور آپ خود بھی بکثرت خوشبو استعمال فرماتے تھے اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم فرماتے تھے اور ایک حدیث میں تو یہ بھی فرمایا کہ

لَا تَرُدُّوا الطِّيبَ فَإِنَّهُ طَيِّبُ الرِّيحِ خَفِيفُ الْمَحْمِلِ ۔ (مسلم ج۲ ص۹۲)　　یعنی خوشبو کے تحفہ کو کبھی رد مت کرو اس لئے کہ وہ پاکیزہ مہکنے والی اور ہلکے بوجھ والی چیز ہے۔

ازوجِ مطہرات

حضرات! اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین محبوب چیزوں میں سے دوسری محبوبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس بیویاں ہیں۔ حضور شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات سے اس قدر محبت فرماتے تھے کہ بیک وقت نو امہات المومنین کاشانہ نبوت میں تھیں مگر کبھی کسی کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیار ومحبت اور حسن سلوک کی شکایت نہیں ہوئی اور اپنی امت کو بھی عورتوں کے ساتھ پیار ومحبت اور حسن سلوک کی تاکید فرماتے ہوئے کبھی یوں ارشاد فرمایا کہ:

استوصوا بالنساء خیراً — یعنی تم لوگ عورتوں کے ساتھ پیار ومحبت کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرو۔

اور کہیں یوں ہدایت فرمائی کہ:

خیر کم خیر کم لاھلکم۔ — یعنی تم میں بہترین آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہترین ہو۔

نماز

حضرات! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری محبوبہ نماز ہے۔ اللہ اکبر! نماز سے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو والہانہ عشق اور لگاؤ تھا اور نماز کی محبت جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رگ وپے میں رچی بسی تھی اس کو کون مسلمان نہیں جانتا۔ خود فرماتے ہیں کہ:

جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ — یعنی نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک بنائی گئی ہے۔

فرائض پنج گانہ کے علاوہ نمازِ تہجد اور دن رات میں دوسرے نوافل بکثرت پڑھتے تھے۔ ازواجِ مطہرات اور صحابہ کرام کا بیان ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رنج وغم دامن گیر ہوتا یا کوئی اہم معاملہ درپیش ہو جاتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔

بہرکیف! خوشبو، عورت، نماز یہ تینوں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ لہٰذا اے عاشقانِ رسول! ہم کو، تم کو جو اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ومحبت ہے تو اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی اپنے رسول کی ان محبوب چیزوں سے محبت رکھیں کیونکہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوا کرتی ہے اور مسلمانو! یقین وایمان رکھو کہ اگر ہم محبوبِ خدا کی محبوب چیزوں سے محبت کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا ہو جائیں گے تو خداوند قدوس ہمیں اپنے فضل وکرم سے اپنا

محبوب بنالے گا۔ اس کا وعدہ ہے کہ:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ یعنی اے محبوب! آپ فرمادیجئے کہ اے انسانو! اگر تم لوگ اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنا محبوب بنالے گا۔

سچ ہے۔

ہمیں کرنی ہے شہنشاہِ بطحا کی رضا جوئی
وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

محبوباتِ صدیق

حضراتِ گرامی! اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین محبوب چیزیں بھی آپ سن چکے۔ نبی کے یارِ غار صدیق رضی اللہ عنہ جاں نثار فرماتے ہیں کہ ساری دنیا کی نعمتوں اور لذتوں میں بس مجھے صرف انہی تین چیزوں سے پیار و محبت ہے۔ ایک رسول کے جمالِ نبوت کا دیدار کرنا۔ دوسرے محبوبِ خدا پر اپنی دولت نثار کرنا۔ تیسرے حضرت عائشہ صدیقہ کا زوجیت سرکار میں برقرار رہنا۔

مسلمانو! اللہ اکبر! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان محبوب تمناؤں اور عاشقانہ اداؤں کی بے مثل و بے مثال عظمت و فضیلت کا کیا کہنا؟

جمالِ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ

برادرانِ اسلام! جمالِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نظارہ خدا کی قسم یہ وہ عدیم المثال فضیلت اور افضل عبادت ہے کہ بندوں کا کوئی عمل صالح اس سے زیادہ افضل و اعلیٰ اور بہتر و بالا ہو ہی نہیں سکتا۔

مسلمانو! کون اس مسئلہ کو نہیں جانتا کہ دنیا کا بڑے سے بڑا عبادت گزار، متقی و پرہیزگار خواہ وہ کتنا ہی بلند درجہ ولی کیوں نہ ہوجائے قطب الاقطاب ہی کیوں نہ ہوجائے۔ مگر خدا کی قسم ہرگز ہرگز وہ کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

صحابی کس کو کہتے ہیں؟ سنئے۔ صحابی وہ صاحبِ ایمان ہے جس نے کم از کم سے ایک مرتبہ جمالِ نبوت کا نظارہ کرلیا اور پھر ایمان پر اس کا خاتمہ ہوگیا۔ سبحان اللہ! اگر کسی مسلمان نے ایک مرتبہ کلمہ پڑھنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسارِ پرانوار کا دیدار کرلیا اور کوئی عمل صالح

کیے بغیر دنیا سے سدھار گیا تو واللہ! کوئی غوث اعظم اور قطب الاقطاب بھی جس نے سینکڑوں برس تک خدا کی عبادت کی۔ اس کے رتبہ کا ہمسر وہم پلہ نہیں ہوسکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جمالِ نبوت کے دیدار سے بڑھ کر نہ کوئی ایمانی فضیلت ہے نہ کوئی عبادت۔

مسلمانو! اللہ اکبر! ذرا سوچو تو سہی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ محبوب تمنا کتنی محبوب، کتنی پسندیدہ اور کس قدر پیاری ہے؟ سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو؟ کہ صدیق باوقار رسول کے یارِ غار اور سچے جاں نثار ہیں۔ سراپا پروانۂ شمع رسالت، عاشق جمالِ نبوت ہیں اور اسی عشق ومحبت کی نسبت رابطہ کی بدولت آپ تمام صوری ومعنوی کمالات کے جامع ہوکر اس قدر کامل ومکمل ہو گئے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں سے افضل واعلیٰ ہو گئے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔

مرتبہ حضرت صدیق کا یہ ہے سید　　　ہر فضیلت کے وہ جامع ہیں نبوت کے سوا

قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دولت کی نچھاور

حضراتِ گرامی! جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دوسری محبوب چیز قدم رسول پر اپنی دولت کو قربان کرنا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جس دن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آغوش اسلام میں آئے۔ چالیس ہزار درہم کے مالک تھے۔ اس میں سے ۳۵ ہزار درہم تو مکہ مکرمہ میں رحمتِ عالم کی نصرت وحمایت پر خرچ کرڈالا، باقی پانچ ہزار درہم کی رقم لے کر ہجرت کی اور یہ ساری رقم بھی احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کردی۔

لختِ جگر نکاح رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں

برادرانِ ملت! اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تیسری تمنا پر بھی ذرا غور کیجئے کہ یہ بھی کس قدر محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات کی آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری نورِ نظر اور لختِ جگر حضرت عائشہ ہمیشہ ہمیشہ رسول کی زوجیت سے سرفراز رہیں۔

سبحان اللہ! جاں نثار رسول کی ہر محبوب تمنا عشق رسول میں ڈوبی ہوئی ہے۔

برادرانِ ملت! پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے یارِ غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے محبت کرنا ہر مومن کے لئے جانِ ایمان ہے۔ لہٰذا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ان تینوں محبوب تمناؤں کی محبت وآرزو ہر اس مسلمان کے دل میں ہونا لازمی ہے جس کا سینہ دولت ایمان کا خزینہ ہے۔

مسلمانو! پڑھو بآواز بلند درود شریف: اللھم صل علی سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد وبارك وسلم۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی محبوب چیزیں

برادرانِ ملت! اب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی تینوں محبوب چیزوں پر بھی ایک نگاہ عبرت ڈالئے اور ایمانی جذبات کی روشنی میں ان کے جمالستانِ ایماں کا نظارہ فرمایئے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

حضرات! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمام عالم دنیا میں تین ہی چیزیں مجھ کو محبوب ہیں' ان میں سے دو تو یہ ہیں کہ میں اچھی باتوں کا حکم دیتا رہوں اور بری باتوں سے منع کرتا رہوں۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! مسلمانو! فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ دو محبوب اور پسندیدہ خصلتیں وہ عظمتِ نشان شعار اسلام ہیں جن کو حضرت حق جل مجدہٗ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ساری امتوں میں طغرائے امتیاز قرار دے کر اس آخری امت کے سر پر ''خیر الامم'' کا تاج کرامت رکھا ہے۔ قرآن مجید پڑھ لیجئے ارشادِ ربانی ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

یعنی اے میرے حبیب کی امت! تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو اور تمہارا منصب یہ ہے کہ تم خدا کے بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے رہو اور بری باتوں سے منع کرتے رہو۔

پرانا کپڑا

اسی طرح تیسری چیز جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس دنیا میں محبوب ہے وہ پرانا کپڑا ہے۔

برادرانِ اسلام! اللہ اکبر۔ منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پیراہن مبارک میں سات سات پیوند لگے رہتے تھے۔ خود تو آپ کے اپنے لباس کا یہ حال تھا مگر امت رسول کو روزانہ نیا نیا کپڑا پہنایا کرتے تھے اور کسی مسلمان کو ننگا یا بھوکا دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ خداوند قدوس نے انہی ایثار و قربانی کے مجسموں کی مدح و ثنا کا خطبہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ

یعنی رسول کی شمع نبوت کے پروانوں کا یہ بہت بڑا طرۂ امتیاز ہے کہ خود فقیری اور محتاجی کی زندگی بسر کرتے ہوئے

دوسروں کواپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔

یعنی خود بھوکے رہتے ہیں اور دوسروں کو کھلا دیتے ہیں۔ خود پھٹا پرانا کپڑا پہنتے ہیں اور دوسروں کو نیا کپڑا پہناتے ہیں۔

بہر کیف! برادرانِ اسلام! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ تینوں محبوب چیزیں یعنی اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا اور پرانا کپڑا خود پہننا اور نیا کپڑا دوسروں کو پہنانا۔ یہ وہ خصائل محمودہ ہیں جو بلاشبہ شعارِ ایمان اور اسلامی نشان کہلانے کی مستحق ہیں۔

مسلمانو! اب بتاؤ؟ بھلا وہ کون مسلمان ہوگا جس کے دل میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی والہانہ محبت کا جذبہ نہ ہو؟ اور میں بار بار عرض کر چکا کہ محبوب کی ہر چیز محبوب ہوا کرتی ہے۔ پھر بھلا محبوب کی محبوب چیزیں کیوں نہ محبوب ہوں گی؟

لہٰذا برادرانِ ملت! حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ان پسندیدہ اور محبوب اداؤں سے محبت کرتے ہوئے ہم کو لازم ہے کہ ہم بھی ہر دم ہر قدم پر امت مسلمہ کو نیکیوں کا راستہ بتاتے رہیں اور برائیوں سے روکتے رہیں اور خود پرانے کپڑے پہن کر تواضع کی زندگی اختیار کریں اور امت رسول کے غریبوں، مفلسوں کو اچھا اچھا اور نیا نیا کپڑا پہنا کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی سنت کو زندہ رکھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محبوبات

حضرات گرامی! اسی طرح آپ نے سن لیا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی دنیا کی تین ہی چیزیں پسند ہیں۔ ایک بھوکوں کو کھانا کھلانا۔ دوسری ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ تیسری قرآن کی تلاوت کرنا۔

برادرانِ اسلام! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہ محبوب خصلتیں درحقیقت اسلام کے وہ اعمالِ صالحہ ہیں جو جنت کی کنجیاں ہیں۔

بھوکوں کو کھانا کھلانا

حضرات! کسی بھوکے کو کھانا کھلانا۔ یہ کتنے بڑے اجر عظیم کا کام ہے۔ اس کو قرآن مجید کی مقدس زبان سے سنئے۔ خداوند قدوس کے وہ مقرب بندے جن کو قرآن میں "ابرار" یعنی نیکوکار بندوں کے معزز لقب سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔ ان کی شان میں پروردگارِ عالم نے ارشاد فرمایا کہ:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا

یعنی وہ لوگ باوجودیکہ خود ان کو کھانے کی محبت ہے پھر بھی خود نہیں کھاتے بلکہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں۔

مسلمانو! تمہیں خبر ہے؟ کہ ان پیکر ایثار بندوں کے لئے پروردگارِ عالم جل جلالہٗ کا کیا وعدہ ہے؟

سنو! ان خوش نصیبوں کے لئے ارشاد ربانی ہے کہ

وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ٥ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کے صبر کی وجہ سے جنت اور ریشمی کپڑے عطا فرمائے کہ یہ لوگ جنت میں تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوئے شان و شوکت کے ساتھ بیٹھے ہوں گے نہ جنت میں یہ لوگ دھوپ کی تپش دیکھیں گے نہ جاڑے کی شدت!

ننگوں کو کپڑا پہنانا

برادرانِ اسلام! اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دوسری محبوب چیز ننگوں کو کپڑا پہنانا۔ یہ بھی بھوکوں کو کھانا کھلانے کی طرح بہت بڑے ثواب اور اجر عظیم کا کام ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْيٍ كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ

یعنی جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا سبز لباس پہنائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف فضل الصدقہ)

تلاوت قرآن

اچھا اب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تیسری محبوب شے یعنی تلاوت قرآن مجید کا ثواب کیا پوچھتے ہو؟ حدیث شریف میں ہے کہ

اَلْجَنَّةُ تَشْتَاقُ اِلٰى اَرْبَعَةِ نَفَرٍ، تَالِى الْقُرْآنِ وَمُطْعِمِ الْجِيْعَانِ وَحَافِظِ اللِّسَانِ ٥ وَالصَّائِمِ فِىْ شَهْرِ رَمَضَانَ٥

یعنی سب لوگ تو جنت کے مشتاق ہیں مگر چار شخص ایسے خوش نصیب ہیں کہ خود جنت ان کی مشتاق ہے۔ پہلا قرآن کی تلاوت کرنے والا۔ دوسرا بھوکوں کو کھانا کھلانے والا۔ تیسرا اپنی زبان کی (لقمہ حرام اور بیہودہ

کلام) سے حفاظت کرنے والا۔ چوتھا ماہِ رمضان کا
روزہ رکھنے والا۔

بہر حال! برادرانِ ملت! جب ہم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماننے والے اور چاہنے والے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ان کے محبوب اعمال سے بھی محبت رکھیں اور ان اعمالِ صالحہ کو اپنی زندگی کا شاہکار بنا کر خدا کے غفران ورضوان کا ذریعہ اور اپنی مغفرت کا سامان بنائیں۔

مولائے کائنات کی مرضیات

برادرانِ ملت! حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تین محبوب چیزوں کا ذکر بھی آپ کو سنا چکا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے دنیا کی صرف تین ہی چیزیں محبوب ہیں۔ ایک مہمان کی خدمت' دوسرے گرمیوں کا روزہ' تیسرے جہاد میں تلوار کی مار۔

مہمان کی خدمت

محترم سامعین! مہمان کی خدمت اور مہمان نوازی یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مقدس سنت ہے جس کے لئے حدیث میں ارشاد ہے کہ

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ (مشکوٰۃ باب الضیافۃ)

یعنی جو شخص اللہ عزوجل اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام واحترام کرے۔

مطلب یہ ہے کہ مہمان نوازی ایمان کے خصائل میں سے ہے جو مومن ہوگا وہ ضرور مہمان کی خدمت اور اس کا اکرام کرے گا۔

گرمیوں کا روزہ

برادرانِ ملت! اسی طرح گرمیوں کا روزہ کتنا جلیل القدر عمل صالح ہے۔ اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ یونہی ہر زمانے میں روزہ رکھنا بہت بڑا عمل صالح ہے۔ پھر گرمیوں کی شدت میں روزہ رکھنا اور پیاس کی تپش پر خدا کی رضا کے لئے صبر کرنا۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ! اس کی فضیلت کا کیا کہنا؟

جہاد میں تلوار کی مار

عزیزانِ ملت! اسی طرح جہاد میں خدا کے دین کی سربلندی اور رضائے الٰہی کے لئے تلوار

چلانا اس عمل صالح کی عظمت وفضیلت کو کون نہیں جانتا۔ حدیث شریف میں تو یہاں تک وارد ہوا ہے کہ جو قدم جہاد میں غبار آلود ہو گیا۔ اس قدم پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اور ایک حدیث میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ

ان فی الجنۃ مائۃ درجۃ اعدھا اللہ للمجاھدین فی سبیل اللہ مابین الدرجتین کما بین السمآء والارض ۔ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد)

یعنی بیشک جنت میں ایک سو درجے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنیوالوں کیلئے تیار کر رکھا ہے۔ ان سو درجوں میں ہر دو درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین وآسمان کے درمیان۔

بہرحال! برادرانِ ملت! جہاد کے فضائل ہر مسلمان کو معلوم ہیں لہٰذا حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تینوں محبوب چیزیں بلاشبہ ایسے اعمال صالحہ ہیں جن کی جزاء جنت اور اس کی تمام نعمتیں ہیں۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو ان جنتی اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت جبرائیل کی پسندیدہ چیزیں

حضرات گرامی! حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تین پسندیدہ چیزیں بھی اتنی اہمیت والی ہیں جو کسی طرح بھی ایک مومن کے لئے فراموش کرنے کے قابل نہیں' اللہ اکبر! گمراہوں کی رہنمائی۔ اطاعت خداوندی کرنے والے مسافروں کی دلجوئی۔ تنگ دست وعیال والوں کی امداد۔ یہ تینوں وہ ملکوتی صفات وخصائل ہیں جن پر اگر مسلمان عمل کرنے لگیں تو اسلامی معاشرہ کے حسن و جمال کا وہ سورج پھر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکنے لگے جس پر ایک مدت سے خودغرضی' بداعمالی اور الحاد و بے دینی کی بدلیاں چھائی ہوئی ہیں اور مسلمانوں کی قومی معیشت کی بحالی اور خوشحالی کا مسئلہ دم زدن میں اس طرح حل ہو جائے کہ اقوامِ عالم حیران اور دنگ رہ جائیں۔

کون تین چیزیں خدا کو پسند ہیں

برادرانِ ملت! اسی طرح حضرت حق جل جلالہٗ کو اپنے بندوں کی جو تین خصلتیں محبوب ہیں۔ وہ بھی مومن کی فلاحِ دارین اور سعادتِ کونین کا اتنا بڑا سامان عظیم ہیں کہ جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ سبحان اللہ! خداوند عالم جل جلالہٗ اپنے بندوں کی جن خصلتوں سے پیار فرماتا ہے۔ اگر

بندہ ان خصلتوں پر عمل پیرا ہو جائے تو پھر سمجھ لیجئے کہ وہ بندہ خدا کے دربار میں کتنا عزیز اور کس قدر پیارا ہو جائے گا۔ وہ پیاری خصلتیں کون کون ہیں؟ مسلمان بھائیو! ذرا غور سے سنو!

بذلِ استطاعت

پہلی چیز "بذلِ استطاعت" یعنی اپنی طاقت کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔ مسلمانو! یہ ایک ایسی محبوب خصلت ہے جو سینکڑوں محبوب خصائل کی جامع ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہی مطلب ہے کہ بندے کو جتنی بھی اور جس قدر بھی طاقت و استطاعت حاصل ہے۔ ان سب طاقتوں اور قوتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کردے۔ خواہ مالی طاقت ہو یا بدنی۔ علمی طاقت ہو یا عملی' ذہنی طاقت ہو یا جسمانی۔ مسلمانو! سن لو! بندہ خدا کی دی ہوئی بے شمار طاقتوں کا مجموعہ ہے اس کے جسم کی بوٹی بوٹی اور بدن کے بال بال میں طاقتوں اور استطاعتوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں اور بندہ جب اپنی تمام طاقتوں اور قوتوں کو خدا کی راہ میں صرف کرے گا تو پھر یقیناً وہ قسم قسم کی عبادتوں اور طاعتوں کا ایک مقدس مجسمہ اور حسین گلدستہ بن جائے گا اور پھر یقیناً اس پر خدا کی رحمتوں' عنایتوں کی اتنی بے شمار بارشِ کرم ہوتی رہے گی کہ وہ بندہ دنیا و آخرت میں بندۂ خدا ہوتے ہوئے محبوبِ خدا بھی ہو جائے گا۔

گریۂ ندامت

مسلمانو! بندوں کی دوسری خصلت جو خدا کو بہت زیادہ پسند ہے وہ "گریۂ ندامت" ہے۔ یعنی بندہ اگر کوئی گناہ کرے تو پھر اس گناہ پر شرمندہ ہو کر توبہ کرے اور بوقت توبہ اس پر جذبۂ ندامت کا ایسا غلبہ ہو اور خوف و خشیتِ ربانی سے اس کے قلب پر ایسا تاثر ہو کہ آہ و بکا کے ساتھ اس کے آنسو نکل پڑیں تو یہ گریہ و زاری دربارِ باری میں اس قدر پیاری ہے کہ اس اشک ندامت کا ایک ایک قطرہ دیکھنے میں تو آنسو کا ایک قطرہ ہے مگر در حقیقت یہ رحمت خداوندی کا ایک ایسا سمندر ہے جو دم زدن میں گناہوں کے دفتر کو دھو کر پاک و صاف کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ذَكَرَاللّٰهُ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ یعنی جو شخص تنہائی میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تو ایسے خوش نصیب کو پروردگار عالم قیامت کی تپش اور سخت دھوپ میں اپنے عرش کے سایۂ رحمت کے نیچے جگہ عطا فرمائے گا۔

فاقہ پر صبر

حضرات گرامی! بندوں کی تیسری خصلت جو حضرت حق جل جلالہٗ کو بہت زیادہ محبوب

ہے۔ وہ فقر و فاقہ کی حالت میں صبر کرنا ہے۔ اللہ اکبر! صابرین کی بزرگی و عظمت کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسی بشارتِ عظمیٰ ہوگی؟ کہ رب العزت جل مجدہٗ نے بار بار قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ یعنی بیشک اللہ عزوجل صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سبحان اللہ! جن لوگوں کے ساتھ اللہ عزوجل کی نصرت و حمایت اور اس کی رحمت و عنایت ہو۔ دنیا بھر میں کون ان لوگوں کا ہمسر و ہم پلہ یا مدِ مقابل ہوسکتا ہے؟

برادرانِ ملت! صبر کرنا یہ انبیاء اور رسولوں کی خاص الخاص خصلت ہے چنانچہ حضرت حق جل جلالہٗ نے قرآن مجید میں اپنے محبوبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ یعنی اے محبوب! آپ اس طرح صبر کریں جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔

برادرانِ ملت! اسی طرح ''والعصر'' میں حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ

وتواصوا باالحق وتواصوا بالصبر یعنی وہی اہل ایمان ہر قسم کے نقصان و خسران سے محفوظ ہیں جو ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے اور صبر کرنے کی وصیت کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال! میرے محترم بزرگو اور بھائیو! یہ کل اکیس خصلتیں وہ محبوب ترین اعمالِ صالحہ ہیں جن پر عمل کر کے ایک مسلمان بندہ خدا کا محبوب بن جاتا ہے لہٰذا انتہائی ضروری ہے کہ ہر مسلمان ان نیک اعمال اور محبوب خصائل پر عمل پیرا ہو کر اپنی دنیا اور آخرت کو اس طرح سنوار لے کہ دونوں جہان میں وہ اپنے خالق کا پیارا اور تمام خلائق کا محبوب بن جائے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کو یہ حکم فرماتا ہے کہ اے جبرائیل! میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر حضرت جبرائیل بھی اس بندے سے محبت کرتے ہیں۔ پھر اس بندے کے لئے ''قبول فی الارض'' یعنی زمین میں مقبولیت کی کرامت عطا کی جاتی ہے اور تمام مخلوقِ خدا اس مقبول بندے سے محبت کرنے لگتی ہے۔

خداوند کریم ہر مسلمان کو ان خصائل حمیدہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

وما علینا الا البلاغ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین ۔

تیسواں وعظ

فلسفۂ موت

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی خلق الموت والحیوٰۃ وھو حی لایموت فسبحٰن من لایغیب عن علمہ حی ولایمیت ولا یفوت ھوالذی ارسل رسولہ وفضلہ علی العٰلمین فی الملک والملکوت والصلوٰۃ والسلام علی النبی الذی حمدہ الانبیآء وھو فی کتبھم منعوت وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہ الذین مفاتیح الھدیٰ ومنابع الرحموت

امابعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ o فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران)

حضراتِ گرامی! میری سب سے پہلے گزارش یہ ہے کہ آپ تمام صاحبان ایک بار بہ آوازِ بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللھم صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

برادرانِ ملت! اس وقت خطبے کے بعد میں نے سورۂ آل عمران کی تین آیتیں تلاوت کی ہیں

جن میں حضرت حق جل مجدہٗ نے شہادت کی موت اور اس کی امتیازی شان کا بیان فرمایا ہے۔ اس لئے میں پہلے ہی عرض کر دیتا ہوں کہ میری آج کی تقریر کا موضوع ''فلسفہ موت'' ہے۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ موت کی مختلف قسموں کی نشاندہی کرتے ہوئے اس فلسفہ کی نقاب کشائی کروں گا کہ ہر موت یکساں اور برابر نہیں' نہ ہر مرنے والا ایک ہی طرح کا اور ایک ہی جیسا ہے نہ ہر مردہ کی قبر ایک ہی جیسی اور مساوی ہے بلکہ ہر قسم کی موت کے اثرات و ثمرات اور ہر مردے اور ہر قبر کے مراتب و درجات میں بہت ہی عظیم الشان فرق ہے۔

حضرت گرامی! تقریر سے پہلے چند اشعار سن لیجئے۔ یہ اشعار اگرچہ بہت پرانے ہیں لیکن یہ اپنے دامن میں عبرتوں کے ایسے انمول لعل و گہر لئے ہوئے ہیں جن پر آنسوؤں کے قطرات موتی بن کر نثار ہونے کے لئے بے قرار رہتے ہیں۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
اک رسول اللہ ﷺ کا دین حسن رہ جائے گا

ہم صفیرو! باغ میں ہیں کون دن کے چہچہے
بلبلیں اڑ جائیں گی' سونا چمن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خالی کفن رہ جائے گا

حضرات! اسی طرح حضرت علی نے بھی موت کے بارے میں بڑے عبرت خیز اور رقت انگیز اشعار لکھے ہیں۔ ان کے بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

یاد رکھ ہر آن آخر موت ہے ۔۔۔ مت تو بن انجان آخر موت ہے
مرتے جاتے ہیں ہزاروں آدمی ۔۔۔ عاقل و نادان آخر موت ہے
گر سلیمان زمانہ بھی ہوا ! ۔۔۔ پھر بھی اے سلطان آخر موت ہے

بار ہا علی تجھے سمجھا چکا
مان یا مت مان آخر موت ہے

برادران ملت! ہر انسان خواہ کسی دین و مذہب کا معتقد ہو یا نہ ہو۔ مگر بہر حال اس کو یہ ماننا ہی پڑتا ہے اور وہ مانتا بھی ہے کہ موت برحق ہے اور ایک نہ ایک دن مرنا ضروری اور یقینی ہے اور یہی خداوند قدوس جل جلالہٗ کا فرمان ہے کہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ یعنی ہر جاندار جس نے زندگی کا لطف اٹھایا ہے اس کو ایک نہ ایک دن موت کا کڑوا کڑوا گھونٹ بھی ضرور پینا پڑے گا۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

لَنَا مَلِكٌ يُنَادِيْ كُلَّ يَوْمٍ　　لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

یعنی روزانہ ہمیں ایک فرشتہ پکار پکار کر یہ اعلان سناتا ہے کہ دنیا والو! سن لو! اس دنیا میں ہر بچہ اسی لئے پیدا ہوتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک دن مرجانا ہے اور اس دنیا میں ہر مکان اسی لئے بنتا ہے کہ اس کو ایک نہ ایک دن گرجانا ہے یعنی ہر بچہ مرنے ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور ہر مکان گرنے ہی کے لئے بنا ہے۔

لاش پر کہتی ہے عبرت یہ امیر　　آئے تھے دنیا میں اس دن کے لئے

مسلمانو! پروردگار عالم کا صاف صاف ارشاد اور اعلان حق ہے کہ

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۔

یعنی اے انسانو! تم جہاں کہیں بھی رہو۔ خواہ تم مضبوط اور بلند گنبد ہی کے اندر بند ہو کر چھپ جاؤ مگر موت تم کو پالے گی اور تم موت کے آہنی پنجوں سے ہرگز ہرگز نہ بچ سکو گے۔

اور وہ بھی اس طرح کہ:

اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

یعنی کوئی شخص بھی اپنی موت کی گھڑی سے نہ ایک سیکنڈ پہلے نہ ایک سیکنڈ بعد میں مرے گا۔

الغرض۔　موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

بہرکیف! دنیا کا کوئی انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہر جاندار مخلوق کو ایک نہ ایک دن ایک وقت معین پر مرجانا ہی ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت نہ کسی کو موت کے چنگل سے بچا سکتی ہے، نہ کسی کی موت کو ایک لمحہ بھر کے لئے ٹال سکتی ہے۔ عربی شاعر نے کیا خوب کہا کہ ؎

وَاِذَا الْمَنِيَّةُ اَنْشَبَتْ اَظْفَارَهَا　　اَلْفَيْتَ كُلَّ تَمِيْمَةٍ لَّا تَنْفَعُ

یعنی موت جب اپنے ناخنوں کو چبھو دیتی ہے تو اس وقت ہر تعویذ بے سود اور ہر منتر بے کار ہو جاتا ہے اور مرجانے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا!

عزیزانِ ملت! جب موت کا یہ معاملہ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ موت سے ڈرنا یا اس سے بچنے کی فکر کرنا بالکل عبث، قطعاً بے کار اور سراسر لغو کام ہے۔ کسی شاعر نے بڑی دلچسپ اور بڑے مزے کی بات کہی ہے کہ ؎

بے فائدہ فکر فردا کرتے کیوں ہو
ہونا ہے جو ہو رہے گا ڈرتے کیوں ہو
جب موت نہیں تو کیا بنا لے گا کوئی
موت آئی' تو مر رہیں گے' مرتے کیوں ہو

حضرات! مشہور ہے کہ شیر خدا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ راتوں کو اکیلے گشت فرمایا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر کسی محب نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ کسی محافظ کو اپنے ہمراہ رکھا کیجئے۔ تنہا نہ گشت فرمایئے تو آپ نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ یہ ارشاد فرمایا کہ انسان کی موت ہی خود بہترین محافظ ہے کہ وہ انسان کو اس کی موت سے پہلے مرنے ہی نہیں دے گی۔ لہٰذا جب میری موت ہی میری محافظ بنی ہوئی ہے تو پھر مجھے کسی دوسرے محافظ کی ضرورت ہی نہیں۔

اچھی موت اور بری موت

برادرانِ ملت! بہر کیف! ہر شخص کی موت یقینی اور ہر ایک کے لئے مرنا ضروری ہے۔ اس بارے میں کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں آج خاص طور پر اس حقیقت کا اظہار اور اس فلسفہ کی نقاب کشائی کرنا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں مرتے تو سب ہیں مگر جس طرح اس دنیا میں ہر انسان کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہر انسان کی موت بھی یکساں اور برابر نہیں ہوتی' جس طرح کسی کی زندگی اچھی اور کسی کی زندگی بری ہوا کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح کسی کی موت اچھی اور کسی کی بری ہوا کرتی ہے اور جس طرح دنیا میں ہر زندہ رہنے والے انسان کا گھر ایک ہی طرح کا اور ایک ہی جیسا نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح ہر مردہ کی قبر بھی ایک ہی طرح کی اور ایک ہی جیسی نہیں ہوا کرتی جس طرح زندگی میں کسی کا گھر اچھا اور کسی کا گھر برا ہوا کرتا ہے' بالکل اسی طرح موت کے بعد بھی کسی مردے کی قبر اچھی اور کسی کی قبر بری ہوا کرتی ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے کہ اسی دنیا میں ایک ایسا انسان بھی جیتا ہے جو اندھا' بہرا' اپاہج اور کوڑھی ہے۔ کھانے کے ایک ایک دانے اور پانی کے ایک ایک قطرے کے لئے محتاج ہے۔ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر پڑا ہوا خیرات کے ٹکڑے مانگ رہا ہے اور اس کے اردگرد مکھیاں بھنک رہی ہیں اور مخلوق خدا اس سے نفرت کر رہی ہے۔

اور اسی دنیا میں ایک ایسا شخص بھی جیتا ہے جو حسن و جمال اور ملک و مال کی دولتوں سے مالا مال ہے۔ تخت و تاج کا مالک اور نامی گرامی شہنشاہ ہے جس کے چشم و آبرو کے ادنیٰ اشارے پر

ہزاروں کا لشکر جرار اپنا سر کٹانے کے لئے تیار ہے۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ اسی دنیا میں یہ دونوں جیتے ہیں مگر کون کہہ سکتا ہے؟ کہ دونوں کی زندگی یکساں اور برابر ہے۔ نہیں۔ نہیں بلکہ دنیا کا ہر شخص بلا خوف تردید یہی کہے گا کہ ہرگز ہرگز دونوں کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہے بلکہ ایک کی زندگی سراسر قابل نفرت و حقارت اور سراپا زحمت ہی زحمت ہے اور دوسرے کی زندگی خدا کی بہت بڑی نعمت اور رحمت ہی رحمت ہے۔ اللہ اکبر! کہاں ایک بھیک مانگنے والے اندھے اپاہج اور کوڑھی کی زندگی؟ اور کہاں ایک صحت و سلامتی کے بادشاہ اور صاحب تخت و تاج شہنشاہ کی زندگی؟

مسلمان بھائیو! ٹھیک اسی طرح مرتے تو سب ہیں مگر ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے۔ کسی کی موت اچھی موت ہے اور کسی کی موت بری موت ہے۔ کسی کی موت بہت بڑی نعمت اور خدا کی رحمت ہے اور کسی کی موت قابل نفرت اور خدا کی لعنت ہے۔

اسی طرح کون کہہ سکتا ہے؟ کہ ایک مسکین بھکاری کا تنگ و تاریک اور گندہ جھونپڑا اور ایک شہنشاہ وقت کا شاہی محل۔ دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ آپ خود غور فرمائیے کہ کہاں ایک تنگ و تاریک اور گندگی کا مرکز جھونپڑا؟ اور کہاں شاہی محل کی شان و شوکت اور اس کا سامان راحت؟ خدا کی قسم! ہرگز ہرگز دونوں ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ بس بالکل ٹھیک اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایک کافر یا فاسق بدکار کی قبر اور ایک ولی یا مومن نیکوکار کی قبر۔ دونوں قبریں یکساں اور ایک ہی طرح کی ہوں۔ یہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یقیناً ان دونوں قبروں میں اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ فرق و تفاوت ہوگا جتنا کہ ایک تنگ و تاریک جھونپڑے اور شاہی محل میں فرق ہے؟

میرے بزرگو اور بھائیو! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

القبر روضة من رياض الجنة یعنی کسی کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے
اوحفرة من حفر النار . اور کسی کی قبر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

اللہ اکبر۔ کہاں جنت کا باغ؟ اور کہاں جہنم کا گڑھا؟ دنیا میں کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ دونوں یکساں اور برابر ہیں۔

نیکوکار اور بدکار کی موت

برادران ملت! اس مضمون کے بارے میں کہ ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے۔ ایک حدیث سنئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک الموت جب کسی نیک اور

صالح بندے کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں تو اس شان کے ساتھ آتے ہیں کہ ان کے ساتھ حسین اور خوبصورت چہروں والے فرشتوں کی ایک مقدس جماعت ہوتی ہے۔ یہ فرشتے جنتی کفن اور بہشتی خوشبو لے کر آتے ہیں اور حضرت ملک الموت علیہ السلام اپنے نرم و شیریں لہجے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ کَانَتْ فِی الْجَسَدِ الطَّیِّبَةِ اُخْرُجِیْ حَمِیْدَةً وَّاَبْشِرِیْ بِرُوْحٍ وَّرَیْحَانٍ وَّرَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ

یعنی نکل اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی نکل اتو قابل تعریف ہے اور تو راحت اور خوشبو اور اس رب کی بشارت حاصل کر جو تجھ سے کبھی ناراض نہیں ہوگا۔

پھر فرشتوں کی مقدس جماعت اس روح کو جنتی کفن میں لے کر آسمانوں کی طرف بلند ہوتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور آسمانی ملائکہ کی جماعت یہ کہہ کر اس پاک روح کا استقبال کرتی ہے کہ ''خوش آمدید'' اے پاک جان' جو پاک بدن میں داخل تھی۔ داخل ہو جا تو قابل تعریف ہے اور تجھ کو راحت و ریحان کی اور اس رب کے دیدار کی بشارت دی جاتی ہے جو تجھ پر کبھی ناراض نہیں ہوگا۔ پھر فرشتوں کے اس نعرہائے مبارک باد کی گونج میں یہ مبارک روح دربار الٰہی تک باریاب ہوتی ہے اور یہی ملک الموت جب کسی برے اور بدکار کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لاتے ہیں تو ان کے ساتھ کالے کالے چہروں والے ڈراؤنی شکل کے ملائکہ عذاب کی ایک جماعت ہوتی ہے جن کے ساتھ ایک ٹاٹ ہوتا ہے اور حضرت ملک الموت اس بدکار انسان کے سرہانے بیٹھ کر نہایت تلخ و کرخت لہجے میں یہ فرماتے ہیں کہ

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ کَانَتْ فِی الْجَسَدِ الْخَبِیْثِ اُخْرُجِیْ ذَمِیْمَةً وَّاَبْشِرِیْ بِحَمِیْمٍ وَّغَسَّاقٍ وَّاٰخَرَ مِنْ شَکْلِهٖ اَزْوَاجٌ ۔

یعنی نکل اے خبیث جان جو خبیث بدن میں تھی۔ نکل اتو لائق مذمت ہے اور تجھ کو گرم گرم پانی اور جہنمیوں کے پیپ۔ اور اسی طرح کے قسم قسم کے عذابوں کی بشارت ہے۔

پھر عذاب کے فرشتے اس روح کو جب جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ کر آسمانوں کا رخ کرتے ہیں تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور آسمانوں کے فرشتے اس روح کو یہ کہہ کر دھتکارتے اور پھٹکارتے ہیں کہ اے خبیث جان! جو خبیث بدن میں تھی۔ ہم تیرے لئے خوش آمدید نہیں کہتے تو واپس چلی جا تو قابل مذمت ہے اس لئے تیرے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور تو اس قابل نہیں کہ دربار الٰہی تک تیری رسائی اور باریابی

ہو سکے۔ (مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت)

برادرانِ ملت! آپ نے نیکوکار اور بدکار دونوں کی جانکنی اور وفات کا حال سن لیا۔ یہی وہ منظر ہے جس کی تصویر کشی قرآن کریم نے ان لفظوں میں فرمائی ہے کہ ایک بندۂ صالح اور مومن کامل کی وفات کا یہ بشارت آمیز اور دلکش منظر ہوتا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْۤ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ۔ (حم السجدہ)

یعنی جن لوگوں نے یہ کہا کہ ہمارا رب اللہ عزوجل ہے پھر وہ اسی عقیدے پر مرتے دم تک قائم رہے تو ان پر (موت کے وقت) فرشتے اترتے ہیں اور یہ (کہتے ہیں) کہ تم نہ ڈرو۔ نہ غم کرو اور اس جنت پر خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ دیا جاتا ہے۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ چیز ہے جس کو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے اس جنت میں ہر وہ شے ہے جس کو تم مانگو کیونکہ ہر جنتی غفور رحیم کا مہمان ہوگا۔

برادرانِ ملت! ایک مومن نیکوکار کی وفات کا منظر حسین تو آپ دیکھ چکے۔ اب ذرا ایک فاسق بدکار کی عبرت انگیز موت کے ہولناک منظر کا نظارہ بھی کر لیجئے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (انعام)

یعنی کاش (اے محبوب) آپ وہ منظر دیکھتے جس وقت ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ کہہ رہے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائیگا۔ یہ تمہارے ان جرموں کا بدلہ ہوگا کہ تم لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

برادرانِ اسلام! غور فرمائیے کہ ایک نیکوکار اور ایک بدکار دونوں کی موت کے مناظر میں کتنا عظیم الشان تفاوت اور کتنا بڑا فرق ہے؟ اللہ اکبر! کہاں بندۂ صالح کی موت پر فرشتوں کا خیر مقدم، ان کی خوشخبریاں اور مبارکبادیاں؟ اور کہاں فرشتوں کی دھتکار اور پھٹکار اور ہر طرف سے

لعنت وملامت کی بوچھاڑ؟ بھلا کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں کی موت یکساں اور ایک ہی جیسی ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ دونوں مرنے والے ایک ہی درجے کے ہیں اور ایک ہی جیسے ہیں۔ نہیں' نہیں۔ بلکہ ان دونوں کی موت اور ان دونوں مرنے والوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

نیکوکار اور بدکار کی قبریں

برادرانِ ملت! اب آیئے اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی میں آپ کو دکھادوں۔ نیکوکار اور بدکار دونوں اپنی اپنی قبروں میں دفن کردیے جاتے ہیں مگر اب ذرا دونوں کی قبروں کے اندرونی مناظر کو نگاہ بصیرت سے دیکھئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مردے کو دفن کر کے لوگ واپس جاتے ہیں تو ہر قبر میں منکر ونکیر دو فرشتے آتے ہیں اور مردے کو قبر میں بٹھا کر تین سوال کرتے ہیں کہ:

مَنْ رَبُّكَ — تیرا رب کون ہے؟

وَمَا دِيْنُكَ — اور تیرا دین کیا ہے؟

وَمَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ ۔ — اور یہ مرد (نبی کریم) کون ہیں جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔

اگر مردمومن نیکوکار ہے تو وہ ان تینوں سوالوں کا اس طرح جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور یہ مرد اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

برادرانِ اسلام! جس وقت مردہ ان تینوں سوالوں کا اس طرح ٹھیک ٹھیک جواب دیتا ہے تو اس وقت آسمان سے ایک پکارنے والا فرشتہ یوں ندا کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اعلان کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ

اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَی الْجَنَّةِ — یعنی میرے بندے نے سچ کہا' لہٰذا اے فرشتو! تم اس کی قبر میں اس کیلئے جنتی بستر بچھاؤ اور اس کو جنتی لباس پہناؤ اور اس کی قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔

چنانچہ اس کی قبر میں بہشتی ہوا اور جنتی خوشبو آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اتنی لمبی چوڑی کردی جاتی ہے جہاں تک اسی کی نگاہ جاتی ہے اور ترمذی شریف وغیرہ کی بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ فرشتے اس مردے سے یہ بھی کہتے ہیں کہ

نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ الَّذِیْ لَا يُوْقِظُهُ اِلَّا اَحَبُّ اَهْلِهِ اِلَيْهِ ۔

یعنی اے مردے! تو اس طرح سو جا جس طرح دلہن سوتی ہے کہ دلہن کو صرف وہی جگا سکتا ہے جو اس کے گھر والوں میں سب سے بڑھ کر اس کا محبوب ہو یعنی اس کا شوہر!

اور اگر مردہ کافر یا منافق بدکار ہے تو فرشتوں کے ہر سوال کے جواب میں یہ کہتا ہے کہ:

هاه هاه لا ادری

یعنی ہائے ہائے افسوس! میں کچھ نہیں جانتا۔

مردے کا یہ جواب سن کر ایک منادی آسمان سے یوں ندا کرتا ہے کہ

اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَاباً اِلَی النَّارِ فَیَاتِیْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا ۔

یعنی اے فرشتو! یہ جھوٹا ہے' لہٰذا اس کیلئے اس کی قبر میں جہنمی بچھونا بچھاؤ اور اس کی قبر میں جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ چنانچہ اس کی قبر میں جہنم کی گرمی اور لو آنے لگتی ہے۔

وَیَضِیْقُ عَلَیْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْهِ اَضْلَاعُهٗ (مشکوٰۃ باب ماىقال عند من حضر الموت وترمذی ص ۱۲۷)

اور اس کی قبر اس قدر تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں دب کر دائیں پسلیاں بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف ہو جاتی ہیں۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے۔ ایک قبرستان میں دو قبریں بالکل ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں مگر ایک قبر کی وسعت کا یہ حال ہے کہ مردے کی حد نگاہ تک لمبی چوڑی ہے اور ایک قبر کی تنگی کا یہ عالم ہے کہ بدن دب کر اس طرح پچل گیا کہ داہنی پسلیاں بائیں طرف اور بائیں پسلیاں دائیں طرف ہو گئیں۔ ایک قبر میں جنتی ہوا' جنتی خوشبو' جنتی بستر' جنتی لباس ہے اور ایک قبر میں آتش جہنم کی گرمی اور جلن' دوزخی لو اور گرم گرم آتش فشاں ہواؤں کے جھونکے۔ مسلمانو! انصاف کرو اور بولو۔ کون کہہ سکتا ہے؟ کہ قبرستان کی تمام قبریں ایک ہی جیسی ہیں اور ہر مردے کا حال یکساں اور برابر ہے اور ہر قبر کا رتبہ اور مقام ایک ہی درجے کا ہے۔

بہرکیف! میری گزارش کا ماحصل یہی ہے کہ ہر مرنے والے کی موت اور ہر میت اور ہر قبر درجات و مراتب میں مساوی اور برابر نہیں ہیں بلکہ کسی کی موت مرکز رحمت اور خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ہو جائیں تو بھی کم ہیں اور کسی کی موت اتنی بڑی زحمت اور اس قدر قابل نفرت ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اور کوئی مردہ اتنا خوش نصیب ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے والے بڑے بڑے خوش نصیبوں کے بادشاہ اور شہنشاہ بھی اس مردے کی

خوش بختی سے خوش نصیبی کی بھیک مانگا کرتے ہیں اور کوئی مردہ اتنا بد بخت اور بدنصیب ہے کہ پھٹکارا ہوا شیطان بھی اس کی بدبختی اور بدنصیبی پر عبرت کے آنسو بہاتا ہے اور کسی قبر کے درجات و مراتب کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ اس کو جنت کے باغ کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا اور کسی قبر کی نحوست اور منحوسیت اور اس کی عبرت ناک ویرانی کا یہ حال ہے کہ اس کو جہنم کا ایک گڑھا ہی کہنا پڑتا ہے!

برادرانِ ملت! ایک بار بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے تو میں آپ کو ایک ہدایت آموز نکتہ بھی سنادوں جو سوال قبر کی حدیث سے سمجھ میں آتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

رسول حاضر و ناظر ہیں

برادرانِ ملت! منکر و نکیر کے سوال والی حدیث آپ سن چکے کہ فرشتے تیسرا سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس طرح کرتے ہیں کہ

ما ھذا الرجل الذی بعث فیکم ۔ یعنی یہ کون مرد ہیں جو تمہاری طرف مبعوث کئے گئے ہیں؟

غور فرمایئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "ھذا الرجل" "یعنی" "یہ مرد" کہہ کر فرشتے سوال کرتے ہیں۔ "ھـــذا" کا لفظ عربی میں قریب کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے تو "ھـــذا الـــرجل" کے معنی یہ ہوئے کہ "یہ مرد" اس سے پتا چلا کہ قبروں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصویر نہیں دکھائی جاتی اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ بہت دور سے دیکھتا ہے بلکہ "ھـــذا الـــرجل" کا مفہوم اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا کہ بہ نفسِ نفیس خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قبر میں جلوہ گری ہوتی ہے کیونکہ تصویر کو "الرجل" اور دور والے آدمی کو "ھذا الرجل" کہنا ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس طرح ہر قبر میں منکر نکیر پہنچتے اور سوال کرتے ہیں۔ اسی طرح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جب دنیا بھر کی ہزاروں قبروں کے اندر ایک لمحہ بھر میں منکر و نکیر اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حدیث سے ثابت ہے تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کی قبروں کو ایک ساتھ دیکھتے بھی ہیں اور سب جگہ حاضر بھی ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر کہنا بلاشبہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار کرنا ہے جو حدیث سے ثابت

ہے جس لغت میں بھی آپ کا جی چاہے اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ "حاضر" کے معنی موجود ہونے والا اور "ناظر" کے معنی دیکھنے والا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قبر میں موجود ہونے والے اور روئے زمین کی تمام قبروں بلکہ ساری کائنات کے دیکھنے والے نہیں ہیں؟ جب وہ ہر جگہ موجود ہونے والے اور ہر چیز کے دیکھنے والے ہیں تو پھر ان کو "حاضر و ناظر" کہنے میں کون سی ایسی قیامت پھٹی پڑتی ہے؟ جو علماء دیوبند اس لفظ کے اطلاق سے اس طرح بھاگتے اور لوگوں کو بھگاتے پھرتے ہیں گویا کوہِ ہمالیہ ان کی کھوپڑیوں پر گرا پڑتا ہے۔

بہرکیف! جب یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منکر ونکیر کی طرح تمام دنیا کی قبروں میں ایک لمحہ کے اندر تشریف فرما ہو جاتے ہیں تو پھر آپ ہی بتایئے کہ اگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس خداداد معجزانہ طاقتِ نبوت سے دنیا بھر کے ہزاروں میلاد شریف کے جلسوں میں بھی تشریف فرما ہو جائیں تو اس میں کونسا تعجب کا مقام ہے؟ ذرا سوچئے تو سہی کہ قبروں کے اندر تو زمین کے نیچے نیچے چل کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ زمین کے نیچے نیچے چلنا بہت زیادہ دشوار ہے اور زمین کے اوپر چلنا تو اس سے کہیں زیادہ آسان ہے تو جب ایک لمحہ میں زمین کے اندر اندر چل کر ہزاروں قبروں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حدیث سے ثابت ہے تو پھر زمین کے اوپر چل کر میلاد شریف کی مجلسوں میں رحمتِ عالم کی تشریف آوری پر کس کی مجال ہے جو اعتراض کر سکے؟ اس لئے بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ خدا کی بخشی ہوئی معجزانہ طاقت وقوت سے جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس جگہ چاہیں ہر وقت حاضر ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں اور کائنات عالم کی ہر شے ان کے پیش نظر ہے اور وہ دیکھتے ہیں۔ اس لئے یقیناً وہ حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔

سبحان اللہ۔ کیا خوب فرمایا اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے۔

سر عرش پر ہے تری گزر دلِ فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

برادرانِ ملت! کتنے تعجب کا مقام ہے کہ جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کا انکار کرتے ہیں اور اس عقیدہ کو شرک بتاتے ہیں۔ وہ لوگ بھی اس عقیدہ پر ایمان رکھتے ہیں کہ منکر ونکیر دنیا بھر کی ہزاروں لاکھوں قبروں میں ایک ہی لمحہ کے اندر حاضر و ناظر ہو کر سوال کرتے ہیں اور ملک الموت ساری دنیا کے مرنے والے جانداروں کے پاس حاضر و ناظر ہو کر ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ بھلا ان علم و عقل کے یتیموں سے کوئی پوچھے کہ اگر ایک لمحہ کے اندر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہزاروں جگہوں میں حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ شرک ہوگا تو پھر منکر و نکیر اور ملک الموت کے لئے بھی اس طاقت کا ثابت کرنا اور ان کے بارے میں بھی تو یہ عقیدہ رکھنا شرک ہوگا۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ منکر و نکیر اور ملک الموت کو تو حاضر و ناظر کہنا شرک نہ ہو اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہنا شرک ہو جائے۔ مگر افسوس اس کا کیا علاج ہے؟ کہ۔

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

برادرانِ اسلام! بہر کیف میں شروع ہی سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ مرتے سب ہیں مگر نہ ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر ہے نہ ہر مرنے والا درجات و مراتب کے لحاظ سے ایک ہی درجے کا ہوتا ہے۔ اجی بعض مرنے والوں کی موت تو ایسی عالیشان موت ہے کہ اس پر ہزاروں زندگیاں قربان ہیں۔

شہید کی موت

ایک شہید کی موت پر ذرا غور کیجئے۔ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ایک مردِ مجاہد میدان جہاد میں زخم کھا کر گھوڑے سے گر پڑا اور اس کی روح پرواز کر گئی۔ ہم نے اس کی موت کا یقین کر لیا۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ قبر میں دفن کر دیا گیا۔ ساری دنیا نے مان لیا اور اعلان کر دیا کہ وہ مر گیا لیکن عالم الغیب والشہادہ کا اس کے بارے میں یہ اعلان اور فرمان ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں یہ اور بات ہے کہ تم لوگوں کو ان کی زندگی کا علم و شعور نہیں ہوتا۔

برادرانِ اسلام! سن لیا آپ نے؟ خدا کا فرمان ہے کہ شہیدوں کی موت کو موت کہنا حرام اور شہیدوں کو مردہ کہنا گناہ ہے۔ اجی! شہیدوں کو زبان سے مردہ کہنا تو بڑی بات ہے۔ یہ ایک دوسری آیت میں جس کو میں نے خطبہ کے بعد تلاوت کیا ہے۔ اس میں تو خلاق عالم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ شہیدوں کے بارے میں یہ گمان کرنا اور دل میں یہ خیال لانا بھی حرام اور گناہ ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ چنانچہ ان آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

رب العزت جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ

یعنی ہرگز ہرگز تم کبھی یہ خیال بھی دل میں نہ لاؤ کہ جو لوگ اللہ عزوجل کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں۔ وہ

رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ — مردہ ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور انہیں ان کے رب کے پاس سے روزی ملتی رہتی ہے۔

فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ۔ — اللہ عزوجل نے انہیں اپنے فضل سے جو نعمتیں دی ہیں ان پر وہ شادماں اور خوش ہیں۔

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ — اور خوشی منارہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں کہ ان پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ غم۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ — اور خوشی مناتے ہیں اللہ عزوجل کی نعمت اور فضل پر اور اس بات پر کہ اللہ عزوجل مسلمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

برادرانِ ملت! غور فرمائیے۔ ان آیات بینات نے شہادت کی موت کا جو عظیم رتبہ اور بلند مرتبہ بتایا ہے۔ ہماری دنیا کی زندگی اس عظمت نشان موت کے مقابلے میں بھلا کیا حقیقت رکھتی ہے؟

حضرات یہی وجہ ہے کہ تمام مقبولان بارگاہِ الٰہی ہمیشہ شہادت کی تمنا کرتے رہے بلکہ خود دونوں عالم کے تاجدار محبوبِ پروردگار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اس کی تمنا کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنْ اُقْتَلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيٰى ثُمَّ اُقْتَلُ۔ (مشکوٰۃ کتاب الجہاد) — یعنی مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ میری یہ تمنا ہے کہ میں خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر قتل کیا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

اللہ اکبر! رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمنا فرمارہے ہیں کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو۔ پھر اس کے بعد مجھے نئی نئی زندگی ملے اور ہر زندگی کے بعد خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ یہ میری آرزو ہے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندگی بھر یہ دعا مانگتے رہے کہ

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔ — یعنی اے اللہ عزوجل! تو مجھے اپنی راہ میں شہید ہونے کی روزی عطا فرما اور مجھے اپنے رسول

کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۵۳)

چنانچہ آپ کی یہ دعا مقبول ہوگئی کہ عین حالتِ نماز میں مسجد نبوی کے اندر "ابولولو مجوسی" نے آپ کو خنجر مارا اور آپ شہید ہو گئے۔

اسی طرح حضرت حرام رضی اللہ عنہ کو جب جنگ بئر معونہ میں کافروں نے دھوکے سے نیزہ مار دیا تو آپ نے خوش ہو کر یہ فرمایا کہ

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ یعنی کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی جب ابن ملجم نے آپ کی پیشانی پر تلوار کا زخم لگایا تو آپ شوق شہادت میں فرط مسرت سے جھوم اٹھے اور یہی فرمایا کہ

فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ ۔ یعنی قسم ہے رب کعبہ کی میں تو اپنی مراد پا گیا۔

بہر کیف شہادت کی موت سب سے زیادہ اعلیٰ قسم کی موت ہے۔ اس لئے ہر وہ مسلمان جو ایمان و یقین کامل کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ وہ ضرور شہادت کی موت کا متمنی اور مشتاق ہوگا۔

موت کے مشتاق

بہر کیف! برادرانِ ملت! میری تقریر کا مدعیٰ یہی ہے کہ مرتے سب ہیں لیکن سب کی موت ایک ہی درجے کی نہیں ہے بلکہ کسی کی موت اچھی اور کسی کی موت بری ہے۔ اسی لئے خدا کے وہ مقرب بندے جو خاصان خدا کہلاتے ہیں چونکہ ان کو اپنی موت کی اچھائی کا یقین ہوتا ہے۔ اس لئے وہ نہ موت سے ڈرتے ہیں۔ نہ گھبراتے ہیں بلکہ انتہائی والہانہ شوق کے ساتھ ہنستے اور مسکراتے ہوئے موت کی آمد آمد کا استقبال کرتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

نشان مرد مومن باتو گویم چو مرگ آید تبسم برلب اوست

یعنی مرد مومن کی ایک خاص نشانی میں تجھ کو بتاتا ہوں کہ جب اس کی موت آتی ہے تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہو جاتی ہے اور وہ ہنستے ہوئے موت کا استقبال کرتا ہے۔

بلال بستر مرگ پر

حضراتِ گرامی! مجھے اس سلسلے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی وفات کا واقعہ یاد آ گیا۔ اس واقعہ کو حضرت مولانائے روم علیہ الرحمۃ نے اپنی مثنوی شریف میں بڑی دھوم سے بیان فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

چوں بلال از ضعف شد ہمچوں ہلال رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال

یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب کمزوری ونقاہت سے پہلی رات کے چاند ہلال کی طرح لاغر اور دبلے ہوگئے اور ان کے چہرے پر موت کا رنگ اور وفات کے آثار نمودار ہوگئے تو اس وقت یوں تو سبھی گھر والے اور احباب واعزہ غمگین ہوگئے مگر ان کی بیوی سب سے زیادہ اس منظر سے متاثر ہوئیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ

جفت او دیدش بگفتا واحرب　　　پس بلالش گفت نے۔ نے اطرب

یعنی ان کی بیوی نے جب یہ منظر دیکھا تو شدتِ اضطراب سے بے قرار ہوگئیں اور بے اختیار ان کے منہ سے یہ لفظ نکل گیا کہ ''واحَرباہ'' یعنی ہائے رے میری مصیبت۔ بیوی کی زبان سے یہ لفظ سن کر حضرت بلال تڑپ کر جلال میں آگئے اور فرمایا کہ لَا تَقُوْلِیْ وَاحَرَبَاهُ بَلْ قُوْلِیْ وَاطَرَبَاهُ اَلْقٰی غَدًا بِیْ لَاحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَّصَحْبَهٗ۔ یعنی اے بیوی! تم یہ مت کہو کہ ہائے رے میری مصیبت۔ بلکہ تم یہ کہو۔ ''واطرباہ'' یعنی واہ رے میری شادمانی۔ اے بیوی! اس سے بڑھ کر شادمانی ومسرت کا اور کونسا موقع اور مقام ہوگا؟ کہ میں کل وفات پا کر اپنے تمام محبوبوں یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے ملاقات کی مسرت حاصل کروں گا؟

الغرض خدا کے نیک بندے نہ موت سے ڈرتے ہیں۔ نہ موت سے گھبراتے اور بھاگتے ہیں بلکہ کمالِ اشتیاق کے ساتھ موت کی آمد آمد کا پرشوق انتظار کرتے ہیں اور موت کو دیکھ کر ہنستے اور مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کرتے ہیں۔ خصوصاً موتِ شہادت کے عشاق تو اس قدر موت کے مشتاق ہوتے ہیں کہ وہ شہادت کے آثار دیکھ کر فرطِ مسرت میں بے قرار ہوجاتے ہیں اور انہیں قاتل کی تلوار میں ہلالِ عید کی تابانیاں اپنی پوری مسرتوں کے ساتھ نظر آنے لگتی ہیں۔

مرزا غالب نے اسی کیفیت کی مصوری کرتے ہوئے کیا خوب لکھا ہے کہ۔

عشرتِ قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ　　　عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

اور کیوں نہ ہو کہ

اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ۔　　　یعنی موت تو درحقیقت ایک پل ہے کہ اس پل سے گزر کر ایک حبیب ایک حبیب تک پہنچ جاتا ہے۔

یعنی موت وصالِ محبوب کا ذریعہ ہے۔ حضرت مولانا آسی رحمتہ اللہ علیہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
قبر کی رات ہے اس گل سے ملاقات کی رات

اور یہ واقعہ ہے کہ جو مردِ مومن اس منزل پر پہنچ جائے کہ یارِ حقیقی کے وصال کا عشق اور آخرت کی نعمتوں کا اشتیاق اس کو زندگی سے بے زار اور موت کا مشتاق بنا دے تو پھر سمجھ لو کہ وہ معراجِ ترقی کی اتنی بلند منزل پر پہنچ گیا کہ فرشتے بھی اس کی بلندی و رفعت کو عالمِ حسرت میں انتہائی مشتاقانہ نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اور اگر کوئی اللہ والا اپنی نظر کیمیا اثر سے کسی طالبِ حق کو اس منزل پر پہنچا دے تو وہ اللہ والا یقیناً اپنے وقت کا شیخ اکبر، شریعت و طریقت کا رہبر، بلکہ امامِ برحق کہلانے کا مستحق ہے۔ کیا آپ نے یہ نہیں سنا؟ کہ

تجھ کو جو حاضر و موجود سے بیزار کرے ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے موت کی شکل میں دکھلا کے تجھے چہرۂ دوست

موت کا شوق

برادرانِ ملت! آپ حیران ہوں گے کہ بھلا ایسا کون ہوگا؟ جو مرنے کے لئے مشتاق ہوگا۔ اس لئے کہ موت تو ایسی خوفناک اور ڈراؤنی چیز ہے کہ اس کے تصور ہی سے بڑے بڑے بہادروں کے دل لرز جاتے ہیں اور بہت سے موت کی دعائیں مانگنے والے بھی موت کی صورت دیکھ کر ایسے سہم جاتے ہیں کہ آنکھیں ضرورت سے زیادہ چھوٹی اور منہ پھٹ کر ضرورت سے زیادہ بڑا ہو جاتا ہے اور مارے ڈر کے چہرے کی چوحدی ہی بدل جاتی ہے۔ غالباً آپ لوگوں نے ایک بڑھیا کا قصہ سنا ہوگا۔

لطیفہ

سنا ہے کہ ایک بڑھیا کا ایک ہی پوتا تھا اور وہ بڑھیا پوتے سے انتہائی محبت کرتی تھی۔ اتفاق سے اس کا پوتا بہت سخت بیمار ہو گیا تو بڑھیا تمام دن اور رات بھر یہی دعا مانگا کرتی تھی کہ یا اللہ عزوجل! مجھے موت دے دے اور میرے پوتے کو شفا عطا فرما دے۔ محلے کے شریر لڑکے بڑھیا کی دعا سنتے سنتے تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن لڑکوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بڑھیا کا امتحان لینا چاہئے اور اس کو آزمانا چاہئے کہ یہ واقعی صدقِ دل سے موت کی دعا مانگتی ہے؟ یا یونہی صرف زبان سے بکتی رہتی ہے۔

چنانچہ آدھی رات کے بعد لڑکوں نے ایک بیل کے سر پر ایک مٹکا اوندھا کر کے رکھ دیا اور بیل کو کالا کمبل اوڑھا دیا اور اس بیل کی پیٹھ پر ایک شریر لڑکا رنگ برنگ کی گدڑی پہن کر اور اپنے سر پر ایک ہانڈی رکھ کر سوار ہو گیا جب یہ بیل سوار اجالی رات میں بڑھیا کے گھر میں داخل ہو کر صحن میں

پہنچا اور بڑھیا نے دیکھا تو مارے ڈر کے وضو شکست ہو گیا اور ہکلاتے ہوئے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ شریر لڑکے نے نہایت موٹی اور ڈراؤنی آواز میں جواب دیا کہ ''ہم ملک الموت'' ہیں اور روح قبض کرنے کے لئے آئے ہیں۔'' یہ سننا تھا کہ بڑھیا کا سانس لمبا لمبا چلنے لگا اور بڑھیا کہنے لگی کہ حضور ذرا دیکھ بھال کر روح قبض کیجئے گا میں بیمار نہیں ہوں۔ میرا پوتا بیمار ہے اور اس کی چارپائی وہ ہے جو آپ کے پیچھے بچھی ہے۔ یہ سن کر لڑکا ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ اب معلوم ہوا کہ بڑھیا کی دعا دل سے نہیں تھی بلکہ صرف ہونٹ اور زبان سے تھی اور مرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

بہر کیف! اس میں شک نہیں کہ موت بہت ہی خوفناک چیز ہے اور انسان فطری طور پر موت سے ڈرتا ہی ہے مگر میرے دوستو اور بزرگو! یہ واقعہ ہے کہ کبھی کبھی انسان کے قلب میں کوئی ایسا داعیہ پیدا ہو جاتا ہے یا اس پر ایسا حال طاری ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے زندگی تلخ اور موت شیریں ہو جاتی ہے اور وہ سچے دل سے موت کی تمنا کرنے لگتا ہے اور وہ موت کے استقبال میں اس قدر لطف محسوس کرتا ہے کہ الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

حضرات گرامی! آپ اس کی ایک مثال سن لیجئے جس سے آپ کو کچھ اندازہ ہو جائے گا کہ واقعی کبھی کبھی انسان پر ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ اس کی سب سے بڑی تمنا یہی ہو جاتی ہے کہ میری زندگی کے دن رات جلد از جلد ختم ہو جائیں' چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی امیر کبیر کا اکلوتا بیٹا جو اس کی جان سے زیادہ پیارا تھا' گم ہو گیا اور وہ برس ہا برس اس کی جدائی میں روتا رہا اور شہر شہر' گاؤں گاؤں اس کو ڈھونڈتا اور تلاش کرتا رہا مگر اس بچے کا کوئی سراغ و پتا نہیں ملا اور وہ آس و یاس کے عالم میں مجسمہ رنج و غم بن کر بیٹھ رہا۔ پھر ایک دم برسوں کے بعد کسی نے اس کو ناگہاں یہ خوشخبری سنائی کہ تیرا بیٹا لندن میں زندہ و سلامت ہے اور وہ ٹھیک دس دن کے بعد تیرے مکان پر ضرور آ جائے گا۔

تو برادران ملت! یہ خوشخبری سن کر اس امیر کبیر کا کیا حال ہوگا؟ خدا کی قسم! بس اس کی یہی تمنا ہوگی کہ کاش دس ہی منٹ میں یہ دس دن ختم ہو جاتے تاکہ میں اپنے برسوں کے بچھڑے ہوئے نور نظر سے جلد ملاقات کر لیتا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ یہ امیر کبیر باوجودیکہ ہر قسم کے عیش و آرام میں زندگی بسر کر رہا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ اس بات کی تمنا کرتا کہ میری زندگی کے ہر دن دس دس برس کے ہو جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مدت تک میں یہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہوں لیکن بچے کی ملاقات کے جذبہ شوق میں وہ یہ تمنا کرتا ہے کہ میری عزیز زندگی کے دس دن دس ہی منٹ میں گزر جائیں۔

محترم دوستو اور بزرگو! بس یہی مثال ان خاصانِ خدا کی ہے جن کو اس بات کا حق الیقین حاصل ہو گیا ہے کہ موت کے بعد ہم اس عالم سے بہتر عالم یعنی عالم آخرت میں پہنچیں گے اور ہم کو وہاں پیارے رسول کی زیارت اور خداوند غفور رحیم کا دیدار پرانوار نصیب ہوگا اور ہم جنت النعیم میں مقیم ہو کر خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا کی بشارت سے سرفراز ہوں گے تو پھر عالم آخرت کی ان عظیم الشان نعمتوں اور بشارتوں کے مقابلے میں دنیا کے عیش و آرام کا آنی و فانی گلزار اس کی نظروں میں جہنمی خارزار نظر آنے لگتا ہے اور وہ دنیا و مافیہا سے بیزار ہو کر عالم آخرت کا طلبگار بلکہ عاشق زار بن جاتا ہے۔ چنانچہ کسی صاحب حال بزرگ پر جب یہی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے اپنے دلی جذبات اور قلبی واردات کا اظہار کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا کہ ۔

خودکشی ہے معصیت ہستی حجاب روئے دوست
نو گرفتار محبت ہائے کس مشکل میں ہے ؟

یعنی اگر میں خودکشی کر کے خود سے مرجاتا ہوں! تو یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے ناراض ہو کر میرا رب یارِ حقیقی مجھے اپنا دیدار نہیں دکھائے گا اور اگر زندہ رہتا ہوں تو میری یہ ہستی اور زندگی ہی میرے دوست اور یارِ حقیقی کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا تم لوگ ذرا اندازہ لگاؤ کہ مجھ جیسا نو گرفتار محبت کتنی کٹھن مشکل میں پھنسا ہوا ہے کہ نہ خودکشی کر کے مر سکتا ہے نہ زندہ رہ سکتا ہے۔

بہرحال برادرانِ ملت! میری تقریر کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ہر انسان کی زندگی یکساں اور برابر نہیں ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی موت بھی یکساں اور برابر نہیں ہے بلکہ جس طرح کسی کی زندگی اچھی اور کسی کی بری ہوتی ہے۔ اسی طرح کسی کی موت اچھی اور کسی کی موت بری ہوتی ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جس طرح وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی زندگی اچھی سے اچھی ہو۔ اسی طرح وہ اس بات کی بھی کوشش کرے کہ اس کی موت اچھی سے اچھی ہو اور میں قرآن کریم اور احادیث کریمہ کی روشنی میں یہ بتا چکا کہ سب سے اچھی موت شہادت کی موت ہے کہ جس موت کو موت کہنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ وہ موت ہے کہ اس موت میں مرنے والے کی موت کو موت آجاتی ہے اور اس کو حیاتِ جاودانی مل جاتی ہے۔

حضراتِ گرامی! میری آج کی تقریر کا اگر آپ تجزیہ کریں گے تو آپ کو تین باتیں ملیں گی۔
اول یہ کہ ہر انسان کی موت یکساں اور برابر نہیں ہے۔ دوم یہ کہ ہر مرنے والا یکساں اور برابر نہیں۔
سوم یہ کہ ہر مرنے والے کی قبر یکساں اور برابر نہیں۔

پہلی بات پر تو بحمدہٖ تعالیٰ میں بہت کافی روشنی ڈال چکا۔ اب دوسرے اور تیسرے مدعا پر بھی

میں چند کلمات عرض کر کے بہت جلد اپنی تقریر کو ختم کروں گا۔

ہر مرنے والا برابر نہیں

برادرانِ اسلام! اس میں کوئی شک نہیں کہ مرتے سب ہیں لیکن ہر مرنے والا برابر ہے ایسا ہرگز ہرگز نہیں بلکہ بعض مرنے والے تو واقعی اس طرح مر جاتے ہیں کہ ''مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود'' یا مر گئے مردود از فاتحہ چہ سود''؟ لیکن بعض مرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کی کرامات اور ان کے تصرفات کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کو دیکھ کر زندوں کو اپنی آنی فانی زندگی اور ان کی حیاتِ جاودانی میں کوئی توازن ہی نظر نہیں آتا اور زندہ رہنے والے ان کی کرامات و تصرفات کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں اور بلا اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ　　مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

لاش آسمان کی طرف چلی

برادرانِ ملت! دورِ صحابہ کے ایک شہید کا واقعہ سنئے۔ صفر ۴ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷۰ صحابہ کرام کو جو سب کے سب قاری قرآن کہلاتے تھے۔ تبلیغ اسلام کے لئے ایک قبیلے کی طرف بھیجا۔ راستے میں مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر جس کا نام ''بئر معونہ'' ہے۔ ان قاریوں کو ''قبیلہ رعل و ذکوان'' کے کافروں نے گھیر لیا اور کفار کا سردار عامر بن طفیل اپنے لشکر کے ساتھ ان لوگوں پر حملہ آور ہوا اور یہ تمام صحابہ کرام ایمانی شجاعت اور جذبہ جہاد کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ صرف ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ زندہ کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔ شہید ہونے والے ۶۹ صحابہ کرام کی لاشیں میدانِ جنگ میں پڑی ہوئی تھیں۔ کفار کے سردار عامر بن طفیل نے ایک لاش کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی لاش ہے تو اس وقت سردارِ کفار عامر بن طفیل نے انتہائی حیرت و استعجاب کے ساتھ یہ کہا کہ

لَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدَ مَا قُتِلَ رُفِعَ اِلَى السَّمَآءِ حَتّٰى لَا نْظُرَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْاَرْضِ ثُمَّ وُضِعَ ۔

(بخاری ج ۲ باب غزوۃ الرجیع)

یعنی بلاشبہ میں نے ان کو دیکھا کہ یہ قتل ہو جانے کے بعد آسمان کی طرف اٹھائے گئے یہاں تک کہ یہ مجھ کو زمین اور آسمان کے درمیان نظر آنے لگے۔ پھر کچھ دیر کے بعد زمین پر رکھ دیئے گئے۔

اور بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ عامر بن طفیل نے یہ بھی کہا کہ جب میں نے ان کو

نیزہ مارا تو ان کے بدن سے ایک روشنی نمودار ہوئی اور ان کی لاش آسمان کی طرف بلند ہوئی اور حضرت عروہ صحابی کا بیان ہے کہ ان کی لاش کو شہدائے کرام کی لاشوں کے درمیان تلاش کیا گیا تو وہ نہیں ملی اور یہ بھی روایت ہے کہ فرشتوں نے ان کو دفن کیا یا ان کو اٹھا لے گئے۔

(حاشیہ بخاری ص ۵۸۷ جلد دوم)

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ زخم لگنے کے بعد جسم سے روشنی کا نکلنا اور قتل ہو جانے کے بعد لاش کا آسمان کی طرف بلند ہونا۔ یہ وہ لاثانی کرامت ہے جو کروڑوں مرنے والوں میں سے شاید ہی کسی خوش نصیب کو نصیب ہوئی ہو۔ پھر بھلا کس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہر مرنے والا یکساں اور برابر ہوتا ہے؟

ہنسنے والے مردے

حضراتِ گرامی! ربیع بن حراش اور ربعی بن حراش یہ دونوں بھائی بڑے ہی نامی گرامی محدث ہیں اور دونوں تابعی ہیں۔ ان دونوں بھائیوں نے یہ قسم کھائی تھی کہ خدا کی قسم! ہم اس وقت تک نہیں ہنسیں گے جب تک ہمیں یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ہم جنتی ہیں۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی قسم کھانے کے بعد تمام عمر کبھی نہیں ہنسے لیکن جب ان دونوں کا انتقال ہوا تو ان کے غسل دینے والوں کا بیان ہے کہ جب تک ہم لوگ ان دونوں کو غسل دیتے رہے۔ برابر یہ دونوں مسکرا مسکرا کر ہنستے رہے۔

(شرح الصدور ص ۳۰)

اسی طرح محدث ابن عساکر نے بیان فرمایا کہ جب ابو عبداللہ جلاء کے والد کی وفات ہو گئی اور انہیں غسل دینے کے لئے تخت پر لٹایا گیا تو وہ ہنسنے لگے۔ چنانچہ جب لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ غالباً یہ زندہ ہیں تو ایک طبیب کو بلایا گیا اور اس نے خوب اچھی طرح معائنہ کر کے یہ کہہ دیا کہ یہ مر چکے ہیں لیکن جب کوئی شخص ان کو غسل دینے کے لئے جاتا تو یہ ہنسنے لگتے اور وہ انسان ڈر کر بھاگ جاتا' چنانچہ جب تمام غسالوں نے ان کو غسل دینے سے انکار کر دیا تو مشہور باکرامت ولی حضرت فضل بن حسین اٹھے اور انہوں نے ان کو غسل دیا اور نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا۔ (شرح الصدور ص ۹۱)

حضراتِ گرامی! مرنے کے بعد ہنسنا۔ واللہ! یہ ایک ایسی کرامت اور تصرف ہے جس کی مثال مشکل ہی سے ملتی ہے۔ مرتے تو سب ہیں مگر کیسے کہا جا سکتا ہے؟ کہ سب مرنے والے ایک ہی جیسے ہیں!

موت کے بعد ہاتھ اٹھایا

برادرانِ ملت! قاضی بہاء الدین بن شرف الدین غاشری فرماتے ہیں کہ شیخ امین الدین جبریل محدث کا سفر میں انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ ان کی نعش مبارک کو چارپائی پر اٹھا کر قاہرہ شہر میں لانے لگے۔ شہر میں باہر سے میت لانے کی ممانعت تھی۔ ہم لوگ بہت فکر مند تھے کہ ہم لوگ شہر کے پھاٹک سے کس طرح گزریں گے؟ لیکن ہم لوگ جب شہر کے پھاٹک پر پہنچے تو شیخ نے چارپائی پر لیٹے ہوئے اپنا ہاتھ اٹھا کر ایک انگلی کو بلند کر دیا۔ یہ دیکھ کر پہرہ داروں نے یہ سمجھا کہ یہ مریض ہیں۔ مردہ نہیں ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ہم لوگوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ (شرح الصدور ص ۸۶)

شہید نے سر اٹھا کر جواب دیا

حضرات! ایک واقعہ اس سے بھی زیادہ محیر العقول اور عبرت ناک ہے۔ ذرا اس کو بھی سن لیجئے۔

جب شہر ''منصورہ'' پر یورپ کے فرنگیوں نے حملہ کیا تو فقیہ عبدالرحمٰن نوری قرآن کریم کی آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا پڑھ پڑھ کر مجاہدین میں جوش جہاد کا جذبہ پیدا کر رہے تھے مگر نیرنگی تقدیر سے مسلمانوں کو اس محاذ پر شکست ہوگئی اور فقیہ عبدالرحمٰن نوری شہید ہو گئے۔ ایک فرنگی نے آپ کی لاش پر نیزہ مارا اور یہ کہا کہ کیوں رے مسلمانوں کے پادری! تم تو یہ کہا کرتے تھے کہ ''شہید زندہ ہیں'' تمہارا یہ اعلان کیا ہوا؟ اور کہاں گیا؟ فرنگی کے منہ سے یہ جملہ نکلا ہی تھا کہ ایک دم فقیہ عبدالرحمٰن نوری نے سر اٹھا کر دو مرتبہ بلند آواز سے فرمایا کہ ہاں ہاں! کعبہ کے رب کی قسم! ہم لوگ زندہ ہیں۔ وہ فرنگی یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے فرطِ عقیدت سے آپ کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کی مقدس لاش کو اٹھا کر وہ اپنے شہر میں لے گیا اور وہاں آپ کا مزار بنایا۔ (شرح الصدور ص ۸۶)

وفات کے بعد انگلی ہلتی رہی

حضرات! غالباً آپ لوگوں نے حضرت خالد بن معدان محدث کا نام سنا ہوگا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار عالم حدیث تھے۔ یہ تلاوتِ قرآن مجید کے علاوہ روزانہ تسبیح کے دانوں پر گن کر چالیس ہزار مرتبہ ''سبحان اللہ'' پڑھا کرتے تھے۔ ان کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد جب ان کو غسل کے تخت پر لٹایا گیا تو برابر ان کی وہ انگلی ہلتی رہی جس سے وہ تسبیح کے دانوں کو پھیرا

کرتے تھے۔ (شرح الصدور ص۹۱)

برادرانِ ملت! آپ نے ملاحظہ فرمایا اور سن لیا کہ شیخ امین الدین جبرائیل نے وفات کے بعد ہاتھ اٹھایا اور انگلی ہلائی۔ فقیہ عبدالرحمٰن نوری نے قتل ہونے کے بعد سر اٹھا کر فرنگی کو جواب دیا۔ خالد بن معدان محدث جس طرح اپنی زندگی میں اپنی انگلی سے تسبیح کے دانے پھراتے رہے۔ وفات کے بعد بھی اسی طرح ان کی انگلی ہلتی رہی۔ گویا وفات کے بعد بھی وہ تسبیح کے دانوں کو پھراتے اور سبحان اللہ پڑھتے رہے۔

غرض! اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کرام اور علماء و مشائخ وغیرہ صالحین اپنی شہادت اور وفات کے بعد بھی ایسی ایسی کرامتیں اور تصرفات دکھاتے رہتے ہیں جن کو دیکھ کر اہل دنیا بلا اختیار اسی سچی حقیقت کے اقرار پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ بلاشبہ یقیناً سب مرنے والے یکساں اور برابر نہیں ہوا کرتے۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کہ ؎

تصرفات ولایت وہ چاند تارے ہیں کہ آفتاب پر غالب ہے روشنی ان کی

ہر قبر یکساں نہیں

برادرانِ اسلام! اب میری تقریر کا آخری جزو بھی سن لیجئے جس طرح ہر انسان کی موت یکساں اور برابر نہیں اور جس طرح ہر مرنے والے کا حال ایک ہی جیسا نہیں۔ اسی طرح ہر قبر ایک ہی جیسی اور یکساں نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی چند واقعات عرض کر دیتا ہوں۔ انہیں بغور سنئے اور عبرت حاصل کیجئے اور کبھی بھول کر بھی بدمذہبوں کے اس عقیدے کا خیال دل میں نہ لائیے کہ بزرگانِ دین کی قبریں تو صرف مٹی کا ڈھیر ہیں۔

قبر میں نماز

حضراتِ گرامی! حضرت ثابت بن اسلم بنانی ایک ایسے عالم ربانی تھے کہ پچاس برس تک ان کی نماز تہجد قضا نہیں ہوئی تھی اور ہر روز صبح کو یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ عزوجل! اگر تو اپنے کسی بندے کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت فرمائے تو مجھ کو ضرور قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرما۔ آپ کی یہ دعا مقبول ہوگئی۔ چنانچہ مشہور محدث حضرت جبیر قسم کھا کر بیان کرتے تھے کہ میں نے اور حمید طویل محدث نے جب ثابت بن اسلم کو قبر میں اتارا اور ان کی لحد پر کچی اینٹیں جمانے لگے تو ناگہاں ایک اینٹ ٹوٹ کر گر پڑی اور قبر کھل گئی تو ہم دونوں نے یہ دیکھا کہ ثابت بن اسلم قبر کے اندر نماز پڑھ رہے ہیں۔ (شرح الصدور ص۷۸)

قبر میں امداد کا وعدہ

حضرات! ایک واقعہ اور سنئے۔ شیخ ابوعلی رودباری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو قبر میں اتارا اور اس کے سر سے کفن ہٹا کر اس کا سر اس خیال سے زمین پر رکھ دیا کہ ارحم الراحمین اس کی غربت پر رحم فرما کر اس کو بخش دے لیکن جیسے ہی میں نے اس کا سر زمین پر رکھا۔ اس درویش نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا کہ اے ابوعلی! تم مجھے ان دنیادار لوگوں کے سامنے ذلیل مت کرو جو دنیا میں مجھ کو ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ ابوعلی رودباری فرماتے ہیں کہ میں نے حیران ہو کر عرض کیا کہ اے میرے آقا! کیا مرنے کے بعد بھی آپ زندہ ہیں؟ تو اس درویش نے فرمایا کہ بے شک میں زندہ ہوں اور صرف میں ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے اور میں اپنی خداداد وجاہت کے سبب سے آئندہ ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ (شرح الصدور ص ۸۶)

برادرانِ ملت! اس قسم کے صدہا واقعات جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر متنبہ کرتے ہیں کہ خبردار! اس حقیقت سے کبھی غافل مت رہنا کہ اللہ والے حقیقت میں مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جایا کرتے ہیں۔ قبر میں نماز' قبر میں کلام اور امداد کا وعدہ' اولیاء امت اور علمائے ملت کی وہ روشن کرامتیں ہیں جو بہ بانگ دہل اعلان کرتی ہیں کہ۔

کمالاتِ ولی مٹی میں بھی یوں جگمگاتے ہیں
کہ جیسے نور ظلمت میں کبھی پنہاں نہیں ہوتا

کفن سالم' بدن تروتازہ

حضراتِ گرامی! شہداء کرام اور اللہ والوں کی قبروں کے درجات و مراتب اور ان کی عظمتوں کا کیا کہنا؟ ان کی قبروں کا یہ حال ہے کہ ان کے بدن تو بدن ان کے کفن کو بھی قبر کی زمین میلا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ برسہا برس گزر جانے کے بعد بھی بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ان صالحین کا نہ صرف بدن ہی قبروں میں صحیح و سالم ملا ہے بلکہ ان کا کفن بھی میلا نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے بہت سے واقعات میں نے اپنی کتاب ''رجال الحدیث'' اور ''روحانی حکایات'' میں تحریر کر دیئے ہیں۔ چند واقعات اس مجلس میں بھی آپ کے گوش گزار کر دیتا ہوں۔

۱۔ مشہور صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہو گئے اور ایک دوسرے شہید کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کر دیئے گئے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ یہ خیال ستاتا رہا کہ میرے والد ایک دوسرے شہید کی قبر میں دفن ہو گئے ہیں

کیوں نہ میں ان کو قبر سے نکال کر ایک الگ قبر میں دفن کر دوں چنانچہ پورے چھ مہینے کے بعد میں نے قبر کھود کر ان کے جسم مبارک کو نکالا تو ان کے بدن کا یہ حال تھا کہ فَاِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ اُذُنِهٖ (بخاری ج۱ ص۱۸۰) یعنی ان کا بدن ایسا ہی صحیح و سالم اور اتنا ہی تروتازہ تھا جیسا کہ دفن کے وقت تھا۔ بجز اس کے کہ ان کے کان میں کچھ تھوڑا سا تغیر ہوا تھا۔

۲- حضرات اسی طرح بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے دور حکومت میں روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دیوار گر پڑی اور مدینہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس دیوار کی تعمیر کا حکم دیا تو بنیاد کھودنے میں بالکل ناگہاں ایک پاؤں نظر آیا۔ لوگ گھبرا گئے اور بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ شاید یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے مبارک ہے۔ لوگ حیران و پریشان تھے لیکن جب حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس قدم کو دیکھا تو انہوں نے فرمایا کہ لَا وَاللّٰهِ مَا هِيَ قَدَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هِيَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ (بخاری ج۱ ص۱۸۶) برادران ملت! ذرا حساب لگا لیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت ۲۳ھ میں ہوئی اور عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ میں دیوار کو تعمیر کرایا۔ اس طرح ۶۴ برس گزر جانے کے بعد بھی حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک قبر میں سلامت رہا۔

۳- اسی طرح ابو الحسن زاغونی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے دو سو تیس برس کے آپ کی قبر کے پہلو میں ابو جعفر بن ابو موسیٰ کے لئے قبر کھودی گئی تو اتفاق سے آپ کی قبر کھل گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ دو سو تیس برس کی مدتِ دراز گزر جانے کے باوجود امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کفن صحیح و سالم اور آپ کا بدن سلامت اور بالکل تروتازہ تھا۔

(تہذیب التہذیب و طبقات شعرانی)

۴- اسی طرح حافظ الحدیث امام حمیدی جو ابو بکر خطیب وغیرہ محدثین کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت امیر مظفر بن رئیس الرؤساء کو وصیت فرمائی تھی کہ تم مجھے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن کرنا۔ مگر اس نے وصیت کے خلاف آپ کو "باب النہر" کے مقبرہ میں دفن کر دیا تو آپ نے خواب میں امیر مظفر پر عتاب فرما کر اپنی وصیت یاد دلائی۔ اس لئے امیر مظفر نے دو سال گزرنے کے بعد آپ کی قبر کو کھود کر جسم مبارک کو نکالا اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں آپ کو دفن کیا مگر دو سال گزر جانے کے باوجود نہ آپ کا کفن میلا ہوا تھا نہ آپ کے بدن کی سلامتی اور تازگی میں کوئی تغیر ہوا تھا۔ جیسے دفن کیے گئے تھے بالکل اسی حالت میں تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۴ ص۱۹)

۵- حضرات محترم! بس ایک آخری واقعہ اور سن لیجئے۔ دلائل الخیرات شریف کے مصنف حضرت محمد بن سلیمان جزدلی جو سلسلۂ شاذلیہ کے شیخ تھے۔ چھ لاکھ بارہ ہزار پینسٹھ مریدین آپ سے فیض یاب ہوئے۔ کسی بدنصیب نے آپ کو زہر کھلا دیا اور آپ نے نمازِ فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدے میں یا دوسری رکعت کے پہلے سجدے میں وفات پائی۔ لوگوں نے اسی دن آپ کو شہر ''سوس'' کی مسجد میں دفن کر دیا۔ پھر ۷۷ برس کے بعد لوگ انہیں قبر سے نکال کر ''مراکش'' لائے تو آپ کا کفن بالکل صحیح وسالم اور بدن زندوں کی طرح نرم اور تروتازہ تھا اور لوگوں نے آپ کے رخسار پر انگلی رکھ کر دبایا تو زندوں کی طرح بدن میں خون کی روانی کی سرخی رخسار پر نمودار ہوگئی اور آپ کے سر اور چہرے پر اس خط بنوانے کا نشان بھی باقی اور ظاہر تھا جو وفات سے قبل آپ نے خط بنوایا تھا۔ ۱۶ ربیع الاول ۸۷۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ مزار مبارک مراکش میں ہے۔ آج تک بھی آپ کی قبر سے مشک کی خوشبو آتی ہے اور لوگ بکثرت آپ کی قبر کے پاس دلائل الخیرات شریف پڑھتے رہتے ہیں۔

(مطالع المسرات ص ۳)

برادرانِ ملت! میں نے پانچ واقعات جو آپ کو اس مجلس میں سنائے ہیں۔ یہ سب واقعات اعلان کر رہے ہیں کہ شہدائے کرام اور اولیاء امت وعلماء ملت کو حضرت حق جل جلالہٗ نے یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ قبروں میں ان کا بدن ہی نہیں بلکہ ان کا کفن بھی پھٹنے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتا ہے۔ پھر ذرا غور فرمایئے کہ قبر میں ایک مدت دراز گزر جانے کے باوجود اس طرح جسم کا نرم اور تروتازہ رہنا کہ رخسار پر انگلی دبانے سے رخسار پر خون کی روانی کی سرخی نمودار ہو جائے۔ کیا یہ ساری باتیں جسمانی حیات کے خواص اور لوازم نہیں ہیں؟ بلاشبہ یقیناً اس سوال کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے کہ بلا شک اور یقیناً یہ سب چیزیں جسمانی زندگی کے خواص اور لوازم ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ کہ بعض اولیاء اور علماء اور تمام شہداء کرام کو اللہ تعالیٰ ان کی قبروں میں جسمانی حیات کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ آفتاب سے زیادہ روشن حقیقت ہے اور جب بعض علماء اور شہداء کرام کی جسمانی حیات کا یہ عالم ہے کہ بدن تو بدن ان کے کفن کو بھی مٹی نہیں کھا سکتی تو پھر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جو اپنے مراتب ودرجات کے اعتبار سے شہدائے کرام پر بے شمار درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ بھلا ان کے جسموں کو جو روح سے بھی زیادہ لطیف ومقدس ہیں۔ قبروں میں جسمانی حیات کیونکر نہ حاصل ہوگی چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادُ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ ۔(مشکوٰۃ باب الجمعہ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ لہٰذا اللہ عزوجل کا نبی زندہ ہے اور اس کو روزی دی جاتی ہے۔

چنانچہ یہی وہ سچا عقیدہ ہے جو اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے جس کو اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے
مگر اتنی کہ فقط "آنی" ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات
مثل سابق وہی "جسمانی" ہے

پھر جب تمام انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کے مزاراتِ طیبہ میں جسمانی حیات کا ثبوت ہے تو پھر حضور سید الانبیاء محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی ارفع و اعلیٰ جسمانی حیات میں کوئی شک و شبہ کرنا گویا آفتابِ عالم آشکار کا انکار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے حلف اٹھا کر "حیاۃ النبی" کے عقیدہ کا اعلان کیا اور فرمایا کہ ۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مری چشم عالم سے چھپ جانے والے

برادرانِ ملت! بہر کیف میں اپنی تقریر کے تینوں جزو پر یعنی ہر مرنے والے کی موت یکساں اور برابر نہیں۔ ہر مرنے والا ایک ہی جیسا نہیں۔ ہر قبر ایک ہی جیسی نہیں۔ کافی روشنی ڈال چکا جو طالب حق کے لئے حق نما شاہراہ ہدایت سے کم نہیں۔ باقی عناد پسند اور کج فہم لوگ جن کی بصیرتوں کے محلات کو عناد و انکار کے ڈائنامیٹ نے تہس نہس کر دیا ہے ان کے لئے تو ہدایتوں کے ہزاروں دفتر بھی بیکار ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ۔

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

خداوند کریم قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے اور عناد و انکار کی بیماری سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

وما علینا الا البلاغ وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین ۔

ادْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

عرفانی تقریریں

تصنیف

حضرت علامہ الحاج عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سنٹر 40 اُردو بازار لاہور

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحَابِکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب	——	عرفانی تقریریں
مصنف	——	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی مجددی مدظلہٗ
اشاعت	——	اکتوبر ۲۰۰۳ء
تعداد	——	۶۰۰
کمپوزنگ	——	عبدالسلام/قمرالزمان رائل پارک لاہور
قیمت	——	روپے

ملنے کا پتہ

اکبر بک سیلرز

زبیدہ سینٹر 40 اُردو بازار لاہور

فہرست

مضمون	صفحہ
سورۂ فاتحہ کی تجلیاں	۹
سورۂ فاتحہ کی خصوصیات	۱۱
الحمد للہ	۱۴
رب العالمین	۱۶
رحمٰن الرحیم	۱۷
روزِ جزا کا مالک	۱۷
لطیفہ	۱۹
عبادت کیا ہے؟	۲۱
ایک نوک جھونک (لطیفہ)	۲۴
استعانت	۲۴
صراط مستقیم	۲۸
تین راستے	۲۸
صراط مستقیم کون ہے؟	۲۹
معمولات اہل سنت	۲۹
روزِ ازل کے دو اجلاس	۳۲
جلسہ توحید	۳۴
جلسہ سیرت	۳۶
دونوں جلسوں کا فرق	۳۸
حضرت آدم کا وسیلہ	۳۹
دعائے خلیل اللہ	۴۰
لحن داؤدی کا نغمہ	۴۱
حضرت سلیمان کا فرمان	۴۱
حضرت موسیٰ کا نعرہ	۴۱
حضرت عیسیٰ کی بشارت	۴۲
بنی اسرائیل کی فریاد	۴۲
نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ	۴۴
لطیفہ	۴۵
حضرت عیسیٰ قرآن کے آئینے میں	۴۷
شانِ نزول	۵۰
حق و باطل کا آخری فیصلہ	۵۴
لطیفہ	۵۸
پنج تن پاک	۵۹
ایک وجد آفریں نکتہ	۶۰

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
اسبابِ زوال	۶۴	پہلا نکتہ	۹۶
نعت شریف	۶۴	دوسرا نکتہ	۹۷
کچھ بھی نہیں	۶۶	غربائے امت کے شاہکار	۹۸
سر کے بال پاؤں تلے	۶۶	تیسرا نکتہ	۱۰۱
خیر الامم	۷۰	مسلمان اور امتحان	۱۰۲
ایک انگریز مفکر کا جواب	۷۲	سو بیویاں اور ایک کچا بچہ	۱۰۳
ایک بنئے کی بات	۷۳	مومنین و منافقین کا انجام	۱۰۴
امر بالمعروف	۷۳	ایک جوتا - ایک پاؤں	۱۰۶
امر بالمعروف بستر موت پر	۷۵	آخ تھو - آخ تھو	۱۰۶
نہی عن المنکر	۷۶	**صحبت بد سے بچو**	۱۰۸
ایک عجیب کرامت	۷۷	تکفیر	۱۱۱
واعظ کی شان	۷۸	لفظ کافر گالی نہیں ہے	۱۱۲
تھوک کا روپیہ (لطیفہ)	۷۹	شانِ نزول	۱۱۲
میں نے قبول کیا	۸۲	ترجمہء آیات	۱۱۵
جنگِ تبوک اور تین صحابہ رضی اللہ عنہم	۸۶	عداوت کفار کی بنیاد	۱۱۶
جنگِ تبوک	۸۷	کفار کی فطرت	۱۱۷
اسلامی لشکر کی مشکلات	۸۸	لطیفہ	۱۱۹
تین صادق الایمان	۸۹	تین دوست - تین دشمن	۱۲۱
حضرت کعب کا بیان	۹۰	موالاۃ و معاملات	۱۲۲
فرمان شاہی تنور میں	۹۱	**منافقین بے نقاب**	۱۲۶
دل کا کانٹا	۹۲	ایمان کے خلاف شیطانی پلان	۱۲۸
توبہ قبول	۹۲	کفار کا آخری حربہ	۱۳۰
ترجمہء آیات	۹۴		

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
منافقین بے نقاب	۱۳۲	وجیہ	۱۴۷
عداوتِ رسول ﷺ چھپ نہیں سکتی	۱۳۴	عمارتِ اسلام کی تین منزلیں	۱۴۹
بھوپالی مولوی کی درگت	۱۳۴	**عید میلاد**	۱۵۱
ایک اجمیری مولوی کی مرمت	۱۳۵	میلاد میں رسول کی آمد	۱۵۳
ایک مثال	۱۳۷	بشارت	۱۵۶
وجاہت کلیم اللہ	۱۳۸	عید میلاد پر خوشی منانا	۱۵۷
شانِ نزول	۱۳۹	خوشی منانے کے طریقے	۱۵۷
بنی اسرائیل کا غسل برہنہ	۱۴۰	شب قدر	۱۵۹
ایک تاریخی پتھر	۱۴۱	دربار رسول ﷺ میں چنے	۱۶۰
پتھروں کے کارنامے	۱۴۲	**حج وزیارت**	۱۶۴
مقامِ ابراہیم	۱۴۲	حج وزیارت کیا ہے؟	۱۶۴
ابوجہل کی کنکریاں	۱۴۳	آدابِ حرمین	۱۶۶
کوہِ اُحد	۱۴۳	مکہ میں مست مدینہ میں ہوشیار	۱۶۷
حجر اسود	۱۴۴	حج میں انبیاء اور فرشتے	۱۷۳
رسول اللہ کو ایذا دینے والے ملعون	۱۴۶	امام مالک کا ادب	۱۷۴
ایک نکتہ	۱۴۶	دُعا	۱۷۶

انتساب وایصال ثواب

میں اپنی اس تالیف کو حضرت امامِ ربانی مجددِ الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ نامی سے منسوب کرتے ہوئے اس کتاب کے ذریعے آپ نیز آپ کے تمام مشائخ وخلفائے سلاسلِ اربعہ قادریہ، ونقشبندیہ، و چشتیہ، وسہروردیہ رحمہم اللہ کی ارواحِ طیبہ کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں، ناظرین کرام بھی فاتحہ پڑھ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ خیر و برکت پائیں گے۔

خاکپائے اولیاء
عبدالمصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ

ایک نظر اِدھر بھی

اثر کرے نہ کرے، سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

ناظرین کرام!

السلام علیکم و رحمة الله و برکاته

الحمدللہ! کہ "ایمانی تقریریں" کا پانچواں حصہ "عرفانی تقریریں" بھی طبع ہو کر آپ کے پیش نظر ہے۔ یہ میری خاص خاص اور نئی نئی دس تقریروں کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل آپ "ایمانی تقریریں" میں سات وعظ "نورانی تقریریں" میں سات وعظ "حقانی تقریریں" میں چھ وعظ "قرآنی تقریریں" میں دس وعظ میری تیس تقریریں پڑھ چکے ہیں۔ اب یہ دس ملا کر مختلف عنوانوں پر کل چھوٹی بڑی چالیس تقریریں ہو چکیں۔ جو پانچ جلدوں میں تقریباً سترہ سو سے زائد صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ زیر نظر مجموعہ "عرفانی تقریریں" سلسلہ مواعظہ کی آخری کڑی ہے۔ اب اس کے بعد مزید تقریریں لکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔

کیونکہ دوسرے مختلف موضوعات پر بہت سے اہم مضامین دل و دماغ کے قید خانہ سے نکل کر صفحۂ قرطاس پر آنے کے لئے بے قرار ہیں۔ جن کو کتابی صورت میں برادرانِ اہل سنت کی خدمت میں پیش کر دینا انتہائی ضروری خیال کرتا ہوں۔

اگرچہ مشاغل درس کی وجہ سے عدیم الفرصتی کے ساتھ ساتھ اپنی ضعیفی اور گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر دل دھڑکتا ہے کہ

تھوڑی باقی رہ گئی پیارے! تھوڑا رہ گیا تیل!
دیپک بجھنے والا ہے اب کیسے ہو گا کھیل؟

مگر خداوند کریم کے فضل پر بھروسا ہے۔ اس لئے ناظرین کرام سے ملتجی ہوں کہ اخلاص قلب کے ساتھ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ جن تصنیفات کا خاکہ میں نے اپنے ذہن میں بنا

رکھا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ مجھے ان کی تکمیل کی اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل میں توفیق عطا فرمائے (آمین) وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ وَهُوَ حَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْل ۔

آخر میں اپنے تمام کرم فرما احباب اور حوصلہ افزائی فرمانے والے مخلص قدردانوں کی کریمانہ عنایتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سب کی دعاؤں کا طالب اور سب کے لئے دعا گو ہوں۔ بالخصوص تلمیذ باتمیز، محب العزیز اخی فی اللہ مولوی محمد نعیم اللہ صاحب مجددی ساکن چتونہ پوسٹ پہنتی پور ضلع فیض آباد کے لئے جذبۂ تشکر کے ساتھ دعا گو ہوں جنہوں نے میری تصنیفات کی طباعت واشاعت میں اتنی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں کہ میں تازیست ان کے بارِ منت سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ جزاہ المولیٰ تعالیٰ فی الدارین احسن الجزاء مولیٰ عزو جل میری ان حقیر قلمی خدمات کو اپنے فضل وکرم سے مقبول فرمائے اور ان اوراق کو قبول فی الارض کی کرامتوں سے سرفراز فرما کر امت مسلمہ کے لئے ذریعۂ ہدایت اور مجھ ناچیز کے لئے سرمایۂ آخرت بنائے۔ آمین

مرے فکر و احساس کو جگمگادے ستاروں کو تابندگی دینے والے
مرے دل کو بھی نورِ ایماں سے بھردے مہ و مہر کو روشنی دینے والے
مرا مقصد زندگی بھی حسیں ہو! گل و غنچہ کو تازگی دینے والے
غلامی سے باطل کی مجھ کو بچانا پہاڑوں کو شانِ خودی دینے والے

طلبگار ہوں میں تری ہی رضا کا
الم دینے والے خوشی دینے والے

آمین بجاہ النبی الامین علیہ وعلیٰ الہٖ و صحبہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم برحمۃ وھو اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

عبد المصطفیٰ الاعظمی عفی عنہ
مدرسہ منظر حق ٹانڈہ ضلع فیض آباد
۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

اکتیسواں وعظ

سورۂ فاتحہ کی تجلیاں

اے خدا وند جہاں ربِ کریم
ہم چلیں راہِ "صراطِ مستقیم"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ زَيَّنَ الْقُرْاٰنَ بِسُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ ٥ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ اَرْسَلَهٗ بِالْحُجَّةِ الْوَاضِحَةِ ٥ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْا بِحُسْنِ الْخَاتِمَةِ وَالْاَعْمَالِ الصَّالِحَةِ ٥ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ٥ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ٥ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔

حضرات گرامی! درود وسلام کے نورانی نعرہ سے جلسہ کو پر انوار بنایئے اور بآواز بلند پڑھیے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ صَلٰوةً وَّ سَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

حمد کے لائق ہے یارب! تیری ذات تو ہے خالق اور ربِ کائنات

سب کا مالک اور رحمٰن و رحیم کتنی پیاری ہیں تری ہر اک صفات
ہم چلیں راہ ''صراطِ مستقیم'' ہے دعا میری یہ دن بھر ساری رات
جن پہ ہے انعام تیرا اے خدا! راہ پر ان کی چلیں ہم تا حیات
اور جو مغضوب' ہیں' گمراہ ہیں ان سے ہم کو دور رکھ اور دے نجات

محترم حاضرین! میری آج کی تقریر کا عنوان اور گفتگو کا موضوع سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ صاحبان نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اس سورۂ مقدسہ کے مضامین کو جذبۂ یقین کے ساتھ سن کر ذہن نشین کریں گے اور کامل حسن اعتقاد اور مکمل جوشِ ایمان کے ساتھ ان پر عمل کی کوشش بھی کریں گے۔ یاد رکھیے! کہ جس طرح علم بغیر عمل کے اتنا ہی بیکار ہے جتنا درخت بغیر پھل کے۔ ٹھیک اسی طرح کوئی علم بغیر پختہ عقائد اور ایمانِ کامل کے لاحاصل' بے نور اور غیر مقبول ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمل کی گاڑی اس وقت تک چل ہی نہیں سکتی جب تک کہ جوشِ اعتقاد اور جذبۂ ایمان کا انجن اس کو کھینچ کرنہ لے جائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ:

''حرف'' اس قوم کا بے سوز ''عمل'' زار و زبوں
ہو گیا پختہ عقائد سے نہیں جس کا ضمیر

اس لئے میں نے عرض کیا کہ جو کچھ بھی سنیے! جوشِ اعتقاد اور جذبۂ ایمان کے کان سے سنیے۔ پھر اُمید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اعتقاد و ایمان کی بے پناہ کشش آپ کو کھینچ کر عمل کی دولتوں سے مالا مال ہو کر خداوند لم یزل ولایزال کے دربار میں حقیقی وصال کی نعمت لازوال سے اتنے صاحب کمال ہو جائیں گے کہ آپ کے جاہ وجلال کی توانائیوں کا خیال کر کے تمام دنیا زبانِ حال سے پکار اٹھے گی کہ

خدا کی پناہ میں رکھے جلالِ مومن سے
نگاہ بدلی کہ عالم میں انقلاب ہوا!

حضرات! ایمان وعمل کی یہی وہ روحانی توانائیاں ہیں جن کے آگے بڑے بڑے نمرودوں اور فرعونوں کی طاغوتی طاقتیں بھی سرنگوں ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ

کوئی اندازہ کر سکتا ہے؟ اس کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

خداوند کریم ہمیں اور آپ کو پختہ عقائد' ایمانِ کامل اور عمل صالح کی ناقابل تسخیر طاقتیں

عطا فرمائے کیونکہ یہی وہ روحانی طاقتیں ہیں جو ایک مومن کا سب سے بڑا اور قابل اعتماد ہتھیار ہیں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

بہر حال مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ جو کچھ سنیے! ایمان و اعتقاد کے ساتھ گوش ہوش سے سنیے! خداوند قدوس ہمیں اور آپ کو عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے (آمین)

حضرات! میں نے عرض کیا کہ میں آج کے اجلاس میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی مختصر تفسیر آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ سبحان اللہ! میں سورۂ فاتحہ کی شان کس زبان سے بیان کروں؟ کہاں سورۂ فاتحہ کی شان؟ اور کہاں میں اور میری زبان؟

میرے بزرگو اور بھائیو! یوں تو قرآن مجید کی چھوٹی بڑی ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ مگر سورۂ فاتحہ ان تمام سورتوں میں اپنی بعض شاندار خصوصیات کے لحاظ سے بیحد اہم بہت ہی باعظمت اور نہایت ہی ممتاز سورۃ ہے۔

سورۂ فاتحہ کی خصوصیات

مثال کے طور پر اس سورہ کی ایک نہایت ہی خاص خصوصیت اور بہت ہی امتیازی شان یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ کے بائیس نام ہیں۔ (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۳۸) یہ سورۃ کی ایک ایسی بے مثال خصوصیت ہے کہ قرآن کی کسی دوسری سورہ کو یہ امتیازی شرف حاصل نہیں ہوا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ دنیا بھر کا ایک مسلم الثبوت مقولہ ہے کہ "کَثْرَۃُ الْاَسْمَآءِ تَدُلُّ عَلٰی شَرَفِ الْمُسَمّٰی" یعنی کسی چیز کے ناموں کی تعداد کا بہت زیادہ ہونا یہ اس بات کی دلیل ہوا کرتا ہے کہ یقیناً وہ چیز عظمت و شرافت میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ مثلاً آپ دیکھ لیجیے کہ "آم اور امرود" دونوں ہی ہندوستان کے مشہور پھل ہیں۔ مگر "آم" کے ناموں کی تعداد خدا کی پناہ! لنگڑہ، بمبئی، دسہری، فجری، چونسہ، سفیدہ، گلاب خاص، شاہ پسند وغیرہ وغیرہ پچاسوں نام ہیں۔ مگر امرود غریب کا بس ایک ہی نام ہے۔ چھوٹا ہو یا بڑا کھٹا ہو یا میٹھا، بکھٹا ہو یا کسیلا، احمد آباد کا ہو یا الہ آباد کا سب "امرود" ہی کہلائے گا۔ دوسرا کوئی نام ہی نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ ہندوستانی پھلوں میں لذت و لطافت کے لحاظ سے "آم" تمام پھلوں کا بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عزت و شہرت کے میدان میں "امرود" "آم" کی گرد کو بھی نہیں پا سکتا۔ بس اسی

طرح سمجھ لیجئے کہ سورۂ فاتحہ کے ناموں کا اس قدر کثیر ہونا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی تمام سورتوں میں بعض خصوصیات کے اعتبار سے سورۂ فاتحہ کی عظمت شان کا جھنڈا بہت ہی بلند وبالا اور بڑا عظمت والا ہے۔

حضرات! اسی طرح سورۂ فاتحہ کی ایک خاص الخاص ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ قرآن کی تمام سورتیں تو ایک ایک بار نازل ہوئیں۔ مگر سورۂ فاتحہ کو خداوند عالم نے دو مرتبہ نازل فرمایا۔ ایک مرتبہ تو یہ مقدس سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ مکرمہ میں نماز فرض کی گئی اور ایک مرتبہ تحویل قبلہ کے وقت مدینہ منورہ میں اس کا نزول ہوا۔ چنانچہ اسی لئے اس کے ناموں میں سے ایک نام ''سبع مثانی'' بھی ہے۔ یعنی یہ وہ سات آیتیں ہیں جو دو مرتبہ نازل کی گئی ہیں۔ ''تفسیر اکلیل'' میں لکھا ہے کہ ''لِاَنَّهَا اُنْزِلَتْ مَرَّتَيْنِ'' یعنی سورۂ فاتحہ کو ''سبع مثانی'' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں اور یہ سورۃ دو مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

حضرات! یوں ہی اس سورۃ کی ایک نادر الوجود خصوصیت اور ممتاز حیثیت یہ بھی ہے کہ اس کا ایک نام ''اُمُّ الْقُرْآنِ'' ہے۔ جس کے معنی ہیں ''قرآن کی اصل'' یعنی ''جڑ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورا درخت جڑ سے نکلتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کے پورے جلالی و جمالی مضامین اس سورۃ میں اجمالی طور پر جمع ہیں اور خداوند عالم کے وہ تمام فرامین واحکام جو اس کے کلام قرآن مقدس کے وسیع دامن میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سورۃ نے اجمالی حیثیت سے ان سب کو اپنے ننھے سے حسین دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

حضراتِ گرامی! قرآن مجید کے مضامین کی فہرست بہت ہی طویل ہے۔ مثلاً خدا کی حمد وثنا، اس کی توحید، ربوبیت، رحمت، مالکیت، استحقاق عبادت، بندوں کی ہدایت، اختصاص عبادت، استعانت، طلب ہدایت، صالحین کی موافقت، گمراہوں سے نفرت، رسالت، قیامت، توجہ الی اللہ، سزا وجزا وغیرہ لیکن اگر آپ مبصرانہ نگاہ سے سورۂ فاتحہ پر ایک نظر ڈالیں گے۔ تو قرآن کے تمام مضامین سورۂ فاتحہ میں اس طرح سمٹے ہوئے ملیں گے۔ جس طرح گلاب کے پھول میں رنگ، خوشبو، نزاکت، لطافت، نرمی، شوخی، تازگی، دلکشی، ٹھنڈک، رونق، خاصیت رچی بسی ہوئی ہے۔ یا جس طرح ایک بیج کے اندر پورا درخت، اس کی جڑ، تنا، شاخ، کلی، پھول، پھل وغیرہ سب کچھ سمٹا سمٹایا ہوا رہتا ہے۔ کہ پورا درخت اسی بیج میں سے نکلتا ہے اور اپنی عمر بھر بڑھتا اور پھولتا رہتا ہے۔

برادرانِ ملت! فاتحہ جیسی مختصر سی سورۃ میں خداوند کریم پورے قرآن کے چمکتے ہوئے

مضامین کو جمع فرمادے۔ یہ اس کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ مجھے اس موقع پر عربی کا ایک شعر یاد آ گیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ۔

وَلَیْسَ عَلَی اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ !
اَنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِی الْوَاحِدِ

یعنی خدا کی قدرت کے لے یہ کوئی دشوار اور قابل انکار بات نہیں ہے کہ وہ سارے عالم کو ایک ہی شخص کی ذات کے اندر جمع فرمادے۔ یہ خداوند عالم کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کا جلوہ اور اس کے فضل عظیم کی تجلی ہے کہ جس طرح اس نے تمام انسانوں کو یکساں نہیں بنایا۔ تمام فرشتوں کو ایک درجہ نہیں عطا فرمایا۔ تمام نبیوں اور رسولوں کو درجات و مراتب میں ایک ہی جیسا نہیں رکھا۔ بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی اور ایک کو دوسرے سے افضل و اعلیٰ بنایا۔ اسی طرح پورا قرآن اگر چہ اسی کا کلام ہے۔ پورے قرآن کی سورتیں اسی کی نازل فرمودہ ہیں۔ مگر یہ اس کے فضل عظیم کا ایک جلوہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کو اس نے بعض حیثیتوں سے ایک سو تیرہ سورتوں پر ایک قسم کی فضیلت عطا فرمادی ہے۔ سبحان اللہ! خدا کی قدرتِ کاملہ اور اس کے فضل و کرم کے جلووں کا کیا کہنا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

تو اگر چاہے تو اک ذرّے کو صحرا کردے
اور اک قطرۂ بے مایہ کو دریا کردے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ قدرت کا تری
"کن" کہہ کے تو کونین کو پیدا کر دے

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! پڑھیے بہ آوازِ بلند درود شریف اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ صَلٰوۃً وَّ سَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

حضرات محترم! اس سورۃ مبارکہ کے فضائل و مناقب میں چند حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں لیکن اگر میں ان کو بیان کروں تو اتنا وقت گزر جائے گا کہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر جو اصل مقصد ہے وہی فوت ہو جائے گا۔ اس لئے اب میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی تمہید کے اس سورۃ کی ایک ایک آیت کا ترجمہ اور مختصر تفسیر آپ کو سنا دوں۔ لہٰذا سنیے۔ اور بغور سنیئے! خداوند کریم سورۃ کے انوار سے ہمیں اور آپ کو ہدایت پر استقامت کی روشنی عطا فرمائے (آمین)

حضرات گرامی! رب العزت جل جلالہ اپنے بندوں کو اپنی حمد و ثناء کا طریقہ تعلیم فرماتے

ہوئے۔ ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! تم میری بارگاہِ عظمت میں میری حمد وثناء کا نذرانہ اس طرح پیش کرو کہ اپنے دلوں کی گہرائیوں میں اعتقاد و یقین کا چراغ روشن کر کے ادب واحترام کی زبان سے یہ کہو کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

الحمدللہ!

یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اللہ اکبر جل جلالہ ۔

حضرات ! آپ نے اس آیت کا ترجمہ سن لیا۔ اب یہ سمجھئے کہ اسکا مطلب کیا ہے؟ سنیئے! اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم دونوں جہاں میں جس کی بھی تعریف کرو اور چھوٹی سے چھوٹی، بڑی سے بڑی جو تعریف بھی کرو۔ وہ حقیقت میں خداوند عالم ہی کی تعریف ہوگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمام عالم کائنات اور ان کے تمام کمالات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ عزیزانِ ملت ! تم اس کو یوں سمجھو! کہ تم میری چھڑی کی جتنی بھی تعریف کرو گے وہ سب تعریف درحقیقت اس بڑھئی کی ہوگی۔ جس نے اس چھڑی کو اتنی حسین وخوبصورت بنایا ہے۔ کیونکہ وہ بڑھئی اگر اس چھڑی کو نہ بناتا۔ تو نہ یہ چھڑی ہوتی۔ نہ اسکی تعریف۔ اسی طرح اس بڑھئی کے کمالِ کاریگری کی تم جتنی بھی تعریف کرو گے وہ حقیقت میں پروردگار عالم کی تعریف ہوگی۔ جس نے اس بڑھئی کو پیدا فرمایا اور اس کو کاریگری کا ہنر اور فن کا کمال بخشا۔ کیونکہ اگر خلاقِ عالم اس بڑھئی کو پیدا ہی نہ فرماتا تو نہ بڑھئی ہوتا۔ نہ اس کا کمال ہوتا۔ نہ اس کی تعریف ہوتی اسی طرح تم سمجھ لو کہ تم جس مخلوق کی تعریف کرو گے۔ وہ حقیقت میں اس کے خالق ہی کی تعریف ہوگی اور چونکہ سارے عالم کا خالق اور بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ تمام تعریفیں اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں اور ہر حمد وثناء کا حقیقی حقدار وہی پرودگار ہے جو سارے عالم کائنات کا خالق و کردگار ہے۔ چنانچہ خود اس کا کلامِ پرانوار ہے کہ:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ — یعنی ہر چیز کا پیدا کرنیوالا اللہ عزوجل ہے جو اپنی ذات وصفات میں یکتا اور بڑے غلبہ والا ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے اپنی تفسیر میں کتنی نفیس بات تحریر فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

اِذِا الْحَمْدُ فِى الْحَقِيْقَةِ كُلُّهٗ لَهٗ اِذْمَا — یعنی تمام تعریفیں اللہ عزوجل کیلئے ہیں کیوں اور کس

مِنْ خَيْرٍ اِلَّا وَهُوَ مُوْلِيْهِ بِوَسَطٍ اَوْ غَيْرِ وَسَطٍ۔
(تفسیر بیضاوی ص ۶)

طرح ہیں؟ تو اس کی دلیل دیتے ہوئے علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس لئے کہ حقیقت میں ہر ایک تعریف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے کیونکہ ہر خیر اور ہر خوبی کا عطا فرمانے والا تو وہی ہے خواہ وہ کسی کے واسطے اور کسی کے ذریعے سے عطا فرمائے یا بلا ذرائع اور وسائط کے عنایت فرمائے۔

بہر حال ہر خوبی والے اور ہر خیر وخوبی کا پیدا فرمانے والا اور عطا فرمانے والا جب وہی ہے تو دنیا و آخرت میں جہاں کہیں بھی اور جس کی بھی اور جو تعریف بھی کی جائے گی۔ وہ سب تعریفیں خدا ہی کی ہوں گی۔ اس لئے ہر صاحب بصیرت کو سورج کی روشنی سے کروڑوں درجے زیادہ اس روشن حقیقت کا یقین واذعان ہے۔ ہر مومن کا اس پر ایمان ہے کہ الحمد اللہ یعنی تمام تعریفیں حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہر حمد و ثناء کا حقیقی مستحق وہی وحدہ لاشریک لہ ہے۔ جو سب کا خالق سب کا مالک ہے۔

حضراتِ محترم! اب ذرا قرآن عظیم کی فصاحت وبلاغت کا ایک جلوہ اور قرآن کے مقدس الفاظ کی جامعیت کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ الحمد للہ ایک مختصر سا جملہ ہے۔ مگر اللہ اکبر! اس مختصر جملے کے دامن میں کتنے مسائل ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ذرا غور فرمایئے اس جملہ سے اتنے مسائل تو اس طرح واضح ہو کر نظر کے سامنے آتے ہیں۔ جیسے اونچے اونچے پہاڑ دکھائی پڑتے ہیں کہ اللہ عزوجل موجود ہے۔ اللہ عزوجل زندہ ہے۔ وہ قدرت والا ہے۔ وہ ارادہ والا ہے۔ وہ علم والا ہے۔ وہ سننے والا ہے۔ وہ دیکھنے والا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اِذًا اَلْحَمْدُ لَا يَسْتَحِقُّهُ اِلَّا مَنْ كَانَ هٰذَا شَانُهُ (بیضاوی ص ۶) یعنی اس الحمد اللہ کے جملے سے اتنے مسائل اس لئے ثابت ہو رہے ہیں کہ حمد کا حقدار وہی ہو سکتا ہے۔ جس کی یہ شان ہو سبحان اللہ قرآن مجید کی بلاغت کے قربان جایئے۔ کہ اس ایک مختصر جملے سے خدا کی ذات وصفات کے پورے مسائل کا اثبات ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر کیوں نہ ہو؟ کہ قرآن کا ہر ہر لفظ جوامع الکلم کے جلووں کا آئینہ دار ہے۔ یعنی اس کے ہر ہر لفظ میں معنوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ مثل مشہور ہے كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ اور تمام شہنشاہوں کا شہنشاہ بلکہ تمام بادشاہوں اور تمام شہنشاہوں کا خالق و مالک ہے۔ تو پھر احکم الحاکمین کے کلام کی عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

ربّ العالمین

حضراتِ گرامی! اب آیئے ذرا "رب العالمین" کے لفظ پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیے۔ خداوند قدوس نے اپنے نام پاک کے بعد اپنی صفت کا ذکر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ عزوجل جس کے لئے تمام تعریفیں ثابت ہیں۔ وہ "رب العالمین" یعنی سارے جہان کا پرورش فرمانے والے اور سب کو پالنے والا ہے۔ حضرات! خدا کی اس صفت سے پتہ چلتا ہے کہ خدا جس طرح تمام جہان کا خالق ہے۔ اسی طرح وہ تمام جہان کا روزی رساں اور پالنے والا بھی ہے اور جس طرح خدا اگر عالم کو نہ پیدا فرماتا تو عالم موجود ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر خدا عالم کی پرورش نہ فرماتا تو عالم باقی نہیں رہ سکتا تھا۔ بہذا اس سے ثابت ہو گیا کہ سارا عالم اپنے وجود اور اپنی بقا دونوں میں خدا کا محتاج ہے۔

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ رب العالمین یعنی سارے جہان کا پروردگار اور تمام عالم اور کل سنسار کا پالنہار ہے۔ اللہ اکبر! اس رب العالمین کی ربوبیت اور پرورش کی شان کا کیا کہنا؟ وہ ایسا رزاق مطلق ہے کہ اپنے دوستوں اور دشمنوں کو نیکوکاروں اور بدکاروں کو سب کو روزی دیتا ہے اور سب کو پالتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے خداوند عالم کے اس کرمِ عظیم کو کتنے دلکش اور پیارے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ذرا بغور سنیے وہ فرماتے ہیں کہ

اگر باپدر جنگ جوید کسے
پدر بیگماں خشم گیرد بسے

یعنی اگر کوئی شخص اپنے باپ سے جنگ کرنے لگے۔ تو باوجودیکہ باپ کا دل بیٹے کی محبت سے لبریز رہتا ہے۔ مگر ایسے نالائق بیٹے پر یقیناً باپ کو بے حد غصہ آ جائے گا اور وہ اس کو ہرگز ہرگز کبھی دانہ پانی دینے کا روادار نہیں ہوگا۔

دگر بندہ چابک نہ آید بکار
عزیزش ندارد خداوند گار

اور کوئی غلام کام دھندے میں چست و چالاک نہ ہو۔ تو اس کا آقا کبھی اس سے پیار نہیں کرے گا اور اس کی روزی و روٹی بند کر دے گا۔

وگر ترک خدمت کند لشکری
شود شاہ لشکر کش ازدے بری

اور اگر کوئی سپاہی اپنی ڈیوٹی نہ بجالائے تو سپہ سالار اس سے بیزار ہوکر اس کو نوکری سے برخاست کردے گا۔

ولیکن خداوند بالا و پست
بعصیاں درِ رزق بر کس نہ بست

لیکن بلندی و پستی کے مالک خداوند عالم کی ربوبیت اور اس کی رزاقیت کا یہ عالم ہے۔ کہ کوئی کتنا ہی گنہگار و نافرمان کیوں نہ ہو جائے مگر وہ گناہ اور نافرمانی کی وجہ سے کسی رزق کا دروازہ بند نہیں فرماتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ ''رب العالمین'' یعنی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

رحمٰن اور رحیم

حضرات! رب العزت جل جلالہ اپنی ایک صفت ''رب العالمین'' کو بیان فرمانے کے بعد اپنی دوسری دو صفتوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ''الرحمٰن الرحیم'' یعنی وہ بہت مہربان اور بیحد رحمت والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس خالق کائنات نے جو سارے عالم کو پیدا فرمایا اور سب کو پالتا ہے۔ تو تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ اس کی کوئی لازمی ڈیوٹی اور اس کا کوئی فریضہ ہے جس کو وہ ادا کر رہا ہے۔ بلکہ تم یہ ایمان رکھو کہ اس نے جو کچھ بھی کیا اور جو کچھ بھی کرتا ہے اور جو کچھ بھی کرے گا۔ یہ سب محض اس کی شانِ رحمت اور اس کی مہربانیوں کا جلوہ ہے۔ تمام خلوق کو خلعت وجود سے سرفراز فرمانا اور سب کی پرورش کرنا یہ سب کچھ اس کی رحمت ہی رحمت اور اس کی مہربانی ہے۔ نہ اس کی کوئی چیز واجب ہے نہ اس کے لئے کچھ کرنا لازم ہے۔ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔

اس کی ذات تو سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ سارا عالم ساری کائنات سب کچھ اس کی رحمتوں کا ثمرہ اور اس کی بے حساب مہربانیوں کا جلوہ ہے۔ اللہ اکبر! کون ہے جو بھلا اس کی رحمتوں کا شمار کر سکتا ہے؟ کائنات عالم کے ذرے ذرے میں اس کی رحمتوں کی لاکھوں دنیا آباد ہے اور قطرے قطرے میں اس کی مہربانیوں کے کروڑوں سمندر موجزن ہیں۔

روزِ جزا کا مالک

خیر اب تیسری آیت کا ترجمہ سماعت فرمایئے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ روزِ جزا یعنی قیامت کے دن کا مالک ہے۔

حضراتِ گرامی! خداوند تعالیٰ تو ہر دن اور ہر رات کا مالک ہے۔ پھر خصوصیت کے ساتھ روزِ جزا کے مالک ہونے کا ذکر کیوں فرمایا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قیامت کا دن چونکہ اپنی مقدار اپنی عظمت اپنی ہیبت کے لحاظ سے تمام دنوں میں سب سے بڑا دن ہے۔ اس لئے خداوند عالم نے متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب سب سے بڑے دن کا مالک ہے۔ تو تم سمجھ لو کہ چھوٹے چھوٹے دنوں کا تو وہ بدرجہ اولیٰ مالک ہے۔ اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ دوسرے اور دنوں میں تو بندوں کی ملکیت کا بھی چرچا رہتا ہے۔ چنانچہ انسان یہ دعویٰ کرتا پھرتا ہے کہ میں اپنی جائیداد کا مالک ہوں۔ تم اپنے ہوٹل کے مالک ہو۔ وہ اپنی دکان کا مالک ہے۔ مگر قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اس دن خدا کی ملکیت کے سوا کسی کی ملکیت کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔ اس لئے حضرت حق جل مجدہ نے اپنے بندوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ یعنی اے میرے بندو! خوب پہچان لو کہ اللہ عزوجل وہی ہے جو اس دن کا بھی مالک ہے جس دن کسی کی ملکیت کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ وہ ایسا دن ہے کہ بغیر خدا کے اذن و اجازت کے نہ کسی کا کوئی تصرف ہوگا نہ اقتدار نہ کسی کا کسی چیز پر قبضہ ہوگا نہ کوئی اختیار۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ٥ — یعنی قیامت کے دن کوئی کسی کے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا۔ تمام کاموں کا اختیار و اقتدار اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا؟

حضراتِ گرامی! خداوند قدوس نے اپنے نام کے بعد اپنی چار بڑی بڑی صفتوں کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کے لئے معرفت اور پہچان کا اتنا بڑا سامان مہیا فرمادیا کہ اگر بندے پوری توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ تفکر وتدبر کے جذبے کو کام میں لاتے ہوئے ان چاروں صفاتِ الٰہیہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کے تصور کا نور بصیرت حاصل کرلیں۔ تو بندے قربِ الٰہی کی ایسی منزل تقرب میں پہنچ جائیں گے۔ کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے حکم فرمایا کہ میرے بندو! اب تم خدا کو اپنا مخاطب سمجھتے ہوئے ان لفظوں کے ساتھ اپنے جذباتِ عبودیت کا نذرانہ پیش کرو کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" یعنی اے اللہ عزوجل! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! اس آیت میں "نَعْبُدُ" کے فوراً ہی "نَسْتَعِيْنُ" کا لفظ اتنا مناسب اور اس قدر برمحل ہے کہ اس کے تصور سے اہل عرفان اور صاحبانِ ذوق کو وجد آنے لگتا ہے۔ آپ اس کو یوں سمجھئے کہ جب بندے نے خدا کے دربار میں یوں عرض کیا کہ "ایاک نعبد" اے اللہ عزوجل

! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اس سے یہ وہم ہو رہا تھا کہ شاید بندہ کچھ اپنی تعلّی اور اکڑفوں دکھا رہا ہے اور یہ دعویٰ کرنے لگا ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں اور ہم اس قابل ہو گئے ہیں۔

کہ خدا کی عبادت کرتے لگے ہیں۔ تو خداوند عالم نے یہ حکم فرمایا کہ اے میرے بندو! تم اپنی عبادت کا اعلان کرنے کے ساتھ ہی فوراً یہ عرض کر دو کہ ''ایاك نستعین '' یعنی اے اللہ عزوجل ! ہم بھلا اس قابل کہاں؟ کہ تیری عبادت کا دعویٰ کر سکیں۔ ہم تو بالکل ہی قصور اور کوتاہیوں کے پتلے اور عجز و انکسار کے مجسمے ہیں۔ اے اللہ عزوجل ! ہم تیری عبادت بھی کرتے ہیں کہ اس عبادت میں بھی ہم تیری مدد کے محتاج ہیں۔ لہٰذا تو ہمارے اس عمل عبادت میں بھی ہماری مدد فرما۔ غور فرمایئے کہ ایاک نعبد کے لفظ سے جو وہم پیدا ہو رہا تھا وہ ایاک نستعین کہہ دینے سے بالکل ہی زائل ہو گیا اور بندہ کمال عاجزی کے اظہار سے اپنی عبادت میں بندہ کامل ہو گیا۔ سبحان اللہ پڑھیئے بہ آواز بلند درود شریف اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ صَلٰوۃً وَّ سَلَامًا عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

برادران ملت ! اس آیت میں چونکہ ''عبادت'' کا ذکر آ گیا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ لفظ عبادت کی بھی کچھ تشریح کر دوں۔ تا کہ عبادت کا صحیح مفہوم آپ کے ذہن میں آ جائے اور آپ اچھی طرح سمجھنے لگیں۔ کہ کون سا عمل عبادت ہے؟ اور کون سا عمل عبادت نہیں کیونکہ اس دور میں کچھ ایسے مولوی بھی پیدا ہو گئے ہیں جو الفاظ قرآن کے معانی میں ایسی کتر بیونت کرتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید مقدس آیتوں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کے لئے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے اس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

لطیفہ

حضرات ! ''کتر بیونت'' کی بات آ گئی۔ تو مجھے ایک نواب بے ملک کا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ اتفاق سے نواب صاحب کا سسرال سے بلاوا آ گیا مارے خوشی کے نواب صاحب کی باچھیں کھل گئیں۔ چنانچہ نواب صاحب نے سسرال کے سفر کے سلسلے میں جہاں بہت سے انتظام کئے ایک نیا پائجامہ بھی سلایا۔ اتفاق سے درزی ایماندار تھا۔ اتنا ہوشیار نہیں تھا کہ کپڑے میں کچھ کتر بیونت کر کے ادھر ادھر آر پار کر دیتا۔ درزی نے پورے کپڑے کا پائجامہ سی

دیا تو وہ چار انگل بڑا ہو گیا۔ نواب صاحب نے ٹرائی کے لئے جو پہنا تو جوتا نظروں سے غائب ہو گیا اور پائجامہ زمین چومنے لگا۔ نواب صاحب بہت سٹپٹائے۔ فوراً منہ لٹکائے بیوی کے پاس آئے اور بڑی لجاجت سے دانت نکال کر عرض کیا کہ پیاری بیگم! سنو تو سہی۔ بڑا غضب ہو گیا۔ دیکھو درزی نے میرا پائجامہ چار انگل بڑا سی دیا۔ اب صبح سویرے ہی مجھے تمہارے میکے جانا ہے۔ اگر یہی پائجامہ پہن کر میں جاؤں گا۔۔ تو سسرال والے یہی سمجھیں گے کہ نواب صاحب کرایہ کا پائجامہ پہن کر آئے ہیں۔ یا کسی لمبے آدمی سے مانگ کر پہنا ہوگا۔ بیگم! خدا کی قسم واللہ میری تو ناک ہی کٹ جائے گی۔ لہٰذا خدا کے لئے چار انگل اس پائجامہ کو کاٹ کر ایک بخیہ چلا دو۔ تاکہ میری آبرو کا گنبد سلامت رہ جائے۔ بیگم صاحبہ ساٹھ برس کی کھوسٹ بڑھیا تھیں۔ چھوہارے جیسے گال، نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت چڑ چڑا مزاج۔ ایک دم تڑپ کر برس پڑیں۔ کہ اجی تم تو بالکل ہی سٹھیا گئے ہو۔ نوج خدا کی مارا ابھی ابھی تو ایک لیٹی ہوں۔ اب میں اتنی رات کو تمہاری بیگاری کرنے کے لئے اُٹھ کر مشین پر ورزش کروں؟ نا بابا جاؤ۔ مجھ سے نہیں ہونے گا۔

بیگم کی لتاڑ سن کر نواب صاحب بھیگے گیدڑ بنے الٹے پاؤں واپس چلے آئے۔ آخر کیا کرتے؟

اکبر دبے نہیں کبھی جرمن کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی ''نوج'' سے

پھر بیٹی سے کہا۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ اب نواب صاحب اپنی بہو کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور ڈرتے ڈرتے پائجامہ درست کرنے کی درخواست پیش کر دی۔ اللہ اکبر! بہو اور وہ بھی چودھویں صدی کی بہو۔ نواب صاحب کی بہو کیا تھی؟ بس بالکل ہی ہو بہو تھی۔ چلا کر بولی۔ اجی مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ نواب صاحب بھاگے ہوئے بہن کے پاس گئے اور کہا کہ آپا جان! ذرا تم ہی یہ کام بنا دو تاکہ سسرال میں میرا بھرم رہ جائے۔ بہن نے بھی جھلا کر ''نہیں'' کہہ دیا نواب صاحب گھر کی چاروں عورتوں کا انکار سن کر رو پڑے اور کھونٹی پر پائجامہ لٹکا کر سو گئے۔ آدھی رات کو بیگم کی آنکھ کھلی تو ان کو خیال آیا کہ افسوس! میں نے بڑی غلطی کی۔ اگر نواب صاحب کی سسرال میں رسوائی ہوئی۔ تو میری آبرو کا بھی جنازہ نکل جائے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ

میری رسوائی سے تم کو خوش نہ ہونا چاہئے
قیس رسوا تھا تو کیا لیلیٰ کی رسوائی نہ تھی؟

بیگم جھٹ پٹ اٹھیں اور پائجامہ کو چار انگل کاٹ کر کھونٹی پر لٹکا دیا اور سو گئیں۔ پھر لڑکی

جاگی تو اس کو بھی باپ کے ساتھ اپنی سخت کلامی پر ندامت ہوئی۔ اس نے بھی اٹھ کر چار انگل پائجامہ کاٹا اور بخیہ چلا کر کھونٹی پر لٹکا دیا اور سو گئی۔ چند منٹ کے بعد بہو صاحبہ بھی بیدار ہوئیں۔ انہوں نے بھی پائجامہ کو چار انگل کاٹ کر درست کر دیا پھر بہن اٹھیں تو انہوں نے بھی چار انگل کاٹ کر پائجامہ سی دیا اور کھونٹی پر لٹکا کر وہ بھی سو گئیں۔ نواب صاحب نے جو صبح کو نہا دھو کر پائجامہ پہنا تو وہ نیکر بن کر گھٹنوں سے اوپر پہنچ گیا۔ نواب صاحب نے سر پیٹ لیا اور سسرال کا سفر کھٹائی میں پڑ گیا۔

حضرات گرامی! دیکھا آپ نے؟ چار عورتوں نے جو ایک پائجامہ پر قینچی چلا کر کتر بیونت کر دی تو رات بھر میں پائجامہ کو نیکر بنا ڈالا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ اس زمانے کے مولویوں نے جو قرآن مجید کا کتر بیونت شروع کر دیا ہے۔ تو اس کا انجام کیا ہو گا؟

عبادت کیا ہے؟

بہر حال اسی خیال سے میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کو عبادت کے معنی تو بتاتا چلوں۔ تاکہ آپ ''کتر بیونت'' کرنے والوں سے ہوشیار رہیں۔ اچھا سنئے اور میری مت سنیے۔ بلکہ علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سنیے۔ جن کی تفسیر پر دیو بندی اور بریلوی دونوں جماعت کے علماء کا اعتماد ہے اور ہندوستان و پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیائے اسلام کے تمام مدارس عربیہ میں اس تفسیر کے درس کا ڈنکا بج رہا ہے۔ حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ ذرا غور سے سنیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

وَالْعِبَادَةُ اَقْصٰی غَایَةِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ (بیضاوی ص ۸)
یعنی عبادت کے یہ معنی ہیں کہ ''انتہائی درجے کی عاجزی انتہائی ذلیل بن جانے کی انتہاء''

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے؟ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ عاجزی اور تذلل کا انتہائی اور آخری درجہ عبادت کہلاتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انتہائی عاجزی کی حد اور انتہائی ذلیل بن جانے کا معیار کیا ہے؟ کون سے عمل کو ''ہم انتہائی عاجزی'' نہ کہیں آخر اس کی پہچان کے لئے کوئی نہ کوئی کسوٹی تو ہوگی؟ اب اسی معیار اور کسوٹی کو معین کرنا ہے کہ ہر عمل کو اس پر پرکھ کر ہم کہہ سکیں کہ فلاں عمل ''عبادت'' ہے اور فلاں عمل ''عبادت'' نہیں ہے۔

پھر یہاں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے۔ کہ ہم جب نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ یہ ''عبادت'' کر رہا ہے اور جب ہم اپنے افسر کے سامنے

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ''یہ عبادت کر رہا ہے'' بلکہ سب یہ کہتے ہیں کہ ''یہ تعظیم کر رہا ہے۔'' اسی طرح نماز میں سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہ کہتے وقت ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں تو ہمارے اس ''قیام'' کو ''عبادت'' کہا جاتا ہے۔ اور اگر کسی دکاندار کے سامنے ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں تو اس قیام کو کوئی بھی ''عبادت'' نہیں کہتا۔ یوں ہی ہم نماز میں رکوع کرتے ہیں تو ساری دنیا ہمارے اس جھکنے کو ''عبادت'' کہتی ہے۔ اور اگر ہم گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ٹھیک رکوع کی صورت میں جھک کر زمین پر گری ہوئی سوئی تلاش کرتے ہیں۔ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جھکنے والا ''عبادت'' کر رہا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس نماز میں دونوں زانوں زمین پر رکھ کر بیٹھیے تو یہ بیٹھک ''عبادت'' کہلاتی ہے اور ٹھیک اسی ہیئت پر استاد یا پیر کے سامنے بیٹھیے تو یہ بیٹھک ''عبادت'' نہیں کہلاتی۔ نماز میں سجدہ کیجئے تو عبادت ہے اور بالکل اسی صورت میں اگر کسی آپریشن کے وقت کوئی شخص اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر سجدے کی ہیئت میں ہو جائے تو یہ ''عبادت'' نہیں ہے الغرض قیام ہو یا قعود، رکوع ہو یا سجود، قومہ ہو یا جلسہ نماز کی حالت میں تو یہ سب صورتیں ''عبادت'' کہلاتی ہیں اور نماز کے باہر یہ سب فعال عبادت نہیں کہلاتے اس لئے اب یہ سوچنا ہے کہ ایک ہی عمل کبھی تو عبادت کہلاتا ہے اور کبھی عبادت نہیں کہلاتا۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ کسی فعل کے عبادت ہونے یا عبادت نہ ہونے کا آخر کوئی معیار تو ہونا چاہیے؟ ایک ہی عمل کسی حالت میں عبادت ہوتا ہے اور کسی حالت میں عبادت نہیں ہوتا۔ کون عمل کس حالت میں ''عبادت'' ہے اور کس حالت میں ''عبادت'' نہیں ہے۔ آخر اس کو جاننے اور پہچاننے کی کوئی کسوٹی تو ہوگی؟ اب اسی پر غور کرنا ہے کہ ''عبادت'' اور ''غیر عبادت'' کے پہچاننے کا معیار اور کسوٹی کیا ہے؟ وہ کون سا آلہ یا پیمانہ ہے جس سے اور پرکھ کر ہم یہ جان پہچان لیں کہ فلاں عمل عبادت ہے اور فلاں عمل عبادت نہیں ہے۔

تو برادرانِ ملت! حضرت بیضاوی علیہ الرحمہ نے اس کا بہترین معیار مقرر فرما کر انتہائی واضح فیصلہ کر دیا ہے کہ جس کی روشنی میں ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے کہ کون سا عمل عبادت ہے اور کون سا عمل عبادت نہیں سنیے! علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ

وَالْعِبَادَۃُ اَقْصٰی غَایَۃِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ — یعنی انتہائی درجے کی عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنے کی انتہاء کا نام ''عبادت'' ہے۔

برادرانِ ملت! غور فرمایئے کہ انتہائی عاجزی و تذلل کا نام ''عبادت'' ہے۔ تو اب سن لیجئے۔ کہ انسان کی انتہائی عاجزی کی حد کیا ہے؟ تو میرے دوستو اور بزرگو! خوب اچھی طرح سمجھ

لو کہ ایک انسان کی انتہائی عاجزی یہی ہے کہ انسان کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت کی انتہا کر دے بس کسی کو اپنا خدا مان کر اس کے حضور اپنی عاجزی اور اپنی ذلت ظاہر کرنا ہی ایک انسان کی انتہائی عاجزی کی حد اور انتہا ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

نظروں سے نہاں کیوں رہتے ہو؟ جب جان لیا پہچان لیا
منشائے حجاب آخر کیا ہے؟ تم کو تو ''خدا'' بھی مان لیا

حضرات! یہی وجہ ہے کہ نماز میں جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا ''عبادت'' ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا خدا مان کر انسان اس کے حضور میں اپنی ذلت اور عاجزی کا اظہار کر رہا ہے۔ اور نماز کے علاوہ کسی کے آگے جھکنا اور پیشانی زمین پر رکھنا اسی لئے ''عبادت'' نہیں ہے کہ وہ اپنا خدا مان کر اس کے آگے اپنی انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔ تو پتا چلا کہ ''عبادت'' اور ''غیر عبادت'' کا دارومدار اس کے جاننے اور پہچاننے کی کسوٹی اور معیار یہی ہے کہ جب تم کسی کو اپنا ''خدا'' مان کر اس کے آگے اپنی انتہائی ذلت و عاجزی کا اظہار نہ کرو گے۔ اس وقت تک تمہارا کوئی عمل خواہ وہ قیام وقعود ہو یا رکوع وسجود ہرگز ہرگز عبادت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت علامہ بیضاوی قدس سرہ نے فرمایا:

وَلِـذٰلِكَ لَاتُسْتَعْمَلُ اِلَّا فِي الْخُضُوْعِ لِلّٰهِ تَعَالٰى (بیضاوی ص۸)

یعنی عبادت کا لفظ اسی عاجزی پر بولا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کیلئے کی جائے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جو عاجزی پیش کی جاتی ہے۔ وہ اس کو خدا مان کر کی جاتی ہے اور خدا کے سوا دوسروں کے آگے جو عاجزی کی جاتی ہے۔ وہ چونکہ اس کو خدا مان کر نہیں کی جاتی۔ اس لئے اس کو تعظیم یا ادب تو کہہ سکتے ہیں مگر ہرگز ہرگز اس کو ''عبادت'' نہیں کہہ سکتے۔

مسلمانو! علامہ بیضاوی کی اس تقریر سے یہ مسئلہ حل ہو گیا کہ بزرگان دین کے مزاروں پر ہاتھ باندھ کر ادب سے کھڑا ہونا ہرگز ہرگز عبادت نہیں کہلائے گا۔ بلکہ اس کو ادب اور تعظیم ہی کہا جائے گا۔ کیونکہ مسلمان بھی ان بزرگوں کو اپنا خدا مان کر ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہوتا۔ اب تم لوگ سمجھ لو کہ اس کو جو لوگ غیر اللہ کی عبادت اور شرک کہتے ہیں وہ لوگ یا تو بالکل ہی جاہل اور نادان ہیں۔ یا عناد کے دبیز پردوں نے ان کی حقیقت شناس نگاہوں پر ایسا حجاب ڈال دیا ہے کہ بصارت ہونے کے باوجود ان کی بصیرت رفو چکر ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کی ہدایت کے لئے دعا کرنی چاہئے۔

ایک نوک جھونک

حضرات گرامی! اس سلسلے میں مجھے اپنا ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ مقدس کے سامنے میں ہاتھ باندھ کر ادب کے ساتھ فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی کھرے کھردرے قسم کے مولوی صاحب آئے جن کا پائجامہ ضرورت سے اونچا اور کرتا ضرورت سے زیادہ نیچا تھا۔ وہ ہاتھ کھول کر کھڑے ہوئے اور کچھ پڑھنے لگے اور مجھ کو بڑی زہریلی اور ترچھی نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ جب ہم دونوں مزار شریف سے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے ڈانٹ کر بڑے کرخت لہجے میں کہا کہ "قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر نہیں کھڑا ہونا چاہئے" میں نے کہا کہ کیوں صاحب؟ تو تڑپ کر بولے کہ "یہ نماز کی صورت" ہے میں نے انتہائی متانت کے ساتھ عرض کیا کہ پھر تو ہاتھ کھول کر بھی قبر کے سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہئے۔ یہ سنتے ہی وہ چلا کر بولے کہ کیوں؟ تو میں نے کہا کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونا یہ بھی تو نماز ہی کی صورت ہے۔ لہٰذا ایک ہاتھ سر پر اور ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر قبر کے سامنے کھڑا ہوا کیجئے تاکہ نماز کی صورت نہ رہے۔ میرا یہ گرم گرم جملہ سن کر مولوی صاحب کو بس آگ ہی تو لگ گئی اور بالکل غصے میں آگ بگولہ ہو کر کہنے لگے کہ جائیے رہنے دیجئے آپ اپنی "منطق" تو میں نے بھی کہہ دیا کہ آپ بھی رہنے دیجئے۔ اپنی "ونطق" پھر تو وہ اس طرح جلدی جلدی بھاگے۔ جیسے کوئی ان کو ذبح کرنے کے لئے دوڑا رہا ہو۔ میں ہر چند بلاتا رہا کہ "سنئے تو سہی! مگر وہ یہی کہتے رہے اور بھاگتے رہے کہ "میں بحث نہیں کرتا" میں بحث نہیں کرتا۔ بھاگتے ہوئے وہ اس عمارت میں گھس گئے جس کو لوگ "تبلیغی مرکز" کہتے ہیں۔ مولوی صاحب کا تو نہ معلوم کیا حال ہوا مگر اس نوک جھوک سے سامعین بہت ہی محظوظ ہوئے اور کئی ایک آدمی تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

استعانت

بہر کیف "عبادت" کے معنی تو آپ ایک حد تک سمجھ چکے۔ اب آیئے میں "استعانت" کے بارے میں بھی کچھ آپ کو سنا دوں۔ اچھا سنئے استعانت کے معنی ہیں "مدد طلب کرنا"

حضرات! اب ایاك نستعین کے معنی کو ذہن نشین کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل کے ساتھ آپ کے ذہن میں اتار دوں کہ مدد طلب کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اللہ عزوجل سے مدد طلب کرنا' دوسرے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا۔ اللہ عزوجل سے مدد طلب کرنا تو ہر مسلمان پر فرض ہی ہے۔ اس میں کیا کلام ہے؟ کیونکہ جو اللہ عزوجل سے مدد طلب کرنے کا قائل نہ ہو تو وہ تو مسلمان ہی نہیں۔ اب رہ گیا غیر اللہ یعنی اللہ عزوجل کے سوا دوسروں سے مدد طلب کرنا۔ تو یہ مسئلہ ہے کہ زمانۂ حال کے مولویوں نے اس کو اس قدر الجھا دیا ہے کہ افراط و تفریط کی آندھیوں کے گرد وغبار میں اس مسئلہ کا صحیح خدوخال ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور عوام کے لئے یہ جنگ وجدال کا سامان بن کر رہ گیا حالانکہ میں بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ اگر نیک نیتی کے ساتھ دورِ حاضر کے علماء اس مسئلہ کو حل کر دیتے تو آج عوام میں یہ جنگ وجدال کی یہ گرم بازاری نہ ہوتی۔ مگر واللہ مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ۔

جہالت ہر اک بات میں ہو گئی
"حقیقت" خرافات میں کھو گئی

حضرات گرامی! اس مسئلے کا صحیح یہ حل ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے سے مدد مانگنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو خدا ہی کی طرح ذاتی قدرت والا اور حقیقی مستعان مان کر یہ سمجھتے ہوئے اس سے مدد مانگی جائے۔ کہ وہ بلا خدا کے اذن و حکم کے اپنی ذاتی طاقت سے ہماری مدد کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنا کھلا ہوا شرک ہے۔ اس کو عالم تو عالم کوئی جاہل بھی جائز نہیں ٹھہرا سکتا اور دوسری صورت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی دوسرے کو یہ سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے کہ یہ خدا ہی کا بندہ اور اس کی مخلوق ہے اور وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی طاقت اور خدا ہی کے حکم سے ہماری مدد کر سکتا ہے۔ بس خدا نے اس کو ہماری مدد فرمانے کا ایک ذریعہ بنا دیا ہے تو یہ غیر اللہ سے مدد مانگنے کی وہ صورت ہے کہ اس کو نہ کوئی دیوبندی ناجائز بتا سکتا ہے نہ کوئی بریلوی!

عزیزانِ ملت! ہم دن رات' صبح وشام' ہر گھڑی جو غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں وہ یہی دوسری صورت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہم حکیم و ڈاکٹر سے شفاء کے لئے مدد طلب

کرتے ہیں۔ہم حاکموں سے انصاف کے لئے مدد مانگتے ہیں۔ہم مکان کی تعمیر میں معماروں اور مزدوروں سے مدد طلب کرتے ہیں۔ہم مسجدوں کے بنانے اور مدرسوں کو چلانے میں مالداروں سے مدد مانگتے ہیں۔خدا کی قسم میں نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کسی مولوی صاحب کو بھوک پیاس لگتی ہو تو وہ کسی مسجد کے مصلیٰ پر بیٹھ کر خدا سے کھانے اور پانی کی مدد مانگتے ہوں۔ بلکہ مولوی صاحبان بھی کھانے اور پانی کے لئے انسانوں ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔مگر دنیا جانتی ہے کہ وہ ہوٹلوں والے کو خدا سمجھ کر اس سے کھانا نہیں مانگتے بلکہ یہی سمجھ کر مانگتے ہیں کہ کھانا پانی اور ہماری ضروریات زندگی کا حقیقی طور پر دینے والا تو خدا ہی ہے۔مگر یہ ہوٹل والا خدا کی دی ہوئی طاقت سے اور خدا ہی کے دلانے سے ہمیں کھانا دے رہا ہے۔اگر خدا نہیں چاہے گا تو یہ ہوٹل والا ہم کو چاول کا ایک دانہ بھی نہیں دے سکتا۔تو بتایئے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد مانگنے کو دنیا میں کون ہے جو شرک کہہ سکتا ہے؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس طرح غیر اللہ سے مدد طلب کرتے رہنا درحقیقت اللہ عزوجل ہی سے امداد طلب کرنا ہے۔اور یہی مطلب ہے ایاك نستعین کا۔کہ ایک مسلمان کو لازم ہے کہ وہ اپنے ہر کام میں خدا ہی کو اپنا حقیقی مددگار جانتا اور مانتا رہے۔اور دنیا میں جس کسی سے بھی مدد مانگے اور جو بھی اس کی مدد کرے اور جہاں سے بھی اس کو مدد ملے وہ یہی سمجھے کہ۔

نہ کس می دہاند نہ کس می دہد
خدا می دہاند خدا می دہد

یعنی نہ کوئی کچھ دلاتا ہے نہ کوئی کچھ دیتا ہے۔بس خدا ہی دلاتا ہے اور خدا ہی دیتا ہے۔

برادرانِ ملت! یہی وہ خدا کے سوا دوسروں سے مدد مانگنے کی صورت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ فرما کر اپنے بندوں کو حکم دیا کہ تم لوگ صبر اور نماز سے مدد طلب کرو یہی وہ غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کا طریقہ ہے جس کا قرآن مجید میں بیان ہے کہ حضرت ذوالقرنین نے اَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ کہہ کر "سدِ سکندری" کے بنانے میں انسانوں سے مدد مانگی اور یہی وہ غیر اللہ سے استعانت کی شکل ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تعلیم دی ہے۔اگر کوئی مسافر سنسان بیابان میں راستہ بھول جائے اور کوئی راہنما اور راہبر نہ ملتا ہو تو وہ یوں نعرہ لگائے کہ یٰعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یعنی اے اللہ عزوجل

کے بندو! میری مدد کرو۔تو ملائکہ یا رجال الغیب خدا کے حکم سے اس کی مدد کریں گے۔

برادرانِ ملت! اب اس حقیقت کی روشنی میں یہ مسئلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے رسول سے اپنی مغفرت کے لئے دعا مانگتا ہے اور شفاعت کی امداد طلب کرتا ہے۔ایک مسلمان خاصانِ خدا انبیاء واولیاء سے ان کی توجہ اُن کی فیض اپنی مشکلات میں ان کی مدد طلب کرتا ہے مگر یہ سمجھ کر مدد مانگتا ہے کہ انبیاء واولیاء خدا ہی کے مقبول ومحبوب بندے اور خدا ہی کی افضل واعلیٰ مخلوق ہیں۔اور ان مقدس بندوں کے پاس جو طاقت وقدرت بھی ہے وہ خدا ہی کی بخشی ہوئی ہے اور وہ خدا ہی کے حکم سے ہماری امداد ومدد فرماتے ہیں۔تو کون ہے؟ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ایاك نستعین کی مقدس تعلیم دین پر عمل نہیں کرتے اور کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ شرک کر رہے ہیں؟ مگر مسلمانو! ذرا غور کرو کہ اس حقیقت کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی کچھ مولوی صاحبان ان موحد مسلمانوں کو علی الاعلان مشرک کہتے ہیں۔جو اپنے جوشِ محبت میں یَا رَسُوْلَ اللہِ نسلك الشفاعة اور یا شیخ عبد القادر جیلانی شیـــا للہ کا نعرہ لگاتے ہیں۔للہ عزوجل! انصاف کرو۔کیا یہ ہمالیہ سے زیادہ بڑا ظلم وستم نہیں ہے؟ کہ سچے مسلمان کے صاف وشفاف دامن توحید پر شرک کی نجس اور گندی کیچڑ اچھالی جائے۔اے مسلمانوں پر فتویٰ لگانے والو! للہ عزوجل! خدا کا خوف کرو اور اپنی زبانوں کی برچھیوں اور نوکِ قلم کے تیروں سے مسلمانوں کی رگِ ایمان کو زخمی نہ کرو۔ہم تم سے اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ کہ۔

قریب ہے یار روزِ محشر' چھپے گا کشتوں کا خون کیوں کر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر' لہو پکارے گا آستیں کا

اور مسلمانو! ہم تم سے ہمیشہ یہی کہتے رہے اور آج بھی ہم تم سے یہی کہتے ہیں کہ

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر
لباسِ خضر میں یاں سینکڑوں رہزن بھی رہتے ہیں

خدا کے لئے تو تم ایمان کے ان رہزنوں سے ہوشیار رہو۔ان سے دور رہو میری دعا ہے کہ خداوند کریم اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل میں تمہارے دین وایمان کی حفاظت فرمائے (آمین)

صراطِ مستقیم

بہر کیف اب اگلی آیت کا ترجمہ سنئے ! حضرت حق جل جلالہ نے اپنے بندوں کو یہ حکم دیا کہ اے میرے بندو! تم لوگ میرے دربار میں یہ اقرار کر لینے کے بعد کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے اور خدا کے سوا کسی کو اپنا حقیقی حاجت روا سمجھ کر اس سے استعانت نہیں کرو گے۔ اب تم لوگ اپنی دعا کی درخواست بارگاہِ الٰہی میں اس طرح پیش کرو کہ اھدنا الصراط المستقیم یعنی اے اللہ عزوجل! ہماری زندگی کا سب سے اعلیٰ مقصد اور ہماری حیات کا نصب العین یہی ہے کہ تو ہم کو ''صراطِ مستقیم'' یعنی سیدھے راستے پر چلا۔

حضرات! جب بندے نے خدا سے یہ دعا مانگی کہ تو ہم کو صراطِ مستقیم پر چلا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''صراطِ مستقیم'' کیا ہے؟ اور سیدھا راستہ کون سا ہے؟ تو اگلی آیت میں خداوند عالم نے صراطِ مستقیم کی توضیح و تشریح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یعنی ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو نہ چلا جو تیرے غضب میں گرفتار ہوئے اور نہ ان لوگوں کے راستے پر ہم کو چلا جو گمراہ اور بھٹکے ہوئے ہیں۔

تین راستے

حضرات! اس آیت سے معلوم ہوا کہ راستے تین ہیں ایک انعام خداوندی پانے والوں کا راستہ' دوسرا خدا کے غضب میں پڑنے والوں کا راستہ' تیسرا گمراہوں کا راستہ۔ احکم الحاکمین نے اپنے مومن بندوں کو اس آیت میں یہ حکم عطا فرمایا ہے کہ تم لوگ خدا سے صراطِ مستقیم پر استقامت طلب کرو۔ یعنی ان تینوں راستوں میں سے اس راستہ پر چلنے کی دعا مانگو جو خدا کے ان بندوں کا راستہ ہے جن کو خداوند قدوس نے اپنے انعام و اکرام سے دونوں جہان میں سرفراز فرمایا ہے۔ ان دو راستوں سے بچنے کی دعا مانگو کہ جو ان سیہ بختوں اور بدنصیبوں کا راستہ ہے جن پر قہر قہار اور غضب جبار کی مار پڑ گئی ہے اور جو گمراہیوں کے عمیق غار میں گر کر عذاب نار کے سزاوار ہو چکے ہیں۔

صراطِ مستقیم کون ہے؟

حضرات! اب آپ نے خوب اچھی طرح سمجھ لیا کہ ''صراطِ مستقیم'' وہی راستہ ہے جو انعامِ خداوندی پانے والوں کا راستہ ہے۔ تو اب ذرا یہ بھی سن لیجئے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر خدا کا انعام ہے؟ سنئے خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء)

یعنی جو اللہ عزوجل اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان لوگوں کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

حضرات! سن لیا آپ نے؟ جن لوگوں پر خدا کا انعام ہے ان کی چار جماعتیں ہیں۔ اول نبیوں کی جماعت' دوسرے صدیقوں کی جماعت' تیسرے شہیدوں کی جماعت' چوتھے صالحین کی جماعت۔ دیکھ لیجئے۔ قرآن کریم نے صاف صاف فرما دیا کہ ان چاروں جماعتوں پر خدا کا انعام ہے اور ان ہی چاروں جماعتوں کا راستہ ''صراطِ مستقیم'' ہے جو ہر مومن کی حیات کا سب سے بڑا نصب العین اور اس کی زندگی کا مقصد اعلیٰ و مقصود اعظم ہے۔ جس کے لئے ہر مومن اپنی نماز کی ہر ہر رکعت میں گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگتا ہے اور جو راستہ ان چاروں مقدس جماعتوں کی راہ کے خلاف ہے۔ وہ یقیناً ان ربختوں کا راستہ ہے جو غضب الٰہی کی لعنتوں کے حقدار اور گمراہی کے وبال عظیم میں گرفتار ہیں۔ خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں' یا کفار و مشرکین ہوں یا منافقین و مرتدین ہوں۔ خدا کی قسم! یہ سب کے سب مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور سب کے سب ''ضَآلِّيْن'' ہیں اور ان سب کا مذہب و مسلک نارِ جحیم کی وہ بھیانک اور خوفناک سڑک ہے۔ جس پر چلنے والوں کا انجام ''عذاب الیم'' کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

معمولاتِ اہل سنت

برادرانِ ملت! جب اس آیت سے یہ ثابت ہو گیا کہ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کا راستہ ہی ''صراطِ مستقیم'' ہے اور ان ہی لوگوں کا راستہ شاہراہ ہدایت ہے۔ تو اب یہ مسئلہ

آفتاب کی روشنی کی طرح روشن ہوگیا۔ کہ جس طرح نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ ان چاروں مقدس جماعتوں کا طریقہ ہے۔ اسی طرح میلاد شریف' قیام' صلوٰۃ وسلام' فاتحہ وزیارتِ قبور' تعظیم انبیاء واکرامِ اولیاء وغیرہ معمولاتِ اہل سنت بھی ان ہی انبیاء وصدیقین اور شہداء و صالحین ہی کا طریقہ ہے۔ یہ ہرگز ہرگز یہود ونصاریٰ یا کفار ومشرکین کا طریقہ نہیں ہے۔ لہٰذا ثابت ہوگیا کہ یقیناً یہ سب معمولاتِ اہل سنت ''صراطِ مستقیم'' میں داخل ہیں اور ان معمولاتِ صالحین کا انکار کرنے والے بلاشبہ ''صراطِ مستقیم'' سے بھٹکنے والے ہیں۔

حضرات! قرآن مجید کی ایک دوسری آیت بھی اس موقع پر ملاحظہ فرمالیجئے۔ حضرت حق جل مجدہ کا ارشاد ہے

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَاءَتْ مَصِيْرًا (نساء)

یعنی جو شخص ہدایت ظاہر ہوجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے راستہ کے غیر کی پیروی کرے گا ہم اس کو اسی راہ پر لگادیں گے جس راہ پر چلا اور ہم اس کو جہنم میں داخل کردیں گے۔ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ اس آیت میں خداوند عالم نے ''سبیل المومنین'' کا لفظ ارشاد فرمایا جس کے معنی ہیں مومنین کا طریقہ'' اور یہ بھی فرمایا کہ جو طریقہ مومنین کی مخالفت کرتا ہے۔ درحقیقت رسول کی مخالفت کرتا ہے اور جو رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ جہنمی ہے۔

حضرات! ان آیتوں کے بغور دیکھنے سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ ''صراطِ مستقیم'' اور ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' یعنی انعام خداوندی پانے والوں کا راستہ اور سبیل المومنین یعنی مومنین کا طریقہ یہ سب ایک ہی ہیں۔

اب مسلمانو! تم مجھے بتاؤ کہ میلاد شریف اور قیام وسلام' انبیاء واولیاء کی تعظیم' اور ان کا اکرام واحترام یہ سب ''مومنین'' کا طریقہ ہے یا ''کافرین'' کا دنیا میں وہ کون بصارت و بصیرت کا اندھا انسان ہے؟ جو اعمالِ صالحہ کو کافرین کا راستہ اور طریقہ کہہ سکتا ہے؟ یقیناً ہر شخص یہی کہے گا کہ بلاشبہ یہ راستہ اور طریقہ ''مومنین'' کا ہے۔ تو پھر ثابت ہوگیا کہ یہ ''سبیل المومنین'' ہے اور جب یہ ''سبیل المومنین'' ہے تو پھر ثابت ہوگیا کہ یہ ''صراطِ مستقیم'' ہے اور

جب یہ صراطِ مستقیم ہے تو یہ ان ہی لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعامِ خداوندی ہے اور جو اس راستے سے ہٹنے اور بھٹکنے والے ہیں۔ وہ یقیناً ''صراطِ مستقیم'' سے بہکنے والے ہیں۔ اور بلاشبہ ان دو راستوں کے راہی ہیں جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْن کا راستہ ہے کیونکہ میں عرض کر چکا کہ سورۂ فاتحہ نے اعلان کر دیا ہے کہ کل تین ہی راستے ہیں۔ عزیزو اور دوستو! اب تینوں راستے آپ کے سامنے ہیں اور تینوں راستوں پر چلنے والوں کا انجام بھی آپ کے پیش نظر ہے۔ اب تم خود ہی سوچ لو کہ تمہیں کون سے راستے پر چلنا ہے۔

حضرات! آپ اس کے سوا اور کیا کہیں گے؟ کہ ہم کو ''صراطِ مستقیم'' پر چلنا ہے جو ان لوگوں کا راستہ ہے جو انعامِ خداوندی کی دولتوں سے مالا مال ہو کر دونوں جہان کی سعادتوں سے سرفراز ہو گئے۔ خداوند کریم ہمیں اور آپ کو اسی مقدس راستے پر چلائے اور خاتمہ بالخیر عطا فرمائے (آمین)

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمدٍ
وَّآلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

بتیسواں وعظ

روزِ ازل کے دو اجلاس

محمد سے صفت پوچھو خدا کی
خدا سے پوچھئے شانِ محمد ﷺ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔(آل عمران)

حضرات گرامی! ایک ایک بار بہ آوازِ بلند بارگاہِ رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے اور کیف وسرور میں جھوم جھوم کر پڑھیے۔

صَلِّ عَلٰی نَبِیِّنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ　　صَلِّ عَلٰی رَسُوْلِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ　　صَلِّ عَلٰی شَفِیْعِنَا صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حضرات! الحمد للہ عزوجل۔ کہ ہم اور آپ اس وقت ایک جلسہ ''سیرۃ النبی'' میں حاضری کی سعادت سے سرفراز ہو رہے ہیں۔ اور خداوند قدوس کے محبوب اکرم رسولِ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل سے اپنی ایمانی زندگانی کی حیاتِ جاودانی کا سامان کر رہے ہیں۔ جن کی ذات گرامی سے والہانہ محبت عین ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ سبحان اللہ عزوجل۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا، فروغِ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقان، وہی یٰس، وہی طٰہٰ

برادرانِ ملت! اس قسم کے نورانی اجلاس صرف یہیں نہیں بلکہ ملک کے گوشہ گوشہ میں بلکہ تمام عالم اسلام میں پوری شوکت وشان اور نہایت ہی آن بان کے ساتھ ہمیشہ منعقد ہوتے ہی رہتے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک ان جلسوں کا سلسلہ جاری ہی رہے گا۔

رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے

حضرات! اس وقت خطبہ کے بعد میں نے سورۂ آل عمران کی جن دو آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان دو آیتوں کا مضمون کیا ہے؟ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ یہ دونوں آیتیں اسی قسم کے ایک بہت ہی عظیم الشان اجلاس سیرۃ النبی کی مکمل روداد اور مفصل رپورٹ ہیں۔ یہ عظیم الشان اجلاس اس وقت منعقد ہوا تھا جب روئے زمین پر انسان کا جنم بھی نہیں ہوا تھا۔ بلکہ روحِ انسانی کا جسم انسانی سے ملاپ بھی نہیں ہوا تھا۔ اس ایمانی اجلاس اور روحانی اجتماع کا انعقاد عالم ارواح میں ہوا۔ اور اس بے مثل و بے مثال جلسے کو خداوند لم یزل ولایزال نے منعقد فرما کر خود ہی اس اجلاس کو اپنے خطاب سے سرفراز فرما۔

حضراتِ گرامی! بات آ گئی ہے تو ذرا تفصیل سے سن لیجئے۔ خالق کائنات جل جلالہ نے انسان کے روئے زمین پر آباد ہونے سے بہت پہلے عالم ازل میں دو بڑے ہی عظیم الشان جلسوں کا انعقاد فرمایا! ایک ''جلسۂ توحید'' دوسرا ''جلسۂ سیرت'' جلسہ توحید ایک عام جلسہ تھا۔ جس میں عوام وخواص سبھی شریک اجلاس تھے۔ لیکن جلسۂ سیرت بہت خاص الخاص اجلاس تھا۔ جس میں صرف ایسے خواص ہی مدعو تھے جو ساری کائناتِ عالم میں سب سے افضل و اعلیٰ تھے اور ان دونوں جلسوں کو خود خلاقِ عالم نے اپنے شرف خطاب سے نوازا اور حاضرین اجلاس کو اپنے کلمات طیبات کی لطافتوں اور اپنے کلامِ بلاغت نظام کی لذتوں سے لطف اندوز فرمایا۔
سبحان اللہ سبحان اللہ! ان دونوں جلسوں کی عظمت وجلالت کا کیا کہنا؟ جن جلسوں کا داعی وبانی خلاقِ عالم ہو۔ اور ان دونوں جلسوں کی کیفیت خطاب کی لذت کا کیا پوچھنا؟ جس میں خداوند قدوس کی شانِ کبریائی نے اپنی تجلیٔ خطابت کے جلووں سے سامعین کی دنیائے دل ودماغ کو

جگمگا دیا ہو۔ اللہ اللہ جل جلالہ! یہ جلسے تھے۔؟ یا رحمت الٰہی کی وہ بہشت تھی جس کے ہر نقش و نگار پر تمام جنتوں کی رعنائیاں قربان تھیں۔ اللہ اکبر! یہ خداوند قدوس کا خطاب تھا؟ یا اس کے انوارِ فضل و کرم کی وہ موسلا دھار بارش تھی کہ جس کی ایک بوند اگر جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں پر پڑ جائے تو آگ میں ایسے ہرے بھرے باغ لگ جائیں کہ فردوسی چمن اور جنتی گلشن اس سے سبزی و شادابی کی بھیک مانگنے لگیں۔ سبحان اللہ عزوجل! ان جلسوں کے حسین مناظر پر حسن کائنات کی دلفریبیاں تصدق اور اس خطاب خداوندی کی لذتوں پر جنتی نعمتوں کی جان پر قربان۔ واللہ اب ان مقدس جلسوں کے نورانی مناظر کے دیدار کے لئے قیامت تک کائنات عالم کی مشتاق نگاہیں ترستی رہیں گی اور بخدا اس خطابِ خداوندی کی لذتوں کے لئے دنیائے حواس کی پیاس ہمیشہ تشنہ کام ہی رہے گی۔

بڑھئے بآوازِ بلند ایک بار درود شریف وَصَلَّي اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً وَّسَلَامًا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

جلسہء توحید

بہر کیف اب میں روز ازل کے جلسہء توحید کی روداد سناتا ہوں اس کے بعد جلسہء سیرت کی سرگزشت بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

حضراتِ گرامی! حدیث شریف میں ہے کہ روزِ ازل میں پرودگار عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت مبارک سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو باہر نکالا۔ اور یہ سب ننھی ننھی چیونٹیوں کی طرح ایک جگہ خدا کے حکم سے جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ کتنا بڑا اجتماع عظیم ہوگا۔ جس میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام اوّلین و آخرین۔ سبھی ایک جگہ اجلاس میں جمع ہوں گے۔ اس عظیم الشان اجلاس کو خطاب فرماتے ہوئے حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' یعنی اے اولاد آدم! بولو اور جواب دو کہ کیا میں تم سب کا رب نہیں ہوں؟ تو تمام حاضرین اجلاس نے یک زبان ہو کر علی الاعلان یہ عرض کیا کہ ''بلیٰ'' یعنی کیوں نہیں۔ اے اللہ عزوجل! ہم سب اس بات کا عہد و اقرار کرتے ہیں کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے۔ خداوند قدوس نے ان انسانوں سے یہ اقراری بیان لے کر انسان کو ایک دوسرے کے عہد و اقرار پر گواہ بنا دیا۔ اور پھر اس کے بعد اس جلسہ اور اس عہد و میثاق کی وجہ اور اس کا سبب بھی حضرت حق نے بیان فرما دیا کہ ہم نے یہ جلسہ کر کے تم انسانوں سے یہ عہد اقرار

اس لئے کرالیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ قیامت میں یہ کہنے لگو۔ کہ اے اللہ! ہم تو اس سے غافل وناواقف تھے اور ہم جانتے ہی نہیں تھے کہ تو ہمارا رب ہے۔ اس لئے لاعلمی میں ہم شرک کر بیٹھے۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اے اللہ! چونکہ ہمارا باپ دادا شرک کرتے تھے اور ہم انہیں کی اولاد تھے۔ اس لئے ہم اپنے باپ دادا کے دھرم پر چل پڑے۔ لہٰذا اس میں ہمارا قصور نہیں۔ اصل مجرم تو ہمارے باپ دادا ہیں۔ پھر ان کے گناہوں کی پاداش میں تو ہمیں کیوں عذاب دے رہا ہے؟ اس لئے اے انسانو! ہم نے تم پر اپنی حجت تمام کر لینے کے لئے اس جلسہ میں تم کو ملا کر تم سے اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لے لیا ہے۔ تاکہ تمہارے لئے قیامت میں کسی قسم کی عذر کی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔

حضرات! اب ذرا قرآن کی مقدس زبان سے بھی اس کا تفصیلی بیان سن لیجئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا۔

یعنی اے محبوب! یاد کرو کہ جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا۔ اور انہیں خود ان کی ذاتوں پر گواہ بنایا اور یہ فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔

اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (اعراف)

یہ اس لئے ہوا کہ تم کہیں قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔ یا یہ کہہ دو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کے بچے ہوئے۔ تو کیا (اے اللہ عزوجل) تو ہم کو اس گناہ پر ہلاک فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا؟

برادرانِ اسلام! یہ تھی روز ازل کے جلسۂ توحید کی روئداد کہ حضرت رب العزت جل مجدہ نے تمام اولین و آخرین کو اس جلسہ میں بلا کر صرف دو جملوں میں تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت اور توحید کا عہد لیا اور اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا۔ اور وہ دونوں جملے یہی ہیں جن کو آپ سن چکے کہ باری تعالیٰ نے ''اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ'' فرمایا اور تمام انسانوں نے بلیٰ کہہ کر عہد کیا۔ پھر بانیٔ اجلاس یعنی رب الناس جل جلالہ نے اس اجلاس کے مقصد پر روشنی ڈال کر جلسہ

کے اختتام کا اعلان فرمادیا۔

جلسہء سیرت

حضرات! جلسہء توحید کی سرگزشت تو آپ نے سن لی۔ اب ذرا جلسہء سیرت کی کارروائی بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ اس جلسۂ میں خداوند عالم نے تمام انسانوں کا عام اجتماع نہیں فرمایا۔ بلکہ انسانوں میں سے صرف ان مقدس اور برگزیدہ نفوسِ قدسیہ کو مدعو فرمایا جو تمام کائناتِ عالم میں سب سے افضل واعلیٰ ہیں اور جن کے سروں پر رب العزت نے نبوت کا تاج رکھ کر اقلیم عظمت کا تاجدار بنایا ہے۔ چنانچہ تمام انبیائے کرام جب شریک اجلاس ہو چکے تو حضرت حق جل وعلا نے ان تاجدارانِ نبوت کو اپنے خطاب سے سرفراز فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ اے تاجدارانِ نبوت! سن لو۔ کہ تم لوگوں کو منصب نبوت کی عظمت سے سرفراز کروں گا۔ اور تم لوگوں کو کتاب وحکمت کی انمول دولت سے مالامال فرما کر اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں بھیجوں گا۔ پھر گلستانِ نبوت کا سب سے حسین پھول میرا سب سے زیادہ پیارا رسول، جن کا نامِ اسم گرامی ''محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ہے۔ وہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ تمہاری نبوت ورسالت پر اور تماری کتاب وشریعت پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرما کر تمہاری صداقت کا علم بلند فرمائیں گے تو اے نبوت کے تاجداور! تم میرے اس اس دربار میں اس شہنشاہ رسالت کے لئے حلف وفاداری اٹھاؤ اور عہد کرو کہ اگر وہ تمہارے دور میں تشریف لائیں تو تم ضرور ضروان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور ان کی امداد ونصرت کے لئے کمر بستہ ہو کر تیار ہو جاؤ گے۔ حضرت حق جل جلالہ کا یہ فرمانِ خداوندی سن کر تمام انبیاء ومرسلین نے پورے جذبہ اطاعت شعاری کے ساتھ دربار باری میں عہد وفاداری کا اعلان کیا۔ اور پھر خداوند قدوس نے طرح طرح سے اپنے فرمانِ خداوندی کی ہیبت وجلال سے اس عہد وپیان کو محکم ومستحکم فرمایا۔ اور کس کس طرح اس عہد ومیثاق پر تاکید کی مہر ثبت فرمائی۔ اس کا تفصیلی بیان ذرا قرآن مجید کی مقدس زبان سے سنئے۔ حضرت حق مجل مجدہ کا ارشاد ہے۔ کہ

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(آل عمران)

یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے اس بات کا پختہ عہد لیا تھا کہ میں جو تم کو کتاب و حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرے تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا۔ اور ضرور ضرور ان کی مدد کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم لوگوں نے اس کا اقرار کیا؟ اور اس پر میرا بھاری عہد لیا۔ تو تمام نبیوں نے کہا کہ ہم نے اس عہد کا اقرار کیا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ تو پھر اس عہد کے اقرار پر تم لوگ ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ اور میں بھی تم لوگوں کے ساتھ گواہوں میں ہوں۔ تو اب جو کوئی اسکے بعد اقرار سے پھرے گا تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

مسلمانو! خطابِ الٰہی کی اس پر جلال عظمت پر ایک نگاہ ڈالو۔ کہ ابھی یہ انبیاء کرام دنیا میں تشریف بھی نہیں لائے ہیں۔ نہ ابھی نبی آخر الزمان نے اس عالم رنگ و بو کو اپنے مقدس قدموں سے پامال فرمایا ہے۔ ابھی سب کے سب عالم ارواح کی دنیا میں آباد ہیں مگر ابھی سے جناب باری "عز اسمہ" نے تمام نبیوں اور رسولوں سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق و وفاداری اور نصرت و خدمت گزاری کا عہد محکم لے لیا۔ اور عہد بھی کیسا؟ ایسا عہد جس کا نام "میثاق" ہے یعنی اتنا مضبوط و محکم عہد اور وعدہ جو کبھی ٹوٹ نہ سکے۔ پھر ذرا خداوند عالم کی شانِ تکلم کا پر جلال تیور تو ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے تو لام تاکید یا نونِ تاکید کے ساتھ یہ شہنشاہی آرڈر دیا جاتا ہے۔ کہ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ کہ ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور صرف ایمان لانا ہی تمہارا فریضہ نہیں بلکہ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ یعنی یہ بھی تمہاری ڈیوٹی کے فرائض کا اہم ترین فریضہ ہے۔ کہ تم جہاں بھی رہو جس حال میں بھی رہو جس کام میں بھی رہو بہر حال ہر دم ہر قدم پر نبی آخر الزمان کی نصرت و یاری اور پوری پوری خدمت گزاری بھی کرتے رہو۔ اور اپنے تن من دھن کے ساتھ ان کی چشم و ابرو کے ہر اشارہ پر وفاداری اور جان نثاری کے جذبہ سے اپنا سب کچھ

قربان کرنے کے لئے تیار رہو۔

حضرات! خداوند ذوالجلال کا یہ پرجلال فرمان ہی انبیائے کرام کے لئے بہت کافی تھا۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ معصوموں کی یہ مقدس جماعت فرمانِ الٰہی کی تعمیل سے ذرہ برابر بھی روگردانی یا کوتاہی کرتی۔ مگر حضرت حق کے جلال نے اپنے اس فرمان ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اپنے اس فرمان والاشان کے بعد اپنے شہنشاہی آمرانہ انداز اور حاکمانہ لہجہ میں انبیائے کرام سے سوال فرمایا کہ "کیا تم لوگوں نے میرے اس فرمان کی اطاعت گزاری اور فرمان برداری کا اقرار کر لیا؟" اس کے جواب میں تمام نبیوں اور رسولوں نے اپنے انتہائی جذبہ عبودیت و جوشِ اطاعت کے ساتھ " اقررنا" کہ کر خدا کے اس حکم کی فرماں برداری کا اقرار کیا۔ پھر اس اقرارِ عہد کے بعد بھی رب العزت نے جلسہ برخاست کرنے کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ایک دوسرا آرڈر دیا کہ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی اے نبوت کے تاجدارو! تم نے اپنے سب سے بڑے شہنشاہِ رسالت کی تصدیق واطاعت کا حلفِ وفاداری تو اٹھالیا لیکن اب تم لوگ اپنے اس عہد کے اقرار پر ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ۔ اور میں خود بھی تمہارے اس اقرار پر گواہ ہوں۔

حضراتِ گرامی! پروردگارِ عالم نے فرمان صادر فرمایا۔ پھر حضراتِ انبیائے کرام سے اس فرمان کی قبولیت واطاعت کا اقرار بھی کرالیا۔ پھر اس اقرار پر سب کو گواہ بھی بنالیا۔ پھر خود بھی اپنے گواہ ہونے کا اعلان فرمادیا۔ مگر اب بھی خطابِ الٰہی کا جلال ختم نہیں ہوا۔ بلکہ انبیائے معصومین کو جن سے معصیت روگردانی کا کوئی امکان ہی نہیں تھا ایک وعید شدید سنا کر ایسی تاکید مزید فرمادی کہ رسول تو رسول نبی تو نبی ان کا کوئی ادنیٰ امتی بھی نافرمانی کے تصور ہی سے لرزہ براندام ہوجائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جو کوئی اس کے بعد اپنے عہد سے پھرے گا اس کا نام فاسقوں کی فہرستوں میں لکھ دیا جائے گا۔

دونوں جلسوں کا فرق

برادرانِ ملت! آپ نے روزِ ازل کے اجلاسِ توحید اور جلسۂ سیرت دونوں کی مفصل رپورٹ ملاحظہ فرمالی "اجلاسِ توحید" ایک دربار عام تھا جس میں انبیاء و مرسلین بھی شریک اجلاس تھے اور دوسرے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسان بھی حاضر تھے۔ مگر "جلسۂ سیرت" ایک دربارِ خاص تھا جس میں انبیاء و مرسلین کے سوا کسی کا گزر نہیں تھا۔ اجلاس توحید

میں خداوند ذوالجلال نے تمام انسانوں سے اپنی توحید وربوبیت کا عہد لیا اور جلسۂ سیرت میں تمام انبیاء اور رسولوں سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق ونصرت کا عہد لیا۔

حضرات! اگر آپ نے میری تقریر کو غور سے سنا ہے تو یقیناً آپ نے خداوند عالم کے طرز خطاب سے اندازہ لگالیا ہوگا۔ کہ خلاقِ عالم نے انبیاء کرام سے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تصدیق ونصرت اور امداد واعانت کے لئے کس شان کے ساتھ عہد لیا؟ اور اس عہد ومیثاق کے اتمام واستحکام میں کس قدر اور کتنا عظیم الشان اہتمام فرمایا؟ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ حضرت حق جل جلالہ کو انبیائے کرام پر اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ اے تاجدارانِ نبوت! تم کو اگرچہ میں نے منصب نبوت پر فائز فرمایا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تم کو اپنے امتیوں پر فضل وکمال کی جتنی فوقیت حاصل ہے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر تمہارے اوپر شہنشاہِ رسالت کو افضلیت حاصل ہے۔ تم انبیاء ہو تو وہ امام الانبیاء ہیں۔ تم نبیین ہو تو وہ خاتم النبیین ہیں۔ تم مرسلین ہو تو وہ سید المرسلین ہیں۔ وہ مراتب ودرجات اور فضائل وکمالات کے اتنے بڑے بادشاہ بلکہ شہنشاہ ہیں کہ تمہاری نبوت کے تاج ان کے دربارِ جود وسخا میں کاسۂ گدائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ان کی تصدیق کے چراغ روشن کرکے اپنی نبوت کے تاج کو عزت وعظمت کا آفتاب بنالو اور جذبہ عقیدت وجوش اطاعت کے ساتھ ان کی حمایت ونصرت کا علم بلند کرکے اپنے عزت ووقار کے پرچم کو سربلند کرلو۔

حضراتِ گرامی! اسی عہد ربانی کا جلوہ ہے کہ ہر نبی ورسول اپنے اپنے دور میں حضور نبی آخرالزمان خاتم پیغمبراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کا نقیب اور ان کی مدح وثنا کا خطیب رہا۔ چنانچہ حضرت آدم صفی اللہ سے لے کر حضرت عیسیٰ روح اللہ تک جتنے نبی ورسول دنیا میں تشریف لائے سبھی نبی آخرالزماں کی آمد آمد کا مژدہ سناتے رہے اور طرح طرح سے بارگاہِ عظمت میں اپنی نیازمندیوں کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ

چنانچہ خدا کے سب سے پہلے نبی حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بہشت سے روئے زمین پر تشریف لائے۔ اور خدا سے اپنی مغفرت کی دعا مانگی تو جناب باری میں گریہ وزاری کے ساتھ یوں عرض کیا کہ **یَارَبِّ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَلِیْ** یعنی اے میرے پروردگار! میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل میں اپنی مغفرت کی دعا کرتا

ہوں۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام! میں نے تو انہیں ابھی پیدا بھی نہیں فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے سر اٹھا کر جو دیکھا تو مجھے عرش پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کتبہ نظر آیا۔ تو میں نے اسی وقت یہ جان لیا تھا۔ کہ تیرے نام کے ساتھ جس کا نام عرش پر لکھا ہوا ہے۔ یقیناً یہ وہ ہستی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی تیرا محبوب نہیں ہوسکتا۔ اس وقت خداوند عالم نے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام! تم نے بالکل سچ کہا کہ اِنَّہٗ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ فَغَفَرْتُ لَکَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ لَمَا خَلَقْتُکَ ۔ (روح البیان ص ۲۳۴ احزاب) یعنی بے شک وہ تمام مخلوق میں سب سے بڑھ کر میرا محبوب اور پیارا ہے اور میں نے اے آدم علیہ السلام تم کو اپنی مغفرت کی عنایتوں سے اس کے طفیل میں سرفراز فرمادیا اور اے آدم علیہ السلام سن لو! اگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا ہی نہیں فرماتا۔

اگر نام محمد ﷺ رانیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی کو اپنا شفیع نہ بناتے اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی کے ماتھے پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طغریٰ نہ تحریر فرماتے تو نہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ مقبول ہوتی اور نہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کی موجوں سے ساحل نجات پر پہنچتی۔

دعائے خلیل اللہ علیہ السلام

اسی طرح کعبہ کے بانی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر جو دعا مانگی اس میں نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کے لئے خدا سے ان لفظوں میں التجا کی۔ اور رب البیت کی بارگاہِ عظمت میں یوں عرضی پیش کی کہ وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ یعنی اے کعبہ کے رب! میرے نورِ نظر حضرت اسماعیل کی اولاد میں اپنے عظمت والے رسول نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمادے۔ چنانچہ آپ کی یہ پیاری پیاری دعا جنابِ باری کی بارگاہِ عالی میں مقبول ہوئی کہ

ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

لحن داؤدی کا نغمہ

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف میں یہ وحی نازل ہوئی۔ جس کو حضرت داؤد علیہ السلام اپنی لحن داؤدی کی لے میں تمام عمر بنی اسرائیل کو سناتے رہے۔

يَادَاوُدُ اِنَّهُ سَيَاتِيْ بَعْدَكَ مَنْ اِسْمُهُ اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ صَادِقًا نَبِيًّا لَا اَبْغَضُ عَلَيْهِ اَبَدًا وَّلَا يَعْصِيْنِيْ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُ مُحَمَّدًا وَّ اُمَّتَهُ عَلَى الْاُمَمِ كُلِّهِمْ

(بیہقی)

یعنی اے داؤد علیہ السلام عنقریب تمہارے بعد وہ تشریف لانے والے ہیں جن کا نام احمد اور محمد ﷺ ہے اور خدا کے سچے نبی ہیں۔ میں ان پر کبھی ناراض نہیں ہوگا اور نہ کبھی وہ میری نافرمانی کریں گے۔ اور میں نے ان کو اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

حضرت سلیمان کا فرمان

حضرات! اسی طرح منقول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک روز اپنے تخت پر رونق افروز ہو کر ہوا کے دوش پر سفر فرما رہے تھے کہ ناگہاں آپ کا گذر مدینہ منورہ کی فضا پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ

هٰذِهٖ دَارُ هِجْرَةِ نَبِيِّ اٰخِرِ الزَّمَانِ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ وَاتَّبَعَهٗ

(نصرۃ الواعظین)

یعنی یہ شہر نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے خوش نصیب اس شخص کا جو ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کرے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سچ ہے کہ

وہ جس کی شان میں داؤد نے نغمہ سرائی کی
وہ جس کی یاد میں شاہ سلیماں نے گدائی کی

حضرت موسیٰ کا نعرہ

حضرات! اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ میں یہ وحی الٰہی اتری جس کو خدا کے کلیم نے عمر بھر اپنے پر جلال لہجہ میں اپنی امت کو سنایا کہ

يٰمُوْسٰى مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاَحْمَدَ مِنْ جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَمْ يُصَدِّقْ كَانَتْ حَسَنَاتُهٗ مَرْدُوْدَةً عَلَيْهِ وَمَنَعْتُهٗ حِفْظَ

یعنی اے موسیٰ! تمام رسولوں میں سے جو بھی احمد پر ایمان نہیں لائے گا تو میں اس کی تمام نیکیوں کو مردود کر دوں گا اور اس کو نہ حکمت کے

اَلْحِکْمَةَ وَلَا اُدْخِلُ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرَ الْھُدٰی وَاَمْحُوْ اِسْمَهٗ مِنَ النُّبُوَّةِ (مطالع المسرات)

حفظ کی توفیق دوں گا اور نہ اس کے قلب میں ہدایت کا نور داخل کروں گا۔ بلکہ نبوت کے دفتر سے اس کا نام مٹا دوں گا۔

حضرت عیسیٰ کی بشارت

حضرات! یوں ہی حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ والصلوٰۃ والسلام کے بارے میں قرآن کی علی الاعلان شہادت موجود ہے کہ

مُبَشِّراً ۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام یہ خوشخبری سناتے ہوئے تشریف لائے کہ میرے بعد ایک عظمت والے رسول تشریف لانے والے ہیں۔ جن کا نام نامی و اسم گرامی ''احمد'' ہوگا۔

سبحان اللہ!

جس کی ہر اول فوج سلماں جس کے منادی موسیٰ عمراں
جس کے مبشر عیسیٰ مریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بنی اسرائیل کی فریاد

حضرات! انبیائے بنی اسرائیل میں ایک حضرت مسیح علیہ السلام ہی نہیں بلکہ اولادِ یعقوب علیہ اسلام میں مبعوث ہونے والے ہر ہر نبی نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وثنا کا خطبہ پڑھتے ہوئے ان کی بعثت کی خوشخبری سنائی۔ اور اپنی اپنی امتوں کے دلوں میں حضور نبی آخر الزمان کی عظمت ومحبت کا ایسا سکہ بٹھا دیا۔ کہ یہ لوگ دن رات، صبح شام ان کی جلوہ گری کا انتہائی بے قراری کے ساتھ انتظار کرتے رہے اور غائبانہ ان کی جناب تقدس مآب میں طرح طرح سے نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ

وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا

یعنی بنی اسرائیل جب مشرکین سے جہاد فرماتے تھے تو نبی آخر الزمان کا وسیلہ پیش کرکے بارگاہِ خداوندی سے اپنی فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔

اور گریہ وزاری کے ساتھ جناب باری کے حضور اس طرح فریاد واستغاثہ پیش کیا کرتے تھے کہ

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِیْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِی التَّوْرٰةِ ـ

یعنی الٰہی! تو اس نبی آخر الزمان کے طفیل میں ہم کو کفار پر فتح و نصرت عطا فرما جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے اپنی مثنوی میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ چند اشعار آپ بھی سن لیجئے۔

سجدہ می کردند کاے ربِّ بشر
درعیاں آریش اورا زود تر

یعنی بنی اسرائیل سجدے میں رگڑ رگڑ کر یوں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے رب! تو جلد سے جلد تر ان کو ظاہر فرمادے۔

تا بنامِ احمد آں یستفتحون
باغیانِ شاں می شدندے سرنگوں

یہاں تک کہ وہ لوگ جب احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لے کر خدا سے فتح و نصرت کی دعا مانگتے تو ان کے دشمن کفار و مشرکین مغلوب و سرنگوں ہو جایا کرتے تھے۔

ہر کجا حربِ مہول آمدے
غوثِ شاں کرارِی احمد بدے

جہاں بھی اور جب بھی کوئی ہولناک جنگ ہوتی۔ تو حضور احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امدادی جملہ بنی اسرائیل کا فریادرس بن جاتا تھا اور ان کو فتح مبین نصیب ہو جاتی تھی۔

نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بوسہ

حضرات! اسی طرح عیسائیوں کا ایک گروہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس قدر والہانہ حسن اعتقاد رکھتا تھا کہ یہ لوگ انجیل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام نامی کو فرط عقیدت سے چوم لیا کرتے تھے اور ان کے اس عمل کی یہ برکت تھی کہ وہ ہر قسم کی ذلت وخواری اور افلاس و بیماری وغیرہ کی بلاؤں سے محفوظ رہتے تھے۔ اس واقعہ کو بھی مولانائے مثنوی نے بڑی دل کشی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

بود در انجیل نام مصطفٰی ﷺ
آں سر پیغمبراں بحر صفا

یعنی انجیل میں تمام پیغمبروں کے سرور اور صدق و صفا کے سمندر پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام اطہر تحریر تھا۔

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب
چوں رسیدندے بآں نامِ وخطاب
بوسہ دادندے بآں نامِ شریف
رونہادندے برآں وصف لطیف

یعنی نصرانیوں کی ایک جماعت جب اس نام وخطاب تک پہنچی تھی۔ تو ثواب سمجھ کر اس نام شریف کو چومتے تھے اور آپ کے اوصاف پر تعظیماً اپنا چہرہ رکھ دیا کرتے تھے۔

ایمن از شرِ امیراں و وزیر
در پناہِ نامِ احمد مستجیر

یعنی یہ لوگ اپنے اس عمل کی برکت سے بادشاہوں اور وزیروں کے شر و فساد سے بے خوف اور نامِ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ میں رہتے تھے۔

نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد
نورِ احمد ناصر آمد یار شد

ان لوگوں کی نسل بھی بہت زیادہ بڑھ گئی۔ کیوں نہ ہو؟ کہ احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ان کا ناصر و مددگار بن گیا۔

اللہ اکبر! کہاں ہیں وہ گستاخ و بے ادب لوگ جو اذان و اقامت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سن کر تعظیم وادب سے انگوٹھہ چومنے والوں کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔ وہ آنکھ کھول کر دیکھ لیں کہ نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چومنے والوں کو کیسی کیسی برکتیں ملا کرتی ہیں۔ چنانچہ اذان میں نام محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن کر انگوٹھا چومنے والوں کے لئے یہ بشارت ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کبھی اندھے نہیں ہوں گے۔ اس موضوع پر دیکھو اعلیٰ حضرت قبلہ کا رسالہ (منیر العینین)

مگر مسلمانو! یہ سب دیکھنا' دکھانا ماننے والوں کے لئے ہے۔ نہ ماننے والوں کے لئے تو ہزاروں دفتر اور دلائل و شواہد کے سینکڑوں آفتاب و ماہتاب بھی بیکار ہی ہیں۔ نہ ماننے والوں کا تو بجز انکار اور عیب جوئی کے کوئی کام ہی نہیں رہتا غالباً آپ لوگوں نے ایک ہٹ دھرم عورت کا قصہ تو سنا ہوگا۔

لطیفہ

سنا ہے کہ ایک بہت ہی با کرامت ولی تھے۔ جن کی ولایت و کرامت کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ مگر ان کی بیوی صاحبہ کو ان سے کچھ ایسی چڑ ہو گئی تھی کہ وہ ہمیشہ ان کی عیب جوئی میں مصروف رہا کرتی تھی اور کسی طرح ان کی ولایت و کرامت کی قائل ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن با کرامت ولی کو جو جلال آیا۔ تو وہ ہوا پر اڑنے لگے اور اپنے مکان کے اوپر فضا میں کئی چکر لگا کر زمین پر اتر پڑے۔ ان کی بیوی نے جو ایک انسان کو ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کو بیحد تعجب ہوا اور اس کے دل میں اولیاء اللہ کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد با کرامت ولی جو مکان میں آئے اور اپنے مصلّٰی پر بیٹھ کر وظیفہ پڑھنے لگے تو بیوی نے تڑپ کر کہا کہ تم کیا بیٹھے تسبیح پھرا رہے ہو اور وظیفہ گھونٹے جا رہے ہو؟ کیا دھرا ہے تمہاری تسبیح اور وظیفے میں؟ میں نے آج ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ ایک تم ہو کہ کسی کام کے نہیں۔ با کرامت ولی نے فرمایا کہ کیا تم نے ان بزرگ کو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ بیوی نے چلا کر کہا کہ ہاں ہاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ بے تکلف ہوا میں اڑتے ہوئے میرے مکان کے اردگرد چکر لگا رہے تھے۔ با کرامت ولی نے فرمایا کہ اے اللہ عزوجل کی بندی! وہ میں ہی تو تھا۔ تم نے میرا عمامہ اور جبہ دیکھ کر بھی مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے تو اڑتے ہوئے تمہیں دکھا دکھا کر مکان کے گرد کئی چکر لگائے تھے تا کہ تم میری یہ کرامت دیکھ کر میری بدگوئی سے باز آ جاؤ۔ بیوی نے یہ سن کر کہا کہ اچھا' اچھا وہ تم ہی تھے۔ ٹھیک ہے میں سمجھ گئی۔ وہ تم ہی تھے۔ اسی لئے ذرا ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔

مسلمانو! دیکھ لیا آپ نے؟ ہٹ دھرم بیوی نے با کرامت ولی کو ہوا میں اڑتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ مگر انکار کا کیڑا اس کے دماغ سے نہیں نکلا۔ وہ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے باز نہیں آئی۔ بالکل ٹھیک یہی حال منکرین کا ہے کہ ہزاروں دلائل کے دفتر ان کے سامنے رکھ دو۔ مگر وہ ہٹ دھرمی اور انکار سے باز آنے والے نہیں۔

بہر کیف مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرات انبیائے کرام نے روز ازل کے جلسہ سیرت میں جس عہد کا حلف اٹھایا تھا۔ انہوں نے پوری طرح اپنے عہد کو پورا کیا اور ان کی امتوں نے بھی حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے اپنے انبیاء کی بشارتوں کو اپنے دلوں کی گہرائیوں میں جگہ دی۔ یہ اور بات ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

تشریف آوری کے بعد متاع دنیا کی حرص وہوس نے بہت سے یہودیوں اور نصرانیوں کو نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روک دیا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہان کی ذلت وخواری میں گرفتار ہوئے اور خداوند قہار وجبار کی لعنتوں کے سزاوار اور عذاب نار کے حق دار ہوگئے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَاعَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ)

یعنی یہود ونصاریٰ حضور نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کے نام پاک کا وسیلہ پکڑ کر خدا سے فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب ان کا جانا پہچانا ہوا رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا۔ یہ کفار خدا کی لعنت میں گرفتار اور اس کے قہر وغضب کی مار اور پھٹکار سے دونوں جہان میں ذلیل وخوار ہوگئے۔

برادران ملت! میں نے آپ کا بہت کافی وقت لے لیا۔ مگر مجھے امید ہے کہ میرے ان کلمات سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ایمانی قلوب میں عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بہت سے چراغ روشن ہوگئے ہوں گے اور محبت حبیب کے انوار سے آپ کے دل ودماغ کا ہر گوشہ منور ہوگیا ہوگا۔ یہ وہ عظیم مقصد ہے کہ جو ایک مومن کے ایمان کا سب سے بڑا نصب العین ہے کیونکہ صرف میرا ہی نہیں بلکہ ہر صاحب ایمان مسلمان کا یہی عقیدہ ہے کہ

کافر ہے وہ بد بخت جو اس دل کو کہے دل
جس دل میں نہ ہو الفت سرکارِ مدینہ ﷺ

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد
والہ و صحبہ اجمعین

تینتیسواں (۳۳) وعظ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن کے آئینے میں

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اولیٰ است
کہ ایں بزیر زمین است وآں براوجِ سما است
بگفتمش کہ نہ ایں قول معتبر باشد
حباب بر سر آب و گہر تہ دریا است

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۝ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔(آل عمران)

صبا! تحیۂ شوقم بہ آں جنابِ رساں — سلام ذرّہ بہ دربار آفتاب رساں
برآں مقام کہ آرام گاہ حضرت اوست — زمیں ببوس وسلام من خرابِ رساں

حضرات گرامی! ایک مرتبہ بہ آواز بلند درود شریف کا مبارک ورد فرمائیے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَبَدًا اَبَدًا

برادرانِ ملت! سورۂ آل عمران کی یہ آیات بینات قرآن کی وہ تاریخی آیات ہیں جو "آیاتِ مباہلہ" کہلاتی ہیں۔ ان آیتوں میں حضرت حق جل مجدہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بارے میں اس واقعی حقیقت کا انکشاف فرمایا ہے۔ جس پر یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان نے برسوں سے کذب و بہتان کا ایسا دبیز پردہ ڈال رکھا تھا کہ کروڑوں انسان اس حقیقت واقعیہ سے ناواقف ہونے کی بنا پر جہالت اور گمراہی کے بیابانوں میں بھٹک رہے تھے اور انہیں ''صراطِ مستقیم'' کی شاہراہ نہیں مل رہی تھی۔

حضرات! یہ آفتاب سے بھی زیادہ روشن حقیقت ہے کہ ہمارے حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب العالمین نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور جس طرح دونوں جہان کی کائنات عالم کو آپ کی رحمت کے خزانوں سے حصہ ملا۔ اسی طرح حضرات انبیائے سابقین پر بھی آپ کے بارانِ رحمت کی ایسی بارش ہوئی کہ ان کے وقار و عظمت کے گلشن میں باغِ بہشت کی بہاروں سے بھی بڑھ کر بہار آ گئی۔ رحمتِ عالم تشریف لائے تو تمام نبیوں اور رسولو ں کی عظمت شان کا پرچم بلند سے بلند ہو گیا اور انبیائے کرام کے آفتاب عظمت کو چھپانے کے لئے یہود و نصاریٰ نے جو کذب و افتراء کی دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں۔ رحمت عالم کے اعلانِ حق کی آندھیوں سے پاش پاش ہو کر گرد و غبار کی طرح اڑ گئیں اور عظمت انبیاء کا دامن تقدس آفتابِ عالم تاب کی طرح صاف و شفاف نظر آنے لگا۔

برادرانِ ملت! رحمت عالم کے ظہور سے پہلے یہودیوں نے یہ پروپیگنڈہ پھیلا رکھا تھا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام معاذ اللہ یہودی تھے۔ عیسائی چلا چلا کر کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نصرانی تھے۔ مشرکین مکہ کا یہ دعویٰ تھا کہ کعبہ کے بانی حضرت خلیل اللہ معاذ اللہ مشرک تھے۔ اسی طرح یہودی حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہتے تھے اور حضرت داؤد، حضرت لوط علیہما السلام پر انتہائی رکیک بہتان لگاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو افراط تفریط کا یہ عالم تھا کہ یہودی ان کی مقدس ذات پر بہتانوں اور تہمتوں کے کیچڑ اچھالتے تھے۔ عیسائی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ غرض ان پروپیگنڈوں کے شور و غوغا میں حقیقت کی آواز اس طرح گم ہو کر رہ گئی تھی کہ تمام دنیا ان مقدس پیغمبروں کی حقیقی پوزیشن اور ان کے مراتب و درجات کی واقعی عظمت سے جاہل و غافل بن چکی تھی۔ مگر خدا کی قسم! رحمت عالم کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے اس دنیا میں تشریف لا کر ان تمام نبیوں کی عصمت، ان کی براءت، ان کی طہارت، ان کی صداقت، ان کی عظمت کی کھلم کھلا شہادت دی اور ان کی حقیقی پوزیشن کے نشان کو بلند فرما کر قرآن کی زبان سے سارے عالم کو یہ اعلان سنایا کہ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (انعام) یعنی یہ سب انبیاء صالحین میں سے ہیں۔ رحمت عالم نے سب نبیوں

کے اوصاف کا بیان اور سب کی عظمت شان کا پتا اور نشان بتایا اور ان کے وقار عظمت کے پرچم کو اتنا سر بلند فرما کر آسمانوں کی سر بلندیاں ان کے آگے سرنگوں ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ارفع واعلیٰ مقام کی عظمت کا اعلان کرتے ہوئے رحمت عالم نے قرآن کی زبان سے خدا کا یہ فرمان سارے جہاں کو سنایا کہ

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (آل عمران)

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی۔ بلکہ وہ تو ایک حق پرست مسلم تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں یہ شہادت دی کہ

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا۔

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے کفر کا کام جادو کبھی نہیں کیا۔ بلکہ شیطانوں نے کفر کیا۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی عصمت اور برأت وصداقت کا اعلان فرماتے ہوئے خدا کا فرمان سنایا کہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ وَ زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (انعام)

حضرت ابراہیم کی اولاد میں داؤد وسلیمان وایوب ویوسف وموسیٰ وہارون ہیں اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اور زکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس یہ سب صالحین میں سے ہیں۔

اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی نبوت کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

وَاِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ يُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (انعام)

یعنی اسماعیل والیسع اور یونس ولوط علیہم السلام ہر ایک کو ہم نے اس وقت میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

الغرض تمام انبیاء ومرسلین کی عصمت وعظمت اور ان کی صداقت ونبوت سے سارے عالم کو روشناس اور آگاہ کر دیا۔ یہ انبیاءِ سابقین پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ احسان عظیم ہے کہ قیامت تک تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانوں پر اگر یہ نعت کا شعر جاری رہے پھر بھی رحمت عالم کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا کہ

سزد کہ از ہمہ دلبراں ستانی باج
چرا کہ بر سر خوبان عالمی چوں تاج

برادرانِ ملت! جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام نبیوں اور رسولوں کی صحیح صحیح پوزیشن کا اعلان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا ہیں۔ نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ خدا کے مقدس بندے اور رسول برحق ہیں اور وہ بغیر باپ کے کنواری مریم کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے ہیں۔ تو نبی آخر الزمان کا یہ اعلان قرآن جیسے ہی یہود و نصاریٰ کے کان میں پہنچا۔ تو ان کے احبار و رہبان میں غیظ و غضب کے ہیجان کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ اور وہ اپنے کذب اور بہتان کا پردہ چاک ہوتے دیکھ کر اس قدر حیران و پریشان ہو گئے کہ اپنے طیش و غصہ کے جنون میں سرکش اونٹوں اور جنگلی گدھوں کی طرح اپنی جہالت کے میدان میں بدکنے لگے اور اس آفتاب حقیقت کو چھپانے کے لئے اپنی طاغوتی طاقتوں کے بل بوتے پر قسم قسم کے پلان بنانے لگے اور تکذیب و انکار کے شور و غوغا سے اس آواز حق کو دبانے لگے اور طرح طرح کے ہتھکنڈوں اور پروپیگنڈوں سے اس اعلان حق کو بے اثر بنانے کے لئے مکر و فریب کا جال بچھانے لگے۔ یہاں تک کہ نصرانیوں کے پوپ اور پادریوں نے اپنے عوام کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے نبی برحق کو اس مسئلہ پر مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔

شانِ نزول

چنانچہ خطبہ کے بعد میں نے جن آیتوں کو تلاوت کیا ہے ان کے نازل ہونے کا سبب یہی ہے کہ شہر نجران کے نصرانی پادریوں کا ایک جتھا جن کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام معاذ اللہ خدا کے بیٹے ہیں یہ سب کے سب مناظرہ کرنے کے لئے مدینے آ گئے۔ ان کا سب سے بڑا عالم ''عبدالمسیح'' جس کا لقب ''عاقب'' تھا۔ اس جتھے کا سرغنہ تھا۔ یہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے رحمت عالم کے دربار میں پہنچے۔ اور یہ سوال کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ رحمت عالم نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ اللہ عزوجل کے بندے اور اس کے مقدس رسول ہیں جو کنواری مریم کے بطن مبارک سے بحکم خداوندی بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ سن کر نجران کے نصرانی آگ بگولہ ہو گئے۔ اور غصے میں تڑپ کر بولے کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا بھلا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو جائے؟ یہ تو بالکل ہی ناممکن اور محال بات ہے کہ کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو جائے؟

حضرات! ٹھیک اسی حالت میں جب کہ یہ نصاریٰ بحث و تکرار اور عناد و انکار کے جوش

میں بار بار یہ کہہ رہے تھے کہ باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ رب العزت جل جلالہ نے ان ظالموں کے دہن دوزی فرمانے اور ان کو لاجواب کرنے کے لئے ان مقدس آیتوں کو نازل فرمایا۔

حضرات ! اب آپ ان آیتوں کی تلاوت اور ان کا ترجمہ سنئے۔ اور غور فرمایئے کہ حضرت حق جل جلالہ نے اپنے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا منہ بند کر دیا۔ اور ان کو ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کی بولتی بند ہوگئی اور وہ دم دبا کر مدینے بھاگ نکلے! خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ

یعنی حضرت عیسیٰ کی مثال اللہ عزوجل کے نزدیک حضرت آدم کی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو مٹی سے بنایا۔ پھر فرمادیا کہ ''تو ہو جا'' تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

حضرات! اس کا مطلب یہ ہے کہ اے نصرانیو ! تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے کیونکر اور کس طرح پیدا ہو گئے؟ تو اس سے بڑھ کر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہوئے۔ تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہو جانے پر تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ اور کیوں اس کا انکار کر رہے ہو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے اپنی ماں کے شکم سے پیدا ہو گئے۔ بے شک یہ ایک عجیب اور نادر بات ہے۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کے نہ تو ماں ہیں نہ باپ یہ بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہو گئے۔ ان کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بدرجہا عجیب اور نادر سے نادر تر ہے۔ پھر اے نصاریٰ! جب تم حضرت آدم علیہ السلام کی بغیر ماں باپ کے پیدائش پر اعتقاد و ایمان رکھتے ہو۔ تو پھر تمہیں کیا حق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے تنہا ماں سے پیدا ہونے پر اعتراض و انکار کرو جو خدا حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا کر دینے پر قادر ہے۔ وہ یقیناً یہ قدرت بھی رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا فرمادے۔

بہرکیف اب اگلی آیت کا ترجمہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ

اے سننے والے! یہ تیرے رب کی طرف سے ایک حق بات ہے۔ تو تم اس میں کوئی شک مت کرو۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَاءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ـ

پھر اے محبوب! جو تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا کریں اس کے بعد کہ تمہارے پاس اس کا علم آچکا۔ تو تم ان لوگوں سے فرمادو۔ کہ آؤ۔ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم لوگ مباہلہ کریں۔ اور جھوٹوں پر اللہ عزوجل کی لعنت ڈالیں۔

حضرات! جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نجران کے نصرانیوں کو یہ آیتیں پڑھ کر سنا چکے۔ اور ان لوگوں کو مباہلہ کرنے کی دعوت دے دی۔ کہ چلو میدان میں نکل کر اس طرح مباہلہ کریں کہ ہم دونوں فریق گڑ گڑا کر خدا سے یہ دعا مانگیں کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت برسے اور اس پر خدا کی مار اور پھٹکار پڑ جائے اور وہ ہلاک و برباد ہو جائے تو نجران کے نصاریٰ حیران اور دم بخود ہو کر رحمت عالم کا منہ تکنے لگے۔ اور فرط حیرت اور کمال دہشت سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بالآخر یہ سب کے سب حیرانی و پریشانی کے عالم میں اپنے گرو گھنٹال عبدالمسیح سے مشورہ کرنے لگے۔ کہ آخر ہم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس چیلنج مباہلہ کا کیا جواب دیں؟ اور مباہلہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔

حضرات! عبدالمسیح جس کا لقب "عاقب" تھا یہ انجیل کا اپنے دور میں سب سے بڑا عالم اور پرانا گھسا گھسایا ہوا بہت ہی خرانٹ پادری تھا۔ اس نے جواب دیا کہ اے جماعت نصاریٰ! اس میں کوئی شک نہیں کہ تم لوگ خوب اچھی طرح جان پہچان چکے کہ "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" بلاشبہ اور یقیناً نبی آخرالزمان اور خاتم پیغمبران ہیں۔ اس لئے اب اس کے بعد اگر تم لوگوں نے ان سے مباہلہ کیا تو یقیناً تم اور تمہارے اہل وعیال ہلاک' بلکہ تمہاری جائداد اور سارا مال قہر خداوندی سے پامال ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا لہٰذا اگر تم لوگ زندہ و سلامت رہ کر نصرانیت پر قائم رہنا چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور چپکے سے یہاں سے بھاگ نکلو! چنانچہ یہ سب کے سب مشورہ کر کے جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رحمت عالم اپنی مقدس گود میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگلی تھامے ہوئے ہیں اور حضرت علی و حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیچھے کھڑے

ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان لوگوں سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم لوگ ''آمین آمین'' کہتے رہنا۔ عبدالمسیح اور اس کے ساتھیوں نے جو یہ منظر دیکھا تو مارے خوف و دہشت کے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور عبدالمسیح لرزہ براندام ہو کر کہنے لگا کہ اے نصرانیو! خدا کی قسم میں ایسے مقدس اور نورانی چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے ہٹا دینے کی دعا مانگیں تو ان کی دعا سے خداوند تعالیٰ پہاڑ کو بھی اس کی جگہ سے ہٹا دے گا۔ لہٰذا خبردار خبردار۔ کبھی ہرگز ہرگز بھی تم لوگ مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ گے۔ اور تمام روئے زمین پر ایک نصرانی بھی باقی نہیں رہے گا۔ عبدالمسیح کی یہ لرزہ خیز تقریر سن کر تمام عیسائی خوف و دہشت سے کانپنے لگے ہوش اڑ گئے اور سب کے سب خوف و ہراس کا ایک خاموش اور اداس مجسمہ بن کر رہ گئے اور لرزتی ہوئی زبانوں سے یک زبان ہو کر سب یہ عرض کرنے لگے کہ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم آپ سے مباہلہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہم سے کچھ جزیہ لے کر صلح کر لیجئے۔ چنانچہ خوشی خوشی ان نصرانیوں نے جزیہ دینا قبول و منظور کر لیا۔ مگر مباہلہ کے لئے تیار نہیں ہوئے اور دُم دبا کر مدینہ سے فرار ہو گئے۔

حضرات! نصرنیوں کا یہ حال دیکھ کر رحمت عالم نے کیا فرمایا؟ ذرا یہ بھی سن لیجئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ

> ''میں اس ذاتِ پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے قبضۂ میں میری جان ہے۔ کہ نجران والوں کے سروں پر قہر خداوندی کا عذاب بالکل ہی قریب آن پہنچا تھا اگر وہ مجھ سے مباہلہ کرتے تو دم زدن میں ایک دم سب کے سب بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیئے جاتے۔ اور خدا کے قہر و غضب کی آگ سے سارا جنگل بھڑک اٹھتا۔ اور تمام اہل نجران بالکل اس سرزمین کے چرند و پرند تک سب جل بھن کر راکھ کا ڈھیر بن جاتے اور ایک سال کے عرصے میں تمام روئے زمین کے عیسائی ہلاک و برباد ہو کر ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہو جاتے۔

(روح البیان وصاوی وغیرہ)

حق و باطل کا آخری فیصلہ

برادرانِ ملت! اہل نجران کا مباہلہ سے انکار و فرار اس حقیقت کا کھلا ہوا اقرار ہے کہ احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقیناً صداقت شعار' نبیٔ برحق اور برگزیدۂ پروردگار ہیں اور قیامت

تک کے لئے اس مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ ہر گز ہر گز خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے بندے اور خدا کے رسول اور خدا کے حکم سے کنواری مقدس مریم کی گود میں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اور اس طرح خالق کائنات نے اپنی ایک عظیم قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی ظاہر فرمادی۔ جیسا کہ خود حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا (مریم) یعنی ہم نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمادیا تا کہ ان کو لوگوں کے لئے قدرت کا ایک عظیم الشان نشان اور اپنی رحمت کا ایک انوکھا سامان بنادیں۔

حضرات! یہ دنیا کا ایک مسلم الثبوت اصول ہے کہ جب کسی شخص کو اس کے زمانے والے پوری تلاش و جستجو اور مکمل چھان بین کے بعد صادق اور سچا تسلیم کرلیں تو پھر اس کے بعد کسی دور میں بھی اس شخص کی صداقت اور سچائی کے بارے میں بحث و تمحیص کی گنجائش باقی ہی نہیں رہتی ہے لہٰذا اس اصول کے مطابق جب نجران کے وہ نصاریٰ جن کی علمی قابلیت اور معلومات کی وسعت پر تمام عیسائی دنیا کا اتفاق ہے۔ سب نے دعوت مباہلہ قبول کرنے سے انکار کر کے نبی آخر الزمان کی صداقت کا اعتراف واقرار کرلیا تو اب قیامت تک کسی عیسائی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مسئلہ پر بحث و مناظرہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں سچائی کا ذرہ برابر بھی شائبہ ہوگا تو وہ بھی نجران کے نصاریٰ کی طرح نبی آخر الزمان کی صداقت کو تسلیم کرے گا کیونکہ آیت مباہلہ کے بعد نصرانیوں کا مباہلہ سے انکار و فرار اور جزیہ کا بار اٹھالینا۔ یہ حق و باطل کا آخری فیصلہ ہے۔ جو بالکل قطعی اور یقینی ہے۔

حضرات گرامی! اسلام کا یہی وہ مقدس عقیدہ ہے جس کو قرآن نے بار بار علی الاعلان بیان فرمایا۔ چنانچہ سورہ مائدہ کی مسلسل تین آیتوں میں حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ	یعنی بے شک کافر ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل وہی مسیح مریم کا بیٹا ہے۔
وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ	حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ عزوجل کی بندگی کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بے شک جو کوئی اللہ عزوجل کا شریک ٹھہرائے۔ تو اللہ عزوجل نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ	یقیناً کافر ہیں وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل

ثَلٰثَةٍ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	تین خداؤں (اللہ عیسیٰ مریم) میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔
وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور اگر یہ انصاریٰ اپنے عقیدہ سے باز نہ آئے تو جو لوگ ان میں سے کفر کی حالت میں مریں گے۔ ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا۔
اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔	تو یہ لوگ کیوں نہیں خدا کے دربار میں توبہ کر کے اس سے مغفرت مانگتے۔ اور اللہ عزوجل بڑا بخشنے والا بہت مہربان ہے۔
مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ وَانْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (مائدہ)	مسیح بن مریم کا ایک رسول ہی ہیں۔ ان سے پہلے بہت رسول ہو گزرے۔ اور ان کی ماں صدیقہ ہیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف صاف نشانیاں ان لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھو وہ کیسے اوندھے ہو جاتے ہیں؟

حضرات گرامی! میں اس سورۂ مائدہ کی ان تینوں آیتوں کا نہایت واضح ترجمہ آپ کو سنا چکا۔ اب غور فرمایئے کہ ان مقدس آیات میں خالق کائنات نے عیسائیت کے تمام فرقوں کا کتنی واضح عبارتوں میں کتنا بلیغ رد فرما دیا ہے۔ سب سے پہلی آیت یعنی لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ سے خداوند قدوس نے نصاریٰ کے ''فرقہ یعقوبیہ'' کا رد فرمایا۔ جو یہ فاسد عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ (معاذ اللہ) ''خدا'' حضرت عیسیٰ کی ذات میں حلول کر گیا ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ ہی خدا ہیں۔ پھر لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ سے نصاریٰ کے ''فرقہ مرقومیہ'' اور فرقہ ''نسطوریہ'' کے عقیدہ باطلہ کو بھی کلمۃ الحق کی بمباریوں سے نیست و نابود کر دیا۔ جو اس عقیدہ پر جمے ہوئے تھے کہ (معاذ اللہ) اللہ عیسیٰ مریم تینوں خدا ہیں۔ قرآن مجید نے ان فرقوں کے کافر ہونے کا اعلان فرما دیا۔ پھر وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وعظ نقل کر کے اس مسئلہ پر تصدیق مسیح کی مہر لگا دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود بھی خدا کی عبادت کرتے تھے۔ اور بنی اسرائیل کو بھی خدا ہی کی عبادت کا حکم دیتے تھے۔ پھر مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ فرما کر کتنی وضاحت اور

صفائی کے ساتھ بیان فرمادیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گزشتہ رسولوں کی طرح ایک رسول ہی ہیں۔ وہ خدایا خدا کے بیٹے نہیں بلکہ وہ حضرت مریم کے بیٹے ہیں۔ پھر کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ سے ایک سورج سے زیادہ روشن اور پہاڑ سے زیادہ بڑی دلیل پیش کردی کہ جب حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ تو بھلا خدایا خدا کے بیٹے کیونکر ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ خدا کی ذات تو کھانے پینے سے پاک ہے۔ پھر اُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ فرما کر یہودیوں کے اس بہتان عظیم کا تارو پود بکھیر کر اس طرح حضرت مریم کی پاکدامنی کا چراغ روشن کردیا کہ تمام امت مسلمہ کا منہ اجالا اور ملعون یہودیوں کا منہ کالا ہوگیا۔ پھر اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ سے تنبیہ فرمادی کہ اے انسانو! دیکھ لو کہ ہم حضرت عیسیٰ کے خدا کے بندہ اور خدا کا رسول ہونے پر کیسی کیسی دلیلیں اور واضح نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ کہ ان نشانیوں کو دیکھنے والے اور ان دلائل کو سننے والے کے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدایا خدا کا بیٹا کہہ سکے۔ مگر اس کا کیا علاج۔ کہ نصاریٰ اس قدر چشم بصیرت کے اندھے اور عقل کے اوندھے ہیں کہ ان نشانیوں اور واضح دلیلوں سے کوئی سبق ہی نہیں لیتے۔ اور کوئی عبرت و نصیحت حاصل ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے باپ داداؤں کی اندھی تقلید کے چکر میں بالکل ہی گھن چکر بن چکے ہیں۔ اور گمراہی کے اتنے گہرے اور اندھیرے غار میں گر پڑے ہیں کہ ان کو ہدایت کا آفتاب نظر ہی نہیں آتا!

حضرات محترم! سورۂ مائدہ کی صرف انہی آیات میں نہیں بلکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات مبارکہ میں حضرت حق جل جلالہ نے نصاریٰ کے عقائد باطلہ کا شدید رد فرماتے ہوئے ان لوگوں پر سخت زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا کہ

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ○	یعنی یہودیوں نے یہ کہا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں۔ اگلے کافروں کی سی باتیں بناتے ہیں۔ اللہ عزوجل ان کو مارے۔ یہ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

اسی طرح ان لوگوں پر وعید شدید فرماتے ہوئے سورۂ مریم میں ارشاد فرمایا کہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ٥ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔	یعنی کافروں نے یہ کہا کہ رحمٰن نے کچھ لوگوں کو اولاد بنالیا ہے۔اے کافرو! تم بہت ہی بھاری بات لائے ہو۔قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھ کر گر جائیں۔اس بات پر کہ ان لوگوں نے رحمٰن کے لئے اولاد بتائی۔
وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا٥ ط	حالانکہ یہ رحمٰن کی شان کے لائق ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اولاد بنائے۔

حضراتِ گرامی ! غور فرمالیجئے کہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین جن جن لوگوں نے خدا کے لئے بیٹا یا بیٹی ہونا بتایا۔سب کو قادرِ مطلق نے کافر قرار دے کر اپنے تازیانہ عذاب کی دہشت سے خوفزدہ فرمایا اور بڑے بڑے دلائل و براہین سے ثابت فرمادیا کہ خدا نے کسی کو بھی اپنا بیٹا یا بیٹی نہیں بتایا ہے۔کیونکہ اس کی ذات لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے یعنی نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

حضرات! بہرحال اب ذرا نجران سے آنے والے عیسائیوں کے سامنے قرآن کے طرز استدلال پر غور فرمایئے کہ کتنا واضح ؟ اور کس قدر دلکش انداز بیان ہے۔کہ سبحان اللہ۔سبحان اللہ!

دوستو اور بزرگو ! دیکھو کسی نادر الوجود اور عجیب چیز کے انکار کرنے والے کو قائل کرنے کی بہترین دلیل یہی ہے کہ اس کے سامنے اس کے مسلمات میں سے اس سے بڑھ کر کوئی نادر الوجود اور عجیب چیز پیش کر دی جائے۔یہ وہ طریقہ استدلال ہے کہ اس کا جواب ہی ممکن نہیں ہے۔غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہو جانا نصرانیوں نے اس کو نادر الوجود اور عجیب بلکہ تعجب خیز چیز سمجھ کر اس کا انکار کیا۔توفَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے ان لوگوں کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا واقعہ پیش کر دیا۔اور فرمایا کہ جب تم لوگ حضرت آدم علیہ السلام کا بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا ہو جانا تسلیم کرتے ہو۔اور اس پر ایمان رکھتے ہو۔تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہو جانا تمہارے نزدیک قابل انکار کیوں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کہیں زیادہ عجیب تر ہے۔پھر تم لوگوں سے بڑھ کر بے وقوف اور کم عقل کون ہوگا۔کہ عجیب تر اور زیادہ

نادرالوجود چیز پر تو ایمان رکھتے ہو۔ اور اس سے کم درجے کی عجیب چیز کا انکار کرتے ہو؟

حضرات! قرآن کی یہ دلیل و برہان ہے کہ نجران کے نصاریٰ حیران رہ گئے مگر افسوس کہ پھر بھی ایمان نہیں لائے۔ اور اپنی سرکشی اور طغیان کا مظاہرہ کرتے رہے تو پھر حضرت حق جل مجدہ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ جس کا انجام آپ سن چکے کہ نصرانیوں نے مباہلہ سے انکار کر دیا۔ کیونکہ مباہلہ کی زلزلہ افگن ہیبت سے ان منکرین کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ دہل گیا۔ اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ اس طرح قیامت تک کے لئے حق کا بول بالا اور باطل پرستوں کا منہ کالا ہو گیا۔

حضرات! چاہیے تو یہ تھا کہ قیامت تک کوئی نصرانی سر نہ اٹھاتا۔ اور ہمیشہ کے لئے عیسائیوں کا یہ باطل عقیدہ دفن ہو جاتا۔ مگر افسوس کہ آج تک عیسائی اپنے اس عقیدہ فاسدہ پر اتنی مضبوطی کے سات قائم ہیں کہ معاذ اللہ! خدا کو خدا بھی اس طور پر مانتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہے۔ اس کے سوا خدا کو اس کی کسی صفت کے ساتھ گویا جانتے پہچانتے ہی نہیں! توبہ نعوذ اللہ۔

حضرات! اس موقع پر مجھے اکبر الہ آبادی کا ایک بڑا دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا۔ وہ بھی سن لیجئے۔

لطیفہ

اکبر الہ آبادی جج تھے۔ ججی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اپنے صاحبزادے عشرت حسین صاحب کے یہاں تشریف لے گئے جو ڈپٹی کلکٹر تھے۔ ان کی کوٹھی پر بہت سے رئیس صاحبان ڈپٹی صاحب کی ملاقات کی آس لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ڈپٹی صاحب بنگلہ کے اندر سو رہے تھے۔ اکبر الہ آبادی نے کواڑ کھو کر دیکھا تو نوکر نے رئیسوں سے کہا کہ یہ اکبر الہ آبادی ریٹائرڈ جج ہیں۔ رئیسوں نے کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر نوکر نے کہا کہ یہ اکبر الہ آبادی مشہور طنز گو شاعر ہیں۔ یہ سن کر بھی رئیسوں نے اکبر کی طرف رخ نہیں کیا پھر نوکر نے بتایا کہ یہ ڈپٹی صاحب کے والد ماجد ہیں۔ یہ سننا تھا کہ ہر رئیس اپنی اپنی کرسی سے اس طرح ہڑ بڑا کر مصافحہ کے لئے دوڑا کہ گویا صور پھونک دیا گیا ہو اور مردے قبروں سے نکل نکل کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ پڑے۔ اکبر الہ آبادی نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا کہ مجھے آپ لوگوں کی یہ حرکت دیکھ کر عیسائیوں کا ایک قصہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ گرجا گھر میں بہت سے عیسائی کھڑے کھڑے عبادت کر رہے

تھے کہ ایک دم پوپ نے کہا کہ اے لوگو! خداوند ذوالجلال نے تجلی فرمائی۔ عیسائیوں نے اس پر کوئی توجہ نہیں کی پھر پوپ نے کہا کہ اے لوگو! آسمان وزمین کے خالق کا جلوہ نظر آ گیا۔ یہ سن کر بھی عیسائی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ پھر پوپ نے کہا کہ اے عیسائیو! دیکھو حضرت عیسیٰ کے باپ آ گئے یہ سن کر سب عیسائی سجدے میں گر پڑے اور روتے روتے ان کی آنکھیں سوج گئیں۔ ذرا غور تو کرو کہ خداوند ذوالجلال اور آسمان وزمین کے خالق کا نام سن کر تو عیسائیوں پر کوئی رقت طاری نہیں ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ کے باپ کا نام سنا تو سجدے میں گر کر رونے لگے۔ یہی حال آپ لوگوں کا ہے کہ اکبر الٰہ آبادی ریٹائرڈ جج سن کر آپ نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ پھر اکبر الٰہ آبادی شاعر کا نام سن کر آپ لوگوں کو میری ملاقات کا ذرہ برابر اشتیاق نہیں پیدا ہوا۔ اور جب آپ لوگوں نے یہ سنا کہ میں ڈپٹی صاحب کا باپ ہوں تو آپ لوگ اس طرح دانت نکال کر اور ہاتھ بڑھا کر میری طرف جھپٹ کر لپکے کہ گویا مجھے ہاتھ سے پکڑ کر کاٹ کھائیں گے۔ کیا ڈپٹی صاحب کا باپ ہونا بڑا کمال ہے یا جج اور شاعر ہونا؟ یہ سن کر مارے شرم وخجالت کے رئیسوں کا ایسا منہ بگڑ گیا جیسے ان کے چہروں پر دس بیس جوتے پڑے ہوں!

بہر حال برادرانِ ملت! اب میں آخری بات عرض کر کے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنی تقریر ختم کردوں گا۔ ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف کا نعرہ بلند کیجئے۔

اللھم صل وسلم و بارك علی سیدنا محمد و علیٰ اله و اصحابه

صلاۃ و سلاماً علیك یا رسول اللہ

پنجتن پاک

حضرات! میں عرض چکا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چیلنج مباہلہ دینے کے بعد جن مبارک ہستیوں کو اپنے ہمراہ لے کر مباہلہ کے لئے میدان میں تشریف لائے۔ وہ حضرت علی، حضرت فاطمہ، اور حسن وحسین رضی اللہ علیہم اجمعین تھے۔ اس آیت سے ان تقدس مآب ہستیوں کی عظمت شان اور ان کی مقبولیت ومحبوبیت کا پتا چلتا ہے کہ یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے مستجاب الدعوات اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہونے پر محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پورا پورا اعتماد ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت فاطمہ اور حضرت حسنین رضی اللہ تعالیٰ اجمعین وہ قدسی صفت اور تقدس مآب نفوس طاہرہ ہیں کہ ان کے بدن کی بوٹی بوٹی اور ان کے

خون کے قطرے قطرے میں رسول کا گوشت اور خون شامل ہے اور فاتح خیبر علی حیدر اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب تو وہ مقرب بارگاہ رسالت ہیں کہ ان کے لئے حضور سرور انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ

يَا عَلِيُّ لَحْمُكَ لَحْمِيْ وَدَمُكَ دَمِي ۔ یعنی اے علی! تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون ہے۔

اللہ اکبر! جس ذات اقدس کے گوشت اور خون کو رسول نے اپنا گوشت اور خون فرما دیا تو ان کے درجات و مراتب کی عظمت کا کیا کہنا؟

حضرات! اپنے تو بہر حال اپنے ہوتے ہی ہیں۔ ماننے والے تو ماننے والے ہوتے ہی ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَآءُ یعنی فضیلت کا کمال تو ہے کہ دشمن بھی اس کی فضیلت کی شہادت دے۔ چنانچہ آپ سن چکے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمانِ اہل بیت کے چاند اور سورج اور دونوں ستاروں کو ساتھ لے کر میدانِ مباہلہ میں جلوہ گر ہوئے تو عیسائیوں کا پیشوائے اعظم ''عبد المسیح'' ان نورانی چہروں کی نورانیت کا جلوہ دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا کہ خدا کی قسم! میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے کسی پہاڑ کے بارے میں یہ دعا مانگیں کہ یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ چلا جائے تو ان کے لبہائے مبارک سے نکلی ہوئی دعاؤں کو خداوند کریم کبھی رد نہیں فرمائے گا۔ بلکہ ان کی دعاؤں سے قادر مطلق اس پہاڑ کو اس جگہ سے ہٹا دے گا۔

ایک وجد آفرین نکتہ

ملت گرامی! حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس خاندان بنی عبد المطلب میں بہت سے روشن ستارے تھے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ مباہلہ کے وقت رحمت عالم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ علیہم اجمعین ہی کو کیوں منتخب فرمایا؟ اس میں ایک بڑا ہی وجد آفرین نکتہ اور کیف آور راز بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عیسیٰ سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت مریم سے ایک بڑی ہی خاص مناسبت و مشابہت ہے کہ اس طرح حضرت حسنین کریمین کو بھی عیسیٰ ابن مریم سے ایک خاص قسم کی مناسبت حاصل ہے۔ اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مباہلہ کے لئے ان چاروں سے بہتر دوسرا کوئی تھا ہی نہیں جس کو رحمت عالم! اپنے ساتھ لے کر مباہلہ کے

میدان میں نکلتے۔ حضرت علی شیر خدا کو جناب مسیح علیہ السلام سے کیا خاص مناسبت و مشابہت ہے؟ اس کو خود رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے!

حضرت شیر خدا کو مخاطب فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيْسٰى اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّهٗ وَاَحَبَّتْهُ النَّصَارٰى حَتّٰى اَنْزَلُوْهُ بِالْمَنْزِلَةِ الَّتِيْ لَيْسَتْ لَهٗ ثُمَّ قَالَ يَهْلِكُ فِيَّ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفْرِطُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَانِيْ عَلٰى اَنْ يَّبْهَتَنِيْ۔

(مشکوٰۃ باب مناقب علی)

یعنی اے علی! تم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص قسم کی مماثلت اور مشابہت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایسا بغض رکھا اور اتنی دشمنی کی کہ ان کی والدہ پر بہتان تک لگا دیا اور نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس قدر محبت کی کہ ان کو اس درجے تک بڑھا دیا کہ وہ اس درجے کے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ یعنی ان کو خدا یا خدا کا بیٹا بنا دیا۔

اس حدیث کو حضرات مولائے کائنات جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمانے کے بعد پھر خود یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بارے میں دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے ایک وہ جو محبت میں مجھے اس حد تک بڑھائیں گے۔ جس حد تک میں نہیں پہنچا ہوں اور ایک وہ جن کو میری دشمنی اس بات پر آمادہ کردے گی کہ وہ مجھ پر تہمت لگائیں گے۔

چنانچہ مولائے کائنات کا ارشاد حرف بحرف پورا ہو گیا کہ رافضیوں نے حضرت علی کی محبت میں اس قدر غلو کیا کہ معاذ اللہ ان کو نبیوں سے افضل ماننے لگے۔ اور خارجیوں نے حضرت علی سے ایسی دشمنی کی کہ معاذ اللہ ان پر طرح طرح کی جھوٹی تہمتیں لگانے لگے۔ (معاذ اللہ)

حضرات! اسی طرح حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت بی بی مریم سے ایک بڑی خاص مشابہت یہ ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن حضرت بی بی فاطمہ ایک بوٹی گوشت اور دو روٹیاں لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ تو رحمت عالم نے اس تحفہ کو قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے لخت جگر تم اس طباق کو اپنے گھر ہی میں لے کر چلو۔ پھر خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ بیٹی! اب تم اس طباق کو کھولو چنانچہ حضرت بی بی فاطمہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہا نے طباق کو کھولا۔ تو سب گھر والے یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ طباق روٹیوں اور بوٹیوں سے بالکل بھرا ہوا تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَنّٰی لَکِ ھٰذَا — اے بیٹی! یہ سب تمہارے لئے کہاں سے آیا؟

یہ سن کر حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا کہ

ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ — یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب روزی دیتا ہے۔

سبحان اللہ! رحمت عالم نے اپنی نور نظر کا یہ نورانی جواب سن کر ارشاد فرمایا کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکِ شَبِیْھَۃً بِسَیِّدَۃِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ — یعنی اے بیٹی! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھ کو بنی اسرائیل کی سیدہ جناب مریم کے مشابہ اور مثل بنایا ہے۔

کیونکہ انہوں نے بھی اپنی محراب عبادت میں بے موسم کے پھلوں کو دیکھ کر یہی کہا تھا۔

ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ

پھر رحمت عالم نے حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے اہل بیت کو جمع فرما کر اس طباق میں سے تناول فرمایا۔ پھر بھی اس میں ایسی معجزانہ برکت ظاہر ہوئی کہ پورا طباق روٹیوں اور بوٹیوں سے بھرا ہوا باقی رہ گیا۔ تو حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے پڑوسیوں اور دوسرے مسکینوں کو کھلایا۔ (روح البیان آل عمران ۳۲۳)

حضراتِ گرامی! اسی طرح حضرات حسنین کریمین کو بھی جناب عیسیٰ بن مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک خاص مشابہت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے گہوارہ ہی میں جب کہ شیر خوار بچے تھے۔ کمالاتِ نبوت سے سرفراز ہوئے وَیُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا۔ اور لوگوں سے اپنے گہوارۂ طفولیت میں کلام فرمایا۔ اسی طرح حضرات حسنین بھی اپنے بچپن ہی میں کمالاتِ ولایت سے سرفراز ہو گئے اور ایامِ طفلی ہی میں ان دونوں سے خوارق عادات و کرامات کا ظہور ہونے لگا!

بہر حال حضرت علی، فاطمہ، حسن، حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو چونکہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کچھ خاص مناسبت و مشابہت ہے۔ اسی لئے بوقت مباہلہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی مقدس نفوس کو منتخب فرمایا۔

حضرات گرامی! بہرکیف ان چاروں اہل بیت نبوت کی فضیلت و عظمت اس آیت مباہلہ سے اس طرح واضح اور ظاہر ہو رہی ہے۔ جس طرح آفتاب نصف النہار اپنے انوار کے ساتھ عالم آشکار ہوا کرتا ہے۔ خداوند قدوس ہم کو اور آپ کو ان کے اعلیٰ درجات کی معرفت و عقیدت اور حفظ مراتب کی توفیق خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

و ما علینا الا البلاغ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ

محمد و الہ و صحبہ اجمعین ط

چونتیسواں (۳۴) وعظ

اسبابِ زوال

سب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (آل عمران)

حضراتِ گرامی! سب سے پہلے عاشقانہ درود وسلام کے فلک شگاف نعروں سے اپنے دلوں کی دنیا میں ایمانی ولولہ اور اسلامی جوش وخروش پیدا کر لیجئے۔ اور بلند آواز سے پڑھیے

اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد و اله و صحبه و بارك و سلم

حضرات! تقریر سے پہلے ایک نعت شریف کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔ ایمانی جوش عقیدت اور اسلامی جذبہ محبت کے ساتھ سماعت فرمائیے۔

نعت شریف

در رسول سے ہرگز میں ٹل نہیں سکتا   بہشت سے بھی مرا دل بہل نہیں سکتا

مئے رسول کا ایسا سرور ہے جس پر خرد کی ترشی کا جادو بھی چل نہیں سکتا
ہزاروں فلسفے بگڑے، بنے، بدل بھی گئے مگر رسول کا قرآں بدل نہیں سکتا
ہے تیز گام بہت ہی یہ آفتاب مگر نہ پائے ان کا اشارہ تو چل نہیں سکتا
ہزار آتش دوزخ لپک لپک کر بڑھے نبی کی شمع کا پروانہ جل نہیں سکتا
وہ کہہ دیں شب کو کہ دن ہے تو دن نکل آئے جو دن کو شب کہیں، سورج نکل نہیں سکتا
نہ جس میں پھول ہوں حب رسول کے اے دل وہ نخل آرزو تا حشر پھل نہیں سکتا
خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا
سکینہ حب نبی کا ہو جس کے سینے میں ہزار حشر ہو وہ دل دہل نہیں سکتا

کرم ہے مہر مدینہ کا اعظمی مجھ پر
مرے عروج کا خورشید ڈھل نہیں سکتا

حضرات محترم! یہ تین اصول یاد رکھئے۔ اول یہ کہ ہر چیز کے وجود و ہستی کی ایک غرض اور اس کی بقا کا ایک مقصد ہوا کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی چیز جب تک اپنے وجود کی غرض وغایت کو پورا کرتی رہتی ہے۔ اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے۔ اور جب وہ اپنے مقصد وجود و بقا کو کھو دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ تیسرے یہ کہ جب کسی چیز کی قدر و قیمت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ تو اس چیز کا مالک اس کی حفاظت و نگہداشت چھوڑ دیتا ہے۔

مثلاً پنڈال کا شامیانہ اس کے وجود و بقا کا یہ مقصد ہے کہ دھوپ یا شبنم سے بچائے اور جلسہ گاہ کو زینت دے۔ اسی طرح بلب کی ہستی اور اس کی موجودگی کا یہ مقصد ہے کہ وہ روشن ہو کر ساری مجلس میں اجالا پھیلاتا رہے۔ اسی طرح اسٹیج پر اگالدان اسی مقصد سے رکھا گیا ہے کہ لوگ اس میں پان کی پیک ڈالتے ہیں۔ تاکہ فرش گندہ اور خراب نہ ہونے پائے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک شامیانہ، بلب اور اگلدان اپنے مقصد وجود کو پورا کرتے رہیں گے ان کی قدر و قیمت باقی رہے گی۔ اور جب یہ اپنی موجودگی کی غرض وغایت فنا کر دیں گے تو ان کی قدر و قیمت یقیناً بہت کم یا بالکل ہی ختم ہو جائے گی اور ان کی نگہداشت وحفاظت بھی چھوڑ دی جائے گی۔

مثال کے طور پر اگر شامیانہ پھٹ پھٹا کر چیتھڑوں کا ڈھیر بن جائے اور اپنی غرض وغایت اور اپنے وظیفہ وجود کو کما حقہ پورا کرنے کے قابل نہ رہے نہ دھوپ اور شبنم سے بچائے نہ جلسہ گاہ کی زینت بننے کے لائق رہے۔ تو یہی شامیانہ جس کی قدر و قیمت کا یہ عالم ہے کہ ہم اس پر کافی رقم خرچ کر کے اس کو اپنے سروں کے اوپر جگہ دیتے ہیں۔ اس کی قدر و قیمت اس قدر گھٹ جائے گی کہ ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ لپیٹ لپاٹ کر کسی پرانے مکان کی دقیانوسی کوٹھڑی میں ڈال دیں گے۔ جہاں اس سے زیادہ اس قدر منزلت نہیں ہوگی کہ اس میں چوہوں اور چھچھوندروں کا راج محل بنے گا یا مچھروں کی برات اس میں چھپ کر سارنگی بجائے گی۔ اور جھینگروں کا غول اس میں بیٹھ کر برساتی برپا گائے گا۔ اور اس کی حفاظت کا انتظام نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ بلب جس کو ہم سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اگر فیوز ہو جائے۔ تو ہم اس کو نہایت حقارت کے ساتھ اٹھا کر کوڑوں کے ڈھیر پر پھینک دیتے ہیں۔ یوں ہی اگالدان جو نہایت اعزاز کے ساتھ علماء اور مشائخ کے پہلو میں ہمیشہ ہر اسٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔ اگر اس کے پیندے میں سوراخ ہو جائے۔ اور یہ فرش کو گندہ کرنے لگے تو فوراً ہی اس کو اسٹیج سے اٹھا کر کسی گندی جگہ رکھ دیا جاتا ہے۔ غرض ایسی ہزاروں مثالیں ہیں کہ جب بھی کوئی چیز اپنے مقصد وجود اور اپنی ہستی کی غرض وغایت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو بوڑھے تو بوڑھے جوان تو جوان بچے بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے بچوں کی کہانیوں میں سنا ہوگا۔

کچھ بھی نہیں

کہ ایک چوڑی فروش اپنی پیٹھ پر چوڑیوں کی گٹھری لاد کر چلا جا رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے اس کی گٹھری پر ایک لٹھ مار کر پوچھا کہ ابے بول! اس میں کیا ہے؟ چوڑی فروش نے نہایت متانت کے ساتھ جواب دیا کہ صاحب! اگر اس پر ایک لٹھ اور مار دیجئے تو پھر اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ مطلب یہ تھا کہ چوڑیاں جب تک ٹوٹی نہیں ہیں۔ ان کی قدر و قیمت ہے۔ لیکن اگر چوڑیاں ٹوٹ جائیں تو پھر ان کی کوئی قیمت ہی نہیں رہتی!

سر کے بال پاؤں تلے

حضرات! کون نہیں جانتا کہ ہمارے سروں کے بال جب تک ہمارے سروں کی زینت

بنے رہتے ہیں۔ ان کی قدر و قیمت کا کیا عالم رہتا ہے؟ ہم ان بالوں کو صابون سے دھوتے ہیں۔ تیل ڈالتے ہیں۔ کنگھی کر کے ان کو سنوارتے ہیں۔ ان کو جلنے، ٹوٹنے، گرنے سے بچاتے ہیں اور ان کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے سروں کے یہی بال جب حجام کاٹ کر اپنے رومال میں رکھ لیتا ہے۔ تو باوجود یہ کہ اب بھی یہ ہمارے ہی سروں کے بال ہیں۔ مگر ہم ان بالوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے، نہ ان کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں۔ حجام ان بالوں کو کوڑے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیتا ہے اور یہ ہر ایک کے پاؤں سے روندے جاتے ہیں اور ہمیں اس پر کوئی افسوس نہیں ہوتا کیوں اسی لئے تو کہ اب ان بالوں نے اپنے مقصد وجود کو کھو دیا اور اپنے فرائض ہستی کو ادا کرنے کے قابل نہیں رہے۔

حضراتِ گرامی! بہر کیف ان تینوں اصولوں کی روشنی میں دورِ حاضر کے دو نہایت ہی اہم سوال جو ہر مسلمان کے دل کی گہرائی میں سر اٹھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ دلوں کا کانٹا بن کر کھٹکتے رہتے ہیں۔ بڑی آسانی کے ساتھ اس طرح حل ہو جاتے ہیں کہ اس میں کسی غور و فکر یا بحث و تمحیص کی حاجت ہی نہیں پڑتی۔ پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں بالکل ہی ختم ہو گئی؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ تائید خداوندی مسلمان کی نصرت و اعانت اور نگہداشت و حفاظت کیوں نہیں فرماتی؟ ہم سے پہلے کے مسلمانوں کی قدر و قیمت اور ان کے سطوت و شوکت کا یہ عالم تھا کہ۔

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے
پاؤں شیروں کے بھی میدان میں اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے
تیغ کیا چیز ہے؟ ہم تو توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہی دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ مقام سنایا ہم نے

یا یوں سمجھئے کہ۔

مسلماں وہ مسلماں تھے کہ میداں میں نکل آئے
تو کسریٰ اور ان کے ساتھ قیصر کو کچل آئے

جہاں پہنچے زمین کو آسمان سے کر دیا اونچا
جہاں ٹھہرے در و دیوار کا نقشہ بدل آئے
سمندر میں بھی ان کے دوڑ کی راہیں نکل آئیں
پہاڑوں میں بھی ان کے فیض کے چشمے ابل آئے

اور نصرتِ خداوندی کا یہ عالم تھا کہ جنگ بدر ہو یا جنگ اُحد جنگ خندق ہو یا جنگ حنین ہر جگہ جب کفار کے لشکروں کا دل بادل مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا عزم سے حملہ آور ہوا تو تائید ربانی نے مسلمانوں کی اس طرح حفاظت و نگہبانی فرمائی کہ آسمانوں سے فرشتوں کا قدسی لشکر زمین پر بھیج دیا۔ چنانچہ قرآن مجید گواہ ہے کہ

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ O (آل عمران) یعنی پانچ پانچ ہزار فرشتوں کی فوج رب العالمین مومنین کی امداد و نصرت کے لئے زمین پر اتار دیتا تھا اور یہ آسمانی لشکر مسلمانوں کی امداد و نصرت میں اپنی ملکوتی طاقت کے وہ جوہر دکھتا تھا کہ کفار کے دلوں کی دنیا میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ اور مسلم مجاہدین کا حوصلہ اتنا بلند ہو جاتا تھا کہ جب لشکر کفار اپنی زبردست یلغار کے ساتھ مسلمانوں کے سامنے نمودار ہوتا تھا۔ تو مجاہدین اسلام نعرہ تکبیر کی للکار کے ساتھ جوشِ جہاد میں بھرے ہوئے اپنی تیر اندازی اور شمشیر بازی کا یہ منظر پیش کرتے تھے کہ

کہ فوج کفر اگر بپھرے ہوئے فیلوں کا لشکر تھا
تو پھر تیروں کی بارش بھی ابابیلوں کا لشکر تھا

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی
کب اٹھی، کب گری، کیسے پھری تیغ ید اللّٰہی

اٹھی اٹھ کر کھنچی، کھنچ کر گری لوہے کی مغفر پر
یہ مغفر کٹ گیا، آئی ہوئی اب آ گئی سر پر

سر خود سر کو توڑا، چہرہ کاٹا خلق سے نکلی
صدائے "الحذر" ہر سو زبانِ خلق سے نکلی

مگر افسوس! صد افسوس! کہ آج یہ انقلاب ہو گیا کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہو گئی۔ اور ان کے سطوت و شوکت کی روح اس فنا ہو گئی۔ کہ ایک بزدل اور ذلیل و خوار قوم کے چند خونخوار غنڈے اپنی تلواروں سے سینکڑوں مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالتے

ہیں۔ مسلمانوں کے ننھے ننھے بچوں کو ان کے ماں باپ کی نظروں کے سامنے انتہائی بیدردی کے ساتھ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ان کے مال و دولت کو ڈاکوؤں کی طرح لوٹتے ہیں۔ ان کے مکانوں اور دکانوں کو غارت کر کے جلا ڈالتے ہیں۔ ان کی مسجدوں' مزاروں اور خانقاہوں کو توڑ پھوڑ کر آگ کے شعلوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ ان کی مستورات پر ہاتھ ڈال کر ان کی عزت و ناموس کے پرچم عظمت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دیتے ہیں۔ قرآن مجید اور مقدس دینی کتابوں کی ہولی جلا کر اس کی راکھ کو اپنے ناپاک قدموں سے روندتے ہیں۔ غرض یہ انسان نما شیطان ظلم وطغیان کے ایسے ایسے حیا سوز اور دل دوز رقص ابلیس کا نظارہ پیش کرتے ہیں کہ چنگیز و ہلاکو کی روحیں بھی اسکے تصور سے کانپ اٹھتی ہیں۔ مگر مجبور ولاچار مسلمان ان تمام مظالم کے طوفانوں میں اپنے سفینۂ حیات کو غرق ہوتے ہوئے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے۔ اور خونخوار بزدل ظالموں کے ناپاک قدموں پر اپنی مقدس پیشانی کو جھکا کر اپنا سر کٹا تا رہتا ہے۔ مگر نہ تو اس کو خود یہ توفیق ہوتی ہے کہ وہ اپنے جذبۂ ایمانی اور جوشِ اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نعرہ تکبیر کی للکار کے ساتھ مجاہد بن کر ان ظالموں کی کلائیاں موڑ دے۔ اور مردانہ وار خدا کی راہ میں لڑتا ہوا یا غازی بن کر زندہ رہے یا جامِ شہادت نوش کر کے دونوں جہان میں اپنی سرخروئی کا سامان کرے نہ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں کسی جاں باز مسلمان' یا کسی اسلامی سلطنت کے سلطان کی رگوں میں اسلامی خون کی حرارت جوش میں آتی ہے کہ وہ منتقمانہ جذبات کے ساتھ اپنی آتش غیظ وغضب سے ان ظالموں کے طاغوتی نشیمن کو پھونک دے۔ اور مظلوموں کو ان کے پنجہ ظلم استبداد سے نجات دلائے۔ نہ آسمان سے فرشتوں کی کوئی فوج اتر کر ان مظلوموں کی امداد ونصرت کرتی ہے۔ غرض ملت اسلامیہ اور قومِ مسلم کی قدر و قیمت بالکل ہی ختم ہوگئی اور خداوند عالم کی امداد ونصرت اور اس کے اعانت و حفاظت نے بھی اس قوم سے بالکل ہی اپنا رخ پھیر لیا ہے۔ اور اب اس قوم کا سفینۂ نجات لاچاری و مجبوری اور بے کسی و بے بسی کے ایسے ہوش ربا طوفانوں کے بھنور میں پھنس گیا ہے۔ کہ اب اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ

اب خدا ہی میری کشتی کو بچائے تو بچے
ظلمتیں یاس کی ہیں' شام ہے طوفانوں کی

بہر کیف اب یہ دونوں سوال کہ مسلمانوں کی قدر و قیمت کیوں ختم ہوگئی؟ اور ان کی

منجانب اللہ امداد ونصرت اور اعانت وحفاظت کیوں نہیں ہوتی؟

برادرانِ ملت! ان دونوں سوالوں کا بس ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کا ایک مقصد حیات' اور اس کے وجود کی ایک غرض تھی جس کو قوم مسلم نے ضائع کر دیا اور آپ یہ اصول سن چکے کہ جب کوئی چیز اپنے مقصد وجود اور اپنی ہستی و بقا کی غرض و غایت کو برباد و غارت کر دیتی ہے۔ تو لامحالہ اس چیز کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی حفاظت بھی چھوڑ دی جاتی ہے۔

اب صاف صاف سن لیجئے کہ اس دنیا میں مسلمان کا مقصد وجود اور اس کی حیات و بقا کی غرض و غایت کیا ہے؟

برادرانِ اسلام! خطبہ کے بعد میں نے جس آیت مبارکہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے وہ اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ مسلمان کے وجود و بقا کا مقصد اور اس کی زندگی کی غرض و غایت کیا ہے؟ سنئے اور ذرا توجہ کے ساتھ سنئے۔ خلاقِ عالم جل جلالہ کا مقدس فرمان ہے کہ

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یعنی اے قوم مسلم! تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے ظاہر کیے گئے ہو۔ تم لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو' اور تم اللہ عزوجل پر ایمان رکھتے ہو۔

حضراتِ گرامی! اب ذرا مسلمانوں کے ان چاروں مقاصد وجود کو قدرے تفصیل کے ساتھ سن لیجئے۔

خیر الامم

حضرات! سب سے پہلا مقصد زندگی ایک مسلمان کے لئے خیر الامم یعنی بہترین امت ہونا ہے۔ یعنی صفحۂ ہستی پر آج تک جتنی امتیں نمودار ہوئیں۔ مسلمان کو اپنے عقائد و اعمال' اخلاق و کردار' رفتار و گفتار غرض تمام محاسن افعال کے ساتھ اس طرح مزین ہونا ضروری ہے کہ دوسری امتوں میں جو افراط و تفریط کے بدنما داغ دھبے تھے۔ مسلمان ان بدنما داغوں کو انسانیت کی پیشانی سے دور کر دے اور اپنی زندگی کے ہر موڑ اور اپنی حیات کے ہر نشیب و فراز میں عدل و اعتدال کا دامن تھامے ہوئے صراطِ مستقیم پر چلتا رہے۔ تاکہ ماضی و حال بلکہ دورِ

استقبال کی انسانیت مسلمان کی اعتقادی و عملی زندگی کو دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھے کہ

یہی وہ ہیں کہ جن کے واسطے ختم الرسل آئے
انہی پر ختم ہے "خیر الامم" کی جلوہ سامانی

برادرانِ ملت! خیر الامم ہونا ایک مسلمان کا سب سے پہلا اور بنیادی مقصد حیات ہے اور یہ ایک مسلمان کے لئے ایک ایسا لازمی خاصہ ہے کہ جس طرح گلاب کے لئے خوشبو آگ کے لئے گرمی، موتی کے لئے چمک، آفتاب کے لئے روشنی لازم ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے اپنے اعمال وافعال کے لحاظ سے تمام امتوں میں سب سے اعلیٰ سب سے افضل سب سے بہتر ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ عبادات و معاملات ہوں، یا اخلاق و عادات غرض زندگی کے ہر شعبۂ حیات میں عمر کے آخری لمحات تک خیر ہی خیر ہو۔ یہ ایک مسلمان کا وہ طرۂ امتیاز ہے کہ جو اس کو تمام اقوامِ عالم کی صفوں میں ممتاز کر کے خیر الامم کے تاجِ کرامت سے سرفراز کرتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ مسلمان توحید الٰہی کی عظمت کا پرستار اور مدنی تاجدار کی محبت واطاعت کا جان نثار ہوتا ہے۔ وہ خدا کے آخری پیغام یعنی قرآن مجید اور خدا کے آخری پیغمبر یعنی شفیع محشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس سیرت وسنت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا کر اسی کے لئے جیتا ہے اور اسی کے لئے مرتا ہے اور اپنی حیات و ممات کے ہر لمحات میں خالق کائنات کے آئین و قوانین کا فرمانبردار اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن اخلاق و سیرت مقدسہ کا علمبردار ہوتا ہے۔ لہٰذا امت مسلمہ کا تمام امتوں اور قوموں میں بہترین ہونا اتنا ہی یقینی ہے جتنا آگ کے لئے گرم ہونا۔ برف کے لئے ٹھنڈا ہونا، شکر کے لئے میٹھا ہونا لازمی اور یقینی ہے۔ مگر افسوس کہ آج ہم مسلمانوں کے تمام اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ اس طرح غارت و برباد ہو گئے کہ مسلمان خیر وصلاح سے خالی اور شر وفساد کا والی بن گیا۔ عبادت وریاضت، کسب و تجارت، ایفاء عہد وصداقت رزقِ حلال صدقِ مقال۔ خوفِ ذوالجلال غرض تمام اچھے افعال اور نیک اعمال مسلمانوں کی کتاب ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور بداعمالی و حرام کاری، دھوکہ بازی ومکاری، عہد شکنی وغداری، الحاد و بیدینی کی گرم بازاری، اللہ ورسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انحراف اور دین ومذہب سے بیزاری کے سیلابوں نے مسلمانوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر ہلاکت وبربادی کے ایسے گہرے سمندروں میں غرق کر دیا ہے کہ جہنم کی گہرائی بھی اس سے پناہ مانگتی ہے۔ افسوس! وہ مسلمان جو "خیر الامم" تھا آج "شر الامم" نظر آتا ہے۔ جو بہترین تھا وہ بدترین ہو گیا۔ جو افضل تھا وہ ارذل بن گیا۔ جو اعلیٰ تھا وہ ادنیٰ سے

بھی بدتر ہو گیا۔ اے زمین بتا! اے آسمان بول! کیا صفحۂ ہستی پر انقلابِ حال کی ایسی کوئی مثال بھی تمہاری نظروں سے گزری ہے؟ ہائے افسوس! بالکل سچ کہا شاعر مشرق نے کہ

شور ہے ہو گئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود؟
تم ہو صورت میں نصاریٰ' تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود
یو تو سید بھی ہو' مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ایک انگریز مفکر کا جواب

عزیزانِ ملت! مجھے ایک انگریز مفکر کی بات بار بار یاد آتی ہے۔ اس سے کسی مسلمان نے کہا کہ تم ایسے صاحب نظر ہوتے ہوئے مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے؟ تو اس نے ایسا عبرت خیز جواب دیا کہ اس کو سن کر ہر غیرت مند مسلمان کی پیشانی پر عرقِ ندامت کا سیلاب امنڈ پڑتا ہے۔ اس نے کہا کہ بھائی! میں جب اسلام پر نظر کرتا ہوں جو مسلمانوں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ تو اسلام کی حقانیت کے سینکڑوں آفتاب میرے دل کی دنیا میں جلوہ گر ہو جاتے ہیں۔ اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اسلام کی مقدس کتابوں پر اپنا سر رکھ کر فرطِ عقیدت سے عمر بھر اس کے تلوے چاٹتا رہوں۔ لیکن جب میں اس اسلام کو دیکھتا ہو جس پر آج کل کے مسلمان عمل کر رہے ہیں تو میرے دل میں اسلام سے ایسی نفرت اور بیزاری پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا پاپ کا ایک پہاڑ یا وحشت و بربریت کا ایک اژدہا ہے جو میری طرف لپک رہا ہے اور میں اس سے بھاگ رہا ہوں۔

مسلمانو! اس غیر مسلم انگریز مفکر کے جواب سے عبرت پکڑو اور سوچو کہ تم کو کیا ہونا چاہیے تھا اور تم کیا ہو گئے؟ ہائے ہائے افسوس۔

بن گئے تنکے نشیمن کے قفس کی تیلیاں
بن گیا کیا؟ ہم چلے تھے کیا بنانے کے لئے

مسلمانو! سچ کہا کہ کسی اہل بصیرت نے کہ ''مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب'' یعنی مسلمان قبروں میں چلے گئے اور اسلام کتابوں میں رہ گیا ہے۔

ایک بنئے کی بات

مسلمانو! اسی طرح میں ایک بوڑھے بنیے کی بات کو عمر بھر فراموش نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میں مسلمانوں کو ادھار سودا دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے جس طرح سورج کی روشنی کا یقین ہے اسی طرح مجھے اس بات کا یقین تھا کہ مسلمان کبھی بھی میری رقم نہیں مار سکتا۔ کبھی نہ کبھی ضرور میرا قرض ادا کرے گا اور اگر یہ نہ دے گا تو اس کا بیٹا یا پوتا ضرور دے گا۔ کیونکہ میں نے اپنے بڑے بوڑھوں سے یہ سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے جو قرضدار ہو کر مر جاتا تھا۔ لیکن آج مسلمانوں کی بدعہدی اور بددیانتی کا حال دیکھ کر میں ہرگز ہرگز کسی مسلمان کو ادھار سودا دینا گوارا نہیں کرتا۔

اللہ اکبر! مسلمانو! سچ سچ بتاؤ کیا ہم نے اپنی بدعہدیوں اور بددیانتیوں سے غیر مسلموں کی نگاہوں میں اسلامی وقار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے یا نہیں؟ سوچو تو سہی کہ ہم نے اپنے کرتوتوں سے اسلام کی عزت و عظمت کا کس طرح جنازہ نکال دیا؟ اور کس طرح ہم نے ملت اسلامیہ اور قوم مسلم کے قومی و ملی پرچم وقار کو تار تار کر ڈالا۔

افسوس۔ صد ہزار افسوس!

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
جو تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امید نورِ ایمن ہو گئیں

امر بالمعروف

بہر کیف اب آیئے مسلمان کے مقصد حیات اور اس کے وجود کی غرض و غایت کی دوسری کڑی پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ یَـاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی قوم مسلم کی حیات و زندگی کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ خدا کے بندوں کو اچھی اچھی باتوں کا حکم دیتا رہے۔ اور اس نیک مقصد کی ادائیگی میں مسلمان اپنی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ

کرے۔

برادرانِ ملت! گلشن رسالت کے سب سے حسین پھول' یعنی ہمارے اور تمہارے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے کہ جب تمام ملک عرب ہی نہیں بلکہ سارے عالم کی انسانیت بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے خوفناک سمندر میں غرق ہو رہی تھی۔ اور ہر طرف سیاہ کاریوں کے بادل گناہ اور پاپ کی موسلادھار بارش برسا رہے تھے۔ خدا کے بندے خدا کے باغی اور اس قدر سرکش اور طاغی ہو چکے تھے۔ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی بربریت و بہیمیت کے شر و فساد سے لرزہ براندام ہو رہا تھا۔ گمراہیوں اور بے دینیوں کے ابلیس نے انسانوں کے کانوں آنکھوں اور دلوں پر ایسی شقاوت کی مہر لگا دی تھی کہ کوئی حق کو سننے' حق کو دیکھنے حق کو سوچنے کا بھی روادار نہیں تھا اور ہر انسان اسی ایک نغمہ کی دھن پر رقص ابلیس کرتا ہوا نظر آتا تھا کہ۔

ناصحا! مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے
اس کو دشمن جانتا ہوں' جو مجھے سمجھائے ہے

مگر رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جرأت ایمانی کے قربان جایئے کہ ایسے پر آشوب ماحول اور اتنے ہوشربا حالات میں بھی امر بالمعروف کا پرچم حق بلند کیا۔ کہ تمام عزیز و اقارب بلکہ گھر والوں نے بھی آپ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ آپ کا بائیکاٹ کیا۔ شعب ابی طالب کی تنگ و تاریک گھاٹی میں محصور کر دیا۔ اور دانہ پانی بند کر کے اپنی دانست میں ہر طرح مجبور کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے مشفق و شفیق چچا ابو طالب کے قدم بھی ڈگمگانے لگے اور انہوں نے بھی اپنی قوم کی دھمکیوں سے مرعوب و خائف ہو کر ایک دن یہ کہہ دیا کہ اے میرے پیارے بھتیجے! تم خدا کے لئے مجھ بوڑھے چچا کی سفید داڑھی پر رحم کھاؤ۔ اور چند دنوں کے لئے تبلیغ حق اور امر بالمعروف کا وعظ بند کر دو' ورنہ میں پورے ملک عرب کے علم بغاوت بلند کر دینے کی تاب نہیں لا سکتا۔ چچا جان کی گریہ و زاری اور بے قراری کو دیکھ کر اگر کوہِ ہمالیہ بھی ہوتا تو شاید اس کے پائے استقامت میں تزلزل پیدا ہو جاتا اگر رستم عالم بھی ہوتا تو وہ بھی غالباً لرزہ براندام ہو کر سہم جاتا۔ قدم اکھڑ جاتے دل بیٹھ جاتا۔ زبان بند ہو جاتی مگر خدا کی خدائی گواہ ہے کہ ایسے ہوش ربا' اور حوصلہ شکن حالات میں بھی خدا کے مقدس رسول نے اپنی پیغمبرانہ استقامت کے ساتھ اپنے چچا جان کو یہ جواب دیا کہ اے مہربان چچا! اگر ملک عرب والے میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور اس کے بدلے میں مجھ

سے یہ مطالبہ کریں کہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی امر بالمعروف اور تبلیغ حق کا وعظ بند کردوں تو یہ غیر ممکن اور محال ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! سچ ہے کہ ؎

بنائے آسماں بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
محمد ﷺ تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
خوشی تھی فتح کی ان کی نہ کوئی غم ہزیمت کا
مثالِ عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا
فلک نے بارہا انسان کو جنگ آزما پایا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد ﷺ کے سوا پایا

برادرانِ اسلام! اسی طرح اگر تم صحابۂ کرام کی مقدس زندگی کا مطالعہ کروگے تو تمہیں یہی نظر آئے گا کہ ہر صحابی اپنی حیات کے آخری لمحات تک امر بالمعروف اور تبلیغ شریعت کے فرائض کو ادا کرتے ہوئے دنیا سے آخرت کا سفر کیا۔ اللہ اکبر! مسلمانوں اس موقع پر مجھے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخری زندگی کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ جس کو سن کر دل تڑپ جاتا ہے۔

امر بالمعروف بستر موت پر

حضرات! آپ نے بارہا علمائے کرام سے سنا ہوگا کہ امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح شہید ہوئے کہ عین حالتِ نماز میں جب کہ آپ مصلّیٰ پر نماز فجر کی امامت فرما رہے تھے۔ ایک ازلی شقی ابولولوء فیروز مجوسی کافر نے آپ کے شکم مبارک میں خنجر مارا۔ لوگ امیر المومنین کو مسجد سے اٹھا کر کاشانۂ خلافت میں لائے۔ طبیب نے کھجور کا شربت پلایا۔ تو وہ آنتوں سے نکل کر باہر آ گیا۔ پھر دودھ پلایا تو وہ بھی آنتوں سے بہہ نکلا۔ اس کے بعد طبیب نے کہہ دیا کہ اے امیر المومنین! آپ اب وصیت شروع کر دیجئے اب آپ کا علاج غیر ممکن ہے اور یہ آپ کا آخری وقت ہے۔ یہ سن کر امیر المومنین وصیت فرمانے لگے۔ عین اسی حالت میں ایک انصاری نوجوان کو آپ نے دیکھا کہ اس کا تہبند ٹخنوں سے نیچے زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ آپ نے اس حالت میں بھی ایک مسلم نوجوان کی اتنی سی خلاف شرع بات کو برداشت نہیں کر سکے۔ باوجود یہ کہ زخموں کی تکلیف سے لبوں پر دم آ چکا ہے مگر اس حال میں بھی امر با لمعروف کا جذبہ کم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے اس نوجوان کو مخاطب فرما کر اس طرح ارشاد فرمایا کہ

يَا ابْنَ اَبِیْ اِرْفَعْ ثَوْبَكَ فَاِنَّهٗ اَنْقٰى لِثَوْبِكَ وَاَتْقٰى لِرَبِّكَ
(بخاری ج ۱ ص ۵۲۴)

یعنی اے میرے بھتیجے! اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے اوپر اٹھا لے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تیرے کپڑے بھی زمین کے گرد و غبار سے صاف ستھرے رہیں گے اور تو اپنے رب کا پرہیز گار بندہ بھی بن جائیگا۔

مسلمان بھائیو! دیکھ لیا کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے امر بالمعروف کا جذبہ؟ کیوں نہ ہو؟ کہ يَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ایک مومن کا مقصد حیات اور اس کی زندگی کا ایک اہم نصب العین ہے۔

نہی عن المنکر

اچھا برادرانِ ملت! اب آیئے مومن کے مقصد حیات کی تیسری کڑی یعنی ینھون عن المنکر کی بھی کچھ تجلیاں دیکھ لیجئے۔ اچھی باتوں کا حکم دینا "امر بالمعروف" ہے اور بری باتوں سے منع کرنا یہ "نھی عن المنکر" ہے۔ جس طرح اچھی باتوں کا حکم دینا مسلمان کی ہستی کا مقصد عظیم ہے۔ اسی طرح بری باتوں سے روکنا بھی مسلمان کی زندگی کا ایک بڑا نصب العین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا آپ نے یہ حدیث شریف سنی ہوگی کہ۔

مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَمَا بَعْدَ ذَالِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِنَ الْاِيْمَانِ

یعنی تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے روک دے اور اگر اتنی طاقت نہ ہو کہ اپنے ہاتھ سے روک دے تو اپنی زبان سے منع کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو کم سے کم اس برائی کو اپنے دل سے برا سمجھ کر اس سے بیزاری ظاہر کرے۔ اور اگر کوئی اتنا بھی نہ کر سکا۔ تو پھر سمجھ لو کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

حضرات! حقیقت یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرنا یہ درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں جان قربان کرنے والے شہادتِ کبریٰ کی اتنی بلند ترین منزل پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کی کرامتوں کو دیکھ کر مومن تو مومن کفار و مشرکین کے سینوں میں پتھروں سے زیادہ سخت دل بھی موم سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں۔

ایک عجیب کرامت

حضرات! اس وقت مجھے حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یاد آ گئی۔ یہ ان مقدس جاں باز مجاہدین اسلام میں سے ہیں جن کو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفار کی بستیوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ نو دوسرے صحابہ کرام بھی تھے۔ یہ لوگ جب عسفان و مکہ کے درمیان پہنچے۔ تو قبیلہ بنولحیان کے مشرکوں نے ناگہاں ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں حضرت عاصم اور دوسرے سات صحابۂ کرام شہید ہو گئے اور حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ کفار کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے اور مکہ لائے گئے۔ اور کفارِ مکہ نے ان دونوں کو تختہ دار پر نیزہ مار مار کر شہید کر دیا۔ پھر جب کفارِ مکہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت عاصم بن ثابت عسفان و مکہ کے درمیان شہید کر دیے گئے ہیں۔ تو چونکہ حضرت عاصم بن ثابت جنگِ بدر کے دن بڑے بڑے کفار مکہ کو قتل کر چکے تھے۔ اس لئے ان خاندانوں نے جوشِ انتقام میں چند لوگوں کو بھیجا کہ حضرت عاصم کے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹ کر لائیں۔ جس سے یہ شناخت ہو جائے کہ واقعی یہ اسلام کا جاں باز بہادر قتل ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس ارادے سے جب کفار مکہ ان کی لاش کو تلاش کرتے ہوئے قریب پہنچے تو کیا دیکھا کہ خدا تعالیٰ نے لاکھوں شہد کی مکھیوں کا لشکر بھیج دیا ہے۔ جنہوں نے حضرت عاصم کی لاش کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔ چنانچہ ہزاروں کوششوں کے باوجود کفارِ مکہ ان کا کوئی عضو تو کیا کاٹ سکتے۔ ان کی مقدس لاش تک بھی نہیں پہنچ سکے اور نامراد واپس لوٹ گئے۔

(بخاری ج ۲ ص ۵۸۶)

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! حضراتِ محترم دیکھ لیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی راہ میں جان قربان کرنے والوں کا درجہ اور رتبہ کہ شہد کی مکھیوں کی شکل میں خداوند قدوس نے آسمانی لشکروں کو ان کی لاشوں کی حفاظت کے لئے بھیج دیا اور اس کی رحمت نے یہ گوارا نہیں فرمایا کہ کوئی کافر اس شہید فی سبیل اللہ کی لاش مبارک کی بے ادبی کر سکے۔ اللہ اکبر کیوں نہ ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ پر ہو کر کمر بستہ
لیا ہو جس مجاہد نے شہادت کا رستہ
خدا و مصطفیٰ کے دشمنوں پر موت برسا کر
وہ گر جائے اگر میدان میں تیرا اجل کھا کر

وہ زندوں سے زیادہ زندہ ہے پھر اس کا غم کیسا
بہت مسرور ہے وہ اس پہ رونا اور الم کیسا؟
سپر کو دے جو بہر دین و ملت سر بھی سینہ بھی
مبارک اس کا مرنا بھی' مبارک اس کا جینا بھی

حضرات! بہر کیف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک مسلمان کا مقصد حیات اور اس کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اور خدا کی قسم! میں ان مبلغین اور واعظین کو بہت ہی قابل قدر سمجھتا ہوں۔ جو امت مسلمہ کو اپنے وعظوں اور تقریروں سے صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرماتے رہتے ہیں۔ درحقیقت یہ لوگ اس دور میں جہاد فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب پانے کے مستحق ہیں۔ خداوند کریم ان کے فیوض و برکات میں ترقی عطا فرمائے۔ (آمین)

واعظ کی شان

لیکن ہاں ایک اور ضروری بات بھی اس موقع پر عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دینے والا' اور بری باتوں سے منع کرنے والا' اس کی کیا شان ہونی چاہیے؟ تو برادرانِ ملت! یہ بہت ہی ضروری ہے کہ وعظ کہنے والا خود بھی علم کے ساتھ ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال ہو۔

کیونکہ حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝
(بقرہ)

یعنی اے لوگو! تم دوسروں کو تو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو لیکن خود اپنی ذاتوں کو بھولے بیٹھے ہوئے ہو۔ حالانکہ تم لوگ کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ تو کیا تم لوگ اپنے اس کرتوت کو برائی نہیں سمجھتے ہو؟

برادرانِ ملت! دیکھا آپ نے خداوند قہار و جبار کے قہر و جلال کا تیور؟ جو لوگ دوسروں کو تو خیر اور نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ مگر خود خیر اور نیکی کے کاموں سے دور رہتے ہیں۔ ان کو خداوند قادر و قیوم نے زجر و توبیخ فرماتے ہوئے "بے عقل" اور "ناسمجھ" جیسے خطابوں کے ساتھ موردِ عتاب فرمایا۔

اس لئے واعظین کرام کو لازم ہے کہ وہ خود بھی اپنے اعمال و افعال کو شریعت مقدسہ کی تعلیم کے مطابق درست رکھیں۔ اور بخاری شریف کی اس حدیث پر نظر رکھیں جو بہت ہی عبرت

خیز ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ اس طرح جہنم میں چکی پیستا ہوگا جس طرح گدھا چکی چلایا کرتا ہے۔ یہ دیکھ کر جہنمی لوگ اس کے پاس آئیں گے اور اس سے کہیں گے۔ کہ اے فلاں! ارے تو بھی جہنم کے اندر عذاب میں مبتلا ہے؟ حالانکہ تو وہ شخص ہے کہ دنیا میں تو لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا اور بری باتوں سے منع کیا کرتا تھا۔ تو وہ شخص یہ جواب دے گا۔ کہ

اِنِّیْ کُنْتُ اٰمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا اَفْعَلُهٗ وَاَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَفْعَلُهٗ۔
(بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۲)

یعنی میں لوگوں کو تو اچھی باتوں کا حکم دیا کرتا تھا مگر خود کام نہیں کرتا تھا۔ اور میں دوسروں کو بری باتوں سے منع کرتا تھا۔ مگر میں خود ان برے کاموں کو کرتا تھا؟

مگر افسوس! کہ آج کل تو یہ حال ہے کہ بعض مقررین اور واعظین نے اپنے عمل و کردار اور ذہنیت کی پستی سے عوام کے ذہنوں کو اس قدر بدظن کر دیا ہے۔ کہ عوام ان لوگوں کی پر جوش تقریروں کو سن کر زبانِ قال سے نہیں تو زبانِ حال سے اتنا ضرور کہہ دیتے ہیں کہ۔

واعظ کا ہر اک ارشاد بجا' تقریر بہت دلچسپ بھی ہے
آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں' چہرے پہ یقین کا نور نہیں

بلکہ مجھے معاف فرما دیجئے تو کہہ دوں کہ اب تو ایسے واعظوں کی کمی نہیں جو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما لیتے ہیں۔ غالباً آپ لوگوں نے تھوک سے ہزاروں روپیہ کمانے والے واعظ کا قصہ تو سنا ہی ہوگا اور اگر نہیں سنا ہے تو مجھ سے سن لیجئے۔

تھوک کا روپیہ

حضرات! سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب بہت ہی آتش بیان واعظ تھے۔ مگر بہت ہی کاہل اور عہدی مزاج تھے۔ دن بھر گھر میں بیٹھے روٹی اور پلنگ توڑتے رہتے تھے۔ ان کی بیوی جب ان سے کہتی کہ خدا کے لئے کچھ کمائیے تو ڈانٹ کر کہہ دیتے تھے کہ چپ رہو۔ میں وہ باکمال شخص ہوں کہ میں اگر چاہوں تو اپنے تھوک سے ہزاروں روپے کما سکتا ہوں۔ ایک دن بیوی نے جل کر کہہ دیا کہ نوج۔ تمہیں قسم ہے کہ اپنے تھوک سے ہزاروں روپے تو کجا؟ ذرا سو ہی روپے کما کر دکھا دو تو میں مان لوں گی کہ واقعی تم صاحب کمال ہو۔ ورنہ میں تو یہی سمجھوں گی کہ بقول کسی شاعر کے۔

مرے اشعار اڑ جائیں تو اس میں کیا تعجب ہے
جنابِ شیخ تو اکثر اڑا دیتے ہیں بے پر کی

بیوی کا یہ خون کھولا دینے والا طعنہ سن کر مولوی صاحب بلبلا گئے۔ اور جھٹ پٹ پلنگ سے کود کر باہر نکل گئے اور گھر سے سینکڑوں میل دور جا کر داڑھی مونچھ کا صفایا کر ڈالا اور ایک تہبند اور بنیان پہن کر ایک چھوٹے سے گاؤں میں شیعوں کی مسجد میں جھاڑو دینے کی نوکری کرنے لگے۔ مسجد میں جھاڑو دیتے۔ حوض صاف کرتے' چٹائی اٹھاتے بچھاتے اور روزانہ ہر شخص سے یہی کہتے کہ ہائے افسوس! میں نے کچھ بھی نہیں پڑھا۔ بالکل ہی جاہل رہ گیا ورنہ میں بھلا مسجد میں جھاڑو دیتا؟ اپنی جہالت کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے ایک دن بازار سے قاعدہ بغدادی لائے اور مکتب میں جا کر ملاجی سے الف۔ بے پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر دال جال کے سوا کبھی دال ذال نہیں پڑھا۔ غرض ساری بستی کو پورا پورا یقین دلا دیا کہ مسجد کا بھنڈاری بالکل ہی جاہل مطلق اور نرا دیہاتی گنوار ہے۔ مگر ایک دن بالکل اچانک فجر کی نماز کے بعد اعلان کر دیا کہ سب لوگ ٹھہر جائیں۔ میں آج وعظ پڑھوں گا چنانچہ چٹ منبر پر چڑھ گیا۔ شعلہ بیان مقرر تو تھا ہی چند منٹوں میں اپنی آتش بیانی اور تقریر کی روانی سے سامعین کو محو حیرت بنا دیا۔ مناقب و مثالب بیان کرتے کرتے ایک دم جو اہل بیت کے مصائب پر دل ہلا دینے والی تقریر کر دی۔ تو سامعین روتے روتے آنسوؤں میں لت پت ہو گئے اور بھنڈاری صاحب منبر سے جھٹ پٹ دھم سے کود کر فرش پر کھڑے ہو گئے۔ اور ''علی مولیٰ'' ''حیدر مولیٰ'' کا نعرہ لگانے لگے۔ سامعین نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ بھنڈاری صاحب خدا کے لئے جلد بتایئے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ آپ جیسے جاہل گنوار رات بھر میں اتنے بڑے مقتدر عالم ہو گئے کہ بڑے بڑے قبلہ و کعبہ بھی آپ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس سوال کو سن کر بھنڈاری صاحب چیخ مار کر رونے لگے۔ اور کہا کہ بھائیو! تم لوگ جانتے ہی ہو کہ میں کتنا بڑا جاہل تھا مگر آج رات جب میں نو سو ننانوے مرتبہ ''نادِ علی'' پڑھ کر سویا تو خواب میں حضرت مولیٰ علی کی زیارت نصیب ہو گئی۔ مولائے کائنات نے مجھ سے خوش ہو کر فرمایا کہ ''منہ کھول'' چنانچہ میں نے اپنا منہ کھول دیا۔ تو حضرت مولیٰ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ بس ایک دم میرا سینہ کھل گیا۔ اور میں دم زدن میں تمام علوم و فنون کا ماہر بن گیا۔ یہ سن کر پورا مجمع علی مولیٰ حیدر مولیٰ کہہ کر زار زار رونے لگا۔ اور ہر شخص اپنا سینہ کوٹنے پیٹنے لگا۔ گھنٹوں ماتم ہوتا رہا پھر ایک شخص نے عرض کیا کہ بھنڈاری صاحب واللہ! آپ بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ حضرت مولیٰ نے آپ کے منہ میں

لعابِ دہن ڈالا۔ اب خدا کے لئے آپ ہم لوگوں کے منہ میں اپنا لعابِ دہن ڈال دیجئے۔ تا کہ ہمارے منہ بھی طیب و طاہر ہو جائیں۔ بھنڈاری نے تڑپ کر کہا کہ ہرگز نہیں۔ میں یوں ہی مفت میں تم لوگوں کو اس سعادت سے سرفراز نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی صاحب ایک سو روپیہ حضرت مولیٰ کی نذر و نیاز کا پیش کرے تو میں اس کی یہ تمنا پوری کر دوں۔ یہ سننا تھا کہ سب ایک ایک سو روپیہ لے کر حاضر ہو گئے۔ بھنڈاری صاحب ہر ایک سے سو روپیہ لیتے۔ اور یہ کہتے کہ منہ کھولو۔ وہ غریب چونچ پھاڑ کر منہ کھولتا تو بھنڈاری صاحب چوتھ بھر تھوک اس کے منہ میں ''آخ تھو'' کہہ کر تھوک دیتے۔ اس طرح آخ تھو کر کے سب کے منہ میں تھوکا۔ اور ہزاروں روپیہ لے کر رات کی تاریکی میں چپکے سے چمپت ہو گئے۔ اور گھر میں آ کر نوٹوں کی گڈیاں بیوی کے قدموں پر ڈال کر کہا کہ لو بیگم! واللہ اگر تم کہو تو میں کعبہ کے اندر قرآن شریف سر پر رکھ کر قسم کھالوں کہ یہ ساری رقم میرے تھوک کی کمائی ہے۔ یہ سن کر بیوی نے کہا کہ وہ کیسے؟ تو مولوی صاحب نے اپنے بہروپ کی پوری کہانی سنائی۔ داستان سن کر ہنستے ہنستے۔ بیوی لوٹ پوٹ ہو گئی اور کہنے لگی کہ واہ مولوی صاحب! اب میں مان گئی کہ واقعی۔

بہت باریک ہیں واعظ کی چالیں

اور بالکل سچ کہا ہے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہ۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بے چارہ نہ ملا ہے' نہ واعظ' نہ حکیم

حضرات! بہر حال میں اپنے مقصد سے بہت دور چلا گیا۔ مگر کیا کروں؟ بات آ گئی تو کہنا پڑتا ہے۔

ہر چند ہو مشاہدہ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

''خیر'' اب میں پھر اپنے مقصد کی طرف آتا ہوں۔ ذرا غور سے سنیے۔ اور ایک مرتبہ درود شریف کا ورد کر لیجیے۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ ال سیدنا محمد و بارك و سلم

حضرات گرامی! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مسلمان کا مقصد حیات چار چیزیں ہیں۔ خیر الامم ہونا۔ امر بالمعروف۔ نہی عن المنکر۔ ان تینوں مقاصد کو تو میں ایک حد تک عرض چکا اب چوتھا اور آخری مقصد بھی سن لیجیے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ وتومنون باللہ یعنی اللہ پر ایمان

رکھنا۔

حضرات! ''ایمان باللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان رکھنا۔ یہ بظاہر ایک مختصر سا جملہ ہے۔ مگر اگر غور کیجئے تو پورا اسلام اسی ایک جملے میں سمایا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے تمام عقائد و اعمال کا محور اور دار و مدار اسی ایمان باللہ کی حقیقت پر ہے۔ رسولوں پر ایمان' ملائکہ پر ایمان' آسمانی کتابوں پر ایمان' قیامت پر ایمان' تقدیر پر ایمان' غرض تمام ایمانیات پر ایمان اسی حیثیت سے فرض ہے کہ ان سب کا تعلق خداوند تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اسی طرح نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' تمام فرائض وواجبات' سنن و مستحبات غرض تمام اعتقادیات وعملیات کا مقصد اعلیٰ خدا ہی کی رضا اور اسی کے رضوان وغفران کی تمنا ہے۔ اس لئے ''ایمان باللہ'' ایک مومن کا وہ مقصد حیات اور مقصود زندگی ہے۔ جو تمام مقاصد حسنہ کی صف اول میں سب سے ممتاز سب سے افضل' سب سے اعلیٰ اور سب پر بالا ہے۔

برادرانِ اسلام! آپ حیران ہوں گے کہ صرف ''ایمان باللہ'' کے مختصر سے لفظ میں پورا اسلام کیوں کر سمایا ہوا ہے؟ تو برادرانِ اسلام! میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کر دیتا ہوں۔ جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بڑی آسانی کے ساتھ یہ حقیقت آپ کے ذہن میں اتر جائے گی۔ کہ ایک لفظ ''ایمان باللہ'' میں پورا اسلام کیونکر سمٹا اور سمٹایا ہوا ہے؟

میں نے قبول کیا

ارے بھائیو! آپ نے نکاح ہوتے تو دیکھا ہی ہوگا؟ شادی کے وقت دولہا میاں کا تیور دیکھنے کے قابل ہوتا ہے جب برات روانہ ہوتی ہے۔ تو دولہا میاں اپنے کو نوشہ سمجھ کر مارے خوشی کے پھولے نہیں سماتے۔ پھر قاضی صاحب آتے ہیں اور خطبہ پڑھ کر جب ایجاب وقبول کراتے ہیں۔ تو یہی تو کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی فلاں نام کی میں نے اتنے مہر کے عوض تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ کیا تم نے قبول کیا؟ تو دولہا میاں خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ''میں نے قبول کیا'' مجمع میں یہ کہہ کر دولہا میاں مارے خوشی کے اتنا پھول جاتے ہیں۔ کہ اس موقع پر کبھی کبھی شیروانی کے ساتوں بٹن ٹوٹ جایا کرتے ہیں اور کھڑے ہو کر مسکراتے ہوئے حاضرین کو سلام کرتے ہیں۔ بس اسی دو بول کا نام نکاح ہے۔

لیکن نکاح کے بعد جب دلہن رخصت ہو کر دولہا میاں کے گھر آتی ہے اور گھر گرہستی سنبھالتی ہے۔ تو پھر صبح ہوتے ہی فرمائشوں کا ایک طومار بندھ جاتا ہے۔ دلہن صاحبہ کہتی ہیں کہ

میاں! بازار جائیے۔ آٹا' چاول' دال' تیل' مصالحہ' گوشت' مچھلی' لکڑی لائیے اور چٹنی کے لئے ذرا سویا' ہرا دھنیا' پودینہ اور لیموں بھی لیتے آیئے گا۔ اور ہاں توا' کڑاہی' دیگچی' چمچہ اور طشتری' پیالے بھی خرید لیجئے گا۔ اور میرے لئے دوپٹہ' شلوار' فراک کا کپڑا بھی لائیے گا۔ اور میرے لئے منجن' برش' پوڈر' لالی' کاجل' سنو بھی ضرور لیتے آیئے گا۔ بیوی کے ان مطالبات کی شیطانی آنت جیسی لمبی فہرست سن کر دولہا میاں کے ہوش اڑ گئے۔ لمبا لمبا سانس آنے جانے لگا۔ اور کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ! میں یہ سب سامان کیوں لاؤں؟ نکاح کے وقت قاضی صاحب کے سامنے تو ان چیزوں کا کوئی ذکر نہیں آیا تھا۔ میں نے تو صرف اتنا ہی کہا تھا کہ ''میں نے قبول کیا'' بیگم صاحبہ تڑپ کر بولیں کہ نوج اجی جب تم نے قبول کیا تھا۔ تو اسی قبول کیا کے اندر یہ سارے سامان آ گئے۔ آٹا' چاول' دال' تیل' مصالحہ اور گھر کے سارے سامان تمہارے اسی قبول کیا کے لفظ میں سمٹے اور سمائے ہوئے ہیں۔ ابھی کیا ہوا؟ ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ چند دنوں میں میرے بچے پیدا ہوں گے۔ تو ان بچوں کے لئے دودھ کا پوڈر' چاکلیٹ' کھلونے بھی اسی قبول کیا میں رکھے ہوئے ہیں۔ پھر ان بچوں بچیوں کے مونڈن' عقیقے' ختنے' سب کی شادیاں ان سارے مطالبات کے لشکر تمہارے اسی ''قبول کیا'' کے کیمپ میں چھپے ہوئے ہیں۔ بیوی کی یہ تقریر سن کر دولہا میاں عین غین ہونے لگے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہنے لگے کہ بیگم! میں ہرگز ہرگز تمہاری ان فرمائشوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ میں نے تو صرف قبول کیا ہے۔ ان مطالبات کے پورا کرنے کا عہد تو نہیں کیا ہے اب جب میاں بیوی میں جوتی کے اندر دال بٹنے لگی۔ تو محلے کے پرانے پرانے خرانٹ قسم کے گھاگ چودھریوں کی پنچایت جمع ہوئی اور بیوی کے جائز مطالبات کو سن کر سب نے یہی فیصلہ کیا۔ کہ دولہا میاں! ہوش کی دوا کرو۔ جب تم نے قبول کیا ہے تو پھر اس قبول کیا کی ذمہ داریوں سے بھاگتے کیوں ہو؟ بیگم صاحبہ سچ کہہ رہی ہے کہ اس قبول کیا میں میاں بیوی کی زندگی کے تمام لوازم' اور ضروریات آ گئے۔ لہٰذا تم کو بیگم صاحبہ کے تمام مطالبات پورے کرنے ہی پڑیں گے یہی پنچوں کا فیصلہ ہے۔ بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کا یہی فیصلہ ہے اور یہ وہ قطعی فیصلہ ہے کہ اس کو نہ پارلیمنٹ بدل سکتی ہے۔ نہ ہائی کورٹ' یا سپریم کورٹ میں۔ اس کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے۔

برادرانِ ملت! دیکھ لیا آپ نے؟ کہ صرف ایک جملہ ''میں نے قبول کیا'' میں زندگی بھر کی ہزاروں لاکھوں چیزیں جس طرح سمٹی اور سمائی ہوئی ہیں۔ اسی طرح ''ایمان'' کے ایک لفظ میں پورا اسلام سمٹا اور سمایا ہوا ہے۔ جی اسی لئے تو کہا گیا ہے کہ

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں' مسلماں ہونا

بہر کیف عزیز و اور دوستو! مسلمان کی زندگی کے چاروں مقاصد پر میں کافی روشنی ڈال چکا اور اب یہ مسئلہ صاف ہو چکا لہٰذا اب اس اصول پر ایک نظر ڈالئے کہ جب تک کوئی چیز اپنے مقاصد وجود' اور اپنی ہستی کے اغراض و مقاصد کو پورا کرتی رہتی ہے۔اس کی قدر و قیمت باقی رہتی ہے اور جب کوئی چیز اپنے مقاصد حیات اور اپنے وجود کی غرض و غایت کو ضائع کر دیتی ہے۔تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔یا بالکل ہی ختم ہو جاتی ہے۔اب اس زریں اصول کے پیش نظر یہ مسئلہ آئینے کی طرح صاف ہو گیا۔کہ مسلم قوم پہلے زمانے میں کیوں قدر و قیمت والی تھی؟ اور اب یہ قوم کیوں اس قدر بے وقعت ہو گئی کہ اس کی قدر و قیمت ہی باقی نہیں رہی؟ اور پہلے زمانے میں کیوں مسلمانوں کی حمایت و حفاظت کے لئے آسمانوں سے فرشتوں کی فوج اترتی تھی؟ اب اس دور میں آسمانی لشکر کی امدار و اعانت نے کیوں مسلمانوں سے اپنا منہ پھیر لیا؟

تو برادرانِ ملت! بات بالکل صاف ہے کہ ہمارے سلف صالحین اور پرانے زمانے کے مومنین چونکہ اپنے چاروں مقاصد وجود اور اپنی حیات و بقا کی چاروں غرضوں اور غایتوں کو پورا کرتے رہے۔یعنی خیر الامم ہونے کا ہر وقت احساس امر بالمعروف نہی عن المنکر اللہ عزوجل پر ایمان ان مقاصد کو ہمیشہ علیٰ وجہ الکمال پورا کرتے رہے۔اس لئے خلق اور خالق کے نزدیک ان کی قدر و قیمت تھی۔اور چونکہ یہ قیمتی تھے اس لئے ان کا مالک یعنی خداوند عالم ان کی ہمیشہ حمایت و حفاظت فرماتا تھا۔اور آج کل کے مسلمان چوں کہ اپنے ان چاروں مقاصد حیات برباد و غارت کر چکے۔اس لئے نہ مخلوق کی نگاہوں میں ان کی کوئی عزت و وقعت رہی۔نہ خالق کے دربار میں ان کی کوئی قدر و قیمت باقی رہ گئی۔اور جب یہ قیمتی نہیں رہے۔تو ان کے مالک خداوند عالم نے ان کی حفاظت بھی چھوڑ دی۔لہٰذا اے مسلمان بھائیو! سن لو۔اگر تم اس دنیا میں قدر و قیمت والے بن کر رہنا چاہتے ہو۔اور عزت و نصرت کے خواستگار اور خدا کی حمایت و حفاظت کے طلبگار ہو۔تو اگلے مسلمانوں کی طرح اپنے مقاصد حیات کو پورا کرو۔اور سچے مسلمان بن کر جیو۔اور سچے بن کر مرو۔ورنہ یاد رکھو کہ اگر تم خدا کی امداد و نصرت سے محروم ہو گئے۔تو گردش لیل و نہار تمہیں اس طرح پیس ڈالے گی کہ تمہارے وجود کی ہڈیاں تک گرد و غبار بن کر فضائے عالم میں اڑ جائیں گی۔اور تمہارے وجود و ہستی کی دردناک داستان کتابوں

کے صفحات میں آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بن کر باقی رہ جائے گی۔ مسلمانو ں تم سنو یا نہ سنو ! مگر گردشِ لیل ونہار کی للکار اور زمانے کی پکار تمہیں بیدار وہوشیار کر رہی ہے۔

غلط روی سے منازل کا بعد بڑھتا ہے — مسافر ! روش کا رواں بدل ڈالو
جگا کے تمہیں سو گئے ہیں — نشاط و لذت خوابِ گراں بدل ڈالو
سفینہ اب بھی کنارے پہ لگ تو سکتا ہے — ہوا کے رخ پہ چلو بادباں بدل ڈالو

و ما علینا الا البلاغ
وصلی اللہ تعالٰی علٰی خَیر خلقہٖ
محمد وَالہٖ و صحبہٖ اجمعینْ

پینتیسواں (۳۵) وعظ

جنگِ تبوک اور تین صحابہ

بنائے آسماں بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
محمد ﷺ تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

بسم اللہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (توبہ)

حضراتِ گرامی! یہ مقدس و باوقار اجلاس درحقیقت مدینے کے تاجدار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر جمیل کا ایک باعظمت دربار ہے۔ لہٰذا اس کے نورانی ماحول اور ایمانی جاہ و جلال کا تقاضا ہے کہ ہم سب محبت رسول کے جذبات سے سرشار ہو کر آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنابِ تقدس مآب میں بار بار صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے

رہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

حضرات! تقریر سے پہلے دو نعتیہ قطعات پیش کرتا ہوں۔ انتہائی توجہ اور حضورِ قلب کے ساتھ سماعت فرمایئے۔

قلب کو عشق کا پیام آیا — یاد جس دم شہ انام آیا
روح مومن کی جھوم جھوم اٹھی — جب محمد ﷺ کا لب پہ نام آیا

دوسرا قطعہ عرض کرتا ہوں۔ بغور سنیے۔

اپنا اونچا نصیب دیکھ لیا — خود کو ان کے قریب دیکھ لیا
جب بھی سر جھک گیا تصور میں — ہم نے روئے حبیب دیکھ لیا

محترم بزرگو اور عزیز بھائیو! میں نے ابھی ابھی سورۂ توبہ کی دو آیتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ سبحان اللہ! یہ دونوں آیتیں اپنے مضمون کی جامعیت اور سرمایہ عبرت ہونے کی حیثیت سے اتنا بلند مقام رکھتی ہیں کہ گویا کوزے میں سمندر بھرا ہوا ہے۔ بلا شبہ یہ دونوں آیتیں ہم مسلمانوں کے لئے عبرت و نصیحت کے ایسے ایسے ایمان افروز جلوے پیش کر رہی ہیں کہ ہم ان کی نورانی تجلیوں سے ہدایت کا نور حاصل کریں۔ تو ہماری دنیائے ایمان بقعہ نور بلکہ نور علیٰ نور بن سکتی ہے۔

حضرات! ان آیات میں "جنگِ تبوک" کے عبرت خیز مناظر اور مجاہدین اسلام کی سر فروشانہ جدوجہد کی داستان کے علاوہ صحابۂ کرام کے مجاہدانہ جذبۂ استقامت اور مخلصانہ استقلال کی تجلیاں اس طرح جگمگا رہی ہیں۔ جس طرح آسمان کے وسیع دامن پر ستاروں کی برات اندھیری رات میں اپنا نور بکھیرتی رہتی ہے۔

حضراتِ گرامی! میں چاہتا ہوں کہ ان آیتوں کا ترجمہ سنانے سے پہلے میں ان آیات کے نازل ہونے کا سبب اور ان واقعات کو آپ کے سامنے پیش کر دوں جن کے باعث یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ تاکہ ان واقعات کی روشنی میں آپ ان آیتوں کے پس منظر کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ اور رشد و ہدایت کے ان انمول موتیوں سے اپنے دامن مراد کو بھر لیں۔

جنگِ تبوک

حضرات! ان آیتوں کا تعلق "جنگِ تبوک" سے ہے جس کو "غزوۂ عسرت" بھی کہتے ہیں۔ "جنگ تبوک" یہ حق و باطل کا وہ آخری معرکہ ہے۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرما کر مجاہدین اسلام کے لشکر کی سپہ سالاری فرمائی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ رجب ۹ ہجری میں یہ خوفناک اور دہشت انگیز خبر گرم ہوئی کہ رومی سلطنت کا بادشاہ قیصر روم ایک عظیم لشکر لے کر اس عزم کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ کہ شہر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر توحید الٰہی کے پرستاروں کو دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔ اس خبر کو سنتے ہی حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ عزم کے ساتھ یہ اعلان فرما دیا کہ قبل اس کے کہ رومی لشکروں کا دل بادل مدینہ کی سرزمین پر قدم رکھے۔ ہم آگے بڑھ کر دشمن ہی کی زمین پر اس طوفانی لشکر کا مقابلہ کریں گے۔ چنانچہ اس اعلانِ نبوت کو سن کر شمع رسالت کے پروانے بے تابانہ دوڑ پڑے۔ اور تیس ہزار جاں نثاروں کا جم غفیر جاں بازی کے لئے پرچم اسلام کے نیچے جمع ہو گیا۔

اسلامی لشکر کی مشکلات

مگر اللہ اکبر! اس لشکر کی روانگی کا وقت بڑا ہی مشکل اور بیحد کٹھن تھا۔ مسلمانوں کی مفلسی اور تنگ دستی کا یہ عالم تھا کہ اس طویل سفر کے لئے دس دس آدمیوں کی سواری کے لئے ایک ایک اونٹ تھا۔ جس پر باری باری لوگ سوار ہوتے تھے اور موسم کی گرمی اور تپش کا یہ حال تھا کہ صحرائے عرب کا ایک ایک ذرہ تنور بنا ہوا تھا۔ گرم گرم ہواؤں کے جھونکوں اور لو کے تھپیڑوں سے انسان تو انسان اونٹ جیسے متحمل مزاج جانور بھی قدم قدم پر دم توڑ رہے تھے۔ راشن کی اس قدر قلت تھی کہ چوبیس چوبیس گھنٹے میں ایک ایک کھجور پر کئی کئی آدمی اس طرح بسر کرتے تھے۔ کہ ہر ایک اس کھجور کو چوس چوس کر پانی پی لیتا تھا اور پانی کی کمی اور نایابی کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی منزلوں تک پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ بعض مرتبہ تو پیاس کی شدت سے بیتاب ہو کر جب لوگ جان بلب ہونے لگے تھے تو کچھ حضرات اونٹ ذبح کر کے اسکی اوجھڑی کا پانی پی کر اپنی جان بچاتے تھے۔ مگر ان ہوش ربا مشکلات و مصائب کے باوجود صحابۂ کرام کے جوشِ جہاد میں ذرہ برابر فرق نہیں آتا تھا۔ اور یہ فدایانِ اسلام سر فروشی کے جذبات سے سرشار ہو کر مستانہ وار چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ مقام ''تبوک'' میں پہنچ کر خیمہ زن ہو گئے۔ اور ان اللہ والوں کے رعب و دبدبہ کا ایسا سکہ بیٹھ گیا کہ رومیوں کے دل دہل گئے۔ اور ان کے بڑے بڑے سنگین عزائم کے پہاڑ مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر کی ہیبت سے چور چور ہو کر ریت کے ذرات کی طرح بکھر گئے اور قیصر روم اس قدر خائف اور مرعوب

ہوگیا کہ مدینہ پر اس کی چڑھائی کا سارا منصوبہ ہی خاک میں مل گیا۔ اور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چند دنوں ''تبوک'' میں ٹھہر کر دشمنانِ اسلام کو اچھی طرح مرعوب فرما لینے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے۔

حضرات گرامی! جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ اور مسجد نبوی میں رونق افروز ہوگئے۔ تو تقریباً اسی (۸۰) سے کچھ زائد کی تعداد میں وہ منافقین بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ جو اس جہاد میں نہیں گئے تھے۔ یہ لوگ جھوٹ بول بول کر قسمیں کھا کھا کر معذرت کرنے لگے اور اپنی چرب زبانی اور فریب لسانی سے پیغمبر کو دھوکا دینے لگے اور اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ان لوگوں کی پردہ پوشی کے خیال سے ان کے باطن کو خدا کے سپرد فرما کر ان کے عذروں کو قبول فرما لیا اور کسی پر کوئی عتاب نہیں فرمایا۔

تین صادق الایمان

مگر تین صادق الایمان مسلمان ایک حضرت کعب بن مالک' دوسرے ہلال بن امیہ۔ تیسرے مرارہ بن ربیع۔ یہ تینوں مخلص صحابہ بھی اس جہاد میں شریک نہیں تھے۔ یہ تینوں جب بارگاہ رسالت میں آئے تو ان لوگوں نے کوئی جھوٹا بہانہ نہیں پیش کیا۔ بلکہ صاف دل سے بالکل سچ سچ عرض کر دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہمیں کوئی مجبوری اور عذر نہیں تھا بلکہ صرف اپنی کاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہم اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے۔ جس کے لئے ہم معذرت کے خواستگار اور انتہائی ندامت کے ساتھ تائب اور معافی کے طلبگار ہیں۔

رحمت عالم نے ان تینوں مخلص صحابیوں کا بیان سن کر ارشاد فرمایا کہ ان تینوں نے واقعی بالکل سچ کہا ہے۔ مگر میں ابھی ان تینوں کے معاملہ کو موقوف رکھتا ہوں۔ جب تک ان لوگوں کے بارے میں خداوند قدوس کا کوئی فرمان نازل نہیں ہو جائے گا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ فی الحال میں ان لوگوں کے بارے میں یہی حکم دیتا ہوں کہ تمام مسلمان ان تینوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیں۔ رحمت عالم کا یہ ارشاد سن کر تمام مسلمانوں نے ان تینوں سے سلام و کلام' ملنا جلنا' کھانا پینا یک لخت بالکل بند کر دیا۔ اسی حالت میں چالیس دن گزر گئے۔ پھر تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم صادر فرما دیا کہ یہ لوگ اپنی اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جائیں۔

حضرات! اس بائیکاٹ سے ان تینوں مخلص صحابہ پر کیا گزری؟ اور ان لوگوں کا کیا حال ہوا؟ اس کو حضرت کعب بن مالک ہی کی زبان سے سنیے۔

حضرت کعب کا بیان

برادرانِ ملت! حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی ''ہلال بن امیہ'' اور ''مرارہ بن ربیع'' تو بائیکاٹ کی مشکلات سے تنگ آ کر مصیبت کے مارے اپنے اپنے گھروں میں روپوش ہو گئے اور اپنے گھروں میں چھپ کر دن رات انتہائی بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری میں مصروف رہنے لگے۔ مگر میں چونکہ ایک بہادر جوان تھا۔ اس لئے میں اپنے گھر میں روپوش نہیں ہوا بلکہ میں پنج وقت مسجد نبوی میں باجماعت نماز پڑھتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا۔ مگر میرا قلب اس رنج وصدمہ سے پاش پاش ہوا جاتا تھا۔ کہ جب میں بازاروں میں اپنے قدیمی دوستوں اور زندگی بھر کے مخلص رفیقوں کو سلام کرتا تھا تو میرے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انتہائی بے رخی اور نفرت کے ساتھ مجھ سے منہ پھیر لیتے تھے۔ اور میں مسجد نبوی میں رحمت عالم کے بالکل ہی قریب کھڑا ہوا نمازیں پڑھتا تھا۔ اور بار بار جمالِ نبوت کو اس امید پر دیکھتا رہتا تھا کہ شاید رحمت عالم میری طرف دیکھ لیں۔ مگر ہائے افسوس! کہ میں جب سرکارِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمال نبوت پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتا تھا تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے چہرہ مبارک کو میری طرف سے پھیر لیتے تھے۔ اور میں جب نماز میں مشغول ہو جاتا تو میں کنکھیوں سے یہ دیکھا کرتا تھا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری طرف دیکھا کرتے تھے۔ مگر جب سلام پھیرنے کے بعد میں حضور کی طرف عاشقانہ نگاہوں سے نظر ڈالتا تھا۔ تو میرے قلب پر ایک گھونسہ سا لگ جاتا تھا کہ حضور میری جانب سے اپنا رخ انور پھیر لیتے تھے۔

حضرات! جناب کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی حضرت ابو قتادہ صحابی کے باغ کی دیوار پر چڑھ گیا اور میں نے ان کو سلام کیا تو باوجود یہ کہ وہ مجھ پر انتہائی مہربان تھے۔ مگر انہوں نے نہ میرے سلام کا جواب دیا۔ نہ میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے ان کی بے رُخی پر انتہائی پردرد لہجے اور ملتجیانہ انداز میں عرض کیا کہ یَا اَبَا قَتَادَةَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُنِیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ یعنی اے ابو قتادہ! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم اس بات کو جانتے ہو کہ میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں؟ ابوقتادہ پھر بھی کچھ نہیں بولے۔ پھر میں نے جب بار بار ان کو قسم دلا کر یہی سوال کیا تو انہوں نے صرف اتنا ہی کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ وَرَسُوْلُهٗ یعنی اللہ عزوجل اس بات کو زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ کے منہ سے یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں دیوار پر چڑھ کر نیچے اتر گیا۔

فرمان شاہی تنور میں

حضرات! کعب بن مالک کا بیان ہے کہ ابھی ابوقتادہ کے اس سلوک سے میرا دل پاش پاش ہو ہی رہا تھا اور میرے آنسو ابھی تھمنے بھی نہیں پائے تھے کہ ایک دوسرے ابتلائے عظیم کی بلا میرے سر پر سوار ہو گئی اور وہ یہ کہ میں بازار میں چلا جا رہا تھا۔ تو دیکھتا ہوں؟ کہ ملک شام کا ایک کسان لوگوں سے پوچھتا پھرتا ہے کہ کعب بن مالک کون ہیں؟ اور کہاں ملیں گے؟ وہ مجھے بڑی بے قراری کے ساتھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور میں نے یہ دیکھا کہ کوئی زبان سے کچھ بولتا نہیں تھا۔ مگر میری طرف اشارہ کر کے لوگ اس کو میری طرف متوجہ کر رہے تھے وہ کسان میری طرف لپکا اور اس نے مجھ کو ایک خط دیا۔ جو غسان کے بادشاہ نے میرے نام تحریر کیا تھا۔ جس میں اس نے یہ لکھا تھا۔ کہ اے کعب بن مالک! ہم کو خبر ملی ہے کہ تمہارے نبی نے تم پر بڑا ظلم کیا ہے لیکن خدا نے تمہیں اتنا ذلیل نہیں بنایا کہ دنیا میں تمہارا کوئی ساتھی اور حمایتی نہ ہو۔ تم فوراً ہمارے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ ہم تمہارے غم خوار اور ہر طرح مددگار ہیں۔

برادران ملت! حضرت کعب فرماتے ہیں کہ یہ خط پڑھ کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا اور میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ یہ بھی خدا کی طرف سے میرا امتحان اور میری آزمائش کا سامان ہے۔ چنانچہ میری رگ ایمان میں جذبات کا ایسا طوفان اٹھ کھڑا ہوا کہ میں غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گیا۔ اور میں نے ایک نانبائی کے جلتے ہوئے تنور میں اس خط کو ڈال دیا اور اس کسان سے کہہ دیا کہ تم اپنے وطن پہنچ کر بادشاہ غسان سے کہہ دینا کہ تمہارے خط کا یہی جواب ہے۔ یہ کہہ کر میں چل دیا اور کسان میرا منہ تکتا رہ گیا۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۳۵ باب حدیث کعب بن مالک)

حضرات گرامی! الغرض اسی حالت میں ان تین مخلصین صحابہ کرام پر پچاس راتیں گزر گئیں۔ کہ یہ تینوں مدینہ کے کوچہ و بازار میں ذلیل و خوار تھے۔ نہ کوئی ان کا پرسان حال تھا۔ نہ کوئی ان کے حال زار پر ان کا غم خوار تھا۔ نہ کوئی ان کی بے قراری اور گریہ و زاری پر رحم کھانے کے لئے

تیار تھا۔ درحقیقت یہ ایک ایسا روح فرسا امتحان اور جان لیوا مصیبت کا طوفان تھا کہ اگر یہ کسی پہاڑ سے ٹکرا جاتا تو شاید پہاڑ بھی اس کے صدمات کی تاب نہ لا کر چور چور ہو جاتا۔ اور گرد وغبار بن کر فضائے آسمانی میں بکھر کر اڑ جاتا مگر خدا کی قسم! ان استقامت کے پہاڑوں کی عظمت پر کوہ ہمالیہ کی رفعت بھی قربان۔ کہ ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر جنبش نہیں آئی۔ مگر اس میں شک نہیں کہ رنج وغم کے صدمات کی خلش کانٹا بن کر ان کے دلوں کی گہرائیوں میں چبھتی اور کھٹکتی رہتی تھی۔ اور اپنے ضمیر کی بے قراری سے یہ ایمان ویقین کے مجسمے ہروقت تڑپتے روتے بلکتے رہتے تھے۔

دل کا کانٹا

محترم حاضرین! حضرت کعب اپنی مشکل گھڑی کو عمر بھر یاد کر کے یہ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی فکر جوان دنوں میرے دل میں کانٹا بن کر کھٹکتی رہتی تھی۔ وہ یہی ایک خیال تھا کہ اگر اسی حالت میں میری موت ہوگئی تو حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری نماز جنازہ نہیں پڑھائیں گے۔ اور اگر خوانخواستہ انہی دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اسی حال میں رہ جاؤں گا۔ اور میری موت کے بعد میری نماز جنازہ تو کجا؟ کوئی مسلمان میری لاش کو ہاتھ لگانے کا بھی روادار نہیں ہوگا۔ بس اس ایک تصور سے میری دنیائے وجود میں ہر دم ایک بھونچال سا رہتا تھا اور شدتِ رنج وغم سے مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اور میری روح پرواز کر جائے گی۔

توبہ قبول

حضرات! غرض یہ پچاس دن ان تینوں صحابہ کے لئے پچاس برس کی تکالیف سے بھی زیادہ کٹھن تھے۔ مگر بالآخر ان مخلص مومنین کی جان سوز بے قراری اور دل دوز گریہ وزاری پر رحمت باری کو ایک دن پیار آ ہی گیا رات کا پچھلا پہر تھا۔ حضور رحمت عالم ام المومنین حضرت بی بی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں تشریف فرما تھے کہ ناگہاں وحی الٰہی نازل ہوگئی اور رحمت عالم نے فرمایا کہ یَا اُمِّ سَلَمَةَ تِیبَ عَلٰی کَعْبٍ ۔ اے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا! کعب کی توبہ مقبول ہوگئی۔

کام آخر جذبۂ بے اختیار آ ہی گیا
دل کچھ اس صورت سے تڑپا ان کو پیار آ ہی گیا

مسلمان بھائیو! حضرت بی بی ام سلمہ کو جناب کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں سے بے

پناہ ہمدردی تھی۔ اس لئے اس ارشاد مبارک کو سن کر فرطِ مسرت سے ام المومنین کے چہرے پر شگفتگی کے ہزاروں پھول کھل گئے۔ ایک دم بول اٹھیں کہ اَفَلَا اُرْسِلُ اِلَیْهِ فَاُبَشِّرُهٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! کیا میں کعب کے پاس ایک قاصد بھیج کر ان کو یہ خوشخبری سنا دوں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابھی اسی وقت اس خبر کا چرچا ہو گیا۔ تو یہاں انسانوں کا ایک ہجوم جمع ہو جائے گا اور اس قدر شور وغوغا ہو جائے گا کہ اہل مدینہ کی نیند حرام ہو جائے گی۔ لہٰذا نماز فجر تک خاموش رہو۔

حضرات! بخاری شریف میں حضرت کعب کی روایت کردہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ

حَتّٰی اِذَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ اٰذَنَ بِتَوْبَةِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَکَانَ اِذَا اسْتَبْشَرَ اِسْتَنَارَ وَجْهُهٗ حَتّٰی کَاَنَّهٗ قِطْعَةٌ مِنَ الْقَمَرِ

یعنی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہو گئے تو ہم لوگوں کی توبہ مقبول ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ جب آپ کسی بشارت پر خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرہ انور اس طرح چمکنے لگتا تھا کہ گویا وہ چاند کا ٹکڑا ہے۔

(بخاری ج۲ ص۶۳۵)

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنی چھت پر نماز فجر پڑھ کر غمگین بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے ناگہاں ایک پکارنے والے کی آواز سنی۔ جو سلع نامی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ! تجھے بشارت ہو۔ میں یہ آواز سن کر سجدے میں گر پڑا۔ پھر کیا تھا؟ مبارک باد دینے والوں کا ہجوم ہم تینوں کے گھروں کی طرف دوڑ پڑا۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما گھوڑا دوڑاتے ہوئے مبارک باد کے لئے میرے مکان پر آئے اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے چیخ مار کر مجھے پکارا اور مبارک باد دی۔ پھر دوڑتے ہوئے مکان پر آئے تو میں ان کو دیکھ کر جوش مسرت سے اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے اپنے بدن کا سارا لباس اتار کر ان کو بطورِ انعام کے دے دیا۔ اس کے بعد دربار نبوت میں حاضری دینے کے لئے چلا۔ تو راستے میں انصار ومہاجرین دوڑ دوڑ کر مجھے مبارک باد دینے لگے اور جب میں نے دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر سلام کیا۔ تو چہرۂ انور پر مسرت وشادمانی کے انوار کی ایسی تابانی تھی کہ چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر رحمت عالم نے فرمایا کہ اَبْشِرْ یَا کَعْبُ بِخَیْرِ یَوْمٍ مُنْذُ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ۔ یعنی اے کعب! تجھ کو یہ بشارت مبارک ہو کہ جس دن سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔

آج تک اس سے زیادہ اچھا دن تجھے زندگی میں دیکھنا نصیب نہیں ہوا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ میری توبہ کی مقبولیت کا اعلان آپ کی بارگاہِ عالی شان کی طرف سے ہے؟ یا خداوند ستار وغفار کے دربار سے میری توبہ کی قبولیت کا اظہار کیا جارہا ہے؟ رحمت عالم نے فرمایا کہ بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ یعنی اے کعب! یہ اعلان خدا کی طرف سے ہے۔ یہ سن کر حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مچل گئے اور جوشِ مسرت میں یہ اعلان کردیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں نے اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں بطور صدقہ کے دے دیا۔ سبحان اللہ! ؎

کروں تیرے قدموں پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
نہیں دو جہاں سے بھی جی بھرا کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ سن کر حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں۔ اے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اپنے مال کا کچھ حصہ اپنے پاس بھی رہنے دو۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیل ارشاد کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! حضور والا کا حکم ہے تو میں صرف خیبر والی زمین اپنے پاس رکھ لیتا ہوں۔ باقی میرا سارا مال وسامان خدا کی راہ میں قربان ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۳۲)

برادرانِ ملت! یہی وہ مضمون ہے کہ جس کو خداوند عالم نے ان مقدس آیات میں ارشاد فرمایا کہ اب ذرا بگوشِ ہوش ان آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ سنئے۔ اور پہلے ایک بار بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

ترجمہ آیات

حضرات گرامی! ارشادِ ربانی ہے کہ

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے نبی پر اور ان مہاجرین وانصار پر رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی۔ جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کی پیروی کی۔ بعد اس کے قریب تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں۔ پھر اللہ عزوجل ان لوگوں پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا بے شک وہ ان لوگوں پر نہایت ہی مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔

وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

اور ان تین شخصوں پر بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ توجہ فرمائی جو موقوف رکھے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں پر تنگ ہوگئی اور وہ لوگ اپنی جان سے تنگ آ گئے۔

وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ

اور انہیں یہ یقین ہو گیا کہ اللہ عزوجل سے پناہ نہیں مل سکتی مگر اسی کے پاس۔

ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ لِیَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ

پھر اللہ نے ان لوگوں کی توجہ قبول فرمالی۔ بے شک اللہ عزوجل ہی توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

حضرات! یہ ان آیات مقدسہ کا واضح اور مطلب خیز ترجمہ تھا جس کو میں نے بہت ہی سادہ اور شگفتہ الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ ان آیتوں کی شانِ نزول میں پہلے ہی آپ کو سنا چکا۔ اب ضرورت ہے کہ ہم ان آیات مبارکہ میں ان عبرت آموز اور نصیحت خیز نتائج پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ کیونکہ درحقیقت ان آیات کے نزول کا اصلی منشا و مقصد یہی نتائج ہی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جابجا ارشاد ہے کہ "عبرة لاولی الابصار" یعنی آیات قرآنیہ اسی لئے نازل کی گئی ہیں۔ کہ بنی نوع انسان نگاہ عبرت کے ساتھ ان پر نظر ڈالیں۔ اور ان سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ لہٰذا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کو میں ان چند نکتوں کی طرف متوجہ کر دوں۔ جو ان آیتوں میں پوشیدہ ہونے کے باوجود اس طرح چمک رہے ہیں جس طرح آسمان کی نیلی چادر میں ستارے چمکتے رہتے ہیں۔ لہٰذا بغور سنیے۔

پہلا نکتہ

حضرات! سب سے پہلے تو اس نکتہ پر غور فرمایئے کہ جب حضرت حق جل مجدہ نے اپنی رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا اعلان فرمایا۔ تو مہاجرین وانصار کے ذکر سے پہلے اپنے پیارے نبی کا ذکر فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ. تاکہ قرآن پڑھنے والے اس نکتہ سے غافل نہ رہیں۔ کہ جب خداوند رحمٰن ورحیم اپنے پیارے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اپنی رحمت کی بارش فرماتا ہے تو عاشقان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے رسول سے جدا نہیں فرماتا۔ بلکہ اپنے رسول کے جاں نثاروں کو رسول کی کالی کالی رحمت والی کملی میں پناہ دے کر ان کو بھی اپنی رحمت کے باران کرم سے سیراب فرما دیتا ہے۔ اور اپنے رسول کے طفیل میں ان کو بھی اپنے انعام واکرام کی لازوال دولتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ کہ مہاجرین وانصار کون ہیں؟ ارے یہ مدنی دربار کے وہ وفا شعار عشاق اور جان نثار فدائی ہیں کہ اگر ان کو رحمت عالم کی شمع نبوت کا پروانہ کہہ دیا جائے تو یہ بھی حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا۔ اور اگر اس کو رسول کے عشق ومحبت کے زندہ مجسموں سے تعبیر کر دیا جائے تو ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہوگا جو آفتاب نصف النہار کی طرح عالم آشکار ہے۔

برادرانِ اسلام! یاد رکھئے کہ رحمت عالم کے ان عاشقوں پر خداوند عالم کا اتنا پیار ہے کہ ہم اور تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خود نبی رحمت کو اپنی امت سارے جہاں سے زیادہ پیاری ہے۔ اور اپنے پیارے کی ہر چیز پیاری ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا جب رسول خدا کو پیارے ہیں۔ اور امت رسول کو پیاری ہے تو پھر ضروری ہے کہ رسول کی امت بھی خدا کو پیاری ہوگی۔ اس لئے خدا کی رحمت اور اس کے پیار نے گوارا نہیں فرمایا کہ نبی رحمت کے پیارے مہاجرین وانصار کو رحمۃ للعالمین سے جدا فرمائے۔ اس لئے رب العالمین نے انصار ومہاجرین کی مدح وثنا کے خطبہ کو اپنے پیارے رحمۃ للعالمین کے ذکر سے شروع فرمایا۔ اور پہلے نبی کا ذکر فرما کر اس حقیقت کی طرف راہنمائی فرما دی کہ انصار ومہاجرین ہوں یا قیامت تک آنے والے دوسرے مومنین ہوں جن جن پر رحمت الٰہی اپنے بارانِ کرم کی بارش فرماتی ہے۔ سب نبیٔ رحمت کے طفیل ہی میں نوازے جاتے ہیں۔ بغیر رسول کے واسطہ اور وسیلہ کے نہ کسی کو کچھ ملا ہے نہ کسی کو کچھ ملے گا۔ سبحان اللہ! اس میں کیا شک ہے؟ کون مسلمان نہیں جانتا کہ

مقصود ذات اوست دگر جملگی طفیل
منظور نور اوست دگر جملگی ظلام

یعنی ہر انعام و اکرام سے مقصود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے۔ باقی سارے جہاں میں جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے طفیل میں ملتا ہے اور سارے جہاں میں ہر طرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے نور کی جلوہ گری ہے۔ اس نور کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ اندھیرے اور تاریکی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

مولانا آسی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

جو شے تری نگاہ سے گزرے درود پڑھ
ہر جزو کل ہے مظہر انوارِ مصطفیٰ ﷺ

بہر کیف انصار و مہاجرین چونکہ رحمت عالم کے عاشقوں کی فہرست میں صف اول کا مقام رکھتے ہیں۔ اس لئے خداوند عالم نے ان کی مدح و ثنا کا خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے۔ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فرما کر ان عاشقوں کو اپنے محبوب کے دامن رحمت میں قرب اور وصال کی جنت کا مکین بنا دیا۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ ؎

یہ پروانے ہیں شمع بزم حرا کے — فدائے نبی اور مقرب خدا کے
نمونے ہیں یہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے — یہ پتلے وفا کے یہ پیکر حیا کے

مہاجر ہیں، انصارِ دین مبیں ہیں
یہ سب جاں نثارِ رسول امیں ہیں

دوسرا نکتہ

حضرات! اسی طرح اس نکتہ کو فراموش نہ فرمایئے کہ اس آیت میں انصار و مہاجرین کے بے شمار فضائل و مناقب میں سے اس مقام پر صرف ان کی ایک صفت کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ۔ یعنی انصار و مہاجرین نے مشکل کی گھڑی میں رسول کا ساتھ دیا۔

برادرانِ ملت! انصار و مہاجرین کی یہی تو وہ بلند پایہ ایمانی سیرت ہے جس پر تمام ایمانی کمالات کی بنیاد ہے۔ کیونکہ رسول کی سچی اتباع کے بغیر ایمانی کمالات کی تکمیل ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یاد رکھیئے کہ آرام و راحت میں رسول کا ساتھ دینا۔ اور ان کا اتباع تو بہت آسان

ہے۔ مگر کٹھن اور مشکل گھڑیوں مین جب کہ آلام ومصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں۔ وفادارانہ اتباع اور پیروی بڑا ہی مشکل کام ہے آپ پہلے سن چکے ہیں کہ غزوہ تبوک میں سواریوں کی قلت' راشن کی کمی' پانی کی نایابی' موسم کی شدت' سفر کی درازی غرض مصائب وشدائد کا ایک طوفان تھا۔ مگران ہوش ربا۔ اور روح فرسا حالات میں بھی کسی کے قدم نہیں ڈگمگائے۔ یہ ہے الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ کی تفسیر۔ کہ مہاجرین وانصار اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور جاں نثار تھے کہ ایسی مشکل کی گھڑی میں بھی بال برابر بھی اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی راہ سے ہٹنا گوارا نہیں کیا۔ اور ان تمام تکالیف ومصائب کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کیا۔ کیوں نہ ہو؟ کہ خود ہادی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ عزم واستقلال کا یہ عالم تھا کہ۔

بنائے آسماں بھی جس زمیں پر ڈگمگاتی تھی
محمد ﷺ تھے کہ انکے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی
خوشی تھی فتح ان کی کو' نہ کوئی غم ہزیمت کا
مثال عرش قائم تھا قدم ان کی عزیمت کا
فلک نے بارہا انسان کو جنگ آزما پایا
نہ قائم اس طرح کوئی محمد ﷺ کے سوا پایا

غرباءِ اُمت کے شاہکار

حضرات! حقیقت تو یہ ہے کہ قوم مسلم کا یہی مزاج ہے کہ مشکلات ومصائب کی گھڑیوں میں اس قوم نے جو شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ فراخی اور خوشحالی کے دور میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ اگر آپ قوم مسلم کی روایات وتواریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے۔ تو آپ پر روز روشن کی طرح حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ غرباء مسلمین نے جو اسلامی خدمات کے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ وہ اُمراء وسلاطین سے نہیں ہو سکے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان کی سرزمین میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری جن کا کل سرمایہ ایک جوڑا کپڑا' ایک کمبل' ایک عصا' ایک مصلیٰ' ایک لکڑی کے پیالہ کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر اس بے تاج بادشاہ نے اور اس جیسے دوسرے درویشوں نے اسلام کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ اور ان پاک بازی کی ذات سے جس قدر ہندوستان میں اشاعت اسلام ہوئی ہے۔ وہ نہ سلطان قطب الدین ایبک

سلطان غیاث الدین بلبن' سلطان شمس الدین التمش سے ہوسکی۔ نہ شہاب الدین غوری' یا علاء الدین خلجی' یا ظہیر الدین بابر' یا جہانگیر و شاہجہاں کا سلطانی جاہ وجلال یہ خدمت انجام دے سکا۔
اور آج بھی ہم اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ امت مسلمہ کے غریبوں کو جو اسلامی خدمات سے شغف اور والہانہ لگاؤ ہے وہ مالداروں کو نہیں ہے۔
بالکل سچ کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے کہ۔

آ کے مسجد میں جو ہوتے ہیں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضاء غرباء کے دم سے

حضرات! اسی طرح ڈاکٹر اقبال نے قوم مسلم کے امیروں اور غریبوں کی تواریخ کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ایک جگہ اپنے تاثر کا جس انداز میں اظہار کیا ہے وہ ہمارے لئے۔ بڑی عبرت کا سامان ہے انہوں نے امیری فقیری کا مقابلہ کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔ سنیے۔

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تو نگری سے نہیں
سب کچھ اور ہے' تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کم سکندری سے نہیں
جہاں میں جوہر اگر میرا آشکارا ہو!
قلندری سے ہوا ہے' تونگری سے نہیں

مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دنیا میں مال وزر کی اس لحاظ سے بڑی اہمیت ہے کہ ان سے سب ضروریات پوری ہوا کرتی ہیں۔ مگر پھر بھی فقیری میں ایک مرد مومن جو اسلامی کارنامے انجام دیا کرتا ہے۔ امیری اور مالداری میں وہ کارہائے نمایاں میسر نہیں ہوا کرتے۔ اس لئے میرا نظریہ یہی ہے کہ اگرچہ میری قوم غربت اور فقیری کا شکار ہے۔ لیکن اگر

اس قوم کے نوجوان اسلامی جسارت اور ایمانی غیرت کی دولت سے مالا مال ہو جائیں۔ تو مسلم قوم کی قلندری اور فقیری بھی طاقت وقوت میں سکندری اور بادشاہی سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ اسلام کا جوہر جہاں جہاں بھی اور جس قدر بھی آشکار ہوا ہے۔ وہ مسلمان قوم کے غرباء اور فقراء کے فقر و فاقہ کی روحانی طاقت ہی سے ہے۔ قوم مسلم کے تونگری اور سکندروں نے بادشاہوں اور شہنشاہوں نے اپنے تخت وتاج اور خزائن واموال کے باوجود کبھی بھی اسلامی عظمتوں کے فروغ کے لئے اپنی توانائی کا وہ جوہر نہیں دکھایا جو بوریا نشین فقیروں کی روحانی طاقتوں نے دنیا والوں کو دکھلا دیا اور دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ۔

نہ تخت و تاج میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی اک نگاہ میں ہے

دوستو اور بزرگو! یہ درست ہے کہ تخت وتاج کی طاقت اور مال وزر کی قوت اپنی جگہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ہے۔ مگر ایک مسلمان کی روحانی طاقت اپنی عظمت کے لحاظ سے اتنی بلند ترین منزل پر ہے کہ اس کی ٹھوکروں سے بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے تخت وتاج پامال ہو جایا کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایک مردِ مومن کے اسلامی فقر کی جہانگیری طاقت کو کیا سمجھتے ہو؟ یہ وہ ناقابل تسخیر طاقت ہے کہ تاریخ اسلام بہ بانگ دہل اعلان کر رہی ہے۔ کہ۔

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے کھیلنے جاتے تھے ایواں گہ کسریٰ میں شکار
اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم بن گئی دہر میں جا کر چمن آرائے بہار
یہ اسی کی تھی کرامت کہ عرب کے رہزن فاش کرنے لگے کہ جبریل امیں کے اسرار
وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں جنکے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی اونٹوں کی مہار

یہ ہے وہ قوت پر زور کہ جس کی ٹکر
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے کہ مشت غبار

لہٰذا اے غریب مسلمانو! تم اپنی اس غریبی میں انصار و مہاجرین کے اسوہ حسنہ کی پیروی کرو۔ اور اپنی مفلسی اور فقیری میں اتباع رسول کا وہ نمونہ پیش کرو جو انصار و مہاجرین نے رومیوں کی بے پناہ عسکری طاقت کے سامنے پیش کر کے ان کے مسلم کش عزائم کے پہاڑوں کو پاش پاش کر کے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں کی غبارِ راہ بنا کر چھوڑ دیا اور تم اپنی غریبی سے ہرگز ہرگز کبھی نہ مایوس رہو۔ نہ گھبراؤ۔ اور مفلسی اور غریبی تو اسلامی عظمت کے حسین چہرے کا غازہ ہے۔ فقر وفاقہ تو تمہارے قصر اسلامی کی زینت ورونق ہے۔ بے سروسامانی تو تمہارے پرچم اسلام

کی شان وشوکت کی امتیازی نشان ہے۔ بس ضرورت اسکی ہے کہ تم انصار ومہاجرین کے نقش قدم پر چل پڑو۔ یعنی۔

اِک طرف تیغ بکف ایک طرف سر بسجود
پھر ضرورت ہے انہی بے سروسامانوں کی

تیسرا نکتہ

بہرکیف اب اس آیت کا آخری نکتہ اور سن لیجئے۔ یہ تو میں آپ کو سنا چکا کہ اسی (۸۰) آدمیوں نے جھوٹ بول کر رسولِ خدا کو دھوکہ دیا۔ مگر رسولِ برحق نے ان میں سے کسی پر بھی خفگی اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا لیکن حضرت کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سچ بول کر رسولِ برحق کے سامنے اپنی ندامت کا اظہار کیا۔ تو یہ تینوں عتاب کے ایسے شدید امتحان میں جھنجھوڑ دیئے گئے کہ خدا کی لمبی چوڑی زمین ان لوگوں کے لئے تنگ ہوگئی۔ اور یہ لوگ اپنی جانوں سے تنگ آگئے۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کہ اسی (۸۰) آدمی جھوٹ بولے تو ان پر کوئی ناراضگی نہیں ہوئی۔ اور تین آدمی جو سچ بولے وہ اس قدر شدید عتاب کے ابتلاء عظیم میں ڈال دیئے گئے۔ کہ ان کی مصیبتوں کے تصور سے کلیجہ منہ کو آجاتا ہے اور بدن کا رونگٹا رونگٹا کانپ اٹھتا ہے۔

بردرانِ ملت! یہ اس لئے کہ اسی (۸۰) آدمی جو جھوٹ بولے وہ چھپے ہوئے منافق تھے اور یہ تین آدمی جو سچ بولے مخلص مومن تھے۔ وہ اسی (۸۰) اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن تھے اور یہ تین اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوست تھے اور یاد رکھئے کہ عتاب دوستوں پر ہوا کرتا ہے۔ دشمنوں پر عتاب نہیں ہوا کرتا۔ امتحان اپنوں کا ہوا کرتا ہے۔ غیروں کا نہیں اور پھر جو جس قدر پیارا ہوتا ہے۔ اسی قدر بڑے امتحان میں ڈالا جاتا ہے چنانچہ حضرت محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ۔ یعنی خداوند قدوس کی یہ عادت کریمہ ہے کہ وہ اپنے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو سب سے بڑی آزمائش اور سب سے سخت امتحان میں ڈالتا جاتا ہے۔ پھر ان کے بعد جو جس درجے کا ہوتا ہے اس کو اس کے درجے اور مراتب کے لحاظ سے قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا فرماتا ہے۔

مسلمان اور امتحان

حضرات! اس دستورِ خداوندی سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان قوم جو بار بار طرح طرح کی آزمائشوں اور قسم قسم کے امتحانوں میں مبتلا کی جاتی ہے۔ خصوصاً خدا کے نیک اور صالح بندے جو ابتلاء و آزمائش کی کٹھن ساعتوں میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ یہ دربارِ خداوندی میں اس قوم کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک بہت ہی بڑی دلیل ہے۔ اس لئے مسلمان جو دن رات مصائب و آفات کے شکوے شکایات کرتے رہتے ہیں۔ وہ درحقیقت اس دستورِ خداوندی سے ناواقف ہیں۔ اجی۔ مسلمان اور امتحان لازم و ملزوم ہیں جس طرح گرمی آگ سے جدا نہیں ہو سکتی۔ برف کی ٹھنڈک اس سے چھینی نہیں جا سکتی۔ آفتاب کو اسکی چمک دمک سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ایک صادق الایمان مسلمان خداوندی امتحان سے بچ نہیں سکتا اور یہ دستور کچھ اسی امت کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اگلی امتوں کے مومنین کے لئے بھی یہی قانونِ قدرت رہا ہے۔ چنانچہ ان صحابہ کرام کی تسلی کے لئے جو کفار مکہ کے مظالم کی بھٹیوں میں جل رہے تھے۔ خداوند قدوس کا ارشاد ہے کہ۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝ (بقرہ)

کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تم پر اگلی امتوں کی روداد نہیں آئی۔ انہیں ایسی سخت اور شدت پہنچی اور وہ اس طرح جھنجھوڑ دیے گئے کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ والے کہ کب آئے گی اللہ عزوجل کی مدد؟ سن لو بے شک اللہ عزوجل کی مدد قریب ہے۔

بہر کیف سچے مسلمان کا امتحان میں مبتلا ہونا یہ دستور خداوندی ہے۔ جی! آپ نے کیا سمجھا؟ کیا مسلمان ہونا کوئی آسان کام ہے؟ جی نہیں۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ کہ۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

برادرانِ ملت! کیا آپ کو نہیں معلوم؟ کہ ہم ناکارہ اور بدعمل قسم کے لوگ ہر دم طرح طرح کے اول فول بولتے اور بکتے رہتے ہیں۔ مگر اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ کی ستاری و غفاری دنیا

میں ہم پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں فرماتی۔ مگر خاصانِ خدا اور مقربین بارگاہِ کبریا کا تو یہ حال ہے کہ ایک ذرا سی چوک اور بال برابر لغزش پر موردِ عتاب باری ہو جایا کرتے ہیں۔ اور حق جل جلالہ ان پر ایسا عتاب فرماتا ہے کہ جس کو سن کر خوف و ہراس سے مومن کا دل لرز جاتا ہے۔

سو بیویاں اور ایک کچا بچہ

حضراتِ گرامی! مجھے اس موقع پر بخاری شریف کی ایک روایت یاد آ گئی۔ جو بے انتہا عبرت خیز اور نصیحت آموز ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جو خدا کے ایک برگزیدہ نبی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت اور بادشاہت دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنی ایک سو بیویوں سے صحبت کروں گا۔ تو میرے ایک سو بیٹے پیدا ہوں گے۔ جو سب کے سب جوان ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کریں گے۔ آپ نے انتہائی نیک نیتی اور بے پناہ اخلاص کے ساتھ اپنا یہ ایمانی منصوبہ لوگوں سے بیان فرمایا۔ مگر اس کے ساتھ آپ نے ''ان شاء اللہ'' نہیں کہا۔ تو محض اتنی سی بات پر خداوند کردگار کا عتاب آپ پر اس صورت میں نمودار ہوا۔ کہ آپ اپنی سو بیویوں کے پاس تشریف لے گئے مگر ایک بیوی کے سوا کوئی حاملہ نہیں ہوئی اور ایک حاملہ بھی ہوئیں تو ان کے شکم سے ایک کچا بچہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں پیدا ہوا۔
(بخاری ج ا ص ۴۸۷)

مسلمانو! آپ نے! ہمارے جیسے گناہگار انسان بار بار ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول جاتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی قصداً بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی فضل خداوندی ہم ناکاروں پر مواخذہ نہیں فرماتا اور ہمارے منصوبوں اور پلانوں کو اپنے کرم سے کامیاب فرما دیتا ہے۔ مگر خدا کے جلیل القدر پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک مرتبہ ''ان شاء اللہ'' کہنے کا خیال نہیں رہا تو عتاب خداوندی نے ان کے اس مقدس منصوبہ کو بالکل ہی ناکامیاب بنا دیا کیوں؟ اس لئے کہ ہم گناہگار بھلا بارگاہِ خداوندی میں کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ہم تو خطا و قصور کے پتلے ہیں۔ اور ہمارا بال بال گناہوں کے وبال سے پاپ کا جنجال بنا ہوا ہے۔ ہم بھلا امتحانِ خداوندی اور عتابِ الٰہی کے قابل ہی کہاں ہیں؟ ہمارا تو یہ حال ہے کہ۔

کریم! اپنے کرم کا صدقہ لئیم بے قدر کو نہ شرما
رضا سے تو' اور حساب لینا' رضا بھی کوئی حساب میں ہے

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام تو خدا کے عظیم الشان نبی ہیں۔ اس لئے ان کی ذرا سی

بات پر عتاب خداوندی ان کے سر اقدس پر جلوہ فگن ہو گیا۔

اور یاد رکھئے کہ یہ محبوبانِ بارگاہِ الٰہی اپنے اوپر عتابِ باری کو دیکھ کر اس قدر بے قراری کے ساتھ گریہ وزاری فرماتے ہیں اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے نکل کر توبہ و استغفار کے کلمات ان کی مقدس زبانوں پر اس طرح جاری ہو جاتے ہیں۔ کہ رحمت کردگار کا پیار اان اطاعت گزار بندوں پر اس طرح نمودار ہو جاتا ہے۔ کہ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ان کو اپنے رضوان وغفران کی آغوشِ کرم میں سکون وقرار کی وہ جنت بخش دیتا ہے جن پر باغِ بہشت کے گلزار بار بار قربان ونثار ہونے کے لئے بے قرار رہتے ہیں۔

مومنین ومنافقین کا انجام

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عتاب دوستوں ہی کے لئے ہوا کرتا ہے۔ دشمنوں پر عتاب نہیں ہوتا بلکہ ان پر عذاب ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ کہ حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں پر چونکہ یہ تینوں مومن تھے اس لئے ان پر پچاس دنوں تک تو عتاب رہا۔ مگر اس عتاب کے بعد رحمتِ خداوندی نے ان تینوں پر اس طرح نوازش فرمائی کہ قرآن میں قیامت تک کے لئے خداوندی شہادت نازل ہوگئی۔ کہ

اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝ یعنی خداوند تعالیٰ ان تینوں پر بے حد مہربان اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر کسی انسان پر خداوند قدوس کے انعام واکرام کی نوزش اور کیا ہوگی؟ کہ خدا یہ فرمادے کہ میں اس بندے پر رؤف اور رحیم ہوں۔

اور اَسی (۸۰) آدمی جو سب کے سب منافق تھے۔ ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر خداوند قہار وجبار کے قہر وغضب کا عذاب اس طرح اتر پڑا۔ کہ ان کی مکاریوں اور سیاہکاریوں کا پردہ چاک کر دیا گیا۔ اور وہ دونوں جہان میں انتہائی ذلیل وخوار ہو گئے اور دنیا وآخرت میں قہر قہار اور غضب جبار کے سزاوار ہو کر عذاب نار کے حقدار بن گئے۔ چنانچہ ان منافقوں کے انجام کی داستان' قرآن کی قاہرانہ زبان سے سنیے۔

خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○ (سورۂ توبہ)

یعنی (جنگ تبوک سے بیٹھ رہنے والے منافقین) تم سے بہانے بنائیں گے۔ جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ تو اے محبوب! تم ان سے فرمانا کہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز تمہاری باتوں کا یقین نہ کریں گے۔ اللہ عزوجل نے ہمیں تمہاری خبریں دے دی ہیں۔ اور اب اللہ و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے کام کو دیکھیں گے۔ پھر تم اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے۔ اور وہ تمہیں بنا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔ اب یہ منافقین تمہارے آگے اللہ عزوجل کی قسمیں کھائیں گے۔ جب تم ان کی طرف پلٹ کر جاؤ گے اس لئے تاکہ تم ان کے خیال چھوڑ دو کیوں کہ وہ تو نرے پلید ہیں اور انکا ٹھکانا جہنم ہے جو ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔ یہ منافقین تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں۔ تاکہ تم لوگ ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم لوگ ان سے راضی بھی ہو جاؤ پھر بھی یقیناً اللہ عزوجل تو ان فاسق لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔

مسلمان بھائیو! سن لیا آپ نے مومنین اور منافقین کا انجام؟ غور فرمایئے اور عبرت حاصل کیجئے۔ اللہ اکبر! کہاں رحمت الٰہی کے حقدار مومنین؟ اور کہاں قہر خداوندی کے سزاوار منافقین؟ کہاں خدا کے محبوب؟ اور کہاں خدا کے مغضوب؟ کہاں رحمت والے؟ اور کہاں لعنت والے؟

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

برادران ملت! آپ یہ نہ سمجھئے کہ مومنین اور منافقین کا یہ انجام زمانۂ رسالت ہی تک محدود ہے۔ نہیں بلکہ یہ ایمان رکھئے کہ قیامت تک آنے والے مومنین و منافقین کا ہمیشہ یہی انجام رہے گا کہ مومنین دونوں جہان میں رحمت خداوندی کی نعمتوں سے سرفراز اور انعام اکرام ذوالجلال کی دولتوں سے مالا مال رہیں گے اور منافقین غضب خداوندی کی مار اور لعنتوں کی پھٹکار سے دنیا و آخرت میں ہمیشہ ذلیل و خوار ہی رہیں گے۔

کیوں؟ اس لئے کہ۔

سکینہ حب نبی کا ہو جس کے سینے میں
ہزار حشر ہو وہ دل دہل نہیں سکتا
خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

مگر مسلمانو! ہاں یہ بات ہے کہ مومنین کو خدا کی بے شمار نعمتوں کا احساس نہ رہے۔ اور منافقین اتنے بے حیا اور بے غیرت بن جائیں۔ کہ ان کو اپنی ذلت وخواری کا کوئی احساس ہی نہ ہو۔ ایسا بہت ہوتا ہے کہ نعمت ہو مگر اس کا احساس نہ ہو اور ذلت مگر اس کا احساس نہ ہو۔

ایک جوتا' ایک پاؤں

غالباً آپ لوگوں نے ایک مولانا صاحب کا قصہ تو سنا ہی ہوگا۔ یہ عید کے دن عید گاہ جا رہے تھے ناگہاں راستے میں ان کا ایک جوتا ٹوٹ گیا۔ مجبوراً ایک ہی پاؤں میں جوتا پہنے چلے گئے۔ مگر یہ دیکھ کر کہ بہت سے جاہل گنوار دونوں پاؤں میں جوتا پہنے ٹھاٹھ سے عید گاہ چلے جا رہے ہیں۔ دل پر ایک چوٹ لگی کہ افسوس ان گنواروں کے تو دونوں پاؤں میں جوتا ہو۔ اور میں عالم ہو کر ایک پاؤں میں جوتا پہنے ہوئے ہوں۔ لیکن چند قدم چلے تھے کہ اچانک یہ دیکھا کہ اللہ عزوجل کے بندے کا ایک پاؤں کٹا ہوا ہے اور وہ غریب ایک ہی پاؤں سے لاٹھی کے سہارے عید گاہ چلا جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھتے ہی ان کا ایمانی احساس بیدار ہو گیا اور وہ سجدہ شکر میں گر پڑے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے کہ خداوندا! میری توبہ قبول فرما میں نے تیری ناشکری کی یقیناً مجھ پر تیرا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ تو نے میرے دونوں پاؤں کو سلامت رکھا ہے۔ ایک جوتا نہیں تو اس کا کیا غم ہے؟ دونوں پاؤں تو سلامت ہیں۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ دونوں پاؤں کا سلامت ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ مگر مولانا صاحب کو اس نعمت کا احساس نہیں تھا۔ جب ایک لنگڑے کو دیکھا تو دونوں پاؤں کی سلامتی کتنی بڑی نعمت ہے؟ اس کا احساس ہو گیا۔ تو اپنی ناشکری سے توبہ کر کے سجدہ شکر میں سر بسجود ہو گئے۔

آخ تھو' آخ تھو!

اچھا اب چلتے چلاتے ایک بے غیرت بے حیا کا بھی قصہ سن لیجئے جو اتنا بے غیرت تھا کہ اس کو اپنی ذات اور بے عزتی کا کبھی احساس ہی نہیں ہوتا تھا۔ سنا ہے کہ ایک نواب صاحب دمہ

کے مریض تھے۔ رات بھر کھانستے اور تھوکتے رہتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات ان کے گھر میں ایک چور آ گیا۔ نواب صاحب کو جو کھانسی آئی چور چپکے سے نواب کے پلنگ کے نیچے دبک گیا۔ نواب نے دیکھ لیا کہ چور پلنگ کے نیچے دبکا پڑا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ نواب صاحب رات بھر کھانستے رہے اور چور کے اوپر تھوکتے رہے۔ ''آخ تھو آخ تھو'' نواب صاحب تھوکتے رہے۔ اور چور تھکواتا یا صبح ہوتے ہوتے نواب صاحب نے چور کو مارے تھوک کے برف کی سل کی طرح سفید بنا ڈالا۔ صبح نواب صاحب کی بیگم جھاڑو لے کر کمرے کی صفائی کے لئے آ ئیں تو نواب صاحب نے آخ تھو کر کے ایک مرتبہ بیگم کے اوپر بھی تھوک دیا۔ بڑھیا بیگم مارے غصے کے لال پیلی ہو گئی اور تڑپ کر بولی کہ نوج توبہ! تم کیسے ہوئے بے ہنگم اور نگوڑے مردود ہو؟ کہ صبح ہی صبح میرے اوپر تھوک دیا۔ نواب صاحب نے کہا کہ ہائے افسوس! بیگم۔ تف ہے میری زندگی پر چالیس سال کی میری اور تمہاری میاں بیوی کی والہانہ محبت ہے۔ مگر افسوس کہ تم میرا ایک تھوک بھی برداشت نہیں کر سکی۔ یہ دیکھو پلنگ کے نیچے میرا صرف رات بھر کا دوست لیٹا ہوا ہے۔ اس نے میرا دو ہزار تھوک برداشت کر لیا اور ہلا تک نہیں اتنے میں چور نکل کر یہ کہتا ہوا بھاگا کہ تھوک پڑا تو کیا ہوا؟ میں کالا کلوٹا تھا۔ اب سفید ہو گیا ہوں۔

مسلمانو! بس یہی حال ہے۔ آج کل کے منافقوں کا کہ گلی گلی پھٹکارے جاتے ہیں۔ مسجدوں سے نکالے جاتے ہیں۔ دنیا بھر کا تھوک پڑتا ہے۔ مسلمان نفرت کرتے ہیں۔ مگر یہ اتنے بڑے بے غیرت اور بے حیا ہیں کہ پھر بھی یہ اپنے کو اتنا بڑا بزرگ سمجھتے ہیں کہ گویا حضرت غوث پاک سے بس ایک جو بھر چھوٹے رہ گئے ہیں۔ ان ظالموں کا احساس اس قدر مردہ ہو گیا ہے کہ ان کو اپنی ذلت و خواری کا کوئی خیال ہی نہیں رہ گیا ہے۔

بہر کیف برادرانِ ملت! میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ جس کے لئے میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ مگر امیدوار ہوں کہ آپ میری اس بے ربط اور ٹوٹی پھوٹی تقریر سے عبرت و نصیحت حاصل کریں گے۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گویم   تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

و ما علینا الا البلاغ

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد و الہ و صحبہ اجمعین

چھتیسواں (۳۶) وعظ

صحبت بد سے بچو

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر!
لباس خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم
اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہِ الْعَظِیْمِ وَ خِطَابِہِ الْقَدِیْم
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَاءَکُمْ مِنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَا اَخْفَیْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِیْلِ ○ اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَاءً وَّیَبْسُطُوْا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ ○ لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَفْصِلُ بَیْنَکُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ (سورۃ ممتحنہ)

حضرات گرامی! ایک بار درود شریف کا مبارک وظیفہ پڑھ لیجئے۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا محمدو علیٰ ال سیدنا محمد و اصحابہ و بارك وسلم

برادرانِ ملت! تقریر سے پہلے ایک قطعہ عرض ہے۔

اے عرش نشیں ! فرش نشینوں کی خبر لے
افلاک کے سائے میں زمینوں کی خبر لے
طوفانِ تلاطم کے بہت تیز ہیں دھارے
اسلام کے کمزور سفینوں کی خبر لے

حضرات! تجربات کی دنیا میں تمام عقلاء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر فاسد کو صالح سے۔ بد کو نیک سے برے کو اچھے سے الگ تھلگ نہ کر دیا جائے تو یقیناً فاسد کا فساد صالح میں اثر انداز ہو کر اس کو بھی فاسد بنا ڈالے گا۔ جس طرح بدن کا کوئی سڑا ہوا عضو اگر آپریشن کر کے اس کو بدن سے الگ نہ کیا گیا تو پورا بدن سڑ جائے گا۔ اور انگور کے خوشہ میں سے اگر سڑے گلے دانوں کو نہ نکالا گیا۔ تو پورا خوشہ سڑ گل کر خراب و برباد ہو جائے گا۔ بالکل ٹھیک اسی طرح اگر نیک اور صالح لوگوں کا بدکار لوگوں سے میل جول سے بدعمل اور جرائم پیشہ بن جانا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ کاجل کی کوٹھڑی میں زندگی بسر کرنے والے انسان کے سفید کپڑوں کا داغدار ہو جانا یقینی ہوا کرتا ہے۔

بردرانِ ملت! اس مسلمہ حقیقت کا فطری تقاضا یہی ہے کہ اچھے اور برے کو ہمیشہ الگ الگ رکھنا ہی عین حکمت ہے۔ اور اسی میں اچھوں کی صلاح و فلاح کا راز مضمر ہے۔ چنانچہ میں عرض کر چکا کہ اگر انسانی بدن کا کوئی حصہ سڑ گل جائے تو پورے بدن کی سلامتی کی بس ایک ہی صورت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بدن کا وہ فاسد ٹکڑا کاٹ کر بدن سے الگ کر دیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر پورے بدن کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی۔

حضرات! اب یہ بھی ذرا غور سے سن لیجئے کہ جس طرح انسانوں کا شخصی بدن ہوتا ہے۔ اور کبھی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا سڑ گل جاتا ہے۔ اسی طرح انسانوں کا ایک جماعتی اور قومی بدن بھی ہوا کرتا ہے۔ اور کبھی کبھی قومی بدن کے کچھ ٹکڑے یعنی انسانوں کے کچھ افراد اپنی بدکرداری اور مجرمانہ زندگی کی وجہ سے فاسد اور سڑے گلے ہوئے انسان مانے جاتے ہیں۔ اب اگر قوم کے ان سڑے گلے ہوئے افراد کو پوری قوم سے الگ تھلگ نہ کر دیا گیا تو ظاہر ہے کہ پوری قوم ان

فاسدوں کی بداعمالیوں کے تعفن سے سڑگل کر تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور قوم کا پورا معاشرہ تہس نہس ہو کر پوری قوم ہلاکت کے غار میں گر کر اپنے قومی وجود سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائیگی۔

برادرانِ ملت! یہی وجہ ہے کہ ہر قوم وملت کے انسانوں نے اپنے دستورِ زندگی میں یہ دفعہ ضرور رکھی ہے کہ جو شخص ان کی سوسائٹی کے قوانین سے بغاوت کرے گا اس کے خلاف تادیبی کارروائی ضرور کی جائے گی۔ چنانچہ جس طرح بالکل ہی غیر متمدن اقوام کی پنچایتیں اپنے مجرموں کے خلاف کارروائی کر کے ان کو ٹاٹ باہر اور برادری سے خارج کر دیتی ہیں۔ اسی طرح تہذیب وتمدن کے بلند چوٹیوں پر بسنے والے متمدن انسانوں کو بڑی بڑی جماعتوں نے یہی طریقہ کار رکھا ہے کہ اگر ان کی جماعت کا کوئی ممبران کے جماعتی قوانین کے اصولوں کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی کر کے اس کو اپنی جماعت سے نکال کر باہر کر دیتے ہیں۔

الغرض فطرت سلیمہ اور حکمت ومصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ اچھوں اور بروں کو ہمیشہ میل جول سے بچانا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ برے انسانوں کی برائیوں کا فساد اچھے اور نیک و صالح انسانوں کو خراب اور فاسد نہ بنادے۔

برادرانِ ملت! سورہ ممتحنہ کی آیاتِ مبارکہ جو میں نے خطبہ کے بعد آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات اسی حکیمانہ فیصلہ کی آئینہ دار ہیں۔ جس میں خداوند عالم نے اپنے مومن بندوں کو یہ حکم فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ مطلب یہ ہے کہ مومنین اللہ عزوجل کے دوست ہیں اور کفار اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں اور مومنین کے بھی دشمن ہیں۔ لہٰذا اے ایمان والو! تم اللہ عزوجل کے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ ان سے میل جول نہ رکھو۔ ان کو اپنا رازدار نہ بناؤ بلکہ ان کی محبت اور صحبت کو سم قاتل اور زہر ہلاہل سمجھ کر ان سے الگ تھلگ رہو۔ اے ایمان والو! تم صالح ہو وہ فاسد ہیں۔ تم نیک ہو وہ بد ہیں۔ تم اچھے ہو وہ برے ہیں۔ تم اللہ عزوجل کے دوست ہو وہ اللہ عزوجل کے دشمن ہیں اور صالح کو فاسد سے' نیک کو بد سے اچھے کو برے سے اللہ عزوجل کے دشمن کو اللہ عزوجل کے دوست سے الگ رکھنا۔ یہ معاشرہ اور سوسائٹی کی صلاح فلاح کے لئے ایک ایسا حکیمانہ فیصلہ اور فطری فلسفہ ہے جس پر تمام عالم کے عقلاء کا اتفاق ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مغرب ہو یا مشرق' یورپ ہو یا ایشیا امریکہ یا روس' ہر ملک وملت کے دانشوروں اور عقلمندوں کا نہ

صرف نقطہ نظر، بلکہ طریقہ عمل بھی یہی ہے کہ کسی پارٹی یا جماعت کے دستور اساسی اور آئین و قوانین سے بغاوت کرنے والے ممبروں کے خلاف تادیبی کارروائی اور ان کا جماعت اور پارٹی سے اخراج و بائیکاٹ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اور تاوقتیکہ باغی افراد سچے دل سے تائب ہو کر آئین کو قوانین کا احترام کرتے ہوئے ان پر عمل پیرا نہ ہو جائیں۔ ہرگز ہرگز ان کو پارٹی کا ممبر نہیں بنایا جا سکتا۔ اسی طرح پارٹی کے ممبروں کو مخالف پارٹیوں کے نظریات قبول کرنے سے روکنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اس کے پارٹی کا نظام درہم برہم اور انتشار کا شکار ہو جائے گا۔ بلکہ پارٹی کا وجود ہی خطرے میں پڑ جائے گا۔

برادرانِ ملت! ٹھیک اسی ڈھنگ پر اب سمجھ لیجئے کہ پوری مسلمان قوم ایک جماعت اور پارٹی کے مثل ہے اور قوانین اسلام اس جماعت اور پارٹی کے وہ دستوری آئین و قوانین ہیں کہ جن کا احترام اور ان پر عمل پوری قوم مسلم کے لئے واجب التعظیم اور لازم العمل ہے۔ لہٰذا مسلمان قوم کا جو فرد بھی قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا۔ اس کے خلاف تادیبی کارروائی اور اس کا جماعت سے اخراج اور بائیکاٹ ضروری ہے تاکہ اس کے فساد کے جراثیم جماعت کے صالح افراد کو فاسد نہ کر سکیں۔

تکفیر

حضرات! یہی وہ تادیبی کارروائی ہے جس کو عالموں اور مفتیوں کی اصطلاح میں ''تکفیر'' (کفر کا فتویٰ لگانا) کہا جاتا ہے۔ یعنی ''مسلم'' اور ''کافر'' دو جماعتیں ہیں۔ ''مسلم'' وہ جماعت ہے کہ قوانین اسلام کی معتقد اور اس پر عامل ہے اور ''کافر'' وہ جماعت ہے جو قوانین اسلام کی منکر اور مخالف ہے۔ لہٰذا مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے شخص قوانین اسلام سے بغاوت کرے گا۔ پوری مسلم جماعت کا فرض ہے کہ اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے اور اس کو مسلم جماعت سے خارج کر کے اس کے بارے میں اعلان کر دے۔ کہ چونکہ یہ شخص قوانین اسلام کا باغی ہے۔ لہٰذا یہ مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں داخل ہو گیا۔ جس کا دوسرا نام ''کافر'' ہے۔

برادرانِ ملت! یہ ہے ''مسئلہ تکفیر'' اور کسی شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے کی حقیقت ''تکفیر'' کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو کافر بنا دیا گیا۔ بلکہ کوئی مسلمان قوانین اسلام سے بغاوت کر کے کافروں کی جماعت میں داخل ہو جائے تو اس کے کفر کے اعلان اور اس کے

خلاف تادیبی کارروائی کا نام "تکفیر" ہے۔ اور یہ وہ طریقہ عمل ہے جو ہر ملک وملت کی جماعت کا نظریہ فکر اور لائحہ عمل ہے۔

لفظ کافر گالی نہیں ہے

مسلمان بھائیو! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ لفظ "کافر" ہرگز ہرگز کوئی گالی کا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح کانگریس، کمیونسٹ، جن سنگھ یہ چند جماعتیں اور پارٹیاں ہیں اور ان سب پارٹیوں کے کچھ بنیادی اصول اور دستوری قوانین ہیں۔ اور جو شخص جس جماعت کے آئین و قوانین کا پابند رہتا ہے وہ اس جماعت کا ممبر تصور کیا جاتا ہے اور جو شخص کسی جماعت کے آئین وقوانین کو ٹھکرا کر کسی دوسری جماعت کے آئین وقوانین کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے تو وہ قدرتی طور پر ایک جماعت سے نکل کر دوسری جماعت کا ممبر بن جاتا ہے۔ مثلا ایک کانگریسی اگر کانگریس کے بنیادی اصولوں سے بغاوت کر کے کمیونسٹ جماعت کے اصولوں کو قبول کرے۔ تو یہی کہا جائے گا کہ یہ شخص کانگریس کی جماعت سے نکل کر کمیونسٹ جماعت میں چلا گیا۔ تو جس طرح کانگریسی ہونا یا کمیونسٹ ہونا یہ گالی نہیں ہے۔ اس طرح مسلم جماعت سے نکل کر غیر مسلم جماعت میں چلے جانے والے کو "غیر مسلم" یا "کافر" کہنا کوئی گالی نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ اس کے نظریات کے اعلان کا ایک قومی نام اور جماعتی نشان ہے۔

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نیک اور بد، اچھے اور برے انسانوں کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ کر دونوں کو جدا جدا اور الگ الگ کر دینا۔ یہ ایک ایسا متفق علیہ فطری فلسفہ ہے۔ جس پر متمدن دنیا کے نظام کا دارومدار ہے۔ چنانچہ قرآن عظیم نے "سورۂ ممتحنہ" کی ابتدائی آیتوں میں اسی حکیمانہ فلسفے کی تعلیم وتلقین فرمائی ہے۔

شان نزول

میرے بزرگو اور بھائیو! اب ان مقدس آیتوں کا ترجمہ اور تفسیر سنانے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آیتوں کی شانِ نزول اور ان کے نازل ہونے کا سبب آپ کو سنادوں تاکہ ان آیتوں کے نزول کا پس منظر اور پورا ماحول آپ کی نظروں کے سامنے آجائے۔ اور آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ وہ کون سے اسباب ومحرکات ہیں جن کی بنا پر حضرت حق جل مجدہ نے ان آیتوں کو نازل فرمایا؟

حضرات! ان آیات مقدسہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ خاندان بنی ہاشم کی ایک لونڈی

جس کا نام ''سارہ'' تھا۔ یہ مکہ مکرمہ سے سفر کر کے مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور یہ وقت تھا کہ حضور سرور عالم صلی علیہ وسلم مکہ مکرمہ کو فتح کرنے کے لئے جہاد کا سامان فرما رہے تھے۔ لونڈی کو دیکھ کر رحمت عالم نے دریافت فرمایا کہ کیا تو نے اسلام قبول کر لیا ہے؟ لونڈی نے عرض کیا کہ ہیں رحمت عالم نے فرمایا پھر تیرے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ لونڈی نے جواب دیا کہ میں اپنی تنگدستی اور محتاجی سے پریشان حال ہو کر یہاں آ گئی ہوں۔ لونڈی کا حال زار سن کر خاندان بنی ہاشم کے دردمندوں کا دل بھر آیا۔ اور ان لوگوں نے دل کھول کر ہر طرح اس کی امداد و اعانت کی۔ مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جب اس لونڈی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی اس کو دس دینار اور ایک چادر عنایت کی اور ساتھ ہی ایک خط بھی اہل مکہ کے پاس اس لونڈی کی معرفت بھیجا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لینے کا ارادہ فرما رہے ہیں لہٰذا تم لوگ اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے وہ کر لو!

لونڈی نے اس خط کو اپنے بالوں کے جوڑے میں چھپا لیا اور سارا سامان لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ حضرات لیکن ابھی یہ لونڈی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند میل ہی دور گئی تھی کہ خداوند نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے اس خط کے مضمون سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے چند جاں نثار صحابہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں اس لونڈی کی گرفتاری کے لئے روانہ فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ تیز رفتاری کے ساتھ سفر کر کے ''روضہ خاخ'' کے مقام پر پہنچ جاؤ۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی۔ اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس عورت سے لے لو۔ اور اس کو چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ حضرات روانہ ہو گئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پا لیا۔ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس عورت سے خط طلب کیا۔ تو اس نے صاف انکار کر دیا اور قسم کھا کر کہنے لگی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ مگر شیر خدا نے تڑپ کر فرمایا کہ خبردار! میرے آقا کا فرمان ہرگز ہرگز کبھی بال برابر بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ دھمکی دے کر عورت کو ڈرایا اور یہ فرمایا کہ تم خط دے دو۔ ورنہ ہم تم کو بالکل برہنہ کر کے تمہاری تلاشی لیں گے۔ جب عورت کو یقین ہو گیا کہ میرا کوئی حیلہ بہانہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تو اس نے اپنے بالوں کے جوڑے میں سے خط نکال کر دے دیا۔

حضرات! جب صحابہ کرام نے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوکر یہ خط پیش کیا تو رحمت عالم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر دریافت فرمایا کہ اے حاطب! یہ کیا ہے؟ اور تمہارے اس خط کا کیا مقصد ہے؟ حضرت حاطب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! خدا کی قسم میں نے جب سے اسلام قبول کیا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے مجھے حضور کی نیاز مندی کا شرف حاصل ہوا۔ کبھی میں نے کوئی خیانت نہیں کی۔ اور جب سے میں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ایک لمحہ کے لئے مکے والوں کی محبت میرے دل میں نہیں آئی۔ لیکن اس خط کا ایک مقصد یہ ہے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! نہ تو میں خاندان قریش میں سے ہوں۔ نہ قبیلہ قریش میں میرا کوئی رشتہ دار ہے۔ میرے سوا جتنے مہاجرین ہیں ان سب لوگوں کے مکہ میں رشتہ دار موجود ہیں۔ جو ان کے گھر بار کی حفاظت ونگہداشت کرتے رہتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کی بڑی فکر تھی کہ مکہ میں کوئی بھی میرے بال بچوں کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے میں نے یہ چاہا کہ میں مکہ والوں پر کچھ احسان رکھ دوں تا کہ وہ میرے گھر والوں کو نہ ستائیں۔ اسی خیال سے یہ خط میں نے مکہ والوں کے نام لکھ دیا ہے۔ اور یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میں پورے یقین کے ساتھ اس بات کو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضروری مکہ والوں کو عذاب دے گا اور ضرور مکہ فتح ہو جائے گا اور میرا یہ خط ہرگز ہرگز ان کو نہ بچا سکے گا۔

حضرات! رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دل رحمت کا سمندر تھا۔ جو اپنے جاں نثاروں کی محبت سے لبریز تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا یہ عذر سن کر آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے جذبات ایمان کے پر جوش طوفان پر قابو نہ پا سکے۔ اور انتہائی غیظ وغضب میں بھرے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی تلوار سے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عمر کا یہ جملہ سن کر رحمت عالم نے فرمایا کہ اے عمر! تمہیں کیا خبر؟ یہ حاطب ابی بلتعہ ان مجاہدین اولین میں سے ہے۔ جو جنگ بدر میں اپنی سرفروشی کے جوہر دکھا چکا ہے۔ دربار الٰہی میں مجاہدین بدر کی خدمات جلیلہ کی یہ قدر ومنزلت ہے کہ رب کریم نے تمام مجاہدین بدر سے یہ فرما دیا ہے کہ اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ ۔ یعنی تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ اللہ اکبر۔ رحمت عالم کی یہ ولولہ انگیز اور رقت خیز تقریر سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر متاثر ہوئے کہ جوش گریہ سے آنسوؤں کی دھاران کے رخسار پر بہنے لگی اور وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ اور عین اسی حالت میں رب العالمین نے حضرت جبریل امین کو روئے زمین پر بھیجا۔

اور فرمایا کہ اے جبریل! تم "سورہ ممتحنہ" کی ابتدائی آیات میرے حبیب فخر کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میری طرف سے سنادو۔ (کنزالایمان وبخاری ج ا ص ۴۲۲)

ترجمہ آیات

حضرات گرامی! اب آپ انتہائی گوش ہوش کے ساتھ ان مقدس اور لرزہ براندام کرنے والی آیتوں کا ترجمہ سنئے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ○
اے ایمان والو! تم لوگ میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ○
تم انہیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی کے ساتھ حالانکہ وہ منکر ہیں۔ اس دین برحق کے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۃ
یہ لوگ رسول کو اور تم لوگوں کو اس بنا پر گھروں سے نکالتے ہیں کہ تم لوگ اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَمَاۤ اَعْلَنْتُمْ ○
اے مسلمانو! اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری رضا چاہنے کو تو ان کافروں سے دوستی مت کرو تم ان لوگوں کے پاس خفیہ طور پر محبت کا پیام بھیجتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔

وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ○
اور تم میں سے جو ایسا کرے وہ سیدھی راہ سے بہکا۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّیَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ○
اگر یہ کفار تمہیں پا جائیں تو یہ تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو برائی کو ساتھ دراز کریں اور کافروں کی تمنا ہے کہ کس طرح تم کافر ہو جاؤ۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَاۤ
ہرگز ہرگز کام نہ آئیں گی تمہاری رشتہ داریاں اور نہ

اَوْلَادُکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَفْصِلُ بَیْنَکُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ○ تمہاری اولاد قیامت کے دن خداوند تعالیٰ تمہیں الگ الگ کردے گا اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

برادرانِ ملت! آیات مبارکہ کا سبب نزول اور ترجمہ میں آپ کو سنا چکا۔ اب اگر آپ نے ان آیتوں کا ترجمہ بغور سنا اور سمجھا ہے۔ تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ایک مسلمان کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو اپنا دوست بنا کر ان کو اپنا قومی و ملی راز بتائے۔ کیونکہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے جب کفار مکہ کے نام ایک خط لکھ کر مسلمانوں کا ایک قومی و ملی راز کافروں کو بتا دیا۔ تو باوجود صحابی اور مجاہد بدر ہونے کے عتاب خداوندی نے انہیں نہیں چھوڑا بلکہ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ کی خطرناک وعید اور خوفناک تہدید سے ان کو اس طرح جھنجھوڑا کہ ان کے دامن تقدس کو داغدار اور ان کی اسلامی زندگی کے حسین چہرے کو عیب دار بنا دیا۔ تو پھر بھلا ہم اور تم گناہگار تو کس شمار و قطار میں ہیں؟

عداوت کفار کی بنیاد

برادرانِ ملت! پھر ذرا غور فرمائیے کہ ان آیتوں میں یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ ۔ سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار کی دشمنی کا دارومدار اس بات پر ہے۔ کہ چونکہ رسول اور مومنین اپنے پروردگار پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے کفار ان کی دشمنی پر کمر باندھ کر ان کو گھروں سے باہر نکالنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کفر کا مزاج ہی یہ ہے کہ جب تک مسلمان اپنے ایمان پر قائم رہیں گے۔ ہرگز ہرگز کفار کبھی مسلمانوں کی دوستی پر تیار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ہمیشہ کفار مسلمانوں سے بیزار اور ان کے دشمن خونخوار بنے رہیں گے۔

حضرات گرامی! اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار اور ایماندار مسلمانوں کی دشمنی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی لئے رب العزت جل جلالہ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ ۔ یعنی اے ایمان والو! تم ان کافروں کو جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں ان کو دوست مت بناؤ۔ کیونکہ تمہاری اور کفار کی دشمنی دینی و ایمانی دشمنی ہے اور خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ۔

ہزار دشمنوں کا زوال ممکن ہے مگر عداوت دینی کہ وہ نہیں جاتی

چنانچہ خداوند قدوس کا فرمان آپ سن چکے کہ

اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ ۝

یعنی اگر یہ کفار تم مسلمانوں کو پا جائیں گے تو یہ کہیں بھی ہوں۔ کسی حال میں بھی ہوں۔ تمہارے دشمن ہی رہیں گے اور یہ اپنے ہاتھوں اور زبانوں کو تمہاری بد خواہی اور برائی میں ہمیشہ دراز ہی کرتے رہیں گے۔

مسلمانو! اس آیت کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ ''اسلام سے عداوت اور مسلمانوں سے دشمنی'' یہ کفار کی وہ فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی۔ جس طرح بچھو اپنی نیش زنی سے کبھی باز نہیں رہ سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ڈنگ مارنا بچھو کی فطرت ہے۔

نیش عقرب نہ از پے کین است
مقتضائے طبیعتش این است

یعنی بچھو اس لئے نہیں ڈنگ مارتا کہ تم نے اس کو ستایا ہے یا اس کے دل میں تمہارا کینہ بھرا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تو دوست و دشمن، اپنے پالنے والے اور ہلاک کرنے والے سبھی کو اس لئے ڈنک مارتا ہے کہ ڈنگ مارنا اس کی پیدائشی خصلت اور اس کی طبیعت کا فطری تقاضا ہے۔ بالکل اسی طرح کفار مسلمانوں کو اس لئے نہیں ستاتے کہ مسلمانوں نے ان کا کچھ بگاڑا ہے بلکہ اس لئے یہ مسلمانوں کو اپنے ہاتھ اور زبان و قلم سے ایذائیں پہنچاتے ہیں کہ مسلم دشمنی ان کافروں کی فطرت ہے۔ اور یاد رکھو کہ مثل مشہور ہے کہ ''جبل ٹل سکتا ہے جبلت نہیں ٹل سکتی'' یعنی پہاڑ تو اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے۔ مگر انسان کی فطری عادت نہیں بدل سکتی۔

کفار کی فطرت

برادرانِ ملت! ''مسلم دشمنی'' کفار کی فطرت ہے ذرا اس کو قرآن کی زبان سے بھی سن لیجئے۔ رب العزت جل جلالہ کا مقدس فرمان ہے کہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۝

یعنی اے ایمان والو! غیروں کو یعنی کفار و مشرکین اور منافقین وغیرہ کو اپنا رازدار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے کہ تمہیں ایذا پہنچے یہی ان کے دلوں کی آرزو ہے۔

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ

بلاشبہ ان کے منہ سے نکلی باتوں سے دشمنی ظاہر ہو چکی

وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ۝ — ہے اور وہ جس کو یہ لوگ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں۔ وہ اس سے بہت بڑی دشمنی ہے۔

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۝ — ہم نے نشانیاں کھول کر تمہیں سنا دی ہیں بشرطیکہ تم ان کو سمجھو۔

هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ۝ — خبر دار! اے مسلمانو! تم ان لوگوں سے محبت کرتے ہو۔ مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے۔ حالانکہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو۔

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ (آل عمران) — اور جب وہ تم مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم مسلمانوں پر مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں۔ اے حبیب تم فرما دو کہ اے کافرو! تم اپنی گھٹن میں مر جاؤ۔ اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

برادرانِ ملت! سورۂ آل عمران کی یہ چند آیتیں میں نے بطور نمونہ کے آپ کو سنادی ہیں۔ ورنہ اس مضمون کی سینکڑوں آیتیں صفحات قرآن میں ستاروں کی طرح جگمگا رہی ہیں اور یہ آیتیں ایمان والوں کے لئے ہدایت کا نور ہیں۔ اور ان سیاسی مولویوں کے لئے بہت ہی بڑا تازیانہ ''عبرت'' ہیں۔ جو ہندو مسلم اتحاد کا کھوکھلا اور گمراہ کن نعرہ لگا کر خود بھی گمراہی کے گہرے اور گندے گڑھے میں گرتے ہیں اور بندگان خدا کو بھی گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ملے جلے تہوار منانے مسلم وغیر مسلم کے درمیان شادیاں کرنے' مشترکہ کوڈ بل وغیرہ زہر ہلاہل پر'' قومی یکجہتی'' یا'' قومی دھارے میں بہنے'' کی شکر چڑھا کر مسلمانوں کی ایمانی روح کو فنا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور یہ ملت فروش مولوی گونگے شیطان کی طرح خاموش۔ بلکہ پورے جوش و خروش کے ساتھ کفار کی ان گندگی اور گھناؤنی حرکتوں کے پردہ پوش بنے ہوئے ہیں۔ واللہ! کیا خوب کہا ہے کہ شفیق جونپوری مرحوم نے ان سیاسی اور کھدر دھاری مولویوں کے بارے میں۔

عجب حال ہے امت کے ناخداؤں کا
خیال ہے وطنیت کے دیوتاؤں کا
لباس جسم پہ ہے ہاشمی عباؤں کا
دماغ پر ہے اثر مغربی ہواؤں کا

کبھی وطن، کبھی مزدور، یا کسان کا غم
نہ فکر شام و فلسطین ہے، نہ یاد حرم

لطیفہ

حضرات! یہ تو بہت پرانا طریقہ ہے کہ زہر پر شکر چڑھا کر انہیں میٹھی گولیوں کے نام پر کھلا کھلا کر ہزاروں لاکھوں کا خون کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح خراب اور گھٹیا چیزوں کو بہت ہی خوبصورت اور شاندار نام رکھ کر مارکیٹ میں فروخت کیا جاتا ہے۔ آپ کبھی کسی عطار کے دواخانے پر جا کر دواؤں کے ڈبوں پر نظر ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایک ڈبہ پر موٹے حرفوں میں ''حب السلاطین'' لکھا ہوا ہے۔ آپ دیکھتے ہی پھڑک جائیں گے۔ کہ ''حب'' کے معنی ''دانہ'' اور سلاطین کے معنی بادشاہ۔ آپ سوچیں گے کہ یہ شاید بادشاہوں کے تاج پر لگائے جانے والے ہیرے جواہرات کے در دانے ہوں گے۔ مگر جب آپ ڈبہ کھول کر دیکھیں گے۔ تو اس میں ''جمال گوٹہ'' ہوگا۔ دیکھ لیا آپ نے؟ ''جمال گوٹہ'' کا حکیموں نے کتنا خوبصورت اور شاندار نام رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ وہ خبیث دوائی ہے کہ اگر چند دانے کسی کو کھلا دیجئے۔ تو رات بھر میں اس کا ''بیت الخلاء بیت الشیاطین'' بن جائے گا۔ اور صبح ہوتے ہوتے اس کا بھی ایک دو تین ہو جائے گا۔

اسی طرح کسی ڈبے پر لکھا ہوا ملے گا۔ ''فلوس خیار شنبر'' یہ نام پڑھ کر آپ سوچنے لگیں گے کہ شاید یہ جنت کا کوئی پھل ہوگا۔ یا کم سے کم ''مشک و عنبر'' کا سوتیلا بھائی ہوگا۔ مگر ڈبے میں سے نکالیں گے تو ''املتاس'' کا گودا نکلے گا۔ جس کی صورت اتنی مکروہ کہ دیکھتے ہی متلی آنے لگے اور سیرت کا یہ حال کہ اگر کسی کو اس کا جوشاندہ پلا دیا جائے تو اس کے چہرے کی جوحدی بدل جائے گی۔ اور منہ کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ اور صبح ہوتے ہوتے وہی انجام ہوگا جو جمال گوٹہ کھانے والے کا ہوا کرتا ہے۔

اسی طرح کتب خانوں میں جائیے تو ایک کتاب کے ٹائیٹل پر ''تقویۃ الایمان'' نام لکھا ہوگا۔ آپ خوش ہو کر اس کو اٹھالیں گے کہ سبحان اللہ! اس کتاب سے ایمان کی قوت پیدا ہوگی۔ مگر چند سطریں پڑھنے کے بعد آپ کو پتہ چلے گا کہ ارے یہ ''تقویۃ الایمان'' نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ''تفویۃ الایمان'' ہے یعنی اس کو پڑھتے ہی ایمان کی وفات ہو جائے گی۔

مسلمانو! بس یہی حال ہے اس زمانے میں "قومی یکجہتی" اور "قومی دھارے" کے خوشنما اور خوبصورت لفظوں کا کہ یہ مسلم قوم کے لئے ایک رسم قاتل اور زہر ہلاہل ہے جس پر خوبصورت نام کی شکر چڑھادی گئی ہے۔ تاکہ فرزندان توحید کی حلق سے اتار کر ان کے ایمان کا خون کر دیا جائے۔ اور درحقیقت یہ سیاسی مولوی ہی اس خوفناک سازش کے وہ آلہ کار ہیں۔ جن کے بل بوتے پر یہ مسلم کش اسکیمیں پروان چڑھ رہی ہیں۔

مسلمانو! ان ملت فروش مولویوں کی حرکتوں سے ہم مسلمانوں کو جو جو دکھ پہنچے ہیں۔ ان کو اس کے سوا اور کس طرح بیان کروں کہ ۔

غم کے مارے جو مسکرائے ہیں آنسوؤں کو پسینے آئے ہیں
مہربانی ' خلوص' ہمدردی ہم نے کیا کیا فریب کھائے ہیں
واسطہ جب پڑا ہے اپنوں سے غیر کیا کیا نہ یاد آئے ہیں

بہرکیف ہم کو ان ملت فروش علماء کی جمعیت سے کچھ کہنا نہیں ہے کیونکہ ہم ان لوگوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔ مگر ہمیں تو توحید الٰہی کے پرستاروں اور مدنی تاجدار کے جاں نثاروں سے یہی کہنا ہے جو قرآن نے فرمایا ہے کہ تم اپنے اور اللہ کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

مسلمانو! خدا کی قسم! مانو یا نہ مانو۔ مگر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ زمین پھٹ سکتی ہے اور ایک دن پھٹ جائے گی۔ آسمان ٹوٹ سکتا ہے اور ایک دن ٹوٹ جائے گا۔ چاند اور سورج کی روشنی ختم ہو سکتی ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ مگر احکم الحاکمین کا فرمان نہ کبھی بدلا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلاً ۔ سن لو خدا کا دستور نا قابل ترمیم ہے۔ اس میں ردو بدل ناممکن اور کسی قسم کی تبدیلی محال ہے۔ ہمارے ہزاروں تجربے غلط ہو سکتے ہیں اور ہماری آنکھ کا معائنہ اور مشاہدہ فریب نظر ہو سکتا ہے۔ مگر عالم الغیب والشہادۃ کا فرمان کبھی ہرگز ہرگز غلط نہیں ہو سکتا ہے۔

ہزاروں فلسفیوں کی چناں چنیں نہیں بدلی
خدا کی بات بدلنی نہ تھی ' نہیں بدلی

اس لئے اے میرے دینی و ایمانی بھائیو! تم ہر حال میں اپنے رب کے فرمان اور تعلیم قرآن پر دل و جان سے قربان ہوتے رہو۔ اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو حرز جان بنا رکھو۔ کیونکہ ایک مسلمان کے لئے رحمت عالم کی پیروی ہی جان ایمان ہے۔ اعلیٰ

حضرت قبلہ بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ۔

سرتا قدم اللہ کی ایک شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان' وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے' مری جان ہیں یہ

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے بھی مسلمانوں کو اتباع رسول کا درس دیتے ہوئے کیا خوب کہا ہے کہ ۔

بمصطفٰے برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی' تمام بولہبی است

یعنی اے مسلمان! تو پیارے مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اتباع کر کے ان کے دربار قرب میں رسائی حاصل کر اور ان کا غلام بن جا۔ کیونکہ ان کی ذات اقدس ہی کا نام دین ہے۔ اگر تو ان کے دربار کا غلام نہ بن سکا تو پھر تجھ میں اور ابولہب میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

تین دوست' تین دشمن

برادرانِ ملت! قرآن کا فرمان آپ سن چکے ہیں کہ اللہ اور مومنین کے دشمنوں کو دوست بنانا حرام ہے۔ مسلمانوں دوست اور دشمن کا ذکر آ گیا تو آپ یہ بھی سن لو کہ دوست کون کون اور کتنی قسم کے ہوتے ہیں؟ اور دشمن کون کون اور کتنی طرح کے ہوتے ہیں؟ تو بزرگوں نے فرمایا کہ دوست بھی تین ہیں اور دشمن بھی تین ہیں۔ تین دوست کون کون ہیں؟ سنیئے

حَبِیْبُكَ وَحَبِیْبُ حَبِیْبِكَ وَعَدُوُّ عَدُوِّكَ — ایک تیرا دوست دوسرا تیرے دوست کا دوست' تیسرا تیرے دشمن کا دشمن

اور تین دشمن کون کون ہیں؟ سنیئے۔

عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ حَبِیْبِكَ وَحَبِیْبُ عَدُوِّكَ — ایک تیرا دشمن' دوسرا تیرے دوست کا دشمن' تیرا تیرے دشمن کا دوست۔

سبحان اللہ! کتنے تجربے کی اور کتنی انمول بات ہے کہ ایک دوست تو وہ ہے کو وہ خود تم سے محبت رکھتا ہے۔ اور ایک دوست وہ ہے جو اگرچہ تم سے تو محبت نہیں رکھتا۔ مگر تمہارے کسی

دوست سے محبت رکھتا ہے۔تو تم اپنے دوست کے دوست کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو۔اور ایک دوست وہ بھی ہے کہ جو نہ تو تم سے محبت رکھتا ہے نہ تمہارے کسی دوست سے محبت رکھتا ہے مگر وہ تمہارے کسی دشمن کا دشمن ہے۔تو وہ یقیناً اپنے دشمن کو شکست دینے کے لئے تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔تو تم اس کو بھی اپنا دوست ہی سمجھو۔اسی طرح تمہارا ایک دشمن تو وہ ہے جو خود تم سے دشمنی رکھتا ہے اور ایک دشمن تو وہ بھی ہے جو اگرچہ تم سے تو دشمنی نہیں رکھتا۔مگر تمہارے کسی دوست سے دشمنی رکھتا ہے تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو۔اور ایک دشمن وہ ہے جو تم سے دشمنی رکھتا ہے نہ تمہارے کسی دوست کا دشمن ہے مگر وہ تمہارے دشمن کا دوست ہے تو تم اس کو بھی اپنا دشمن ہی سمجھو۔

حضرات گرامی! اب جب کہ آپ نے دوست اور دشمن کی قسموں کو جان لیا تو اب فیصلہ کیجئے کہ کفار آپ کے دوست ہیں یا دشمن؟ اجی۔یہ تو ایسے دشمن ہیں کہ یہ تنہا تینوں قسم کے دشمن ہیں۔آپ بار بار سن چکے کہ قرآن میں خداوند قدوس کا فرمان ہے کہ عدوی و عدوکم ۔ یعنی کفار تمہارے دشمن ہیں اور تمہارے دوست اللہ کے بھی دشمن ہیں = اور تمہارے دشمنوں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ کے بھی یہ دوست ہیں۔لہٰذا یہ تمہارے دشمن بھی ہوئے اور تمہارے دوست کے دشمن بھی ہوئے اور تمہارے دشمن کے بھی دوست ہوئے۔

حضرات گرامی! اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ کفار و مشرکین تمہارے دشمن ہیں۔تو اب جو لوگ ان سے محبت رکھیں۔وہ تمہارے دشمن کے دوست ہیں۔اور تم سن چکے کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔تو پتہ چلا کہ کفار و مشرکین سے دوستی اور محبت کرنے والے خواہ وہ کسی صورت میں ہوں' کسی لباس میں ہوں' خواہ وہ اپنا کچھ بھی نام رکھیں اور کتنا بھی اپنی مسلم دوستی کا ڈھنڈورا پیٹیں مگر خدا کی قسم وہ یقیناً مسلمانوں کے دشمن ہی ہیں۔لہٰذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ فرمان الٰہی لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔ پر عمل کرتے ہوئے ان دشمنوں کو بھی ہر گز ہرگز اپنا دوست نہ بنائیں۔بلکہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسلمانوں کی صورتوں میں مسلمانوں کے قومی بدن کے سڑے ہوئے اعضاء ہیں۔ان کو اپنے سے الگ تھلگ رکھ کر اپنے قومی بدن کو سڑ جانے اور برباد ہونے سے بچائیں۔

موالاۃ و معاملات

حضرات گرامی! میرا خیال ہے کہ شاید آپ میری اس تقریر سے اپنے دل میں ایک بہت بڑا خلجان اور اضطراب محسوس کرتے ہوں گے۔ اگر ہم اللہ اور رسول کے دشمنوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ تو ہماری معاشی اور سماجی زندگی بالکل تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ نہ ہم تجارت کر سکیں گے، نہ کوئی صنعتی کارخانہ قائم کر سکیں گے، نہ کوئی محنت و مزدوری کر سکیں گے، نہ رفاء عامہ کا کوئی کام ہو سکے گا۔ کیونکہ ملک بھر کے افراد کا تعاون حاصل کئے بغیر کسی طرح ہماری ملکی اور شہری زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔ اس لئے ہم کس طرح کفار و مشرکین وغیرہ سے بالکل کنارہ کش ہو کر زندہ رہ سکیں گے۔

تو برادرانِ ملت! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ کہ دین اسلام انسانوں کی زندگی کو تباہ کرنے کے لئے نہیں آیا ہے۔ بلکہ دین اسلام تو انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو معراج ترقی پر پہنچانے کے لئے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لئے ہرگز ہرگز قرآنی تعلیم کو کسی شک وشبہ کی نظر سے نہ دیکھئے۔ بلکہ انتہائی حاضر دماغی اور نگاہ بصیرت کے ساتھ قرآن کے الفاظ پر نظر رکھئے اور غور فرمایئے کہ قرآن نے لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ۔ فرمایا ہے یعنی کفار سے دوستی کو حرام ٹھہرایا ہے۔ کفار کے ساتھ خرید و فروخت، لین دین، ایک ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دنیاوی معاملات کو حرام نہیں قرار دیا ہے۔

عزیزان گرامی! خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے اور ذہن نشین کر لیجئے۔ کہ ایک ہے ''موالاۃ'' (دوستی) اور ایک ہے۔ ''معاملات'' (لین دین) ''موالاۃ'' اور چیز ہے۔ اور معاملات، اور چیز قرآن کا فرمان یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے ساتھ موالاۃ اور دوستی ناجائز وحرام ہے۔ معالات یعنی خرید و فروخت لین دین حرام نہیں ہے یاد رکھئے کہ معاملات کے لئے نہ مولاۃ ضروری ہے۔ نہ موالاۃ کے لئے معاملات ضروری ہیں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سے آپ ہزاروں معملات عمر بھر کرتے رہیں۔ مگر ذرا بھی اس سے آپ کی دوستی اور محبت نہ ہو اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک شخص سے آپ کی دوستی اور محبت تو ہو مگر آپ اس سے کوئی بھی لین دین کا معاملہ نہ کریں۔

قرآن دشمنان ایمان کے ساتھ معاملات کرنے کو منع نہیں کرتا۔ آپ ان لوگوں کے ساتھ معاملات کر سکتے ہیں۔ قرآن ان لوگوں کے ساتھ دوستی کو منع کرتا ہے کہ خبردار! خبردار ان

لوگوں کو اپنا دوست بنا کر ان کو اپنا قومی اور مذہبی راز دار نہ بنائیں۔ اور اپنے دینی وقومی مسائل میں ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں۔ بلکہ ہمیشہ ان لوگوں سے ہوشیار رہیں اور ان لوگوں سے محبت کر کے ان کے کفری شعار کو ہرگز ہرگز بھی اختیار نہ کریں بلکہ اپنے اسلامی عقائد پر پہاڑوں کی طرح مستقیم اور برقرار رہیں اور کفار و مشرکین کے ساتھ بقدر ضرورت ہی تعلقات اور میل جول رکھیں۔

برادرانِ اسلام! کون نہیں جانتا کہ ''سنڈاس'' بہت ہی خراب جگہ ہے۔ ہرگز ہرگز وہ انسان کے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ مگر بوقت ضرورت وہاں ہر انسان کو جانا ہی پڑتا ہے۔ مگر دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ''سنڈاس'' میں اتنی ہی دیر ٹھہریے جتنی دیر تک وہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ سنڈاس میں پلنگ بچھا کر دن رات پڑے رہیں تو بھلا اس کو حماقت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے؟ اسی طرح دشمنان اسلام سے اپنی دنیاوی اور معاشی ضرورتوں کے لئے بس اتنا ہی ربط وضبط اور تعلق رکھئے جس سے آپ کی ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اگر آپ نے ضرورت سے زیادہ میل جول رکھا اور ان کو اپنے دل میں بٹھا کر یا خود ان کے دل میں بیٹھ کر ان کو اپنا دلی دوست اور اپنا قومی و ملی راز دار بنالیا۔ اور اپنا سارا قومی و ملی راز ان کو بتادیا یا اتنی گہری دوستی کرلی کہ ان کے دینی شعاروں اور کفر وشرک کے کاموں سے آپ متنفر نہ رہے بلکہ ان کے ہمنوا بن گئے۔ تو پھر سمجھ لیجئے کہ یقیناً آپ تعلیم اسلام کے مستحکم جہاز کو جس پر آپ سوار ہیں ایسا خطرناک تارپیڈو مار رہے ہیں جس کا انجام آپ کی قومی و ملی ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ اور انتہائی خطرہ ہے کہ کفار کی ایسی دوستی اور محبت آپ کو کفر کے غار میں گرادے گی اور آپ کی دولت ایمان غارت و برباد ہو جائے گی۔ لہٰذا آپ کے ملی وجود کی خیریت اور آپ کے ایمان و اسلام کی سلامتی اسی میں ہے کہ فاسد کو صالح سے بد کو نیک سے برے کو اچھے سے دور ہی رہنے دیجئے۔ اور قرآن کی اس مقدس آیت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیجئے۔ کہ اللہ اور مومنین کے دشمنوں یعنی کفار و مشرکین منافقین و مرتدین یہود و نصاریٰ غرض تمام دشمنان دین سے دوستی اور محبت کا رشتہ نہ جوڑیئے اور ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بنایئے۔ بہرکیف میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک میں نے سورہ ممتحنہ کی ابتدائی آیتوں کا مطلب آپ کے سامنے واضح طور پر بیان کردیا ہے۔ اس کے بعد اب اس کے سوا میں آپ سے اور کیا

کہہ سکتا ہوں کہ

من انچہ شرط بلاغ است باتومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ہاں آپ کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم سب کو قبول حق کو توفیق بخشے اور صدق دل سے بارگاہ الٰہی میں اپنی یہ عرضی پیش کرتا ہوں کہ

دلوں کو مرکز مہر و وفا کر حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ محمد

والہ و اصحابہ اجمعین

سینتیسواں وعظ

منافقین بے نقاب

ہو اگر نیت بری، اچھے عمل بے کار ہیں
جاگتا ہے دزد بھی مثل نگہباں رات بھر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِهِ الْعَظِيْمِ وَ خِطَابِهِ الْقَدِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

(آل عمران)

برادرانِ ملت! ایک ایک بار بہ آواز بلند درود شریف پڑھ لیجئے۔

اللهم صل وسلم علىٰ سيدنا محمد و علىٰ اله و اصحابه قدر حسنه و جماله

اَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهٖ — وَاللَّيْلُ دَجٰى مِنْ وَّفْرَتِهٖ
فَمُحَمَّدُنَا هُوَ سَيِّدُنَا — وَالْعِزُّ لَنَا مِنْ طَاعَتِهٖ

نور جن کا لئے پیشانی میں آدم آئے — آج دنیا میں وہی نورِ مجسم آئے
آمنہ کیوں نہ بھلا فخر کریں قسمت پر — ان کی آغوش میں جب فخر دو عالم آئے

حضرات گرامی! آپ نے دیکھا ہوگا کہ شہد کی مکھیاں ہزاروں کی تعداد میں اپنے چھتے

کے اندر انتہائی سکون واطمینان کے ساتھ اپنے کام دھندے میں لگی رہتی ہیں۔ کچھ شہد بنانے میں، کچھ چھتے کی تعمیر میں، کچھ انڈوں بچوں کی نگہداشت میں مصروف رہتی ہیں۔ لیکن اگر کوئی انسان ان کے چھتے کو اک ذرا ہاتھ لگا دے تو پھر مت پوچھئے کہ ان سکون ووقار کے مجسموں کے جوش وخروش اور ان کے غیظ وغضب کا کیا عالم ہوتا ہے؟ ایک دم ان مکھیوں کا جم غفیر ایک بپھرے ہوئے لشکر کی صورت میں بھنبھناتا ہوا چھتے سے نکل پڑتا ہے اور اس انسان پر اس طرح حملہ آور ہو جاتا ہے۔ کہ جذبہ انتقام میں اپنے نفع ونقصان' بلکہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔

حضرات! بس بالکل ٹھیک یہی حال مکہ مکرمہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب کا ہوا یہاں کی پوری آبادی نہایت پر سکون ماحول میں اپنی تلاش معاش میں مصروف اور اپنے کاروبار میں مشغول تھی۔ نہ عقائد میں کوئی اختلاف تھا' نہ طریقہ عبادات میں کوئی جھگڑا تھا کہ ایک دم بالکل ہی ناگہاں حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ ایک دن جبل حراء کے غار سے حضور احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پروردگار کی نازل کی ہوئی چند آیات لے کر تشریف لائے اور خدا کے گھر میں خدا کے اس کلمۃ الحق کا اعلان فرمایا۔ کہ لا الٰـــہ الا اللہ مـــحـــمـــد رسول اللہ ۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بس اس کلمۃ الحق کا اعلان کرنا تھا کہ ایک دم مکہ کے امن و سکون کی دنیا میں ایک بھونچال آ گیا۔ اور اس ریگستان کے خشک سمندر میں ایسا ہولناک طوفان برپا ہو گیا۔ کہ بحر عرب کی موجوں کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ ہر متنفس کے سینے میں آتش غیظ و غضب کا ایک تنور بھڑک اٹھا۔ اور ہر شخص جوش وخروش میں پارے کی طرح بے قرار پھرنے لگا۔ غرض نبی برحق کے خلاف مخالفتوں کا ایسا طوفان کھڑا ہو گیا اور ایسی ہلچل مچ گئی کہ مکہ کی زمین دہل گئی اور حرم الٰہی کا سکون غارت ہو گیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نعرہ حق سے ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی کہ جس کے بارے میں اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

برادرانِ ملت! حضور نبی برحق کے خلاف سارا مکہ صف آراء ہو کر نکل پڑا اور ہر طرف بھی شور وغل مچا ہوا تھا کہ

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ۝

یعنی کیا محمد بن عبد اللہ نے تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود ٹھہرا دیا یقیناً یہ بہت ہی عجیب بات ہے۔ ہر جگہ یہی شور برپا تھا۔

کہ اے عرب والو! غضب ہو گیا۔ اٹھو دوڑو دیر مت کرو۔ دیکھو عبداللہ کے بیٹے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے تمام خداؤں کو ان کے انٹ گھنٹ کے ساتھ ملک بدر کر کے بلکہ صفحۂ ہستی سے مٹا کر ایک خدائے واحد کی خدائی کا اعلان کر دیا۔ لہٰذا اے عرب والو! اپنے دیوتاؤں کی مدد اور اپنے خداؤں کی امداد کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دو۔ اور جس قیمت پر بھی ممکن ہو عبداللہ کے بیٹے کی آواز حق دبا دو۔ اور اس کلمۃ الحق کے پرچم کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دو۔ تاکہ مکہ کی فضاؤں میں اس صورت سرمدی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہ جائے۔

ایمان کے خلاف شیطانی پلان

چنانچہ نور ایمانی کے چراغ کو بجھانے اور دین برحق کے نام و نشان کو مٹانے کے لئے مکہ والے طرح طرح کے شیطانی پلان بنانے لگے۔ کفر و شرک کے بڑے بڑے گرگوں نے سب سے پہلے یہ اسکیم بنائی کہ رسول برحق کے خلاف قسم قسم کے پروپیگنڈوں کا ایسا زور باندھ دو کہ لوگ ان سے بدظن ہو کر ان کی کسی بات پر دھیان ہی نہ دیں۔ چنانچہ ایک دم مکہ والوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ کہ عبداللہ کے فرزند پاگل اور دیوانے ہو گئے ہیں۔ خود آپ کا حقیقی چچا ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے مکہ کی گلیوں میں یہ اعلان کرتا پھرتا تھا۔ کہ خبردار! کوئی ان کی کسی بات پر توجہ نہ کرے۔ یہ ہمارے دیوتاؤں کی جھپٹ میں آ گئے ہیں۔ اور پاگل ہو گئے ہیں۔ ظالموں نے مکہ کے کوچہ و بازار میں شریر لڑکوں کا غول آپ کے پیچھے لگا دیا جو آپ کے جسم نازک پر پتھراؤ کرتے تھے اور یہ دیوانے ہیں۔ یہ پاگل ہیں کا شور مچایا کرتے تھے۔ کسی طرف سے یہ پروپیگنڈہ ہونے لگا کہ یہ جادوگر ہیں۔ کچھ یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ کاہن ہیں غرض آپ کی ذات مقدسہ پر قسم قسم کے کذب و بہتان کے طوفان اٹھائے گئے۔

مگر برادران ملت! رسول برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمۃ الحق کا نعرہ کوئی انسانی آواز نہیں تھی۔ جو چند غنڈوں کے شور و غوغا کے دنگوں سے دب جاتی۔ یہ تو نعرہ حق کی صورت سرمدی تھی۔ یا تجلی حقانیت کی ایک بجلی تھی جس کی آواز پر زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ گوش بر آواز تھا۔ جس انسان کے کان میں اس نعرہ حق کی گونج پہنچتی اس کے دل و دماغ کا گوشہ گوشہ اس کی تاثیر سے مطلع انوار ہو جاتا اور وہ اس دعوت حق پر لبیک کہتا ہوا شمع نبوت کا پروانہ بن جاتا تھا۔ آج ابو بکر صدیق، خدیجۃ الکبریٰ، علی مرتضیٰ، زید بن حارثہ مسلمان ہوئے۔ تو کل عثمان غنی، حمزہ، زبیر، سعد، سعید دامن اسلام میں آ گئے۔ تو پرسوں عمار بن یاسر، صہیب رومی اور بلال آسمان اسلام

میں بدر ہلال بن کر چمکے۔ چند دن گزرے تھے کہ ۔

مشہور تر زمانے میں ہیبت عمر کی تھی
ان پر بھی دم میں چھا گئی ہیبت رسول ﷺ کی

کل تک تو یہ عمر بن خطاب ننگی تلوار لے کر رسول برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سر کاٹنے کے لئے مکہ کی گلیوں میں چکر لگایا کرتے تھے۔ مگر آج رسول رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقدس قدموں پر اپنا سر کٹانے کے لئے بے قرار دوڑتے پھرتے نظر آنے لگے۔ (رضی اللہ عن جمیع اصحابتہ اجمعین)

حضرات! اہل مکہ نے جو یہ منظر دیکھا۔ تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنی سعی لا حاصل پر کف افسوس ملتے ہوئے۔ اپنے ''دارالندوہ'' میں ایک زبردست میٹنگ بلائی۔ اور سب نے سر جوڑ کر پوری دماغ سوزی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے اب تک کے تمام پروپیگنڈوں کا جال تو بکھر چکا اور نبی برحق کو بدنام کرنے کی ہماری ساری کوشش رائیگاں اور تمام سیسہ کاریاں ناکام ہو گئیں۔ لہٰذا اب یہ پروگرام بناؤ کہ قرآن کی آواز ہی کسی کے کان میں نہ پڑنے پائے۔ اور جب بھی اور جہاں کہیں بھی پیغمبر خدا قرآن کی تلاوت فرمائیں۔ تو راستے روک لو اور کسی کو ان کے پاس جانے ہی نہ دو۔ اور تالی پیٹ پیٹ کر اور سیٹیاں بجا بجا کر اس قدر شور غل مچاؤ کہ قرآن کی تلاوت کوئی سننے ہی نہ پائے۔ چنانچہ قرآن مجید میں رب العزت جل جلالہ نے کفار مکہ کی اس سکیم کا پردہ فاش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ (حم السجدۃ)	یعنی کفار نے لوگوں سے یہ کہا کہ اس قرآن کو سنو ہی مت۔ اور خوب شور و غوغا مچاؤ۔ امید ہے کہ اس ترکیب سے تم غالب آ جاؤ گے۔

چنانچہ مکہ والوں نے انتہائی کوشش کر ڈالی کہ قرآن کی آواز کسی کان میں نہ پڑے مگر خدا کی شان کہ۔

کہیں پھونکوں سے بجھتی ہے تجلی نور ایماں کی
ہوا روکے تو کشتی تیز چلتی ہے مسلماں کی

کفار مکہ کی کوششوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تاثیر اسلام کی آندھیوں کے سامنے مکڑیوں کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئے اور دین برحق کے متلاشی کسی نہ کسی طرح ہزاروں رکاوٹوں کے پہاڑوں سے بھی ٹکراتے ہوئے قرآن سنتے ہی اور مسلمان ہوتے ہی

رہے اور مسلمان زبان حال سے کہتے رہے کہ۔

نکالی سینکڑوں نہریں کہ پانی کچھ تو کم ہو گا
مگر پھر بھی مرے دریا کی طغیانی نہیں جاتی

برادرانِ ملت! جب کفار مکہ کی یہ ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ تو وہ اپنی مسلسل ناکامیوں سے چراغ پا ہوکر آگ بگولہ ہوگئے اور ظالموں نے خدا کے محبوب پر انتہائی بے دردی کے ساتھ ایذا رسانیوں کا کوہ ستم توڑنا شروع کر دیا۔ جسم اطہر پر پتھروں کی بارش کی۔ راستوں میں کانٹے بچھائے۔ بائیکاٹ کیا یہاں تک کہ عرش الٰہی کا مہمان شعیب ابی طالب کی تنگ گھاٹی میں محصور کر دیا گیا۔ اور آپ کے متبعین کو اتنا ستایا گیا کہ کسی پر کوڑوں کی بارش کی گئی۔ کسی کو آگ کے جلتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا گیا' کسی کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں پہنچایا گیا۔ کسی کے شکم یا پشت میں نیزہ مار کر شہید کر دیا گیا۔ غرض ظلم و ستم کے ایسے ایسے طوفان اٹھائے گئے کہ بحیرہ عرب کے تلاطم کو سکتہ آ گیا۔ اور سرزمین حجاز کا ذرہ ذرہ بلبلا اٹھا۔ حد ہوگئی کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قتل ناحق کا بزدلانہ منصوبہ بنایا گیا۔ حتیٰ کہ رحمۃ اللعالمین نے اپنے محبوب وطن مکہ کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر ہجرت فرمائی۔ اور وطن سے سینکڑوں میل دور مدینہ جا کر سکونت فرمائی۔ مگر مکہ کے درندہ صفت خونخواروں کو اب بھی رحمت عالم پر رحم نہیں آیا۔ بلکہ مدینہ پر بڑے بڑے فوجی حملے کئے۔ ۲ھ میں جنگ بدر کا معرکہ ہوا۔ ۳ھ میں جنگ احد کی خون آشام لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ ۵ھ میں مکہ والوں نے مختلف قبائل کے بائیس ہزار لشکر جرار کو ساتھ لے کر شہر مدینہ پر تین طرف سے اتنے زور کا حملہ کیا کہ مدینے کی زمین دہل گئی۔ اور سرور عالم نے صحابہ کے ساتھ خندق کھود کر شہر مدینہ کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ مگر کفار مکہ کا ہر ایک منصوبہ ناکام ہوتا رہا۔ اور ہمیشہ دین برحق کا بول بالا اور کفار کا منہ کالا ہی ہوتا رہا۔

کفار کا آخری حربہ

حضرات گرامی! جب کفار مکہ اپنی سازشوں اور سیسہ کاریوں سے مایوس ہو چکے تو ان لوگوں نے یہ خطرناک پلان بنا دیا کہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے پانچواں کالم بناؤ۔ یعنی کچھ ایسے لوگوں کو منتخب کرو۔ جو مسلمانوں کی صورتوں میں ہوں۔ جو مسلمانوں کی طرح نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ کے پابند ہوں۔ جو اسلام کا بادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں ملے جلے رہیں اور

اندرونی طور پر اسلام کی جڑوں کو کھوکھلی کرتے رہیں۔ اور مسلمانوں میں مل جل کر کفر کا مشن چلاتے رہیں۔ چنانچہ پانچواں کالم تیار ہوا اور کفار مکہ اور یہودیوں کی سازش سے ایک ایسا گروہ بن گیا۔ جو بظاہر تو مسلمان تھے اور اپنی زبانوں سے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے۔ مگر ان کے دلوں میں کفر کی خباثت بھری ہوئی تھی۔ اور ان کے دل و دماغ کے گوشے گوشے میں اسلام کی عداوت کا ایسا زہر پھیل رہا تھا۔ کہ یہ لوگ دن رات اسلام کی بیخ کنی اور رسول کی مخالفت میں سرگرم رہتے تھے۔ اور اسلام کی ترقی اور رسول برحق کی عظمتوں کے بلند میناروں کو دیکھ دیکھ کر بغض و عناد اور حسد و فساد کی آگ میں جلتے رہتے تھے۔ یہ لوگ ایک طرف تو کفار سے انتہائی گہرا تعلق اور والہانہ محبت رکھتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے سامنے دن رات اپنے مسلمان ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے تھے۔

برادرانِ ملت! کفار کا یہ پانچواں کالم وہی خطرناک گروہ ہے۔ جس کو قرآن و حدیث میں "منافقین" کہا گیا ہے۔ یہ لوگ مکر و فریب اور سیہ کاریوں کے فن میں ایسے چار سو بیس تھے۔ کہ ان کی تدلیس و تلبیس پر ابلیس کو بھی پسینہ آ جاتا تھا۔

چنانچہ قرآن مجید میں حضرت حق جل جلالہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ؁ (بقرہ)	یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور مومنین کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ لوگ خود اپنے آپ کو فریب دے رہے ہیں۔ مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

اور مسلمانو! لطف تو یہ ہے کہ لوگ اپنی دورخی پالیسی اور منافقانہ چالوں پر مارے خوشی کے بغلیں بجایا کرتے تھے اور دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتے تھے۔ قرآن کریم گواہ ہے۔ کہ

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ؁ (بقرہ)	یعنی جب یہ لوگ ایمان والوں سے ملتے تھے تو یہ کہتے تھے کہ ہم تو مومن ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں اور مسلمانوں سے مذاق کرتے رہتے ہیں۔

غرض یہ منافقین بڑے نمازی، روزہ دار اور حج و زکوٰۃ کے پابند یہاں تک کہ جہاد بھی کرتے تھے۔ مگر باطن میں یہ لوگ پکے کافر تھے۔ اور اسلام و بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ چنانچہ ہر موقع پر یہ لوگ اسلام کو مٹانے اور رسول برحق کے وقار و اعتبار

کے پرچم رفعت کو سرنگوں کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ اور اپنی فریب کاریوں سے انتشار پھیلاتے رہتے تھے۔ ایک طرف تو یہ لوگ اپنے ایمان واسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے اور مال غنیمت میں حصہ لیا کرتے تھے اور دوسری طرف کافروں کے جاسوس بن کر کفار سے بھی رقمیں اور تحائف وصول کیا کرتے تھے۔ غرض دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھتے تھے۔ اور بے حد خوش وخرم رہتے تھے اور ایک مدت تک اپنی اس منافقانہ روش سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے رہے۔

مگر جب ان لوگوں کی شرارتوں کی انتہا ہوگئی اور پاپ کا گھڑا بھر چکا۔ تو پھر تہدید خداوندی نے ان ظالموں کو للکارا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جو میں نے خطبہ کے بعد آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی ہے۔

حضرات! اب آپ انتہائی توجہ کے ساتھ ان مقدس آیات کا ترجمہ سماعت فرمائیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک گندے کو ستھرے سے جدا نہ کردے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران)

اور اللہ عزوجل کی یہ شان نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دیدے ہاں اللہ چن لیتا ہے۔ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ تو تم لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

منافقین بے نقاب

حضرات گرامی! اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہونے لگا۔ یہاں تک کہ رب العزت جل جلالہ نے سورہ توبہ کی یہ آیت نازل فرمائی کہ

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ

یعنی تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافقین ہیں اور کچھ مدینہ والے نفاق کے خوگر ہو گئے ہیں۔ اے محبوب! آپ ابھی تک ان کو نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں۔ جلد ہم انہیں

عَظِیْمٌo — دومرتبہ عذاب دیں گے۔ پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد بالکل ہی ان منافقوں کا پول کھل گیا۔ خداوند عالم نے ان ظالموں کو تین عذابوں کی وعید فرمائی۔ دو عذاب تو دنیا میں اور ایک بہت بڑا عذاب آخرت میں۔ پہلا دنیا میں ذلت و رسوائی کا عذاب ہوا۔ اور وہ اس طرح کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی ہے کہ ایک دن مسجد نبوی میں جمعہ کے خطبہ کے وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر ایک ایک منافق کا نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ

قُمْ یَا فُلَانُ فَاخْرُجْ فَاِنَّکَ مُنَافِقٌo — یعنی اے فلاں! تو کھڑا ہو جا اور مسجد سے نکل جا کیونکہ تو منافق ہے۔

اس وقت مسجد نبوی میں چھتیس منافق موجود تھے۔ ان سب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد سے باہر نکال کر جمعہ کی نماز ادا فرمائی۔ (روح المعانی ج ا ص ۱۱ و خازن ج ۲ ص ۳۶۱)

دوسرا عذاب ان کو ان کی قبروں میں دیا جائے گا۔ اور تیسرا عذاب آخرت میں ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ جو یقیناً بہت ہی بڑا عذاب ہے۔

بہرکیف سورہ آل عمران میں جو خدا کا وعدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے چھانٹ دے گا اور گندے کو ستھرے سے جدا کرے گا۔ وہ وعدۂ خداوندی پورا ہو گیا کہ منافقین کو خدا نے مومنین سے چھانٹ کر جدا فرما دیا۔ پھر

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْo — اے نبی! آپ کفار اور منافقین دونوں سے جہاد کیجئے اور ان لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ فرمایئے۔

کا قاہرانہ حکم نازل ہو گیا۔

حضرات! اس آیت کے نزول کے بعد تو پھر منافقوں کے لئے امن و امان کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہ گئی۔ ذلت و رسوائی کا عذاب ان ظالموں کے سروں پر قہر خداوندی بن کر اتر پڑا۔ اور خدا کی لمبی چوڑی زمین ان شرارت کے مجسموں کے لئے تنگ ہو گئی۔ اور دم زدن میں ان کی ساری ہنسی خوشی ہرن ہو گئی۔ ظالم ساری چوکڑی بھول گئے۔ ہر طرف منحوس کی طرح منہ لٹکائے اور چہرہ چھپائے بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ اور زبانِ حال سے کہتے جاتے تھے۔ کہ۔

فریاد ہے، فریاد ہے ! یہ کیسی بلا آئی
گھر گھر مرا چرچا ہے، گھر گھر میری رسوائی

عداوتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چھپ نہیں سکتی

حضرات گرامی! آپ نے سن لیا کہ منافقوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی چھپانے کے لئے ہزاروں جتن کئے۔ جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔ اور طرح طرح کی فریب کاریوں اور مکاریوں سے اپنے نفاق پر پردہ ڈالتے رہے۔ نماز پڑھتے رہے، روزہ رکھتے رہے، حج و زکوٰۃ کے پابند رہے، جہادوں میں شرکت کرتے رہے اور اپنے حال وقال سے ہر دم ہر قدم پر یہی کوشش کرتے رہے کہ عداوتِ رسول کا جو طوفان ہمارے سینوں میں امنڈ رہا ہے وہ کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے مگر آپ نے دیکھ لیا کہ خداوند جبار و قہار نے ان چھپے ہوئے کفار کا پردہ کس طرح فاش کر دیا۔ اور یہ نابکار کس طرح دونوں جہاں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔

اور مسلمانو! یاد رکھو کہ یہ عذاب خداوندی صرف زمانۂ رسالت ہی کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ قیامت تک آنے والے منافقین کا یہی حشر ہوگا کہ وہ رحمت عالم کے بارے میں اپنے نفاق و شقاق کو چھپانے کی لاکھ کوشش کریں مگر خداوند ذوالجلال کا قہر و جلال ایک نہ ایک دن ضرور ان کا پردہ فاش کر کے انہیں عذاب دارین کے وبال میں ڈال دے گا۔ کیا خوب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بریلوی علیہ الرحمۃ نے کہ۔

وہابی گرچہ اخفامی کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

یعنی اس دور کے منافقین وہابی اگرچہ نبی کی دشمنی کو چھپاتے ہیں۔ مگر بھلا وہ راز کس طرح چھپ سکتا ہے؟ جن کے ذکر کے لئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔

چنانچہ ہزاروں واقعات میں سے صرف دو واقعات میں اس وقت آپ کو سنائے دیتا ہوں۔ جو بیحد عبرت آموز ہیں۔ ذرا توجہ سے سنئے۔

بھوپالی مولوی کی درگت

حضرات! بھیمڑی ضلع تھانہ کے بیسیوں احباب نے یہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ بھیمڑی میں ایک وہابی مولوی بھوپال سے آیا ہے۔ جو بہت ہی زوردار مقرر اور بیحد چرب زبان واعظ تھا۔ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل پر ایسی ولولہ انگیز تقریر کرتا تھا کہ

بھیرڑی کے سنی اس کے وعظ پر لٹو ہو گئے اور سارا شہر اس طرح اس کا گرویدہ ہو گیا کہ روزانہ ہزاروں سامعین اس کے وعظوں میں شریک اجلاس ہوتے تھے۔ بھیرڑی کے کسی سنی عالم نے جب لوگوں کو یہ بتایا کہ یہ وہابی ہے تو عوام برہم ہو گئے اور کہنے لگے کہ بھلا اتنا بڑا مداح رسول وہابی کیونکر ہو سکتا ہے؟ مہینوں تک یہ مولوی بھیرڑی میں تقریریں کرتا رہا اور دونوں ہاتھوں سے نذرانے کی رقم بٹورتا رہا۔ بہت سے لوگوں کو مرید بھی کر لیا۔ مگر میں عرض کر چکا کہ قدرت خداوندی کا یہ دستور ہے کہ کبھی نہ کبھی منافقوں کے ڈھول کا پول ضرور کھل جاتا ہے۔ چنانچہ اس مولوی کا بھی یہی انجام ہوا۔ کہ ایک جلسے میں وعظ کہتے کہتے ایک دم یہ کہنا شروع کر دیا کہ مسلمانو! خدا ایسا قادر ہے ایسا قادر ہے۔ اتنی قدرت والا ہے کہ ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا حقیقت ہے۔ خدا اگر چاہے تو ایک سیکنڈ میں لاکھوں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا کر ڈالے۔ مولوی کا یہ بے تکا جملہ سن کر سارا مجمع فرط حیرت سے مولوی کا منہ تکنے لگا اور ایک سنی عبد الغفار نامی جس کو عام طور پر بھیرڑی والے کا مرید عبد الغفار کہا کرتے تھے۔ یہ بہت ہی غریب آدمی ہیں اور مجھ فقیر سے بھی بہت ہی والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ ایک دم یہ بھرے جلسے میں کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ بالکل غلط کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! اب اللہ تعالیٰ ہرگز کسی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پیدا کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرما چکا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''خاتم النبیین'' ہیں۔ لہٰذا اب اگر خدا نے کسی دوسرے ایک بھی محمد رسول اللہ کو پیدا کر دیا تو خدا جھوٹا ہو جائے گا۔ اور خدا کا جھوٹا ہونا محال ہے۔ عبد الغفار کا مرید کا یہ کہنا تھا کہ پورا مجمع مشتعل ہو گیا اور مولوی کو مارنے کے لئے دوڑ پڑا۔ یہاں تک کہ مشتعل عوام نے مولوی کو تخت سے گھسیٹ کر نالی میں پٹخ دیا۔ اور مولوی نجس کیچڑ میں لت پت ہو کر سرپٹ بھاگا۔ اور گھر میں گھس گیا اور دوسرے دن پردے والی گاڑی میں چھپ کر بھیرڑی سے جو بھاگا تو پھر مرتے دم تک کبھی بھیرڑی کا رخ نہیں کیا اور ہر شخص نے جان لیا' پہچان لیا اور مان لیا کہ واقعی یہ بھوپالی مولوی بہت ہی جنجالی قسم کا وہابی مولوی تھا۔

ایک اجمیری مولوی کی مرمت

حضرات! اسی طرح احمد آباد کے ایک معمر شاعر حضرت ضیاء مرحوم نے مجھ سے بیان

فرمایا کہ احمد آباد کے محلہ جمال پور میں جیوا بھائی قصائی کی مسجد میں اجمیر کے ایک مولوی صاحب جو چھپے ہوئے وہابی تھے۔ ہر سال بارہویں شریف کا وعظ بیان کیا کرتے تھے۔ اور ایسے انداز میں تقریر کرتے تھے کہ کسی کو کبھی یہ شبہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ بدمذہب ہوں گے۔ مگر آخر تا کجے؟ آخر دستورِ خداوندی نے ایک دن اپنے قہر وغضب کا عذاب اس پر نازل ہی فرما دیا۔ اور اس کا پردہ اس طرح فاش کر دیا کہ وہ انتہائی ذلیل وخوار ہوکر ہمیشہ کے لئے احمد آباد سے فرار ہوگیا۔ واقعہ یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کے فضائل کا بیان کرتے ہوئے انہوں نے ایک جلسے میں یہ کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ پھر ایک دم ناگہاں اس کی زبان پر یہ بے تکے الفاظ آ گئے کہ اجی! حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔ تو اس میں کیا خاص بات ہے؟ جن کا بھی سایہ نہیں ہوتا شیطان کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ بھوت اور چڑیل کا بھی سایہ نہیں ہوتا۔ سایہ نہ ہونا کوئی فضیلت کی بات نہیں ہے۔

حضرات! مولوی کی زبان سے اس بیہودہ بکواس کا نکلنا تھا۔ کہ ایک دم سامعین غیظ و غضب میں آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ایک قریشی نوجوان نے مولوی کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر منبر سے گھسیٹا اور فرش پر گرا دیا۔ اور لوگوں نے لاتوں اور گھونسوں سے اس قدر بے بھاؤ کی مرمت کر دی کہ کپڑے تو کپڑے بدن تک کے گرد وغبار جھڑ گئے۔ اور مولوی صاحب نے بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنی قیام گاہ میں پناہ لی۔ حضرت ضیاء صاحب کہنے لگے کہ میں ان مولوی صاحب کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اور ان کے پاس اٹھتا بیٹھتا بھی تھا۔ اس واقعہ کے بعد میں جب ان کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ آپ نے اپنی بہترین تقریر میں یہ گندہ بروزہ کہاں سے اور کیوں ملا دیا؟ تو وہ مولوی صاحب کف افسوس ملتے ہوئے کہنے لگے کہ بھائی! خدا کی قسم! میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا کہ کس طرح ایک دم میری زبان پر یہ الفاظ آ گئے۔

حضرات! اس واقعہ کو سنا کر حضرت ضیاء صاحب فرمایا کرتے تھے کہ واللہ! مجھے تو اس کا عین الیقین حاصل ہوگیا ہے کہ بدمذہبوں کے دل کی خباثت کبھی نہ کبھی ان کی زبان پر ضرور آ جاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح بدمذہبوں کی بدمذہبی کو ضرور ظاہر ہی فرما دیتا ہے۔

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دشمنانِ رسول لاکھ اپنے کو چھپائیں اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور قسم قسم کی عبادت کا نقاب اوڑھ کر اپنے نفاق کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ہزاروں لاکھوں تدبیریں کر ڈالیں مگر اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ

الطَّیِّبِ یعنی اللہ تعالیٰ خبیث کو طیب سے گندے کو ستھرے سے ناپاک کو پاک سے یعنی منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ کردے گا۔اور کبھی نہ کبھی ضرور منافق کا نفاق ظاہر ہو کر رہے گا۔اور دل کی بدعقیدگی کسی نہ کسی دن ضرور زبان پر آ کر رہے گی۔

ایک مثال

حضرات! آپ یوں سمجھئے کہ اگر نجاست کے ڈھیر پر کوئی راکھ ڈال دے تو وقتی طور پر تو نجاست بالکل چھپ جاتی ہے۔مگر کب تک؟ آخر جب ہواؤں کے جھونکے اس راکھ کو اڑادیں گے تو کبھی نہ کبھی ضرور وہ نجاست ظاہر ہو کر ہی رہے گی۔اسی طرح دل کی نجاست یعنی بدعقیدگی اور رسول کی دشمنی کو منافق اپنی عبادتوں کی راکھ سے لاکھ چھپائے۔مگر قہر خداوندی کی آندھی کبھی نہ کسی وقت اس کی عبادتوں کی راکھ کو اڑا کر اس کی بدعقیدگی کی نجاست کو ظاہر کردے گی۔اس لئے کہ خداوند قدوس کا وعدہ ہے کہ وہ خبیث کو طیب سے اور گندے کو ستھرے سے اور منافق کو مومن سے ضرور چھانٹ کر الگ الگ کردے گا۔اور منافق کی ساری عبادت غارت اور اکارت ہو جائے گی۔کیوں؟ اس لئے کہ ؎

ہو اگر نیت بری اچھے عمل بے کار ہیں
جاگتا ہے دزد بھی مثل نگہباں رات بھر

وما علینا الاالبلاغ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ
محمد والہ و صحبہ اجمعین ٥

اڑتیسواں (۳۸) وعظ

وجاہتِ کلیم اللہ علیہ السلام

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بحبیب ، ایک کلیم سر بکف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى
فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًاO (احزاب)

حضرات گرامی! بہ آوازِ بلند دربارِ رسالت میں درود وسلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَبَدًا اَبَدًاO

برادرانِ اسلام! اس وقت میں نے آپ کے سامنے سورۂ احزاب کی ایک آیت شریفہ تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ اس آیت میں حضرت رب العزت جل جلالہ نے حضراتِ انبیاء کرام کی اس وجاہت نبوت اور عظمت رسالت کا ذکر فرمایا ہے۔ جو خدا کے مقدس نبیوں اور رسولوں کا وہ طرۂ امتیاز ہے کہ دنیا کے عظیم تر انسانوں کے لئے بھی اس کے کروڑویں حصے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ درحقیقت نبوت و رسالت کی عظمت و وجاہت' مقامِ انسانیت کا وہ بلند ترین شرف اور عظیم المرتبت فضل و کمال ہے کہ اوج ثریا کی رفعتیں اور آفتاب و ماہتاب کی طلعتیں اس کے آگے سر جھکاتے میں اپنی سربلندی کی معراج پاتی ہیں۔

حضرات! اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس آیت کے نازل ہونے کا سبب بیان کر دوں۔ اور یہ بتادوں کہ یہ آیت کب؟ اور کہاں؟ اور کس موقع پر نازل ہوئی ہے۔

شانِ نزول

حضرات! تفسیر خازن شریف میں ایک حدیث ہے۔ جس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث بخاری شریف میں بھی ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت تقسیم فرماتے وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن وغیرہ اشراف عرب کے سو اونٹ عنایت فرما دیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص یہ کہنے لگا کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس تقسیم میں عدل نہیں فرمایا۔ جب یہ بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو قلب نازک پر بڑا صدمہ گزرا۔ اور شدت غیظ و غضب سے چہرۂ انور پر سرخی نمودار ہو گئی اور آپ نے اس وقت یہ ارشاد فرمایا کہ بھلا اللہ عزوجل اور اس کا رسول اگر عدل نہ کرے گا تو پھر کون عدل کرے گا۔ پھر فرمایا کہ یَرْحَمُ اللّٰہُ مُوْسٰی قَدْ اُوْذِیَ بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ یعنی اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ بلاشبہ لوگوں نے ان کو اس سے کہیں زیادہ ایذا پہنچائی تھی تو انہوں نے صبر کیا تھا۔ (خازن ج ۳ ص ۵۰۹)

حضرات! اسی موقع پر حضرت حق جل جلالہ نے اس آیت کو نازل فرما کر مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؕ

یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ۔ جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی۔ تو اللہ عزوجل نے موسیٰ کو ان لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے بری ظاہر فرما دیا اور حضرت موسیٰ اللہ عزوجل کے نزدیک آبرو والے ہیں۔

حضراتِ گرامی! لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کس طرح ستایا تھا؟ اور کیا تکلیف پہنچائی تھی؟ اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی کہی ہوئی باتوں سے کیونکر اور کس طرح بری فرمایا؟ یہ ایک بہت ہی عبرت خیز اور نصیحت آمیز واقعہ ہے۔ اور یہ واقعہ جہاں

بارگاہِ نبوت کے گستاخوں کی شرارتوں کا آئینہ دار اور تہمت وافترا کی ایک دردناک داستان ہے۔ وہاں یہ اہل ایمان کے لئے ہدایت کا بہت بڑا سامان اور حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت شان کا ایک نورانی نشان بھی ہے۔

بنی اسرائیل کا غسل برہنہ

حضرات! واقعہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں ایک عام رواج تھا کہ یہ لوگ مجمع عام میں بالکل مادرزاد برہنہ ہوکر غسل کرتے تھے۔ چشموں اور تالابوں پر جھنڈ کے جھنڈ بالکل سر سے پاؤں تک ننگے ہوکر نہایا کرتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام گو اسی قوم کے ایک فرد تھے۔ اور اسی ماحول کے اندر پیدا ہوئے تھے لیکن خداوند عالم نے ان کو نبوت کی عظمت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس لئے بھلا آپ کی عصمتِ نبوت اس حیا سوز بے غیرتی کو کب برداشت کرسکتی تھی؟ آپ بنی اسرائیل کی اس بے حیائی سے انتہائی متنفر اور بیحد بیزار تھے اور ہمیشہ یا تو تنہائی میں چھپ کر یا تہبند باندھ کر غسل فرماتے تھے۔ بنی اسرائیل نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اور کسی حالت میں بھی بالکل برہنہ بدن ہوکر نہیں نہاتے۔ تو ظالموں نے آپ پر یہ تہمت لگادی کہ آپ کے بدن کے اندرونی حصہ میں برص کا سفید داغ یا کوئی ایسا عیب ہے جس کو چھپانے کے لئے یہ کبھی ننگے بدن نہیں ہوتے۔

حضرات! اس تہمت کا ظالموں نے اس قدر چرچا کیا کہ ہر کوچہ و بازار میں اس پروپیگنڈہ کا شہرہ ہوگیا۔ ظاہر ہے کہ اس مکروہ پروپیگنڈہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب نازک پر بڑا صدمہ گزرا۔ اور آپ کو اس سے بڑی تکلیف اور اذیت پہنچی۔ چنانچہ جب آپ کے قلب مبارک پر رنج وغم کے صدمات پہنچے۔ تو بھلا خداوند قدوس اپنے مقدس کلیم کے رنج وغم کو کب گوارا فرماسکتا تھا؟ اور اپنے ایک برگزیدہ رسول پر ایک عیب کی تہمت بھلا خلاقِ عالم کے نزدیک کیونکر اور کس طرح قابل برداشت ہوسکتی تھی؟ ارحم الراحمین کی غیرت نے غیب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت اور بے عیبی ظاہر کردینے کا ایک ایسا سامان پیدا فرمادیا۔ کہ ایک دم بنی اسرائیل کے پروپیگنڈوں اور ان کے شکوک وشبہات کے تمام گرد وغبار چھنٹ گئے۔ اور آپ کی برأت اور بے عیبی کا سورج آفتاب نصف النہار سے زیادہ عالم آشکار ہوگیا اور تمام بنی اسرائیل ایک زبان ہوکر کہنے لگے کہ

وَاللهِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَاْسٍ — یعنی خدا کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تو کوئی

عیب ہی نہیں ہے۔

حضرات! اب سن لیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برات خداوند قدوس کس طرح ظاہر فرماتا ہے؟ تقریباً تمام تفسیروں اور حدیث کی معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ عین اسی حالت میں کہ ہر طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عیب دار ہونے کا چرچا ہو رہا تھا۔ ایک دن آپ پہاڑوں کے دامنوں میں چھپے ہوئے ایک چشمہ پر غسل کے لئے تشریف لے گئے اور یہ دیکھ کر کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا نام ونشان نہیں ہے۔ اس لئے آپ اپنے تمام کپڑوں کو ایک پتھر پر رکھ کر بالکل برہنہ ہو کر غسل فرمانے لگے۔

ایک تاریخی پتھر

حضرات گرامی! خدا کے ایک مقدس نبی کا لباس ایک پتھر نے جو اپنے سر پر اٹھایا تو اس لباس کی نورانیت سے اس پتھر کے دل وجگر میں ایک ایسا ایمانی جوش پیدا ہو گیا کہ اس پتھر نے خدا کے حکم سے یہ عزم کر لیا کہ میں حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برات کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کر کے پانی سے باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پتھر آپ کے کپڑوں کو لئے ہوئے سرپٹ بھاگا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس پتھر کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگے۔ اور فرمانے لگے کہ ثَوْبِیْ حَجَرُ - ثَوْبِیْ حَجَرُ ۔ یعنی اے پتھر میرا کپڑا۔ اے پتھر میرا کپڑا۔ مگر پتھر تھا کہ برابر بھاگتا ہی رہا یہاں تک کہ شہر کی بڑی بڑی سڑکوں سے گزرتا ہوا گلی کوچوں میں پہنچ گیا اور آپ بھی بالکل برہنہ پتھر کے تعاقب میں دوڑتے چلے گئے۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ہر چھوٹے بڑے نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سر سے پاؤں تک آپ کے مقدس جسم میں کہیں بھی کوئی عیب نہیں ہے۔ بلکہ آپ کے بدن کا ہر حصہ حسن و جمال میں اس قدر نقطہ کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ اس دور میں اس کا مثل و مثال تقریباً محال تھا۔ چنانچہ ہر شخص کی زبان پر یہی جملہ تھا کہ وَاللہِ مَا بِمُوْسٰی مِنْ بَاْسٍ ۔ یعنی خدا کی قسم! حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل ہی بے عیب ہیں۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۸۳)

حضرات! جب یہ پتھر خوب اچھی طرح آپ کی برات کا اعلان کر چکا تو خود بخود ٹھہر گیا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر غضب وجلال میں تھے۔ کہ آپ نے اس پتھر کو اپنے عصا سے مارنا شروع کر دیا اور اتنے زور زور سے مارا کہ اس پتھر پر چند نشانات پڑ گئے لیکن اس کے بعد جب آپ کو یہ خیال آیا کہ اس پتھر نے تو مجھ پر بڑا احسان کیا ہے کہ میری

برات کا اعلان کیا ہے تو ایک دم آپ کو اس پتھر پر پیار آ گیا اور آپ نے اس کو سنبھال کر اپنے جھولے میں رکھ لیا اور عمر بھر اس کو اپنی صحبت و رفاقت سے کبھی جدا نہیں فرمایا۔

حضرات گرامی! یاد رکھئے کہ یہ پتھر وہی خوش نصیب پتھر ہے کہ جب میدان تیہ میں بنی اسرائیل نے پیاس سے بے تاب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا سوال کیا۔ تو آپ نے اسی پتھر پر ایک مرتبہ اپنا عصار ماردیا۔ تو اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ اور بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے ہزاروں انسان اپنے اپنے چشموں سے برسوں سیراب ہوتے رہے۔

پتھروں کے کارنامے

حضرات! مشہور تو یہ ہے کہ پتھر اپنی سختی کی وجہ سے کسی چیز کا کوئی اثر جلد قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ کوئی انسان بات کا اثر قبول نہ کرے تو اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ بڑا سنگدل ہے۔ یا یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے سینے میں دل نہیں ہے بلکہ پتھر ہے۔ مگر آپ کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوگا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں پتھروں کے کارنامے ایسے ایسے شاہکار بن کر نمودار ہوئے ہیں کہ جن کو دیکھ کر بنی نوع انسان حیران رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ابھی ابھی آپ نے سن لیا ہے کہ خدا کے مقدس کلیم پر ایک عیب جوئی کا پروپیگنڈہ سن کر ایک بے جان پتھر میں ایسا جوش ایمان پیدا ہو گیا کہ اس نے آپ کی برات کا اعلان کر کے قیامت تک کے لئے اپنی لازوال عزت و شہرت کا سامان کر لیا۔

مقامِ ابراہیم

اسی طرح حرمِ الٰہی کا ایک مقدس اور تاریخی پتھر ''مقامِ ابراہیم'' بھی تو ایک پتھر ہی ہے۔ مگر اس مقدس پتھر کا یہ کارنامہ ہے کہ جب خدا کے خلیل جلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ معظمہ کی تعمیر کے لئے اس پتھر پر کھڑے ہوئے تو یہ پتھر اپنے سر پر حضرت خلیل اللہ کا پائے مبارک اٹھا کر جوشِ محبت میں اتنا رقیق القلب ہو گیا کہ موم کی طرح نرم ہو گیا اور اس پر آپ کے مقدس قدموں کا نشان پڑ گیا۔ چنانچہ اس ایمانی محبت کی بدولت یہ پتھر مقامِ ابراہیم کے معزز لقب سے سرفراز ہو گیا اور خداوند قدوس نے اس کو ایسی عظمت عطا فرمادی کہ قرآن میں کہیں اس کو فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۔ فرما کر اپنی عظمت و کبریائی کا ایک نشان بنا دیا اور کہیں وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى ۔ فرما کر اس کو تمام اہل ایمان کے لئے ''جائے نماز''

ہونے کا شرف بخش دیا اور فرمایا کہ اے ایمان والو! تم نماز میرے لئے پڑھو۔ سجدہ مجھے کرو۔ میرے سجدہ کے وقت تم لوگ اپنی پیشانیوں کو اس مقدس پتھر کے پاس رکھو۔ جس نے حضرت خلیل اللہ کے قدموں کے نشان کو جوشِ ایمان کے ساتھ اپنے سر پر اٹھایا اور اپنی جان کی طرح اس کا نگہبان بنا ہوا ہے۔

ابوجہل کی کنکریاں

حضرات! ابوجہل کی مٹھی میں چھپی ہوئی کنکریاں بھی تو ان ہی پتھروں کی نسل سے تھیں۔ مگر آپ جانتے ہی ہیں کہ ان ننھی ننھی کنکریوں نے ابوجہل کی مٹھی میں اپنی فطری سکوت اور پیدائشی خاموشی کے طلسم کو توڑ کر زور زور سے کلمہ پڑھا اور نبی برحق کی صداقت کا ڈنکا بجا کر یہ اعلان کر دیا کہ

اعجازِ مصطفائی کا عالم نہ پوچھئے   پتھر میں جان ڈال دی' گویا بنا دیا

کوہِ اُحد

اسی طرح کوہ اُحد پتھروں کا ایک پہاڑ ہی تو ہے۔ مگر اس کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ ۔ یعنی یہ ایک ایسا پہاڑ ہے کہ یہ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ لوگوں نے بارہا سنا ہوگا کہ ایک مرتبہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنے تینوں رفیقوں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وفاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے ساتھ لے کر اُحد پہاڑ پر رونق افروز ہوئے تو اِهْتَزَّ لَهُ الْجَبَلُ یعنی پہاڑ جوشِ مسرت وشادمانی میں جھوم اٹھا اور ہلنے لگا۔ اس وقت رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہاڑ کو مخاطب فرما کر یہ ارشاد فرمایا کہ

اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّ صِدِّيْقٌ وَّشَهِيْدَانِ۔ یعنی اے پہاڑ! ٹھہر جا کہ اس وقت تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

یہ سن کر پہاڑ ساکن ہو گیا۔

برادرانِ اسلام! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ پہاڑ بھی آپ کو جانتا' پہچانتا اور مانتا تھا اور آپ پر ایمان لا کر آپ کا تابع فرمان تھا وہاں اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خاتمہ کی بھی خبر تھی۔

کیونکہ برسوں پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی خبر دے دی۔ سبحان اللہ! کیوں نہ ہو؟ میرے پیارے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تو یہ شان ہے کہ ؎

فرش تا عرش سب آئینہ ضمائر حاضر ۔۔۔ بس قسم کھائیے امی! تری دانائی کی

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال
دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی

حجر اسود

اسی طرح ''حجر اسود'' جو خانہ کعبہ کے ایک کونے پر جڑا ہوا ہے۔ یہ بھی ایک پتھر ہی ہے مگر اس کو حضرت آدم صفی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص نسبت ہے کہ اس کو حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے۔ اس نسبت کی بدولت حضرت حق جل مجدہ نے اس پتھر کو وہ رتبہ بلند بخشا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ''حجر اسود'' کا بوسہ لیتے وقت یہ فرمادیا کہ

اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْ لَا اَنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ

(بخاری ج ۱ ص ۲۱۷)

یعنی خبردار! اے حجر اسود! میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ تو نہ کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے نہ کوئی نفع دے سکتا ہے اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تجھ پر ہاتھ رکھ کر تجھ کو چومتے تھے۔ تو میں تجھ کو نہ چومتا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کو سن کر فوراً حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو ٹوک دیا اور یہ فرمایا کہ اے امیر المومنین! آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ حجر اسود کوئی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بلاشبہ یہ نفع بھی پہنچا سکتا ہے اور نقصان بھی۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب روز ازل میں خداوند عزوجل نے تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد و اقرار کرالیا۔ تو اس عہد نامہ کو ایک کاغذ میں لکھوا کر اسی حجر اسود کو عطا فرمایا اور وہ اس عہد نامہ کو نگل گیا۔

وَاِنَّهٗ یُبْعَثُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَهٗ عَیْنَانِ وَلِسَانٌ وَّ شَفَتَانِ۔

اور یہ حجر اسود جب قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کی دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ

ہوں گے۔

يَشْهَدُ لِمَنْ وَّافٰى بِالْمُوَافَاةِ فَهُوَ اَمِيْنُ اللّٰهِ فِيْ هٰذَا الْكِتَابِ۔

اور جن لوگوں نے عہد الست کو پورا کیا ہوگا ان کے لئے یہ شہادت دے گا کیونکہ یہ عہد نامہ کی دستاویز کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا امین ہے۔

فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَا اَبْقَانِيَ اللّٰهُ بِاَرْضٍ لَسْتَ فِيْهَا يَا اَبَا الْحَسَنِ۔

رواہ الحاکم

(مزیلۃ الدرایہ المقدمہ الہدایہ ص۱۱)

یعنی حضرت علی شیر خدا کی تقریر سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے ابوالحسن خدا اس زمین میں مجھے باقی نہ رکھے جس زمین میں تم نہ رہو۔

بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ پتھروں کو بھی خدا کے مقدس نبیوں سے ہمیشہ الفت و محبت اور ایک والہانہ لگاؤ رہا ہے اور ان پتھروں نے ایمانی محبت کے جوش میں ایسے ایسے ایمان افروز کارنامے انجام دیئے ہیں جن کو سن کر انسان حیران اور دنگ رہ جاتا ہے۔

حضرات! جب انبیاء علیہم السلام کے عشق و محبت میں بیجان پتھروں کا یہ عالم ہے تو خدا کی قسم! وہ انسان جس کے سینے کا صندوق اور دل کی تجوری محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دولت سے خالی ہو وہ پتھر سے بھی گیا گزرا ہے۔ واللہ! کیا خوب کہا ہے کسی حقیقت شناس نے کہ ؎

کافر ہے وہ بد بخت جو اس دل کو کہے دل
جس دل میں نہ ہو الفت سرکار مدینہ

بہر حال میرے بزرگو اور دوستو! میں یہ عرض کر چکا کہ جب خدا کے مقدس کلیم جناب موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے گستاخوں نے ایک عیب لگا کر دکھ دیا اور تکلیف پہنچائی۔ تو ایک پتھر نے خداوند قدوس کے حکم سے آپ کی برأت کا اعلان کیا اور اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو اپنے اس فرمان سے سرفراز فرمایا کہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا○

یعنی اے ایمان والو! تم ان لوگوں کے مثل مت ہو جانا جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیا تھا۔ تو اللہ عزوجل نے ان کو لوگوں کی کہی ہوئی بات سے بری کیا اور ان کے بے عیب ہونے کا

اعلان فرما کر ان کی عظمت و وجاہت کا خطبہ پڑھا۔

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! خبردار۔ تم میرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کبھی ہرگز ہرگز اپنے کسی قول یا فعل سے رنج و ایذا مت پہنچاؤ۔ بلکہ ہر وقت' ہر دم اور ہر قدم پر یہ دھیان رکھنا کہ تمہاری حیات کے کسی لمحہ میں تمہاری کسی بات سے میرے محبوب کی شان میں کوئی بے ادبی' کوئی ایذا رسانی' کوئی گستاخی نہ ہونے پائے۔ ورنہ یاد رکھو کہ اسی سورۂ احزاب میں خداوند ذوالجلال کا فرمان اپنے پورے قاہرانہ تیور کے ساتھ تمہیں للکار رہا ہے۔ کہ ایمان والو سن لو!

رسول کو ایذا دینے والے ملعون

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا○

یعنی بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ عزوجل اور اس کے رسول کو ان پر اللہ عزوجل کی لعنت ہے۔ دنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ عزوجل نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ایک نکتہ

حضرات گرامی! یہاں یہ ایک نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جب بنی اسرائیل کے گستاخوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب کی تہمت لگائی تو خداوند عالم ان کو اس تہمت سے بری ٹھہرانے کے لئے کسی انسان یا کسی جن یا کسی فرشتہ کو بھی مقرر فرما سکتا تھا۔ مگر اس قادر و قیوم نے ایک بے جان پتھر کو اس خدمت پر مامور فرما کر یہ واضح فرما دیا کہ انبیاء کرام کی عزت و عظمت کی حفاظت اور ان کی امداد و نصرت جن و ملک کی توانائیوں اور انسانی طاقتوں پر ہی موقوف اور انہیں رہین منت نہیں۔ بلکہ ہم ایسے ناصر و نصیر' اور قادر و قدیر ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ایک مچھر سے نمرود جیسے جابر بادشاہ کو ہلاک و برباد کرا کے اپنے خلیل کی مدد فرما سکتے ہیں اور ایک بے جان پتھر سے اپنے کلیم کی برات کا اعلان کرا سکتے ہیں۔ لہٰذا اے انسانو' اے جنو' اے فرشتو! تم اس خیال و گمان میں نہ رہو کہ اگر تم لوگ میرے رسول کی امداد و نصرت نہ کرو گے تو وہ مظفر و منصور نہ ہوں گے۔ بلکہ حضرت حق جل مجدہ اپنی کائنات عالم کا ذرہ ذرہ' قطرہ قطرہ ہر وقت اور ہر دم خدا کے رسولوں کی خدمت گزاری کے لئے اور ان کے قدموں پر

اپنی جان نثاری کے لئے ایک وفادار سپاہی کی طرح تیار رہتا ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! پڑھیے ایک بار بہ آوازِ درود شریف۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد معدن الجود و الکرم و علیٰ

الہ و اصحابہ و بارك وسلم

حضرات گرامی! اب اس آیت کا آخری جملہ بھی سن لیجئے۔ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان میں فرمایا کہ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؁ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے نزدیک ''وجیہ'' ہیں۔

وجیہ

حضرات! اب ذرا ''وجیہ'' کے معنی بھی سن لیجئے۔ ''وجیہ'' کس کو کہتے ہیں؟ اور اس لفظ کے کتنے معنی ہیں؟ ''وجیہ'' کے تین معانی ہیں سردار قوم' آبرو والا' مرتبہ والا۔ تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ اس آیت میں ''وجیہ'' کے تین معانی مراد ہیں۔ صاحب جاہ و مرتبہ والا مستجاب الدعوات یعنی حضرت موسیٰ کلیم اللہ خداوند ذوالجلال کی بارگاہ عظمت میں عزت والے' مرتبے والے اور اس قدر مقبولیت کی منزل میں ہیں کہ کائنات ان کی ہر دعا اور ہر تمنا کو قبولیت کے شرف سے سرفراز فرماتا ہے اور ان کی ہر مراد اور آرزو کو پوری فرما دیتا ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! غور کرو کہ خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام کائنات و مخلوقات کی نگاہ میں آبرو والے' مرتبہ والے' عزت والے ہیں۔ بلکہ یہ ارشاد فرمایا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ؁ یعنی دنیا والے تو دنیا والے' تخت و تاج والے تو تخت و تاج والے' سلاطین عالم تو سلاطین عالم' حضرت کلیم علیہ السلام کی عزت و آبرو اور ان کے مراتب و درجات کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خداوند اکرم اور خلاق عالم کے دربارِ عظمت میں عزت و مرتبہ والے ہیں۔ سبحان اللہ۔

مسلمانو! سنو اور غور کرو کہ اگر کوئی شخص دنیا کے کسی بادشاہ کے دربار میں عزت والا ہو جاتا ہے تو دنیا والے قدرتی طور پر اس شخص کا ادب و احترام کرنے لگتے ہیں' اس سے ڈرنے لگتے ہیں۔ اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے رہتے ہیں۔ تو بھلا جو کوئی خلاق عالم کے دربار معظم میں عزت و آبرو کی عظمت اور مراتب و درجات کی دولت سے مالا مال ہو۔ وہ کیونکر نہ مخلوقِ خدا کی نگاہوں میں مکرم و محترم ہو گا؟ اور کیونکر نہ تمام دنیا والے اپنی اپنی دینی و دنیاوی مرادوں میں اس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں گے۔

حضراتِ گرامی! اب آپ سمجھ لیجئے۔اور اندازہ لگایئے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے دربار میں ''وجیہ'' یعنی آبرو والے' مرتبہ والے اور مستجاب الدعوات ہیں تو پھر بھلا خدا کے محبوبِ اکرم رسولِ محترم خلفتہ اللہ الاعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت اوران کی وجاہت کا خدا کے دربار میں کیا عالم ہوگا۔ جو باعث ایجاد عالم ہیں جن کی جو دوعطا سے بزمِ ہستی نے لباس وجود پہنا۔جن کی نظر کرم نے کائنات عالم کی زلفوں کے پیچ وخم کو سنوارا جن کی رحمت کے پتوار نے سارے جہاں کے ڈوبتے ہوئے سفینوں کو ہلاکت کی موجوں سے نکال کر ساحل نجات پر پہنچادیا۔ جو سرورِ انبیاء بھی ہیں اور تاجدار هَلْ اَتٰى بھی جو مصداق دَنَا فَتَدَلّٰى بھی ہیں اور متکلم وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى بھی جو شہنشاہ ہر دوسرا بھی ہیں اور محبوب کبریا بھی جو احمد مجتبیٰ بھی ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی۔

وہ مصاق دَنَـا فَتَـدَلّٰـى جس کی منزلِ عرشِ معلیٰ
نکتہ مَـا اَوْحٰـى کا محرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
شاہِ اُمم سلطانِ مدینہ' وہ جس کے کف پا کا پسینہ
گل کدہٗ فردوس کی شبنم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
جن کا پیارا نام محمدؐ فـوز مـخـلّـد فیض مؤبد
حسـن مـجـر و نورِ مقدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سبحان اللہ۔سبحان اللہ! میرے رسول خاتم' خدا کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت' ان کی قدرومنزلت' ان کی شانِ وجاہت کا کیا کہنا؟ سارے عالم میں اعلان کر دو! میں کہتا ہوں کہ۔

میں لکھ رہا ہوں وصف رسالت مآب کا
روح الامین لائیں ورقِ ماہتاب کا
کیا شان ہے حبیب خدا کے دیار کی
ہر ذرّہ ہے جو اب یہاں آفتاب کا

حضرات! اسی لئے خداوند قدوس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

بارے میں ارشاد فرمایا کہ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴿۹﴾

یعنی اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور اے انسانو! ہم نے اپنے محبوب کو تین اعلیٰ درجے کی صفات کے ساتھ بھیج دیا تو اب تم انسانوں سے ہمارے تین مطالبے بھی ہیں۔ پہلا مطالبہ تو یہ ہے کہ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ تم لوگ اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ یعنی تم لوگ اس رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ اور تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۔ یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی صبح وشام پاکی بیان کرو اور اس کی عبادت کرو۔

مسلمانو! دیکھ لو۔ یہ آیت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ آنکھ والو! دیکھ لو تعظیم رسول کا جلوہ کہ خداوند عالم نے انسانوں سے اپنے مطالبات کی جو ترتیب پیش فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سب سے پہلا مطالبہ تو ایمان کا ہے اور ایمان کے بعد اپنی عبادت کا مطالبہ نہیں بلکہ ایمان کے بعد تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا مطالبہ کیا ہے پھر اس کے بعد وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا فرما کر اپنی عبادت کا مطالبہ فرمایا۔

عمارتِ اسلام کی تین منزلیں

سبحان اللہ۔ مسلمانو! اس خداوندی ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے پہلے ایمان ضروری ہے۔ پھر تعظیم رسول، پھر خدا کی عبادت۔ اب اگر ایمان لانے کے بعد کوئی چھلانگ لگا کر خدا کی عبادت کرنے لگے اور درمیان کی منزل تعظیم رسول چھوڑ دے تو بلاشبہ اس نے خدا کی مقرر کی ہوئی ترتیب کو ٹھکرا دیا لہٰذا وہ کبھی فلاح کی منزل پر پہنچ کر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ گویا اس آیت نے ہم کو یہ سبق دیا کہ عمارتِ اسلام کی تین منزلیں ہیں۔ پہلی منزل ایمان، دوسری منزل رسول کی تعظیم، تیسری منزل خدا کی عبادت۔ اس لئے لازم ہے کہ ایمان لانے کے بعد تعظیم رسول کی منزل پر پہنچیں۔ اس کے بعد خدا کی عبادت کریں۔ اس لئے کہ بغیر تعظیم رسول کے خدا کی عبادت ہرگز ہرگز مقبول نہیں ہوسکتی۔ سبحان اللہ! کسی فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ۔

زمین پاک طیبہ باحرم خویش نسبتے دارد
کہ آخر کاشانہ رب العلی راہست باب ایں جا

یعنی طیبہ کی پاک زمین حرمِ کعبہ کے ساتھ ایک بہت ہی اچھی نسبت اور بہت ہی پیارا تعلق رکھتی ہے اور وہ نسبت و تعلق یہ ہے کہ کعبہ خداوند رب العلی کا گھر ہے۔ اور مدینہ کا گنبد خضراء اس گھر کا دروازہ ہے۔

بہر کیف برادرانِ ملت! خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام کی تعظیم و تکریم حاصل ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی پہچان اور اس نعمت عظمیٰ کی عظمت پر قربان ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اے خدا! جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
تجھ پہ صدقے ! تیرے محبوب پہ قربان رہے
شامیانہ پر جبریل کا ہو تربت پر کشتۂ عشق محمد ﷺ کی یہ پہچان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے، پر یہ دعا ہے کہ امیر نزع کے وقت سلامت میرا ایمان رہے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد
و الہ و صحبہ اجمعین

انتالیسواں (۳۹) وعظ

عید میلاد

دو عالم کا حاصل یہی بار ہویں ہے
مری عید کامل یہی بار ہویں ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا ۢبِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ ۢبَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (صف)

برادرانِ ملت! بہ آوازِ بلند درود وسلام کا نعرہ لگایئے۔

اللهم صل على سيدنا محمد و على آل سيدنا محمد و بارك وسلم

جو عشق نبی میں مست ہوا' کیا بات ہے اس مستانے کی
ہر گام پہ سو سو عقل فدا' گو شکل تو ہے دیوانے کی
جس دشت میں ان کا متوالا' طیبہ کے ترانے گاتا ہو
شاداب چمن سے بہتر ہے' کیا بات ہے اس ویرانے کی
وہ کیف حضوری کیا کہیے؟ کہیے بھی تو کہنا مشکل ہے
اشکوں کی وہ لذت کیا کہنا؟ یہ بات نہیں سمجھانے کی

اس بزم کے قابل میں بھی نہیں' یہ دل بھی نہیں' یہ جاں بھی نہیں
دن رات یہ الجھن رہتی ہے کیا فکر کروں نذرانے کی
آتا ہے خوشی کا وہ موقع جس موقع پہ جاں قربان کروں
آئیں گے' لحد میں آئیں گے' بس دیر تو ہے مر جانے کی

حضراتِ گرامی! یہ بارہویں شریف کی مقدس محفل یعنی جلسہ عمیلا دالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے جو مولائے کل حضور ختم الرسل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے ذکر جمیل اور آپ کی سیرتِ مقدسہ کے بیان کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔

حضرات! سال کے بارہ مہینوں میں ایک مسلمان کے نزدیک ماہِ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ وہ ایمان افروز اور روح پرور تاریخ ہے۔ جو ایمانی شادمانی کے ہزاروں گلشن اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ درحقیقت یہ تاریخ ایک مسلمان کی وہ ''عید سعید'' ہے۔ کہ عید الفطر ہو' یا عید الاضحیٰ' شب برأت ہو یا شب قدر' ہر اسلامی خوشی کا دن اور ہر ایمانی شادمانی کی رات۔ اسی بارہویں شریف کا طفیل اور صدقہ ہے۔ واللہ! یہ مقدس تاریخ اگر اپنے دامن میں ولادت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسرت لئے ہوئے عالم وجود میں نہ آتی۔ تو نہ کعبہ قبلۂ اہل ایمان ہوتا' نہ نزول قرآن ہوتا' نہ دین اسلام ہوتا' نہ کوئی مسلمان ہوتا۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ؟
لولاک والے! صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

مسلمانو! سبحان اللہ۔ سبحان اللہ! اس بارہویں شریف کی شان کا کیا کہنا؟ سن لو۔ اس بارہویں شریف اور میلادِ رسول کی عظمت کا کیا پوچھنا؟۔

مسرت کی محفل یہی بارہویں ہے ۔۔۔ دو عالم کا حاصل یہی بارہویں ہے
سکوں بخش بسمل یہی بارہویں ہے ۔۔۔ مری عید کامل یہی بارہویں ہے

یہ بارہ نہ ہوتی تو تیرہ بھی نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

نہ شمس و قمر کی جبیں جگمگاتی؟ ۔۔۔ نہ شاخوں پہ بیٹھی کلی مسکراتی
نہ شبنم میں پتی چمن کی نہاتی ۔۔۔ نہ آکر گلوں کو صبا گدگداتی

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

دو عالم کی بستی بسی اس کے صدقے گلوں کو ملی تازگی اس کے صدقے
ملی جس کو جنت ملی اس کے صدقے ولی اس کے صدقے، نبی اس کے صدقے

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

یہ محفل ہے نعتیں سنانے کی محفل یہ محفل ہے خوشیاں منانے کی محفل
یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

یہ بارہ نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
محمد ﷺ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا

میلاد میں رسول کی آمد

حضرات! اس بند کے آخری دو مصرعے بڑے ہی روح پرور اور ایمان افروز ہیں۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ سنئے اور غور سے سنئے۔

یہ محفل ہے آقا کے آنے کی محفل
یہ محفل ہے قسمت بنانے کی محفل

واللہ! بڑا ہی کیف آور اور وجد آفریں شعر ہے اور آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ میرے دماغ کی جولانی یا میرے زور بیان کی طوفانی روانی ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے۔ کہ آفتاب و ماہتاب کی تجلیاں اس سے نور وضیا کی بھیک مانگا کرتی ہیں۔

مسلمانو! غمگسار دردمنداں اور چارہ گر بیکساں، رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدینہ سے کہیں آنا اور جانا۔ یہ کوئی نادر الوجود یا تعجب خیز بات نہیں۔ مسلمانو! خوب سمجھ لو کہ تم مدینے سے دور ہو۔ مگر مدینے والے تم سے دور نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قبلہ نے کیا خوب فرمایا کہ۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں، وہ کرم کہ سب قریب ہیں
کوئی کہہ دے یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

مسلمانو! غور کرو کہ تم اس وقت زمین پر بیٹھے ہو۔ اگر میں تم سے کہوں کہ تم چاند اور تاروں کو دیکھو۔ تم نظر اٹھا کر ایک سیکنڈ سے بھی کم میں چاند تاروں کو دیکھ لو گے اور تمہاری آنکھوں کا نور ایک سیکنڈ سے بھی کم میں لاکھوں میل کی دوری پر بسنے والے چاند تاروں تک پہنچ کر پلٹ بھی آئے گا۔ تو جب تمہاری آنکھوں کے نور کا چاند تاروں تک جانا اور پلٹ آنا۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم میں روزانہ لاکھوں بار ہو سکتا ہے تو وہ ذات انور جو صرف نور ہی نہیں۔ بلکہ نور علیٰ نور بلکہ اصل ہر نور ہے۔ جو ساری خدائی کا بھی نور ہے اور خدا کا بھی نور ہے۔ اگر وہ مدینہ سے ہماری محفل میلاد میں جلوہ گر ہو جائیں اور پھر مدینہ تشریف لے جائیں۔ تو اس میں کون سا تعجب کا مقام ہے؟ کیا ہماری آنکھوں کے نور سے خدا کا خاص نور کروڑوں درجے افضل و اعلیٰ نہیں ہے؟ تو پھر ایک پل بھر میں ان کے یہاں آنے اور جانے میں کون ہے جو شک یا انکار کر سکتا ہے؟

عزیزو اور دوستو! حضرت مولانا آسی علیہ الرحمتہ نے اس مضمون پر کیا خوب قطعہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عشق بازو! جو شہ ہر دوسرا تک پہنچا
وہ خدا تک' وہ خدا تک' وہ خدا تک پہنچا

کیا نہ پہنچے گا وہ فریاد کو میری پل میں؟
جو پلک مارنے میں عرشِ خدا تک پہنچا؟

مسلمانو! اسی طرح یہ بھی ایمان رکھو کہ در رسول وہ مقدس چوکھٹ ہے۔ کہ یہاں قسمت بنتی بھی ہے اور بگڑتی بھی ہے۔ اجی کون نہیں جانتا کہ حضرت بلال ایک حبشی غلام تھے نہ کوئی عزت تھی نہ کوئی وقار' مگر جب یہی بلال حضور احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچ کر ان کی مقدس چوکھٹ سے چمٹ گئے تو ان کی قسمت بن گئی۔ جب مدینے کی گلیوں میں چلتے پھرتے تھے تو وہ جنتی صحابہ جن کی آنکھوں میں نورِ بصارت کے ساتھ ساتھ نورِ بصیرت بھی تھا۔ جب وہ بلال کے چہرے کو دیکھتے تھے تو زبانِ حال سے پکار اٹھتے تھے کہ ۔

بدر اچھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے بلال اچھا ہے

اور ثعلبہ بن ابی حاطب جو دورِ صحابہ میں اتنے عبادت گزار اور مقبول خلائق و باوقار تھے کہ

لوگ محبت و پیار میں ان کو "حمامتہ المسجد" یعنی مسجد کا کبوتر کہتے تھے۔ مگر جب انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور رحمت عالم نے ان سے روٹھ کر ان کو اپنی چوکھٹ سے ٹھکرا دیا تو ایک دم ان کی قسمت اس طرح بگڑ گئی کہ ایمان کی دولت برباد ہو گئی۔ اور یہ سر پٹک پٹک کر مر گئے مگر مردودیت کا بدنما داغ ان کی پیشانی سے نہ دھل سکا اور یہ دونوں عالم میں ذلیل و خوار ہو گئے۔ اللہ اکبر! بالکل سچ کہا کسی عارف نے کہ۔

خدا کا قہر ہے ان کی نگاہ کا پھرنا
گرا جو ان کی نظر سے سنبھل نہیں سکتا

بہر کیف حضراتِ گرامی! میں نے خطبہ کے بعد سورۂ "صف" کی ایک آیت مبارکہ کی تلاوت کی ہے جو اسی مضمون پر شاہد عدل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ عید اور خوشی منانے کی تاریخ ہے۔

اس آیت کریمہ میں خدا کے ایک اولوالعزم پیغمبر حضرت مسیح مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک نورانی وعظ ہے۔ جسے وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو برسوں سناتے رہے۔

حضرات! جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اس مقدس وعظ پر ایک نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ بارہویں شریف کی تاریخ صرف اسی امت مسلمہ کے لئے مسرت و شادمانی کا دن نہیں ہے بلکہ حضرت مسیح اس تاریخ کے آنے سے سینکڑوں برس پہلے اپنی قوم بنی اسرائیل کو یہ درس دے رہے ہیں۔ کہ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک تاریخ بلاشبہ مسرت و شادمانی اور عید منانے کا دن ہے۔ چنانچہ اب آپ اس آیت کا ترجمہ سن کر بغور ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح حضرت مسیح اس تابناک حقیقت پر اپنی مہر تصدیق ثبت فرما رہے ہیں کہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارہویں شریف فرح و سرور کے نور سے منور اور اہل ایمان کے لئے خوشی منانے کا دن ہے۔ لہٰذا یہ تاریخ ایک مسلمان کے نزدیک سب سے بڑی عید کا دن ہے۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔

یعنی اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جب عیسیٰ بن مریم نے یہ فرمایا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ عزوجل کا رسول ہو کر آیا ہوں اور میرے دو تبلیغی مشن ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجھ سے پہلے جو خدا کی کتاب

توریت نازل ہوئی ہے۔ میں اس کی تصدیق کرنے کے لئے آیا ہوں کہ وہ حرف بحرف صحیح اور منزل من اللہ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ میں اس عظمت والے رسول کی خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے۔ جن کا نام ''احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○

لیکن جب وہ رسول معجزات لے کر تشریف لائے تو لوگوں نے یہ کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

بشارت

برادرانِ اسلام! غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر کو مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ کے لفظ سے بیان فرما رہے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے مُخْبِرًا بِرَسُوْلٍ نہیں فرمایا کہ میں ایک رسول کے آنے کی خبر دے رہا ہوں۔ یا مُعْلِنًا بِرَسُوْلٍ نہیں کہا۔ کہ میں ایک رسول کی آمد کا اعلان کرنے کے لئے آیا ہوں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یعنی میں ایک رسول کی بشارت اور خوشخبری دینے کے لئے آیا ہوں۔

اس لئے کہ ''خبر'' تو خوشی کی بھی ہوتی ہے۔ اور ''خبر'' غم کی بھی ہوتی ہے۔ اور ایسی بھی ''خبر'' ہوتی ہے جو نہ خوشی کی ہو نہ غمی کی۔ اسی طرح ''اعلان'' بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔ خوشی کا اعلان' غمی کا اعلان۔ ایسا اعلان جو نہ خوشی کا ہو نہ غم کا۔ مگر ''بشارت'' تو وہی خبر کہلائے گی جو خوشی کی خبر ہو۔ چنانچہ علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اَلْبِشَارَةُ هُوَ الْخَبَرُ السَّارُّ فَاِنَّهٗ يَظْهَرُ اَثَرُ السُّرُوْرِ فِي الْبَشَرَةِ (بیضاوی ص ۴۷) یعنی بشارت اسی خبر کو کہتے ہیں جو خوش کر دینے والی ہو اور خوشی کی خبر کو ''بشارۃ'' اس لئے کہتے ہیں کہ اس خبر کا اثر انسان کے ''بشرہ'' یعنی کھال پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بشارت اور خوشی کی خبر سن کر فطری طور پر انسان کے رخسار پر ایک خاص قسم کی بشاشت کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔

برادرانِ ملت! جب آپ نے قرآن کی زبان سے سن لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی آخر الزمان خاتم پیغمبراں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر کو بشارت اور

خوشخبری کہاتو ثابت ہو گیا کہ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کا دن شادمانی و مسرت اور خوشی منانے کا دن ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ بارہویں شریف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی عید ہے۔

عید میلاد پر خوشی منانا

حضرات! کیوں نہ ہو؟ کہ حضرت حق جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○

یعنی اے محبوب! آپ فرما دیجئے کہ اللہ عزوجل کے فضل اور اس کی رحمت ہی لوگوں کو چاہیے کہ خوشی منائیں۔ یہ ان کے سب دھن و دولت سے بڑھ کر ہے۔ جس کو لوگ جمع کرتے ہیں۔ (یونس)

میرے بزرگو اور بھائیو! جب خدا کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی منانے کا خداوند قدوس نے حکم فرمایا ہے۔ تو غور کیجئے کہ حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چارہ ساز دردمنداں شفیع عاصیاں کی اس دنیا میں تشریف آوری سے بڑھ کر ایک مومن کے لئے اور کون سا فضل خداوندی ہو گا۔ اور رحمۃ للعالمین کی رحمت کاملہ سے بڑی اور کون سی رحمت ہو گی جو ایک مسلمان کے لئے فلاح دارین کا سامان بنے گی۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یوم ولادت پر خوشی منانا یہ احکم الحاکمین کا فرمان ہے۔ لہٰذا جس مسلمان کے سینے میں دولت ایمان ہو گی وہ یقیناً بارہویں شریف پر خوشی منائے گا۔

خوشی منانے کے طریقے

مسلمانو! اب تم ہی بتاؤ کہ مسلمانوں کے خوشی منانے کے کیا کیا اور کون کون سے طریقے ہیں؟ تم جانتے ہو کہ اظہار مسرت اور خوشی منانے کے یہی طور طریقے تو ہیں کہ انسان جب خوشی مناتا ہے تو اپنے جسم اور لباس کو زینت دیتا ہے۔ اپنے مکان، اپنی دکان، اپنے سامان کو صاف ستھرا کر کے سجاتا ہے، آرائش کرتا ہے۔ جھنڈے جھنڈیاں لگاتا ہے، روشنی کرتا ہے، اپنے دوست اور احباب کو اپنے گھر بلاتا ہے، قسم قسم کے پکوان پکاتا ہے اور خوش ہو کر کھانا کھلاتا ہے۔ اپنے چہرے پر شگفتگی اور بشاشت کا اظہار کرتا ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ اگر کسی کے گھر کوئی خوشی ہو گی تو کیا وہ اظہار خوشی کے لئے میلے کچیلے، پھٹے پرانے کپڑے پہنے گا؟ کیا وہ اپنے مکان، دکان اور سارے سامان کو پھوہڑ اور گندہ رکھے گا؟ کیا وہ اپنے مکان اور صحن کو اظہار مسرت کے لئے بالکل اندھیرا

رہنے دے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن اچھے اچھے کھانے نہیں کھائے کھلائے گا؟ کیا وہ خوشی کے دن خوشی منانے کے لئے مکئی اور باجرے کا ستو کھائے گا؟ اور کھلائے گا؟ جس کو منہ میں رکھ کر جب گردن پر گھونسہ مارے تو وہ حلق سے اترے؟

تو میرے بھائیو! جب بارہویں شریف عید اور خوشی منانے کا دن ہے۔ تو ظاہر ہے کہ خوشی منانے کے تمام جائز طریقے اس دن برتے جائیں گے۔ چنانچہ اہل سنت و جماعت چونکہ بارہویں شریف کو عید میلاد اور خوشی منانے کا دن مانتے ہیں۔ اس لئے مکانوں دکانوں' سڑکوں اور گلیوں کو سجاتے ہیں۔ جھنڈے اور جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ شامیانے تان کر جلسوں کو روشنیوں اور قسم قسم کی آرائشوں سے مزین کر کے ذکر میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں زردہ پلاؤ' بریانی' حلوے وغیرہ قسم قسم کی غذائیں تیار کر کے نیاز فاتحہ دلاتے ہیں اور کھاتے کھلاتے ہیں۔ اور اچھے اچھے کپڑے پہن کر نعت شریف اور صلاۃ وسلام پڑھ پڑھ کر اپنی ایمانی بشاشت اور روحانی شادمانی و مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور زبانِ حال و قال سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ ؎

غرض ہے انسداد تجدیت ہو
رسول حق کا چرچا جا بجا ہو

اور جن لوگوں کے نزدیک رحمتہ اللعالمین کی ولادت کا دن خوشی کا دن نہیں ہے وہ اس دن اپنے گھروں کو گندہ پھوہڑ اور اندھیرا ہی رکھتے ہیں۔ نہ اچھا کھاتے کھلاتے ہیں' نہ صاف ستھرا کپڑا پہنتے ہیں' نہ اپنے چہروں پر ہنسی خوشی کے آثار ظاہر کرتے ہیں۔ بلکہ ''ابجد ہوز'' بنے منہ لٹکائے پھرتے ہیں اور سنیوں کے جشن مسرت کی زینتوں اور آرائشوں پر نتھنے پھیلاتے اور جلتے بھنتے رہتے ہیں۔

اب مسلمانو! فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ کون قرآن کے فرمان پر عمل کر رہا ہے؟ اور کون فرمانِ قرآن سے منہ موڑ رہا ہے؟ قرآن نے تو ولادتِ رسول کو ''بشارت'' یعنی خوشخبری اور خوشی منانے کا دن بتایا ہے۔ اب جو قرآن پر ایمان رکھتا ہے وہ بارہویں کے دن ضرور خوشی منائے گا اور خوشی منانے کے جتنے جائز طریقے ہیں وہ سب کرے گا۔ اور جو اس دن کو خوشی کا دن نہ مان کر اظہار شادمانی و مسرت کا اعلان نہیں کرتا وہ لاکھ بار کہے کہ میں قرآن پر ایمان رکھتا ہوں۔ مگر خدا کی قسم اس کا عمل اس کے قول کی تکذیب کر رہا ہے۔ کہ وہ بارہویں شریف کو خوشی کا

دن نہیں مانتا۔

پڑھیے درود شریف۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی الہ و اصحابہ وبارک وسلم ۔

شب قدر

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید رمضان شریف کی ایک رات میں لوح محفوظ سے آسمانِ اوّل پر نازل کیا گیا اور آسمان اوّل سے ۲۳ برس میں رفتہ رفتہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اترا۔ تو رمضان شریف کی وہ ایک مقدس رات جس میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان اول پر نازل ہوا اس رات کی عظمت اور بزرگی کا خطبہ پڑھتے ہوئے قرآن مجید میں حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ o لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍo

یعنی ہم نے بے شک قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تمہیں کیا معلوم کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

مسلمانو! غور کرو کہ رمضان شریف کی ایک رات میں قرآن مجید لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر اترا تو وہ ایک رات عظمت وفضیلت میں اتنا بلند مرتبہ رکھتی ہے کہ اس کا نام ہی ''شب قدر'' یعنی مرتبہ والی رات ہے اور اکیلی ایک رات ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

تو پھر بھلا سوچئے کہ پورا قرآن جس ذات اقدس پر نازل ہوا۔ جو قرآن کے امین اور رسول رب العالمین ہیں۔ وہ جس تاریخ میں روئے زمین پر تشریف لائے۔ کیا وہ تاریخ سال کی تین سو ساٹھ تاریخوں میں ایک خاص حیثیت سے افضل واعلیٰ اور بہتر و بالا نہ ہوگی۔ ہوگی اور ضرور ہوگی۔

حضراتِ گرامی! اسی لئے جو لوگ بارہویں شریف کی محفلیں منعقد کرتے ہیں اور جلسوں کو قسم قسم کی آرائشوں سے آراستہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنے فرح وسرور اور شادمانی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں وہ لوگ قرآن کے فرمان پر عمل پیرا ہوکر اپنے ایمان و عمل کی دنیا کو نورِ ایمان کی روشنی سے اس طرح جگمگا دیتے ہیں۔ کہ ان کے وجود وہستی کا ہر ہر ذرہ رشک آفتاب و ماہتاب بن جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس دن کی کوئی قدر نہیں کرتے

بلکہ اس دن کی عظمت کو گھٹاتے رہتے ہیں وہ یقیناً خسران ومحرومی کے اتنے عمیق غار میں گر پڑتے ہیں جہاں آفتابِ سعادت کی شعاعیں بھی نہیں پہنچ سکتی ہیں۔

اس لئے پیارے مسلمانو! میں آخری دم تک تم سے یہی کہتا رہوں گا کہ ؎

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر آیاتِ ولادت کیجئے

کیونکہ سلف صالحین اور موجودہ دور کے تمام علماء اور اولیاء اہل سنت ہمیشہ بارہویں شریف کی محفلیں اور مجالس میلاد شریف منعقد کرتے رہے اور اس کی برکتوں سے مالا مال ہوتے رہے۔

یہاں تک کہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی جو علماء دیوبند اور علماء اہلسنت دونوں کے شیخ الحدیث اور مسلم الثبوت مقتدا اور پیشوا ہیں۔ انہوں نے تو بارہویں شریف کی مجلس میلاد شریف کے بارے میں ایسا واقعہ لکھا ہے۔ کہ اگر علماء دیوبند واقعی ان کو اپنا پیشوا اور استادِ حدیث مانتے ہیں تو اس کو پڑھ کر انہیں چاہیے کہ میلاد شریف کی مخالفت سے توبہ کر لیں۔

دربارِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چنے

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اپنی کتاب الدر الثمین میں لکھا ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب قبلہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر سال بارہویں شریف کے میلاد شریف میں طعام اور شیرینی تقسیم کرتا تھا۔ مگر ایک سال کچھ تنگ دستی ہوگئی تو میں نے بھنے ہوئے چنے پر فاتحہ دے کر بارہویں شریف کے میلاد شریف میں تقسیم کر دیا تو مجھے خواب میں حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوگئی اور میں نے یہ دیکھا کہ میرے وہی چنے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ اور حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش ہو رہے ہیں۔

سبحان اللہ ماشاء اللہ! اس بشارتِ عظمیٰ پر ہماری جان قربان! رحمت عالم فداہ ابی وامی کتنے کریم ورحیم آقا ہیں۔ کس قدر اپنی امت پر مہربان اور مسکین نواز ہیں کہ اپنے ایک مسکین

امتی کے بھنے ہوئے چنوں کے تحفہ کو قبول فرما کر اپنے دیدارِ انور کی دولت سے مالا مال فرما دیا۔

سبحان اللہ!

کیوں تاجدارو! خواب میں دیکھی کبھی یہ شے
جو آج جھولیوں میں گدایانِ در کی ہے

وصلی اللہ تعالیٰ خیرِ خلقہٖ محمدٍ
وَآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

چالیسواں (۴۰) وعظ

حج وزیارت

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسنِ ایماں ہے
مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (آل عمران)

برادرانِ ملت ! بہ آواز بلند درود شریف پڑھیے

اللھم صل علٰی سیدنا محمد و الہ وصحبہ وبارك وسلم
صلاۃ وسلاماً علیك یا رسول اللہ

حضرات ! پہلے ایک نعت شریف پیش کرتا ہوں۔ سماعت فرمائیے۔

حاجیو ! اب گنبد سرکار تھوڑی دور ہے — رحمت حق کا علمبردار تھوڑی دور ہے
عشق و مستی میں قدم آگے بڑھا کر دیکھ لو! — گنبد خضریٰ کا وہ مینار تھوڑی دور ہے
ہے خریدارِ گنہ رحمت کا تاجر جس جگہ — عاصیو ! وہ مصطفیٰ بازار تھوڑی دور ہے
نعمت کونین ملتی ہے گداؤں کو جہاں — وہ محمد ﷺ کا سخی دربار تھوڑی دور ہے
اللہ اللہ ! وہ گلستان مدینہ مرحبا ! — پھول سے بہتر ہیں جسکے خار تھوڑی دور ہے

لے کے اترے تھے جہاں جبریل بھی فوج ملک — وہ احد کا جنتی کہسار تھوڑی دور ہے
وہ شہیدانِ محبت کی مقدس خواب گاہ — وہ بقیع پاک پر انوار تھوڑی دور ہے
کیوں نہیں تھمتے ہیں آنسو کیوں کھنچا جاتا ہے دل — اب یقیناً کوچۂ دلدار تھوڑی دور ہے

دشت طیبہ ہے یہاں چل سر کے بل اے اعظمی
مصطفیٰ ﷺ کا جنتی دربار تھوڑی دور ہے

حضرات! میں آج ''حج وزیارت'' کے موضوع پہ چند منٹ آپ سے خطاب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

مسلمانو! یوں تو ایک مسلمان اپنی زندگی میں قسم قسم کے بہت سے سفر کرتا ہی رہتا ہے۔ تجارتی سفر، تعلیمی سفر، ملاقاتی سفر وغیرہ تفریحی سفر وغیرہ مگر حج وزیارت کے لئے حرمین طیبین کا سفر اپنی خصوصی نوعیت کے لحاظ سے ایک عجیب ہی سفر ہے۔ اس سفر کی ایمانی کشش اور روحانی جاذبیت اور قدم قدم پر نئے نئے ولولوں کا طوفان جوش و خروش ایک نرالا کیف و سرور، ایک عجیب قسم کی سرمستی و بے خودی، ایک رقت انگیز وارفتگی، ایک باشعور دیوانگی کی ملی جلی کیفیات سے ایک عجیب عالم ہوتا ہے کہ اس سفر کا مسافر زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا گرتا پڑتا چلا جاتا ہے کہ ؎

چلو وادی عشق میں پا برہنہ
یہ جنگل وہ ہے جس میں کانٹا نہیں ہے

اس سفر میں بڑی بڑی کلفتوں اور تکلیفوں کے خارزار اس طرح نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔ کہ گویا ہر نوکِ خار میں بہشت کے گلزار اپنی پوری بہار کے ساتھ دعوتِ دیدار دے رہے ہیں۔ کمزور و ناتواں حجاج جو ضعف پیری کا شکار ہیں۔ کمزور ولاچار ہیں۔ مگر دیار حبیب کی منزلوں کو جلد سے جلد طے کرنے کے لئے اس قدر بے قرار ہیں کہ ان کے دوش ہوش پر ایک خاص قسم کا جوش سوار ہے اور وہ سراپا کیف و مستی کے آئینہ دار بنے ہوئے ہر قدم پر زبانِ حال سے یہ نغمہ گاتے ہوئے اُفتاں خیزاں چلے جارہے ہیں کہ

دو قدم بھی نہیں چلنے کی ہے طاقت مجھ میں
شوق کھینچے لئے جاتا ہے میں کیا جاتا ہوں

برادرانِ اسلام! کیوں نہ ہو؟ آخر ان مسافروں کا مقصد سفر اور منزل مقصود کیا ہے؟

واللہ یہ وہ مسافر ہین جو اپنے اللہ عزوجل کا گھر اور اپنے محبوب کا در دیکھنے کے شوق میں اپنے گھر سے سفر میں نکل پڑے ہیں۔ سبحان اللہ! خدا نے ایک مسلمان کو آنکھ دی۔ آنکھوں میں روشنی دی' مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے زمین دیکھی' آسمان دیکھا' سارا جہاں دیکھا۔ لیکن اگر مسلمان نے اپنی اس آنکھ سے اللہ عزوجل کا گھر اور اس کے محبوب کا در نہیں دیکھا تو گویا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ مسلمانو! میری دعا ہے کہ خداوند کریم ہر مسلمان کو اپنا گھر اور اپنے محبوب کا در دکھائے۔ (آمین)

مسلمانو! ذرا سوچو تو سہی کہ ان مسافروں کا مقصد سفر کتنا جاذبِ قلب ونظر اور ان کی منزل مقصود کتنی پرکشش اور کس قدر روح پرور ہے؟ پھر کیوں نہ ہر قدم پر جوش وخروش کی پوری دنیا جھک جھک کر ان کے قدموں کا بوسہ لے؟ اور کیوں نہ یہ لوگ کیف وسرمستی کا ایک ایسا انوکھا مجسمہ بن جائیں جن کو مستِ الست کے سوا کچھ بھی نہ کہا جا سکے اور کیوں نہ ان کی ہر اداؤں میں والہانہ سرمستی اور مستانہ وارفتگی کا ایسا سرور نمودار ہو جس کو دیکھ کر ہر شخص بے اختیار پکار اٹھے کہ ۔

سمجھ سکے نہ حقیقت کا راز فرزانے!
زبانِ حال سے کہتے رہے جو دیوانے

برادرانِ اسلام! میں عرض کر چکا کہ اس سفر کے دو مقاصد ہیں۔ ایک بیت اللہ شریف کا حج' دوسرے رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ پرانوار کی حاضری۔ یہ دونوں مقاصد ایک مومن کی نگاہِ ایمان میں کتنے بلند اور کس قدر عظمت والے ہیں؟ اللہ اکبر! ۔

مبارک ہیں' مبارک ہیں' خدا شاہد مبارک ہیں
یہ مکہ دیکھنے والے' مدینہ دیکھنے والے

حج وزیارت

برادرانِ ملت! صاحبِ استطاعت مسلمان کے لئے عمر بھر میں ایک بار حج کرنا فرض ہے اور روضہ منورہ کی زیارت قریب الواجب ہے۔ قرآن مجید میں پروردگار عالم جل جلالہ کا فرمان ہے کہ

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ	یعنی سب سے پہلا گھر جو بغرض عبادت لوگوں کیلئے
بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی	بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا

لِّلْعٰلَمِيْنَ فِيْهِ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا

ہے اور تمام جہان کیلئے ہدایت ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ امن پانے والا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ○

اور اللہ عزوجل کیلئے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے۔ جو وہاں تک کا راستہ طے کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جو کفر کرے تو اللہ عزوجل سارے جہان سے بے نیاز ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ

یعنی حج اور عمرہ کو اللہ عزوجل کیلئے پورا کرو۔

حضرات! ان آیتوں سے حج کی فرضیت ثابت ہے۔ یاد رکھئے کہ حج ۹ ھ میں فرض ہوا اور حج کی فرضیت اتنی ہی قطعی اور یقینی ہے جتنی کہ نماز و روزہ اور زکوٰۃ کی فرضیت قطعی و یقینی ہے۔ جو شخص اس کے فرض ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو بلا عذر باوجود حج فرض ہونے کے حج نہ کرے یا بلا عذر حج میں تاخیر کرے وہ سخت گناہگار ہے۔

حضرات! حج کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کا کیا کہنا؟ سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے حج کیا اور رفث (فحش کلامی) نہ کیا اور فسق نہ کیا تو وہ گناہوں سے پاک ہو کر ایسا لوٹا جیسے اس دن کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیحین)

حضرات! اسی طرح حضور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ منورہ کی زیارت کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ

یعنی اگر وہ لوگ جنہوں نے کوئی گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے۔ اے رسول! آپ کے

لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا○

دربار میں حاضر ہو جائیں۔ پھر اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ عزوجل سے بخشش مانگیں اور رسول بھی ان کیلئے مغفرت کی دعا کر دیں۔ تو وہ لوگ اللہ عزوجل کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنیوالا رحم فرمانے والا پائیں گے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی۔ (بہار شریعت)

اللہ اکبر! بھلا اس بدنصیب کا کہاں ٹھکانا ہوگا؟ جو خدا کے پیارے محبوب پر ظلم و جفا کرے گا۔ اسی لئے علماء اہل سنّت یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ روضہ منورہ کی زیارت اس قدر اہم ہے کہ واجب کے قریب ہے اور بہت ہی بڑا بدنصیب ہے وہ حاجی جو مدینہ منورہ نہ جائے اور حج کر کے مکہ سے بھاگ نکلے۔ خداوند کریم ہر مسلمان کو درِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری نصیب فرمائے (آمین) اللہ اکبر۔

اللہ اکبر! اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

آدابِ حرمین

حضرات گرامی! حج کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحباب اسی طرح زیارت کے مسائل پر تو مجھے اتنے قلیل وقت میں روشنی ڈالنی نہیں ہے۔ یہ سب مسائل تو معلم صاحبان ہر حاجی کو بتا ہی دیتے ہیں۔ پھر "حج و زیارت" کے بارے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے رسائل بھی مسائل بتانے کے لئے کافی ہیں۔

میں تو اس وقت اس مجلس میں سفر حج و زیارت میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے ادب و احترام کے بارے میں چند کلمات عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ جو درحقیقت ان دونوں سفروں کی روح مقاصد ہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

اور حضرت مولانا آسی علیہ الرحمہ نے تو بڑا ہی کیف آور وجد آفریں شعر لکھا ہے کہ وہ اپنے کیف و وجد کے عالم میں فرماتے ہیں کہ ۔

اے پائے نظر! ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

مکہ میں مست، مدینہ میں ہوشیار

حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ان دونوں حرموں کے بارے میں ایک مصرع بہت ہی مشہور ہے کہ۔

باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار

میں نے اپنی تک بندی کرتے ہوئے اسکی تضمین کی ہے اور پہلا مصرع یہ ملا دیا ہے۔

در حرم وارفتگی کن، در مدینہ ہوش دار
باخدا دیوانہ باش، وبا محمد ہوشیار

یعنی خدا کے دربارِ حرم مکہ میں تو خوب خوب اپنے جنونِ عشق اور وارفتگی و بے خودی کا مظاہرہ کرو۔ مگر جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ مدینہ میں پہنچو تو وہاں سنجیدہ اور ہوشیار بن کر دربار میں حاضری دو۔

بے کل بلرام پوری نے اسی شعر کا اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے اور ماشاء اللہ خوب لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

یہ مکہ ہے، یہاں دیوانگی بھی حسن ایماں ہے
مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

مطلب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ جہاں حرمِ الٰہی ہے۔ یہاں تو دیوانگی کی ادائیں بھی ایمان کے حسن کا نشان ہیں۔ مگر مدینہ منورہ میں اگر آدمی نے ہوش کا دامن چھوڑ دیا اور کوئی دوانہ پن کی حرکت کر بیٹھا۔ تو پھر سمجھ لو کہ اس کا دین و ایمان سب کچھ چھوٹ گیا۔ یعنی دین وایمان کی ساری دولت ہی غارت و برباد ہو جائے گی۔

حضرات! فارسی کا مصرع "باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہوشیار" درحقیقت یہ ایک مومن کے قلبی واردات کی سچی اور مکمل تصویر کشی اور ایمانی جذبات صادقہ کی بالکل صحیح عکاسی ہے۔

چنانچہ حج کے تمام افعال و اعمال پر اگر گہری نظر ڈالی جائے تو ہر ہر عمل میں ایک جنون عشق اور ایک قسم کی سرمستی اور بے خودی کا منظر نظر آتا ہے۔

ذرا غور تو کیجئے کہ احرام کے وقت سے حج ختم ہونے تک بغیر سلا ہوا ایک تہبند اور ایک چادر کے سوا' دوسرا کوئی لباس نہیں پہن سکتے۔ ہر وقت سر کھلا ہوا اور ننگے سر رہنا ضروری ہے۔ نہ حجامت بنوا سکتے ہیں' نہ ناخن کاٹ سکتے ہیں' نہ خوشبو لگا سکتے ہیں' نہ موزہ پہن سکتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' چیخ چیخ کر اور چلا کر ''لبیک لبیک'' کا نعرہ لگاتے پھرنا دیکھ لیجئے جو ہوش میں رہتا ہے وہ تو قسم قسم کی تراش خراش کے کپڑے اور بہترین لباس پہنا کرتا ہے۔ کرتا پائجامہ' شیروانی' کوٹ تو خیر اولڈ فیشن والوں کی پرانی تہذیب ہے۔ اب تو بوشرٹ چلا ہے اور پتلون تو ایسی نکلی ہے کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ سلا کر پہنتے ہیں۔ یا پہن کر سلاتے ہیں۔ بہرکیف ہوش و خرد والے عموماً بغیر سلا ہوا کپڑا نہیں پہنا کرتے۔ مستانوں ہی کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ بلا سلا ہوا کپڑا اپنے بدن سے لپیٹے ننگے سر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں نہ کھال کی فکر' نہ بال کی پرواہ۔

پھر کعبہ کا طواف چکر پر چکر لگانا' صفا و مروہ کی سعی' یہ چلت پھرت' یہ دوڑ بھاگ کبھی دھیرے دھیرے سے چلنا' کبھی دوڑنا کبھی رمل کرنا یعنی سینہ تان کر شانہ ہلاتے ہوئے اکڑ اکڑ کر چلنا۔ کبھی حجر اسود کو چوم لینا' کبھی ملتزم سے چمٹ کر رونا۔ کبھی کعبہ مقدسہ کی چوکھٹ پکڑ کر آہ و بکا اور گریہ وزاری کرنا۔ کبھی چاہ زمزم پر کھڑے کھڑے بھر بھر پیٹ پانی پینا' کبھی عرفات کے میدان میں کبھی مزدلفہ کے صحرا میں' کبھی منیٰ کی وادی میں پڑے رہنا' کبھی جمرہ کو کنکری مارنا۔ بتایئے یہ سب ادائیں اور یہ سارے اعمال و افعال کیا ہیں؟ اور کیسے ہیں؟ یہ سب سرور عشق کے مستانوں اور شمع توحید کے پروانوں کے رنگ و ڈھنگ تو ہیں۔ یہ سب خدا کے عشق و محبت اور والہانہ شوق و ذوق کی وارفتگی اور دیوانگی ہی کے آثار ہیں۔ پھر میدانِ عرفات میں ظہر کے وقت میں عصر پڑھنا اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب پڑھنا۔ پھر منیٰ میں قربانی کرکے خون بہانا۔ بے وقت کی نمازیں' یہ خون بہانا' پھر چٹ پٹ حجامت بنوا کر اور سلے ہوئے لباس پہن کر منیٰ سے مکہ جانا اور طواف کرنے لگنا۔ یہ سب ان ہی لوگوں کے کارناموں کی جھلکیاں تو ہیں۔ جو کسی کے عشق میں شراب کیف و سرور سے مدہوش ہو کر عقل و ہوش کی دنیا سے نکل چکے ہوں اور کسی کے حسن و جمال کے متوالے ہو کر اس کی محبت میں دیوانے ہو چکے ہوں۔ غرض حج کے تمام اعمال میں ایسے ہی مناظر کی تجلیاں ہیں۔ جیسے کوئی عاشق اپنے ہوش و خرد کی دنیا سے بیزار ہو کر جنونِ عشق کے میدان میں پہنچ گیا ہو۔ اور اپنے محبوب کی یاد میں ننگے سر بال الجھے بے چین و بے قرار' ایک جگہ سے دوسری جگہ چیختا چلاتا' دوڑتا بھاگتا پھرتا ہو۔ اور طرح طرح کے ایسے اعمال و افعال کرتا پھرتا ہو۔ جو ہوش و خرد کے عالم میں رہنے والے نہیں کیا

کرتے۔

حضرات گرامی! یہی مطلب ہے اس مصرع کا کہ یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایمان ہے۔ مگر یہی حاجی جب روضہ منورہ کی زیارت کے ارادے سے مدینہ منورہ روانہ ہوتا ہے۔ تو اب بلا سلا ہوا لباس پہن کر ننگے سر نہیں چلتا۔ نہ چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر کوئی نعرہ مارتا ہے۔ بلکہ سلے ہوئے صاف و شفاف کپڑے پہنے' خوشبو میں بسے' پورے سکون و اطمینان اور باوقار رفتار کے ساتھ درود و سلام کا درود وظیفہ پڑھتے ہوئے باادب باقرینہ دیار مدینہ کی مقدس سرزمین پر قدم رکھتا ہے اور گنبد خضریٰ کا دیدار ہوتے ہی اگرچہ جوشِ اشتیاق اور جذبہ عشق میں ہر ذرا اس قدر بے قرار ہو جاتا ہے کہ اس کا دامن صبر تار تار ہو جاتا ہے۔ مگر سینے میں چھپا ہوا مفتی یعنی عظمتِ رسول سے بھرا ہوا دل فوراً یہ فتویٰ دے کر ہوشیار اور خبردار کر دیتا ہے کہ ۔

پیش نظر وہ نو بہار' سجدے کو سر ہے بیقرار
رو کیے سر کو روکئے' ہاں یہی امتحان ہے

کیا مجال کہ کسی کی کوئی چیخ نکل جائے۔ دل بھرے ہوئے محبت کے جذبات آنسوؤں کا سیلاب بن کر آنکھوں سے اُمنڈ پڑتے ہیں۔ بے اختیار نگاہیں نیچی' بلکہ آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور گرم گرم آنسوؤں کی دھار رخسار پر بہنے لگتی ہیں۔ جوش گریہ سے اشکبار ہو کر آنکھیں زار زار روتی ہیں۔ مگر کمال ادب واحترام سے زبان پر سکوت و خاموشی کا ایسا قفل لگا ہوتا ہے کہ نہ ''آہ'' نکلتی ہے۔ نہ ''اوہ'' نہ ''ہائے'' نہ ''ہو'' بس خاموش چپ چاپ کھڑے ہیں۔

لب وا ہیں' آنکھیں بند ہیں' پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

غرض گنبد خضریٰ کا نظارہ ہو یا سنہری جالیوں کا مواجہہ' رحمت عالم کا مصلّٰی ہو یا منبر۔ محراب نبوی ہو' یا قبر انور۔ ستونِ مسجد ہوں یا سنگدر۔ بھرائی ہوئی اور دکھ بری آواز میں صلوٰۃ و سلام کے مدھم سُر کے سوا کوئی صدا نہیں۔ ہر جگہ ہر مقام پر لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ کا تازیانہ ادب ہر وقت ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ کہ خبردار! یہ وہ مقام ہے کہ ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

یعنی آسمان کے نیچے یہ ایک ادب کا مقام ہے جو عرش سے زیادہ نازک ہے۔ ماوشما

تو کس شمار و قطار میں ہیں؟ یہ وہ باعظمت دربار ہے کہ جنید بغدادی اور بایزید بسطامی جیسے اولیاء کبار بھی جب اس جگہ پر حاضر ہوتے ہیں تو زور زور سے بولنا تو درکنار یہاں زور سے سانس بھی نہیں لیتے۔ کہ یہاں زور زور سے سانس لینا بھی بے ادبی ہے۔

حضرات! مولانا آسی علیہ الرحمہ کا شعر آپ سن چکے کہ

اے پائے نظر ہوش میں آ کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا تو یہاں بے ادبی ہے

بہرکیف جب آپ مکہ اور مدینہ دونوں جگہوں کی حاضری کے مناظر ایک حد تک ذہن نشین کر چکے تو اب دونوں جگہوں کے اعمال و افعال اور کوائف و احوال کو نظر میں رکھتے ہوئے اس شعر کو پڑھنے کا لطف اٹھایئے کہ

یہ مکہ ہے یہاں دیوانگی بھی حسن ایماں ہے   مگر طیبہ میں دامن ہوش کا چھوٹا تو سب چھوٹا

دیکھ لیجئے کہ مکہ مکرمہ میں حج کا ہر ہر عمل یہ بتاتا ہے کہ حاجی عشق الٰہی کی سرمستی میں دیدارِ خداوندی کے لئے دیوانہ بنا ہوا ہے اور یہاں وارفتگی اور دیوانگی کی یہ ادائیں خدا کو پسند ہیں۔ اس لئے یہ ایمان کا حسن و جمال اور سلام کے حسین و جمیل چہرے کا پوڈر ہیں اور مدینۃ الرسول خدا کے محبوب کا دربار ہے۔ اس لئے خدا کا حکم ہے کہ میرے محبوب کے دربار میں ہرگز ہرگز کوئی دیوانگی کا مظاہرہ نہ کرے۔ بلکہ یہاں سراپا ہوشیار ہو کر حاضری دے۔ یہاں یہی ایمان کا حسن ہے۔

اللہ اکبر! مسلمانو! خدا کی شان ہے کہ اپنے دربار میں اس کو اپنے بندوں کی دیوانگی پسند ہے اور اپنے محبوب کے دربار میں اپنے بندوں کا ہوشیار و باوقار اور باادب رہنا محبوب ہے۔ سبحان اللہ! کل یوم ھو فی شان ۔ ہر دن اس کی ایک نرالی شان ہے اور بندہ اس کی ہر شان پر جی جان سے قربان ہے۔

بہرکیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی دونوں حاضریوں کے آداب جدا جدا ہیں۔ مکہ کے حرم خداوندی اور دربار الٰہی میں ہر دم ہر قدم پر دمبدم عاشقانہ جوش و خروش مستانہ رفتار و روش، ہر سانس میں ایک سرور و مستی، ہر بات میں ایک وجد و اضطراب، ہر ورد اور ہر دعا میں نعرہ مستانہ، کبھی لبیک کی چیخ و پکار، کبھی تکبیر و تہلیل کا شور، کبھی طواف کعبہ کے وقت تسبیحات اور دعاؤں کا ہنگامہ اور مدینہ منورہ کے حرمِ نبوی میں قدم قدم پر سکون و وقار کا اظہار، ہر حرکت و سکون

میں تواضع اور انکسار، سرورِ عشق کا سکون و اطمینان اکرام و احترام کی باادب نیاز مندیاں، تعظیم و تکریم کی مودبانہ ادائیں، درود و سلام کی نرم نرم مگر درد بھری صدائیں۔ ان دونوں مقاموں کی کیفیات کا نقشہ کھینچتے ہوئے زائرِ حرم حمید صدیقی نے اپنے ایک شعر میں کیا خوب کہا ہے کہ۔

واں بس اِک ہنگامۂ تکبیر و تہلیل وطواف
یاں سرورِ عشق میں ہر شخص سرور آستیں

اسی طرح اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہوں کی کیفیات کو اشعار کے قالب میں ڈھالتے ہوئے جو تصویر کشی اور منظر نگاری فرمائی ہے۔ وہ پڑھنے دیکھنے اور سننے کے قابل ہے۔ چند اشعار سنئے۔ عشاقانہ جذبات کے ساتھ سنتے رہیے اور وجد واجد کے کیف وسرور سے سر دھنتے رہیے۔

پہلے ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیجئے۔ پھر اشعار سنئے۔

اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ ال سیدنا محمد و بارك وسلم

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو ۔ کعبہ تو دیکھ چکے، کعبہ کا کعبہ دیکھو
رکنِ شامی سے مٹی وحشت شامِ غربت ۔ اب مدینہ کو چلو، صبحِ دل آرا دیکھو
آبِ زمزم تو پیا، خوب بجھائیں پیاسیں ۔ آؤ جودِ شہہ کوثر کا بھی دریا دیکھو
زیرِ میراب ملے خوب کرم کے چھینٹے ۔ ابرِ رحمت کا یہاں روز برسنا دیکھو
دھوم دیکھی ہے درِ کعبہ پہ بیتابوں کی ۔ ان کے مشتاقوں میں حسرت کا تڑپنا دیکھو
خوب آنکھوں سے لگایا ہے غلافِ کعبہ ۔ قصرِ محبوب کے پردے کا بھی جلوہ دیکھو
زینتِ کعبہ میں تھا، لاکھ عروسوں کا بناؤ ۔ جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو
واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا ۔ یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت ۔ جوشِ رحمت پہ یہاں نازِ گنہ کا دیکھو
دھو چکا ظلمتِ دل بوسۂ سنگِ اسود ۔ خاک بوسیٔ مدینہ کا بھی رتبہ دیکھو
کر چکی رفعتِ کعبہ پہ نظر پروازیں ۔ ٹوپی اب تھام کے خاکِ درِ والا دیکھو

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

حضراتِ گرامی! میں نے شروع ہی میں یہ عرض کر دیا تھا کہ میں اس اجلاس میں ''حج و زیارت'' کے مسائل نہیں بیان کروں گا۔ بلکہ حرمین شریفین کے صرف چند آداب آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ کیونکہ ادب ہی درحقیقت ان دونوں سفروں کے مقاصد کی جان ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب'' یعنی ادب کرنے والا انسان ہی نصیب ور اور خوش قسمت ہوتا ہے اور جو انسان بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ بے نصیب اور بد قسمت ہی رہتا ہے۔

مسلمانو! ہم اور تم تو کس گنتی اور کس شمار میں ہیں۔ حضرت مولانا روم جن کے علم و فضل اور بزرگی کی تمام عالم میں دھوم مچی ہوئی ہے۔ اور اپنی خاص مناجات میں خالق کائنات سے جس بات کی دعا مانگتے ہیں۔ وہ یہی ادب ہے۔ چنانچہ ان کی مناجات کا مشہور شعر ہے کہ ۔

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

یعنی ہم خدا سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔ کیونکہ جو بے ادب ہوتا ہے وہ ہمیشہ خدا کے فضل سے محروم ہی رہتا ہے اور جو بدنصیب خدا کے فضل سے محروم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیوں سے محروم ہو گیا۔

اس لئے حرمین شریفین کا سفر کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بلکہ پورے دیار کا ادب و احترام ملحوظ رکھے۔ اور ہر دم ہر قدم پر دھیان رکھے کہ یہاں کا ذرہ ذرہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک خاص بلکہ خاص الخاص نسبت و تعلق رکھتا ہے۔ یہاں کی زمین کا چپہ چپہ نعلین پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سربلندیوں سے سرفراز ہو چکا ہے اور یہاں کے ہر خشک وتر پر رحمت عالم کی نظر کیمیا اثر پڑ چکی ہے۔ یہ دونوں شہر مہبط انوارِ الٰہی انہی دونوں شہروں میں قرآن کا نزول ہوا اور جبریل امین اس سرزمین پر ہزاروں بار سدرۃ المنتہیٰ سے اترے۔ یہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح کو اور ستر ہزار فرشتے شام کو اترتے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ میں روضۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ یہاں کے دیوار و در، شجر و حجر، خشک وتر، کنکر، پتھر، جاندار و بے جان انسان و حیوان، مکان و دکان، باغ و میدان غرض ہر ہر چیز کا ادب و احترام اور اعزاز و اکرام کرتا رہے۔ مسلمانو! یہاں تک مسئلہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے کسی ہرے درخت یا ہری گھاس کو کاٹنا

حرام ہے۔ اگر کوئی جانور خواہ شہری ہو یا جنگلی اگر کسی درخت کے سائے میں بیٹھا ہو تو اس کو وہاں سے اٹھا کر خود اس سائے میں بیٹھنا حرام ہے۔

اللہ اکبر! جب وہاں کے درختوں، گھاسوں اور جانوروں کو بھی ذرہ برابر ایذا دینا حرام ہے تو پھر وہاں کے صاحب ایمان باشندوں کو جو اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھروں کے پڑوسی ہیں۔ بھلا کسی طرح کی کوئی تکلیف دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

یاد رکھیے کہ ذرا ذرا سی باتوں پر جو لوگ معلموں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں یا وہاں کے قلیوں حمالیوں اور سائلوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر جھڑک دیتے ہیں۔ بلکہ دھکا دے کر اور برا بھلا کہہ کر دھتکار پھٹکار دیتے ہیں۔ درحقیقت وہ لوگ حرمین شریفین کا ادب نہیں جانتے اور کعبہ معظمہ اور روضہ منورہ کا اکرام و احترام نہیں کرتے۔ ان لوگوں کے بارے میں بہت بڑا خطرہ ہے کہ ان کی ان بے ادبیوں کی نحوست سے کہیں ان کے حج و زیارت کا ثواب ہی غارت و برباد نہ ہو جائے۔

حج میں انبیاء اور فرشتے

حضرات! مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اس بات کا خاص طور پر ہر جگہ ہر مقام، ہر منزل، ہر کوچہ اور بازار بلکہ پورے دیار میں یہ خیال اور لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ حج کے مجمع میں ہزاروں علماء و صالحین اور اولیاء کاملین مجاذیب و سالکین، بلکہ غوث و قطب اور ابدال و افراد یہاں تک کہ حضرات انبیاء کرام میں سے حضرت خضر و حضرت الیاس علیہما السلام بھی ہر سال موجود رہتے ہیں۔ پھر ہزاروں فرشتے بھی مختلف انسانوں کی صورتوں اور شکلوں میں اس مجمع کے اندر آسمانوں سے اتر پڑتے ہیں اور بڑی مشکل یہ ہے کہ ہمارے تمہارے پاس ان بزرگوں کو پہچاننے والی نظر نہیں ہے۔ اس لئے خیریت اسی میں ہے کہ ہر وقت ہر گھڑی ہوشیار اور خبردار رہنا چاہیے۔ خدا جانے تمہارے سامنے آنے والا انسان کون ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ ممکن ہے کہ حمال اور سائل کوئی فرشتہ ہو جو تمہارا امتحان لینے کے لئے تم سے کچھ سخت کلامی کر رہا ہو۔ اس لئے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی اس نصیحت پر عمل کرنے میں بھلائی ہے کہ

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

یعنی ہر جھاڑی کے بارے میں یہ گمان نہ رکھو کہ خالی ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی جھاڑی

میں کوئی چھپا سور رہا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے بارے میں یہ خیال نہ کرلو کہ کوئی بدھو یا چھیدی بقر عیدی ہی ہوگا۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی با کمال عالم یا صاحب کرامت ولی یا بزرگ فرشتہ ہو۔ بہر کیف خلاصہ یہ ہے کہ کسی کی کوئی بے ادبی نہ ہونے پائے۔ اس لئے کہ حرمین شریفین سے جن جن چیزوں کو کوئی ادنیٰ تعلق بھی ہو تو وہ بھی قابل احترام اور لائق تعظیم ہیں۔

امام مالک کا ادب

مسلمانو! مدینہ منورہ کا ادب واحترام تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھو۔ آپ تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے۔ مگر بیماری یا مجبوری کے علاوہ کبھی شہر میں بول و براز نہیں کیا۔ بہت سے ترکی گھوڑے بادشاہ نے آپ کی سواری کے لئے نذر کئے تھے جو آپ کے دروازے پر بندھے رہتے تھے۔ مگر آپ شہر مدینہ منورہ کے اندر کبھی کسی گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ شہر کے اندر پیادہ پا چلتے۔ جب لوگ سواری پر سوار ہونے کے لئے اصرار کرتے تو آپ سختی سے انکار کر دیتے اور فرماتے تھے کہ اے لوگو! مجھے بڑی شرم آتی ہے کہ اس مقدس شہر کے چپہ چپہ پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ناز پڑے ہوں۔ میں اس شہر مبارک کی زمین کو اپنی سواری کے جانوروں کے پاؤں سے روندتا ہوا چلوں۔ آپ شہر کی پرانی دیواروں کو چوم لیا کرتے تھے کہ شاید ان پر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا ہو۔ اللہ اکبر! کیا خوب فرمایا کسی عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۔

بزمینے کہ نشانِ کف پائے تو بود!
سالہا سجدہ گہ صاحب نظر اں خواہد بود

یعنی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جس زمین میں کہ آپ کے پائے اقدس کا نشان پڑا ہوگا۔ برسہا برس تک صاحب نظر اور چشم بصیرت والے اس زمین پر اپنا سر رکھ کر خدا کا سجدہ کرتے رہیں گے۔ سبحان اللہ! ۔

یہ نہیں کہ خلد نہ ہو نکو وہ نکوئی کی بھی ہے آبرو!
مگر اے مدینہ کی آرزو! جسے چاہے تو وہ سماں نہیں

برادرانِ ملت! میری دعا ہے کہ ارحم الرحمین ہر مسلمان کو حج وزیارت کی دولت نصیب فرمائے اور سب کو حرمین شریفین کے ادب واحترام اور ان دونوں شہروں سے نسبت و تعلق رکھنے والی ہر ہر چیز کے اعزاز و اکرام کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) سبحان اللہ کیا خوب

فرمایا جناب احقر نے

آرزو ہے روضۂ اطہر کا منظر دیکھتے — صبح انوار دیکھتے، شامِ منبر دیکھتے
جالیوں کو تھام کر بادیدۂ تر دیکھتے — کوندتی برقِ تجلی کا وہ منظر دیکھتے
ہم ریاض جنت الفردوس میں پڑھتے نماز — پھر بہت نزدیک سے حضرت کا منبر دیکھتے
سر زمین طیبہ و بطحا کی کرتے سیر ہم — اور حکایاتِ جنونِ شوق پڑھ کر دیکھتے
سایہ میزابِ رحمت میں دعا کرتے ہوئے — اپنی چشم نم سے اپنا دیدۂ تر دیکھتے
آب زمزم سے وضو کرتے نہاتے بار بار
پھر گناہوں سے مطہر جسم احقر دیکھتے

حضرات گرامی!

واللہ! اس میں شک نہیں کہ حرمِ الٰہی مکہ مکرمہ اور حرمِ نبوی مدینہ منورہ کی حاضری خداوند کریم کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت ہے اور اس نعمتِ عظمیٰ سے وہی سرفراز ہوئے ہیں جو بہت ہی خوش نصیب ہیں۔

بہرکیف اب دعا کے لئے ہاتھ اٹھایئے۔ میں دعا مانگتا ہوں اور آپ اخلاصِ قلب کے ساتھ "آمین" کہیے۔

دعا

یاالٰہی ! ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو جب پڑے مشکل شہہ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی ! بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو شادیٔ دیدار حسن مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو
یا الٰہی! گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات انکے پیارے منہ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے ساقیٔ کوثر شہہ جو دو عطا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! حشر کی گرمی سے جب بھڑکیں بدن دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! نامۂ اعمال جب کھلنے لگیں عیب پوش خلق ستارِ خطا کا ساتھ ہو
یا الٰہی! جب بہیں آنکھیں حساب جرم سے ان تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو
یا الٰہی !جب چلوں تاریک راہ پل صراط آفتاب ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو
یاالٰہی ! جب سر شمشیر پہ چلنا پڑے رَبِّ سَلِّمْ کہنےوالے مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الٰہی! جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں قدسیوں کے لب سے آمین رَبَّنَا کا ساتھ ہو

یا الٰہی ! جب رضا خواب گراں سے سر اٹھائے
دولت بیدارِ عشق مصطفیٰ کا ساتھ ہو

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد
والہ وصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین